سلسلۂ دار المصنفین

کتاب مستطاب

سیرت النبی

یعنی

سوانحِ اقدس حضرت سرورِ عالم محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

مجلد سوم مشتمل دلائل و معجزات

اولاً مقدمہ میں نفسِ معجزہ کی حقیقت اور اس کے امکان و وقوع پر فلسفۂ قدیمہ فلسفۂ جدیدہ علم کلام اور قرآن مجید کے نقطہ ہائے نظر سے مبسوط بحث و تبصرہ ہے اور اس کے بعد خصائص نبوت یعنی مکالمۂ الٰہی، وحی، نزول ملائکہ، عالم رؤیا، معراج اور شرح صدر کا بیان ہے پھر وہ آیات معجزات مذکور ہیں جن کا ذکر قرآن مجید میں ہے، بعد ازیں وہ ہیں جو مستند روایات سے ثابت ہیں، پھر معجزوں کی نامعتبر روایات کی تنقید کا باب ہے، اور اس کے بعد وہ بشارات نبوی ہیں جو صحف سابقہ میں موجود ہیں اور جن کے حوالے قرآن و حدیث میں مذکور ہیں اور آخر میں خصائص محمدی کا باب ہے،

(تالیف)

مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۳۷۲ھ / ۱۹۵۳ء)

نیشنل بک فاؤنڈیشن اسلام آباد۔ پاکستان

قیمت ۲۰ روپے

جملہ حقوق بحق نیشنل بک فاؤنڈیشن محفوظ ہیں

کوڈ نمبر آر۔پی/ڈی ایم پی/این بی ایف/آئی۔ ۱۱۸/۳۷۹/۳۰۰۰
کاپی رائٹ ایکٹ جاری کردہ ۱۹۷۲ء کے تحت نیشنل بک فاؤنڈیشن
کی ذمہ داری پر نور عالم پرنٹرز لاہور سے طبع ہوئی

فہرست مضامین

سیرۃ النبی حصہ سوم

مضمون	صفحہ
دلائل و معجزات	
۱ - ۱۱	
روحانی نوامیس کا وجود	۱
نبوت کے فطری روحانی آثار	״
نبوت کے روحانی نوامیس جسمانی قوانین پر حکمراں ہیں	۲
نبوت کے روحانی نوامیس کے اسباب و علل سے ہم اسی طرح لاعلم ہیں جس طرح جسمانی قوانین کے	۳
انبیاء کا اصل معجزہ خود اُن کا سرتاپا وجود ہے۔	״
انبیاء کے کامل پیرو اُن سے معجزہ نہیں مانگتے تھے۔	۴
معاندین معجزوں کے بعد بھی ایمان نہیں لائے۔	״
معجزوں سے کن کو فائدہ پہنچتا ہے	۵

مضمون	صفحہ
ان واقعات کا اصطلاحی نام دلائل و براہین و آیات کا تعلق انبیاء کی سیرتوں سے	۶ ״
دلائل و آیات کا تعلق سیرت محمدی سے	۸
دلائل و معجزات اور عقلیت	۱۰
دلائل و معجزات اور فلسفۂ قدیمہ و علم کلام ۱۲ - ۱۱۶	
خواص نبوت کے متعلق فارابی کے خیالات	۱۳
اطلاعِ غیب	۱۵
رویت و کلامِ ملائکہ	۱۶
خوارقِ عادات	۱۷
وحی و مشاہدہ	۱۸ - ۳۸
معجزات ۳۹ - ۱۱۶	

مضمون	صفحہ
اسباب خفیہ کی توجیہ بے کار ہے	۵۲
حکمائے اسلام کی غلطی کا سبب	۵۴
اشاعرہ اور معتزلہ میں نتیجہ کا اختلاف نہیں	۵۵
خرق عادت سے انکار کا اصلی سبب	″
سلسلۂ اسباب وعلل پر یقین ہے	
سلسلۂ اسباب وعلل پر علم انسانی کو احتواء نہیں	۵۶
حقیقی علت خدا کی قدرت وارادہ ہے	۵۹
مولانا روم اور اسباب وعلل اور معجزہ کی حقیقت	۶۰
علتِ خاصیت اور اثر کی حقیقت	۶۳
اسباب وعلل محض عادی ہیں	۶۴
اسباب عادیہ کا علم صرف تجربہ سے ہوتا ہے	۶۵
اسباب وعلل کا علم عدیم رہتا ہے	۶۶
اسباب وعلل کا علم تجربہ سے ہوتا ہے	۶۸
علامہ ابن تیمیہ کا بیان کہ اسباب وعلل تجربی ہیں	۷۲
تجربات کی بنا شہادت اور روایت اور تاریخ پر ہے	۷۶
فلسفہ اور سائنس بھی ایک قسم کی تاریخ ہیں	۷۷
تاریخی شہادتوں کے شرائط استناد	۷۹
مسلمانوں کا علم روایت	″
تائید: واقعات پر یقین کرنے کا ذریعہ	۸۱
صرف روایات کی شہادت ہے	
خبر احاد پر بھی عملاً یقین ہوتا ہے	۸۲

مضمون	صفحہ
واقعات پر یقین کے لیے اصلی بنیاد	۸۳
امکان اور عدم امکان کی بحث نہیں	″
بلکہ روایت کے ثبوت اور عدم ثبوت کی ہے:	
جس درجہ کا واقعہ ہو اسی درجہ کی شہادت ہونی چاہیے	″
معجزات دراصل تجربیات کے خلاف نہیں ہوتے.	۸۴
معجزات کا ثبوت روایتی شہادتیں ہیں	۸۵
خلاصۂ مباحث	″
یقین معجزات کے اصول نفسی	۸۶
امام غزالی اور یقین اور اذعان کی صورتیں	۸۷
معجزہ اور سحر کا فرق	۹۱
معجزہ دلیل نبوت ہو سکتا ہے یا نہیں	۹۷
امام غزالی کی تقریر	۱۰۲
امام رازی کی تقریر	۱۰۳
مولانا روم کے حقایق	۱۰۵
صحابہ کو کیونکر رسالت کا یقین آیا	۱۱۲

دلائل ومعجزات
اور
فلسفۂ جدیدہ
۱۱۷ - ۲۱۰

مفہوم نبوت	۱۱۸
مفہوم معجزہ	″

مضمون	صفحہ
ترتیب مباحث	۱۱۹
امکان معجزات ۱۲۰ - ۱۳۹	
ہیوم کا استدلال	۱۲۱
قوانین فطرت کی حقیقت	۱۲۵
شہادت معجزات ۱۴۰ - ۱۴۹	
امکان، وقوع کے لیے کافی نہیں	۱۴۰
ہیوم کا فتوی	۱۴۱
ہیوم کا تعصب	۱۴۲
کافی شہادت	۱۴۳
ہیوم کا صریح تناقض	۱۴۶
انتہائی استبعاد	۱۴۷
استبعاد معجزات ۱۴۸ - ۱۶۶	
فطرت کی یکسانی	۱۴۸
ایجادات سائنس	۱۵۰
تنجیم	۱۵۱
معجزات شفا	۱۵۳
عام تجربات	۱۵۴
رویائے صادقہ	۱۵۶
حقیقی اسرار نبوت	۱۵۸
حقیقی آیات نبوت کی عام مثالیں	〃

مضمون	صفحہ
مقدمات ثلثہ	۱۶۴
اصلی بحث یقین کی ہے	۱۶۵
یقین معجزات ۱۶۶ - ۱۹۶	
یقین کی ماہیت	۱۶۶
نظریات حکمت کا یقین	۱۶۸
یکسانی کا جذبہ	۱۶۹
نظریات فلسفہ کا یقین	۱۷۱
مشاہدات کا یقین	۱۷۳
نفسیات یقین	۱۷۶
خواہش یقین	۱۷۷
موانع و مؤیدات یقین	۱۷۸
نفسیات یقین کی شہادت واقعات سیرت سے	۱۸۱
غایت معجزات ۱۸۶ - ۲۰۲	
معجزہ منطقی دلیل نہیں	۱۸۶
معجزہ کی اصلی غایت	〃
پہلی صورت	۱۸۹
بعض وسوسوں کا جواب	۱۹۴
ایک اور اعتراض	۱۹۵
دوسری صورت	۱۹۶
اس صورت کے مختلف احتمالات	۱۹۶
یقین معجزہ کے شرائط	۲۰۳

مضمون	صفحہ
لُبِ لباب	
آیات و دلائل	
اللہ	
قرآن مجید	
۲۱۱ - ۳۲۰	
انبیاء اور آیات و دلائل	۲۱۱
قرآن مجید اور اصطلاح آیات و دلائل	۲۱۲
لفظ آیت اور معجزہ کی حقیقت	۲۱۳
آیاتِ اللہ	۲۱۵
آیات و دلائل کی دو قسمیں، ظاہری اور باطنی	۲۲۱
نبوت کی باطنی نشانیاں واقعات کی روشنی میں	۲۲۲
قرآن مجید اور نبوت کی باطنی علامات	۲۲۵
ظاہری آیات اور نشانات	۲۳۲
ظاہری نشانات صرف معاندین طلب کرتے ہیں	۲۳۳
کفار کا یہ معجزہ طلب کرنا نفی معجزہ کی دلیل نہیں	۲۳۴
معاندین کو معجزہ سے بھی تسلی نہیں ہوتی	۲۳۶
معاندین کو معجزہ سے بھی ایمان کی دولت نہیں ملتی	۲۴۰
بااین ہمہ انبیاء معاندین کو معجزات دکھاتے ہیں، اور وہ اعراض کرتے ہیں،	۲۴۷
اس لیے بالآخر معاندین کی طلب معجزہ سے تغافل ہوتا جاتا ہے	۲۵۰
معجزہ کے انکار یا تاخیر کے اسباب	۲۵۲
عقیدۂ معجزات کی اصلاح	۲۶۰
مسئلۂ اسباب و علل میں افراط و تفریط	۲۶۷
قرآن مجید اسباب و مصالح کا قائل ہے	۲۶۹
لیکن علت حقیقی قدرت مشیت ہے	۲۷۶
قرآن میں سنت اللہ کا مفہوم	۲۷۹
قرآن میں فطرۃ اللہ کا مفہوم	۲۸۱
معجزہ کا سبب صرف ارادۂ الٰہی ہے	۲۸۳
معجزہ کی باعتبار خرق عادت کے چار قسمیں ہیں	۲۸۴
اہل ایمان پر اثر کے لحاظ سے معجزات کی دو قسمیں	۲۸۵
کفار کے لیے نتائج کے لحاظ سے معجزات کی دو قسمیں	۲۸۹
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور معجزۂ ہدایت	۲۹۳
شق قمر آخر ہی نشانِ ہدایت تھا،	۲۹۵
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور معجزۂ ہلاکت	۲۹۶
غزوۂ بدر معجزۂ ہلاکت تھا	۳۰۶

مضمون	صفحہ
سحر اور معجزہ کا فرق اور ساحر اور پیغمبر میں امتیاز	۳۱۲
معجزات اور نشانات سے کن لوگوں کو ہدایت ملتی ہے	۳۱۶
صداقت کی نشانی صرف ہدایت ہے	۳۲۰
آیات و دلائل نبوی کی تفصیل ۳۲۱ - ۳۸۳	
خصائص النبوۃ	۳۲۳
مکالمۂ الٰہی	۳۲۶
وحی	۳۲۸
نزول ملائکہ ۳۴۰ - ۳۶۰	
نزول جبریل	۳۴۱
فرشتۂ میکائیل کا نزول	۳۵۲
عام ملائکہ کا نزول	۳۵۳
عالم رویا	۳۶۱
رویائے تمثیلی	۳۶۳
مشاہدات و مسموعات عالم بیداری اسراء یا معراج ۳۹۳ - ۴۵۲	
انبیاء اور سیر ملکوت	۳۹۳

مضمون	صفحہ
معراج نبوی	۳۹۵
معراج نبوی کا وقت، تاریخ، اور تعداد وقوع	״
معراج کی صحیح روایتیں	۴۰۴
معراج کا واقعہ	۴۰۵
کفار کی تکذیب	۴۱۷
کیا آپ نے معراج میں خدا کو دیکھا؟	۴۲۰
معراج جسمانی تھی یا روحانی. خواب تھا یا بیداری	۴۲۹
معراج کے بحالت بیداری ہونے پر صحیح استدلال	۴۳۵
عیان رویا کا مقصود بھی رویا سے عام خواب نہیں	״
رویائے صادقہ کی تاویل	۴۴۶
رویا سے مقصود روحانی ہے	۴۴۷
قرآن مجید اور معراج (معراج کے اسرار، اعلانات، احکام، بشارتیں اور انعامات) ۴۵۳ - ۴۸۳	
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بنی القبلتین ہونا	۴۵۴
بنی اسرائیل کی مدت تولیت کا	۴۵۶
اختتام	

مضمون	صفحہ
کفار مکہ کے نام آخری اعلان	۴۵۹
معراج کے احکام و وصایا	۴۶۲
ہجرت اور عذاب	۴۶۷
نماز پنجگانہ کی فرضیت	۴۷۰
ہجرت کی دعا	۴۷۱
نبوت، قرآن. قیامت، معراج اور معجزات پر اعتراضات،	۴۷۲
حضرت موسیٰ کے واقعات اور حالات سے استشہاد	۴۷۶
معراج کے انعامات	۴۷۹
معراج کا پہلا سفر منظر	۴۸۱
شق صدر یا شرح صدر ۴۸۴ - ۵۰۴	
شقِ صدر کی ضعیف روایتیں	۴۸۶
حماد بن سلمہ کی روایت میں ان کا وہم	۴۹۴
دو دفعہ شق صدر ہونا اسکی تاویل	۴۹۷
شق صدر کی صحیح کیفیت	،،
شق صدر کی حقیقت	۴۹۸
شرح صدر کے لیے مناسب موقع اور مصلحت	۵۰۳
آیات و دلائل نبوی قرآن مجید میں ۵۰۵ - ۵۱۰	

مضمون	صفحہ
قرآن مجید میں آپ کے تمام معجزات کا تفصیلی ذکر کیوں نہیں ہے	۵۰۵
قرآن مجید سے آپ کے صاحب معجزہ ہونے کی دلیل	۵۰۷
قرآن مجید میں آپ کے دلائل و معجزات مذکور ہیں	۵۱۰
معجزۂ قرآن ۵۱۱ - ۵۲۹	
فصاحت و بلاغت	۵۱۶
یکسانی اور عدم اختلاف	۵۱۸
قوت تاثیر	،،
تسلیم و ہدایت	،،
قرآن کا جواب لانے کی قدرت نہیں	۵۲
ایک امی کی زبان سے ادا ہوا	۵۲۱
حفظ و بقا کا وعدہ	،،
قوت دلائل	۵۲۲
امیت	۵۳۰
ذات نبوی کی حفاظت	۵۴۲
قبیلۃ الجن	۵۴۷
اجنہ کی انقلاب آسمانی کی تلاش اور ان کا مشرف بااسلام ہونا	،،
شق قمر	۵۶۰

مضمون	صفحہ
غلبۂ روم کی پیشینگوئی	۵۶۸
دیگر آیات و دلائل نبوی قرآن مجید میں	
۵۷۵ - ۶۰۳	
طیرابابیل کی نشانی	۵۷۵
شہب ثاقب کی کثرت	۵۷۶
شرحِ صدر	۵۷۷
مکہ سے بیت المقدس تک ایک شب میں سفر	〃
قریش پر قحط سالی کا عذاب	
موقع ہجرت کی معجزانہ نشانیاں	۵۷۹
خواب میں کفار کا کم دیکھنا	۵۸۱
مسلمانوں کا کافروں کی نظر میں اور کافروں کا مسلمانوں کی نظر میں کم کرکے دکھانا	۵۸۲
پھر کافروں کی آنکھوں میں مسلمانوں کا دونا نظر آنا	〃
فرشتوں کی آمد	۵۸۳
میدان جنگ میں پانی برسانا	۵۸۴
لڑائیوں میں نیند کا طاری ہونا	-
آپ کا کنکری پھینکنا	۵۸۵
غزوۂ بدر میں دو میں سے ایک کا وعدہ	۵۸۶
غزوۂ احزاب کی خبر	

مضمون	صفحہ
غزوۂ احزاب میں آندھی	۵۸۷
غزوۂ حنین میں نصرت	۵۸۸
غیب پر اطلاع	۵۸۹
بنو نضیر کی سازش کی اطلاع	-
مہاجرین حبش کو بشارت	۵۹۰
ہجرت کے بعد قریش کو مہلت نہ ملے گی	۵۹۱
مدینہ میں بڑے بڑے مصائب کا سامنا ہوگا	۵۹۲
دینی اور دنیاوی شہنشاہی کا وعدہ	〃
قبائل عرب کی شکست ہوگی	۵۹۴
قریش کی شکست اور بربادی کے وعدے	۵۹۵
فتح مکہ کی پیشین گوئیاں	۵۹۶
خیبر اور حنین کی فتح کی پیشین گوئی	۵۹۷
یہود کو اعلان	۵۹۹
یہود کی دائمی ناکامی	۶۰۰
روم کی قوت ٹوٹ جائے گی	۶۰۱
خلفائے راشدین کے زمانہ کی لڑائیاں	۶۰۲
وفات نبوی کی پیشین گوئی	〃
آیات و دلائل نبویہ بروایات صحیحہ ۶۰۴ - ۶۶۸	
علامات نبوت قبل بعثت ۶۰۶ - ۶۱۳	

مضمون	صفحہ
حضرت آمنہ کا خواب	۶۰۶
ولادت نبویؐ کی پیشین گوئیاں یہود و نصاریٰ میں	۶۰۷
بتخانوں میں غیبی آوازیں	۶۰۸
شقّ صدر	″
مبارک قدم ہونا	۶۰۹
بے سری میں آپ کا غش کھا کر گرنا	۶۱۰
نیند طاری ہونا	۶۱۱
عمدا ے غیب	″
پتھروں سے سلام کی آواز	۶۱۲
خواب میں فرشتوں کی آمد	۶۱۳
اشیا میں اثر ۶۱۴ - ۶۲۵	
ستون کا رونا	۶۱۴
منبر ہلنے لگنا	۶۱۵
چٹان کا پارہ پارہ ہو جانا	″
درختوں اور پہاڑوں سے سلام کی آواز	۶۱۶
پہاڑ کا ہلنا	″
آپ کے اشارہ سے بتوں کا گر جانا	″
کانوں سے تسبیح کی آواز	۶۱۸
زمین کا ایک مرتد کو قبول نہ کرنا	″
درختوں کا چلنا	۶۱۹
خوشۂ خرما کا چلنا	۶۲۰

مضمون	صفحہ
درخت کا چلنا اور اس سے آواز آنا	۶۲۰
بے دودھ کی بکری نے دودھ دیا	۶۲۱
سست گھوڑے کا تیز رفتار ہو جانا	۶۲۳
اندھیرے میں روشنی ہونا	″
جانور کا سجدہ کرنا	۶۲۴
جانور کا آپ کے مرتبہ کو پہچاننا	″
حافظہ بڑھ جانا	۶۲۵
شفاے امراض ۶۲۶ - ۶۳۱	
حضرت علیؓ کی آنکھوں کا اچھا ہونا	۶۲۶
ٹوٹی ہوئی ٹانگ کا درست ہو جانا	″
تلوار کے زخم کا اچھا ہونا	۶۲۷
اندھے کا اچھا ہونا	۶۲۸
طاعون دور ہونا	۶۲۹
گونگے کا بولنا	″
مرض نسیان کا دور ہو جانا	″
بیمار کا تندرست ہونا	۶۳۰
ایک جلے ہوئے بچے کا اچھا ہو جانا	″
جنون کا دور ہونا	۶۳۱
استجابت دعا ۶۳۲ - ۶۵۰	
قریش پر عذاب آنا اور اس کا دور ہونا	۶۳۳

مضمون	صفحہ
روسائے قریش کے حق میں بد دعا	۶۳۴
حضرت عمرؓ کا اسلام	″
سراقہ کے گھوڑے کا پاؤں دھنس جانا	۶۳۹
مدینہ کی آب و ہوا کے لیے دعا	″
قحط کا دور ہونا اور پانی کا برسنا	۶۴۰
حضرت انسؓ کے حق میں دعاے برکت	۶۴۲
حضرت ابن عباسؓ کے حق میں دعاے علم	″
حضرت ام حرامؓ کے حق میں دعاے شہادت	″
ایک نوجوان کی ہدایت کے لیے دعا	۶۴۳
حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی شفایابی کے لیے دعا	″
حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کے مستجاب الدعوات ہونے کی دعا	۶۴۴
حضرت عروہؓ کے حق میں دعاے برکت	″
حضرت ابوامامہ باہلیؓ کے حق میں دعاے سلامتی	۶۴۵
حضرت ابوطلحہؓ کے حق میں برکت اولاد کی دعا	″
حضرت ابوہریرہؓ کی والدہ کے حق میں دعاے ہدایت	۶۴۶

مضمون	صفحہ
اونٹ کا تیز ہو جانا	۶۴۷
بیمار کا اچھا ہونا	″
سواری کی قوت آجانا	″
ایک مغرور کا ہاتھ شل ہو جانا	۶۴۸
قبیلۂ دوس کا مسلمان ہونا	″
رفع بے پردگی کے لیے دعا	″
سلطنت کسریٰ کی تباہی	۶۴۹
دعاے برکت کا اثر	″
طویل عمر کی دعا	″
ایک بچہ کی ہدایت کے لیے دعا	۶۵۰

اشیا میں اضافہ

۶۵۱ - ۶۶۲

مضمون	صفحہ
تھوڑے سے کھانے میں برکت	۶۵۱
آدمیوں کا سیر ہو جانا	″
چھوہارے کے ڈھیر کا بڑھ جانا	۶۵۲
کھانے میں حیرت انگیز برکت	۶۵۳
گھی کی مقدار میں برکت	۶۵۴
جو کی مقدار میں برکت	″
کھانے میں حیرت انگیز اضافہ	″
تھوڑی سی زاد راہ میں غیر معمولی برکت	۶۵۵
تھوڑی سی زاد راہ میں عظیم برکت	۶۵۶

مضمون	صفحہ
آدھ سیر آٹے اور ایک بکری میں برکت	۶۵۶
تھوڑے سے کھانے میں غیر معمولی برکت	″
قلیل تعداد میں کثیر برکت	۶۵۷
ایک پیالہ میں حیرت انگیز برکت	″
دودھ کے ایک پیالہ کی برکت	۶۵۸
بکری کے دست میں برکت	″
بکری کے تھنوں میں برکت	۶۵۹
ایک دستی جو کی برکت	۶۶۱
توشہ دان کا ہمیشہ بھرا رہنا	″
تھوڑی کھجوروں میں برکت	۶۶۲
پانی جاری ہونا	
۶۶۳ - ۶۶۸	
مشکیزہ سے پانی ابلنا	۶۶۳
انگلیوں سے پانی جاری ہونا	۶۶۴
پانی کا بڑھ جانا	″
انگلیوں کی برکت	۶۶۵
انگلیوں سے پانی کا چشمہ بہنا	″
کلی سے پانی بڑھ جانا	″
ہاتھ منہ دھونے کی برکت	۶۶۶
انگلیوں کی برکت	″
انگلیوں سے پانی کا جوش مارنا	۶۶۷

مضمون	صفحہ
تھوڑے پانی میں کثیر برکت	۶۶۷
انگلیوں سے پانی ابلنا	″
ایک اور واقعہ	۶۶۸
اطلاع غیب	۶۶۹
اہلِ کتاب کے سوالات کا جواب دینا	۶۸۱
اخبار غیب یا پیشین گوئی	
۶۸۷ - ۷۱۹	
فتوحات عظیمہ کی اطلاع	۶۸۸
قیصر و کسریٰ کی بربادی کی خبر	۶۹۰
سازوسامان کی بشارت	۶۹۱
امن و امان کی بشارت	″
ابوصفوان کے قتل کی خبر	۶۹۲
نام بنام مقتولین بدر کی خبر	۶۹۳
فاتح خیبر کی تعیین	″
حضرت فاطمہ زہراؑ کی وفات کی اطلاع	۶۹۴
خود اپنی وفات کی اطلاع	″
فتح یمن کی خبر	۶۹۵
فتح شام کی خبر	۶۹۶

مضمون	صفحہ
فتح عراق کی خبر	۶۹۶
خوزستان و کرمان کی فتوحات اور ترکوں سے جنگ	،،
فتح مصر کی بشارت اور ایک واقعہ کا حوالہ	،،
غزوہ ہند کی خبر	۶۹۷
بحر روم کی لڑائیاں	،،
بیت المقدس کی فتح	۶۹۸
فتح قسطنطنیہ کی بشارت	،،
فتح روم کا اشارہ	۶۹۹
فاتح عجم کا اشارہ	،،
مرتدین کی اطلاع	۷۰۰
حضرت زینبؓ کی وفات کی اطلاع	،،
ام ورقہ کو شہادت کی خوشخبری	۷۰۱
خلفاء کی بشارت	،،
بارہ خلفاء	،،
خلافت راشدہ کی مدت	۷۰۲
شیخین کی خلافت کی پیشگوئی	،،
مسلمانوں کی دولت کی کثرت اور فتنوں کے ظہور سے آگاہ کرنا	۷۰۳
حضرت عمرؓ کی وفات کے بعد فتنوں کا ظہور ہوگا۔	۷۰۴
فتنے مشرق کی جانب سے اٹھیں گے	۷۰۵
حضرت عثمانؓ کو فتنہ کی اطلاع	۷۰۶
حضرت عمرؓ اور عثمانؓ شہید ہونگے	،،
حضرت علیؓ مرتضیٰ کے مشکلات اور شہادت	۷۰۷
جنگ جمل کی خبر	
حضرت علیؓ اور معاویہؓ کی جنگ	۷۰۸
حضرت عمارؓ شہید ہوں گے	،،
امام حسنؓ کی مصالحت	،،
نوخیز حکمران قریش کے ہاتھوں اسلام کی تباہی	،،
یزید کی تخت نشینی کی بلا اسلام پر	۷۰۹
امام حسینؓ کی شہادت	۷۱۰
خوارج کی اطلاع	،،
مختار اور حجاج کی اطلاع	۷۱۱
حجاز میں ایک آگ	
ایک صدی یا ایک دور کے بعد انقلاب	۷۱۳
چار سو دروں کے بعد بزر، انقلاب	،،
مدعیان کاذب	۷۱۴
منکرین حدیث	،،
تجارت کی کثرت اور اس میں عورتوں کی شرکت	۷۱۵
مال یورپ کی کثرت	،،

مضمون	صفحہ
سود کی کثرت،	۷۱۶
یہودیوں سے جنگ	"
حجاز کا انقطاع، مصر، شام اور حجاز سے	۷۱۷
۲۱ یورپ سے شام میں جنگ	۷۱۸
مسلمانوں کے خلاف تمام دنیا کی فوجیں اکٹھی ہوں گی	۷۱۹
معجزات نبویؐ کے متعلق غیر مستند روایات ۷۲۰ - ۷۳۷	
کعب سے دلائل اور ان کے مصنفین کا درجہ	۷۲۱
معجزات کے متعلق غلط اور موضوع روایتوں کے پیدا ہونے کے اسباب	۷۲۸
آپ کی برتری اور جامعیت کا تخیل	۷۳۰
غیبی آوازوں اور پیشین گوئیوں سے نبوت کی تصدیق کا شوق	۷۳۲
شاعرانہ تخیل کو واقعہ سمجھ لینا	۷۳۴
آئندہ کے واقعات کو اشارات میں ولادت کے موقع پر بیان کرنا	"

مضمون	صفحہ
معجزات کی تعداد بڑھانے کا شوق	۷۳۵
الفاظ کی نقل میں بے احتیاطی	۷۳۶
مشہور عام دلائل و معجزات کی روایتی حیثیت ۷۳۷ - ۷۷۷	
موضوعات اور منکرین سے مشہور روایات کی تنقید،	۷۳۷
۱- سب سے پہلے نور محمدیؐ کی تخلیق ہوئی	"
۲- نور محمدی کا حضرت آدمؑ سے درجہ بدرجہ حضرت آمنہؓ تک منتقل ہونا	۷۳۸
۳- نور محمدی جب عبدالمطلب کے سپرد ہوا تو ان سے خوارق عادات ظہور میں آئے،	۷۳۹
۴- عبدالمطلب کے پاس ایک کاہن کا آکر ان کے ایک نتھنے میں نبوت اور دوسرے میں بادشاہی کی علامت بتانا	۷۴۰
۵- ایک کاہنہ کا حضرت عبداللہ کی پیشانی میں نور محمدی کا پہچاننا اور ان سے اپنی تمنا کا اظہار کرنا	۷۴۱

مضمون	صفحہ
۶- قریش کی دو سو عورتوں کا عبداللہ سے شادی نہ ہونے کے غم میں عمر بھر کنوارپنے کی زندگی بسر کرنا	۷۴۱
۷- کسریٰ کے چودہ کنگروں کا گرنا اور نہر ساوہ کا خشک ہو جانا	۷۴۲
۸- بوقت ولادت غیب سے آواز آنا، اور مشرق و مغرب کی ساری زمین کا روشن ہو جانا	۷۴۳
۹- قبل ولادت حضرت آمنہ کو خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سرور دو جہاں ہونے کی خوشخبری سنانا اور "احمد" اور "محمد" نام رکھنے کی ہدایت کرنا۔	
۱۰- حضرت آمنہ کے وضع حمل کے وقت تمام ستاروں کا زمین پر جھک جانا	۷۴۴
۱۱- حضرت آمنہ کے ایام حمل میں علامت حمل ظاہر نہ ہونا اور نہ کسی گرانی اور تکلیف کا احساس کرنا	״
۱۲- ایام حمل میں سخت گرانی کا بار محسوس کرنا	۷۴۵
۱۳- بوقت ولادت آسمانوں اور بہشتوں کے دروازے کھلنا فرشتوں کا باہم بشارت دینا وغیرہ وغیرہ	۷۴۵
عام مجالس میلاد کی رونق افزا روایت	״
۱۴- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا شکم مادر میں آنا، قریش کی جانوروں کا بولنا وغیرہ وغیرہ	۷۴۶
۱۵- حضرت عبداللہ کی ولادت کے وقت ان کے چہرہ پر سورج کی روشنی کا ہونا	۷۴۹
۱۶- بوقت ولادت حضرت آمنہ کو تین آدمیوں کا دکھائی دینا، ایک کے ہاتھ میں آفتابہ، دوسرے کے ہاتھ میں سبز زمرد کا طشت وغیرہ وغیرہ	۷۵۰
۱۷- بوقت ولادت حضرت آمنہ کو ابر کا ٹکڑا نظر آنا، اور اس میں سے طرح طرح کی آوازوں کا نکلنا	۷۵۱
۱۸- بعد ولادت مشرق و مغرب کا روشن ہو جانا، اور آپ کا دونوں ہاتھوں سے ٹیک دے کر زمین پر گر پڑنا،	۷۵۲

مضمون	صفحہ
۱۹- ولادت کی شب ایک یہودی کا سرداران قریش کے پاس آکر ولادت کی تحقیق کرنا	۷۵۳
۲۰- حضرت عباسؓ کا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو گہوارہ میں چاند سے باتیں کرتے ہوئے دیکھنا	۷۵۴
۲۱- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا گہوارہ میں کلام فرمانا۔	۷۵۵
۲۲- حلیمہ سعدیہ کا آنا، آپ کا ان کو دیکھکر مسکرانا وغیرہ وغیرہ	۷
۲۳- عہد طفولیت میں شق صدر	۷۵۷
۲۴- حضرت حلیمہؓ کے پاس زمانۂ قیام میں بعض یہودیوں کا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو نبی آخرالزمان پہچان کر قتل کرنے کی کوشش کرنا	۷۵۸
۲۵- آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو اپنی رضاعی بہن کے ساتھ دھوپ میں کھیلنا، اور بادل کا دھوپ سے سایہ کیے رہنا	۷۶۰
۲۶- بحیرہ راہب کے قصہ کی تنقید	۷۶۱
۲۷- فسطور راہب کے قصہ پر تنقیدی نظر	۷۶۴
۲۸- قریش کے باہمی معاہدہ کے کاغذ کو دیمک کا چاٹ لینا	۷۶۵
۲۹- غار ثور میں پناہ لینا اور مکڑیوں کا جالے تن دینا وغیرہ وغیرہ	۷۶۶
۳۰- آپ کا بے دودھ والی بکری کے تھن میں ہاتھ لگانا اور اس سے دودھ نکل آنا	۷۶۸
واقعۂ ام معبد کی تنقید	۷۷۰
مدنی معجزات زیادہ محفوظ ہیں جعلی روایات میں کن کن نوعیتوں کی روایتیں ہیں۔	۷۷۴

بشارات

۷۷۸ - ۸۳۰

مضمون	صفحہ
یہود اور نصاریٰ میں بشارات کی اہمیت	۷۷۸
حضرت ابراہیمؑ کی دعا قرآن میں	۷۷۹
حضرت ابراہیمؑ کی دعا توراۃ میں	۷۸۱
حضرت اسماعیلؑ کی بشارت	۷۸۲
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دعاے ابراہیمی کے مصداق تھے۔	۷۸۴
حضرت عیسیٰ کی بشارت قرآن و انجیل میں۔	،،
بشارت عیسوی کے مصداق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تھے	۷۵۷

مضمون	صفحہ
صحابہ بیان کہ توریت میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی یہ بشارت ہے	۷۹۲
اشعیا نبی کی بشارت	۷۹۵
اشعیا نبی کی بشارت اور صحابہؓ کے بیان میں تطبیق	۷۹۷
اشعیا نبی کی ایک علامت کی تطبیق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات سے	۸۰۰
قرآن میں توراۃ کی ایک بشارت نبوی کا حوالہ	۸۰۸
حضرت موسیٰؑ کی بشارت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اور اسکی آپ کے حالات سے تطبیق	۸۱۴
قرآن مجید میں انجیل کی ایک بشارت کا حوالہ	۸۱۶
انجیل میں اس بشارت کا ذکر اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حالت سے تطبیق	″
حضرت موسیٰؑ کی ایک اور بشارت آپ کے متعلق۔ اس کی تطبیق آیات قرآنی سے	۸۱۷
عیسائیوں میں ملاخیا نبی کی پیشگوئی کے پورے ہونے کا انتظار اور آپ کا ظہور	۸۲۲

مضمون	صفحہ
ملاک الختان کی تصحیح	۸۲۲
ملاخیا نبی کی پیشین گوئی کی عبارت اور اس کی تطبیق	″
قیصر روم اور ابن ناطور کی تصدیق کہ ملک الختان آپ ہی ہیں	۸۲۶
عیسائیوں اور یہودیوں میں اس وقت ایک ہی نبی کا انتظار	۸۲۷
یہودیوں اور عیسائیوں کا توراۃ اور انجیل کی پیشین گوئیوں کی علامتیں آپ میں پانا	۸۲۹

خصائص محمدی

۸۳۱ - ۸۳۴

خصائص محمدی محدود اور معدود ہیں	۸۳۱
خصائص محمدی کی دو قسمیں خصائص ذاتی اور خصائص نبویؐ	″

خصائص ذاتی

۸۳۴ - ۸۴۰

نبوت اور لوازم نبوت	۸۳۴
امور متعلقۂ نکاح	″
نماز شبانہ	۸۳۸

مضمون	صفحہ
نماز چاشت اور قربانی	۸۳۹
عصر کے بعد نماز دوگانہ	〃
صوم وصال	〃
صدقہ زکوٰۃ کی حرمت	〃
صدقہ زکوٰۃ	
خصائص نبوی	
۸۴۱ - ۸۶۸	
خصائص نبوی کا شمار	۸۴۱
عیب و نصرت	۸۴۲
سجدہ گاہ عام	۸۴۵
پیروؤں کی کثرت	۸۴۶
دعوت عام	۸۴۷
جوامع الکلم	۸۴۸
تکمیل دین	۸۵۰
دائمی معجزہ	۸۵۱
ختم نبوت	۸۵۲
شفاعت اولین	۸۶۲
فضائل اخروی	۸۶۸

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید المرسلین وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین

خدا کا شکر ہے کہ اُس نے چند در چند مزاحمتوں کے باوجود سیرۃ پاک کی تیسری جلد کی تکمیل وانجام کا سامان بہم پہنچایا اور ایک گنہگار کو توفیق بخشی کہ ان اوراق کو ترتیب دیکر اپنے سیاہ اعمالنامہ کے دھونے کے لیے آبِ رحمت کے چند قطرے فراہم کرسکے، دوسری جلد ۱۳۳۸ھ (۱۹۲۰ء) میں چھپ کر نکلی تھی، چار برس کے بعد یہ ۹۰۰ صفحوں کا مجموعہ مشتاق نگاہوں کے سامنے ہے، اس مجموعہ کی تالیف وترتیب، واقعات کی تفتیش وتلاش اور مسائل ونظریات کی بحث وتحقیق میں جو محنت وکاوش اور دیدہ ریزی کی گئی ہے، اس کا بڑا صلہ یہی ہے کہ صواب کا سررشتہ ہاتھ سے نہ چھوٹا ہو اور حقیقت کی منزل سے بعد نہ ہوا ہو، والعصمۃ للہ وحدہٗ

ان اوراق کی تالیف میں ہم اپنے ان محسنوں کے شکر گذار ہیں جنھوں نے انکی تکمیل میں ہمارا ہاتھ بٹایا مشکلات اور غوامض میں مخدومنا مولانا حمید الدین صاحب کے مشوروں نے فائدہ پہنچایا ہے، رفیق کار مولانا عبد السلام صاحب ندوی نے معجزات کے جزئی واقعوں کے فراہم کرنے میں مدد کی ہے، ہماری جماعت میں بلکہ علماء کی جماعت میں پروفیسر عبد الباری ندوی (معلم فلسفۂ جدیدہ، جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن) سے بڑھکر فلسفۂ جدیدہ کا

کوئی ماہر نہیں، معجزات کی بحث میں ضرورت تھی کہ اس باب میں فلسفۂ جدید کی جو نوگانیاں اور نکتہ آفرینیاں ہیں، اُن سے بھی تعرض کیا جائے، چنانچہ میری درخواست پر موصوف نے معجزات اور فلسفۂ جدید" کا باب لکھکر عنایت کیا ہے، جو اس کتاب کے ص ۱۷۱ سے شروع ہو کر ص ۲۱۰ پر تمام ہوا ہے

کہیں کہیں آپ کو احادیث کی بعض غیر مطبوعہ کتابوں مثلاً بیہقی، ابو یعلی، ابن راہویہ ابن ابی شیبہ، بزار وغیرہ کے حوالے دوسری مطبوعہ کتب احادیث کے حوالوں کے ساتھ تائیداً ملیں گے، ہم نے ان کے حوالوں میں دوسرے مفسرین، شارحینِ حدیث اور مصنفینِ سیرت مثلاً ابن کثیر، ابن حجر، ابن قیم، سیوطی وغیرہ پر بھروسہ کیا ہے، معجزات کے جزئی واقعات میں ایک دو مقام پر قوی روایتوں کے ساتھ اگر ضعیف روایتوں کو جگہ دی گئی ہے تو ان سے مقصود صرف تائید ہے قوی روایتوں سے جس نوع کے معجزات ثابت ہیں، اس نوع کے معجزات کی دوسری تائید بھی گو اس رتبہ کی نہیں، مگر موجود ہیں،

کتاب میں کہیں کہیں غلطیاں رہ گئی ہیں، جن کی آخر میں غلطنامہ کے اضافہ سے تلافی کی کوشش کی گئی ہے

اس راہ کی ایک منزل طے ہوئی اور تمام ہوئی، لیکن قلم کے مسافر کو آرام نہیں کہ اب چوتھی منزل اس کے سامنے ہے، احباب دعا کریں کہ یہ طے ہو اور ہم انکی خدمت میں جلد پیش ہو سکے

سید سلیمان ندوی

۱۷ ربیع الثانی ۱۳۴۳ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ طبع سوم

سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ تیسری جلد جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منصب نبوت حقیقتِ نبوت اور فضائل و معجزات پر مشتمل ہے۔ تیسری دفعہ چھپ کر اب منظر عام پر آرہی ہے، اس اثنا میں بعض مباحث پر جدید تحقیقیں سامنے آئیں، اس لیے پوری بحث پر نظر ثانی کی گئی، روایتوں اور حوالوں کو اصل ماخذوں سے دوبارہ ملایا گیا، اگر اغلاط نظر آیا تو تصحیح کی گئی، کوئی پہلے سے زیادہ مستند حوالہ ملا تو اس کا اضافہ کیا گیا، کوئی عبارت اگر شتبہ تھی تو اس شبہ کو دور کیا گیا خصوصیت کے ساتھ معراج کے جسمانی و روحانی یا حالت بیداری یا خواب کے ہونے کے مسئلہ کو صاف کیا گیا،

معجزات کی روایتوں کی جانچ سے پھر تطبیق کی گئی اور کہیں کہیں حواشی کے اضافہ سے بعض نئے فوائد بڑھائے گئے، کہیں کہیں عبارت کے اغلاق کو بھی دور کیا گیا ہے،

ایک مظلوم و مجہول النسان کی طاقت میں تحقیق کی جو حد تھی، اس نے اپنی وسعت

کے مطابق وہ پوری صرف کی ہے، اس پر بھی عصمت کا دعویٰ نہیں، اہلِ نظر سے التماس ہے کہ اگر اب بھی کوئی قابلِ اصلاح چیز نظر آئے تو مؤلف کو مطلع کر کے جزائے خیر کے مستحق ہوں۔

حسن خاتمہ کا طالب　　سید سلیمان ندوی

۱۷ شوال ۱۳۶۶ھ - ۳۱ اگست ۱۹۴۷ء

دارالقضا بھوپال

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دلائل و معجزات

وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَيِّنَاتِ (۱۰۵)

اور ہمارے پیغمبر لوگوں کے پاس کھلی نشانیاں لیکر آیا کیے

روحانی نوامیس کا وجود

سیرت نبویؐ کا یہ حصہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اُن حالات، مشاہدات اور کیفیات کے بیان میں ہے جن کا تعلق اُس عالم سے ہے جو ہمارے اس مادی عالم اور اس کے مادی قوانین کے حدود سے باہر ہے، جس طرح ہماری یہ مادی دنیا ایک نظام خاص پر چل رہی ہے، مثلاً رات کے بعد دن نمودار ہوتا ہے، خزاں کے بعد بہار آتی ہے ستارے غروب ہوتے ہیں، تو آفتاب نکلتا ہے گرمی جاتی ہے تو جاڑے آتے ہیں، پھول اپنے وقت پر کھلتے ہیں، درخت اپنے موسم میں پھلتے ہیں، ستارے اپنے معین اوقات پر ڈوبتے اور نکلتے ہیں اسی طرح روحانی عالم بھی اپنا ایک خاص نظام رکھتا ہے۔ اس کا بھی ایک آسمان و زمین ہے۔ وہاں بھی تاریکی اور روشنی ہے۔ خزاں اور بہار ہے فصل و موسم ہے۔

آسمانہاست در ولایت جاں   کار فرمائے آسمان جہاں

نبوت کے فطری و روحانی آثار

جب روے زمین پر گناہوں کی تاریکی اور بدیوں کی ظلمت محیط ہو جاتی ہے تو صبح کا تڑکا ہوتا ہے اور آفتاب ہدایت نمودار ہوتا ہے۔ باغ عالم میں جب برائیوں

کی خزاں چھا جاتی ہے تو موسم بدلتا ہے، اور بہارِ نبوت[1] رونق افزا ہوتی ہے۔

اور جس طرح زمین، آسمان سورج پھل اور پھول کے خاص خاص قوانین فطرت ہیں جن میں عموماً تغیر نہیں ہوتا۔ اسی طرح دنیا کی رشد و ہدایت، عذاب و رحمت اور نبوت و رسالت کے خاص خاص اصول و قواعد ہیں جن میں تغیر واہ نہیں پاتا۔ انبیاء و رسل اپنے اپنے وقت پر مبعوث ہو کر قوموں کو دعوت دیتے ہیں، قومیں ان کی تصدیق یا تکذیب کرتی ہیں۔ منکرین ہلاک اور مومنین کامیاب ہوتے ہیں۔ اس روحانی جہاد میں انبیاء و رسل سے ہمارے علم و دانش سے بالاتر اعمال صادر ہوتے ہیں۔ اور ان سے عجیب عجیب خوارق ظہور پذیر ہوتے ہیں۔

نبوت کے روحانی نوامیس انسانی قوانین پر حکمراں ہیں

جس طرح ہمارا نفس اور ہماری روح یا ہمارے جسم کی پراسرار مخفی قوت ہمارے کالبد خاکی پر حکمراں ہے اور ہمارے تمام اعضاء و جوارح اس کے ایک ایک اشارہ پر

---

[1] خاتم النبیین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود باوجود سے پہلے انبیاء کا سلسلہ جاری رہا۔ حضورؐ کی آمد کے بعد جانشینانِ نبوت محمدی یعنی مجددین امت اس فرض کو انجام دیتے ہیں۔ یہ مجددین ملت رسولؐ کے متبع کامل ہوتے ہیں، اور منصب نبوت سے عاری ہوتے ہیں۔ اسی لیے ان کے انکار سے کفر نہیں لازم آتا۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ ایک ہی وقت میں مختلف ملکوں میں یا ایک ہی ملک کے مختلف حصوں میں یا جماعتوں میں مختلف مجددین ملت ہوں۔ ان کی پہچان کا سب سے بڑا معیار عقائد و اعمال، اخلاق اور طرق دعوت میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کامل ہے۔ ان کا کام یہ ہے کہ وقت کے اوہام و رسوم و اعمال کو جو باہر سے آکر دین میں شامل ہو گئے ہوں، دور کریں، اور امور دین میں سے جو امور مٹ گئے ہیں ان کو دوبارہ جاری کریں۔

حرکت کرتے ہیں، اسی طرح نبوت کی روحِ اعظم اذنِ الٰہی سے سارے علم جسمانی پر حکمراں ہو جاتی ہے، اور روحانی دنیا کے سنن و اصولِ عالم جسمانی کے قوانین پر غالب آجاتے ہیں۔ اسلیے وہ چشم زدن میں فرشِ زمین سے عرشِ بریں تک عروج کر جاتی ہے، سمندر اس کی ضرب سے تھم جاتا ہے، چاند اس کے اشارہ سے دو ٹکڑے ہو جاتا ہے۔ اس کے ہاتھوں کی دی ہوئی چند خشک روٹیاں ایک عالم کو سیر کر دیتی ہیں۔ اس کی انگلیوں سے پانی کی نہریں بہتی ہیں۔ اسکے نفس پاک سے بیمار تندرست ہو جاتے ہیں، اور مردے جی اٹھتے ہیں۔ وہ تنہا مٹھی بھر خاک سے پوری فوج کو تہ و بالا کر دیتا ہے، کوہ و صحرا، بحر و بر، جاندار و بے جان بحکم الٰہی اس کے آگے سرنگوں ہو جاتے ہیں، مگر باایں ہمہ وہ بندہ اور بشر ہوتا ہے اور اس سے یہ جو کچھ عجائب قدرت ظاہر ہوتے ہیں۔ وہ اس کا نہیں بلکہ اس کے رب کا فعل ہوتا ہے۔ اور اسی کی مشیت اور قدرت سے پیغمبر کے ہاتھ سے ظاہر ہوتے ہیں یا اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے لیے ظاہر کیے جاتے ہیں۔

لیکن جس طرح ہم کبھی یہ نہیں بتا سکتے کہ خاص خاص پھول۔ خاص خاص درخت، خاص خاص ستارے، فلاں فلاں معین اوقات ہی پر کیوں جلوہ نما ہوتے ہیں، پھول سرخ کیوں ہوتے ہیں، ستارے چمکتے کیوں ہیں۔ شہد میٹھا کیوں ہوتا ہے، چاند اور سورج چلتے کیوں ہیں، تخم۔ درخت، غذا، خون، گوشت کیونکر بن جاتا ہے۔ اسی طرح اس کا جواب بھی نہیں دے سکتے کہ پیغمبروں کا ظہور اپنے اپنے وقت پر کیونکر ہوتا ہے اور ان سے یہ خوارق العادۃ افعال و اعمال بحکم الٰہی کیونکر صادر ہوتے ہیں؟ ہم صرف یہ جانتے ہیں کہ

نبوت کے روحانی قوانین کے اسباب و علل سے ہم اسی طرح لاعلم ہیں جس طرح جسمانی قوانین کے

وہ ہوتے ہیں چنانچہ دنیا کا ہر پیغمبر بلکہ روحانیت کا ہر حائل اپنی پراسرار زندگی کے اندر اس قسم کے حالات و کیفیات کی ایک دنیا رکھتا ہے، عالم کی تاریخ آپ کے سامنے ہے جس میں اگر قوموں کے روحانی معلموں کے حالات و سوانح غور سے پڑھیں تو آپ کو ہر جگہ نظر آئے گا کہ وہ کچھ دیکھتے تھے جو ہم نہیں دیکھ سکتے، وہ کچھ سنتے تھے جو ہم نہیں سن سکتے، وہ کچھ جانتے تھے جو ہم نہیں جان سکتے، اور ان سے وہ اعمال بھی صادر ہوتے تھے جو کسی اور سے نہیں ہو سکتے۔ یہ تاریخی واقعات ہیں، جن سے انکار کرنا اسی طرح ناممکن ہے جس طرح سکندر اور نپولین کے فتوحات، اور بدھ اور موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام کے وجود سے ہندوستان کی روحانی داستان کا ایک ایک حرف، اسرائیلی نبیوں کے صحیفوں کا ایک ایک باب اور عیسائیوں کی انجیل کا ایک ایک صفحہ اس تاریخ کی مثالیں اور نظیریں ہیں۔

انبیا کا اصلی معجزہ خود انکا سرتاپا وجود ہے

گو پیغمبر کا اصلی معجزہ اور اس کے منجانب اللہ ہونے کی کھلی نشانی خود اس کا سرتاپا وجود ہوتا ہے، دیکھنے والوں کے لیے اس کی چشم و ابرو میں اور سننے والوں کے لیے اس کے لب و لہجہ میں اور سمجھنے والوں کے لیے اس کے پیام و دعوت میں اعجاز ہوتا ہے۔ لیکن جو لوگ احساس حقیقت میں فروتر ہوتے ہیں، ان کو اس سے تسکین نہیں ہوتی اور وہ مادی اور محسوس نشانیوں کے طلبگار رہتے ہیں، جو بالآخر ان کو دی جاتی ہیں، لیکن انبیا کے

انبیا کے اصل پیرو ان سے معجزہ نہیں مانگتے تھے

متبعین میں سے سابقین اولین اور صدیقین و صالحین نے اپنے پیغمبروں سے معجزہ طلب نہیں کیا، حضرت ہارونؑ و یوشعؑ نے حضرت موسیٰؑ کا معجزہ دیکھ کر ان کو پیغمبر نہیں تسلیم کیا تھا، حضرت عیسیٰؑ کے حواریوں نے ان کا معجزہ دیکھ کر آسمانی دولت کا حصہ نہیں پایا تھا

حضرت خدیجہؓ سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں، مگر چاند کے دو ٹکڑے ہوتے ہوئے دیکھ کر نہیں بلکہ یہ جان کر کہ آپ غریبوں کے دست و بازو ہیں، قرضداروں کی تسکین اور سہارا ہیں، مسافروں کے ملجا و ماویٰ ہیں[1]۔ حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ اور عثمانؓ و علیؓ اور دیگر اصحاب کبار رضی اللہ عنہم میں سے کسی ایک نے بھی آپ کی صداقت اور راستی کی حقیقت کو ظاہری آیات و معجزات کی روشنی میں تلاش نہیں کیا، ان کے لیے آپ کا سراپا وجود، نفس دعوت حق، اور پیام اخلاص ہی معجزہ تھا، انھوں نے اسی کو دیکھا اور اسی سے ایمان کی دولت پائی، مگر نمرود و فرعون اور ابوجہل و ابولہب جو آتش خلیل، طوفان نیل، تحطکہ اور انشقاق قمر کے معجزوں کے طالب تھے، پھر بھی ایمان کی دولت عظمیٰ سے محروم رہے، لیکن با اینہمہ ایک درمیانی طبقہ بھی دنیا میں موجود رہا ہے، جس کے بصیرت کے آئینہ پر غفلت کے زنگ کی کچھ کچھ جھائیاں پڑی ہوتی ہیں، جب حقیقت کا آفتاب طلوع ہوتا ہے اور اس کی معجزانہ کرنیں ان آئینوں پر پڑتی ہیں تو وہ چمک اٹھتے ہیں، اور اٰمَنَّا بِرَبِّ هٰرُوْنَ وَمُوْسٰى (طٰہٰ ۷۰) پکار اٹھتے ہیں، فرعون کے ساحروں نے حضرت موسیٰؑ کے معجزہ کو دیکھا، تو موسیٰؑ و ہارونؑ کے خدا کے آگے سجدہ میں گر پڑے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فتح روم کی پیشین گوئی پوری ہوئی تو قریش کے نیک طبع لوگوں کی چشم باطن کھل گئی اور حقیقت کا پیکر ان کے سامنے جلوہ نما ہو گیا[2]۔ یہی طبقہ ہے جس کو معجزات کی ظاہری نشانیوں سے بقدر استعداد حصہ پہنچتا ہے، اس کے علاوہ معجزات کا بڑا حصہ مؤیدات

معاندین معجزوں کے بعد بھی ایمان نہیں لائے

معجزوں سے کس کو فائدہ پہنچتا ہے

[1] صحیح بخاری باب بدء الوحی [2] جامع ترمذی تفسیر سورۂ روم

یعنی تائید حق کے لیے غیر منتظر اور غیر متوقع حالات کا رونما ہونا ہے، مومنین صادقین کو مشکلات کے عالم اور اضطراب کی گھڑیوں میں ان کے ذریعہ سے تسکین دیجاتی ہے، اور رسوخِ ایمان اور ثباتِ قدم مرحمت ہوتا ہے، اِن کی بے سروسامانیوں اور بے نوائیوں کی مکافات کی جاتی ہے، اور اس سے اُن کی دولتِ ایمانی کا سرمایہ ترقی کرتا ہے۔

ان واقعات کا اصطلاحی نام | حضراتِ انبیائے کرام علیہم السلام سے جو یہ مافوق العادۃ کیفیات اور اعمال صادر ہوتے ہیں، ان کے لیے عام طور پر **معجزہ** کا لفظ بولا جاتا ہے، لیکن یہ اصطلاح کئی حیثیتوں سے غلط ہے، اول تو اس لیے کہ قرآن مجید اور احادیث میں یہ لفظ مستعمل نہیں ہوا ہے بلکہ اس کی جگہ **آیت** (نشانی) اور **برہان** (دلیل) کے الفاظ استعمال کیے گئے ہیں جو اپنے مفہوم کو نہایت خوبی سے ظاہر کرتے ہیں۔ قدیم محدثین نے ان کی جگہ **دلائل** و **علامات** کے الفاظ استعمال کیے ہیں، جو الفاظ قرآنی کے ہم معنی ہیں۔ دوسرے یہ کہ عام استعمال کی بنا پر لفظ "معجزہ" کے ساتھ کچھ خاص لوازمِ ذہنی پیدا ہو گئے ہیں، جو حقیقت میں صحیح نہیں ہیں، مثلاً اس لفظ سے عوام میں یہ خیال پیدا ہو گیا ہے کہ وہ خود پیغمبر کا فعل ہوتا ہے جس کا صدور خاص اس کے اعضاء و جوارح سے ہوتا ہے۔ اور نیز یہ کہ اس لفظ کے سبب سے اس کا معجزہ ہونا گویا اس کی حقیقت میں داخل ہو گیا ہے۔ حالانکہ یہ دونوں خیال غلط ہیں۔ بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ معجزہ پر عقلی حیثیت سے جو اعتراضات وارد ہوتے ہیں، ان کا ایک بڑا حصہ خود لفظ معجزہ کے غلط استعمال سے پیدا ہو گیا ہے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ ہم کو ایک ایسا جامع لفظ درکار ہے جس میں نبوت کے تمام خواص، کیفیات، مشاہدات اور اعمال خارقۂ عادت اور

غیر خارقۂ عادت، سب داخل ہیں لیکن معجزہ کا لفظ اتنا وسیع نہیں آیندہ جہاں اور وے قرآن معجزہ کی حقیقت پر بحث آئے گی، وہاں اس کے متعلق یہ تفصیل کی جائیگی جس سے معلوم ہوگا کہ قرآن پاک کی اصطلاح کس قدر صحیح اور موزوں ہے ان وجوہ کی بنا پر صحیح طریقہ یہ ہے کہ ہم اس کتاب میں صرف قرآن کی اصطلاح آیت۔ برہان، اور محدثین کی اصطلاح علامات و دلائل کو اختیار کریں، تاکہ ہمارا مفہوم زیادہ صحیح طریقہ سے اور زیادہ وسیع طور سے ادا ہو سکے لیکن چونکہ ہماری زبان میں معجزہ کا لفظ عام طور پر چل گیا ہے، اسلیے اس کو یک قلم ترک بھی نہیں کیا جا سکتا۔

دلائل و براہین و آیات کا تعلق انبیاء کی سیرتوں سے	قرآن مجید اور دیگر صحف آسمانی میں انبیائے سابقین علیہم السلام کے جو قصص اور واقعات مذکور ہیں ان میں ان کے روحانی

حالات و کیفیات یعنی دلائل و براہین اور آیات کا ذکر نہایت موثر اور عبرت انگیز طریقہ سے کیا گیا ہے، سیر ملکوت، مکالمۂ الٰہی رویت ملائکہ، رویائے صادقہ، استجابت دعا، طوفان نوح آتش خلیل، عصائے موسیٰ، نفس عیسیٰ، اور اس قسم کے اور بھی بہت سے کیفیات و حالات کا ذکر قرآن مجید میں بار بار آیا ہے اور ان کے ساتھ ان کے عواقب و نتائج بھی نہایت تفصیل کے ساتھ بیان کیے گئے ہیں، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی سیرت سے ہر زمانہ میں ان چیزوں کو خاص تعلق رہا ہے، اور اس وجہ سے وہ ان کے واقعات زندگی کا جزو لاینفک ہو گئے ہیں،

انبیاء علیہم السلام کی زندگی اگرچہ گوناگوں واقعات کا مجموعہ ہوتی ہے لیکن نتائج

کے لحاظ سے ان تمام واقعات کا مرکز صرف یہ ہوتا ہے کہ اس خاکدان کو اخلاقِ ذمیمہ کے خس وخاشاک سے پاک کر کے محاسنِ اخلاق کے گل وریحان سے آراستہ کیا جائے، تاکہ برکات آسمانی کا دامن کانٹوں سے الجھنے نہ پائے۔ اس مقدس فرض کے ادا کرنے میں اگرچہ کبھی کبھی انبیاء علیہم السلام کو مادی آلات سے بھی کام لینا پڑتا ہے لیکن وہ لوگ اکثر اپنی روحانی طاقت سے اس مقصد میں کامیاب ہوتے ہیں۔ اور مادی آلات کے استعمال میں بھی ان کے جسمانی دست وبازو سے زیادہ ان کے روحانی دست وبازو کام کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید نے انبیاء علیہم السلام کے واقعات زندگی میں ان دلائل وآیات کو نہایت اہمیت دی ہے۔ اور ان کے ذکر سے گویا انبیاء علیہم السلام کے تمام حالات زندگی کو سلسلۂ علل واسباب سے مربوط کر دیا ہے۔

دلائل وآیات کا تعلق سیرتِ محمدیؐ سے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت تمام انبیاء علیہم السلام کے واقعات زندگی کا خلاصہ، ان کی تعلیمات کا عطر، اور ان کے حالات وشمائل کا برزخ ہے۔ آپ ایک عالمگیر اور ابدی مذہب لے کر مبعوث ہوئے تھے۔ اس لیے آپ نے ایک ہی خطاب کے ساتھ ان تمام لوگوں کو مخاطب فرمایا جن کو طوفانِ نوح نے بہائے گیا تھا جن کو دریائے قلزم کی لہریں نگل چکی تھیں جن کو نفسِ عیسیٰؑ نے دوبارہ زندہ کر دیا تھا۔ اور ان سب سے بڑھ کر آپ کا مخاطب ایک گروہ اور بھی تھا جو ان چیزوں کو صرف عجائب پرستی کی نگاہ سے نہیں بلکہ ژرف نگاہی سے دیکھنے کی صلاحیت رکھتا تھا اس بنا پر جس چشمۂ فیض نے اسباطِ موسیٰؑ کو سیراب کیا تھا، وہ ان تشنہ کامانِ روحانیت

سے کیونکر بے پروا ہو سکتا تھا. چنانچہ اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کو ان تمام معجزات کا مجموعہ بنا دیا، جو علیٰ قدر مراتب ہر طبقہ، ہر فرقہ اور ہر گروہ کے لیے ضروری تھے، آپ کے اخلاق و عادات معجزہ تھے، آپؐ کی شریعت معجزہ تھی، آپ پر جو کتاب نازل ہوئی اس سے بڑا کوئی معجزہ نہیں ہو سکتا تھا، ان کے علاوہ آپ کی روحانی طاقت نے جسم و روح دونوں کی کائنات میں بہت کچھ اثر ڈالا. اس نے کبھی طوبیٰ کے سایہ میں آپ کے لیے بستر لگایا. کبھی سدرۃ المنتہیٰ کے حدود میں رفرف کی سواری کھڑی کی، کبھی ما کذب الفؤاد کے نور سے قلب مبارک کو منور کیا، اور کبھی ما زاغ البصر کے سرمہ سے آپ کی آنکھوں کو روشن کیا. کبھی نزول رحمتِ الٰہی کے لیے آسمان کے دروازے کھولے، کبھی وادیٔ حق کے پیاسوں کے لیے زمین کی تہ سے پانی کے چشمے ابالے، کبھی سنگِ خارا کے شرارہ کی روشنی میں قیصر و کسریٰ کے خزانے دکھائے، کبھی انبیائے سابقین علیہم السلام کی زبان الہام سے اپنی کامیابی کے نغمہ ہائے بشارت سنائے، اور آئندہ دنیا کے واقعاتِ غیب بتا کر رہروانِ عالم کو منزلِ حقیقت کے نشان دکھائے.

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے واقعات زندگی کا سب سے بڑا جزو غزوات و محاربات ہیں. ان ہنگامہ خیز واقعات کے تاریخی علل و اسباب اور ان کے نتائج کا ذکر کتاب کے ایک حصہ میں بہ تصریح گذر چکا ہے لیکن ہر معرکہ کے میدان میں آپ کو جو فتوحاتِ عظیمہ حاصل ہوئیں ان میں انسانوں کے لشکر اور سپاہیوں کے تیغ و خنجر سے زیادہ فرشتوں کے پے دار دعاؤں کے تیر، توکل علی اللہ کے سپر، اعتماد علی الحق کی تلوار کام کرتی نظر آتی تھی. آپ کی زندگی کا سب سے

بڑا فرض اسلام کی اشاعت ہے اور روے انور نے، نگاہ کیمیا اثر نے، تقریر دلپذیر نے، اخلاق اعجاز نما نے، آیات و دلائل بن کر بہت سے لوگوں کو مشرف بہ اسلام کیا ہے۔ غرض آپ کی پیغمبرانہ زندگی کے ہر مظہر میں یہ دلائل، یہ براہین، یہ آیات، یہ معجزات، اسباب ظاہری کے پہلو بہ پہلو، اسباب حقیقی بن کر رونما ہوتے رہے ہیں۔

دلائل و معجزات اور عقلیت

ان دلائل و معجزات کے الفاظ کو سننے کے ساتھ ہی سب سے پہلے دلوں میں یہ سوال پیدا ہوتے لگتا ہے کہ کیا یہ ممکن بھی ہیں؟ کیا عقل خرد گیر ان کے وقوع کو جائز بھی رکھتی ہے؟ دنیا میں عقل و نقل اور فلسفہ و مذہب کا جب سے وجود ہے، ان مباحث پر معرکہ آرائیاں ہوتی چلی آئی ہیں لیکن فلسفۂ قدیمہ ہو یا جدیدہ فلسفہ یونان ہو یا فلسفۂ اسلام، مشرق کا فلسفہ ہو یا مغرب کا، ان سب کا حاصل بحث یہ نکلتا ہے کہ اگر کچھ فرقے ان کو ممکن بلکہ واقع سمجھتے ہیں تو دوسرے اُن کو محال قطعی تصور کرتے ہیں، عقل و فہم کا یہ اختلاف دنیا میں ہمیشہ سے قائم تھا، قائم ہے، اور قائم رہے گا لیکن جو لوگ ان چیزوں کے امکان اور وقوع کے قائل ہیں، وہ خود اپنے کج بحث دل اور بدگمان قلب کی تسلی، طمانیت، اور رفع شک کے لیے اپنے اپنے فہم و ادراک کے موافق مختلف نظریے قائم کرتے ہیں، تاکہ وہ اپنی راز جو طبیعت کی تشنہ لبی کو تسکین دے سکیں۔ ان تمام نظریات کا حاصل صرف اس قدر ہے کہ ان عقل و حواس سے مافوق حقائق کو اپنے دریافت کردہ معلوم و محسوس قواعد کے مطابق بنا سکیں لیکن کیا یہ ممکن ہے؟ کیا محسوس و غیر محسوس یا جسمانی و روحانی دنیا۔ دونوں ایک ہی نظام پر چل رہی ہے کہ ایک عالم کے قیاس تمثیلی و استقرائی سے

ہم دوسرے عالم کے ثبوت پر شہادتوں کا انبار لگانا چاہتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ جو جانا نہیں جا سکتا۔ اس کو ہم جاننا چاہتے ہیں۔ اور جو سمجھا نہیں جا سکتا۔ اس کو سمجھنا چاہتے ہیں۔ جب ہماری عقل و فہم کی لنگ پاتی محسوسات کے میدان میں صاف نظر آتی ہے۔ تو واسطا محسوسات میں اس کی تگا پو کہاں تک منزلِ مقصود کے قریب کر سکتی ہے۔

آنانکہ وصفِ حسنِ تو تقریری کنند　　خواب نہ دیدہ را ہمہ تعبیری کنند

بہرحال اب تک انسان نے اس خواب نہ دیدہ کی جو کچھ تعبیر کی ہے وہ دین کے اوراق میں پھیلائی گئی ہے اور سلسلۂ بحث میں سب سے پہلے فلسفۂ قدیم کے نظریات کی تشریح کی گئی ہے، اور اس کے بعد فلسفۂ جدیدہ ان چیزوں کی گرہ کشائی جہاں تک کر سکتا ہے۔ اس کی تفصیل ہے۔ اور آخر میں خود قرآن مجید نے ہمیں اس باب میں جو کچھ تلقین کی ہے۔ اس کو بیان کیا جائے گا۔

دلائل ومعجزات

اور

فلسفۂ قدیمہ وعلم کلام

اسلام میں عقائد کی سطح جب تک صاف اور ہموار رہی. دلائل اور معجزات کے متعلق عقلی مباحث نہ پیدا ہو سکتے تھے، اور نہ ہوئے، لیکن دوسری صدی میں جب یونانی علوم کے تراجم مسلمانوں میں پھیلے تو وہ ہمارے علم کلام کے ضروری اجزاء بن گئے، اور ان کو اس درجہ اہمیت ہو گئی کہ اب ان سے تعرض کیے بغیر گویا موضوع مزید بحث کے لیے تشنہ رہتا ہے۔

اہل یونان کسی شریعتِ الٰہی سے مشرف نہ تھے. اس لیے وہ نبوت، خواصِ نبوت، وحی، الہام اور معجزہ وغیرہ سے واقف نہ تھے. یہی وجہ ہے کہ ان کے خاص فلسفہ میں ان مباحث کا وجود نہیں ہے. چنانچہ علامہ ابن رشد نے تہافۃ التہافۃ میں اس کی خاص تصریح کی ہے اور علامہ ابن تیمیہ نے بھی اپنی تصنیفات میں اس کو جا بجا لکھا ہے مسلمانوں میں سب سے پہلا فلسفی یعقوب کندی ہے. لیکن چند مختصر رسائل کے سوا اس کی عام تصنیفات ناپید ہیں. کندی کے بعد فارابی کا زمانہ ہے، اور اسی نے سب سے پہلے ان مسائل کے متعلق اپنے خاص نظریے قائم کیے. چنانچہ اس نے اپنے رسالہ فصوص[1] الحکم میں نبوت اور خواصِ نبوت کے متعلق بہ ترتیب حسب ذیل خیالات ظاہر کیے ہیں.

[1] فصوص الحکم یورپ اور مصر دونوں جگہ چھپ گئی ہے. اسوقت میرے پیش نظر لیڈن ای جی بریل کا نسخہ مطبوعہ ۱۸۹۰ء ہے۔

فقرہ ۲۸۔ صاحب نبوت کی روح میں ایک قوتِ قدسیہ ہوتی ہے جس طرح تمہاری روح عالم اصغر میں (یعنی اپنے جسم میں) تصرف کرتی ہے اور تمہارا جسم تمہاری روح کا تابع و فرمان بردار رہتا ہے، اسی طرح وہ روح قدسی عالم اکبر میں یعنی تمام جسمانیات میں تصرف کرتی ہے، اور تمام عالم جسمانی اس کا تابع و فرمان بردار ہوتا ہے۔ اور اسی بنا پر اس سے خارق فطرت معجزات صادر ہوتے ہیں، اور چونکہ اس کا آئینۂ باطنی صاف اور زنگ غبار سے پاک ہوتا ہے۔ اس لیے لوح محفوظ یعنی اس کتاب میں جو کبھی غلط نہیں ہو سکتی۔ اور ملائکہ کی ذاتوں میں جو کچھ ہے۔ اس کا عکس اس کے آئینہ پر پڑتا ہے۔ اور وہ قدرت قدسیہ یا روح قدسیہ اس کو مخلوقات تک پہنچاتی ہے۔

فقرہ۔ ۲۹۔ ملائکہ ان صور علمیہ کا نام ہے۔ جو بذاتہا قائم ہیں۔ اس طرح نہیں جس طرح لوح میں نقوش یا ذہن میں معلومات ہوتے ہیں، بلکہ خود معانی قائم بالذات ہیں، اور وہ امر الٰہی سے فیض حاصل کرتے ہیں۔ عام روح بشری تو حواسِ ظاہری کے تعطل یعنی خواب میں اس امر الٰہی سے لگاؤ پیدا کرتی ہے لیکن روح نبوی بیداری میں اس سے تخاطب کرتی ہے

فقرہ ۳۰۔ عام روح بشری کا حال یہ ہے کہ جب اس کے حواس ظاہری مشغول ہوتے ہیں تو حواس باطنی معطل ہو جاتے ہیں۔ اور جب حواس باطنی کام کرتے ہیں تو حواس ظاہری بیکار ہو جاتے ہیں۔ مگر ارواح قدسیہ کا یہ حال ہے کہ نہ صرف یہ کہ ان کے حواس ظاہری کی مصروفیت ان کے حواسِ باطن کو۔ اور ان کے حواسِ باطن کی مشغولیت ان کے حواس ظاہری کو معطل نہیں ہونے دیتی۔ اور دونوں ایک دوسرے کے فرائض میں مخل نہیں ہوتے بلکہ انکی

تاثیر کا عمل اُن کے اجسام سے متعدی ہو کر دوسرے اجسام تک پہنچتا ہے، اور وہ انسانی تعلیم سے نہیں، بلکہ ارواح و ملائکہ کے ذریعہ سے علم کی تلقی کرتے ہیں۔

فقرہ الہم - عام روحوں کی درماندگی یہاں تک ہے کہ نہ صرف یہ کہ حواسِ ظاہری کی مصروفیت، حواس باطنی کو اور حواس باطنی کی مصروفیت، حواس ظاہری کو اپنے فرائض سے باز رکھتی ہے، بلکہ خود ان کے ایک حس کی مشغولیت دوسرے حس کو بیکار کر دیتی ہے، ہم جس وقت غور سے سنتے ہیں، دیکھتے نہیں، جب دیکھنے میں مستغرق ہوتے ہیں تو سنتے نہیں، خوف کا احساس ہو تو اشتہا نہیں پیدا ہو سکتی، اشتہا ہو تو غصہ نہیں پیدا ہو سکتا، جب ہم فکر کرتے ہیں تو ذکر سے غفلت ہو جاتی ہے، اور جب ذکر کرتے ہیں تو تفکر سے خالی ہو جاتے ہیں لیکن ارواحِ قدسیہ کی یہ حالت نہیں ہوتی، ان کے تمام ظاہری و باطنی حواس ایک ساتھ کام کرتے ہیں، اور ان کا ایک حاسہ دوسرے حاسہ کا عائق و مانع نہیں ہوتا۔

فارابی کے یہی چند لفظ ہیں جو ابن سینا اور ابن مسکویہ تک پہنچتے پہنچتے ایک داستان بن گئے ہیں، اور اب چھوٹی اور بڑی تمام اسلامی فلسفیانہ تصنیفات میں باب النبوت کے نام سے یہ مسائل شامل ہیں، یہاں تک کہ امام غزالی و رازی کی تصنیفات سے ان ہی کی صدائے بازگشت سنائی دیتی ہے اور اس سے بھی زیادہ یہ کہ صوفیہ کے لسان القوم مولانا رومی کے "سازِ نے" سے بھی یہی آوازِ نکلتی ہے۔

فلسفۂ و عقل کی راہ سے جو حکمائے اسلام منزل حقیقت کے جویاں ہیں، ان کے نزدیک نبی وہ ہے جس میں یہ تین باتیں جمع ہوں،

۱۔ اول یہ کہ اس کو امورِ غیب پر اطلاع ہو،

۲۔ دوسرے یہ کہ ملائکہ اس کو نظر آئیں اور وہ اس سے کلام کریں،

۳۔ تیسرے یہ کہ اس سے خوارقِ عادت ظاہر ہوں

ان تینوں دعووں کے امکان پر ان کے دلائل بہ ترتیب یہ ہیں،

اطلاعِ غیب "یہ عالم کائنات ایک باترتیب اور مسلسل نظامِ فطرت پر قائم ہے جس کا ہر درجہ دوسرے درجہ سے بلند ہے۔ پہلے جمادات ہیں جن میں نہ حرکت ہے نہ نمو، احساس ہے نہ ارادہ نطق ہے نہ ادراکِ کلیات کی قوت، اس کے بعد نباتات کا درجہ ہے جن میں حرکت اور نمو تو ہے، لیکن وہ دوسرے صفات سے محروم ہیں، اس کے بعد حیوانات آتے ہیں جن میں حرکت اور نمو کے ساتھ احساس و ارادہ بھی ہے، سب سے آخر انسان کا مرتبہ ہے جس میں ان تمام خصوصیات کے ساتھ نطق اور ادراکِ کلیات کی قوت بھی ہے۔ کائنات کے ان چاروں طبقوں میں بھی یکسانی نہیں ہے، بلکہ ان میں ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ایک ترقی محسوس ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ ان کا پست تر نقطہ اپنے پچھلے سے اور بلند تر اپنے اگلے سے جا کر مل جاتا ہے، لیکن کیا اس ترقی کی انتہا یہیں پر جا کر ختم ہو جاتی ہے، نہیں۔ ابھی نطق و ادراک اور احساس و تمیز کا مرتبہ کمال کو نہیں پہنچا ہے۔ انسانوں میں وحشی اور غیر متمدن قبائل سے شروع کرو تو ان سے ترقی یافتہ دیہاتی اور گنوار ہیں، اُن سے اعلیٰ شہری اور متمدن ہیں اور ان سے زیادہ بلند تر علما اور عقلائے روزگار ہیں جو فکر و نظر اور قیاس و استدلال سے مجہول کو معلوم کرتے ہیں، لیکن انسانوں کی بلند تر صنف وہ ہے جس کی عقل و ہوش کے سامنے

نظریات بھی بدیہیات ہیں، جن کی روحِ قدسی اپنے تمام معلومات کو تجربہ و مشاہدہ سے نہیں، بلکہ براہ راست عالمِ ملکوت سے حاصل کرتی ہے، جن کے حواس کی طاقت عام انسانوں سے اسقدر تیز ہوتی ہے کہ وہ، وہ کچھ دیکھتے ہیں جو عام انسان نہیں دیکھ سکتے، اور وہ، وہ کچھ سنتے ہیں جو عام انسان نہیں سن سکتے۔ یہ قوتِ کمالیہ اور یہ روحِ قدسیہ جس صنفِ انسانی میں ہوتی ہے، وہی انبیاء ہیں

رویت ملائکہ

انسان کے علم و احساس کا منبع روح ہے۔ اور اس کے آلات و ذرائع اس کے باطنی اور ظاہری حواس ہیں۔ اگر اس سطحِ زمین پر کوئی ایسا انسان ہو جو ان تمام آلات سے معرا ہو، تو وہ کسی شے کا احساس کر سکتا ہے اور نہ کسی چیز کا علم حاصل کر سکتا ہے۔ لیکن جیسے جیسے علم و احساس کے ان آلات میں ترقی اور تیزی آتی جاتی ہے، اس کے علم و احساس میں بھی ترقی ہوتی جاتی ہے، یہانتک کہ ایک خاص نقطہ پر آکر وہ رک جاتے ہیں اور مادیات و محسوسات سے آگے نہیں بڑھ سکتے۔ لیکن خواب کی حالت میں روح کو مادیات اور محسوسات کی زنجیروں سے جب آزادی ملتی ہے، تو غیر مادی چیزوں کا مشاہدہ کرتی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ روحِ انسانی کے علائق جس قدر مادیات سے پاک ہوں گے اسی قدر اس کے علم و احساس کے قوی میں ترقی ہوگی۔ اور جسقدر اس عالمِ مادی سے اس کو افتراق ہوگا، اسی قدر عالمِ ملکوت کے ساتھ اسکا اتصال بڑھتا جائے گا، اس بنا پر اگر کسی روح میں اس قدر استعداد اور صلاحیت عطا ہوئی ہو کہ وہ عالمِ بیداری میں بھی ان مادی تعلقات کو منقطع کر سکتی ہو تو جو کچھ عام روحوں کو خواب میں نظر آتا ہے اس سے بہت بڑھ کر اس کو بیداری میں محسوس و مشاہد ہو سکتا ہے۔ وہ غیب کی آوازوں کو سن سکتی ہے، فرشتوں کو دیکھ سکتی ہے، اس سے باتیں کر سکتی ہے اور ان کے

ذریعہ سے علم و معرفت کا فیض حاصل کر سکتی ہے،

خوارق عادت دنیا کے مادی حوادث جس طرح مادی اسباب و علل کے نتائج ہیں، اسی طرح روحانی اسباب کے نتائج بھی ہوتے ہیں، نفس کے اندر مختلف قسم کے جذبات اور حرکات پیدا ہوتے ہیں اور ان سے بلا واسطہ مادی جسم متاثر ہوتا ہے. درخت یا دیوار پر چڑھنے والے کو اکثر یہ پیش آتا ہے کہ جہاں اس کے دل میں خوف پیدا ہوا اس کے ہاتھ پاؤں پھول جاتے ہیں. اور وہ کانپ جاتا ہے اور گر پڑتا ہے. وہمی خوف سے انسان بیہوش ہو جاتا ہے. بیمار پڑ جاتا ہے یہاں تک کہ مر بھی جاتا ہے. شرمندگی اور خجالت سے چہرہ کا رنگ بدل جاتا ہے. غیظ و غضب میں چہرہ تمتما اٹھتا ہے. یہ کمزور نفوس کا حال ہے. اس سے زیادہ قوی نفوس اپنے تاثرات سے دوسروں کو متاثر کر لیتے ہیں. اور اپنی قہر و محبت کی نگاہ سے دوسروں کو اپنا معمول بنا لیتے ہیں. اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اصحاب نفوس قدسیہ اور ارباب قوت کاملہ اس مادی دنیا میں بہت کچھ تصرف کر سکتے ہیں[1]

اکثر متکلمین اسلام نے پہلی اور دوسری شقوں کو ایک میں داخل کر دیا ہے اور ہیں بھی وہ درحقیقت ایک ہی امور غیب کی اطلاع، ملائکہ اور روحانیت کا مشاہدہ، رویت اور ان سے تخاطب، یہ تمام وحی و مشاہدۂ روحانیات کے تحت میں داخل ہو سکتے ہیں. اور تیسری چیز کا نام ان کی زبان میں معجزہ ہے، ہم ان دونوں پر الگ الگ بحث کرتے ہیں.

---

[1] ابن سینا نے اشارات میں تفصیل سے اور نجات میں اختصار کے ساتھ ان تقریرات کو بیان کیا ہے. امام رازی نے مباحث مشرقیہ میں اور ابن مسکویہ نے فوز الاصغر میں اس کو لکھا ہے. دیگر فلسفیانہ تصانیف میں بھی کم و بیش یہی ہے.

وحی و مشاہدہ

ہمارے حکمائے متکلمین اور صوفیہ نے وحی و الہام اور مشاہدۂ روحانیات کی تشریح میں متعدد نظریے قائم کیے ہیں جن کی تفصیل حسبِ ذیل ہے۔

(۱) **الہام فطری اور الہام نوعی**۔ دنیا میں جتنی چیزیں پردۂ عدم سے منصۂ وجود پر آتی ہیں، وہ اپنے وجود کے ساتھ مختلف قسم کے خواص اور فطری علم اپنے ساتھ لاتی ہیں، گلاب کا پھول سرخ اور چنبیلی سفید کیوں ہوتی ہے؟ کھجور میٹھی اور اندرائن کڑوا کیوں ہوتا ہے؟ ایک ہی زمین اور ایک ہی آب و ہوا میں مختلف پودے اُگتے ہیں، مگر ہر ایک کا رنگ، مزہ اور بو مختلف کیوں ہوتی ہے، ان کے خواص اور کیفیات میں کیوں اس درجہ اختلاف ہوتا ہے، پرندہ کا بچہ انڈے کے چھلکے سے باہر آنے کے ساتھ زمین سے دانہ چننے لگتا ہے، بطخ کا بچہ پانی میں تیرنے لگتا ہے، حیوانات کے بچے ماؤں کے تھن میں منہ لگا دیتے ہیں، چوہے کے بچے نے گو کبھی بلی نہ دیکھی ہو، اور بلی کے بچے نے کبھی چوہا نہ دیکھا ہو، مگر عمر میں پہلی دفعہ جب ان کی ڈھیڑ ہو جاتی ہے تو ہر ایک سے اس کے فطری حرکات سرزد ہونے لگتے ہیں، ہر حیوان اپنے نفع و ضرر کو سمجھتا ہے، وہ ہلاکت سے بھاگتا اور منافع کی طرف لپکتا ہے۔ تعلیم اُن کو کس نے دی؟ شیر، لومڑی، کتا، بلی ہر ایک کے بچے سے وہی اعمال سرزد ہوتے ہیں، جو اُن کے نوعی خصوصیات ہیں، ان اعمال کا معلم کون ہے؟ کوّے بلبلوں کے جھنڈ میں اور بلبلیں کوؤں کے غول میں نہیں بیٹھتیں، یہ ہم جنسی کا علم ان میں کہاں سے آیا؟

چیونٹیوں اور شہد کی مکھیوں میں عظیم الشان اور حیرت انگیز جماعت بندی اور ذخیرہ اندوزی کی قابلیت کیونکر پیدا ہوئی، ان سب باتوں کا جواب یہ ہے کہ معلّمِ فطرت نے عطیۂ وجود کے ساتھ ساتھ یہ طبعی خصوصیات اور الہامات بھی ان میں ودیعت کر دیے ہیں،

یہ تو انواع کا حال ہے، ہر نوع کے تحت میں اصناف ہیں جس طرح ہر نوع کی خصوصیتیں اور قابلیتیں الگ الگ ہیں، اسی طرح ہر صنف کی خصوصیات اور استعدادات بھی الگ ہیں۔ ایک کبوتر کی کتنی قسمیں ہیں، ایک آم میں کس قدر اقسام ہیں، ایک نوع انسان میں کس قدر طبقات ہیں، ان میں سے ہر ایک صنف، قسم اور طبقہ اپنی مشترک نوعی خصوصیات کے ساتھ، کچھ مستقل الگ صنفی اوصاف بھی اپنے اندر رکھتا ہے، جو دوسرے اصناف میں نہیں پائے جاتے، افریقہ کے ایک وحشی انسان سے لے کر یورپ کے متمدن شہری تک، ایک ناخواندہ جاہل سے لیکر ایک فلسفی اور حکیم تک، کس قدر مختلف انسانی طبقات ہیں، ہر طبقہ اپنے اندر متعدد صنفی خصوصیات اور ادراکات رکھتا ہے، اسی طرح ممکن ہے کہ معلّمِ ازل انسانوں کے ایک اور صنف (انبیاء) کو علوم و معارف اور حقائق و اسرار کے وہ الہامات عطا کرے جن سے دیگر صنف انسانی محروم اور ناآشنا ہیں۔

دنیا میں جس قدر علوم و فنون، صنائع و حرف، ایجاد و اختراعات پیدا ہو چکے ہیں، ان کا کوئی نہ کوئی بانی، موجد اور مخترع ہوگا، پارچہ بافی اور خیاطی سے لے کر ریاضیات اور میکنکس تک جس قدر صنائع و ایجادات اور علوم و معارف ہیں، وہ کسی نہ کسی ایک شخص کے ذہن کا نتیجہ ہیں، اسی بانی اور مخترعِ اول کے ذہن میں اس مسئلۂ خاص یا ایجاد خاص کا خیال

کیونکر ہو گیا؟ اس کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ دوسرے سے سیکھے بغیر اس کے نفس میں مسئلۂ خاص اور اس ایجاد خاص کے متعلق ایک خاص قسم کی سوجھ یا فہم پیدا ہو گئی اور اس کے ذہن میں کہیں سے ایسی حقیقت بے پردہ مشہود ہو گئی جو دوسروں کے لیے تا حال مستور رہی، یہی الہام ہے اب جس شخص کو فیاض الہامات ہوتے ہیں وہ فلسفی ہے۔ جس کو شاعرانہ ہوتے ہیں، وہ شاعر ہے، جس کو آلات اور مشینوں کا الہام ہوتا ہے۔ وہ آلات ساز اور انجینیر ہے، اور جس نفس قدسی میں اسرار الٰہیہ، نوامیس ملکوتیہ، عقائد حقہ، اعمالِ صالحہ قوانینِ عادلہ کا الہام ہو وہ پیغمبر ہے اور اُس کے اس الہام کو وحی کہتے ہیں،

(۲) **انقطاع حواس عن المادیات**۔ انسان کے تمام محسوسات اور مدرکات بواسطہ یا بلا واسطہ اُس کے حواس خمسہ یعنی سامعہ، باصرہ، شامہ، ذائقہ اور لامسہ کی ماخوذ ہیں، جن کے کام بہ ترتیب سننا، دیکھنا، سونگھنا، چکھنا اور ٹٹولنا ہیں، اسی طرح انسان میں پانچ قوائے داخلی بھی ہیں، جن کے نام حسِ مشترک، خیال، واہمہ، حافظہ اور متخیلہ ہیں، ان قوائے خمسہ کے متفرق کام ہیں جس مشترک تو آلاتِ حواس کا خزانہ یا لیٹر بکس ہے، انسان کو اپنے پانچوں حواس کے ذریعہ سے جو کچھ محسوس ہوتا ہے وہ سیدھا حسِ مشترک میں جا کر منطبع ہو جاتا ہے، اور پھر وہاں سے منتقل ہو کر خیال میں جمع ہو جاتا ہے، اور وہاں محفوظ رہتا ہے، واہمہ وہ قوت ہے، جو اپنے اس گذشتہ محفوظ خزانہ مدرکات کا بار بار جائزہ لیتی رہتی ہے اور اس پر احکام جاری کرتی رہتی ہے مثلاً دور سے ہم نے ایک زرد سیال شے دیکھی پہلے سے ہمارے خیال میں شہد کی صورت محفوظ ہے۔ اس زرد سیال شے کو دیکھتے ہی ہم نے

کہدیا کہ یہ شہد ہے اور یہ میٹھا ہوتا ہے"۔ یہ واہمہ کا کام ہے، حافظہ میں قوتِ واہمہ کے مخزونات جمع رہتے ہیں، اور متخیلہ جس کا دوسرا نام مفکرہ بھی ہے، اُس قوتِ دماغی کو کہتے ہیں، جو مدرکاتِ خیال کی ترکیب و تحلیل کرتی رہتی ہے، اور ہمیشہ نئی نئی شکلیں اور عجیب عجیب صورتیں، سینما (صورِ متحرکہ) کے تماشے کی طرح ہمارے ذہن کے سامنے لاتی رہتی ہے۔ کبھی دوسرے کا انسان بنا کر کھڑا کر دیتی ہے۔ کبھی بے سر کا چلتا پھرتا انسان مشاہدہ کراتی ہے، کبھی پرستان کی سیر کراتی ہے اور کبھی عالمِ قدس میں جانے کے لیے پر تولتی ہے، ذہن کو ہزاروں لاکھوں میل کی مسافت دم کے دم میں طے کرا دیتی ہے، آنکھیں بند کرتے ہی ہماری دوسری آنکھوں کے سامنے جو ہنگامۂ فکر و خیال برپا ہو جاتا ہے۔ وہ اسی کا کارنامہ ہے۔

اس تمہید کے بعد اب یہ سمجھنا چاہیے کہ ہماری قوت متفکرہ صرف آرام و سکون کے لمحوں میں کیوں یہ تماشے دکھاتی ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ ہمارا حسِ مشترک ہمیشہ خارج سے آلاتِ حواس کے بھیجے ہوئے محسوسات کی تحصیل و وصول میں مصروف رہتا ہے۔ اسلیے جب تک بیماری، نیند یا غفلت یا کسی اور سبب سے آلاتِ حواس میں تعطل نہیں ہوتا۔ ہمارے قوائے دماغی میں آرام و سکون نہیں پیدا ہو سکتا۔ خواب کی حالت میں جب یہ حواس تھوڑی بالا دیر کے لیے اپنا کام موقوف کر دیتے ہیں، اس وقت ہمارے پراسرار قوائے ذہنی عالمِ کی سیر کرنے لگتے ہیں، اور وہاں کے مشاہدات و مسموعات حسِ مشترک میں آکر ہماری قوتِ مفکرہ کو حرکت دیتے ہیں، اور ہم عجیب عجیب چیزیں دیکھنے اور عجیب عجیب آوازیں سننے لگتے ہیں۔ اب اگر کسی کی روح میں اتنی قوت ہو کہ حالتِ بیداری میں بھی اپنے ظاہری

آلات کو معطّل کر کے عالمِ بالا سے اپنا سلسلۂ تعلق قائم کر سکے تو اس کو سب کچھ اسی عالمِ بیداری میں نظر آ سکتا ہے،

(۳) **قوتِ نبوت**۔ تیسرا نظریہ یہ ہے کہ حواس انسانی صرف پانچ کے اندر محدود نہیں ہیں، چنانچہ شیخ الاشراق نے حکمۃ الاشراق میں اس پر دلائل قائم کیے ہیں، بعض جمادات میں نباتاتی اوصاف ملتے ہیں، بعض نباتات ایسے دریافت ہوئے ہیں جن میں قوتِ حس ہے جس سے دیگر نباتات عام طور سے محروم ہیں، حیوانات کے مختلف انواع میں بعض ایسے قویٰ کا پتہ چلتا ہے جو دیگر حیوانات میں نہیں، شہد کی مکھیوں میں ایک ایسی عجیب و غریب قوت ہے جس سے ان کو کسی طرح بند کر کے لیجائیے اور کہیں جا کر چھوڑ دیجئے وہ اپنے چھتہ کا راستہ پا لیتی ہیں، مکڑیوں کی انجینیری اشکال بھی کسی نہ کسی قوت کا نتیجہ ہیں خواہ اس کا نام جبلت یا فطرت ہی کیوں نہ رکھو، اسی طرح ممکن ہے کہ انبیاء میں احساس و ادراک کی وہ خاص قوت ہو جس سے اور اصنافِ انسانی محروم ہیں، وہ اپنی اسی قوتِ قدسیہ کے ذریعہ سے ان چیزوں کا احساس و ادراک کر لیتے ہیں جن کو ہم تو اے انسانی نہیں کر سکتے، مولانا رومیؒ نے مثنوی میں اس خیال کو جا بجا ظاہر کیا ہے،

پنج حسے ہست جز ایں پنج حس　　آن چو زر سرخ و ایں حسہا چو مس

اور یہ پانچ جسمانی حواس کے علاوہ پانچ اور روحانی حواس بھی ہیں، وہ تابناک ہیں اور یہ سوداوی

حسِ ابدال قوتِ ظلمت خورد　　حسِ جاں از آفتابے می چرد

جسمانی حواس تاریکی سے قوت اخذ کرتے ہیں، تو روحانی حواس آفتاب سے

ہر کہ از حسِ خدا دید آیتے　　در برِ حق داشت بہتر طاعتے

جس نے اس خدائی احساس کی کوئی نشانی دیکھ لی ہے، وہ خدا کے سامنے زیادہ مطیع ہے

گر بدیدے حسِ حیوانِ شاہ را　　پس بدیدے گاو خر اللہ را

اگر حیوان اپنے احساس سے بادشاہ کا مرتبہ پہچان سکتے تو بیل اور گدھے بھی خدا کو دیکھ لیتے

گر نہ بودے حس دیگر مرترا　　جز حسِ حیوان زبیرون ہوا

اگر احساس حیوانی کے علاوہ تم کو اور دوسرے قوائے احساس نہ ملے ہوتے

پس بنی آدم مکرم کے شدے　　کے بہ حسِ مشترک محرم شدے

تو بنی آدم کا درجہ اتنا بڑھایا کیوں جاتا، اور صرف حس مشترک کی بنا پر وہ محرم راز کیونکر ہو سکتا

فلسفی گوید ز معقولات دُوں　　عقل اندر ہیز می ماند بروں

فلسفی جو معقولات کی باتیں کرتا ہے، تو عقل دہلیز کے باہر رہ جاتی ہے۔

فلسفی منکر شود در فکر و ظن　　گو برو سر را بر ایں دیوار زن

فلسفی جو صرف اپنی فکر و گمان کے باعث ان حقایق کا انکار کرتا ہے اسکو کہنا چاہئے کہ اپنا سر دیوار پر دے مارے

نفقِ آب و نفقِ باد و نفقِ گل　　ہست محسوس حواسِ اہل دل

پانی، ہوا، مٹی ان سب کا نفق اہل دل کے حواس کو محسوس ہوتا ہے

فلسفی کو منکرِ حنانہ است　　از حواس انبیاؑ بیگانہ است

فلسفی جو ستون نبویؐ کے گریہ کا منکر ہے اس کا سبب یہ ہے کہ انبیا کے حواس کو واقف نہیں ہے

(۴) **حواس کی غیر محدودیت**۔ اگر یہ تسلیم بھی کرلیا جائے کہ حواس پانچ ہی ہیں اور ان کے علاوہ کوئی حاسہ کسی انسان میں موجود نہیں ہے، تو یہ کیونکر کہا جاسکتا ہے کہ ان حواسوں کی وسعتِ احساس، ان کے حدود کے اندر محدود ہے اور چند اشخاص کو جو چیز دکھائی یا جو آواز سنائی دیتی ہے وہ اس لیے غلط ہے کہ عام انسان اس کو دیکھ، سن نہیں سکتے یا جو چیز ہم کو اس وقت دکھائی یا سنائی نہیں دیتی، وہ آیندہ بھی ہم کو دکھائی یا سنائی نہیں دیگی بالکل ممکن ہے کہ ایک انسان جس کو دیکھ یا سن رہے، دوسرا انسان اُس کو دیکھ اور سن لے کہ یہ نظر پاس کی چیز بھی نہیں دیکھ سکتے، لیکن تیز نظر میلوں کی خبر لیتے ہیں، بعض انسانوں اور حیوانوں میں بعض قوائے احساس اوروں سے زیادہ تیز ہوتے ہیں، چیونٹی میں قوتِ شامہ چیل اور کبوتر میں قوتِ باصرہ، سانپ میں قوتِ لامسہ، کتوں اور گھوڑوں میں قوتِ سامعہ معمولی سطحِ حواس سے بہت زیادہ بلند ہوتی ہے خود انسان کے حواس کے درجے کسقدر متفاوت اور مختلف ہیں۔ ایک انسان دور سے آواز سنتا ہے، دور کی چیز اس کو نظر آتی ہے، دور کی نہایت نازک خوشبو محسوس کرلیتا ہے لیکن کمزور حواس کے انسان ان کا مطلق احساس نہیں کرسکتے، لیکن کسی طریقہ سے اگر ان کے حواس کی قوت اور تیزی میں اضافہ ہوسکے تو وہ بھی اسی طرح دیکھ سکتے سُن سکتے اور سونگھ سکتے ہیں،

مقدمۂ بالا سے معلوم ہوا کہ ایک کم نظر انسان یا گراں گوش آدمی جس قدر دیکھتا یا سنتا ہے، اگر اس کی قوتِ بصارت و سماعت کو کسی تدبیر سے ترقی دی جائے تو وہ حیرت انگیز طریقہ سے ترقی کرسکتی ہے اور پھر جسقدر اس کے حواس میں ترقی ہوتی جائے گی۔ اس کے احساسات

میں اضافہ اور محسوسات میں وسعت آتی جائے گی، ہمارے ہاتھ میں پانی کا ایک گلاس ہے ہم اس کو پینا چاہتے ہیں، اس میں گرد و غبار کا ایک ذرہ بھی ہم کو نظر نہیں آتا، لیکن ہم خوردبین لگا کر دیکھیں تو قطرہ قطرہ میں ہم کو کیڑوں کی بستی کی بستی نظر آئے گی، خالی آنکھ سے ہم کو صرف آفتاب، ماہتاب اور کچھ چھوٹے بڑے روشن ستارے دکھائی دیتے ہیں، یہانتک کہ بطلیموس کو ثوابت کی حرکت تک محسوس نہیں ہوئی، اور اس وقت تک صرف تین سو ستارے دریافت ہو سکے، اور اب جب ایک سے ایک طاقتور دوربینیں نکل رہی ہیں تو ہر نئی دوربین کی ایجاد کے بعد پہلے سے زیادہ ہماری آنکھیں روشن ہوتی جاتی ہیں یہاں تک کہ صرف ساتویں درجہ کے ستارے تیرہ ہزار اور آٹھویں درجہ کے چالیس ہزار نویں درجہ کے ایک لاکھ بیس ہزار ہم کو اس فضائے آسمانی پر تیرتے ہوئے نظر آتے ہیں، اور ہرشل کی دوربین سے کل چھوٹے بڑے دو کروڑ ستاروں کی فوج ہم کو دکھائی دینے لگی ہے۔

یہی حال سماعت کا ہے، پہلے ہماری آواز زیادہ سے زیادہ ایک میل جا سکتی ہوگی ٹیلیفون کی پہلی ایجاد نے اس فاصلہ کو بڑھایا، اور دو چار قدم کے بعد شہر کے ایک گوشہ میں بیٹھکر دوسرے گوشہ کے لوگوں سے باتیں کرنے لگے۔ چند سالوں میں یہانتک ترقی ہوگئی کہ سوئیزرلینڈ کے ایک ہوٹل میں بیٹھکر ہم بولتے ہیں اور فرانس میں لوگ اس کو سنتے ہیں۔ لکھنؤ سے الٰہ آباد دم کے دم میں آپ کی آواز پہنچتی ہے، اور اب ہندوستان سے ہزاروں میل دور لندن میں آپ کی آواز پہنچنے والی ہے۔

ان روزمرہ کی مثالوں سے یہ واضح ہوتا ہے کہ حواس کے فعل وانفعال اور تاثیر وتاثر کے دائرہ کی تحدید نہیں کی جاسکتی ہے، اور یہ ممکن ہے کہ صنف انسانی کے حواس اسقدر تیز، سریع اور قوی ہوں کہ ان کو وہ کچھ نظر آئے جو ہم کو نظر نہیں آتا، اور وہ کچھ سنائی دے جو ہم کو سنائی نہیں دیتا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز کی صف کے اندر فرماتے ہیں کہ مجھکو اسی مقام سے دوزخ اور جنت نظر آئی، حضرت یعقوبؑ کو کنعان کی وادی میں بیٹھکر مصر سے حضرت یوسفؑ کے پیرہن کی خوشبو معلوم ہوتی ہے، مولانا رومیؒ اسی خیال کو ان اشعار میں ظاہر کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ اس حالت میں ایک حس کی تیزی دوسرے حواس کو بھی تیز کردیتی ہے،

پنج حس بایک دگر پیوستہ اند　　زانکہ ایں ہر پنج ز اصلی رستہ اند

حواسِ خمسہ باہم ایک دوسرے سے وابستہ ہیں، کیونکہ یہ پانچوں حواس ایک ہی اصل سے نکل کر آئے ہیں

قوتِ یک قوتِ باقی شود　　ما بقی را ہر یکے ساقی شود

ایک حاسہ کی قوت، بقیہ حواس کی قوت بن جاتی ہے

دیدنِ دیدہ فزاید عشق را　　عشق اندر دل فزاید صدق را

دیدار چشم، عشق کو ترقی دیتا ہے، اور عشق دل میں سچائی پیدا کرتا ہے

صدق بیداریِ ہر حس می شود　　حسہا را ذوقِ مونس می شود

سچائی ہر حاسہ کی بیداری کا سبب ہوجاتی ہے اور احساس کو ذوق وجدان سے مدد ملنے لگتی ہے

(۵) **عالم مثال**۔ علمائے اسلام میں جن کے سینے علم وحکمت کے ساتھ نور معرفت سے

بھی منور ہیں، انھوں نے نظر و استدلال سے نہیں، بلکہ ذوق و عرفان سے ایک اور راستہ اختیار کیا ہے، حکماء میں دو گروہ ہیں، ایک **وحدیہ** اور دوسرا **ثنویہ**، وحدیہ وہ ہیں جو ایک ہی مبدء عالم کے قائل ہیں، یعنی ان کے نزدیک مبدءِ عالم صرف ایک ہی ہے، ان کی دو جماعتیں ہیں، ایک وہ جو مبدءِ عالم صرف مادہ کو مانتی ہے، اور مادہ کے علاوہ کسی اور چیز کو تسلیم نہیں کرتی، یہاں تک کہ عقل و حیات اور قوائے ذہنیہ تک اُس کے نزدیک تمام تر مادہ کی نیرنگیاں ہیں، ان کو **مادیین** اور **طبیعین** کہتے ہیں، اور دوسری جماعت مادہ سے یکسر منکر ہے، وہ صرف نفس و روح کو تسلیم کرتی ہے، اور اس عالم محسوس کو وہم و تصور سے زیادہ رتبہ نہیں دیتی، اس کے نزدیک عالم اور عالم میں جو کچھ ہے وہ نفس و روح کے مظاہر ہیں، ان کو **روحانیین** کہتے ہیں،

ثنویہ۔ دو مبدء عالم تسلیم کرتے ہیں، یعنی مادہ اور روح، اور عالم کو ان دونوں کا جلوہ گاہ تسلیم کرتے ہیں،

ہم نے اوپر کی سطروں میں جن ارباب معرفت کی طرف اشارہ کیا ہے، وہ تین عالم تسلیم کرتے ہیں، ایک تو یہ **عالم اجساد** یا **عالمِ شہادت** جس کو تم مادہ اور مادیات کہتے ہو، دوسرا **عالم ارواح** یا **عالمِ غیب** جو مادی اور مادیات سے منزہ اور مافوق ہے، اور تیسرا **عالمِ مثال** یا **عالمِ برزخ**، یہ وہ عالم ہے جہاں عالمِ اجساد اور عالمِ ارواح، عالمِ شہادت اور عالم غیب دونوں کے اوصاف اور قوانین مجتمع ہو جاتے ہیں، عالم اجساد کی چیزیں وہاں جاکر پیکر مادی سے پاک ہو کر سامنے آتی ہیں، اور غیر مادی مانی اور حقائق

اور عالم ارواح کی مخلوقات وہاں مجسم اور متجسد ہو کر نظر آتی ہیں، امام ربانی مکتوبات میں لکھتے ہیں

اے برادر! عالم ممکنات را سہ قسم قرار دادہ اند عالم ارواح و عالم مثال و عالم اجساد۔ عالم مثال را برزخ گفتہ اند درمیان عالم ارواح و عالم اجساد، و نیز گفتہ اند کہ عالم مثال در رنگ مرآۃ است مر معانی و حقائق ایں ہر دو عالم را کہ معانی و حقائق اجساد و ارواح در عالم مثال بصور لطیفہ ظہور می نماید چہ در آنجا مناسب ہر معنی و حقیقی صورت و ہیئت دیگر است، و آں عالم فی حد ذاتہ متضمن صور و ہیئات و اشکال نیست صور و اشکال وے از عوالم دیگر منعکس گشتہ ظہور یافتہ است، و رنگ مرآۃ است کہ فی حد ذاتہ متضمن ہیچ صورت نیست، اگر وے صورت کائن است از خارج آمدہ است

(جلد سوم مکتوب سی و یکم)

عالم ممکنات کی تین قسمیں قرار دی ہیں، عالم ارواح، عالم مثال اور عالم اجسام، عالم مثال کو عالم ارواح اور عالم اجسام کے بیچ میں کہتے ہیں اور یہ بھی کہتے ہیں کہ عالم مثال عالم ارواح اور عالم اجسام کے معانی و حقائق کے لیے آئینہ کے مانند ہے کہ اس عالم مثال میں اجسام و ارواح کے معانی و حقائق لطیف صورتوں میں ظاہر ہوتے ہیں، کیونکہ اس عالم مثال میں ہر معنی و حقیقت کی ایک خاص مناسب شکل ہی اس عالم مثال میں بذات خود کوئی صورت و شکل و ہیئت نہیں ہے یہ صور و اشکال دوسرے عالموں سے آکر اس میں عکس انداز ہوتی ہیں، جس طرح خود آئینہ میں کوئی صورت نہیں ہوتی بلکہ جو

بعض لوگ غلطی سے یہ سمجھتے ہیں کہ ان بزرگوں کا عالم مثال وہی افلاطون کا عالم مثل ہے۔ لیکن افلاطون فرقۂ دھریہ سے تھا۔ یعنی عالم کا مبدء صرف ایک تسلیم کرتا تھا۔ اس لیے اس کے نظریہ کا منشا صرف یہ ہے کہ اس عالم محسوس میں ہر شے فرداً فرداً جزئی اور شخص

ہو کر آتی ہے، نفس کلی اور مطلق نوع وجود خارج میں نہیں، مثلاً ہم کہتے ہیں "انسان ہنستا ہے" "گھوڑا ہنہناتا ہے" "کتا بھونکتا ہے" تو یہ کسی خاص انسان، خاص گھوڑے، یا خاص کتے کی نسبت حکم نہیں ہے. بلکہ انسان، گھوڑے، اور کتے کی نوع پر حکم لگایا گیا ہے، لیکن کلی انسان، مطلق گھوڑا، اور مطلق کتے کا وجود تو اس عالم محسوس میں نہیں مگر کہیں نہ کہیں تو اس کا وجود ہونا چاہیے، پھر کہاں ہے؟ عام جواب یہ ہے کہ ذہن میں، مگر ذہن جو ہمارے محدود و مختصر دماغ کا دوسرا نام ہے، کوئی ایسا ظرف نہیں جس کے اندر یہ ساری دنیا سما سکے. اس لیے ایک اور عالم ہے جس میں کلیات اور انواع بستے ہیں. اس عالم محسوس میں جتنی چیزیں ہیں وہ کسی نہ کسی نوع کے تحت میں ہیں، یہ انواع عالم مثل میں ہیں اور ان کے عکس اور سائے جن کا نام افراد اور جزئیات ہے، وہ اس عالم محسوس میں ہیں. حقیقی وجود ان ہی انواع یا مثل کا ہے، وہ گویا قدرت کے سانچے ہیں اور ان ہی سے ڈھل ڈھل کر اس عالم محسوس میں افراد اور جزئیات نمودار ہوتے ہیں، مگر ان افراد اور جزئیات کا کوئی مستقل وجود نہیں ہے، وہ صرف اپنی اپنی نوع کے آثار اور ظلال و سایہ ہیں پھر ان میں سے ہر نوع کی مستقل روح نوعی ہے، جو اس نوع کا خدا ہے، اسی کا نام ان کی اصطلاح میں رب النوع ہے،

یہ ہے مثل افلاطون کی حقیقت. عالم مثال کی حقیقت اس سے بالکل الگ ہے، اس عالم کے قائلین جیسا کہ ابھی امام ربانی کے مکتوب کے حوالہ سے گذر چکا تین عالم کے قائل ہیں. عالم جسمانی. عالم روحانی اور عالم مثالی، عالم مثالی جسم و روح کے احکام کا

جامع ہے، اس میں روحانی اشیاء متجسم اور جسمانی چیزیں کسی اور مناسب شکل میں متشکل ہو کر نظر آتی ہیں، اور وہ معانی و حقائق جن میں جسم و جان نہیں، مثلاً حیات، موت، علم، عقل، جسمانی رنگ و روپ میں وہاں نمایاں ہوتی ہیں، ارواح فرشتے، جبرئیل، جو جسم سے پاک ہیں، اس عالم میں متجسم معلوم ہوتے ہیں، اس کی مثال بالکل خواب کی سی ہے کہ اس میں کبھی روحانیات متجسم ہو کر اور کبھی جسمانیات کسی اور شکل میں نمودار ہو کر جلوہ گر ہوتے ہیں، اور اہلِ معرفت ان کو دیکھ کر ان کی مناسب تعبیر کرتے ہیں، مثلاً کبھی خواب میں علم دریا کی صورت میں، غیظ و غضب آگ کی شکل میں، شجاعت شیر کی ہیئت میں نظر آتی ہے۔ اسی طرح عالمِ مثال میں بھی معانی و حقائق اور روحانیات و مجردات کسی مناسب جسمانی شکل و صورت میں دکھائی دیتے ہیں، اور اُن کو دیکھ کر اہلِ بصیرت ان رموز و کنایات کی حقیقت کو پا لیتے ہیں، خود عالمِ مثال میں کوئی آبادی نہیں، وہ صرف ایک آئینہ خانہ ہے جس میں عالمِ بالا یا عالمِ زیریں سے جو شکل بھی اس کے سامنے آتی ہے، اہلِ بصیرت کو نظر آجاتی ہے،

علمائے اسلام میں سب سے پہلے یہ خیال امام غزالی کے ہاں ملتا ہے، لیکن اس کو انھوں نے عالم کے لفظ سے نہیں، بلکہ وجود کے لفظ سے تعبیر کیا ہے، کسی شے کے وجود کا ثبوت ہمارے پاس اس کے سوا کچھ اور نہیں ہے کہ ہم کسی نہ کسی طرح اس کا احساس یا تعقل کرتے ہیں، ہمارے معلومات و محسوسات ذہن میں موجود ہیں اور ان کا یہ وجود بھی اسی طرح ناقابلِ انکار ہے جس طرح عام اشیا کا یہ خارجی وجود، لیکن نہ ہم ان کو دیکھ سکتے ہیں، نہ سن سکتے ہیں، نہ چکھ سکتے ہیں، نہ سونگھ سکتے ہیں، نہ ٹٹول سکتے ہیں، اس بنا پر ہم

کے نزدیک وجود کی تین قسمیں ہیں، وجودِ حسّی، وجودِ عقلی اور وجودِ خیالی، اس آخری قسم کی انھوں نے حسب ذیل تفصیل کی ہے،

"اور وہ یہ ہے کہ زبان حال تمثیلی رنگ میں محسوس اور مشاہد بن کر سامنے آئے، اور یہ خاص انبیاء اور پیغمبروں کی شان ہے، اسکی مثال خواب کی ہے جس طرح خواب میں زبان حال پیغمبروں کے علاوہ عام آدمیوں کو بھی تمثیلی رنگ میں نظر آتی ہے، اور وہ آوازیں سنتے ہیں، مثلاً کوئی خواب دیکھتا ہے کہ اونٹ اس سے باتیں کر رہا ہے، یا گھوڑا اس کو خطاب کر رہا ہے، یا کوئی مردہ اس کو کچھ دے رہا ہے، یا اس کا ہاتھ پکڑ رہا ہے، یا اس سے چھینتا ہے، یا یہ دیکھے کہ اسکی انگلی آفتاب، سورج یا چاند گہن ہو گئی، یا اس کا ناخن شیر ہو گیا ہے، یا اسی قسم کی صورتیں جن کو لوگ خواب میں دیکھا کرتے ہیں، انبیاء علیہم السلام کو یہ چیزیں بیداری میں نظر آتی ہیں، اور اسی بیداری کی حالت میں یہ چیزیں ان سے خطاب کرتی ہیں، ایک جاگتا ہوا آدمی جس کو یہ چیزیں نظر آتی ہیں اور محسوس ہوتی ہیں، وہ اس بات میں کچھ فرق نہیں کر سکتا کہ یہ خیالی گویائی ہے، یا خارجی اور حسّی ہے، خواب دیکھنے والے کو تو یہ فرق اس لیے محسوس ہوتا ہے کہ وہ جاگ جاتا ہے، اور خواب و بیداری کی دونوں حالتوں میں وہ فرق محسوس کرتا ہے،

جن لوگوں کو ولایت تامہ حاصل ہو جاتی ہے، ان کو یہ تمثیلی رنگ تنہا نظر نہیں آتا، بلکہ اسکا اثر عام حاضرین پر بھی پڑتا ہے، اس کی ولایت اپنے فیض کی شعاعیں ان پر ڈالتی ہے، اور وہ بھی وہی دیکھتے ہیں جو صاحبِ ولایت کو نظر آتا ہے، اور وہی سنتے ہیں جو صاحبِ ولایت کو سنائی دیتا ہے" (مضمون بعلی غیر الیہ صفحہ ۱۹، مصر)

احیاء العلوم باب عذاب القبر میں بھی امام صاحب نے اس کی تشریح کی ہے، امام خطابی (مشہور امام الحدیث) نے معالم السنن میں اس کو رویا کے لفظ سے تعبیر کیا ہے، افسوس ہے کہ معالم کا اصل نسخہ موجود نہیں، حافظ ابن حجر نے شرح بخاری میں ان کی رائے نقل کی ہے، شریک بن عبد اللہ رضی کی روایت جس میں معراج میں خدا کے قرب کی تصریح ہے، اس کی شرح میں لکھتے ہیں:-

فمن لم یبلغه هذا من الحدیث الا هذا القدر مقطوعاً عن غیره ولم یعتبره باول القصة وآخرها اشتبه علیه وجهه ومعناه وکان قصاراه اما رد الحدیث من اصله واما الوقوع فی التشبیه وهما خطآن مرغوب عنهما واما من اعتبر اول الحدیث بآخره فانه یزول عنه الاشکال فانه مصرح فیهما فانه کان رویا لقوله فی اوله "وهو نائم" وفی آخره "استیقظ" وبعض الرویا مثل یضرب لیتأول علی الوجه الذی یجب ان یصرف الیه معنی التعبیر فی مثله وبعض الرویا لا یحتاج الی ذلک بل یاتی کالمشاهدة[1]

پس جس شخص کو اس حدیث کا اتنا ہی ٹکڑا (کہ معراج میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قریب ہوا) حدیث کے دوسرے ٹکڑوں سے الگ ہو کر پہنچا، اور اس آغاز روایت اور آخر روایت کو باہم ملا کر نہ دیکھا تو اس حدیث کا مطلب اس پر مشتبہ ہو جائیگا اور اس کا انجام یہ ہوگا کہ یا وہ اصل حدیث سے انکار کر دے اور یا یہ کہ وہ خدا کی تجسیم کا قائل ہو جائے۔ اور یہ دونوں باتیں ناپسندیدہ ہیں لیکن جو شخص اول و آخر حدیث کو ملا کر دیکھیگا تو اس سے اشکال رفع ہو جائیگا کیونکہ حدیث کے شروع میں اور آخر میں یہ تصریح ہے کہ یہ خواب تھا کیونکہ شروع میں ہے کہ آپ سو رہے تھے کہ آپ نے دیکھا اور آخر میں ہے کہ اسکے بعد آپ بیدار ہوئے بعض خواب برنگ تمثیل ہوتے ہیں جنکی تعبیر اسی طرح کیجاتی ہے جس طرح اس قسم کے خوابوں کی تعبیر کیجاتی ہے، اور بعض خواب

[1] فتح الباری جلد ۱۳ ص ۴۰۳

امام صاحب کے بعد شیخ الاشراق نے اس کا نام لکھا اور اس کی کچھ کیفیت بیان کی، مگر انھوں نے عالم مثال اور مثل افلاطونیہ کو باہم خلط ملط کر دیا ہے، حافظ جلال الدین سیوطی نے بھی اپنی بعض تصنیفات میں اس خیال کو ظاہر کیا ہے، خواجہ حافظ کے ہاں یہ خیال پایا جاتا ہے ع "عالمے ہست کہ ایں عالم ازاں تمثالے است"۔ حضرات نقشبندیہ میں نہیں معلوم یہ خیال کب سے قائم ہے، بہر حال امام ربانی شیخ احمد سرہندی کے زمانہ کے بہت پہلے یہ خیال ان میں پایا جاتا ہے، کیونکہ امام ربانی کی تحریروں میں متعدد مقام پر اس کا ذکر ہے، ان کے بعد تو حضرت مجددیہ کی تصنیفات میں اس عالم کی نیرنگی اور بوقلمونی پر نہایت پُر اسرار مباحث ہیں، علمائے متکلمین میں جس کو سب سے پہلے اس نظریہ کو علم کلام میں استعمال کرنے کا خیال پیدا ہوا۔ وہ مجدد الف ثانی رح کے ایک مرید ملا بدر الدین ہیں، چنانچہ وہ ایک خط میں مجدد صاحب کو لکھتے ہیں:۔

پس عذاب قبر ہم عالم مثال خواہد بود و رنگ امثلیکہ در خواب در عالم مثال نمایند، و نوشتہ بودند کہ ایں سخن شاخہائے بسیار دارد و اگر قبولی نمایند فروع بسیار بریں سخن متفرع خواہد ساخت

مکتوب سی و یکم جلد سوم،

پس عذاب قبر بھی عالم مثال میں ہوگا۔ اسی طرح جس طرح کہ خواب میں مثالی رنگ میں دیدار اور تکلیف محسوس ہوتی ہے اور یہ بھی انھوں نے لکھا کہ اس مسئلہ سے بہت سی شاخیں نکل سکتی ہیں اور اگر آپ قبول فرمائیں تو اس سے بہت سے فروع پیدا ہو سکیں گے،

یہی چند منتشر خیالات تھے جن کو شاہ ولی اللہ صاحب نے ایک عالم بنا دیا، چنانچہ حجۃ اللہ البالغہ میں عالم مثال کا ایک باب باندھا ہے، اور اس کے تمام اصول و فروع بیان کئے ہیں

کیے ہیں، ہم اس موقع پر شاہ صاحب کے اس باب کا پورا ترجمہ درج کرتے ہیں،

جاننا چاہیے کہ بہت سی حدیثوں سے ثابت ہوتا ہے کہ عالم موجودات میں ایک ایسا عالم بھی ہے جو غیر مادی ہے اور جس میں معانی (اعراض وحقائق) ان اجسام کی صورت میں متشکل ہوتے ہیں، جو اوصاف کے لحاظ سے ان کے مناسب ہیں، پہلے اس عالم میں اشیاء کا ایک گونہ وجود ہو لیتا ہے، تب دنیا میں ان کا وجود ہوتا ہے، اور یہ دنیاوی وجود ایک اعتبار سے بالکل اس عالم مثال کے وجود کے مطابق ہوتا ہے۔

اکثر وہ اشیاء جو عوام کے نزدیک جسیم نہیں رکھتیں، اس عالم میں متشکل ہوتی اور اترتی ہیں اور عام لوگ ان کو نہیں دیکھتے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب خدا نے رحم کو پیدا کیا تو وہ کھڑی ہو کر بولی کہ یہ اس شخص کا مقام ہے جو قطع رحم سے پناہ مانگے، تیرے پاس پناہ ڈھونڈھتا ہے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سورہ بقرہ اور آل عمران قیامت میں بادل یا سائبان، یا صف بستہ پرندوں کی شکل میں آئیں گی، اور ان لوگوں کی طرف سے وکالت کریں گی جنھوں نے ان کی تلاوت کی ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ قیامت میں اعمال حاضر ہوں گے تو پہلے نماز آئے گی، پھر خیرات، پھر روزہ الخ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نیکی اور بدی دو مخلوق ہیں، جو قیامت میں لوگوں کے سامنے کھڑی کیجائیں گی، سو نیکی نیکی والوں کو بشارت دے گی، اور برائی برائی والوں کو کہے گی کہ ہٹو ہٹو لیکن وہ لوگ اس کے چمٹے ہی رہیں گے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ قیامت میں اور جتنے دن ہیں، وہ معمول صورت میں حاضر ہوں گے لیکن جمعہ کا دن چمکتا دمکتا ہوا آئے گا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا ہے کہ قیامت میں دنیا ایک بڑھیا کی صورت میں لائی جائے گی جس کے بال کھچڑی، دانت نیلے اور صورت بدنما ہوگی، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو میں دیکھتا ہوں کیا تم بھی دیکھتے ہو، میں دیکھ رہا ہوں کہ فتنے تمھارے گھروں پر اس طرح برس رہے ہیں جس طرح بادل سے قطرے" اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کی حدیث میں فرمایا کہ "اچانک چار نہریں نظر آئیں، دو نہریں اندر تھیں اور دو باہر، میں نے جبریل سے پوچھا کہ یہ کیا ہے" بولے اندر کی نہریں تو جنت کی ہیں، اور باہر کی نیل اور فرات ہیں" اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسوف کی نماز میں فرمایا کہ بہشت اور دوزخ میرے سامنے مجسم کرکے لائی گئیں، اور ایک روایت میں ہے کہ میرے اور قبلہ کی دیواروں کے بیچ میں بہشت و دوزخ مجسم ہو کر آئیں، میں نے ہاتھ پھیلائے کہ بہشت سے انگور کا ایک خوشہ توڑ لوں لیکن دوزخ کی گرمی کی لپٹ سے رک گیا، اور حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حاجیوں کے چور کو اور ایک عورت کو دوزخ میں دیکھا جس نے ایک بلی کو باندھ کر مار ڈالا تھا اور ایک فاحشہ عورت کو بہشت میں دیکھا، جس نے کتے کو پانی پلایا تھا، اور یہ ظاہر ہے کہ بہشت اور دوزخ کی وسعت جو عام لوگوں کے خیال میں ہے وہ اس قدر مسافت (یعنی کعبہ کی چار دیواری) میں نہیں سما سکتی، اور حدیث میں ہے کہ بہشت کو مکروہات نے اور دوزخ کو شہوات نے چاروں طرف سے گھیر لیا ہے"

پھر جبریلؑ کو خدا نے حکم دیا کہ دونوں کو دیکھیں، اور حدیث میں ہے کہ بلا جب نازل ہوتی ہے تو دعا اس سے کشتی لڑتی ہے، اور یہ بھی حدیث میں ہے کہ خدا نے عقل کو پیدا کیا

اور اس سے کہا کہ آگے آ، تو وہ آگے آئی، پھر کہا کہ پیچھے ہٹ تو پیچھے ہٹ گئی، اور حدیث میں ہے کہ یہ دونوں کتابیں پروردگار عالم کی طرف سے ہیں۔ الخ اور حدیث میں ہے کہ "قیامت میں موت ایک مینڈھے کی شکل میں لائی جائے گی، پھر دوزخ اور بہشت کے درمیان ذبح کر دیجائیگی" اور خدا نے فرمایا کہ "ہم نے اپنی روح مریم کے پاس بھیجی تو وہ ان کے سامنے ٹھیک آدمی کی شکل بن کر آئی"۔ اور حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ جبرئیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آتے تھے اور آپ سے باتیں کرتے تھے۔ اور کوئی ان کو نہیں دیکھتا تھا، اور حدیث میں ہے کہ قبر ہفتاد گز چوڑی ہو جاتی ہے یا اسقدر سمٹ آتی ہے کہ مردہ کی پسلیاں بھرکس ہو جاتی ہیں اور حدیث میں ہے کہ فرشتے قبر میں آتے ہیں اور مردہ سے سوال کرتے ہیں، اور مردہ کا عمل مجسم ہو کر اس کے سامنے آتا ہے۔ اور نزع کی حالت میں فرشتے حریر یا گزی کا کپڑا لیکر آتے ہیں، اور فرشتے مردہ کو لوہے کے گرز سے مارتے ہیں مردہ شور کرتا ہے اور اس کے شور کی آواز مشرق سے مغرب تک کی چیزیں سنتی ہیں۔ اور حدیث میں ہے کہ قبر میں کافر کے اوپر ننانوے اژدہے مسلط ہوتے ہیں جو اس کو کاٹتے ہیں تا قیامت، اور حدیث میں ہے کہ جب مردہ قبر میں آتا ہے تو اس کو نظر آتا ہے کہ آفتاب غروب ہو رہا ہے۔ وہ اٹھ بیٹھتا ہے اور کہتا ہے کہ مجھ کو نماز پڑھنے دو، اور حدیث میں اکثر جگہ آیا ہے کہ قیامت میں خلابت کی مختلف صورتوں میں لوگوں کے سامنے جلوہ گر ہوگا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے پاس اس حالت میں جائیں گے کہ خدا اپنی کرسی پر بیٹھا ہوگا، اور یہ کہ خدا انسانوں سے باتیں فرمائیگا، اس قسم کی اور بہت سی حدیثیں ہیں جن کا شمار نہیں ہو سکتا

ان حدیثوں کو جو شخص دیکھیگا تین باتوں میں سے ایک نہ ایک بات اسکو ماننی پڑیگی،

یا تو ظاہری معنی مراد لے اور اس صورت میں اس کو ایک ایسے عالم کا قائل ہونا پڑیگا جسکی کیفیت ہم بیان کر چکے ہیں (یعنی عالمِ مثالی) اور یہ صورت وہ ہے جو اہل حدیث کے قاعدے کے مطابق ہے، چنانچہ سیوطی نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے اور خود میری بھی یہی رائے ہے اور یہی مذہب ہے یا اس بات کا قائل ہو کہ دیکھنے والے کے حاسہ میں واقعات کی یہی شکل ہوگی۔ اور اس کی نظر میں وہ اسی طرح جلوہ گر ہوں گے، گو اس کے حاسہ کے باہر اس کا وجود نہ ہو۔ قرآن مجید میں جو آیا ہے کہ آسمان اس دن صاف دھواں بن کر رہے گا۔ اس کے معنی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اسی کے قریب قریب لیے ہیں، یعنی یہ کہ لوگوں پر تھا پڑا تھا تو جب کوئی آسمان کی طرف دیکھتا تھا تو اس کو بھوک کی وجہ سے آسمان دھواں سا معلوم ہوتا تھا، ابن ماجہ نے (مشہور محدث تھے) سے مروی ہے کہ جن حدیثوں میں خدا کے اترنے اور مرئی ہونے کا ذکر ہے۔ انکے معنی یہ ہیں کہ خدا مخلوقات کی نظر میں ایسا تغیر پیدا کر دے گا کہ وہ خدا کو ایسی حالت میں دیکھیں گے کہ وہ اتر رہا ہے اور جلوہ دکھا رہا ہے اور اپنے بندوں سے گفتگو اور خطاب کر رہا ہے حالانکہ خدا کی جو شان ہے اس میں نہ تغیر ہوگا نہ منتقل ہوگا اور یہ اس لیے ہوگا کہ لوگ جان لیں کہ خدا ہر چیز پر قادر ہے، تیسری صورت یہ ہے کہ یہ سب باتیں بطور تمثیل کے بیان کی گئی ہیں جن سے مقصود کچھ اور ہے۔ لیکن جو شخص صرف اسی احتمال پر بس کرتا ہے، میں اس کو اہل حق میں شمار نہیں کرتا، امام غزالی نے عذاب قبر کے بیان میں ان تینوں مقامات کو بیان کیا ہے۔ اور کہا ہے کہ کہ ان تمام واقعات کے ظاہری معنی صحیح ہیں اور ان کے اندرونی اسرار مخفی ہیں۔ لیکن ارباب بصیرت کے نزدیک یہ اسرار فاش

اور کھلے ہوئے ہیں، تو جن لوگوں پر یہ اسرار فاش نہ ہوں ان کو ان کے ظاہری معنوں کا انکار مناسب نہیں ہے کہ ایمان کا آخری درجہ تسلیم اور اقرار ہے۔"

اس کے بعد دوسرے متفرق ابواب میں وحی، معراج، رویتِ ملائکہ، ملاقاتِ انبیاءؑ، براق، سدرۃ المنتہیٰ وغیرہ سب کی تشریح اسی عالم میں کی ہے، ہم نے آگے چل ایک باب عالمِ رویا کا قائم کیا ہے، اُس میں دکھایا ہے کہ اس اصول کی صحت پر آیات و احادیث سے استناد ہو سکتا ہے،

ان تمام نظریات پر ایک نظر ڈال لینے کے بعد یہ بآسانی کہا جا سکتا ہے کہ ان کا درجہ دلائل و براہین کا نہیں ہے، بلکہ حقیقت میں ان میں سے ہر نظریہ کا ماحصل صرف اس قدر ہے کہ بظاہر ان چیزوں کے تسلیم کرنے میں عقل کو جو استحالہ یا کم از کم استبعاد نظر آتا ہے، وہ کم یا دور ہو جائے، اسلیے ہر گواہ نے اپنے اپنے ذوق اور طریق فکر کے مطابق اپنے تجربات اور مشاہدات کے ذریعہ سے ایک ایسا تمثیلی نظریہ قائم کیا ہے، جس پر قیاس کر کے وہ باتیں جو تجربہ و مشاہدہ سے ماوراء ہیں، ان کا کچھ دھندلا سا خاکہ ذہن انسانی میں قائم ہو جائے کہ وہ انکے انکار و استبعاد کی جرأت نہ کر سکے، اور قلبِ بدگمان اور عقلِ نارسا کسی قدر تسلی پا سکے، ورنہ ظاہر ہے کہ شاہد سے غائب پر، محسوسات سے غیر محسوسات پر، تجربیات سے ناممکن التجربہ حقائق پر، جسمانی قوانینِ فطرت سے روحانی خصائص پر استشہاد کیونکر کیا جا سکتا ہے،

کہ کس نہ کشود و نہ کشاید بہ حکمت ایں معمارا

معجزات

ہمارے متکلمین کے نزدیک معجزہ وہ امر ہے، جس کو اللہ تعالیٰ کسی پیغمبر کے دعویٰ کی صداقت کے لیے دنیا پر ظاہر کرتا ہے، اس کے لیے چند شرائط ہیں، منجملہ ان کے ایک یہ ہے کہ وہ خارق عادت ہو تو گویا معجزہ کی عام تعریف یہ سمجھنی چاہیے کہ معجزہ اس خارق عادت چیز کو کہتے ہیں جو خدا کی طرف سے پیغمبر کی تصدیق کے لیے صادر ہو، اب معجزہ کے ثبوت میں اصل اشکال جو پیش آتا ہے وہ یہ ہے کہ عالم کائنات ایک نظام خاص پر قائم ہے، ہر شے کی ایک علت اور ہر حادثہ کا ایک سبب ہے، علت اور سبب کے بغیر کوئی شے پیدا نہیں ہوتی، علت و معلول کا جو سلسلہ اشیاء میں نظر آتا ہے. ان میں باہم اس قدر لزوم ہے کہ وہ ایک دوسرے سے منفک نہیں ہو سکتے، ہر شے میں ایک خاصیت ہے جو اس سے الگ نہیں ہو سکتی، اور نیز جس شے میں جس چیز کی خاصیت نہیں ہے اس سے صدور بھی نہیں ہو سکتا، آگ جلاتی ہے، سمندر بہتا ہے، درخت ساکن ہے، پتھر چلتا نہیں، سورج میں نور ہے، کنکر بولتے نہیں، سنکھیا زہر قاتل ہے، انسان مرکر پھر جیتا نہیں اب اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ آگ نے جلایا نہیں سمندر دفعۃً تھم گیا، درخت چلنے لگا، پتھر حرکت کرنے لگا، آفتاب میں سیاہی آگئی، زہر کھا کر آدمی مرا نہیں، اور انسان مرکر ایک اشارہ سے پھر جی اٹھا تو درحقیقت وہ اس پورے نظام فطرت کو جس پر دنیا قائم ہے اور جس پر ہم کرنا چاہتا ہے عمل دنیا کے تار و پود کو بکھیر دینا چاہتا ہے، اور اشیا کے ان طبائع اور خواص کے علانیہ انکار پر آمادہ ہے. جو ہمارے تجربہ سے ثابت ہو چکے ہیں، اور جن میں کبھی تخلف نہیں ہوا ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہ نظام فطرت، یہ سلسلۂ علل و اسباب، یہ طبائع اور خواص اس درجہ ناقابل تنسیخ ہیں کہ ان میں کسی قسم کی تغیر و تبدیل نہیں ہو سکتی، فلاسفہ اور حکما کے ایک گروہ کے نزدیک یہ نظام، یہ سلسلہ، یہ اصول ناقابل شکست اور ناقابل تغیر ہیں، حکماے اسلام کا گروہ (مثلاً فارابی، ابن سینا، ابن مسکویہ وغیرہ) اس بات کا قائل ہے کہ یہ تو سچ ہے کہ اس نظام فطرت اور سلسلۂ علل و اسباب میں نہ تغیر و تبدل ہو سکتا اور نہ دنیا میں کوئی شے بغیر علتِ عادیہ اور سبب طبعی کے پیدا ہو سکتی ہے، لیکن یہ صحیح نہیں کہ معجزات اس نظام و سلسلہ سے الگ ہیں اور وہ فطرت کی قانون شکنی کرتے ہیں بلکہ وہ بھی علل و اسباب طبعی کے نتائج ہیں، زیادہ سے زیادہ یہ کہ ہم ان علل و اسباب کے احاطہ سے ابتک قاصر ہیں، اور وہ ابتک ہماری نگاہوں سے مخفی ہیں، ممکن ہے کہ تحقیقات انسانی کا دائرہ کبھی اتنا وسیع ہو جائے کہ ان کے علل و اسباب ہمارے فہم میں آجائیں معتزلہ کہتے ہیں کہ ہم کو یہ تسلیم ہے کہ عالم میں ایک خاص نظام فطرت، موجودات میں سلسلۂ علل و معلولات اور اشیا میں طبائع و خواص ہیں، لیکن ہم اُن کی اس درجہ ہمہ گیری کو تسلیم نہیں کرتے کہ یہ کسی حال میں اور کسی طریق سے شکست نہیں ہو سکتے، آج تک ہمارا علم یہ ہے کہ نباتات دانہ سے، پرندے انڈے سے اور حیوانات نطفہ سے پیدا ہوتے ہیں، مگر ممکن ہے کہ کل وہ ان کے بیچ کے وسائط اور ذرائع کے بغیر دفعۃً پیدا ہو جائیں، غرض یہ کہ خرق فطرت کلیۃً محال نہیں ہے، اشاعرہ اپنا عقیدہ یہ ظاہر کرتے ہیں کہ نہ تو عالم میں حقیقۃً قوانینِ فطرت ہیں، اور نہ خود اشیا کے اندر خواص ہیں، بلکہ ہر شے سے جو فعل سرزد ہوتا ہے اس کو درحقیقت اللہ تعالیٰ اسی وقت اس میں پیدا کر دیتا ہے، اشاعرہ کے اس عقیدہ کا نہ صرف مدعیان عقل نے بلکہ ارباب ظواہر[1] تک نے مضحکہ اڑایا ہے، لیکن درحقیقت

[1] علامہ ابن تیمیہ نے رد منطق میں اور ابن حزم ظاہری نے فصل فی الملل والنحل میں اس کی پرزور تردید کی ہے۔ اردو کے جدید علم کلام کے بانیوں نے بھی اس کا کچھ کم مذاق نہیں اڑایا ہے دستاد مرحوم نے تو تقریباً اپنی ہر کلامی تصنیف میں اشاعرہ کے اس خیال کو "حماقت" سے تعبیر کیا ہے ۱۲

یہ خیال ایسا نہیں ہے کہ اس کو ہنسی میں اڑا دیا جائے۔ چنانچہ اس کی تفصیل آگے آئے گی۔

فلاسفہ اور حکما کی وہ جماعت قوانینِ فطرت کے ناقابل شکست ہونے پر ایمان رکھتی ہے، اور اس بنا پر معجزات و خوارق سے قطعی انکار کرتی ہے۔ امام رازی نے لکھا ہے[1] کہ گو خود ان فلاسفہ کا اصل عقیدہ یہی ہے کہ وہ متعدد ایسے اصول تسلیم کرتے ہیں جن کی بنا پر خوارق فطرت کا تسلیم کرنا ان کے لیے لازم ہو جاتا ہے۔ مثلاً

۱۔ وہ "تولد ذاتی" کے قائل ہیں یعنی یہ کہ جن جانداروں کی پیدائش ایک نظام خاص کے ساتھ ہوتی ہے۔ ایک قطرۂ آب سے خون، خون سے گوشت، پھر بتدریج مدتِ حمل کے اندر وہ شکم مادر میں پرورش پاتے رہتے ہیں۔ ایک متعین زمانہ کے بعد وضعِ حمل ہوتا ہے۔ پھر شیر خوارگی اور بچپن کے دور سے آہستہ آہستہ بڑھتے ہوئے ایک تنومند، قوی ہیکل، ذی روح صورت میں ظاہر ہوتے ہیں۔ وہ دفعۃً ان تمام منازل کو طے کیے بغیر اس مکمل انسانی صورت میں نمودار ہو جاتے ہیں۔ یہ فلاسفہ کہتے ہیں کہ قطرۂ آب کے زمانہ سے لیکر اس عالمِ شباب کے عہد تک اس مجموعۂ عناصر کو جو سالہا سال سے صرف کرنے پڑے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ان عناصر میں حیات کی قابلیت پیدا ہونے کے لیے ایک خاص قسم کے اعتدالِ ترکیب کی ضرورت تھی۔ جب ترکیب میں یہ اعتدال پیدا ہوا، حیات پیدا ہو گئی۔ اس بنا پر اگر کسی مجموعۂ عناصر میں اس قسم کا اعتدال پیدا ہو جائے جس میں حیاتِ انسانی کے قبول کی صلاحیت ہو تو نیز نطفہ، حمل، خون، گوشت، وضعِ حمل، شیر خوارگی، بچپن وغیرہ درمیانی وسائط طبعی کے، اچھا خاصہ ایک نوجوان مٹی کے پتلے سے بنکر کھڑا ہو سکتا ہے، جیسا کہ

---

[1] مطالب عالیہ بحث معجزات (نسخہ قلمی موجودہ دار المصنفین)؛ تفسیر کبیر سورۂ اعراف۔

برسات میں اکثر کیڑے مکوڑے سڑی گلی مٹی میں ایک خاص اعتدالی کیفیت پیدا ہو جانے سے جاندار اور ذی روح بن جاتے ہیں، اسی کا نام "تولدِ ذاتی" ہے۔

اس تفصیل کی بنا پر ان کے نزدیک یہ ثابت ہو گیا ہے کہ ذی روح کی پیدائش کے لیے دنیا میں جو سلسلۂ اسباب عادۃً جاری ہے، اس کے خلاف ہو سکتا ہے، تو پھر عصا سانپ بھی ہو سکتا ہے مردے زندہ بھی ہو سکتے ہیں، پہاڑ سونا بھی ہو سکتا ہے۔ ایک عصا کے سانپ بن جانے کی فطری صورت یہ ہے کہ پہلے وہ سڑ گل کر مٹی ہو جاتا ہے، وہ مٹی غذا کی شکل میں ایک سانپ کے اندر جاتی ہے اور پھر وہ غذا دوسری شکل میں بن کر سانپ کا بچہ بن جاتی ہے، تولدِ ذاتی کے اصول پر یہ ممکن ہے کہ بیج کے وسائط کے بغیر عصا میں سانپ بننے کی صلاحیت پیدا ہو جائے۔

۲۔ یہ ظاہر ہے کہ دنیا میں جو کچھ حوادث ہوتے ہیں وہ کسی نہ کسی حیثیت سے مادہ (ہیولیٰ) ہی کے تغیرات کے نام ہیں، مادہ (ہیولیٰ) اس تمام عالم عنصری کا ایک ہی ہے، اس بنا پر عالم میں انواع، اشکال اور خواص کے یہ لاکھوں اور کروڑوں تنوعات اور اختلافات جو ہم کو نظر آتے ہیں، ان کا سبب مؤثر اگر بالفرض خود مادہ ہی ہوتا تو ضروری تھا کہ تمام دنیا میں ایک ہی شکل، اور ایک ہی خاصیت ہوتی تم کہو گے کہ یہ اختلاف تنوع مادہ کے اختلاف استعداد سے پیدا ہوا لیکن استعداد تو تاثر اور انفعال کا نام ہے علت فاعلہ اور سبب مؤثر کیا ہے؟ فلاسفہ کہتے ہیں کہ اجرام فلکیہ کی گردش اور رفتار ہے۔ مگر اس کے ساتھ وہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ اجرام فلکی کی اس گردش و رفتار اور اختلاف اشکال کی نہ کوئی حد و نہایت ہے، اور نہ کسی

قانونِ فطری کے ماتحت ہیں، اور نہ اُن کا علم ہم کو ہو سکتا ہے۔ تو اس اصول کے صحیح باور کر لینے پر عجائب قدرت اور خوارق فطرت کی وہ کونسی مثال ہے، جسکے محال ہونے کا دعوی وہ کر سکتے ہیں

۳- عالم میں جو کچھ ہوتا ہے یا تو وہ کسی سبب مُوثر کی بنا پر ہوتا ہے، یا بلا سبب موثر کے ہوتا ہے۔ اور دونوں صورتوں میں خرقِ عادت کو تسلیم کرنا پڑے گا، اگر یہ کہیے کہ یہ حوادث بلا موثر کے وجود پذیر ہوتے ہیں تو گویا آپنے خود خرقِ عادت کو تسلیم کر لیا، پھر دنیا میں کوئی عجیب سی عجیب اور مستبعد سے مستبعد بات بھی ناممکن نہیں رہتی، اور اگر یہ کہیے کہ یہ سبب موثر کے نتائج ہیں تو وہ حال سے خالی نہیں، یا یہ سبب مُوثر صاحب اختیار و ارادہ ہے اور یہ تمام حوادث و تاثیرات اس کے ارادہ اور اختیار سے صادر ہوتے ہیں، یا وہ بے اختیار اور مسلوب الارادہ ہے اور یہ حوادث و تاثیرات اس سے اسی طرح بے ارادہ اور اضطرار طبعی طور سے سرزد ہوتے ہیں جس طرح سورج سے روشنی، آگ سے گرمی، برف سے ٹھنڈک، پہلی صورت میں معجزات اور خوارق کے صدور میں کوئی استحالہ نہیں، کیونکہ اس مدبر و موثر کا جب جیسا ارادہ ہو وہ شی اسی طرح واقع ہوگی، کوئی اس کا دافع نہیں۔ دوسری صورت میں ظاہر ہے کہ یہ تمام تاثیرات اس بے ارادہ مُوثر عالم سے زمانۂ قدیم سے ایک ہی طور پر سرزد ہوتی چلی آتی ہیں جیسے آفتاب سے روشنی ایسی حالت میں ایک عام واحد قدیم و ازلی سبب و مُوثر سے یہ ہر نئے آن اور نئے لمحہ میں نئی نئی اور مختلف شکل و صورت اور خواص کی اشیاء کیونکر ظہور پذیر ہوتی ہیں۔ آپ کہیں گے کہ علت تو بیشک واحد قدیم ہے۔ مگر علت کے وجود کے ساتھ معلول میں بھی تو استعداد اور قبولیت کا مادہ پیدا ہونا چاہیے مادہ میں یہ استعداد و صلاحیت گردشِ فلکی کے مختلف اشکال کا نتیجہ ہے لیکن ابھی

یہ کہا جا چکا کہ آپ کے نزدیک اشکال فلکی کی نہ تو کوئی حد و پایاں ہے۔ اور نہ وہ کسی خاص قاعدہ اور اصول کے اندر محدود ہیں، اس بنا پر حوادثِ عالم کے اختلاف اور نیرنگی کا باعث اگر گردش فلکی کا اختلاف اور نیرنگی ہے، تو ایسی صورت میں یہ کیوں نہیں ممکن ہے کہ جو چیز آپ کو بظاہر خلافِ فطرت اور خلافِ عادت معلوم ہوتی ہے وہ کسی خاص شکلِ فلکی کا نتیجہ ہو،

گذشتہ تقریر کا حاصل یہ ہے کہ حکمائے اسلام نے معجزات کے امکان پر حسب ذیل دلائل قائم کیے ہیں،

(۱) **تاثیرات فلکیہ**۔ معجزات کے انکار کی اصلی وجہ یہ ہے کہ اس کے عمل کرنے کے لیے کوئی مادی علت ہمارے پیش نظر نہیں ہے اور ہم تمام معمولات کی تشریح مادی اور طبعی علل و اسباب سے کرنا چاہتے ہیں لیکن حکماء کا اس امر پر اتفاق ہے کہ گردش افلاک اور گردش نجوم کا اس دنیا کے حوادث پر بہت اثر پڑا ہے۔ اور قوائے فلکی اس عالم کے واقعات میں موثر ہوتے ہیں، ایسی صورت میں اگر کسی بظاہر عجیب و غریب شے کی تعلیل ہم مادی و طبعی علل و اسباب سے نہیں کر سکتے تو یہ کیوں ممکن نہیں ہے کہ اس کے اسباب فلکی و سماوی ہوں۔

(۲) **علل خفیہ**۔ یہ ہم کو تسلیم ہے کہ تمام حوادث کسی نہ کسی سبب طبعی کی بنا پر ہوتے ہیں، لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ سبب طبعی سارے علم و فہم میں آجائے۔ دنیا میں بیسیوں اسرار قدرت ہیں جن کی ابتک تحلیل نہیں ہو سکی ہے۔ اس بنا پر ممکن ہے کہ معجزات بھی اسباب طبعی کے ماتحت ظہور پذیر ہوتے ہوں لیکن ان کے اسباب و علل ابتک ہماری نگاہوں سے مخفی ہوں، مثلاً یہ کہ انبیاء نے چالیس دن تک ایک ساتھ روزہ رکھا اور اس مدت میں

ایک دانہ بھی انھوں نے نہیں کھایا، لیکن باایں ہمہ اُن کی قوت جسمانی میں کوئی فرق نہیں آیا یہ بظاہر عجیب بات ہے، مگر سبب طبعی سے الگ نہیں ہے، ہم کو کیوں بھوک لگتی ہے؟ اس لیے کہ ہمارے قوائے معدہ غذا کو ہضم کر لینے کے بعد اِس کے خون کو جسم کے مختلف حصوں میں پہنچا دیتے ہیں، تو ان کے لیے پھر کوئی کام باقی نہیں رہتا، اور ان کو کام کی تلاش ہوتی ہے، لیکن ہم روزمرہ دیکھتے ہیں کہ بیماری کے سبب یا خوف طاری ہو جانے کے باعث سے یا کسی غم کے سبب سے جسم پر یہ اثر پڑتا ہے کہ کئی کئی روز تک معدہ کے قویٰ معطل ہو جاتے ہیں، اور وہ اپنا کام انجام نہیں دیتے، اس لیے اس کو بھوک بھی نہیں لگتی۔ اس بنا پر اگر یہی حالت کسی نفس کی اس بنا پر ہو جائے کہ اس کو روحانیات کے ساتھ شدتِ انہماک، اور جسمانیات سے قطعِ علائق ہو گیا ہے، تو اس کے قوائے جسمانی بھی معطل ہو سکتے ہیں، اور وہ مدت تک فاقہ کر سکتا ہے، اسی طرح دوسرے معجزات کی تشریح بھی کی جا سکتی ہے۔

(۳) **قوتِ کمالیہ**، اس عالم میں جس قدر انسان ہیں، ان کے نفسانی خصوصیات کو اگر غور سے دیکھا جائے تو عجیب غریب اختلافات نظر آتے ہیں، ایک بلید الفہم اور کودن ہے تو دوسرا زیرک اور ذی فہم ہے، ایک کو بولنے کا شوق ہے، تو دوسرے کو سننے کا، ایک علم کا عاشق ہے تو دوسرا اس کا دشمن، ایک کے علوِ ہمت اور بلند حوصلگی کے سیلاب کے سامنے مشکلات کے بڑے بڑے پہاڑ بھی خس و خاشاک ہیں، دوسرا اتنا پست ہمت اور ضعیف الارادہ ہے کہ وہ تنکے کو بھی پہاڑ جانتا ہے، ایک اس قدر قوی الحافظہ ہے کہ معمولی سی معمولی بات بھی اس کے ذہن کی گرفت سے باہر نہیں نکل سکتی۔ دوسرے کو موٹی موٹی بات بھی یاد نہیں رہتی۔ پھر علم و فن کے

عشاق میں بھی کسی کو ادبیات سے لگاؤ ہے. کسی کو عقلیات کا چسکا ہے، کسی کو منقولات میں مزہ ملتا ہے. قوتِ شہوانیہ کے لحاظ سے دیکھو تو کسی کو سواری کا شوقین پاؤ گے، کسی کو لباس و پوشاک اور وضع و قطع کا، کسی کو کھانے پینے کا، ایک کو صرف دولت جمع کرنے میں مزہ ملتا ہے تو دوسرے کو اس کے اڑانے میں لطف حاصل ہوتا ہے. کوئی طبعاً حلیم ہے تو دوسرا سراسر غضب کا شعلہ، ایک خلقی طور سے قانع ہے تو دوسرا حریص اور طماع، کوئی بد زبان ہے مگر بد کردار نہیں، دوسرا بظاہر سنجیدہ اور متین نظر آتا ہے، مگر باطن نہایت بداطوار اور خفیف الحرکت ہے ان میں سے ہر وصف و خاصیت کے بھی سیکڑوں مدارج اور مراتب ہیں، الغرض صفات و خواصِ نفسانی کے مظہر اتنے رنگا رنگ اور بوقلموں ہیں کہ وہ حصرِ تحدید میں بھی نہیں آسکتے، غور کرو تو معلوم ہوگا کہ ہر ایک انسان کے نفس میں جو خصوصیات ہیں ان کے مطابق جو اعمال و آثار اس سے صادر ہوتے ہیں، ان پر اس کو مطلق تعجب نہیں آتا، لیکن دوسرے اعمال و آثار جن خصائص کے نفس میں نہیں ہیں، ان پر اس کو سخت تعجب آتا ہے. بلکہ اگر ان اشخاص کو اس نے خود دیکھا نہ ہو تو اس کو ان خصائص کا یقین شکل سے آئے گا، ایک بخیل کے نزدیک بذل و کرم کی داد میں تمام گھر بار لٹا دینا ایک مافوق البشریہ کارنامہ ہے، ایک دنیادار جاہ پسند اور حریص آدمی کو ایک زاہد قانع اور متواضع آدمی کو دیکھ کر تعجب آتا ہے، معمولی حافظہ والوں سے کہو گے کہ امام بخاری کو ۶ لاکھ حدیثیں یاد تھیں، اور اندلس کے ایک نابینا ادیب کو اغانی کی ۴۰ جلدیں نوک زبان تھیں. تو اس کو یقین نہیں آئے گا. تیمور، ہٹلر، ہنیبال اور نپولین کی قوتِ عزم و ارادہ کے قصے کمزور اور ضعیف ارادہ کے آدمیوں کو معجزہ معلوم ہوں گے، ایک کمزور ارادہ کا

آدمی خود اپنی اولاد و اعزہ و خدام کو بھی قابو میں نہیں رکھ سکتا، لیکن غیر معمولی عزم و ارادہ کے لوگ ہزاروں اور لاکھوں آدمیوں پر اس طرح استیلا حاصل کر لیتے ہیں کہ وہ اس کے ہاتھ میں پیکر بے جان بن جاتے ہیں۔ یہی حال دوسرے خصائص کے اختلافات کا ہے

اب سوال یہ ہے کہ تمام نفوسِ انسانی کے اتحاد ماہیت کے باوجود یہ اختلافات کہاں سے آئے؟ اس کے دو ہی جواب ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ ہر نفس کی جوہریت دوسرے سے مختلف ہے، اس لیے ایک سے جو خصوصیات اور افعال صادر ہوتے ہیں، وہ دوسرے سے نہیں ہوتے۔ یا یہ کہ ہر جسم کی ترکیب عنصری میں اختلاف مزاج ہے جس کے سبب سے ایک کی خصوصیات دوسرے سے نہیں ملتیں۔ بہرحال ان دو میں سے جو پہلو بھی اختیار کیجئے، یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ ممکن ہے کہ بعض ایسے نفوس بھی ہوں جن کی روحانی یا جسمانی قوت میں کوئی خاص ایسی بات ہو، جس کی بنا پر ان سے عجیب و غریب اعمال اور تصرفات صادر ہوتے ہیں، جن کا صدور عام انسانوں کی روحانی و جسمانی قوت سے باہر ہے۔ اور اس لیے وہ ان کو مستبعد اور ناقابل فہم نظر آتے ہیں، ٹھیک اسی طرح جس طرح ایک بلید کو ایک ذی فہم کے افعال پر، ایک ضعیف الحافظہ کو ایک قوی الحافظہ کی قوت پر، ایک طماع و حریص کو ایک قانع و زاہد کے حالات پر، ایک کمزور اور ضعیف الارادہ کو قوی الارادہ اور مستحکم العزم پر تعجب آتا ہے، لیکن چونکہ وہ نفوس جن میں معجزات کی یہ قوت ہے، نادر الوجود ہیں، اسلیے عموماً ان کے خصائص اور آثار پر تعجب اور استبعاد بھی معمول سے زیادہ ہوتا ہے

(۳) **قوتِ نفسیہ**۔ ہر انسان اپنے جسم کے ایک ایک عضو کو جس طرح چاہتا ہے حرکت دیتا ہے،

گویا ایک قوت ہے جو اس کے تمام قالب جسمانی پر مسلط ہے، اور یہ جسم اس کے امر و ارادہ کے تابعت اس کے حکم کو اس طرح بجا لاتا ہے کہ وہ اس کی اطاعت سے سرمو انحراف نہیں کر سکتا یہ تصرف اور عمل پر نفس انسانی اپنے جسم کے اندر کرتا ہے، اور یہ معمولی اور ادنی نفوس کی قوت کی نیرنگی ہے لیکن جو نفوس ان سے زیادہ طاقتور ہیں وہ اپنے جسم کے باہر دوسرے نفوس اور اجسام کو بھی اپنا مطیع فرمان کر لیتے ہیں، یہاں تک کہ ان میں سے جن کو کمال کا معجزانہ حصہ ملا ہے، ان کے لیے یہ سارا مادی عالم مثل جسم کے ہوتا ہے، اور وہ اسی طرح اس عظیم الشان جسم میں تصرف کرنے لگتے ہیں جس طرح معمولی انسان اپنے جسم میں کرتے ہیں۔

(۴) **تاثیرات نفسانیہ**، یہ روزمرہ کا مشاہدہ ہے کہ نفس انسانی میں جو جذباتی تغیرات پیدا ہوتے ہیں، وہ اس کے جسم مادی کو متاثر کر دیتے ہیں رات کو کوئی چیز دیکھی اور اس کا ہیبتناک تصور کیا اور گھبرا کر چیخ اٹھا، یا بیہوش ہو کر گر پڑا کسی درخت کی پتلی شاخ پر چڑھتے یا چھت کے منڈیر یا پتلے تختہ کے پل پر سے گذرتے ہوئے خوف طاری ہوا، ہاتھ پاؤں میں لغزش ہوئی اور آدمی گر پڑا غصہ سے آدمی کا چہرہ سرخ اور خجالت و شرمندگی سے زرد پڑ جاتا ہے، آدمی نے کسی ناگوار واقعہ کا تخیل کیا غصہ آگیا، غصہ سے بدن میں گرمی پیدا ہو گئی، اور گرمی سے پسینہ آگیا، محض وہم سے آدمی ڈر جاتا ہے، بلکہ بیمار پڑ جاتا ہے، یہاں تک کہ کبھی کبھی مر جاتا ہے، ان تمام واقعات میں دیکھو کر نفسانی اثرات مادی جسم کو متاثر کر دیتے ہیں، یہ تو کمزور نفوس کا حال ہے، لیکن جو لوگ کہ ارباب نفوس قدسیہ ہیں، وہ اپنے نفسانی اثرات سے دوسرے اجسام کو متاثر کر سکتے ہیں، اور ان میں عجیب عجیب تغیرات اور تصرفات کر سکتے ہیں

یہ آخری دلیلیں بعینہٖ وہی ہیں جو آج ہیلیوزم (تقویم مقناطیسی) اور مسمریزم کے نام سے لوگ پیش کرتے ہیں،

معتزلہ اور اشاعرہ دونوں فطرت شکنی اور خرقِ عادات کو تسلیم کرتے ہیں، جہانتک ہم ان کی عبارتوں سے سمجھ سکتے ہیں. اِس نتیجہ میں دونوں کا اختلاف نہیں ہے، بلکہ جو کچھ اختلاف ہے وہ صرف اصل نظریہ میں ہے، معتزلہ یہ سمجھتے ہیں کہ خاصیت و اثر، علیت و معلولیت و سببیت نفس اشیا میں ہے، یعنی خود اشیا کی طبیعت کے اندر کوئی ایسی بات ہے جو ایک علت و سبب اور دوسرے کو معلول و مسبب بناتی ہے، آگ کی طبیعت میں جلانا اور برف کی طبیعت میں ٹھنڈک پیدا کرنا ازل سے اللہ تعالیٰ نے رکھدیا ہے، اسی کا نام طبیعت ہے، جس سے اس خاصیت کا ظہور ہوتا ہے، اس لیے معتزلہ سمجھتے ہیں کہ آگ سے سوزش اور برف سے ٹھنڈک کا جو صدور ہوتا ہے، اس کا سبب یہ ہے کہ نفس آگ یا برف کی طبیعت میں کوئی ایسی چیز ہے جس کی وجہ سے آگ میں سوزش اور برف میں ٹھنڈک محسوس ہوتی ہے، اور جب کوئی معجزۂ نبوی ظاہر ہوتا ہے تو یہ طبیعت یا اس کی خاصیت تھوڑی دیر کے لیے بدل دیجاتی ہے، یا روک لی جاتی ہے،

اشاعرہ یہ کہتے ہیں کہ خود اشیاء کی طبیعت کے اندر کوئی ایسی چیز نہیں، جس کی بنا پر ایک علت و سبب اور دوسرا معلول و مسبب ہو، نفس آگ میں کوئی ایسی چیز نہیں جس کو ہم گرمی کا سبب قرار دیں، اور نہ نفس برف کے اندر ٹھنڈک طبیعت کے طور پر موجود ہے بلکہ مختلف اشیاء کے متعلق ہم کو جو مختلف احساسات ہوتے ہیں، مثلاً کسی سے گرمی کسی سے سردی

کسی سے سختی، کسی سے نرمی، کسی سے جلن، کسی سے ٹھنڈک کا، یہ ہمارے ذاتی احساسات ہیں، جن کو ہم حسب ارادۂ الٰہی اشیا میں محسوس کرتے ہیں۔ ہماری عادت یہ ہوگئی ہے کہ ہم ایک شے کے بعد دوسری شے کو ہوتے ہوئے جب دیکھتے ہیں تو ہم ایک کو علت اور دوسری کو معلول سمجھنے لگتے ہیں۔ ورنہ حقیقت میں علت و معلول میں لزوم کا کوئی طبعی تعلق نہیں، اگر ارادۂ الٰہی بدل جائے تو ہم آگ میں ٹھنڈک اور برف میں گرمی محسوس کرنے لگیں۔ نفس آگ اور برف کی طبیعت میں کوئی ایسی شے نہیں جو اس تغیر کو محال قرار دے، اور اسلیے حسب ارادۂ الٰہی معجزات کا صدور ہوا کرتا ہے

علامہ ابن تیمیہ نے الرد علی المنطقیین میں لکھا ہے کہ اس مسئلہ کا اصل بانی جہم ہے جس کے انتساب سے فرقۂ جہمیہ قائم ہوا تھا، اس کے بعد ابوالحسن اشعری نے اس کی پیروی کی، علامہ موصوف نے مسئلۂ مذکور کی تشریح ان الفاظ میں کی ہے،

لکن من لا یثبت الاسباب والعلل من اہل	لیکن متکلمین میں جو لوگ اسباب و علل کے منکر ہیں جیسے جہم اور
الکلام کالجہم وموافقیہ فی ذلک مثل ابی	اس مسئلہ میں جہم کے جو موافق ہیں جیسے ابوالحسن اشعری اور
الحسن الاشعری واتباعہ یجعلون المعلوم	انکے پیرو وہ یہ مانتے ہیں کہ ہم کو صرف یہ معلوم ہے کہ ایک چیز کا
اقتران احد الامرین بالآخر لمحض مشیئۃ	دوسری چیز کیساتھ ایک لگاؤ اور علاقہ ہے اور یہ لگاؤ اور علاقہ
القادر المرید من غیر ان یکون احدہما	صرف اس قادر ذی ارادہ کی مشیت سے ہے بغیر اس کے کہ
سبباً للآخر ولا مولداً لہ	ایک دوسرے کا سبب ہو یا ایک دوسرے کو پیدا کرتا ہو۔
واما جمہور العقلاء من المسلمین وغیر المسلمین	جہمیہ اور اشاعرہ کے علاوہ وہ تمام عقلا یا مسلمان یا

اهل السنة من اهل الكلام والفقه والحديث
والتصوف، وغير اهل السنة من المعتزلة
وغيرهم فيثبتون الاسباب ويقرلون كما يعلم
اقتران احدهما بالآخر يعلمان ان فى النار
قوة تقتضى الحرارة وفى الماء قوة تقتضى
البرودة وفى العين قوة تقتضى الابصار
وفى اللسان قوة تقتضى الذوق ويثبتون
الطبيعة التى تسمى الغريزة والخلق
والعادة ونحو ذلك من الاسماء

خیر مسلمان، مسلمانوں میں اہل سنت ہوں خواہ وہ متکلم ہوں،
اہل فقہ ہوں، اہل حدیث ہوں، اہل تصوف ہوں اور غیر اہل سنت
میں معتزلہ ہوں یا کوئی اور فرقہ ہو، یہ سب لوگ اسباب کے قائل ہیں
اور کہتے ہیں کہ جس طرح ہم کو یہ معلوم ہے کہ ایک کا دوسرے سے لگاؤ
اور علاقہ ہے اسی طرح یہ بھی معلوم ہے کہ آگ میں ایک قوت ہے
جو گرمی کو چاہتی ہے، اور پانی میں ایک قوت ہے جو ٹھنڈک
کو مقتضی ہے، اور اسی طرح آنکھ میں ایک قوت ہے جو دیکھنے
کا باعث ہے، اور زبان میں ایک قوت ہے جو مزہ پیدا
کرتی ہے، یہ لوگ طبیعت کو ثابت کہتے ہیں، جس کا دوسرا
نام فطرت، خلقت، عادت وغیرہ ہے۔

اوپر خرقِ عادت کے امکان اور عدم امکان کے متعلق چار مذہب ہم نے نقل کیے ہیں، یہی مذاہب آج بھی فلسفہ کی مملکت میں قائم ہیں، لیکن غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ حقیقت میں اس باب میں صرف دو ہی مذہب ہو سکتے ہیں، ایک ان لوگوں کا جو کسی نہ کسی طرح سے باری تعالیٰ کے وجود کے قائل ہیں، اور دوسرا ان لوگوں کا جو اس کے یکسر منکر ہیں، اور دوسرا گروہ حکمائے طبیعین کا یا مادہ پرستوں کا ہے، جن کے نزدیک عالم مادی کے باہر کچھ نہیں ہے، اور تمام کائنات ذراتِ مادہ کے باہمی تاثیر و تاثر کی جلوہ انگیزیاں ہیں، اور سلسلۂ علل و معلول اور اسباب و مسببات اور آثار و خواص کے مظاہر اور نتائج ہیں، ظاہر ہے کہ اس عقیدہ کی

جماعت معجزہ اور خرقِ عادت پر کیونکر ایمان لاسکتی ہے، جو لوگ ان کے سامنے فلسفیانہ حیثیت سے براہ راست معجزہ اور خرقِ عادت کو ثابت کرنا چاہتے ہیں، وہ ایک بے سود کوشش کرتے ہیں، اور عقلی حیثیت سے خرقِ عادت کا ثبوت بھی بہم پہنچ گیا. تو جب وہ اس بنیاد کو جس پر نبوت اور شریعت کی عمارت قائم ہے. یعنی ایک برتر خالق قوت کا وجود تسلیم نہیں کرتے تو اس خرقِ عادت کے ثبوت سے ارباب مذاہب اور پیروانِ شرائع کی کیا مقصد برآری ہو سکتی ہے؟

اشاعرہ نے اثباتِ مدعا کا طریقہ اختیار کرنا چاہا کہ پہلے معجزہ اور عادت کا امکان اور وقوع ثابت کیا جائے اور اس معجزہ اور خرق عادت سے نبوت پر استدلال کیا جائے، نبوت کے ثبوت سے ایک قادرِ مطلق کا ثبوت ہاتھ آئے گا، اور پھر اس کے احکام شریعت کا ثبوت بہم پہنچے گا، اس طریقۂ استدلال کو اختیار کرنا درحقیقت الٹی گنگا بہانا ہے ع ایں رہ کہ تو می روی بہ ترکستان است، صحیح راستہ ان کے مقابلہ میں یہ ہے کہ پہلے باری تعالیٰ کے وجود کا اثبات کیا جائے، اس کے بعد نبوت، شریعت، خرقِ عادت، معجزہ سب کچھ ثابت ہو جائیگا، جب تک اس چٹان پر بنیاد قائم نہ ہوگی عمارت مستحکم نہیں ہو سکتی،

اسباب خفیہ کی ترجیح بیکار ہے

دوسرا فرقہ باری تعالیٰ کے وجود کا قائل ہے، اور معجزہ کو تسلیم کرتا ہے، خواہ وہ اس کے وقوع کے کچھ ہی اسباب بیان کرے، وہ درحقیقت خرقِ عادت کو بھی تسلیم کرتا ہے، یا اس کو تسلیم کرنا لازم آتا ہے، اور اس سے اس کو کوئی چارہ نہیں کر سکتا ہے اسلام فارابی اور ابن سینا وغیرہ یہ کہتے ہیں کہ معجزہ اسبابِ خفیہ کی بنا پر صادر ہوتا ہے، اور اسکے

اندرونی طبعی علل واسباب ہوتے ہیں، اس لیے خرقِ عادت لازم نہیں آتا، اور معمولی نظام عالم میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی،

حضرت موسیٰؑ مصر سے بنی اسرائیل کو لے کر چلے تو راستہ میں بحر قلزم (ریڈ سی) حائل تھا، حکم ہوا کہ اپنی لکڑی سے دریا کو مارو، دفعۃً دریا خشک ہوگیا، اور راستہ پیدا ہوگیا، حضرت موسیٰؑ بنی اسرائیل کو لے کر اتر گئے، لیکن جب فرعون نے اپنے لشکر کے ساتھ دریا میں قدم رکھا تو دریا پھر اپنی اصلی حالت پر آگیا اور وہ اپنے لشکر کے ساتھ ڈوب کر مر گیا، وہ اس کی یہ توجیہ کرتے ہیں کہ دریا میں مدوجزر تھا، جب حضرت موسیٰؑ پہنچے تو جزر تھا اور دریا پایاب ہوگیا تھا، اور جس وقت فرعون دریا میں داخل ہوا، مد شروع ہوگیا، اور ڈوب گیا، ہم ان اعتراضات کو جو نقلی حیثیت سے اس توجیہ پر وارد ہوتے ہیں، کہ توراۃ اور قرآن مجید نے اس معجزہ کی جس طرح تشریح کی ہے اس کی یہ صحیح نقل نہیں ہے، نظر انداز کرتے ہیں، سوال یہ ہے کہ جس وقت حضرت موسیٰؑ پہنچے تو جزر تھا، اور جب فرعون آیا تو مد ہوگیا، آیا یہ اتفاقی امر تھا، اور ممکن تھا کہ اسکے برعکس ہوتا، یعنی فرعون بچ جاتا اور حضرت موسیٰؑ ڈوب جاتے، اور یا یہ کہ حضرت موسیٰؑ کیلیے جزر اور فرعون کے لیے مد خاص طور سے پیدا کیا گیا تھا، یا ایسے اسباب بہم پہنچائے گئے کہ حضرت موسیٰؑ جزر کے وقت پہنچیں، اور فرعون مد کے وقت پہنچے، اور اس کے دل میں یہ بات ڈالی گئی کہ وہ اس خطرناک دریا میں بے سمجھے بوجھے قدم رکھے، پہلی صورت میں تو معجزہ کیا نبوت کی بھی تشکیک لازم آتی ہے، اور دوسری صورت میں خرقِ عادت کی تسلیم سے چارہ نہیں، اور خرق عادت کے تسلیم کر لینے پر خدا کی قدرت مطلقہ پر بھی ایمان لانا ہوگا۔

حکماے اسلام کی غلطی کا سبب اصل یہ ہے کہ حکماے اسلام نے ارسطو کی تقلید کی ہے، اور مسئلۂ علت میں تمام تر مشائیہ کے نظریہ کو قبول کر لیا ہے کہ ذات واجب الوجود علت اولیٰ یا عقل اول کی علت تامہ ہے اور علت تامہ سے معلول کا تخلف نہیں ہوتا، اور اضطراراً اس سے پیدا ہو جاتا ہے، اس میں اس کے ارادہ اور قصد کو دخل نہیں ہوتا، اس کی صحیح مثال آفتاب اور روشنی کی ہے کہ آفتاب کی روشنی علت تامہ ہے، جب آفتاب نکلے گا روشنی کا ظہور ہوگا، خواہ وہ موانع کی وجہ سے کبھی ہم کو نظر نہ آئے، اور آفتاب سے اس روشنی کا صدور آفتاب کے قصد اور ارادہ سے نہیں ہے، بلکہ اس سے مجبوراً اور اضطراراً یہ روشنی پیدا ہو رہی ہے، عقل اول کے پیدا ہونے کے بعد عالم کائنات کا تمام کارخانہ باہمی سلسلۂ علل و معلول سے خود بخود پیدا ہونے لگا، اور تمام عالم ایک ایسے نظام میں بندھ گیا کہ اب خالقِ اول کو اس میں دست اندازی کی مطلق قدرت ہی نہیں،

ظاہر ہے کہ اس مذہب کا پیرو سلسلۂ علل و معلول کو نہیں توڑ سکتا، اور اس لیے وہ خرقِ عادت کو بھی تسلیم نہیں کر سکتا، لیکن تجربہ اور مشاہدہ بتاتا ہے کہ ایسے واقعات پیش آتے ہیں جن کی توجیہ ظاہری سلسلۂ علل و معلول سے نہیں ہو سکتی، اور نہ ان کے وقوع سے کوئی انکار کر سکتا ہے، اس لیے ایک طرف اس کو لا محالہ ان واقعات کو تسلیم کرنا پڑتا ہے[1]، اور دوسری

---

[1] حکماے اسلام میں مسئلۂ خرق عادت کا سب سے بڑا منکر بو علی سینا اشارات میں لکھتا ہے:۔

ولکنها تجارب لما ثبتت طلب اسبابها...	لیکن یہ تجربے ہیں جب وہ ثبوت کو پہنچ گئے تو انکے اسباب کی تلاش
ثم انی لو اقتصصت جزئیات هذا الباب فیما	ہوئی، اور اگر اس قسم کے جزئیات کا تتبع کریں جو ہم نے خود مشاہدہ
شاهدناه وفیما حکی عمن صدقناه لطال الکلام	کیا یا ان لوگوں سے جن کو ہم معتبر سمجھتے ہیں سنا ہے تو بہت طول ہو جائیگا

طرف چونکہ وہ خدا کو مضطر اور مجبور مان چکا ہے اس لیے بزعم خود ان واقعات کو اس کی طرف منسوب نہیں کر سکتا، اور چونکہ بلا سبب اور بے علت کے کوئی شے ہو نہیں سکتی، اس بنا پر اسباب وعلل خفیہ کے سایہ کے سوا اس کو اور کہیں پناہ نہیں مل سکتی، مگر آپ نے اوپر دیکھ لیا کہ یہ موجہ بھی محفوظ نہیں، اور خدا کو سوائے قادر مطلق ماننے چارہ نہیں،

اشاعرہ اور معتزلہ میں نتیجہ کا اختلاف نہیں

اشاعرہ اور معتزلہ کے درمیان جو اختلاف ہے، وہ صرف نظریہ کا فرق ہے، اس سے نفس خرق عادت اور معجزہ کے ثبوت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

یہ امر کہ اشیا کے طبائع میں فی نفسہ خواص اور آثار ودیعت ہیں، یا اللہ تعالیٰ ہر وقت ان کو پیدا کر دیتا ہے، ایک ایسا مسئلہ ہے جس کے کسی پہلو کے اثبات اور دوسرے کی نفی پر کوئی دلیل نہیں قائم کی جا سکتی، اور معجزہ کے سلسلہ میں ہم کو اس کے چھیڑنے کی ضرورت نہیں، اس کا کوئی پہلو بھی صحیح ہو، بہر حال دونوں تسلیم کرتے ہیں کہ کبھی کبھی اشیاء کی عادت جاریہ کو اللہ تعالیٰ توڑ دیتا اور بدل دیتا ہے،

خرقِ عادت سے انکار کا اصلی سبب سلسلۂ اسباب وعلل پر یقین ہے

الغرض معجزہ بمعنی خرق عادت سے صرف اس فریق کو انکار ہو جو یا خدا کا قطعاً منکر ہے، یا یہ کہ وہ خدا کو قادر وذی اختیار نہیں مانتا، اور ناقابل شکست سلسلۂ علل ومعلول کے گورکھ دھندے پر یقین کامل رکھتا ہے، وہ یہ سمجھتا ہے کہ یہ تمام نظم کائنات باہمی تاثیر وتاثر کا نتیجہ ہے، غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ اس مذہب کے پیرو اپنے اس عقیدۂ باطل کے ضمن میں چند اور موہوم باتوں کو بھی بلا دلیل تسلیم کیے بیٹھے ہیں اور اس لیے خرقِ عادت کے قبول کرنے کی ان کو جرأت نہیں ہوتی،

سلسلۂ اسباب و علل پر علم انسانی کو احتوا نہیں

(۱) گویا انھوں نے یہ تسلیم کر لیا ہے کہ کائنات کے جو علل اور اشیاء کے جو خواص انھوں نے دریافت کر لیے ہیں وہ نظامِ کائنات کے چلانے کے لیے کافی ہیں، اس کے لیے کسی اور کی دست اندازی کی ضرورت نہیں،

(۲) کائنات کے چہرۂ اسرار کو انھوں نے تمامتر بے نقاب کر لیا ہے، اور ہر شے کی علت اور خاصیت انھوں نے دریافت کر لی ہے،

حالانکہ انسانی معلومات اس کے مجہولات کے مقابلہ میں بہت کم حیثیت ہیں، اس فضائے کائنات کی بے شمار آبادیوں میں ذہن نام ایک آبادی کے چوتھائی خشک حصے کے بعض اجزاء کائنات تک فقط ان کی رسائی ہو سکی ہے، اس مبلغ علم پر اتنا عظیم الشان دعویٰ کسی طرح زیب نہیں دیتا،

جن چیزوں تک ان کی رسائی ہوئی بھی ہے، ان کے متعلق جو کچھ انھیں معلوم ہوا ہے وہ صرف اس قدر ہے کہ یہ چیز اس طرح چل رہی ہے، لیکن یہ حقیقت کہ وہ کیوں چل رہی ہے اور اگر اس کے خلاف چلے تو کیا استحالہ لازم آئے گا: یہ ایک معما ہے، اور ہمیشہ معما رہے گا، اجرامِ فلکیہ اور طبقاتِ ارضیہ کو چھوڑ دو کہ وہ دور ہیں، تم یہ کہتے ہو کہ بجلی میں یہ قوت ہے، سکھیا میں یہ اثر ہے، مقناطیس کا یہ خاصہ ہے، لیکن کیا یہ بھی معلوم ہے کہ یہ کیوں ایسا ہے؟ اور نہ دیکھ اپنے جسم کی دنیا کو دیکھو، تم صرف یہ جانتے ہو کہ سانس کی آمد و رفت ہمارے پھیپھڑوں کی حرکت سے ہے، نبض کی رفتار قلب کی قبض و بسط کی ڈوری سے وابستہ ہے، تمہارا نفس یا ذہن لمحوں میں ہزاروں میل کی خبر لیتا ہے، اور خدا جانے عجائبات نفسانی کے کیا کیا تماشے دکھاتا ہے لیکن

کوئی یہ حل کرسکا ہے کہ ایسا کیوں ہوتا ہے؟ دل کو کس نے مضطرب بنا رکھا ہے، پھیپھڑوں کی دھونکنی کس طرح روز و شب مصروفِ عمل ہے، دماغ کے ذہنی افعال کیونکر سرانجام پاتے ہیں، جب اتنے قریب کی چیز تمہارے فلسفۂ علل و اسباب کے دائرہ سے باہر ہے تو دور دراز کی اشیاء کی نسبت تمہارا دعوائے علم کس قدر مسخرا انگیز ہے۔

حکماء یعنی سائنٹسٹ علانیہ اعتراف کرتے ہیں کہ وہ صرف "کیسے" کا جواب دے سکتے ہیں "کیوں" کا جواب ان کے موضوع بحث سے خارج ہے، فلاسفہ کا یہ حال ہے کہ وہ فلسفی بھی ایک نظام خیال پر متفق نہیں ہیں، بلکہ جیسا کہ علامہ ابن تیمیہ نے رد منطق میں لکھا ہے:۔

"فلاسفہ کوئی ایک متحد الخیال جماعت نہیں جس کا علم الٰہیات و طبعیات وغیرہ میں کوئی ایک مذہب ہو، بلکہ وہ مختلف الخیال فرقے ہیں۔ ادیان کے اندر آراء اور خیالات کا اتنا اختلاف ہے کہ اس کا احاطہ بھی مشکل ہے۔ ان کے باہمی اختلافات تو اس سے بھی زیادہ ہیں جس قدر کسی ایک آسمانی مذہب کے مختلف فرقوں کے اندر ہیں۔"

اس اختلاف رائے اور اس اختلاف خیال کی بنا پر کسی فلسفی کا یہ دعویٰ کہ مذہب کا فلاں مسئلہ فلسفہ کے خلاف ہے، اس لیے ناقابل قبول ہے، اس کے دوسرے معنی یہ ہوئے کہ یہ مسئلہ ہماری رائے یا ہماری جماعت کی رائے کے خلاف ہے، اس لیے ناقابل تسلیم ہے تو یہ مذہب ہی پر کیا موقوف ہے ہر نظام فلسفہ کا قائل دوسرے نظام فلسفہ کے بطلان پر اسی زور و قوت سے اس استدلال کو کام میں لا سکتا ہے، غور سے دیکھیے تو معلوم ہوگا کہ فلسفہ کے جس قدر فرقے (اسکول) اور نظامات (سسٹم) ہیں، درحقیقت وہ اسرار کائنات کے متعلق

ایک مرتب خیال کی کڑیاں ہیں، ان مرتب خیال کی کڑیوں کو مان کر جس کے نفس کی تسکین ہو جاتی ہے، وہ اس کا فلسفہ ہے۔ اسی طرح مذہب بھی اپنا ایک نظامِ خیال رکھتا ہے اور جو لوگ اس نظامِ خیال پر یقین رکھتے ہیں، ان کی اس سے تشفی ہو جاتی ہے۔ ایسی حالت میں اگر معجزہ کا امکان یا وقوع کسی نظامِ خیال کے خلاف ہو تو نفسِ یہ اختلاف اس کے ابطال کی دلیل نہیں ہو سکتا، ورنہ یہ لازم آئے گا کہ ہر فلسفیانہ مسئلہ اس لیے بالکل سچ ہے کہ دوسرے نظامِ فلسفہ کے وہ خلاف ہے۔

نظامِ عالم کے چلانے کے لیے علل و اسباب کے کافی ہونے کے فلسفہ پر یقین رکھنے کے لیے سب سے پہلی بحث آغاز آفرینش کی آتی ہے۔ آپ یہ کہتے ہیں کہ یہ شے اس سبب سے پیدا ہوئی اور وہ اس شے کی پیدائش کا سبب ہے۔ لیکن کیا کوئی یہ بتا سکتا ہے کہ یہ مادہ کہاں سے آیا ہے اور اس کے حدوث کا سبب کیا ہوا؟ عناصر کیونکر اور کیوں وجود میں آئے؟ یہ نوع بنوع چیزیں کیونکر بن گئیں؟ ہمارے جواب میں ان نظریات کا ذکر نہ کیجئے جن کا نام اصولِ ارتقا اور انتخابِ طبعی وغیرہ ہے کہ ان کی علمی حیثیت مفروضات اور توہمات سے زیادہ نہیں، اور ان کی اخیر حد بالآخر لاعلمی اور جہالت پر جا کر ختم ہو جاتی ہے، مادہ کی ابتدائی بنیاد چاہے اربع عناصر کو بتائیے، یا جواہرِ فرد کو، یا سالمات کو، یا ایتھر کو، یا برقی پارہ کو جن کو بھی بتائیں ان کے حدوث کی علت نہیں بتائی جا سکتی؟ اور نہ بتا سکتے ہیں کہ بالآخر وہ کہاں سے آئے؟

اب تو حیوانات نطفہ سے، پرند سے انڈے سے، اور درخت گٹھلی سے پیدا ہوتے ہیں؟ اور بغیر ان کے ان کا پیدا ہونا ناممکن سمجھا جاتا ہے۔ لیکن یہ کوئی بتا سکتا ہے کہ پہلا حیوان،

پہلا پرندہ اور پہلا درخت بغیر کسی نطفہ، کسی انڈے اور کسی گٹھلی کے پیدا ہوا یا نہیں؟ اگر ہاں کہتے ہیں تو آپ نے اپنے دعویٰ کے خلاف ایک شہادت قبول کرلی، اور اگر انکار کرتے ہیں تو یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ پہلا نطفہ، پہلا انڈا اور پہلی گٹھلی، انسان، پرندہ اور درخت کے بغیر پیدا ہوئی، غرض اس گتھی کو آپ اپنے ناخنِ حکمت سے کسی طرح سلجھا نہیں سکتے۔ اور ناچار آپ کو سلسلۂ علل و اسباب کے مذہب سے برگشتہ ہونا پڑے گا،

حقیقی علت خدا کی قدرت اور ارادہ ہے

جہاں آپ اپنے سلسلۂ اسباب و علل کو چند قدم بڑھا سکتے ہیں، وہاں بھی بالآخر سپر انگن ہونے سے چارہ نہیں، پانی بادل سے برسا، بادل بخارات سے بنے، بخارات پانی سے اٹھے، جو سورج کی تپش سے گرم ہو کر یہ صورت اختیار کر لیتے ہیں، غرض پانی بخارات سے پیدا ہوا، اور بخارات پانی سے پیدا ہوئے۔ اس دور کے عقدۂ لاینحل کو آپ حل کر سکتے ہیں یہ ناممکن ہے، اور اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے کہ ایک قادر و ذی ارادہ ہستی کو تسلیم کیجیے، جس کی مشیت اور ارادہ سے سارا کارخانہ چل رہا ہے، اسباب و علل صرف اس کی مشیت و ارادہ کے مظاہر ہیں، اور اپنی عادت کے مطابق ایک طریق خاص پر اس کو چلا رہا ہے، لیکن وہ اس کا پابند نہیں ہے، صدیوں میں جب اس نے ضرورت سمجھی انسانوں میں اپنا ایک نشان قائم کرنے کے لیے عادت کے خلاف کوئی بات ظہور پذیر کر دی علت و معلولیت کا تعلق جو بظاہر نظر آتا ہے، ہم نے اس کی عادت جاریہ کی یکرنگی اور یکسانی سے اس کو سمجھ لیا ہے کہ اگر اس کی عادت جاریہ یکرنگی اور یکسانی اختیار نہ کرتی تو مخلوقات اپنے منافع کے حصول اور مضرتوں کے دفع کے لیے پہلے سے کوئی تیاری نہ کر سکتیں۔

مولانا روم اور اسباب علل اور معجزہ کی حقیقت | عارف روم نے اسی حقیقت کو ان اشعار میں ادا کیا ہے،

سنتے بنہاد و اسباب و طرق — طالبان را زیر ایں ازرق تتق

اللہ تعالیٰ نے آسمان کے ان نیلے پردوں کے نیچے — کام کرنے والوں کیلئے علل اسباب اور عادات مقرر کر دیئے ہیں

بیشتر احوال بر سنت رود — گاہ قدرت خارقِ سنت شود

دنیا کے زیادہ تر واقعات ان ہی عادات جاریہ کے مطابق ہوتے ہیں — لیکن کبھی کبھی قدرت الٰہی اس عادت کو توڑ بھی دیتی ہے

سنت و عادت نہادہ با مزہ — باز کردہ خرقِ عادت معجزہ

طریق و عادات (یعنی اسباب و علل) کو اس نے خوش آیند بنایا ہے — لیکن پھر معجزہ سے خرق عادت بھی کر دیتا ہے

اے گرفتار سبب! بیروں مپر — لیک عزلِ آں مسبب ظن مبر

اے وہ جو اسباب و علل کی زنجیر میں گرفتار ہے حد سے زیادہ نہ اڑ — اور یہ خیال نہ کر کہ ان اسباب و علل کے جاوینے سے وہ عام علل اور مسبب الاسباب بیکار ہو گیا

ہر چہ خواہد او مسبب آورد — قدرتِ مطلق سببہا بر درد

وہ حقیقی مسبب الاسباب جو چاہے کرے — اور اس کی قدرت علی الاطلاق اسباب کو توڑ دے

لیک اغلب بر سبب راند نفاذ — تا ابد از طالبے جستن مراد

لیکن پیشتر وہ اسباب ہی کے مطابق دنیا کو چلاتا ہے — تاکہ کام کرنے والوں کو اپنے حصول مقصد کا راستہ معلوم ہو

چون سبب نبود چہ رہ جوید مرید — پس سبب در راہ می آید پدید

اگر اسباب معلوم نہ ہوں تو کام کرنے والوں کو راہ کیونکر ملے — یہی اسباب تو نشانات بن کر نمودار ہوتے ہیں

این مسببہا بر نظرہا پردہ ہاست — کہ نہ ہر دیدار صنعش را سزاست

یہ ظاہری اسباب نگاہوں کے پردے ہیں — کیونکہ ہر آنکھ اس کی صنعت کو نہیں دیکھ سکتی

دیدۂ باید سبب سوراخ کن — تا حجب را بر کند از بیخ و بن

اسکے لئے ایسی آنکھ چاہیے جو اسباب پردہ چاک کر دے — تاکہ حجابات اٹھ جائیں

از مسبّب می رسد ہر خیر و شر — نیست اسباب و وسائط را اثر

درحقیقت ہر نیک و بد اسی اصلی سبب الاسباب کے یہاں سے پہنچتا ہے — اور اس میں اور درمیانی اسباب و وسائط کو دخل نہیں

باد و خاک و آب و آتش بندہ اند — با من و مردہ، با حق زندہ اند

ہوا، مٹی، پانی، اور آگ سب، خدا کے محکوم ہیں — یہ ہمارے تمھارے سامنے تو بیجان مگر خدا کے سامنے جاندار ہیں

سنگ بر آہن زنی بیروں جہد — ہم بہ امرِ حق قدم بیروں نہد

جب پتھر لوہے پر مارو تو اس سے آگ نکلتی ہے — یہ خدا ہی کے حکم سے اپنا قدم باہر نکالتی ہے

آہن و سنگ از ستم بر ہم مزن — کایں دو می زایند ہمچو مرد و زن

لوہے اور پتھر کو بے فائدہ ایک دوسرے پر مت مارو — کہ یہ دونوں نر و مادہ ہیں جو آگ کا بچہ پیدا کرتے ہیں

سنگ و آہن خود سبب آمد و لیک — توبہ بالاتر نگر اے مرد نیک

پتھر اور لوہا گو یہ دونوں آگ کا سبب ہیں — لیکن ذرا اس سے آگے بڑھ کر غور کرو

کایں سبب را آں سبب آورد پیش — بے سبب کے شد سبب ہرگز بخویش

کہ اس ظاہری سبب کو اس حقیقی سبب (خدا) نے آگے کر دیا — یہ ظاہری سبب خود بخود بلا سبب کب پیدا ہوا ہے

آن سبب را آن سبب حامل کند — باز گاہے بے پر و عاطل کند

اس ظاہری سبب کو اس حقیقی سبب نے دنیا میں مؤثر و فعال بنا دیا ہے — پھر جب چاہے وہ اس کو بے اثر اور بیکار کر دے سکتا ہے

واں سببہا کا نباید رہبر است
آں سبب ہا زیں سببہا برتر است

جو اسباب کہ انبیاؑ کے کاموں میں پیش پیش ہوتے ہیں
وہ ان ظاہری دنیاوی اسباب سے بلند تر اور برتر ہیں

ایں سبب را محرم آمد عقلِ ما
واں سببہا راست محرم انبیاؑ

ان ظاہری علل و اسباب کی محرم تو ہماری انسانی عقلیں ہیں
لیکن ان حقیقی اسباب کے محرم انبیاء علیہم السلام ہیں

چونکہ ظاہر بیں انسان ان اسباب و علل کو دیکھ کر اصل علۃ العلل اور مسبب الاسباب کو بھول جاتے ہیں اور وہ نگاہوں سے اوجھل ہو جاتا ہے، اس لیے انبیاء علیہم السلام اس غفلت کے پردے کو چاک کر دیتے ہیں، اور ظاہری علل و اسباب ان کے لیے بیکار کر دیے جاتے ہیں،

ہست بر اسباب، اسباب دگر
در سبب منگر دماں افگن نظر

ان ظاہری اسباب کے اوپر حقیقی اسباب بھی کارفرما ہیں
ان ظاہری اسباب کو نہ دیکھو حقیقی اسباب پر نظر کرو

انبیاء در قطعِ اسباب آمدہ
معجزاتِ خویش بر کیواں زدہ

انبیاء قطعِ اسباب کے درپے ہیں اور
اپنے معجزات کا جھنڈا انھوں نے فرش تک میں گاڑ دیا ہے

بے سبب مو بحر را بشکافتہ
بے زراعت چاشِ گندم یافتہ

بغیر کسی سبب ظاہری کے انھوں نے سمندر کو شق کر دیا
اور کھیتی کے بغیر گیہوں کا خوشہ حاصل کیا

جملہ قرآں ہست در قطعِ سبب
عزّ و ریش و ہلاکِ بولہب

تمام قرآن قطعِ اسباب کے بیان سے بھرا ہے
آنحضرتؐ کی عظمت اور ابولہب کی بربادی بھی اسی طرح ہوئی

مرغ بابیلے دو سہ سنگ افگند
لشکرِ زفتِ حبش را بشکند

پرندے کنکریاں پھینکتے ہیں اور
حبش کے سیاہ لشکر کو شکست دیتے ہیں

پیل را سوراخ سوراخ افگند　　سنگ مرغ کو پیالہ بر زند

یہ کنکریاں جو اوپر سے آتی ہیں ہاتھوں کے بدن میں چھید کر کے ڈال دیتی ہیں،

ہمچنیں ز آغاز قرآں تا تمام　　رفض اسباب است و علت والسلام

اسی طرح شروع سے آخر تک قرآن　　اسباب و علل کے مؤثر حقیقی ہونے کا منکر ہے

علت، خاصیت اور اس کی حقیقت

اس اجمال کی تفصیل علت، خاصیت اور اثر کی تحقیق پر مبنی ہے، اور اشیا میں جو خواص اور آثار ہیں، ان کا علم ہم کو کیونکر ہوتا ہے؟ محض تکرار احساس سے جس کا دوسرا نام تجربہ ہے،

جب ہم آگ کے پاس جاتے ہیں تو گرمی اور سوزش کا احساس کرتے ہیں، اور پھر جب جب ہم آگ کے پاس گئے تو ہم کو اسی قسم کا احساس ہوتا رہا، اس سے ہم میں یہ یقین پیدا ہوا کہ آگ کا خاصہ اور اثر گرمی اور سوزش ہے، فرض کرو کہ اگر تکرار احساس سے یہی تجربہ ہم کو برف سے حاصل ہو جائے تو یقیناً ہم کہہ دینگے کہ برف کی خاصیت سوزش اور گرمی ہے، برف اور آگ دونوں آپ کے سامنے ہیں، دونوں کو اچھی طرح غور سے دیکھیے، کیا ان کی ذات میں کوئی ایسی چیز نظر آتی ہے جس کی بنا پر احساس بلکہ تکرار احساس سے قبل آپ یہ فیصلہ کر دیں کہ ایک میں گرمی اور دوسرے میں ٹھنڈک کا ہونا ضروری ہے، آپ کے ہاتھ میں کوئی شخص کافور اور سنکھیا دونوں کی تھوڑی تھوڑی مقدار لا کر رکھ دیتا ہے، اس سے پہلے آپ ان چیزوں سے واقف نہ تھے: اب آپ دونوں کو غور سے دیکھیے، اور خوب الٹ پلٹ کر دیکھیے، سونگھ کر، چکھ کر، چھو کر کسی طرح آپ فیصلہ کر سکتے ہیں کہ ان کے خواص و آثار کیا ہیں؟ یہ فیصلہ ناممکن ہے جب تک انکا

بار بار تجربہ نہ کیا جائے، اور ہر بار کے عمل سے ایک ہی نتیجہ ظاہر نہ ہو، اس سے ثابت ہوا کہ اشیاء کے خواص و آثار کا علم صرف یکسانی عمل اور تجربہ پر موقوف ہے۔

عمل کی اسی یکسانی اور تجربہ کی بنا پر ہم علل و معلولات، اور اسباب و مسببات کا مسئلہ قائم کرتے ہیں، اور اسی کی بنا پر مدعیانِ عقل و دانش وہ صنم کدہ قائم کرنا چاہتے ہیں، جس کے پرستاروں کے نام نیچری میٹریلیسٹ، مادہ پرست، فطرت پرست اور طبعی ہیں، وہ جب ایک شے سے ایک ہی عمل اور اثر کا بار بار تجربہ کرتے ہیں تو یقین کر لیتے ہیں کہ اس شے سے اس خاصیت و اثر کا انفکاک قطعاً محال ہے؛ اور جب ایک شے کے بعد فوراً دوسری چیز پیدا ہوتے دیکھتے ہیں اور بار بار دیکھتے ہیں، اور کبھی اس میں تخلف نہیں پاتے۔ تو یہ یقین کلی کر لیتے ہیں کہ دوسری شے معلول و مسبب اور پہلی شے علت و سبب ہے، اور یہ کلیہ قائم کر لیتے ہیں کہ گرمی و سوزش کا سبب آگ ہے، ٹھنڈک اور برودت کا سبب برف ہے، موت کا سبب سنکھیا ہے، یا یوں کہیے کہ آگ کا خاصہ جلانا، برف کا خاصہ ٹھنڈا کرنا، سنکھیا کا خاصہ انسان کی زندگی کا ختم کر دینا ہے، معجزہ کے امکان سے چونکہ ان کے خیال کے مطابق ان آثار و خواص کا انکار یا علل و اسباب کا ابطال لازم آتا ہے، یعنی یہ ماننا پڑتا ہے کہ آگ ہو اور جلائے نہیں، سمندر ہو اور غرق نہ کرے۔ اس لیے وہ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ معجزہ قطعاً محال ہے۔

اسبابِ علل محض عادی ہیں

لیکن ابھی ثابت ہو چکا کہ ہم جن کو آثار و خواص یا اسباب و علل کہتے ہیں محض اس تجربہ پر ان کی بنیاد ہے کہ ہم نے ہمیشہ اس شے کو ہوتے دیکھا ہے اور اس سے یہ توقع یا زیادہ سے زیادہ ظن غالب پیدا ہوتا ہے کہ آئندہ بھی جب یہ شے پیدا ہوگی تو

اس کے بعد دوسری شے پیدا ہو جائے گی، لیکن اس سے یہ یقین کس طرح پیدا ہو سکتا ہے کہ ہمارے جو کچھ مشاہدہ کیا ہے، وہ پہلے بھی ایسا ہی ہوتا رہا ہے، اور آئندہ بھی ایسا ہی ہوتا رہیگا، اور ہمارے علاوہ شروع سے آج تک اور جن جن لوگوں نے اس کو دیکھا ہے، ان کے مشاہدہ کا بھی یہی نتیجہ نکلا کیا ہے، اور آئندہ بھی ان کے مشاہدہ کا یہی نتیجہ نکلا کرے گا، آجتک آگ کے متعلق اور جن آگوں کے متعلق آپ کا جو تجربہ ہے اس پر آپ یقین کر سکتے ہیں، لیکن محیط، جن کی ہر آگ کے متعلق جو آپ کے تجربہ میں نہیں آئی ہے اور نہ آسکتی ہے یہ کیونکر یقین پیدا کر لیتے ہیں کہ ان سب کا اثر جلانا ہی ہے، اور نیز یہ اعتماد کس مقدمۂ یقین پر قائم کر لیتے ہیں کہ آئندہ تا قیامت آگ کا عمل و اثر ہمیشہ جلانا ہی رہیگا، اور جب آپ کے اس یقین و اعتماد کے لیے کوئی دلیل قائم نہیں ہے، تو چند آگوں کو دیکھکر آپ اس قضیۂ کلیہ پر کیونکر ناقابل شکست یقین کی مہر لگا دیتے ہیں کہ "دنیا کی ہر آگ جلاتی ہے اور ہمیشہ جلاتی رہے گی"

اسبابِ عادیہ کا علم صرف تجربہ سے ہوتا ہے

غرض خواص و آثار اور اسباب و ثمن کی نسبت علم انسانی کا جہاں تک احاطہ ہے وہ صرف یکسانی عمل اور تجربہ کا نتیجہ ہے، ہم ایک شے کے بعد دوسری شے کو ہوتے ہوئے دیکھتے آئے ہیں، اس لیے یہ توقع رکھتے ہیں کہ آئندہ بھی ایسا ہی ہوگا، اس کی مثال یہ ہے کہ ہم ایک شخص کو آغازِ عمر سے دیکھتے آئے ہیں کہ وہ فلاں وقت سوتا ہے، فلاں وقت جاگتا ہے، مسجد میں فلاں دروازہ سے داخل ہوتا ہے، کبھی کسی سے انتقام نہیں لیتا ہے، سالہا سال کے مشاہدہ اور تجربہ کے بعد ہم اس کے متعلق بطریق ظن غالب خیال قائم کر لیتے ہیں کہ اس وقت اتنے بجے ہیں، اس لیے وہ اٹھا ہوگا، اتنے بجکر اتنے منٹ

آئے ہیں، اس لیے وہ سو گیا ہوگا۔ آج جب وہ نماز کے لیے جائیگا تو فلاں دروازہ سے داخل ہوگا۔ اسی کا نام "عادت" ہے۔ مگر کیا کبھی کوئی اس حماقت میں بھی مبتلا ہوگا کہ سالہا سال کے تجربہ کے بعد وہ یقینی دعویٰ کر بیٹھے کہ اس وقت اس کا سویا رہنا محال قطعی ہو، اس وقت اسکا جاگنا لامحالہ ضروری ہے، اور فلاں دروازہ سے اس کا داخلہ عقلاً لازم ہے؟

اسباب وعلل کا علم بدلتا رہتا ہے اسی طریق پر اشیاء اور موجوداتِ عالم سے عادۃً جو مختلف آثار و نتائج کا صدور ہوتا رہتا ہے، اس سے صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ ہم ان اشیاء اور موجودات سے ان آثار و نتائج کے دیکھنے کے عادی ہو گئے ہیں، اور عادۃً ایسا سمجھتے ہیں کہ آئندہ بھی ان سے یہی آثار و خواص صادر ہوں گے۔

آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ تمثیل صحیح نہیں ہے، انسان ایک صاحبِ ارادہ ہستی ہے، اسلیے اس کے افعال اس کے ارادہ کے ماتحت ہیں، جن کو وہ جب چاہے بدل سکتا ہے، مگر غیر ذی روح اشیاء کے افعال ارادی نہیں ہیں، بلکہ خلقی ہیں، اس لیے ان میں تغیر نہیں ہو سکتا، لیکن یہ درحقیقت ایک قسم کا مغالطہ ہے، آپ کے حرکات و افعال آپ کے اعضاء سے صادر ہوتے ہیں، جو بے ارادہ ہیں، اور ارادہ آپ کے نفس یا روح یا ذہن کا فعل ہے، جس طرح آپ کی روح یا نفس یا ذہن کی قوتِ ارادہ آپ کے جامد اور بے جان مضغہ گوشتِ اعضاء سے اپنی خواہش حسب مختلف حرکات و افعال صادر کراتی ہے، اسی طرح روحِ اعظم کی قوت ارادہ اس بے جان عالمِ کائنات سے اپنی خواہش کے مطابق مختلف افعال اور حرکات صادر کراتی رہتی ہے، اور چونکہ عموماً وہ اس کو ایک ہی نہج پر چلاتی رہتی ہے، اس لیے ہم کو اسباب عادیہ کا علم

کسی قدر عطا ہو گیا ہے،

اسی عادت کا نتیجہ ہے کہ ہمارے ذہن کے اندر آگ اور گرمی، برف اور ٹھنڈک کے درمیان ایک تلازم پیدا ہو گیا ہے، جس کی بنا پر ہم سمجھتے ہیں کہ آگ سے گرمی اور برف سے ٹھنڈک کا انفکاک نہیں ہو سکتا۔ حالانکہ اگر آگ اور برف کے متعلق ہمارا آئندہ تجربہ بدل جائے تو یقیناً یہ تلازم کا خیال بھی بدل جائے گا۔ مثلاً جس عہد قدیم میں گردش آسمانی اور رد و بدِ نجوم، عادات کے اسباب و علل یقین کیے جاتے تھے۔ اور ستاروں کی مختلف چالوں اور ان کی خاص خاص اشکال سے حوادثِ عالم کی توجیہ کیجاتی تھی، اس وقت ستاروں کی ایک خاص شکل کے ظہور یا کسی خاص ستارہ کے طلوع اور اس کے آثار و نتائج کے درمیان ایک خاص تلازم سمجھا جاتا ہوگا، اور اس یقین کو کہ یہ دونوں باہم علت و معلول ہیں، ناقابلِ انکار سمجھا جاتا ہوگا لیکن آج ایسا نہیں ہے۔

قدیم و جدید فنِ طب میں اب آسمان و زمین کا اختلاف ہے، دواؤں کے خواص و اثرات اور امراض کے علل و اسباب میں عظیم الشان تبدیلی ہو گئی ہے، مگر قدیم اطبا یا اب بھی قدیم طب کے واقف کاروں اور قدر شناسوں کے نزدیک ان کے تجربے اور یکسانی عمل کی بنا پر جن دواؤں کے جو اثرات اور جن امراض کے جو علل و اسباب ہیں، وہ ان کے یقینیات میں داخل تھے۔ اور ہیں لیکن ممالک یورپ میں جہاں کوئی اس طب کا نام بھی نہیں جانتا اور اس کے تجارب و تحقیقات کا مشاہدہ نہیں کیا گیا ہے، ہمارے اطبا کے یقین کردہ آثار و خواص اور اسباب و علل کو وہاں اوہام سے زیادہ رتبہ نہیں دیا جا سکتا،

خود اوہام کیا چیز ہیں ؟ جاہل طبقوں اور وحشی قوموں میں بہت سے ایسے یقینیات ہیں جن کو آپ اوہام سے تعبیر کرتے ہیں. مگر ان میں یہ اوہام کیونکر پیدا ہوئے ؟ اسی تکرار تجربہ سے، اُنھوں نے کئی دفعہ دیکھا کہ جب صبح کو فلاں پرندہ بولا یا اڑا تو فلاں بات ہوگئی، چند بار کے دیکھنے سے ان کے ذہن میں یہ خیال راسخ ہوگیا کہ اس کا یہ اثر ہے، حالانکہ معلوم ہے کہ اس پرندہ کے بولنے یا اڑنے اور اس بات کے ہونے کے درمیان، کسی قسم کا تلازم نہیں ہے، تاہم چونکہ ان کا یقین ان کے تجربہ پر مبنی ہے، اس لیے اس کے خلاف باور کرنا اُن کے لیے اتنا ہی محال ہے جتنا کہ آگ اور گرمی و سوزش کے درمیان تلازم، اور ان دونوں کے درمیان علت و معلول پر عقیدہ رکھنے والوں کے لیے یہ تخیل کہ آگ موجود ہو، اور اس سے گرمی و سوزش کا اثر ظاہر نہ ہو، جن ملکوں میں خچر نہیں ہوتے، وہاں کے باشندے اپنے تجربہ کی بنا پر اس مسئلہ پر یقین کامل رکھتے ہیں کہ دو مختلف النوع جانوروں میں باہم توالد و تناسل نہیں ہو سکتا اور اگر اس کے خلاف ان کو یقین دلانا چاہیں کہ گھوڑے اور گدھے مل کر باہم اس فرض کو انجام دیتے ہیں، اور اس سے خچر نام ایک تیسری نوع تیار ہوتی ہے تو اس کے تسلیم کرنے میں انکو کس قدر تامل ہوگا، لیکن کیا ان کا تامل ہندوستان و مصر میں مطابقِ واقعہ سمجھا جائیگا ؟ جہاں ہزاروں دفعہ یہ مشاہدہ ہو چکا ہے.

اسبابِ علل کا علم تجربہ کا ہوتا ہے

الغرض ہم جن کو اصولِ فطرت، نوامیسِ قدرت اور لاز آف نیچر کہتے ہیں، وہ صرف روزمرہ کے مشاہداتِ عادیہ کے نام ہیں، ہم دیکھتے آئے ہیں کہ درخت کس طرح اگتے ہیں، جاندار موجودات کس طرح پیدا ہوتے ہیں، آفتاب کس طرح طلوع

ہوتا ہے، پانی کس طرح برستا ہے، ان کو دیکھتے دیکھتے ہم اس قدر عادی ہو گئے ہیں کہ ہم ان کا اسی طرح ہونا ضروری اور اس کے خلاف ہونا محال قطعی سمجھتے ہیں، حالانکہ اس کے لیے ہمارے پاس کوئی دلیل نہیں ہے، ہم دیکھتے ہیں کہ ایک دانہ زمین میں ڈالا جاتا ہے، کچھ دنوں کے بعد وہ پھوٹتا ہے، اس میں کونپلیں نکل آتی ہیں، پھر وہ پودے کی شکل اختیار کرتا ہے، شاخیں نکلتی ہیں، اور بڑھکر درخت ہو جاتا ہے، ایک قطرۂ آب خون اور خون سے گوشت بنجاتا ہے اس میں رگیں، پٹھے اور ہڈیاں پیدا ہو جاتی ہیں، دل و دماغ اور جگر و گردہ اپنی اپنی جگہ پر بنجاتے ہیں، پھر کہیں سے اس میں روح آجاتی ہے، پھر اس آئینہ میں احساس و عقل جلوہ آرا ہوتی ہے، ایک مدت متعینہ کے بعد وہ پیدا ہوتا ہے، بڑھتا ہے، جوان ہوتا ہے، اس طرز پیدائش کو دیکھتے دیکھتے حیرت زائی اور استعجاب و استبعاد کی روح ہم سے بالکل فنا ہو گئی ہے، اور ہم کبھی ایک لمحہ کیلیے بھی غور نہیں کرتے کہ ایک جامد اور نامی درخت کی شکل میں اور ایک بیجان قطرہ لایعقل ایک جاندار ذی عقل انسان کی صورت میں کیونکر بدل گیا، لیکن ہم سے یہ کہا جاتا ہے کہ ایک بیجان لکڑی جاندار سانپ بن گئی، اور عیسیٰ نام ایک بچہ بن باپ کے پیدا ہو گیا، تو ہماری محدود عقل و تجربہ کا پیمانہ غرور سراسر انکار سے ہلنے لگتا ہے، یہ کیوں؟ اس لیے کہ کبھی ہم نے ایسا ہوتے دیکھا نہیں، آفتاب روز پورب سے طلوع ہوتا ہے اور پچھم میں جاکر غروب ہو جاتا ہے، ہم کو اس پر مطلق تعجب نہیں ہوتا، اور نہ یہ مستبعد معلوم ہوتا ہے، اور جب یہ سنتے ہیں کہ قیامت کے دن آفتاب پورب کے بجائے پچھم سے نکلے گا، تو ہم اس کو خلاف عقل کہتے ہیں کیا پورب سے اسکا نکلنا عقل کے موافق تھا، اور تم آفتاب کو اگر پورب سے نکلتے نہ دیکھتے تو خود بخود عقلاً یہ فیصلہ کر لیتے کہ اس کو پورب ہی سے

نکلنا چاہیے اور مغرب ہی میں ڈوبنا چاہیے۔ عموماً انسان کے ایک سر، دو آنکھیں۔ دو کان، دو ہاتھ اور دو پاؤں اور ہاتھ پاؤں میں پانچ پانچ انگلیاں ہوتی ہیں لیکن تاریخ طبعی انسانی کی کوئی کتاب پڑھیئے تو معلوم ہوگا کہ قدرت کے مستثنیات کی بھی کوئی انتہا نہیں، اور سینکڑوں ہزاروں بچے اس کے خلاف پیدا ہوئے ہیں، اب جس طرح آپ اس پر اعتراض نہیں کرتے کہ انسان کے دو ہی ہاتھ اور دو ہی پاؤں کیوں ہوتے ہیں، اس پر بھی اعتراض نہیں کر سکتے کہ اس بچے کے چار ہاتھ اور چار پاؤں کیوں ہیں، اور جس طرح آپ کو اس پر حیرت نہیں ہوتی کہ آدمی جی کر مر کیوں کر جاتا ہے، ایسے ہی اس پر حیرت نہ کیجیے مر کر جی کیونکر جاتا ہے، ان دونوں میں صرف یہ فرق ہے کہ ایک واقعہ کو آپ نے بار بار دیکھا ہے، اور دوسرے کو کبھی نہیں دیکھا لیکن کسی چیز کا دیکھنا اور نہ دیکھنا کسی چیز کے فی نفسہ محال یا ممکن ہونے پر دلیل نہیں ہو سکتی،

حاصل یہ ہے کہ ہم کو معجزات کے متعلق جو استبعاد نظر آتا ہے، اس کی صرف یہ وجہ ہے کہ وہ ہمارے گذشتہ مشاہدات و تجربات کے خلاف ہوتا ہے لیکن اس کا فیصلہ ہر شخص کر سکتا ہے کہ اس کے گذشتہ مشاہدات اور تجربات میں غلطی کا ہونا یا اس میں انقلاب ہو جانا کچھ محال نہیں، طبعیات جدیدہ نے طبعیات قدیمہ کی تحقیقات کی دیوار ڈھا دی، حکمائے جدید نے حکمائے قدیم کے سینکڑوں تجربات باطل کر دیے، ہیئت قدیم اور ہیئت جدید میں آسمان اور زمین کا اختلاف پیدا ہو گیا، اختراعات جدیدہ نے سینکڑوں اور ہزاروں قدیم مسلمات اور ممتنعات کو ممکن بلکہ واقعہ بنا دیا، جب ہمارے گذشتہ تجربات اور تحقیقات کا یہ حال ہے، تو انسانی تحقیقات و تجربات کی آئندہ صحت کی کون ضمانت کر سکتا ہے،

فلسفۂ یونان پڑھ کر ہم یقین کرتے تھے کہ زمین ساکن اور آفتاب متحرک ہے، اب روز روشن کی طرح یہ ثابت کیا جا رہا ہے کہ آفتاب ساکن اور زمین متحرک ہے، اس لیے اگر کسی پیمبر کی زبان سے اس وقت یہ خیال ادا ہوتا کہ زمین متحرک اور آفتاب ساکن ہے تو حکمت قدیمہ کی درسگاہ میں یہ خیال شاید جاہلانہ اور مضحکہ انگیز سمجھا جاتا، پھر حکمت جدیدہ کے دانایانِ روزگار کو آج مذہب کی جو چیز مضحکہ انگیز نظر آتی ہے کیا معلوم کہ کل خود ان کی تحقیقات "حکمتِ مستقبلہ" کے مدرسہ میں قابل مضحکہ نہ ٹھہرے گی۔

الغرض صفحات بالا سے یہ امر پایۂ ثبوت کو پہنچ گیا کہ بنی نوع انسان کے اصل سرمایۂ علم علل و معلول میں جو کچھ ہے وہ صرف ان کے تجربہ کی کمائی ہے، اور اسی کی بنا پر استدلال تمثیلی کے طور پر وہ ایک چیز کو چند بار دیکھ کر اپنے ذہن میں ایک حکم کلی پیدا کر لیتے ہیں، مثلاً ایک سیب کو دیکھا، اس کی خوشبو کو سونگھا، اس کے مزہ کو چکھا، اب دوسرا سیب ہمارے سامنے آتا ہے، اسکی شکل صورت اور رنگ کو دیکھکر اسکی خوشبو کو سونگھ کر ہم کہہ دیتے ہیں کہ یہ بھی سیب ہے، اور اس کا مزہ ایسا ہوتا ہے، اور پھر چند سیبوں کو دیکھکر ہم یہ حکم کلی لگا دیتے ہیں کہ ہر سیب ایسا ہوتا ہے، اور اس کا یہ خاصہ اور اثر ہوتا ہے، اسی طرح ہم نے برف کو دیکھا، اسکی شکل صورت، رنگ مزہ اور ٹھنڈک کو محسوس کیا، اور پھر کئی دفعہ اس کے دیکھنے کا اتفاق ہوا، ہم نے ہر دفعہ پہلی برف کی مثل دیکھکر یہ کہہ دیا کہ یہ بھی برف ہے، اور ہر برف ٹھنڈا ہوتا ہے، یہی حال اس قضیہ کا ہے کہ ہر آگ جلاتی ہے، اب غور کیجئے کہ آپ کے یہ قضایا جو محض استدلال تمثیلی کی بنیاد پر قائم ہیں عقلاً کیونکر ناقابل شکست یقین بننے کا دعویٰ کر سکتے ہیں، یہ اور بات ہے کہ آپ عادۃً اپنی عملی اور کاروباری دنیا

کیلیے ان پر یقین کرکے جلب منافع اور دفع مضار میں ان سے کام لیں، اور یہی علت عادیہ کی حقیقت و مصلحت ہے

علامہ ابن تیمیہ کا بیان کہ اسباب علل تجربی ہیں

ہم نے جس پرواز پر مسئلہ علیت کی تشریح کی ہے یہ کوئی نیا خیال نہیں ہے، علامہ ابن تیمیہ نے اردو علی المنطق میں جابجا اس خیال کو ظاہر کیا ہے، چنانچہ ہم یہاں اسکی تلخیص اس لیے درج کرنا چاہتے ہیں کہ مسئلہ پوری وضاحت کے ساتھ ناظرین کے سامنے آجائے،

کھانے کے بعد آسودگی پینے کے بعد سیری، بدیہی تجربیات میں ہے، اسی طرح لذت وغیرہ کا احساس ہے کہ جب انسان اس کا احساس کرتا ہے تو اس کے بعد فوراً ایک اثر پاتا ہے، پھر جب بار بار اس شے کے احساس کے بعد وہی اثر پاتا ہے تو یہ سمجھ لیتا ہے کہ یہی شے اس اثر کا سبب ہے اسی کا نام تجربیات ہے، قضایائے کلیہ کی اصل یہی تجربیات ہیں، تفصیل یہ ہے کہ مثلاً جب ایک شخص کسی خاص دوا کو استعمال کرتا ہے اور یہ پاتا ہے کہ اس سے فلاں مرض دور ہو گیا یا فلاں قسم کا نقصان ہو گیا تو مرض کا اس سے پیدا ہو جانا یا زائل ہو جانا تجربہ ہے، یہی حال دیگر آلام و لذات کا ہے، جو مشمومات، مسموعات، مرئیات اور ملموسات سے حاصل ہوتا ہے، کیونکہ جس نے اس کو سونگھا، یا دیکھا، یا سنا، یا چکھا یا چھوا ہے، پھر نفس میں جو لذت کا احساس ہوتا ہے، وہ وجدانیات میں سے ہے، جن کو حواس باطن سے دریافت کرتا ہے، اب نفس میں جو اعتقاد کلی قائم ہو جاتا ہے، اس جنس کے ہر فرد سے لذت حاصل ہوتی ہے، اور اس جنس کے ہر فرد سے الم حاصل ہوتا ہے، وہ من قبیل تجربیات ہے کیونکہ حواس ظاہرہ و باطنہ سے شے کلی کا احساس نہیں ہو سکتا، حکم کلی کا جو اعتقاد نفس میں قائم ہو جاتا ہے، وہ حس اور عقل کے مجموعہ سے ہوتا ہے، اور یہی

نام تجربیات ہے، مثلاً یہ اعتقاد کہ کھانے اور پینے کی چیزوں سے آسودگی اور سیری پیدا ہوتی ہے، اور زہر قاتل کے استعمال سے آدمی مرجاتا ہے اور بیماری پیدا کرنے والے اسباب سے آدمی بیمار پڑ جاتا ہے اور اس بیماری کا فلاں اسباب دوا سے استیصال ہو جاتا ہے، یہ کل کے کل قضایائے تجربیہ ہیں، کیونکہ حس تو صرف جزئی اور شخصی چیزوں کا احساس کرتا ہے لیکن جب ایک شے سے ایک ہی احساس بار بار ہوتا ہے تو عقل ادراک کرتی ہے کہ اس مشترک امر کی وجہ سے جو ان تمام افراد میں تھا، یہ بات پیدا ہوتی ہے اور یہ چیز فلاں قسم کی لذت پیدا کرتی ہے، اور اس شے سے فلاں قسم کی تکلیف پیدا ہوتی ہے، یہی حال حدسیات کا ہے کہ ان کی جزئیات کا علم احساس سے ہوتا ہے لیکن تکرار سے عقل قدر مشترک کا اندازہ لگا لیتی ہے..... مثلاً جب چاند کی روشنی کا اختلاف آفتاب کے مقابلہ کے اختلاف سے دیکھتے ہیں تو گمان کر لیتے ہیں کہ چاند کی روشنی آفتاب سے حاصل ہوتی ہے، یا یہ دیکھتے ہیں کہ ثوابت کی حرکت میں کوئی اختلاف نہیں ہوتا، اور وہ سب ایک ساتھ حرکت کرتے ہیں، تو سمجھ لیتے ہیں کہ ان کا فلک ایک ہے، اسی طرح جب سبع سیارہ کے اختلاف حرکات کو دیکھتے ہیں تو سمجھتے ہیں کہ ہر سیارہ کا فلک دوسرے سے مختلف ہے،

قیاس کی بحث میں علامہ ممدوح کہتے ہیں،

فلاسفہ نے یقینیات کو صرف چند قضایا میں محدود کر دیا ہے جس میں سے ایک حسیات ہیں، حالانکہ یہ معلوم ہے کہ جس سے ہرگز کسی عام اور کلی شے کا ادراک نہیں ہو سکتا،

اس لیے فقط حیات سے کوئی قضیۂ کلیہ عامہ نہیں بن سکتا جو برہانِ یقینی کا کوئی جزو بن سکے،
تمثیلاً اہلِ منطق کہتے ہیں کہ "آگ جلاتی ہے"۔ حالانکہ اس قضیہ کی عمومیت اور کلیت کا
علم تجربہ اور عادت سے ہوا ہے، جو قیاسِ تمثیلی کی ایک قسم ہے۔ اگر یہ کہا جائے کہ اسکا
علم اس طرح ہوا کہ آگ میں جلانے والی قوت موجود ہوتی ہے تو یہ علم بھی کہ ہر آگ میں
یہ قوت موجود ہوتی ہے" ایک علم کلی ہے، جو احساس سے نہیں دریافت ہو سکتا،
اور اگر یہ کہا جائے کہ فکر و رائے ہے کہ آگ کی صورت نوعیہ میں یہ قوت موجود ہو اور جسمیں
یہ قوت موجود نہ ہوگی وہ آگ نہ ہوگی، تو یہ دعویٰ اگر صحیح بھی ہو تو مفید یقین نہیں، کیونکہ
یہ قضیہ کہ جس شے میں یہ قوت ہوتی ہے وہ جلاتی ہے" اس میں تمثیل شمول، عادت
اور استقرائے ناقص کو دخل ہے، اور یہ معلوم ہے کہ جو شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ "آگ ہر شے
کو جو اس کے اندر پڑتی ہے جلا دیتی ہے" وہ غلطی کرتا ہے، کیونکہ اسی کے ساتھ یہ بھی ضروری
ہے کہ اس شے میں جلنے کی قابلیت ہو، ورنہ وہ ہر شے کو نہیں جلا سکتی جس طرح پتھر اور
یاقوت کو نہیں جلا سکتی، یا ان اجسام کو نہیں جلا سکتی جن میں مانع آتش دوائیں لگا دی
گئی ہوں، خرقِ عادت کی بحث کا مقام دوسرا ہے، بہرحال قضایائے حسیہ میں کوئی کلیہ ایسا نہیں
ہے جس کا نقیض نہ ہو سکے، اور درحقیقت قضیہ کلیہ حسیہ ہو ہی نہیں سکتا، کیونکہ قضیہ حسیہ
مثلاً یہ "آگ جلاتی ہے" اس میں حس صرف ایک خاص چیز کا ادراک کرتی ہے، حکم کلی جو عقل
لگا دیتی ہے تو فلاسفہ یہ کہتے ہیں کہ نفس ان خاص افراد اور مثالوں کے دیکھنے کے بعد اپنے
میں یہ استعداد پیدا کر لیتا ہے کہ اس کے اندر یہ الہام پیدا ہو جائے کہ ہر آگ جلاتی ہے، اور

یہی حکم کلی ہے۔ تو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ یہ عملی قیاس تمثیلی ہی ہے، اور اس کی ہیئت اور عمومیت پر اُس وقت تک وثوق نہیں کیا جا سکتا۔ جب تک یہ نہ معلوم ہو جائے کہ یہ حکم تمام افراد میں مشترک ہے۔ اور یہ اسی وقت تک ممکن ہے، جب تمام افراد کا تجربہ کر لیا جائے پھر بھی قضایائے عادیہ میں سے کوئی قضیہ ایسا نہیں ہے جس کا ٹوٹنا باتفاق عقلاء جائز نہ ہو۔ بلکہ فلاسفہ تک خرقِ عادت کو جائز سمجھتے ہیں۔ مگر وہ اس کے لیے خلقی طبعی اور نفسیاتی اسباب بیان کرتے ہیں، اور ان ہی تینوں اسباب کی طرف خرق عادت کو منسوب کرتے ہیں، اور اسی سے انبیاء کے معجزات اولیاء کے کرامات اور سحر وغیرہ کو ثابت کرتے ہیں۔"

اسی قیاس کی بحث کے آغاز میں علامہ ممدوح لکھتے ہیں:

اور یہی حال تجربیات کا ہے، لوگوں نے عموماً تجربہ کیا ہے کہ پانی پینے سے سیری ہوتی ہے، اور گلا کٹ جانے سے آدمی مر جاتا ہے، اور ضرب شدید سے تکلیف ہوتی ہے، ان تمام قضیوں کا علم محض تجربہ کی بنا پر ہے۔ کیونکہ جس نے ایک خاص سیری کا ادراک کیا ہے اور گلا کٹنے سے ایک خاص شخص کو مرتے دیکھا ہے۔ اور مارنے سے تکلیف ایک خاص شخص نے محسوس کی ہے، اب یہ حکم کہ جو شخص ایسا کرے گا یہ خاص اثر پیدا ہوگا تو یہ قضیہ کلیہ جس سے نہیں معلوم ہوگا، بلکہ اس کے ساتھ حکم عقلی کا بھی ہے۔

تجربہ سے جو اثر معین کسی شے معین میں معلوم ہوتا ہے، اس کی نسبت یہ دیکھنا ہے کہ اس شے معین میں اور اس کے اثر معین میں ایک خاص تلازم ہے۔ اور اسی کو عادت مستمرہ

کا علم ہوتا ہے، خصوصاً جب ان دونوں کے درمیان کسی مناسبت کا بھی شعور ہو جائے اور یہ ثابت ہو جائے کہ جہاں وہ شے بھی پائی جاتی ہے وہاں یہ اثر بھی پایا جاتا ہے، اور جہاں وہ اثر پایا جاتا ہے، وہاں وہ شے بھی پائی جاتی ہے، اور نیز یہ کہ جہاں وہ شے نہیں پائی جاتی، وہ اثر بھی نہیں پایا جاتا، اور جہاں وہ اثر نہیں پایا جاتا وہاں وہ شے بھی نہیں پائی جاتی، اب جس قدر اس لزوم میں ظنیت پائی جائے گی اسی قدر علیت کا اعتقاد بھی ظنی ہوگا، اور جسقدر اس لزوم میں قطعیت ہوگی اسی قدر لزوم کے اعتقاد میں قطعیت ہوگی، اور یہی قوانین عادیہ ہیں، جیسے طب کے تجربات وغیرہ، یا یہ علم کہ روٹی کھانے سے آسودگی اور پانی پینے سے سیری ہوتی ہے، اور کپڑے پہننے سے بدن میں گرمی اور برہنگی سے بدن میں ٹھنڈک پیدا ہوتی ہے.....

پس تجربات سے علم حاصل ہونے کا سبب ایک شے کا دوسری شے کے بعد ہونے سے اور تکرارِ اثر سے پیدا ہوتا ہے۔"

تجربات کی بنا شہادت اور روایت اور تاریخ پر ہے

غرض ان مباحث کا ماحصل یہ ہے کہ اشیاء کے خواص اور موجودات کے اسباب کا علم ہم کو محض تجربہ سے حاصل ہوا ہے، اب یہاں یہ بحث پیدا ہوتی ہے کہ کیا تجربی یقین کے پیدا ہونے کے لیے یہ ضروری ہے کہ خود اس یقین کرنے والے نے اس کا تجربہ کیا ہو، ہم دنیا میں ہزاروں تجربی مسائل پر یقین رکھتے ہیں، مگر ان میں سے بہت کم ہمارے ذاتی تجربہ میں آئے ہیں، طبعیات، کیمیائیات، طبیات، فلکیات، ارضیات کی ہزاروں باتیں ہیں جن پر ہم یقین رکھتے ہیں، مگر ہمارے

ذاتی تجربہ میں بہت کم آئی ہیں، اگر آپ یہ کہیں کہ گروہ ہمارے ذاتی تجربہ میں نہیں آئی ہیں، لیکن ان علوم کے ماہرین نے ان کا تجربہ کیا ہے، اور ہم کو ان کی شہادت کا اس لیے یقین ہے کہ وہ اپنے اپنے علوم میں کامل دستگاہ رکھتے تھے، اور اپنے ذاتی تجربوں کو انھوں نے اپنی تصنیفات میں لکھ دیا ہے، تو گویا آپ نے قبول کر لیا کہ دوسروں کے تجربیات بھی مفید یقین ہیں، بشرطیکہ خود ان تجربہ کرنے والے علماء پر آپ کو وثوق ہو، اور ان کے تجربیات صحیح و مستند شہادتوں اور واسطوں سے آپ تک پہنچیں۔

دنیا کے واقعات کا سب سے بڑا دفتر تاریخ ہے، جو عہد ماضی کی ظلمت میں ہمارے لیے چراغ راہ ہے، اور اس چراغ میں تیل کون برابر ڈالتا جاتا ہے کہ یہ بجھتا نہیں۔ وہ راویانِ اخبار و ناقلانِ حکایات ہیں، جو ایک عہد سے دوسرے عہد تک اس کو روشن کرتے چلے جاتے ہیں، اگر یہ سلسلۂ روایت کہیں منقطع ہو جائے تو عہد ماضی کی دنیا بھی عالم مستقبل کی طرح تیرہ و تار ہو جائے، لیکن تاریخ کی ہر شہادت آسانی کے ساتھ قبول نہیں کر لی جاتی، بلکہ اس کے لیے چشم دید گواہوں کا وجود، ان کی صداقت اور راست شعاری اور پھر اس کے بعد بیچ کے واسطوں کی سچائی اور راست گفتاری اور عدم فریب کے ثبوت کی بھی ضرورت ہے، لیکن اگر یہ شرائط پورے پورے ہو جائیں تو روایات منقولہ کی صداقت میں کسی کو شک نہ ہونا چاہیے،

فلسفہ اور سائنس بھی ایک قسم کی تاریخ ہیں

حقیقت میں فلسفہ اور سائنس بھی ایک قسم کی تاریخ ہیں، فلسفہ تو اشخاص یا جماعتوں کے منتظم خیالات کی، اور سائنس کائنات فطرت کے تجربی اکتشافات کی تاریخ ہے، فلسفہ کی درسگاہ کا ہر پروفیسر نہایت وثوق

کے ساتھ یہ کہتا ہے کہ اس مسئلہ میں یونان، اسلام اور یورپ کے فلاں فلاں اساطین فلسفہ کی یہ رائیں ہیں، کیا اس وثوق کی بنیاد صرف شہادت تاریخی پر نہیں ہے؟ آغاز آفرینش سے لے کر اس وقت تک دنیاے انسانی نے علم و اکتشاف، تجربۂ و دانش کا جو سرمایہ جمع کیا ہے، کیا وہ بجز شہادت تاریخی کے کسی اور طریقہ سے حاصل ہوا؟ یا ہو سکتا ہے؟ یا آیندہ ہوگا، آپ یقین رکھتے ہیں کہ جسم بہتر بسیط عنصروں سے مرکب ہے، ہائیڈروجن اور آکسیجن پانی کے دو جز ہیں، سنکھیا کے استعمال سے آدمی مرجاتا ہے، مگر ان میں سے ایک بات بھی آپ کے تجربہ میں نہیں آئی ہے، البتہ چونکہ صحیح اور مستند ذریعوں سے آپ تک یہ تحقیقات پہنچی ہیں، اس لیے آپ ان کو باور کرتے ہیں، لندن اور پیرس کو آپ نے خود نہیں دیکھا، لیکن با اینہمہ آپ کو ان شہروں کے وجود میں شک نہیں، مگر کوہ قاف کے پرستان کے وجود پر آپ کو یقین نہیں، اس لیے کہ پہلے دو شہروں کے وجود کی خبر آپ نے بہ کثرت لوگوں سے، اور ایسے ثقہ اور مستند لوگوں سے سنی ہے کہ آپ اس میں شک نہیں کر سکتے، لیکن کوہ قاف کے پرستان کے عینی مشاہدوں تک آپ کا سلسلۂ روایت صحیح اور مستند ذریعہ سے نہیں پہنچا ہے، اس لیے آپ کو اسکے وجود میں بہت حد تک شک ہے، اسی طرح ہیئت و فلکیات کے اکثر مسائل مثلاً ستاروں کی چالیں، خاص ستاروں کا طلوع و غروب وغیرہ کسی نہ کسی ہیئت دان اور فلکی کا مشاہدہ ہے، اور پھر صدیوں کے مشاہدات یکجا ہو کر آپ کے سامنے ہیئت و فلکیات کا ناقابل انحدار دفتر سن کر آتا ہے، مگر غور کیجئے کہ اس دفتر بے پایاں کا ہر ایک مشاہدہ بجز تاریخی روایت و شہادت کے کسی اور طریقہ سے پہنچا ہے، یا پہنچ سکتا ہے؟

آپ کہتے ہیں کہ آگ جلاتی ہے، برف ٹھنڈک پہنچاتی ہے، آفتاب روشن ہے، پتھر سخت ہے، کھانے سے سیری ہوتی ہے، چوٹ سے تکلیف ہوتی ہے، غرض تمام قضایائے تجربیہ جن پر علوم وفنون کی بنیاد قائم ہے، اور جن کی عمومیت وکلیت کا آپ کو یقین یا ظن غالب ہے، ان کی اس کلیت اور عمومیت کا یقین یا غلبۂ ظن صرف آپ ہی کے ذاتی تجربہ پر مبنی نہیں ہے، بلکہ ان میں سے ہر قضیہ کی عمومیت اور کلیت کے بنانے میں آپ کے سوا، اور ہزاروں لاکھوں آدمیوں اور بیسیوں نسلوں کے مشاہدات کو دخل ہے، اور یہ مشاہدات آپ تک تحریری یا زبانی تاریخی شہادتوں کے ذریعہ سے پہنچے ہیں، تب جاکر وہ انسانی مسلمات میں داخل ہوئے ہیں۔

تاریخی شہادتوں کے شرائط استناد

لیکن کسی تاریخی شہادت کے مستند ہونے پر آپ کچھ قیود بھی عائد کرسکتے ہیں، مثلاً یہ کہ اخیر راوی چشم دید گواہ ہو۔ یعنی یہ کہ وہ واقعہ کے وقت، مقام واقعہ پر حاضر ہو، اور خود اس کا بلاواسطہ ذاتی علم حاصل کیا ہو، وہ راست گفتار ہو، اس کا حافظہ صحیح اور درست ہو، فریبی اور جھوٹا نہ ہو، اسی طرح آغاز سلسلۂ روایت سے لیکر آخر تک بیچ کا ہر راوی بھی ان ہی صفات سے متصف ہو، جہاں تک ان صفات میں ترقی ہوگی، واقعہ کے متعلق آپ کے علم واذعان میں بھی ترقی ہوگی۔ اور جہاں تک ان میں کمی ہوگی، آپ کے علم واذعان میں بھی کمی ہوگی۔

مسلمانوں کا علم روایت

اب مسلمانوں کے علم، اخبار یا علم نقل روایت یعنی اصول حدیث پر نظر ڈالیے تو معلوم ہوگا کہ بعینہٖ یہی اصول انھوں نے ہر روایتی شہادت کے قبول کرنے کیلئے مقرر کیا ہے، سلسلۂ روایت کے ان اوصاف میں جس قدر بھی نقص ہوگا اس جزو واقعہ کے علم واذعان میں بھی اسی قدر نقص ان کے نزدیک پیدا ہوگا پیغمبر اسلام علیہ السلام کی طرف

جس قدر بھی صحیح و مستند معجزات منسوب ہیں ان میں سے ایک بھی ایسا نہیں ہی جس کی صداقت کو اس اصول پر پرکھ نہ لیا گیا ہو، ہیوم نے اپنی معرکۃ الآرا کتاب "فہم انسانی" میں جہاں معجزات پر بحث کی ہے، انجیل کے بیان کردہ معجزات کی نسبت وہ اس لیے بے اعتباری ظاہر کرتا ہے کہ "مصنفین انجیل جو ان واقعات کے راوی اول ہیں ان میں سے کوئی واقعہ کا چشم دید گواہ نہیں ہے" لیکن ہیوم کو اگر اسلامی طرز روایت و اصول حدیث کی احتیاطوں سے آگاہی ہوتی تو کبھی اسلام کے معجزات کی نسبت اس بے اعتباری کا اسکو موقع نہ ملتا۔

صحیح معجزات نبویؐ کے پہلے رواۃ یعنی وہ صحابہ کرام جو واقعات کے چشم دید گواہ ہیں، صدقِ مقال اور راست گفتاری پر ان کی زندگی کا ایک ایک حرف گواہ ہے، اور ان کی عقل، رزانت اور متانت رائے پر ان کے کارنامے شاہد عدل ہیں، بیچ کے رواۃ وہ محدثین عظام ہیں جن کی سچائی، راستی اور حفظ و فہم پر اسمائے رجال کے اوراق کی مہریں ثبت ہیں، پیغمبر اسلام علیہ السلام نے علی رؤس الاشہاد کہا اور بار بار کہا کہ "جو شخص میری طرف کسی جھوٹی بات کی نسبت کرے گا اس کا ٹھکانا جہنم ہے"۔ صحابہؓ کا یہ حال تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کسی خبر کو بیان کرتے ہوئے کانپ جاتے تھے، بیچ کے رواۃ بھی انتہائی انسانی احتیاط سے کام لیتے تھے، اس پر بھی ان کی تمام روایات کا درجہ یکساں نہیں ہے۔

اگر روایت کے ہر دور میں راویوں کی تعداد کثیر شریک ہو تو اس کو خبر متواتر کہتے ہیں، اور اگر ہر دور میں گو تعداد کثیر نہ ہو لیکن دو یا دو سے زیادہ ہوں تو وہ مستفیض اور مشہور ہے اور اگر کسی دور میں ایک ہی راوی رہ گیا ہو تو اس خبر کو خبر احاد کہتے ہیں، معجزات نبویؐ

مختلف طرق سے مروی ہیں، اور اسی کے اعتبار سے ان کی صحت بیان کا دعوہ ہے، یہ سچ ہے کہ بعد کے لوگوں نے آپ کی طرف بہت سے ایسے معجزات منسوب کر دیے ہیں، جو صحیح نہیں ہیں، لیکن ہمارے محدثین نے نہایت جانفشانی اور ایمانداری سے اُن روایات کو معیار پر پرکھ پرکھ کر الگ کر دیا ہے اور اس کتاب کی جلد اول کے مقدمہ میں تمام و کمال بحث موجود ہے۔

معجزات کے ثبوت پر یہ طرز استدلال گو عجیب ہے، مگر غلط نہیں، دنیا میں ہر واقعہ کے ثبوت کا یہی طریقہ ہے، اور وہی اس باب میں بھی کارآمد ہے، یہ کیسی زبردستی ہے کہ جس طرز استدلال پر دنیائے یقین کا عملی کاروبار چل رہا ہے اس کو اگر مذہب استعمال کرے تو مدعیان عقل کی جبینِ متانت پر بل پڑ جاتے ہیں۔

نادیدہ واقعات پر یقین کرنے کا ذریعہ صرف روایات کی شہادت ہے

دنیا میں جو واقعہ ظہور پذیر ہوتا ہے اُس کے علم کے دو ہی طریقے ہیں، یا تو انسان اس واقعہ کے وقت موجود ہوگا، یا موجود نہ ہوگا، پہلی صورت میں اس کا علم، اس کے احساس و مشاہدہ پر موقوف ہے، اور وہ روایت کے تمام جھگڑوں سے بے نیاز ہے، جیسے کہ ان صحابہ کا، اس معجزہ کے متعلق علم جو انکے سامنے ظاہر ہوا، اور دوسری صورت میں اس واقعہ کا علم صرف روایت سے ہو سکتا ہے، اور اس کے سوا کوئی ذریعۂ علم اس کے لیے دنیا میں موجود نہیں ہے، آپ کا فرض صرف اس قدر ہے کہ روایت کی اچھی طرح تنقید کر لیجئے، اور جس طرح دنیا کے دوسرے عملی کاروبار میں واقعات پر یقین کرنے کے ذرائع استعمال عام میں ہیں، اس باب میں بھی ان ہی کو استعمال کیجئے، عقلی احتمالات اور ذہنی شبہات کی کوئی حد نہیں ہے، مگر کبھی روزمرہ کے معاملات میں وہ آپ کے

یقین کے سدِ راہ نہیں ہوتے،

براہِ راست بھی عملاً یقین ہوتا ہے

متواتر، مشہور اور مستفیض خبروں کو چھوڑ کر خبرِ احاد تک پر آپ روزانہ یقین کرتے ہیں. خطوط، تار، اخبارات آج کل کی زندگی کا جز ہیں، اور ان میں سے ہر ایک پر آپ کو کامل وثوق ہے، رائٹر ایجنسی کے تاروں اور سنجیدہ اخباروں کے کالموں میں عجیب سے عجیب حیرت افزا واقعات و ایجادات و طبی علاجات عموماً بیان ہوتے رہتے ہیں اور لوگ ان کو تسلیم کر لیتے ہیں، آج تمام تجارت کا دار مدار ان ہی تاروں پر ہے، یہ شدید مالی خطرات کا موقع ہے، مگر ہر بیوپاری اور تاجر بخوشی اس خبرِ احاد کو یقین کر لیتا ہے، اور اپنی تمام دولت اس کے نذر کر دیتا ہے، اور کبھی یہ عقلی مباحث اور شکوک نہیں پیش کرتا کہ ممکن ہے کہ کسی نے غلط کہا ہو، ممکن ہے غلط لکھ گیا ہو، ممکن ہے نامہ نگار جھوٹ بولتا ہو، ممکن ہے کاتب نے خود گھڑ کر لکھ دیا ہو، یہ تمام احتمالاتِ عقلی قائم ہو سکتے ہیں مگر عملی یقین پر ان احتمالات کا مطلق اثر نہیں پڑتا۔

ہم شفا خانوں میں جاتے ہیں، اور عطاروں اور کمپونڈروں سے دوائیں لیکر باطمینان تمام ان کو استعمال کرتے ہیں، حالانکہ معلوم ہے کہ ان شفا خانوں میں اکسیر اور سنکھیا دونوں کی بوتلیں پہلو بہ پہلو رکھی ہیں، ممکن ہے کہ تنہا دوا بنانے والے کی یہ اطلاع کہ یہ دوا تمہارے نسخہ کے مطابق ہے، غلط ہو، اور اس لیے اس کے استعمال سے احتراز لازم ہے، مگر کبھی یہ خدشہ ہمارے حاشیۂ خیال میں بھی نہیں آتا، اور ہم بخوشی اپنی جان کو خبرِ احاد کے یقین کے نذر کر دیتے ہیں، پھر معجزات اور مذہب ہی کے باب میں **شہادت** کے مسئلہ پر تمام عقلی احتمالات اور شکوک کا ازالہ ضروری کیوں تصور کیا جاتا ہے،

واقعات پر یقین کے لیے اصلی بنیاد امکان اور عدم امکان کی بحث نہیں بلکہ روایت کے ثبوت اور عدم ثبوت کی ہے

آج کل مغربی علم تاریخ اور فن روایت کا بڑا کارنامہ یہ اصول سمجھا جاتا ہے کہ جب کوئی واقعہ بیان کیا جائے تو سب سے پہلے اس پر غور کرو کہ کیا وہ ممکن بھی ہے؟ اور جب یہ طے ہو جائے تو روایت کے دوسرے پہلوؤں پر غور کرنا چاہیے، لیکن یہ معلوم ہو چکا ہے کہ ہمارے تمام واقعی علوم، ہمارے تجربہ اور روایات ہی پر مبنی ہیں، اس لیے کسی شے کے ممکن اور ناممکن ہونے کا فیصلہ، محض مشاہدہ کی تحقیق پر ہی مبنی ہے، اس لیے علم تاریخ اور فن روایت کی بنیاد اس کے امکان اور عدم امکان کی بحث پر قائم نہیں ہے، بلکہ جیسا کہ ہمارے علمائے اصول نے بتایا ہے، صرف اس پر قائم ہے کہ آیا یہ واقعہ روایۃً صحیح بھی ہے یا نہیں؟

جس درجہ کا واقعہ ہو، اسی درجہ کی شہادت ہونی چاہیے

ہم کو اس اصول کی صحت سے انکار نہیں ہے کہ جس درجہ کا واقعہ ہو، اسی درجہ کی شہادت بھی ہونی چاہیے، لیکن درجۂ نام کمیت اشخاص سے زیادہ کیفیت اشخاص کا ہے، ایک واقعہ کو چند آدمی بیان کرتے ہیں، مگر انکی راست گفتاری معرض بحث میں ہے، لیکن ایک ایسا شخص اس کے خلاف اپنی روایت بیان کرتا ہے جس کی صداقت مسلم ہے جس کی راست گفتاری کا بارہا تجربہ ہو چکا ہے، جس کی سمجھ، حافظہ اور وثوق کا ہم کو علم ہے، اور جس کی دوسری اخلاقی صفات جن کا روایت کا اثر پڑتا ہے، نہایت بلند ہیں، تو ظاہر ہے کہ واقعہ کی حیثیت سے دوسری شہادت پہلی شہادت سے زیادہ قابل قبول ہے، راویوں کی ان صفات کی واقفیت کا روایاتِ اسلامیہ کے سوا دنیا میں کسی اور قوم و مذہب کی روایات کے متعلق کوئی دعوی نہیں کیا جا سکتا، اس لیے

دنیا کے اور مذاہب اور قوموں کی روایات کے مقابلہ میں اسلامی روایات کی ایک خاص اہمیت ہے،

معجزات دراصل تجربات کے خلاف نہیں ہوتے

اس موقع پر ایک اور مسئلہ کو بھی صاف کرنا ہے، عام طور سے معجزات کی شہادت کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ چونکہ معجزہ کی شہادت سینکڑوں، ہزاروں شہادتوں کے خلاف ہوتی ہے، اس لیے وہ ناقابل یقین ہے، یہ حقیقت میں ایک قسم کا مغالطہ ہے، ہزاروں لاکھوں شہادتیں اس بات کی بیشک ہیں کہ آگ نے فلاں فلاں موقع پر جلایا، اب جو شخص ایک معجزہ کو بیان کرتا ہے کہ فلاں موقع پر آگ نے نہیں جلایا تو یہ شہادت ان ہزاروں لاکھوں شہادتوں کے خلاف نہیں ہے، بلکہ ان سے الگ ایک واقعہ ہے، اس روایت سے ان لاکھوں ہزاروں شہادتوں کی مخالفت اور انکار اس وقت لازم آتا کہ جن موقعوں کے متعلق یہ کثیر التعداد شہادتیں اپنا مشاہدہ بیان کرتی ہیں، ان کی تکذیب و تغلیط کی جاتی، دو شہادتوں کی باہمی ترجیح کا سوال اس وقت پیدا ہوتا ہے جب دونوں ایک ہی خاص واقعہ کو مختلف نتیجوں کے ساتھ بیان کریں، اور یہاں یہ صورت نہیں ہے، جن آگوں کے جلانے کے متعلق سینکڑوں شہادتیں موجود ہیں، معجزہ کا راوی ان کی تغلیط و تکذیب نہیں کرتا، بلکہ ایک خاص آگ کی نسبت اپنا مشاہدہ بیان کرتا ہے، جس کے متعلق ان کو نفیاً یا اثباتاً کوئی علم نہیں، مثلاً ایک طرف ایک شخص کی تنہا یہ شہادت ہوتی کہ پیغمبر اسلام علیہ السلام کے ہاتھوں سے پانی کا چشمہ ابلنے لگا، دوسری طرف سینکڑوں ہزاروں آدمیوں کی یہ شہادت ہوتی کہ نہیں ایسا واقعہ نہیں ہوا، تو بیشک اس موقع پر

دوسری شہادت کو پہلی شہادت پر ترجیح دی جا سکتی اور تمام مسلمان اس کے لیے تیار ہیں کہ اگر کسی معجزۂ نبوی کے متعلق اس قسم کی مخالف شہادت موجود ہو تو وہ اس معجزہ کو صحیح معجزات نبوی کی فہرست سے خارج کر دیں گے،

معجزات کا ثبوت روایتی شہادتیں ہیں

الغرض معجزہ کی شہادت کے متعلق اصل بحث یہ نہیں کہ یہ ممکن ہے یا ناممکن، بلکہ اصل بحث یہ ہے کہ یہ شہادت کس درجہ کی ہے؟ اور اس کے رواۃ کی صحیح البیانی کا کیا پایہ ہے؟ اس کے لیے صحابۂ کرام اور تابعین عظام کی راستی، دیانت، صدقِ مقال اور ان کی اخلاقی زندگی کے دیگر پہلوؤں کے مطالعہ کی حاجت ہے، اور یہی شے ہے جو معجزات کی شہادت کو طاقتور یا کمزور بنا سکتی ہے، اور یہی ہمارے محدثین اور اہل اصول کا قانونِ شہادت ہے، اور اسی طریق سے اہل السنۃ والجماعۃ معجزہ کو ثابت کرتے ہیں، علامہ ابو منصور عبد القادر بغدادی اشعری کتاب الفرق میں اہلِ سنت کا مسلک لکھتے ہیں:-

وبهذا النوع من الاخبار (المستفيض) علمنا معجزة نبينا صلى الله عليه وسلم في انشقاق القمر، وتسبيح الحصا في يده وحنين الجذع اليه لما فارقه واشباعه الخلق الكثير من الطعام اليسير فهذه وامثالها من معجزاته	اسی خبر مشہور کے ذریعہ سے ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کو جانا مثلاً شق قمر، دست مبارک میں کنکریوں کا تسبیح پڑھنا، شاخ خرما کا گریہ وبکا کرنا، اور تھوڑے کھانے سے بہت سے لوگوں کو سیر کر دینا وغیرہ (ص ۳۱۳)

خلاصۂ مباحث گذشتہ صفحات میں جو کچھ کہا گیا ہے، اس کا خلاصہ حسب ذیل سطروں میں کیا جا سکتا ہے

۱۔ معجزہ خرقِ عادت اور قاعدۂ علت و معلول کی استثنائی شکست کا نام ہے، جس کو اللہ تعالیٰ اپنے کسی پیغمبر کی سچائی کی نشانی کے طور پر لوگوں میں ظاہر کرتا ہے:

۲۔ خرقِ عادت اور قاعدۂ علت و معلول کی شکست ممکن، بلکہ واقع ہے،

۳۔ کیونکہ عاداتِ طبعی اور سلسلۂ علل و معلول کا علم ہم کو تجربہ سے ہوا ہے،

۴۔ اور تجربہ سے جو علم حاصل ہو اس کی کلیت اور عمومیتِ عقلی کا دعویٰ نہیں کیا جا سکتا، اسلیے اس سے معجزہ کے محال ہونے پر استدلال نہیں کیا جا سکتا،

۵۔ تجربہ کی بنیاد ذاتی مشاہدہ یا دوسرے مشاہدہ کرنے والوں کی شہادت پر ہے،

۶۔ اس لیے معجزہ کا ثبوت ذاتی مشاہدہ کرنے والوں کی شہادت پر مبنی ہے،

۷۔ اسلامی روایات اور صحیح معجزاتِ نبوی کی شہادت اس قدر بلند ہے کہ دنیا کی کوئی تاریخی روایت اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی، اور اس سے معجزات اور خوارقِ عادات کا وقوعی ثبوت بہم پہنچتا ہے۔

یقینی معجزات کے اصول نفسی

اب تک جو کچھ کہا گیا ہے اُس کا خطاب فلسفہ اور منطق سے تھا، لیکن ظاہر ہے کہ عملی دنیا کا کاروبار ارسطو کے بنائے ہوئے اصول و قواعد پر نہیں چل رہا ہے، بلکہ خالقِ فطرت اپنے وضع کردہ اصول و قواعد پر اس کو چلا رہا ہے، واقعات کسی حد تک تعجب انگیز اور ورا از عقل ہوں، تاہم انسانوں کی بڑی تعداد، دلیل و برہانِ منطقی کے بغیر صدقِ دل سے ان پر یقین رکھتی ہے، کسی واقعہ پر یقین رکھنے کے لیے اس کا فہم انسانی میں آجانا اور عقل و استدلال کی میزان میں اسکا پورا اترجانا ضروری نہیں ہے، ایک طبیعی فلسفی سے لیکر عامی تک مادہ کے وجود

پر یقین رکھتا ہی، حالانکہ استدلال سے اس کا وجود ثابت نہیں کیا جا سکتا، یہ روزمرہ کا مشاہدہ ہی کہ ایک واقعہ کی جب روایت کیجاتی ہی تو کچھ لوگ بے دلیل اس کو فوراً تسلیم کرتے ہیں، اور بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ استدلال و برہان کے باوجود اس کے تسلیم کرنے کو تیار نہیں ہوتے، اگر استدلال کی قوت سے وہ خاموش بھی ہو جائیں تو انکے دل کو تسلی نہیں ہوتی، جو اشخاص کسی جماعت یا ملک کے اندر کام کرتے ہیں انکی سچائی اور خلوص و ایثار کے متعلق سب لوگوں کی رائے برابر نہیں ہوتی، ایک جماعت تو زور و قوت سے ان کے صدق و اخلاق پر ایمان رکھتی ہے، دوسری جماعت اسی زور و قوت کے ساتھ ان کو خائن اور ریاکار جانتی ہے، حالانکہ دونوں کے سامنے انکے اعمال کا ایک ہی نقشہ پیش رہتا ہے، مگر نتائج مختلف ہوتے ہیں، اور دو میں سے کوئی اپنے دعویٰ پر کھلے دلائل نہیں رکھتا، اس لیے ایمان و کفر اور یقین و شک کے وجوہ منطقی طرز استدلال سے نہیں بلکہ زیادہ تر نفسیاتی اصول و قواعد سے ماخوذ ہیں،

امام غزالی اور یقین اور اذعان کی صورتیں

امام غزالی نے احیاء العلوم میں اس مسئلہ پر تفصیل سے بحث کی ہے کہ واقعات کا اذعان اور یقین ہمارے اندر کیونکر پیدا ہوتا ہے؟ وہ کہتے ہیں کہ "عام مسلمانوں کو علم کلام کی ضرورت نہیں، لیکن اگر کوئی یہ کہے کہ ہم کو خدا نے اپنی توحید و صفات وغیرہ پر ایمان لانے کا حکم دیا ہے، اور یہ باتیں بدیہی نہیں کہ ان کے لیے دلائل کی ضرورت نہ ہو، اسی طرح ہم کو پیغمبر کی تصدیق کی ضرورت ہے، اور یہ تصدیق مسلۂ معجزات پر غور و فکر کیے اور معجزہ کی حقیقت اور شرائط کے جانے بغیر ممکن ہی نہیں، اس بنا پر علم کلام کی اشد ضرورت ہے، تو امام صاحب اس کے جواب میں کہتے ہیں کہ "عام مخلوق کو صرف

(احیاء العلوم ۱ علم علم الکلام ص ۳۹ مصر)

ان چیزوں پر ایمان لانا فرض ہے، اور ایمان اس یقین جازم کا نام ہے، جس میں تردد اور شک نہ ہو، اور اس میں خطا اور غلطی کا خیال اس کو نہ ہو، اس یقین جازم کے چھ درجے ہیں، جو چھ مختلف طریقوں سے حاصل ہوتے ہیں:"

۱- پہلا درجہ اس یقین کا ہے، جو ایسے دلائل سے حاصل ہو، جن میں برہان کے تمام منطقیانہ شرائط ایک ایک کرکے پائے جائیں، اور ان دلائل کے مقدمات کا ایک ایک حرف اچھی طرح جانچ لیا گیا ہو، یہاں تک کہ کسی میں شک وشبہہ اور غلطی والتباس کا احتمال نہ رہا ہو، اس اصول کے مطابق تو بہت کم لوگ ایسے ہوسکتے ہیں، جن کو یقین کا یہ مرتبہ نصیب ہوسکے بلکہ ہر زمانہ میں ایک دو آدمی سے زیادہ اس معیار پر پورے نہیں اتر سکتے، اگر نجات صرف اسی یقین پر منحصر ہو، تو نجات پانے والوں کی تعداد بہت ہی کم ہوگی، بلکہ انسانوں کے لیے دنیا کے واقعات پر یقین کرنے کی بہت کم گنجایش نکل سکے گی، اور شاید ریاضیات کے علاوہ کہیں اور اس صورت یقین کا پیدا کرنا محال نہیں تو مشکل ضرور ہے،

۲- دوسرا طریقہ یہ ہے کہ ان مسلمات سے یقین حاصل ہو جن کو عام طور سے لوگ مانتے ہیں، اور ارباب عقل کے حلقوں میں وہ مقبول ومشہور ہیں، جن میں شک کا اظہار کرنا لوگ معیوب سمجھتے ہیں، اور نفوس انسانی ان کے انکار سے ابا کرتے ہیں، ان مقدمات سے استدلال بعض لوگوں میں ایسا یقین جازم پیدا کرتا ہے کہ اس میں کسی قسم کا تزلزل راہ نہیں پاسکتا،

۳- تیسری صورت یہ ہے کہ ان خطابیات کے ذریعہ سے یقین پیدا کیا جائے،

جن کو لوگ عام بول چال، اور عملی کاروبار میں استعمال کیا کرتے ہیں اور عادۃً ان کو صحیح سمجھتے ہیں، اگر طبع انسانی میں، خاص طور سے اس مسئلہ کی طرف غیر معمولی انکار یا شدید تعصب نہ ہو اور سامع میں تشکیک، مناظرہ اور خواہ مخواہ کریدا اور حجت کی عادت نہ ہو، اور اس کی طرف فطرتِ صالحہ سادہ اور صاف ہو، تو اس طریقہ سے اکثر افراد انسانی کو یقین کی دولت ہاتھ آسکتی ہے، اور اسی لیے قرآن مجید نے اسی طرز استدلال سے اکثر کام لیا ہے۔

۴۔ چوتھی صورت یہ ہے کہ جس شخص کی دیانت اور ایمانداری پر یقین ہو اور اس پر کامل اعتقاد ہو، بکثرت لوگ اس کے مداح ہوں، یا تم خود اپنے ذاتی تجربہ کی بنا پر اس کی ہر بات کو صحیح باور کرتے ہو، تو اس کا کہنا تمہارے اندر یقین پیدا کر دیتا ہے۔ جیسے اپنے بزرگوں اور استادوں اور مرشدوں کے بیان کا لوگ حرف بحرف یقین کر لیتے ہیں، ایک بڑا شخص کسی کی موت کی خبر دیتا ہے تو ہر شخص اس کو باور کر لیتا ہے۔ اسی طرح اگر کسی شخص کو کسی کی سچائی یا پاکیزگی اور زہد و تقویٰ کا یقین ہو جائے تو وہ بلا پس و پیش اس کی ہر بات کو صحیح تسلیم کرے گا، چنانچہ حضرت صدیقؓ (یا اور اکابر صحابہؓ) کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیسا جو حسنِ اعتقاد تھا وہ اسی قسم کا تھا۔ اس لیے آپ جو کچھ فرماتے تھے اُن کو اس کے باور کرنے میں کسی دلیل و برہان کی حاجت نہ تھی،

۵۔ حصول یقین کا پانچواں طریقہ یہ ہے کہ روایت کی صورت حال کی ایسے دوسرے قرائن سے تصدیق ہو، جن سے گو ایک مناظرہ پسند اور حجت طلب شخص کی تشفی نہ ہو، مگر عام اشخاص کی ان سے تسلی ہو جاتی ہے، مثلاً اگر شہر میں یہ عام خبر پھیلی ہوئی تھی کہ امیر شہر بیمار ہے،

اسی اثنا میں قلعہ سے گریہ و بکا کی آوازیں بلند ہوئیں، اور ایک شاہی غلام نے آکر روایت کی کہ امیر نے وفات پائی تو اس روایت کے تسلیم کر لینے میں عام لوگوں کو کوئی جائے انکار نہیں رہتی، گو اس کی صحت کی راہ میں آپ بیسیوں عقلی احتمالات پیدا کرتے رہیں، یہی سبب ہے کہ کتنے اعرابی تھے جنھوں نے ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ مبارک کی طرف دیکھا۔ یا آپ کی دل آویز اور پر اثر باتیں سنیں، یا آپ کے اخلاقِ کریمانہ کو مشاہدہ کیا، اور بے دلیل و برہان آپ کی نبوت پر ایمان لے آئے (کیونکہ انھوں نے پہلے آپ کی نبوت کا چرچا تو سنا تھا لیکن اس دعویٰ کی صداقت نے ان کے دل میں پوری طرح گھر نہیں کیا تھا، مگر جب اتفاق سے آپ کے دیدار کا ان کو موقع ملا تو قرائنِ حال اور آثارِ قیافہ کے ذریعہ سے بنک و بد اور اچھے برے کی تمیز کا جو ایک خاص جوہر انسان میں ودیعت ہے اس نے فیصلہ کر دیا کہ یہ دعویٰ صحیح ہے یا غلط)

۶۔ چھٹا طریقہ یہ ہے کہ جو روایت بیان کی جائے، اگر وہ سامع کے مزاج، اخلاق، اور خواہش کے مطابق اور مناسب ہو تو اس کے صحیح تسلیم کر لینے میں اُس کو کبھی پس و پیش نہ ہوگا، اس حصولِ یقین میں نہ تو حسنِ اعتقاد کی ضرورت ہے، اور نہ قرائن و آثار کی تائید کی، یہ فطری اور طبعی مناسبت خود حصولِ یقین کے لیے کافی ہے، (یہی سبب ہے کہ سابقینِ اسلام میں وہی صحابہ داخل ہیں جو فطرۃً نیک اور طبعاً راستی پسند اور جویائے حق تھے)

ان ہی مختلف طریقوں سے لوگ یقین اور اذعان کا جذبہ اپنے اندر پیدا کرتے ہیں، اور یہی طریقے غیبیات اور معجزات پر بھی یقین کرنے کے ہیں،

معجزہ اور سحر کا فرق اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ معجزہ سے جس طرح عجیب غریب امور صادر ہوتے ہیں، سحر، طلسم، نیرنگ، شعبدہ سے بھی اس قسم کی باتیں دکھائی جا سکتی ہیں، سحر و طلسم کے الفاظ اگر اس بیسویں صدی میں مکروہ معلوم ہوں تو ان کے معنی مسمرائزم اور ہپناٹزم کے سمجھ لیے جائیں، ایسی صورت میں ایک پیغمبر اور ساحر و شعبدہ باز اور مسمرائزر کے درمیان کیا فرق ہوگا؟ یہ سوال ہے جس پر علم کلام میں بڑی بڑی بحثیں ہیں، معتزلہ اور ارباب ظواہر میں علامہ ابن حزم کا یہ دعویٰ ہے کہ معجزہ کے علاوہ سحر و طلسم و شعبدہ وغیرہ جو چیزیں ہیں وہ صرف فریب نظر ہیں، لیکن معجزہ سے قلب حقیقت اور تبدیل ماہیت ہو جاتی ہے، اشاعرہ سحر و طلسم کی حقیقت کو تسلیم کرتے ہیں، لیکن یہ کہتے ہیں کہ معجزہ سے جو عظیم الشان عجائب سرزد ہوتے ہیں، مثلاً سمندر کا خشک ہونا، چاند کا شق ہو جانا وغیرہ، یہ چیزیں سحر و طلسم کے زور سے نہیں ہو سکتیں، حکمائے اسلام کا مسلک یہ ہے کہ معجزہ اور سحر میں فرق یہ ہے کہ صاحب معجزہ اپنی قوت کو خیر میں صرف کرتا ہے، اور ساحر شر میں،

لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان وجوہات سے اشکال کی اصلی گرہ نہیں کھلتی، ایک شخص اپنے دعویٰ کے ثبوت میں بظاہر ایک خارقِ عادت کرشمہ پیش کرتا ہے، اب اس پر یہ بحث کہ یہ دھوکا اور نظر بندی ہے، یا رمز انبی ہے، یا معمولی کام ہے، یا عظیم الشان کارنامہ ہے، نہایت مشکل ہے، کیونکہ ان اشیا کے وقوع میں کوئی ظاہری امتیاز نمایاں نہیں ہو سکتا، پھر اس کا فیصلہ کہ یہ قوت خیر میں صرف ہوئی یا شر میں، یا یہ کہ ضروری ہے کہ یہ خوارق عادت محل خیر میں صرف ہوں، یا محلِ شر میں، اس کے علاوہ کوئی تیسری نہیں ہو سکتی، بہت کچھ قابلِ بحث ہے

ایک مسمریزر اپنی قوت سے بعض بیماریوں کو دور کر دیتا ہے، اور اس سے غریبوں کا علاج کرتا ہے، یہ تو خیر اور نیکی کی چیز ہے، تو کیا آپ اس کو معجزہ کہدیں گے،

اصل یہ ہے کہ معجزہ اور دیگر عجائبات امور میں وہ عظیم الشان فرق ہیں، ایک یہ کہ معجزہ براہ راست خدا کا فعل ہوتا ہے، اور دوسرے عجائبِ امور اسباب طبعی و نفسی کے نتائج ہوتے ہیں، دوسرے یہ کہ معجزہ سے مقصود اعداے دعوتِ الٰہی کی ہلاکت یا مبلغِ رسالت کی تائید اور مومنین صادقین کی حمایت اور برکت ہوتی ہے، محض کھیل تماشہ، شعبدہ بازی اور بازی گری اسکا مقصد نہیں ہوتی، اور آپ سب سے آخری شے جو ان دونوں کے درمیان حد فاصل بنجاتی ہے، یہ ہے کہ ساحر و بازی گر شعبدہ باز صرف تماشہ، کرتب اور عجائبات دکھاتے ہیں، اس کے ساتھ وہ اپنی زندگی کی پاکیزگی، ارادوں کی بے گناہی، دلوں کی طہارت اور صفائی، شریعت الٰہی کی تبلیغ، قلوب کے تزکیہ اور نفسیہ کا دیون کے قلع و قمع کے نہ وہ مدعی ہوتے ہیں، اور نہ یہ خواص اور کارنامے ان سے ظاہر ہوتے ہیں، لیکن انبیا علیہم السلام کی معصوم زندگی، پاک اخلاق، مقدس اعمال اور دیگر پیغمبرانہ خصائص و کیفیات خود ان کی نبوت کی منادی کرتے رہتے ہیں، قدم قدم پر خدا ان کی دعوت کی تائید کرتا ہے، ان کی صدائے حق، جماعتوں، قوموں اور ملکوں میں روحانی انقلاب پیدا کر دیتی ہے، ان کی سچائی، راستی، اور صداقت پر انکے سوانح حیات کا حرف حرف گواہ ہوتا ہے، وہ سونے چاندی پر نہیں بلکہ دلوں پر اخلاص و ایثار اور صدق و صفا کی مہر لگاتے ہیں، ایک ساحر اور مسمریزر خواص اشیاء میں انقلاب پیدا کر سکتا ہے، مگر کافر کو مومن، بدکار کو عفیف، بیباک کو متقی، بخیل کو فیاض، سخت کو نرم،

اور جاہل کو عالم نہیں بنا سکتا، وہ لوہے کو زرِ خالص کی صورت میں بدل سکتا ہے، لیکن کسی زنگ آلود دل کو جلا نہیں دے سکتا،

یہ ظاہری اشتباہ اور التباس صرف نبی اور ساحر و متنبی (جھوٹے پیغمبر) ہی میں نہیں ہے، بلکہ دنیا کی ہر حقیقت اسی طرح اپنے مقابل سے مشتبہ اور ملی جلی ہوئی ہے، صبر اور بے حمیتی، توکل اور کاہلی، بخل اور کفایت شعاری، سخاوت اور اسراف، حق گوئی اور گستاخی، شجاعت اور تہور، ان کے ڈانڈے باہم اس قدر ملے ہوئے ہیں کہ انسان کی قوت ممیزہ کبھی کبھی دھوکا کھا جاتی ہے لیکن اہلِ نظر ان دونوں حقیقتوں کے ظاہری تشابہ سے فریب میں نہیں آتے، ان دونوں کی ظاہری شکل و صورت گو ایک ہو، مگر ان دونوں کے خصائص و آثار اس درجہ متفاوت اور متمائز ہیں کہ وہ ایک دوسرے کے حدود اور فرق و امتیاز کو فوراً پہچان لیتے ہیں، جب پیغمبر اپنا معجزہ، اور جادوگر اپنا کرتب دکھلاتے ہیں تو ظاہری حیرت زائی کے لحاظ سے عوام کے نزدیک ایک لمحہ کے لیے گو دونوں ایک ہوں، مگر جب حقیقت کا پردہ چاک ہو جاتا ہے، تو ایک اخلاق کا مجسمہ، پاکیزگی کا فرشتہ، شریعت کا حامل، گنہگاروں کا طبیب اور قلوب کا معالج ہوتا ہے، اور دوسرا محض تماشا گر، یا شعبدہ باز، یا مصنوعی حیلہ گر اور نقال،

ایک عطائی اور طبیب حاذق، ایک معمولی سپاہی اور ایک بہادر جنرل، ایک حرف شناس اور ماہر علوم، ایک مکار اور زاہد، ایک مصنوعی اور حقیقی صوفی کے درمیان شاید کبھی عوام فرق نہ کر سکیں، مگر جب ان دونوں کے آثار و خصائص اور علامات و قرائن

باہم ملائے جائیں تو ظلمت و نور کی طرح ان دونوں میں علانیہ فرق محسوس ہو جاتا ہے،

مولانائے روم نے اس فرقِ مراتب کو مثنوی میں نہایت عمدہ تشبیہات کے ذریعہ سے ظاہر کیا ہے، فرماتے ہیں :-

صد ہزاراں ایں چنیں اشباہ ہیں — فرق شاں ہفتاد سالہ راہ ہیں

اس طرح کی لاکھوں ہم شکل چیزیں ہیں — لیکن ان میں کوسوں کا فاصلہ ہے،

ہر دو صورت گر بہم مانند راست — آبِ تلخ و آبِ شیریں را صفاست

دونوں کی صورتیں اگر باہم مشابہ ہوں تو کچھ ہرج نہیں، میٹھا اور تلخ پانی دونوں کا رنگ ایک ہی طرح صاف ہوتا ہے

ہر دو نے یک گل خورد و نے نحل — لیک شد زاں نیش و زیں دیگر عسل

بھڑ اور شہد کی مکھی ایک ہی پھول چوستی ہیں — لیکن اُس سے زہر اور اس سے شہد پیدا ہوتا ہے،

ہر دو گوں آہو گیا خورد و نے آب — زیں یکے سرگیں شد و زاں مشک ناب

دونوں قسم کے ہرن ایک ہی گھاس کھاتے اور ایک ہی پانی پیتے ہیں، مگر اس سے مینگنی اور اُس سے مشک پیدا ہوتا ہے

ہر دو نے خورد و نے از یک آب خور — آں یکے خالی و ایں پُر از شکر

دونوں قسم کی نے، ایک ہی سرچشمہ سے پرورش پاتی ہیں — لیکن ایک نے سے خالی اور دوسرے سے شکر پیدا ہوتی ہے

ایں خورد و زاید، ہمہ بخل و حسد — وآں خورد آید ہمہ نور احد

ایک آدمی غذا کھاتا ہے تو اس سے بخل و حسد پیدا ہوتا ہے، اور دوسرا وہی غذا کھاتا ہے تو اس سے خدائی نور پیدا ہوتا ہے

ایں زمیں پاک ست و آں شور ست دبد — ایں فرشتہ پاک و آں دیو است و دد

یہ زمین سبزہ حاصل ہے اور وہ بنجر ہے — یہ مقدس فرشتہ ہے اور وہ شیطان اور جانور

بحر تلخ و بحر شیریں درمیاں درمیان شاں برزخ لا یبغیان"

شیریں اور تلخ سمندر ملے ہوئے ہیں، مگر ان کے درمیان ایک حد فاصل ہے جس سے تجاوز نہیں کر سکتے

نہ تو قلب و نہ تو زر نیکو درعیار بے محک ہرگز نہ دانی ز اعتبار

کھوٹے اور کھرے سونے کی تمیز کسوٹی کے بغیر نہیں ہو سکتی

صالح و طالح بہ صورت مشتبہ دیدہ بکشائی کہ گردی منتبہ

نیک اور بدکار کی صورتیں ملتی جلتی ہیں آنکھیں کھولو تو تمیز ہو سکے گی

بحر را نیمیش شیریں چو شکر طعم شیریں، رنگ و شن چوں قمر

دریا کا آدھا حصہ شکر کی طرح شیریں ہے مزا میٹھا اور رنگ چاند کی طرح سپید ہے

نیم دیگر تلخ ہمچو زہر مار طعم تلخ و رنگ مظلم قیر وار

دوسرا نصف حصہ سانپ کے زہر کی طرح ہو مزا کڑوا، اور رنگ تارکول کی طرح سیاہ ہے

اے بسا شیریں کہ پوشکر بود لیک زہر اندر شکر مضمر بود

بہت سی ایسی چیزیں ہیں جو شکر کی طرح میٹھی ہیں لیکن اس کے باطن میں زہر چھپا ہے

جز کہ صاحب ذوق نشناسد بیاب او شناسد آب خوش از شور آب

صاحب ذوق کے سوا اور کون پہچان سکتا ہے وہی تمیز کر سکتا ہے کہ یہ پانی میٹھا ہے اور یہ کھارا

جز کہ صاحب ذوق نشناسد طعوم شہد را تا خوردہ کے داند ز موم

صاحب ذوق کے سوا مزے کی تمیز اور کون کر سکتا ہے جبتک شہد کو نہ کھائے موم اور شہد میں کیونکر تمیز کر سکے

سحر را با معجزہ کردہ قیاس ہر دو را یکسر پندارد اساس

اس نے سحر کو معجزہ پر قیاس کیا — اور سمجھا کہ دونوں کی بنیاد فریب پر ہے

زر قلب و زر نیکو در عیار — بے محک ہرگز نہ دانی ز اعتبار

تم کھوٹے اور کھرے سونے کو — کسوٹی کے بغیر تمیز نہیں کر سکتے

ہر کرا در جان خدا بنہد محک — ہر یقین را باز داند او ز شک

خدا نے جس کی روح میں کسوٹی رکھی ہے — وہی یقین اور شک میں تمیز کر سکتا ہے

چوں شود از رنج و علت دل سلیم — طعم صدق و کذب را باشد علیم

جب آدمی کے دل میں بیماری نہیں ہوتی — تو وہ صدق اور کذب کے مزے کو پہچانتا ہے

اب صرف یہ شبہہ رہ جاتا ہے کہ جو قوت حیرت زا خوارق کی قدرت رکھتی ہے اسکا رخ بھی نہایت آسانی کے ساتھ بدلا جا سکتا ہے، یعنی ساحر بے تکلف اپنی ساحرانہ قوت کو دنیا کے تزکیۂ اخلاق و اصلاحِ عالم میں صرف کر سکتا ہے، اور اس سے کوئی محال عقلی لازم نہیں آتا، لیکن امکان عقلی اور امکانِ واقعی دو مختلف چیزیں ہیں، یہ عقلاً ممکن ہے کہ ہر شخص بادشاہ ہو سکتا ہے، عالمِ عصر ہو سکتا ہے، کشور کشا ہو سکتا ہے، مگر واقعاً اور عملاً یہ قدرت ہر شخص کو حاصل نہیں ہوتی:

اس لیے ساحر محض ایک تماشا گر ہوتا ہے، اس میں یہ قدرت ہی نہیں ہوتی کہ وہ اس قوت سے تزکیۂ نفوس، تطہیرِ اخلاق اور اصلاحِ عالم کا کام لے سکے، یہی وجہ ہے کہ آج تک کسی ساحر اور شعبدہ گر نے اصلاحِ عالم کا فرض ادا نہیں کیا، لیکن پیغمبر اپنے معجزات کارناموں سے دنیا کو الٹ دیتا ہے، بدی کے کانٹوں کو ہٹا کر نیکی کے گل و ریحان سے

اس فلاکدان عالم کو سجا دیتا ہے،

معجزہ دلیل نبوت ہو سکتا ہے یا نہیں

اسی تقریر سے یہ مسئلہ بھی حل ہو جاتا ہے کہ معجزہ دلیل نبوت ہے یا نہیں؟ اشاعرہ کا جواب اثبات میں اور معتزلہ کا نفی میں ہے، اس مسئلہ پر سب سے زیادہ سیر کن بحث ابن رشد نے کشف الادلہ میں کی ہے، اور ثابت کیا ہے، کہ معجزہ دلیل نبوت نہیں ہو سکتا. کیونکہ منطقیانہ حیثیت سے دعویٰ اور دلیل میں مناسبت کا ہونا ضروری ہے، اور معجزہ اور نبوت میں کسی قسم کی مناسبت نہیں پائی جاتی، مثلاً جب ایک شخص نبوت کا دعویٰ کرتا ہے تو اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ خدا کی طرف سے قوم کے عقائد و اعمال اور اخلاق کی اصلاح کے لیے مبعوث ہوا ہے، لیکن جب اس سے اس دعویٰ کی تصدیق کے لیے دلیل طلب کی جاتی ہے تو وہ خشک جسم کو پانی سے لبریز کرتا ہے، چاند کو دو ٹکڑے کر دیتا ہے، لاٹھی کو سانپ بنا دیتا ہے، یہ تمام واقعات اگرچہ نہایت عجیب و غریب ہیں، لیکن ان دلائل کو دعویٰ کے ساتھ کیا مناسبت ہے؟

فرض کیجئے کہ ایک شخص دعویٰ کرتا ہے کہ وہ فلسفہ اور ریاضی کا بہت بڑا ماہر ہے، اور اس کے ثبوت میں انسان کو جانور اور جانور کو انسان بنا دیتا ہے، تو اس واقعے سے اس کے فلسفہ اور ریاضی کا کمال کیونکر ظاہر ہو سکتا ہے؟ اشاعرہ اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ نبوت علم و عمل کے مجموعہ کا نام ہے، اور جو شخص نبوت کا دعویٰ کرتا ہے، اس کی نسبت یہ تسلیم کر لیا جاتا ہے کہ وہ ان دونوں چیزوں میں کمال رکھتا ہے، اور اسی کمال کے اظہار کے لیے معجزہ طلب کیا جاتا ہے، اور انبیاءؑ کے معجزات اگرچہ مختلف قسم کے ہوتے

ہیں۔ تاہم ان کو صرف دو نوع میں شمار کیا جاتا ہے، اخبار بالغیب اور تصرف فی الکائنات اور ان دونوں کو اجزائے نبوت کے ساتھ ربط و اتحاد ہے، اخبار بالغیب سے اس کے علمی کمال کا اظہار ہوتا ہے، اور تصرف فی الکائنات سے اس کی عملی قوت ظاہر ہوتی ہے، ایک اور مناسبت یہ ہے کہ معجزہ خرقِ عادت کا نام ہے، اس میں کوئی نزاع نہیں کہ اشیاء اور حقائق کے خصائص اور علل، خدا کے امر و حکم سے ہیں، اب جو شخص ان خصائص و علل کو اپنے معجزہ سے توڑ دیتا ہے، وہ گویا اس بات کا ثبوت دیتا ہے کہ جس برتر ذات نے ان اسباب و علل کو بنایا ہے، وہی اس کو توڑ سکتی ہے، اور یہ شکست و خرق چونکہ اس کے واسطہ سے ظاہر ہوا ہے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ اسی کا فرستادہ ہے، اس کی مثال یہ ہے کہ ایک بادشاہ اپنی رعایا کے پاس قاصد بھیجتا ہے، رعایا پوچھتی ہے کہ اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ تم بادشاہی قاصد ہو؟ وہ اس کے جواب میں بادشاہ کی مہر اور انگوٹھی پیش کرتا ہے، اگرچہ ظاہر ہے کہ قاصد کے دعوائے پیامبری کو مہر اور انگوٹھی سے براہ راست کوئی مناسبت نہیں، لیکن یہ مناسبت یوں ظاہر ہو جاتی ہے کہ یہ مہر اور انگوٹھی بادشاہ ہی کی نشانی ہے، جو ایک معمولی قاصد کے ہاتھ میں نہیں ہو سکتی، اس سے معلوم ہوا کہ وہ بادشاہ کی طرف سے نشانی دے کر بھیجا گیا ہے،

علم کلام کی کتابوں میں ایک عام مثال یہ دی جاتی ہے کہ ہر شخص کو معلوم ہے کہ شاہی دربار اور جلوس کے رسوم و آداب خاص ہوتے ہیں، بادشاہ دربار میں معمولی فرش پر نہیں بلکہ طلائی و نقرئی تخت پر بیٹھتا ہے، جلوس میں وہ پاپیادہ نہیں، بلکہ سوار ہو کر نکلتا ہے،

ایک شخص بادشاہ کی طرف سے قاصد بن کر مجمع عام میں آتا ہے، یہ مجمع اس کو شاہی پیامبر تسلیم کرنے سے انکار کرتا ہے، قاصد بادشاہ سے کہتا ہے کہ اے بادشاہ! اگر میں حقیقۃً تیرا فرستادہ ہوں تو رسم و عادت کے خلاف تو فرش پر جلوس فرما اور پیادہ پا محفل، بادشاہ اسکے مطابق دربار فرش پر جلوس کرتا ہے، اور پیادہ پا چلتا ہے۔ بادشاہ کا یہ عمل یقیناً اس بات کی تصدیق ہوگی کہ وہ شاہی قاصد ہے اسی طرح دنیا کے اسباب و علل، اس دنیا میں خدا کی بادشاہی کے رسوم و عادات ہیں، پیغمبر اس بات کا مدعی ہوتا ہے کہ وہ خدا کی طرف سے آیا ہے، کفار اسکے قاصد الٰہی ہونے سے انکار کرتے ہیں، وہ کہتا ہے، اے خدا اگر میں حقیقۃً تیرا فرستادہ ہوں تو اپنے رسوم و عادات کے خلاف معجزہ اور خرق عادت دکھا، وہ دکھاتا ہے، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ خدا کی طرف سے آیا ہے۔

لیکن معجزہ اگر دلیل نبوت ہے تو منطقی حیثیت سے یہ کس قسم کا استدلال ہے، ظاہر ہے کہ اس کو برہان یقینی نہیں کہا جا سکتا، تاہم دلیل کا انحصار صرف برہانیات میں نہیں ہے بلکہ اس کی اور بھی متعدد قسمیں ہیں، اور معجزہ ان مقدمات میں داخل ہو سکتا ہے۔

ابن رشد نے کشف الادلہ میں معجزہ کو خطابیات میں داخل کیا ہے یعنی معجزہ اگرچہ نبوت پر بالذات یقینی طور پر دلالت نہیں کرتا، تاہم جب کوئی پیغمبر سلسلۂ کائنات میں عجیب و غریب تصرف کرتا ہے تو اس کو دیکھ کر ہر شخص اس کے کمالِ روحانی کا اعتراف کرتا ہے۔ اور سمجھتا ہے کہ جو شخص ان عظیم الشان تصرفات کی قدرت رکھتا ہے، وہ ضرور اپنے دعوی میں صادق ہوگا۔ ان دونوں نتائج یعنی تصرف فی الکائنات اور اصلاحِ روحانی میں اگرچہ باہم کوئی تلازم نہیں، تاہم عوام کی دلفریبی کے لیے یہ کافی ہے:

لیکن اس سے زیادہ صحیح یہ ہے کہ یہ جدل ہے جس میں مسلماتِ خصم سے استدلال کیا جاتا ہے۔ اور تاریخی حیثیت سے معجزات کو قیاسِ جدل کہنا زیادہ موزوں ہوگا، زمانۂ قدیم سے یہ خیال چلا آتا ہے کہ جو لوگ پیغمبر ہوتے ہیں۔ ان میں کوئی نہ کوئی مافوق الفطرت قوت ضرور ہوتی ہے، اور وہی پیغمبر کو عام لوگوں سے ممتاز کرتی ہے، اس بنا پر جب کوئی پیغمبر کسی قوم میں مبعوث ہوتا ہے تو اس موروثی اور مسلمہ عقیدہ کی بنا پر تمام لوگ اس سے معجزہ طلب کرتے ہیں، اور پیغمبر کو مجبوراً دکھانا پڑتا ہے، یہ معجزہ اگرچہ ایک فلسفی کے لیے دلیل وحجت نہیں ہو سکتا، تاہم جو لوگ یہ تسلیم کرتے ہیں کہ معجزہ دلیلِ نبوت ہے، اور ان ہی کے طلب و اصرار سے اس معجزہ کا ظہور ہوا ہے، اُن کو اس کے ذریعہ سے ساکت کیا جا سکتا ہے، اور وہ اُن کے لیے دلیل ہو سکتا ہے۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ اشاعرہ اور معتزلہ کے درمیان اس بحث میں غلط مبحث ہو گیا ہے، اشاعرہ کا یہ کہنا کہ معجزہ دلیلِ نبوت ہے، اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ وہ منطقی دلیل ہے، اور معتزلہ کا اعتراض اسی وقت درست ہو سکتا ہے، جب اشاعرہ اس کو منطقی دلیل کہیں، دلیل کا لفظ یہاں منطقی محاورہ میں نہیں بلکہ عام اور لفظی معنی (نشان) میں استعمال ہوا ہے، اس بنا پر جب معجزہ سرے سے دلیلِ منطقی ہی نہیں تو یہ تلاش کرنا کہ وہ انواعِ دلیل کی کس قسم میں داخل ہے بے سود ہے، چنانچہ اشاعرہ خود کہتے ہیں کہ معجزہ کی دلالت نبوت پر دلالتِ عقلی نہیں، بلکہ عادی ہے، شرح مواقف بحثِ معجزات میں ہے:۔

وھذہ الدلالۃ لیست دلالۃ عقلیۃ	معجزہ کی دلالت نبوت پر محض دلالتِ عقلی نہیں ہوتی جیسے

محضة كدلالة الفعل على وجود الفاعل
ودلالة احكامه واتقانه على كونه عالما
بما صدر عنه فان الادلة العقلية ترتبط
بمدلولاتها ارتباطا لا يجوز تقديرها غير دالة
وليست المعجزة كذلك ..... بل هي
دلالة عادية كما اشار اليه
بقوله وهي عندنا اي الاشاعرة
اجراء الله عادته بخلق العلم
بالصدق عقيبة اي عقيب
ظهور المعجزات .

فعل کی دلالت وجود فاعل پر، یا فعل کے استحکام
ونظم کی دلالت، فاعل کے علم پر عقلی ہی کیونکہ دلائل
عقلی اپنے مدلولات کے ساتھ مربوط ہوتے ہیں اور
یہ فرض ناممکن ہی کہ وہ اپنے مدلول پر دال نہ ہوں اور
معجزہ کی دلالت کی صورت ایسی نہیں ہی بلکہ معجزہ کی
دلالت دلالت عادیہ ہے، جیسا کہ صاحب موقف
نے اپنے ان لفظوں میں کہا ہے کہ یہ دلالت ہمارے
(اشاعرہ کے) نزدیک اس بنا پر ہے کہ اللہ تعالیٰ
کی عادت یہ ہے کہ جب معجزہ صادر ہوتا ہی تو صاحب معجزہ
کی سچائی کا علم وہ لوگوں کے دلوں میں پیدا کر دیتا ہے،

آج کل کے محاورۂ علمی میں اشاعرہ کے اس قول کی تشریح کہ "معجزہ کی دلالت عقلی نہیں، بلکہ عادی ہے۔ یہ ہے کہ معجزہ منطقی نہیں، بلکہ نفسیاتی (سائیکالوجیکل) دلیل ہی عادت انسانی یہ ہے کہ جب کسی شخص سے کوئی غیر معمولی کارنامہ ظہور پذیر ہوتا ہے تو نفوس اسکی عظمت وکبریائی کے سامنے سرنگوں ہو جاتے ہیں، جب ایک شخص عام انسانی حالت سے بلند تر سطح میں آکر منجانب اللہ ہونے کا دعویٰ کرتا ہے، اور خوارقِ عادت اس سے ظاہر ہوتے ہیں تو عام متاثر طبع فوراً اس کے دعویٰ کو تسلیم کر لیتے ہیں۔

آج گو نبوت نہیں، مگر ولایت ہے، آج بھی جس شخص کی نسبت باخدا اور ولیِ

ہونے کا خیال لوگوں میں ہوتا ہے تو فوراً یہ سوال ہوتا ہے کہ اُن سے کچھ کراماتیں بھی صادر ہوتی ہیں؟ اگر جواب ہاں میں ملا، اور خود ذاتی مشاہدہ بھی ہوا تو اس شخص کی نسبت حسنِ اعتقاد بڑھ جاتا ہے۔ یہ عام تقاضائے انسانی ہے، اس میں مومن و کافر، عقلمند و بیوقوف اور زنگی و فرنگی کی کوئی تخصیص نہیں۔

لیکن جو طبیعتیں فطرۃً اثر پذیر نہیں، بلکہ معاند، متعصب اور کور باطن ہیں، اُن کے لیے یہ خوارق و معجزات قطعاً بے سود ہوتے ہیں۔ کیونکہ اُن کا عناد، تعصب اور کور باطنی حسن ظن کے بجائے ہمیشہ سوء ظن کی طرف رہنمائی کرتی ہے، اور وہ بڑے سے بڑے معجزہ کو بھی دیکھ کر یہی کہدیتے ہیں کہ یہ سحر و جادو، اور طلسم و نیرنگ ہے۔ اس لیے صحیح راستہ یہ ہے کہ مدعی نبوت کے اخلاق، خلوص، پاکیزگی و طہارت کا امتحان کیا جائے۔ جس میں یہ باتیں ثابت ہو جائیں گی عادۃً ناممکن ہے کہ وہ کاذب اور جھوٹا ہو، امام غزالی نے منقذہ میں، امام رازی نے مطالب عالیہ میں، اور عارف روم نے مثنوی میں نہایت تفصیل سے اس بحث کو لکھا ہے اور ثابت کیا ہے کہ نبوت کی اصلی دلیل معجزہ نہیں، بلکہ تعلیم و ارشاد اور قوتِ علم و عمل کا کمال ہے،

امام غزالی کی تقریر نبوت کے کچھ آثار و خواص ہیں، اگر کسی شخص کی نسبت یہ شبہہ ہو کہ یہ پیغمبر ہے یا نہیں۔ تو اس کا علم صرف اس کے احوال کی معرفت سے ہو سکتا ہے، یہ معرفت یا تو ذاتی مشاہدہ سے حاصل ہو، جیسی صحابہ کو تھی، یا خبر متواتر سے اور سن کر ہو، جیسی اب عام لوگوں کی ہے، نبوت کے آثار و کیفیات کی ذوق شناسی جس میں ہوتی ہے وہی آمادۂ

تصدیق ہوتا ہے مثلاً اگر تم کو طب اور فقہ سے کچھ واقفیت ہے، اور ان کا ذوق رکھتے ہو، تو جو شخص فقیہ یا طبیب ہونے کا دعویٰ کرتا ہے تم اُس کے احوال کو دیکھ کر اور اسکی باتیں سنکر فوراً یہ فیصلہ کر سکتے ہو کہ یہ طبیب یا فقیہ ہے یا نہیں، اور اسی طرح تم امام شافعی کی فقاہت اور جالینوس کی طبابت کی تصدیق تقلید سے نہیں، بلکہ اپنی ذاتی تحقیق سے کر سکتے ہو، گو آج امام شافعی اور جالینوس کا وجود نہیں، مگر ان کے سوانح اور تصنیفات پڑھ کر اب بھی تم کہہ سکتے ہو کہ امام شافعی فقیہ کامل اور جالینوس طبیب حاذق تھے، یا نہیں، اسی طرح گو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان نہیں، مگر آپ کی سیرتِ مبارکہ، آپ کی شریعت، آپ کی تعلیمات، آپ کے ارشادات موجود ہیں جن سے آپ کی نبوت کی تصدیق ہر شخص کر سکتا ہے، اسی معیار سے کسی مدعی نبوت کے دعوی پر یقین کرنا چاہیے، لاٹھی کے سانپ اور قمر کے شق ہونے سے نہیں کیونکہ اگر ان خوارق پر نظر ڈالو اور دوسرے بیشمار قرائن اور شہادتوں کو ان کے ساتھ نہ ملاؤ تو ممکن ہے کہ یہ خطرہ پیدا ہو کہ یہ جادوگری اور نظر بندی ہے[1]۔

امام رازی کی تقریر امام رازی نے مطالب عالیہ میں نبوت اور متعلقات نبوت کی بحث سب سے زیادہ استیعاب سے لکھی ہے، ان کی تقریر کا حاصل یہ ہے کہ جو لوگ نبوت تسلیم کرتے ہیں، ان میں دو جماعتیں ہیں، ایک کا مذہب یہ ہے کہ نبوت کی دلیل معجزہ ہے، یہ جمہور اہل مذاہب کا مسلک ہے، دوسرا مذہب یہ ہے کہ سب سے پہلے ہم کو خود

[1] المنقذ من الضلال ص ۳۵ و ۳۶ مصر

غور کرنا چاہیے کہ صداقت و راستی کیا ہے، اس کے بعد ہم ایک شخص کو دیکھتے ہیں، جو نبوت کے دعویٰ کے ساتھ لوگوں کو دین حق کی دعوت دیتا ہے۔ اس کی دعوت مؤثر ہوتی ہے اور وہ لوگوں کو باطل پرستی سے ہٹا کر حق پرستی کی طرف لا رہی ہے۔ تو ہم یقین کر لیں گے کہ یہ سچا پیغمبر ہے، یہ مذہب عقل سے قریب تر ہے اور اس راہ میں شکوک و شبہات کم ہیں،

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ انسانیت کا کمال، قوت علمی و عملی کی تصحیح تکمیل اور تزکیہ ہے، اس قوت کے لحاظ سے انسان کے تین طبقے ہیں، ایک وہ جو اس میں ناقص ہے، یا عام انسان ہیں، دوسرا وہ جو خود کامل ہے، مگر دوسروں کو کامل نہیں بنا سکتا یہ خواص اور صلحا کا درجہ ہے، تیسرا وہ جو خود کامل ہے، اور دوسروں کو بھی کامل کر دیتا ہے، یہ انبیاءؑ ہیں، اس کمال و نقص کے ہزاروں متفاوت درجے اور مرتبے ہیں، اور ان ہی کے لحاظ سے اُن کی قوت و مرتبہ کا اندازہ ہوگا، ان کی قوت علمی کے سامنے تمام مقدمات بدیہی ہوتے ہیں، اور مدد الٰہی پر ان کو عبور ہوتا ہے، اور ان کی قوت عملی اس عالم جسمانی میں تصرفات کرتی ہے، اور یہی معجزات کا مقصد ہے، اس قوت علمی و عملی کے کمال کے ساتھ یہ نظر آتا ہے کہ وہ ان دونوں کو جو ان لوگوں میں پست اور ناقص ہیں، اپنے فیض صحبت اور فیض تعلیم سے کامل کر دیتے ہیں، اور امراض قلبی کا وہ علاج کرتے ہیں، تو یہی ان کی نبوت کی دلیل ہے،

امام رازیؒ نے اس تفصیل کے بعد یہ دعویٰ کیا ہے کہ اثبات نبوت کا یہی طریقہ قرآن مجید نے اختیار کیا ہے، اور چند سورتوں کی تفسیر لکھ کر دکھایا ہے کہ ان میں نبوت کے

یہی آثار و خصائص بیان ہوئے ہیں،[1]

مولانا روم کے حقایق مولانا روم نے اس بحث کو عمدہ تشبیہات اور تمثیلات سے اس درجہ قریب الفہم بنا دیا ہے کہ تمام شکوک و شبہات رفع ہو جاتے ہیں۔ اس سے پہلے مولانا کے وہ اشعار لکھے جا چکے ہیں، جن میں یہ دکھایا ہے کہ نبوت کی تصدیق کے لیے سب سے پہلی چیز حسنِ ذوق ہے۔ اب شیریں اور آب شور، صورت و شکل اور رنگ و بو دونوں میں ایک ہوتے ہیں۔ مگر صرف صاحبِ ذوق ان دونوں کا فرق محسوس کر سکتا ہے، اسی طرح نبی اور متنبی گو ظاہری شکل و صورت اور دعوائے نبوت میں یکساں نظر آتے ہیں، مگر صاحب ذوق ان دونوں کے آثار و خصائص سے فوراً تمیز کر لیتا ہے۔

جز کہ صاحب ذوق نشناسد بیاں	غور کرو، صاحب ذوق کے سوا اور کون پہچان سکتا ہے
او شناسد آب خوش از شورِ آب	وہی تمیز کر سکتا ہے کہ یہ پانی میٹھا ہے اور یہ کھاری ہے
جز کہ صاحب ذوق نشناسد طعوم	صاحب ذوق کے سوا مزے کی تمیز اور کون کر سکتا ہے
شہد را ناخوردہ کے داند ز موم	اگر شہد نہ کھایا ہو تو موم اور شہد میں تمیز کیونکر کر سکتے ہو
سحر را با معجزہ کردہ قیاس	اس نے سحر کو معجزہ پر قیاس کیا
ہر دو را یکسر پندارد اساس	اور یہ سمجھا کہ دونوں کی بنیاد فریب پر ہے،

[1] مطالب عالیہ کا پیش نظر قلمی نسخہ ناقص ہے یہ فصل راغب پاشا نے اپنے صفحہ میں تمام کمال نقل کی ہے اور مولانا شبلی نے الکلام کے ضمیمہ میں اس کو شائع کر دیا ہے دیکھو صفحہ راغب پاشا، مطبوعہ مصر صفحہ ۲۷۷

زرِ قلب و زرِ تنیکو در عیار — تم کھوٹے اور کھرے سونے کا فرق

بے محک ہرگز نہ دانی ذا اعتبار — کسوٹی پر پرکھے بغیر نہیں کر سکتے،

ہر کرا در جاں خدا بنہد محک — خدا نے جی کی روح میں یہ کسوٹی رکھی ہے

ہر یقیں را باز داند از شک — وہی یقین اور شک میں تمیز کر سکتا ہے،

چوں شود از رنج و علت دل سلیم — جب آدمی کا دل بیماری سے پاک ہو

طعم صدق و کذب را داند علیم — تو وہ صدق و کذب کے فرق کو پہچان لیگا،

دوسری چیز طلب ہے جب تک دل میں کسی چیز کی طلب نہیں ہوتی، اس کی طرف التفات نہیں ہوتا، جس کا دل صداقت و راستی کا بھوکا نہیں وہ غذائے روحانی کا طالب نہیں، اور جب دل میں طلب اور روح میں بیقراری پیدا ہو جاتی ہے اس وقت وہ دلیل و برہان کے نفلی مباحث سے بہت بلند ہو جاتا ہے، کسی کو اگر پیاس ہو، اور وہ تم سے پانی طلب کرے، اور تم پانی کے گلاس کی طرف اشارہ کرو کہ یہ پانی ہے تو کیا وہ تمہارے اس دعویٰ پر دلیل مانگے گا؟ کہ پہلے یہ ثابت کرو کہ یہ پانی ہے، نہیں بلکہ وہ بلا دلیل نہایت شوق سے اپنا ہاتھ بڑھائے گا، اور پانی پینے لگے گا۔

تشنہ را چوں بگوئی، رو، شتاب — جب کسی پیاسے کو کہو کہ جلد جاؤ

در قدح آب است بستان زود آب — دیکھو وہ پیالہ میں پانی ہے

ہیچ گوید تشنہ کیں دعویٰ است — کیا کوئی پیاسا اسوقت یہ کہتا ہے کہ یہ فقط تمہارا

از برم اے مدعی! معذور شو — دعویٰ ہی ہے، چلو ہٹو۔

یا گواہ و حجتی بنما کہ این	یا کیا وہ یہ کہتا ہے کہ پہلے اس دعویٰ کی دلیل
جنس آب است و ازان ماء معین	لاؤ، یہ پانی ہے،
یا بہ طفلِ شیر، مادر بانگ زد	یا جب شیر خوار بچہ کو اسکی مان بلا کر کہتی ہے
کہ بیا من مادرم ہاں اے ولد	کہ اے بچہ! میں تیری مان ہوں،
طفل گوید مادرا حجت بیار	تو بچہ یہ کہتا ہے کہ اپنی مان ہونے پر دلیل پیش کرو
تا کہ با شیرت بہ گیرم من قرار	تب میں تمہارا دودھ پیوں گا،
در دلِ ہر امتی کز حق مزہ است	جس کے دل میں حق کا مزہ ہوتا ہے
روے و آوازِ پیمبر معجزہ است	اس کیلیے خود پیغمبر کا چہرہ اور پیغمبر کی آواز معجزہ ہوتی ہے
چوں پیمبر از بروں بانگے زند	جب پیغمبر باہر سے آواز بلند کرتا ہے تو
جانِ امت در دروں سجدہ کند	امت کی روح اندر ہی اندر سجدہ کرتی ہے
زانکہ جنس بانگ او اندر جہاں	سبب یہ ہوتا ہے کہ دنیا میں اسکی آواز کی سی کوئی
از کسے نشنیدہ باشد گوشِ جاں	آواز روح کے کانوں نے اس سے پہلے نہیں سنی تھی

تیسری چیز اتحاد جنسیت ہے۔ معجزات کا مقصد عموماً معارض کو لاجواب اور خاموش کرنا ہوتا ہے۔ لاجواب و خاموش کر کے تم خصم کو زیر کر سکتے ہو مگر اس کے دل میں تشفی نہیں پیدا کر سکتے۔ صحیح طریقہ یہ ہے کہ جن لوگوں کے دلوں میں سچائی اور راستی کا عنصر ہے وہ خود اپنی ہمجنس شے کے طلبگار اور خریدار ہوتے ہیں۔

موجبِ ایماں نباشد معجزات	درحقیقت معجزات ایمان کا عث نہیں ہوتے

بوے جنسیت کند جذبِ صفات — بلکہ اتحادِ جنسیت کی بو اسکے صفات کو اپنی طرف کھینچتی ہے،

معجزات از بہر قہر دشمن است — معجزات تو مخالف کو دبانے کے لیے ہوتے ہیں،

بوے جنسیت سوے دل بردن است — اور اتحادِ جنسیت کی بو دل کو متاثر کرنے کیلیے ہے،

قہر گردد دشمن امّا دوست نے — دبا کر تم دشمن کو زیر کر سکتے ہو مگر دوست نہیں بنا سکتے

دوست کے گردد بہ بستہ گردنے — جسکو زبردستی گردن باندھ کر زیر کر دو وہ دوست کیونکر ہو سکتا ہے

معجزات کا صدور اکثر اس طرح ہوتا ہے کہ معاندین یہ سمجھ کر کہ پیغمبر کاذب ہے۔ اُس سے کسی خرقِ عادت کا مطالبہ کرتے ہیں اور یقین کرتے ہیں کہ وہ اس کو پیش نہیں کر سکتا۔ اور اس طریقہ سے لوگوں میں اس کی رسوائی ہوگی۔ اور اس کے دعویٰ کی تکذیب ہو جائیگی۔ لیکن اللہ تعالیٰ اس خرقِ عادت کو ظاہر کر دیتا ہے۔ اور اس سے پیغمبر کی رسوائی اور فضیحت کے بجائے اس کی صداقت اور راست بازی اور عالم آشکارا ہو جاتی ہے۔ اور اس بنا پر معجزہ اُس کے صدق پر ایک نشانی اور آیت بن جاتی ہے۔ فرعون نے جادوگروں کو جمع کر کے چاہا کہ حضرت موسیٰؑ کو رسوا کرے۔ مگر یہی واقعہ حضرت موسیٰؑ کی کامیابی اور فرعون کی ناکامی کا سبب بن گیا۔ اور سینکڑوں جادوگروں نے حضرت موسیٰؑ کی دعوت پر صداے لبیک بلند کر دی۔ اس بنا پر معاندین کا وجود اعلان نبوت کی بلند آہنگی اور شہرت کے لیے ضروری ہے۔

منکراں را قصد، از لالِ ثقات — مخالفوں کا یہ ارادہ کہ طلب معجزہ سے نیکوکاروں کو

ذل شدہ عزّ و ظہور معجزات — لغزشیں دیدیں انکی ذات اور معجزات کے غلبہ و عزت

قصد شان زاں کارِ ذلِ ایں بدہ — ان کا ارادہ اس طلب معجزہ سے پیغمبر کی ذلت تھی

عین ذلّ اعزّ رسولاں آ ، ہ — لیکن یہی تذلیل کا ارادہ پیغمبروں کی عزت کا باعث ہو جاتا ہے،

گر نہ انکار آمدے از ہر بدے — اگر کوئی بد کارہ پیغمبر کا انکار نہ کرتا۔

معجزہ برہان چرا نازل شدے — تو معجزہ برہان بن کر کیوں نازل ہوتا

خصم منکر تا نہ شد: مصداق خواہ — جبتک فریق دوم دعویٰ کا منکر نہ ہو خواہانِ تصدیق نہ ہو

کے کند قاضی تقاضائے گواہ — قاضی گواہ و شاہد کب طلب کرتا ہے،

معجزہ ہمچو گواہ آمد ، زکی! — اسی طرح اے عقلمند! معجزہ بھی پیغمبر کا گواہ ہے

بہر صدقِ مدعی در پیشگی — جو مدعی کی تصدیق کے لیے سامنے آیا ہے۔

طعنہ چوں می آمد از ہر ناشناخت — جب کوئی ناشناس طعنہ کرتا تھا۔

معجزہ می داد حق و بنواخت — تو پیغمبر کو معجزہ دے کر نوازش فرماتا تھا

مکر آں فرعون سی صد توشدہ — فرعون موسیٰؑ کے مقابلہ میں سینکڑوں چالیں چلا

جملہ ذلِّ او و وبالِ او شدہ — مگر ان میں سے ہر ایک خود اسی کی ذلت اور سبکی کا باعث ہوئی

ساحراں آوردہ حاضر نیک و بد — اس نے اچھے برے ہر قسم کے جادوگر جمع کیے

تا کہ جرحِ معجزہ موسیٰ کند — تاکہ موسیٰؑ کے معجزہ کو باطل کرے،

تا عصا را باطل و رسوا کند — اور عصائے موسیٰ کی قوت کو باطل و رسوا کرے

اعتبار او ز دلہا پر کند — اور لوگوں کے دلوں سے اس کے اعتبار کو کھو دے

عین آں مکر آیتِ موسیٰ شدہ — لیکن عین یہی سازش موسیٰ کی صداقت کی نشانی ہو گئی

اعتبارِ آں عصا بالا شد ۔ اور اس سے اس عصا کی قدر و منزلت اور بڑھ گئی۔

معجزہ سے مقصود اگر معاندین کو خاموش اور رسوا کرنے کے علاوہ ان کے دلوں کو متاثر کرنا ہوتا تو اس کے لیے اس کی ضرورت نہ تھی کہ عصا کو سانپ بنایا جائے اور قمر کو دو ٹکڑے کر دیا جائے اور اس کے ذریعہ سے قلوب کو متاثر کیا جائے، ان جمادات و نباتات پر تصرف کر کے قلوب میں تصرف کرنے سے زیادہ صاف اور سیدھا راستہ یہ تھا کہ براہ راست خود دلوں میں تصرف کیا جائے کہ وہ صدائے نبوت کے سننے کے ساتھ لبیک پکار اٹھیں۔ معاندین کا معجزہ طلب فرقہ جو انبیاء سے جمادات و نباتات پر ان کے اثرات کا طالب ہوتا ہے، اور اس کے ذریعہ سے قبولِ ایمان پر آمادگی ظاہر کرتا ہے، خود اُن کی یہ طلب، ان کے ضمیر کی پستی اور قلب کی سیاہی کی دلیل ہے، جن کے آئینۂ دل پاک و صاف ہوتے ہیں، وہ بلا واسطۂ جمادات و نباتات پیغمبر سے براہ راست خود اس اثر کو قبول کرتے ہیں، اس کے علاوہ معجزہ سے ہر شخص کو ہدایت نہیں ملتی، اس کے لیے بھی استعداد کی ضرورت ہے، دریا کی طراوت اور اس کے روح افزا ہونے میں شک نہیں، لیکن اس میں خشکی کے پرند زندہ نہیں رہ سکتے،

معجزہ کاں بر جمادے اثر یا عصا یا بحر یا شق القمر

معجزہ جو بے جان چیزوں پر اثر و تصرف کرتا ہے، مثلاً عصا کا سانپ ہو جانا، سمندر کا پھٹ جانا، چاند کا دو ٹکڑے ہونا

گر اثر بر جان نہ بے واسطہ متصل گردد بہ پنہاں رابطہ

اگر وہ معجزہ براہ راست روح کو متاثر کرے، تو ظاہر اور روح سے اس کا رابطہ پیدا ہو،

بر جمادات آں اثر ہا عاریہ است　　آں پئے روحِ خوش متواریہ است

لیکن غیر ذی روح چیزوں پر اس کا اثر عاریۃً ہے، اور روح کے لیے وہ پوشیدہ ہے

تا ازاں جامد اثر گیرد ضمیر　　جنّد انان بے ہمولائے خمیر

مقصود یہ ہوتا ہے کہ اس غیر ذی روح شے کی اثر پذیری کو دیکھکر روحِ انسانی اثر پذیر ہو

بر زند از جانِ کامل معجزات　　بر ضمیرِ جانِ طالب چوں حیات

لیکن معجزہ روح کامل کو خود بے واسطہ اور براہ راست متاثر کرتا ہے اور طالب کے لیے زندگی ہوتا ہے

معجزہ بحر است و ناقص مرغِ خاک　　مرغِ خاکی رفت دریم، شد ہلاک

معجزہ کی مثال دریا کی ہے، اور ناقص کی خشکی کے پرندہ کی، خشکی کا پرندہ دریا میں جائے گا، تو ڈوب جائے گا۔

مرغِ آبی در دے ایمن از ہلاک　　ماہیاں را مرگ بے دریاست خاک

لیکن آبی پرندہ اس میں جائے تو موت سے بے پروا رہے گا۔ بلکہ مچھلیوں کے لیے تو دریا کے بغیر خشکی موت ہے

الغرض ناقصین اور معاندین کے لیے جس طرح صدق نبوت کے دوسرے دلائل بے کار ہوتے ہیں۔ معجزہ کی شہادت بھی بیکار ہوتی ہے۔ معجزہ طلب فرقہ شاذ و نادر ہی دولتِ ایمان پاتا ہے، لیکن وہ ہستیاں جو براہ راست پیغمبر کے وجود سے اثر پذیر ہوتی ہیں، ان کو قبول اثر کے لیے معجزہ کے واسطہ کی حاجت نہیں، ابوجہل معجزۂ جمادات دیکھ کر بھی کافر ہی رہا، اور ابوبکرؓ معجزۂ دل سے صدیق اکبر ہوئے، رضی اللہ تعالیٰ عنہ

از ستیزہ خواست بوجہل لعین　　معجزات از مصطفیٰ شاہ مبین

ابوجہل نے عناد سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے معجزہ طلب کیا۔

معجزہ جست از نبی ابوجہل سگ　　دید و نفزودش ازاں الا کہ شک

لیکن یہ معجزہ دیکھ کر بھی شک کے سوا، اس کو یقین نہ پیدا ہوا،

لیک آں صدیق حق، معجز نخواست　　گفت ایں رو خود نہ گوید غیر راست

لیکن ابوبکر صدیقؓ نے معجزہ طلب نہ کیا، انھوں نے کہا کہ یہ چہرۂ نبویؐ سچ کے سوا جھوٹ کہہ نہیں سکتا

صحابہ کو کیونکر رسالت کا یقین آیا

اب یہاں پہنچکر مفروضات اور نظریات کو جانے دیجئے، واقعات کو لیجئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب آوازۂ نبوت بلند کیا تو اُس آواز کی تائید کرنے والا کوئی دوسرا نہ تھا، عرب کا ذرہ ذرہ اس صدائے حق کا دشمن تھا، آپ پشتہا پشت کے خوگر وہ عادات کے ترک کی دعوت دیتے تھے، موروثی مذہب جو لوگوں کی رگ رگ میں سرایت کیے ہوئے تھا، آپ اس کی مذمت کرتے تھے، جن بتوں اور دیوتاؤں کے رعب و ہیبت سے وہ کانپتے تھے، آپ ان کو منہدم کرنے کا حکم دیتے تھے، سرقہ، ڈاکہ، لوٹ، مار، قتل، خونریزی، کینہ، عداوت، سود، قمار، زنا، شراب، غرض وہ تمام افعال جو عرب کے خصائص بن گئے تھے، آپ ان کا قلع قمع کرنا چاہتے تھے، علاوہ بریں آپؐ کے دست مبارک میں کوئی ظاہری مادی طاقت نہ تھی، دولت و خزانہ نہ تھا، اس دعوت کو قبول کرنے والوں کے لیے بجز مصائب اور بلا کے آپ کے پاس کوئی ظاہری قابل معاوضہ چیز نہ تھی، ہر شخص کو معلوم تھا کہ اسلام کا نام لینے کے ساتھ وہ اپنے گھر سے بیگانہ، اپنی جائداد سے محروم اپنے خاندان سے ناآشنا، اپنے وطن سے عجول اور اکابر شہر اور رؤسائے قریش میں رسوا و بدنام، اور

اور ہر قسم کی مصیبتوں کا ہدف اور نشانہ بن جائے گا، غریب مسلمانوں کے ساتھ جو کچھ بے رحمیاں اور سفاکیاں کی جارہی تھیں وہ سب کے سامنے تھیں، باایں ہمہ ایک خلقت تھی کہ آستانۂ محمدیؐ کی تلاش میں چلی آتی تھی، عرب کے دور دور کے قبائل سے لوگ چھپ چھپ کر پہنچتے تھے، اور بیعت کرکے واپس جاتے تھے، اور آخر وہ بھی جو سالہا سال تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن تھے، اسلام کے شدید مخالف اور بدر و اُحد اور احزاب و خندق کے بانی تھے، وہ بھی ایک روز سر اطاعت جھکانے پر مجبور ہوئے،

آخر اس کے کیا اسباب تھے؟ اور کیونکر ان کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور صداقت کا یقین آیا، عیسائیوں کی طرح یہ کہنا آسان ہے کہ محمدؐ نے لڑ کر لوگوں کو مطیع بنا لیا، لیکن سوال یہ ہے کہ ہزاروں جان نثار لڑنے والے کہاں سے اور کیونکر پیدا ہوئے، ان کو کس نے لڑ کر مطیع بنایا، اب اگر اسلام لانے والوں کے اسباب پر غور کیجیے تو معلوم ہوگا کہ سب کے اسلام لانے کا ایک ہی سبب نہ تھا، سینکڑوں ہزاروں آدمی ایک متحد نتیجہ کا یقین رکھتے ہیں، لیکن ان کے یقین کے اسباب و علل کی تلاش کیجیے تو معلوم ہوگا کہ ان میں سے ہر ایک کے یقین کے اسباب و علل اور اذعان کے طرق اور ذریعے مختلف ہیں، ہزاروں صحابہ نے آپؐ کی نبوت کی تصدیق کی، آپؐ کی رسالت پر ایمان لائے، آپؐ کی صداقت پر یقین کیا، مگر یہ تصدیق، یہ ایمان اور یہ یقین کسی ایک سبب کا نتیجہ نہ تھا، اس سے معلوم ہوا کہ صرف معجزہ ہی نبوت کی دلیل نہیں ہے، بلکہ ہر طبیعت صالحہ اور قلبِ سلیم کے لیے پیغمبر کی صداقت کی مختلف دلیلیں مؤثر اور کارگر ہوئی ہیں،

حضرت ابوبکرؓ صرف دعوے نبوت کو سن کر ایمان لے آئے، محض دعویٰ کی صداقت نے ان کو ہر دلیل و برہان سے بے نیاز کر دیا۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت عبیدہ بن جراحؓ یہ دیکھکر اسلام لے آئے کہ ابوبکرؓ سا دانشمند اس صداقت سے متاثر ہے، حضرت خدیجہؓ ایمان لائیں، مگر یہ کہہ کر کہ آپؐ جیسے اخلاق گرانمایہ کا انسان جو غریبوں کا مولیٰ مقروضوں کا ہادیٰ اور مسافروں کا ملجا ہے، کبھی شیطان کے پنجہ میں نہیں گرفتار ہو سکتا۔ حضرت انیس غفاریؓ اور حضرت عمرو بن عنبسہ سلمیؓ یہ دیکھ کر اسلام لائے کہ آپؐ مکارم اخلاق کا حکم دیتے ہیں، حضرت عمرؓ، حضرت طفیلؓ بن عمرو دوسی، حضرت جبیرؓ بن مطعم، نجاشی شاہ حبش وغیرہ سینکڑوں اشخاص کلام ربانی سن کر حلقہ بگوش ہو گئے، حضرت ضمادؓ بن ثعلبہ ازدی نے نفس کلمہ طیبہ سننے کے ساتھ نعرۂ حق بلند کر دیا، حضرت عبداللہؓ بن سلام چہرۂ انور کو دیکھتے ہی پکار اٹھے کہ یہ جھوٹے کا چہرہ نہیں، حضرت ضمامؓ بن ثعلبہ رئیس بنی سعد اس طرح اسلام لائے کہ انھوں نے بے تکلفی کے ساتھ دربار نبویؐ میں آکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قسم دلائی کہ تم کو سچ مچ خدا نے بھیجا ہے، اور جب آپؐ نے قسم کھائی تو وہ مسلمان ہو گئے۔

اوس و خزرج کے بہت سے لوگ اپنے یہودی ہمسایوں سے سنا کرتے تھے کہ ایک نبی آخر الزماں کا ظہور ہونے والا ہے، جب انھوں نے آپؐ کی تقریر سنی تو پہچان لیا کہ یہ وہی پیغمبر ہیں۔ فتح مکہ کے بعد سینکڑوں قبائل اسلام لانے پر اس لیے مجبور ہوئے کہ خانۂ خلیل ایک جھوٹے پیغمبر کے قبضہ میں نہیں جا سکتا، ایک پورا قبیلہ صرف آپؐ کی فیاضی سے متاثر ہو کر کلمۂ لا الٰہ الا اللہ پکار اٹھا، متعدد شعرائے عرب اور اصحاب علم صرف

قرآن مجید کے اثر کو دیکھ کر دل کو قابو میں نہ رکھ سکے، متعدد قریشی جانباز جو معرکۂ بدر سے مرعوب نہیں ہوتے تھے، مسلمانوں کے آدابِ اخلاق کو دیکھ کر اسلام لے آئے، صلح حدیبیہ کے بعد مکہ کے ہزاروں آدمیوں کو جب مسلمانوں سے بے تکلف میل جول کا موقع ملا تو وہ اسلام کی صداقت کے اعتراف پر مجبور ہو گئے، ابوسفیان جس کو نہ تو معجزات اور خوارقِ عادات متاثر کر سکے، اور نہ بدر و خندق کی تلواریں اس کو مرعوب کر سکیں، نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا برتاؤ و اخلاق اس کے سخت دل کو نرم کر سکا، وہ اس نظارہ کو دیکھ کر اپنے ضمیر کے اعتراف کو نہ روک سکا کہ قیصر روم، اپنے تختِ جلال پر بیٹھ کر، مکہ کے بوریا نشین پیغمبر کے پاؤں دھونے کی آرزو رکھتا ہے، ثمامہ بن آثال، ہند زوجۂ ابوسفیان، ہبار بن الاسود، وحشی قاتل حمزہ یہ دیکھ کر مسلمان ہو گئے کہ آپ دشمنوں کے ساتھ بھی کس محبت سے پیش آئے، قیصر روم صرف آپ کے چند اوصاف اور اسلام کے چند مناقب سن کر اظہارِ حق پر مائل ہو گیا، حضرت عدی بن حاتم قبیلۂ طے کے عیسائی رئیس تھے وہ آپ کو بادشاہ سمجھ کر مدینہ آئے، مگر یہاں انھوں نے دیکھا کہ مکہ کی ایک لونڈی آتی ہے، اور آپ اس کی حاجت روائی کو کھڑے ہو جاتے ہیں، یہ دیکھ کر ان کا دل اندر سے پکار اٹھا کہ آپ بادشاہ نہیں پیغمبر ہیں،

ایسے لوگ بھی تھے جو ان روحانی و اخلاقی معجزات کے مقابلہ میں مادی معجزات سے متاثر ہونے کی زیادہ قابلیت رکھتے تھے، قریش کے بہت سے لوگ فتح روم کی پیشین گوئی کو پوری ہوتے دیکھ کر اسلام لے آئے، ایک سفر میں ایک قبیلہ کی عورت آپ کی انگلیوں سے پانی کا چشمہ بہتے دیکھ کر اپنے قبیلہ میں جا کر کہتی ہے کہ آج میں نے عرب کے سب سے بڑے جادوگر کو

دیکھا، اور اسی استعجاب نے پورے قبیلہ کو مسلمان کر دیا، متعدد یہودی اس لیے مسلمان ہو گئے کہ گذشتہ انبیاء کی کتابوں میں آنے والے پیغمبر کی جو نشانیاں بتائی گئی تھیں، وہ حرف بہ حرف آپ میں صحیح نظر آتی تھیں، متعدد یہودی علماء نے آکر آپ کا امتحان لیا، اور جب آپ نے از روئے وحی انکے جوابات صحیح دیے تو وہ آپ کی نبوت پر ایمان لائے، ایک شخص نے کہا کہ میں اس وقت آپ کو سچا رسول تسلیم کروں گا، جب یہ خرمے کا خوشہ آپکے پاس آکر آپ کی رسالت کی شہادت دے، اور جب یہ تماشا اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تو مسلمان ہو گیا[1]، ایک سفر میں ایک اعرابی نظر آیا، آپ نے اس کو اسلام کی دعوت دی، اس نے کہا "آپ کی صداقت کی شہادت کون دیتا ہے"۔ آپ نے فرمایا "سامنے کا درخت"۔ اور یہ کہکر آپ نے اس درخت کو بلایا، وہ اپنی جگہ سے اکھڑ کر آپکے پاس آکر کھڑا ہو گیا، اور تین بار اس کے اندر سے کلمۂ توحید کی آواز آئی۔ یہ دیکھ کر وہ مسلمان ہو گیا[2]۔ سراقہ بن مالک جو ہجرت کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ صدیق کے تعاقب میں گھوڑا دوڑاتے آرہے تھے جب انھوں نے دیکھا کہ آپ کی دعا سے تین دفعہ ان کے گھوڑے کے پاؤں زمین میں دھنس گئے تو ان کو یقین ہو گیا کہ اسلام کے اقبال کا ستارہ نقطۂ اوج پر پہنچ کر رہیگا، چنانچہ خط امان حاصل کیا اور بعد کو مسلمان ہو گئے[3]

چوں پیمبر از برون بانگے زند — جانِ امت در درون سجدہ کند

بر زند از جانِ کامل معجزات — بر ضمیر جانِ طالب چوں حیات

[1] جامع ترمذی، معجزات ص ۶۰۳ [2] مسند دارمی، باب ما اکرم اللہ نبیہ من ایمان الشجر [3] صحیح بخاری جلد اول، ہجرت۔

دلائل و معجزات

اور

عقلیاتِ جدیدہ

نوشتۂ مولانا عبدالباری صاحب ندوی، سابق استاذ فلسفۂ جدید، عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد دکن

وَمَا تُغْنِي الْآيَاتُ وَالنُّذُرُ عَن قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُونَ

جو لوگ ایمان نہیں رکھتے ان کے لیے آیات و نذر بیکار ہیں.

لیکن

در دل ہر کس کہ دانش رامزہ است — رنے و آوا از پیمبر معجزہ است (عارف رومؒ)

متکلمین و حکماے اسلام نے عقلی حیثیت سے معجزہ کے متعلق جو کچھ لکھا ہے. وہ گذشتہ مباحث میں نظر سے گذر چکا ہے، "سیرت" کے اس حصہ کو اصلاً معجزاتِ نبویؐ کی نقلی اور روایاتی تحقیق سے تعلق تھا. تاہم ضمناً قدیم کلامی مباحث بھی ایک حد تک آگئے ہیں، ذیل میں اس موضوع پر صرف عقلاے مغرب کی ترجمانی کرنی ہے، اور جدید تحقیقات و خیالات کی روشنی میں جو نتائج نکلتے ہیں، ان کو پیش کرنا ہے.

آغاز کتاب میں نبوت اور معجزہ کے مفہوم کی نسبت جو کچھ لکھا گیا ہے، سب سے پہلے اس پر ایک نظر اور ڈال لو،

مفہوم نبوت جس طرح رات کی تاریکی کے بعد دن کی روشنی کا آنا قانون قدرت ہے اسی طرح یہ بھی ایک سنۃ الٰہی ہے کہ جب عالم انسانیت پر ضلالت و گمراہی کی تاریکی چھا جاتی ہے تو اس کے مطلع سے ہدایت و رہنمائی کا نور طلوع کرتا ہے، اور اگرچہ جس طرح ظلمتِ شب میں چھوٹے بڑے ستارے اپنی جھلملاہٹ سے کچھ نہ کچھ روشنی پیدا کرتے رہتے ہیں اسی طرح عام مصلحین و مجددین کا سلسلہ بھی کسی نہ کسی حد تک ضلالتِ انسانی کی سیاہی کو کم کرتا رہتا ہے، تاہم آفتاب کی ضیا پاشی کا عالم ہی کچھ اور ہوتا ہے، اس کے سامنے ستاروں کی جھلملاہٹ بالکل ماند پڑ جاتی ہے، اور کرۂ ارض دفعۃً بقعۂ نور بن جاتا ہے۔

سلسلۂ مصلحین کے اسی آفتابِ ہدایت کا نام ادیان و شرائع کی اصطلاح میں نبی پیغمبر، یا رسول ہے، عام مصلحین کے ہاتھ میں صرف انسانی عقل و بصیرت کی مشعل ہوتی ہے لیکن مشکوٰۃ نبوت سے جو نورِ ہدایت ملتا ہے اس کا سرچشمہ وہ "نور السموات والارض" ہوتا ہے، جس سے عام ماوی آنکھیں خیرہ ہوتی ہیں، پیغمبر وہ کچھ دیکھتا ہے جو ہم نہیں دیکھتے، وہ کچھ سنتا ہے جو ہم نہیں سنتے، اس کے احوال و کوائف سے ہم ناآشنا، اور اس کے عقل و حواس ہم بیگانہ ہوتے ہیں، مختصراً یوں سمجھو کہ پیغمبر از خصائص کی اصلی روح عالمِ ناسوت سے ماورا کسی عالمِ غیب کے ساتھ تعلق و ربط ہے، انسان اسی عالمِ اسرار و غیوب کو اپنی حدود تعبیر میں عالمِ قدس، عالمِ روح، عالمِ مثال وغیرہ سے موسوم کرتا ہے۔

مفہوم معجزہ حامل رسالت اپنے ابنائے جنس کو جو دعوت دیتا ہے، اور دنیا کو جو پیام پہنچاتا ہے، اس کی سچائی کی واضح ترین دلیل یا آیت، اگرچہ خود یہ پیام اور اس کے حامل کا

محکم وجود ہوتا ہے، تاہم بہ اقتضائے لیطمئنّ قلبی یا بہ لحاظ اتمامِ حجت اس داعی حق کے تعلق سے کچھ ایسے واقعات ظاہر ہوتے ہیں جو عام حالات میں انسانی دسترس سے ہر نظر آتے ہیں، اور ان کی توجیہ و تعلیل سے انسانی عقل اپنے کو ناتواں پاتی ہے۔

حضرت ابراہیمؑ پر آگ سرد ہو گئی، حضرت موسیٰ کا عصا اژدہا بن گیا، حضرت عیسیٰؑ بے باپ کے پیدا ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چشم زدن میں "مسجد حرام" سے لیکر "مسجد اقصیٰ" و "سدرۃ المنتہیٰ" تک کی سیر کر لی، ان واقعات کی توجیہ سے چونکہ عقل انسانی عاجز ہے، اس لیے ان میں ایک طرح کا **غیب** نظر آتا ہے، اور جس شخص کے تعلق سے ان کا ظہور ہوتا ہے، عالم غیب کے ساتھ اس کے روابط کی نشانی و آیت یا تائید غیبی کا کام دیتے ہیں قرآن مجید کی زبان میں اس قسم کے واقعات کا نام بینات، براہین یا زیادہ تر آیات (یا آیات بینات) ہے۔ محدثین ان کو "دلائلِ نبوت" سے تعبیر کرتے ہیں، اور حکماء و متکلمین کی اصطلاح میں ان ہی کو **معجزات** کہا جاتا ہے،

ترتیب مباحث معجزات کی جو نوعیت ہے اس کے لحاظ سے سب سے پہلی بحث یہ پیدا ہوتی ہے کہ آیا ان کا وقوع ممکن بھی ہے یا نہیں؟ قدماء نے علل مخفیہ وغیرہ سے توجیہ معجزات کی جو کوششیں کی ہیں ان کا مدعا حقیقۃً امکان ہی کو ثابت کرنا ہے۔ مگر حکمت و فلسفہ کے دور جدید میں امکان کے ساتھ ایک دوسری زیادہ اہم بحث شہادت کی پیدا ہو گئی ہے، نفس امکان سے تو اب شاید ہی کسی حکیم یا فلسفی کو انکار ہو، البتہ یہ امکان اس قدر بعید الوقوع معلوم ہوتا ہے کہ یقینِ وقوع کے لیے عام واقعاتِ تاریخی کے درجہ کی شہادت

کافی نہیں خیال کی جاتی،

لیکن چونکہ امکان اور شہادت دونوں کی بحث کا اصلی مرجع معجزانہ واقعات کا قابل یقین و ارزاں ہونا یا نہ ہونا ہے، اس لیے امکان و شہادت دونوں سے زیادہ اہم سوال خود یقین کی ماہیت و اسباب کا ہے، تعجب ہوتا ہے کہ اس طرف بحث معجزات کے ضمن میں متقدمین و متاخرین میں سے جہاں تک علم ہے، کسی کا بھی ذہن نہیں گیا صفحات ذیل میں نہ صرف اس اہم سوال کا مستقلاً جواب دیا گیا ہے، بلکہ دراصل یہی جواب معجزہ کے متعلق تمام مباحث کا مقطع اور خاتمۂ سخن ہے،

بہرکیف اس خاکہ کی بنا پر ترتیب مباحث یہ ہوگی،

۱- امکان معجزات،

۲- شہادتِ معجزات،

۳- استبعاد معجزات،

۴- یقین معجزات،

۵- غایت معجزات،

امکان معجزات

یوں تو یورپ میں معجزات پر بیسیوں مستقل کتابیں تصنیف ہو چکی ہیں، لیکن سچ یہ ہے کہ اس بحث پر ہیوم[1] نے جو چند اوراق لکھے تھے، وہ سارے طومار پر بھاری ہیں،

[1] Human under standing "فہم انسانی" (باب بحث معجزات)

اور گو فلسفیانہ نقطۂ نظر سے اس موضوع پر یہ سب سے پہلی تحریر تھی، تاہم وقوعِ معجزات کے خلاف جو آخری حربہ استعمال کیا جا سکتا ہے، وہ بھی یہی ہے یہی وجہ ہے کہ اس اوراق پر کم و بیش دو صدیاں گذر جانے پر بھی موافق و مخالف دونوں کے قلم کی روشنائی ان ہی نقوش کے مٹانے یا اجاگر کرنے میں صرف ہوتی رہی ہے،

ہیوم کا استدلال | ہیوم کے استدلال کا اصل یہ ہے کہ

(۱) انسان کے علم و یقین کا مدار تمامتر تجربہ پر ہے، جس طرح آدمی تجربہ سے یہ جانتا ہے کہ آگ لکڑی کو جلاتی اور پانی سے بجھ جاتی ہے، اسی طرح تجربہ ہی کی بنا پر وہ اس کا بھی یقین رکھتا ہے کہ جب تک دروغ بیانی کا کوئی خاص سبب نہ ہو لوگ علی العموم سچ بولتے ہیں، یعنی جس چیز کی وہ روایت یا تصدیق کرتے ہیں، وہ عام طور پر تحقیق کے بعد صحیح ثابت ہوتی ہے،

(۲) جس نسبت سے کسی امر کے متعلق گذشتہ تجربات کی شہادت قوی یا ضعیف ہوتی ہے، اسی نسبت سے ہمارے دل میں اذعان، شک یا انکار کی کیفیت پیدا ہوتی ہے، اور ہونی چاہیے،

فرض کرو کہ تمہارے محلہ میں ساٹھ ستر برس کی عمر کا ایک بوڑھا فقیر رہتا ہے جس کو تم بچپن سے دیکھتے ہو کہ چیتھڑے لپیٹے ہوئے بھیک مانگ کر زندگی بسر کرتا ہے، پیری و فاقہ کشی سے ہڈیوں کا صرف ڈھانچ رہ گیا ہے، کل تک تم نے اس کو اسی حال میں دیکھا تھا، آج تمہارا ایک پڑوسی آکر کہتا ہے کہ "وہ بیچارہ بڈھا فقیر رات کو مر گیا، تم کو اس بیان کے اوّل

کرنے میں کوئی تامل نہیں ہوتا، لیکن یہی پڑوسی اگر یہ بیان کرے کہ میں نے اس فقیر کو نہایت قیمتی لباس میں اعلیٰ درجہ کی موٹر پر سوار واہٹ وے کی دوکان پر کچھ چیزیں خریدتے دیکھا تو تم کو سخت اچنبھا ہوگا، اور اگر پڑوسی کی صداقت کا غیر معمولی طور پر تم کو اعتبار نہیں ہے یا اور بہت سے معتبر لوگ اس کی تصدیق نہیں کرتے تو اس بیان کے قبول کرنے میں تم بہت زیادہ پس و پیش کرو گے، تیسری صورت یہ فرض کرو کہ اس پڑوسی نے یہ بیان کیا کہ میں نے اس پیر فرتوت، پوست واستخوان فقیر کو آج دیکھا کہ بیس پچیس برس کا جوان رعنا ہے، اب تم اسے پڑوسی کو یا تو محض لاغی سمجھو گے یا یہ خیال کرو گے کہ اس کو کچھ نہ کچھ دھوکا ہوا ہے لیکن اس بیان کی واقعیت کا اذعان ہرگز تمہارے دل میں نہ پیدا ہوا ہوگا، کیوں؟

صرف اس لیے کہ اس قسم کی مثال انسان کے گذشتہ تجربات میں ایک بھی نہیں ملتی، اسی بنا پر اس کو خلافِ فطرت یا خارقِ عادت قرار دیا جاتا ہے، جس کو تسلیم کرنے کے بجائے یہ سمجھ لینا کہیں زیادہ قرینِ قیاس ہے کہ راوی کو کوئی دھوکا ہوا، یا وہ دانستہ جھوٹ بول رہا ہے، کیونکہ سچے سے سچے آدمی کا جھوٹ بول دینا، یا عاقل سے عاقل انسان کا دھوکا کھا جانا، بجائے خود ایک نادر الوقوع شے سہی، تاہم عدیم الوقوع نہیں ہے اور خرقِ عادت کے مقابل میں اس کا وقوع بہت زیادہ ممکن و قابلِ قبول ہے،

(۳) معجزہ اسی صنف کے عدیم الوقوع یا قانونِ فطرت کے خارقِ واقعہ سے عبارت ہوتا ہے، ورنہ پھر وہ معجزہ نہیں رہتا، اس لیے کہ اگر محض نادر الوقوع شے کا نام ہو جس طرح کہ کسی آخری درجہ کے مدقوق کا صحت یاب ہو جانا، یا ایک مفلس کا رات بھر میں دولتمند

ہو جانا، تو یہ ایسے واقعات ہیں جن کی توجیہ کے لیے عام انسانی زندگی ہی میں کچھ نہ کچھ تجربات ملتے ہیں، مثلاً مفلس کے گھر میں کوئی دفینہ نکل آسکتا ہے، بخلاف اس کے معجزہ کی حقیقت ہی یہ ہے کہ اس کی تعلیل و توجیہ عام تجربات کی دسترس سے باہر ہو،

اس لیے معجزہ گویا بذات خود آپ اپنی تردید ہے،

اس استدلال کو خود ہیوم کے الفاظ میں بھی سن لینا چاہیے:

"معجزہ نام ہے قوانینِ فطرت کے خرق کا، اور چونکہ یہ قوانین مستحکم اور اٹل تجربہ پر مبنی ہوتے ہیں، اس لیے معجزہ خود اپنے خلاف اتنا زبردست ثبوت ہے کہ اس سے بڑھ کر کسی تجربی ثبوت کا تصور ہی نہیں ہو سکتا۔ یہ وجہ ہے کہ ہم ان باتوں پر قطعی یقین رکھتے ہیں کہ تمام انسان فانی ہیں، سیسہ آپ ہی آپ ہوا میں معلق نہیں رہ سکتا۔ آگ لکڑی کو جلاتی اور پانی سے بجھ جاتی ہے۔ صرف یہی کہ یہ امور قوانین فطرت کے مطابق ثابت ہو چکے ہیں اور اب ان کا توڑنا یعنی قوانینِ فطرت کے توڑنے، یا یہ الفاظ دیگر یوں کہو کہ بلا معجزہ کے ناممکن ہے: جو چیز عام قانون فطرت کے اندر واقع ہوتی ہے وہ کبھی معجزہ نہیں خیال کی جاتی۔ مثلاً یہ کوئی معجزہ نہ ہوگا کہ ایک آدمی جو دیکھنے میں تندرست و توانا ہے، اچانک مر جائے، کیونکہ اس قسم کی موت گو نسبتہً قلیل الوقوع سہی، لیکن پھر بھی بارہا مشاہدہ میں آچکی ہے۔ البتہ یہ معجزہ ہوگا کہ کوئی مردہ زندہ ہو جائے، کیونکہ ایسا کبھی کسی ملک میں نہیں دیکھا گیا ہے، لہٰذا جس واقعہ کو معجزہ کہا جاتا ہے، اس کے خلاف تجربہ کا مستمر و متواتر ہو جانا ضروری ہے، ورنہ پھر یہ معجزہ کے نام سے موسوم ہوگا، اور چونکہ کسی شے کا متواتر تجربہ خود ایک قطعی ثبوت ہے۔ تو گویا معجزہ

کی نفس حقیقت و ماہیت ہی میں اس کے وجود کے خلاف ایک قطعی و براہ راست ثبوت موجود ہے، اور ایسا ثبوت جو نہ اس وقت تک معجزہ کو ثابت ہونے دے سکتا ہے، اور نہ خود باطل کیا جا سکتا ہے، جب تک اس کے خلاف اس سے بڑھ کر ثبوت نہ پیدا کیا جائے"۔

"لہٰذا صریح نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ جو ایک کلی اصول کی حیثیت رکھتا ہے کہ کوئی تصدیق و شہادت معجزہ کے اثبات کے لیے کافی نہیں ہو سکتی، تاوقتیکہ یہ ایسی نہ ہو جس کی تکذیب خود اس معجزہ سے بڑھ کر معجزہ ہو، جس کو یہ ثابت کرنا چاہتی ہے، اور اس صورت میں بھی دلائل میں باہم تصادم ہوگا، جو دلیل جتنی زیادہ قوی ہوگی، اپنی زائد قوت کے مناسب یقین پیدا کرے گی، فرض کرو کہ ایک شخص آکر مجھ سے کہتا ہے کہ اس نے ایک مردہ کو دیکھا کہ زندہ ہو گیا تو میں ذرا سوچنے لگتا ہوں کہ آیا یہ زیادہ ممکن ہے کہ یہ شخص دھوکا دینا چاہتا ہو یا خود دھوکا کھا گیا ہو، یا یہ اغلب ہے کہ جو کچھ وہ بیان کر رہا ہے صحیح ہو، میں ان دونوں معجزوں میں موازنہ کرتا ہوں، اور جدھر کا پلہ زیادہ جھکتا معلوم ہوتا ہے، اس کے حق میں فیصلہ کر دیتا ہوں، اور ہمیشہ اسی احتمال کو رد کرنا پڑتا ہے جس میں معجزہ پن زیادہ نظر آتا ہے، البتہ اگر روایت کی تکذیب واقعہ روایت سے بڑھ کر معجزہ ہو تو اس صورت میں بیشک مجھ کو روایت کے یقین پر مجبور ہونا پڑے گا، لیکن اس کے بغیر قطعاً ناممکن ہے"۔ (فہم انسانی "باب معجزات")

غرض ہیوم کے استدلال اور اس کی تعریف معجزہ کی رو سے اگر ایک طرف ہم اپنی میزان عقل میں کسی خارقِ عادت واقعہ کی شہادت و روایت کو رکھیں اور دوسری طرف اس کے خلاف دنیا کے ہزارہا سال کے مستمر و متواتر تجربہ کو، تو ظاہر ہے کہ یہ شہادت جانے

کتنی ہی معتبر و وقیع کیوں نہ ہوتا، ہم اس متواتر تجربہ کے ہم وزن کسی حال میں نہیں ٹھہر سکتی لہذا انسانی شہادت کی کوئی کمیت و کیفیت بھی معجزہ کے یقین و اثبات کے لیے کافی نہیں ہو سکتی،

حضرت موسیٰؑ کا ایک معجزہ یہ تھا کہ انھوں نے اپنی جان کے دشمن اور اپنے سب سے بڑے منکر فرعون کے گھر میں پرورش پائی، ہیوم سے بڑھ کر معجزہ کا کون دشمن و منکر ہو گا لیکن اس انکار کو جب اس کے پورے فلسفہ کی روشنی میں دیکھو، تو نظر آتا ہے کہ قبولِ معجزات کی راہ میں عقل کی خود فریبی کا جو سب سے زبردست طلسم حائل تھا، اس کو ہیوم ہی نے توڑا اور ہمیشہ کے لیے برباد کر دیا ہے، جس کے بعد راستہ کے صرف چند کانٹوں کا ہٹانا باقی رہ جاتا ہے، چراغ کے تلے اندھیرا، آدمی بارہا اپنے ہاتھ کی مشعل سے دوسروں کو راستہ دکھلاتا ہے. اور خود نہیں دیکھ سکتا،

انسان کے ذہن میں جس قدر یہ اعتقاد راسخ ہے، شاید ہی کوئی اور ہو کہ کائنات کا ذرہ ذرہ مادی علل و اسباب اور قوی و خواص کی زنجیروں سے جکڑا ہوا ہے. چھوٹے سے چھوٹا واقعہ بھی اپنے ظہور کے لیے ایک اٹل اور غیر متغیر علت رکھتا ہے، ہر شے اپنے اندر کوئی نہ کوئی ایسی قوت یا خاصہ رکھتی ہے، جس سے اس وقت تک اس کا انفکاک ناممکن ہے جب تک یہ خود اپنی ذات و حقیقت سے منفک نہ ہو جائے، یہ ناممکن ہے، کہ میرا قلم میز کی ایک جانب سے دوسری جانب کو چلا گیا ہو بے اس کے کہ کسی ہاتھ یا کسی اور مادی شے نے اس کو حرکت دی ہو اس کاغذ پر جو نقوش تم کو نظر آ رہے ہیں ضرور ہے کہ ان کو کسی نہ کسی قلم نے کھینچا ہے

اسی طرح یہ نہیں ہو سکتا کہ انار کے درخت سے آم کا پھل یا آم کے درخت سے انار کا پھل پیدا ہو۔ آم کے درخت سے ہمیشہ آم اور انار کے درخت سے ہمیشہ انار ہی پیدا ہوگا۔

غور کرو، جب تم سے یہ کہا جاتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کو آگ نہ جلا سکی تو تم کو اسکے باور کرنے میں کیوں پس و پیش ہوتا ہے، اسی لیے کہ آگ جب تک آگ ہے، جلانے کا خاصہ اس سے منفک نہیں ہو سکتا، اس کو ابراہیم اور نمرود کی تمیز نہیں، اژدہا ایک جاندار مخلوق ہے، جو توالدِ مثل کے قاعدے سے اپنی ہی جیسی جاندار مخلوق سے وجود میں آتا ہے، اس لیے یہ ہماری سمجھ سے باہر ہے کہ حضرت موسیٰؑ کا عصا کیونکر اژدہا بن گیا، انسان کا بچہ اپنے والدین کے بندھے ہوئے اور مشترک عملِ توالد و تناسل کا نتیجہ ہوتا ہے، پھر یہ کیونکر مان لیا جائے کہ حضرت عیسیٰؑ بے باپ کے پیدا ہوئے۔ دس قدم کی مسافت طے کرنے کے لیے بھی آدمی اپنے پاؤں یا کسی اور مادی وسیلہ کی احتیاج ہوتی ہے اور جس قدر مسافت زیادہ ہوتی ہے، اسی قدر اس کو قطع کرنے میں زیادہ وقت لگتا ہے، لہٰذا یہ کیونکر یقین کیا جائے کہ پیغمبر اسلامؐ نے بلا معمولی وسائلِ مادی کے استعمال کے بطرفۃ العین میں "مسجد حرام" سے "مسجد اقصیٰ" اور "سدرۃ المنتہیٰ" تک کی سیر کر لی، زمین و آسمان کی آیات کا مشاہدہ کیا، اور تمام انبیائے سابقین سے گفتگو فرمائی، پھر یہ تمام مراحل اتنے وقفہ میں کیونکر طے ہو سکتے ہیں کہ واپسی پر کواڑ کی زنجیر ہل رہی تھی اور بستر کی گرمی ہنوز قائم ہو۔

سلسلۂ علل و اسباب اور اشیا کے افعال و خواص ہی کے اصول و قوانین کا نام

حکما و فلاسفر کی اصطلاح میں قوانینِ فطرت ہے. جن کا خرق محال خیال کیا جاتا ہے، مثلاً کششِ ثقل ایک قانونِ فطرت ہے جس کا یہ اقتضا ہے کہ جب تم ڈھیلے کو اوپر پھینکو گے تو وہ لوٹ کر ہمیشہ نیچے آجائے گا، فضا میں اس کا معلق رہنا ناممکن ہے ہائڈروجن اور آکسیجن دو عناصر کے ایک خاص مقدار میں ملنے کا خاصہ یہ ہے کہ پانی بن جاتا ہے، جس کے خلاف کبھی نہیں ہو سکتا.

قوانینِ فطرت کی حقیقت اب دیکھو کہ جن چیزوں کو تم قوانینِ فطرت کا لقب دیتے ہو اور جو بظاہر اسقدر قطعی اور اٹل نظر آتے ہیں، واقعات کی کسوٹی پر ان کی کیا بساط ٹھہرتی ہے.

اگر کوئی شخص یہ پوچھے کہ نمک نمکین اور شکر میٹھی کیوں ہوتی ہے؟ تو یہ سوال تم کو ایسا ہی مہمل و مضحک معلوم ہوگا جیسے کوئی یہ سوال کرے کہ جز کل سے چھوٹا کیوں ہوتا ہے؟ جز کی حقیقت ہی یہ ہے کہ کل سے چھوٹا ہو، اسی طرح لوگ سمجھتے ہیں کہ نمکینی اور مٹھاس نمک اور شکر کی حقیقت میں داخل ہیں، لیکن سوچو کہ کیا نمک کی نفس ذات میں تم کو کوئی ایسی شے نظر آتی ہے جس کی بنا پر بلا اس کو چکھے ہوئے تم یہ حکم لگا سکو کہ اس کا مزہ بالضرورت شکر کے مزہ سے مختلف ہونا چاہیے، صرف دونوں کے چکھنے اور تجربہ کی بنا پر نمک کو نمکین اور شکر کو شیریں یقین کیا جاتا ہے، سنکھیا زہر ہے، جس کے کھانے سے آدمی مر جاتا ہے. سنکھیا کا ایک ٹکڑا لے کر اس کو خوب الٹ پلٹ کر دیکھو، اس کی ذات یا حقیقت میں کہیں کوئی ایسی شے محسوس ہوتی ہے جس کی وجہ سے تم بلا تجربہ اس کو موت کی علت قرار دے سکو جس شخص نے سنکھیا کبھی نہیں دیکھی یا اس کے اثر سے ناواقف

ہے، اس کو تم بہ آسانی کھلا سکتے ہو، کیوں؟ صرف اس لیے کہ اس کو خود سنکھیا کے اندر کوئی ایسی شے نہیں نظر آتی جس سے بلا سابق تجربہ کے وہ اُس کے زہر قاتل یا علتِ موت ہونے کا علم و یقین حاصل کر سکے۔ بیسویں صدی کے سائنسداں کے لیے یہ حقیقت ناقابلِ انکار ہے کہ پانی دو مختلف اجزا یا عناصر سے مرکب ہے لیکن جب تک اس حقیقت کا تجربہ نہیں ہوا تھا، ڈھائی ہزار سال تک حکماء اور عقلائے عالم پانی کو ایک مفرد و بسیط عنصر یقین کرتے رہے، حالانکہ پانی کی جو صورت و شکل کاونڈش[1] کے سامنے تھی، وہی طالیس[2] ملفی کے سامنے بھی تھی، سنکھیا اور شکر کے بجائے اگر ہم کو سمیت اور شیرینی کا تجربہ پتھر کی کنکریوں میں ہوتا تو ہم ان کو اسی طرح مہلک (ہلاکت کی علت) و شیریں یقین کرتے جس طرح آج سنکھیا اور شکر کو کرتے ہیں۔

جان اسٹورٹ مل نے اپنی مشہور کتاب "نظام منطق"[3] میں اسکی نہایت عمدہ مثال دی ہے کہ

"آج سے پچاس سال پہلے وسط افریقہ کے باشندوں کے نزدیک غالباً کوئی واقعہ اس سے زیادہ تجربہ کی قطعیت و یقینی پر مبنی نہ تھا جتنا یہ کہ تمام انسان کالے ہوتے ہیں، اسی طرح کچھ زیادہ دن نہیں ہوئے کہ اہل یورپ اس کو فطرت کی یکسانی کی ایک بالکل قطعی و غیر مشتبہ مثال سمجھتے تھے کہ تمام ہنس سفید ہوتے ہیں[4]، مزید تجربہ کے بعد افریقہ و یورپ والوں

---

[1] جس نے پانی کو بسیط عنصر کے بجائے آکسیجن و ہائیڈروجن سے مرکب ثابت کیا۔ [2] یونان کا پہلا فلسفی جو پانی کو مبدء عالم جانتا تھا۔ [3] "سسٹم آف لاجک" کتاب سوم باب ۳ فصل ۲ [4] وسط افریقہ کے آدمی کالے اور یورپ کے ہنس سفید ہوتے ہیں۔

دونوں کو معلوم ہوا کہ یہ خیالات غلط تھے، لیکن اس تجربہ کے لیے ان کو پانچ ہزار برس انتظار کرنا پڑا، اور اس طویل مدت میں انسانی آبادی کے وہ براعظم فطرت کی ایک ایسی یکسانی پر یقین کرتے رہے جس کا حقیقۃً کوئی وجود نہ تھا۔"

کائنات فطرت کی وسعت بیکراں کو دیکھتے ہوئے، آج بھی نوع انسان کے تجربہ پر مبنی قوانینِ فطرت کی بساط اس سے زیادہ نہیں ہے، جتنی کہ اس تجربہ کی تھی کہ "تمام انسان کالے ہوتے ہیں"۔ اور "تمام ہنس سفید"۔ انیسویں صدی کے ایک مشہور فلسفی ڈاکٹر وارڈ نے اسی حقیقت کو ایک مفروض مثال کے پیرایہ میں اس طرح بیان کیا ہے کہ فرض کرو کہ

"افریقہ کے کسی صحرا میں ایک نہایت عظیم الشان سلسلۂ عمارت ہے جو چاروں طرف ایک چار دیواری سے گھرا ہوا ہے، اس کے اندر ایک خاص ذی عقل مخلوق آباد ہے جو اس احاطہ سے باہر نہیں جا سکتی۔ یہ عمارت ایک ہزار سے زائد کمروں پر مشتمل ہے، جو سب مقفل ہیں، اور کنجیوں کا پتہ نہیں کہ کہاں ہیں، بڑی محنت و جستجو کے بعد کل پچیس کنجیاں ملتی ہیں، جن سے ادھر ادھر کے پچیس کمرے کھل جاتے ہیں جو سب ہم شکل ہیں، لہٰذا کیا اس بنا پر اس احاطہ کے اندر رہنے والوں کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ قطعیت کے ساتھ یہ دعویٰ کریں کہ بقیہ ۹۷۵ کمرے بھی اسی شکل کے ہیں[1]؟"

قوانینِ فطرت یا خواصِ اشیاء و علاقۂ تعلیل (علت و معلول) کی مذکورۂ بالا حقیقت اگرچہ اب حکمت (سائنس) و فلسفہ دونوں کے مسلّمات میں داخل ہے، لیکن اس حقیقت

---

[1] مل کی "منطق" کتاب سوم، باب ۲۱ فصل ۴ حاشیہ،

کو سب سے پہلے جس شخص نے اجاگر کیا، وہ معجزات کا منکر ہیوم ہی تھا۔ اس لیے خود اسی کی زبان سے سنو کہ جس چیز کو وہ خرقِ عادت کہہ کر ناممکن قرار دیتا ہے، اس کے عدمِ امکان کا کیا وزن ہے:

"جب ہم اپنے آس پاس کی خارجی چیزوں پر نظر کرتے ہیں اور مختلف علتوں کے افعال کو غور سے دیکھتے ہیں، تو ان میں ایک مثال بھی ایسی نہیں ملتی جس کے اندر کسی قوت یا لزوم کا پتہ چلتا ہو، نہ ان کی کوئی ایسی صفت نظر آتی ہے، جو معلول کو اس طرح علت سے جکڑے ہوئے ہو کہ ایک کو دوسرے سے مستنبط کرنے میں خطا کا امکان نہ ہو، ہم کو جو کچھ نظر آتا ہے وہ صرف اتنا ہے کہ ایک واقعہ کا ظہور دوسرے کے بعد ہوتا ہے۔ بلیرڈ کے ایک گیند میں ضرب لگانے سے دوسرے میں حرکت ظاہر ہوتی ہے، بس حواس ظاہری سے جو کچھ معلوم ہوتا ہے اس کی بساط اسی قدر ہے۔ اشیا میں اس تقدم و تاخر یا تبعیت کے پائے جانے سے ذہن کو نفس تبعیت کے علاوہ کوئی اور احساس یا ادراکِ باطنی نہیں حاصل ہوتا۔

"کسی شے کو پہلی دفعہ دیکھنے سے ہم کبھی قیاس نہیں کر سکتے کہ اس سے کیا معلول یا نتیجہ ظاہر ہوگا، حالانکہ اگر علت کے اندر کسی قوت یا انرجی کا پتہ محض ذہن دوڑانے سے چل سکتا تو بلا کسی سابق تجربہ کے ہم اس نتیجہ و معلول کی پیشین گوئی کر دیتے اور پہلی ہی نظر میں قطعی حکم لگا دیتے۔"[1]

"حقیقت امر یہ ہے کہ کائنات مادی کا ایک ذرہ بھی ایسا نہیں ہے جس کے صفات محسوسہ کی بنا پر ہم اس کے اندر کسی قوت کا سراغ لگا سکیں یا قیاس سے بتلا سکیں کہ

---

[1] فہم انسانی باب ۷ فصل ۱

اس سے کوئی اور دوسری شئے ایسی وجود پذیر ہو سکتی ہے جس کو معلول کا لقب دیا جاتا ہو، صلابت، امتداد، حرکت یہ چیزیں بجائے خود مستقل صفات اور ایسے واقعہ کا نشان نہیں دیتیں جن کو ان کا نتیجہ کہا جا سکے، موجودات عالم میں ہر آن تغیر و تبدل جاری ہے۔ ایک چیز دوسری چیز کے بعد برابر آتی جاتی رہتی ہے، لیکن وہ قوت و طاقت جو اس ساری مشین کو چلاتی رہتی ہے، ہماری آنکھوں سے اوجھل ہے، اور اجسام کی کسی محسوس صفت میں اپنا کوئی نشان نہیں رکھتی، ہم یہ واقعہ جانتے ہیں کہ آگ کے شعلہ میں گرمی پائی جاتی ہو لیکن ان دونوں (گرمی و شعلہ) میں کیا لزوم ہے۔ اس کے قیاس سے ہمارا تخیل قطعاً عاجز ہے۔"

اسی سلسلہ میں چند صفحات بعد کی ایک[1] طویل عبارت کا یہاں اقتباس مناسب ہے جس سے آگے چل کر کام پڑے گا۔

"عام طور پر لوگوں کو فطرت کے پیش پا افتادہ اور مانوس واقعات و افعال کی توجیہ میں کوئی دشواری نہیں نظر آتی (مثلاً بھاری چیزوں کا نیچے آجانا، درختوں کی بالیدگی حیوانات میں توالد و تناسل، یا غذا سے جسم کی پرورش وغیرہ کے واقعات) بلکہ وہ سمجھتے ہیں کہ ان صورتوں میں ان کو علت کی بذات خود اس قوت کا علم و احساس ہو جس کی بنا پر یہ اپنے معلول کو مستلزم ہے، اور اس لیے ظہور معلول میں خطا کا امکان نہیں بات یہ ہو کہ تجربہ یا عادت دراز کی وجہ سے ان کے ذہن میں ایک ایسا میلان و رجحان پیدا ہو جاتا ہو کہ علت کے سامنے آتے ہی اس نتیجہ کا یقین ہو جاتا ہے، جو معمولاً اس کے ساتھ پایا گیا ہو۔ اور یہ مشکل سے ممکن

---

[1] فہم انسانی باب ۷ فصل ۱

معلوم ہوتا ہے کہ اس کے سوا کوئی اور نتیجہ ظاہر ہو سکتا تھا۔ صرف اُس صورت میں جبکہ غیر معمولی واقعات وحوادث ظاہر ہوتے ہیں، مثلاً زلزلہ، وبا، یا کوئی اور عجیب و غریب بات، تو البتہ انکی صحیح علت کا پتہ نہیں لگتا، اور سمجھ میں نہیں آتا کہ انکی توجیہ و تشریح کیسے کی جائے، اس مشکل میں پڑکر لوگ علی العموم کسی اَن دیکھی صاحب عقل و ارادہ ذات کے قائل ہو جاتے ہیں، اور سمجھتے ہیں کہ یہ ناقابل توجیہ ناگہانی واقعات اسی ذات کے پیدا کردہ ہیں لیکن فلاسفہ کی باریک بین نگاہ کو نظر آتا ہے کہ روزمرہ کے معمولی واقعات کی پیدا کرنے والی قوت بھی اسی طرح نامعلوم ناقابل توجیہ ہے جس طرح کہ انتہائی سے انتہائی غیر معمولی واقعات کی..... چنانچہ بہت سے فلاسفہ اپنی عقل کو اس پر مجبور پاتے ہیں کہ بلا استثناء تمام واقعاتِ عالم کا مبدء اُسی ذات کو قرار دیں جس کی طرف عوام صرف معجزات اور فوق الفطرت واقعات وحوادث کے ظہور کو منسوب کرتے ہیں..... (ان کے نزدیک) ہر معلول کی واقعی و براہ راست علت فطرت کی کوئی قوت نہیں بلکہ ایک ہی بربر کا ارادہ ہوتا ہے..... بلیرڈ کا ایک گیند جب دوسرے گیند سے ٹکراتا ہے، تو خود خدا اپنے ارادۂ خاص سے اس کو متحرک کر دیتا ہے، اور یہ ارادہ ان عام قوانین کے مطابق ہوتا ہے جو اس نے اپنی مشیت سے کائنات پر حکم فرمائی کے لیے مقرر کر دیے ہیں۔"

جب یہ مسلّم ہو چکا کہ قوانین فطرت کی بنیاد تمام تر تجربہ پر ہے، اور تجربہ کے ناقابلِ خطا ہونے کا کبھی کسی حالت میں بھی دعویٰ نہیں کیا جا سکتا تو پھر ظاہر ہے کہ کسی شئے کو خلافِ فطرت یا خارقِ عادت کہہ کر اس کو غلط یا ناممکن کیسے ثابت کیا جا سکتا ہے، چنانچہ خود ہیوم

کا اپنے اسی اصول پر دعویٰ ہے کہ "جس شے کا تصور ممکن ہے وہ کسی تناقض کو مستلزم نہیں ہو سکتی اور جو شے مستلزم تناقض نہ ہو، اس کو کسی حجت و برہان یا عقلی دلیل سے غلط نہیں ثابت کیا جا سکتا۔"[1]

پروفیسر ہکسلے جو فلسفی سے زیادہ حکیم (سائنٹسٹ) ہے، اور جس کی جگہ حکما کی صفِ اول میں ہے، اس نے ہیوم کے اس قول کو اپنی تحریروں میں جا بجا نقل کر کے اس کی نہایت شدت سے تائید کی ہے، خود ہیوم کے نظریۂ معجزات پر بحث کرتے ہوئے[2] پہلے تو معجزہ کے متعلق اس کی اس تعریف کی تغلیط کی ہے کہ "وہ نام ہے قوانینِ فطرت کے خرق کا" اور بتلایا ہی کہ معجزات کے معنی زیادہ سے زیادہ "انتہائی حیرت انگیز واقعات"[3] کے ہو سکتے ہیں، پھر اسی ضمن میں ہیوم کے مذکورۂ بالا قول کو نقل کر کے لکھا ہے کہ

"لیکن معجزہ کا تصور کیا جا سکتا ہے کہ یہ کسی تناقض کو مستلزم نہیں ہے۔ لہٰذا خود ہیوم ہی کے دعوی کے مطابق معجزہ کو کسی برہانی دلیل سے غلط نہیں ثابت کیا جا سکتا۔"

"با ایں ہمہ ہیوم خود اپنے ہی اصول کے خلاف اور بالکل متناقض ایک دوسری جگہ لکھتا ہے کہ مردہ کا زندہ ہو جانا معجزہ ہے، کیونکہ ایسا پہلے کبھی کسی زمانہ اور کسی ملک میں نہیں ہوا ہے۔"

اس ارتکاب تناقض کی تشریح کرتے ہوئے پروفیسر موصوف نے طنزاً لکھا ہی کہ اگر ہیوم کے استدلال کی مہملیت کو برہنہ کر کے دیکھا جائے تو معنی یہ ہوں گے کہ جو چیز پہلے کبھی نہیں واقع ہوئی وہ آیندہ بغیر قوانین فطرت کے خرق کے نہیں واقع ہو سکتی۔"

---

[1] فہم انسانی باب ۴ [2] ہکسلے کی کتاب "ہیوم" باب ۷ (متعلق معجزات) [3] انگریزی میں معجزہ کے لیے جو لفظ مستعمل ہے (مرکیل) اس کے لفظی معنی بھی "حیرت انگیز" کے ہیں۔

ہکسلے کا ایک نہایت دلچسپ مضمون "ممکنات و ناممکنات" ہے۔ اس میں بھی ہیوم اس کے پیش نظر ہے، اور اپنی حکیمانہ ذمہ داری کے پورے احساس و شعور کے ساتھ لکھتا ہے[1] کہ

"صحیح معنی میں بجز تناقض کے اور کسی بھی ایسی چیز سے میں واقف نہیں ہوں جس کو "ناممکن" کہنا حق بجانب ہو، منطقی ناممکنات کا وجود ہے، لیکن طبعی ناممکنات کا قطعاً کوئی وجود نہیں "مربع مدور، ماضی موجود، دو متوازی خطوط کا تقاطع" یہ چیزیں ناممکنات سے ہیں، اسلیے کہ "مدور موجود یا حاضر اور تقاطع" کا تصور ہی "مربع" ماضی اور متوازی" کے تصور کے متناقض ہے، لیکن پانی پر چلنا، یا پانی کو شراب بنا دینا، بچہ کا بے باپ کے پیدا ہونا، مردہ کو زندہ کر دینا یہ چیزیں مفہوم بالا کی رو سے ناممکنات سے نہیں ہیں۔"

"ہاں، اگر ہم یہ دعوی کر سکتے کہ فطرت اشیا کے متعلق ہمارے علم نے تمام ممکنات کا کامل احاطہ کر لیا ہے تو شاید یہ کہنا بجا ہوتا کہ آدمی کے صفات چونکہ پانی پر چلنے یا ہوا میں اڑنے کے متناقض ہیں، اس لیے یہ افعال اس کے لیے "ناممکن" ہیں۔ لیکن یہ حقیقت روز روشن کی طرح ظاہر ہے کہ علم فطرت کی انتہا تک پہنچنا کیسا ابھی تک ہم اس کی ابتدا اور ابجد سے آگے نہیں بڑھے ہیں، بلکہ ہماری قوتیں اس قدر محدود ہیں کہ کبھی بھی ہم ممکناتِ فطرت کی حد بندی نہیں کر سکتے، جو کچھ واقع ہو رہا ہے یا ہو چکا ہے، اس کا ہم کو علم ہے، باقی جو کچھ واقع ہونے والا ہے، اس کی نسبت ہم صرف ایک توقع قائم کر سکتے ہیں، جس کی بنیاد کم و بیش گذشتہ تجربے کے صحیح سمجھنے پر ہے جس سے ہم کو خیال ہوتا ہے کہ مستقبل ماضی کے مماثل ہوگا۔"

---

[1] ص ۱۹۷

اس میں شک نہیں کہ کچھ دن پہلے بعض گوشوں سے اس قسم کی آوازیں سنائی دیتی تھیں کہ "کائنات کا ہر ذرہ قانون کا پابند ہے" اور "وہم و بے عقلی انسان کی بدترین دشمن ہے، اور عقل و حکمت بہترین دوست۔ لہذا ہمارا فرض ہے کہ جہاں کہیں عقیدۂ معجزات کا پتہ چلے اس پر حملہ کریں"۔ لیکن یہ باتیں تقریباً چوتھائی صدی قبل کی ہیں۔ ۱۹۲۷ء کے بعد کوانٹم نظریہ کی بدولت سائنس میں جو بھونچال آیا ہے اس نے سائنس کی دنیا میں بھی اب ایسے بے باکانہ دعاوی کی گنجائش نہیں چھوڑی۔ فلسفہ میں تو علت و معلول کے لزوم و وجوب کی بنیادوں کو ہیوم نے ہلا دیا تھا، ہیوم سے صدیوں پہلے امام ابوالحسن اشعری ہی نے کھوکھلا کر دیا تھا، البتہ سائنس کی بنیاد وہی فطرت کی یکسانی یا علیت کے اٹل قانون پر رکھی اور سمجھی جاتی تھی۔ اس ستم ظریفی کو کیا کہیے کہ خود سائنسی تجربات و اختبارات ہی کی راہ سے یہ اٹل قانون نہ صرف مجروح و متزلزل ہو گیا ہے، بلکہ سر آرتھر ایڈنگٹن جیسے اکابر سائنس کے نزدیک اس کو ہمیشہ کے لیے خیرباد کہہ دینا پڑا ہے۔ چند سال قبل دنیا کے سائنس کے تازہ ترین معلومات و خیالات پر "ماڈرن بلیف" کے نام سے رسائل کا ایک سلسلہ شائع ہوا تھا، اسکے چند جستہ جستہ اقتباسات پڑھو کر

"کوانٹم نظریہ نے بڑا زبردست انقلاب برپا کر دیا ہے، کہ مادی دنیا میں اب تک علت و معلول کے قانون کی فرمانروائی کو اٹل تصور کیا جاتا تھا۔ سارے طبعی واقعات (حوادث

لہ (Wonders of Life) (عجائبات حیات) از ہیگل باب ۳ معجزات ۲ معجزات پر سیرت کا یہ سکڑا آج (۱۹۳۵ء) سے ۴۲ سال قبل لکھا گیا تھا ۳ پورا نام Outline of Modern Belief

بالطبع جبری یا وجوبی قوانین کے تابع یقین کیے جاتے تھے، سلسلۂ علل و معلولات میں کہیں کوئی خلل و رخنہ نہ تھا، مگر ۱۹۲۷ء میں اس خیال و یقین کو سخت دھکا لگا، اور ماہرین طبعیات نے دیکھا کہ علیت کے وجوب و کلیت کو مادی دنیا سے رخصت کرنا پڑا، اور سارے قرائن اسی کے نظر آتے ہیں کہ وجوبی و قطعی علیت کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ ہو گیا،

ابھی بالکل حال تک قانون علیت کو سائنسی تحقیقات کا بالاتفاق بنیادی اصول قرار دیا جاتا تھا، لیکن اب اسی اصول کو ترک کر دینے کا سوال پیدا ہو گیا ہے، کہ آیا کارخانۂ فطرت میں ہر واقعہ لزوماً کسی ایسے دوسرے واقعہ ہی سے پیدا ہوتا ہے، جس کو علت کہا جاتا ہے؟ یا اس کا اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ حوادثِ فطرت کی تہ میں کوئی ایسی شے کارفرما ہے جس کو اختیار یا آزادی ارادہ کہا جاتا ہے،

حاصل یہ کہ اس وقت تک طبعی مظاہر کی تحلیل کا نتیجہ یہ برآمد ہوا ہے کہ ہم کو کہیں بھی وجوبی یا جبری قانون کی موجودگی کی شہادت نہیں ملتی، (بحوالہ جرنل آف فلاسفی بابتہ ۱۹۳۳ء)

اس کا مطلب یہ نہیں کہ قوانین فطرت کا سرے سے کوئی وجود نہیں، بلکہ "امن" کی حیثیت اعداد و شمار کے لیے قوانین کی رہ جاتی ہے، زندگی کا بیمہ کرنے والی کمپنیاں کوئی ایسا قانون نہیں جانتی ہیں کہ فلاں شخص چالیس برس کی عمر میں مر جائیگا لیکن اتنا جانتی ہیں کہ کسی بڑی جماعت میں اتنے فیصد آدمی چالیس کے سن میں مر جائینگے، یعنی افراد

(بقیہ حاشیہ ص ۱۳۵) مرتبہ جے ڈبلو، ان سولیوان (Sullivan) واٹر گریسن Grierson) حصہ چہارم باب ۶ ص ۲۸۵

کامل ناقابل پیش بینی ہونے کے باوجود جماعت کی نسبت پیش بینی ممکن ہے، بس قوانینِ فطرت فقط اسی معنی میں موجود ہیں اور سائنسی پیش گوئی یا پیش بینی ہو سکتی ہے[1]۔

بالفاظ دیگر قانونِ فطرت کی نوعیت دراصل قانون عادت کی ہے، یعنی کسی خاص فرد کے بارے میں وجوباً پیش گوئی نہیں کی جا سکتی کہ وہ فلاں عمر میں مرجائے گا، البتہ عادۃً یہ معلوم ہے کہ "کسی بڑی جماعت میں اتنے فیصد چالیس سال کی عمر میں مرجائیں گے مذہب کی زبان میں اسی قانون عادت کو عادۃ اللہ سے تعبیر کیا جاتا ہے، جس کی بنا پر بھی عملِ فطرت کی یکسانی یا قوانینِ فطرت کے نفس وجود کا انکار نہیں لازم آتا، البتہ ان قوانین کا منشا نہ ہے بہرے بے علم و اختیار مادہ کا اٹل وجوب و لزوم سے نہیں، بلکہ ایک علم اختیار والی ذات (اللہ تعالیٰ) کی عادتِ جاریہ سے ہے، جو کسی حکمت و مشیت کے تحت کبھی کبھی اس عادتِ جاریہ کے خلاف بھی کر سکتی اور کرتی ہے، یہی معجزہ ہے، اور بقول مشہور سائنسداں ڈاکٹر کارپنٹر کے کہ قائل مذہب سائنسداں کو اس کے ماننے میں کوئی عقلی دشواری نہیں پیش آسکتی کہ خالقِ فطرت اگر چاہے تو کبھی کبھی قوانینِ فطرت کے خلاف بھی کر دے سکتا ہے، ہم کو معجزات کے خلاف اگر سائنس کے کسی ایسے فتوے کا علم نہیں، جو معتبر شہادت کی موجودگی میں ان کے قبول سے مانع ہو[2]،

جب کارپنٹر کے زمانہ ہی میں سائنس کا کوئی ایسا فتویٰ معلوم نہ تھا، تو اب کوانٹم نظریہ

---

[1] پورا نام Outline of modenr Belief ہے مرتبہ جے۔ ڈبلو۔ ان سولیوان (Sulivan) و واٹر گریرسن (Grierson) حصہ چہارم باب ۲۸۶ [2] دیکھو فرانک بیلارڈ کی The miracle of unbelief

کے بعد جبکہ کلام و فلسفہ کے نرے قیاسات سے گذر کر خود سائنس کی دنیا میں اور سائنس ہی کی راہ سے فطرت یا علیت کے نام نہاد اٹل قوانین کا وجود اتنا مشتبہ ہو گیا ہے کہ مادی دنیا سے بظاہر ان کو ہمیشہ کے لیے رخصت کرنا پڑ رہا ہے، تو اور بھی سائنس کا یا قوانین فطرت کے خرق کا نام لے کر کسی معجزہ کا انکار کس منہ سے کیا جا سکتا ہے، لہٰذا بقول کارپنٹر ہی کے اصل سوال صرف یہ ہے کہ آیا اس قسم کی تاریخی شہادت موجود ہے یا نہیں، جس سے معلوم ہو کہ خالقِ فطرت کبھی کبھی خلافِ فطرت بھی کر دیا کرتا ہے[1]"

یہ صرف ممکن ہی نہیں ہے کہ خالقِ فطرت اگر چاہے تو کبھی کبھی قوانینِ فطرت کے خلاف کر سکتا ہے یعنی معمولی سلسلۂ علل و اسباب و معلولات کو توڑ سکتا ہے، بلکہ ایک اور نامور عالم طبیعیات پروفیسر ڈالبیر[2] کا اعتراف یہ ہے کہ اس امر کی ہمارے پاس خاصی شہادت موجود ہے جس کو آسانی سے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ بعض طبعی حوادث اس طرح وقوع پذیر ہوتے ہیں کہ ان کے تمام معمولی علل و اسباب غائب ہوتے ہیں، اجسام حرکت کرتے ہیں، درانحالیکہ نہ کوئی شخص ان کو چھو رہا ہے، اور نہ برقی یا مقناطیسی عوامل کا پتہ ہے۔ . . . اس کی بھی شہادت موجود ہے کہ ایک نفس کا خیال دوسرے نفس میں (بلا کسی وساطت کے) پہنچ جا سکتا ہے" اور جس قسم کے واقعات کو معجزہ سمجھا جاتا تھا ان کا وقوع اب غیر اغلب نہیں رہا ہے"

مگسلے کو اگرچہ اس بارے میں ہیوم سے شدید اختلاف ہے کہ "معجزہ نام قوانینِ فطرت کے

---

[1] دیکھو فرانک بیلارڈ کی The miracle of unbelief [2] دیکھو اسکی کتاب Matter Ether, Motion (مادہ، ایتھر، حرکت)

خرق کا ہے۔" لیکن تصریحات بالا سے قانونِ فطرت کی جو حقیقت ثابت ہوتی ہے۔ اُسکو اگر وضاحت کے ساتھ سامنے رکھا جائے تو ہمارے نزدیک معجزہ کی یہ تعریف چند ان قابلِ اعتراض نہیں رہ جاتی۔

(۲) قوانین فطرت عبارت ہیں قوانینِ عادت سے۔

(۲) جو ہم کو بذات خود اشیا کے اندر نہیں معلوم بلکہ انکی بنیاد تمامتر گذشتہ تجربہ پر ہوتی ہے جس کے خلاف ہونا ہمیشہ ممکن ہے، اور کسی اصلی استحالہ کو مستلزم نہیں۔

(۳) لہذا قوانینِ فطرت کے خلاف ہونا (یعنی ان کا خرق) بذاتِ خود ممکن ا عقلاً جائز، بہ الفاظ دیگر یہ کہ معجزہ عقلاً بالکل جائز و ممکن ہے

شہادت معجزات

امکان، وقوع کے لیے کافی نہیں لیکن کسی امر کا صرف عقلاً جائز و ممکن ہونا اس کے وقوع کی دلیل نہیں۔ یہ عقلاً بالکل جائز و ممکن تھا کہ اکبر ہندوستان کے ساتھ انگلستان کا بھی بادشاہ ہوتا، مگر واقعاً ایسا نہیں۔ کسی شے کے وقوع کو قبول کرنے کے لیے دو صورتیں ہیں (۱) غیر مشتبہ مشاہدہ یا (۲) تشفی بخش شہادت۔ غیر مشتبہ مشاہدہ کی صورت میں کوئی شے بحث طلب نہیں رہ جاتی، مثلاً

"آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ایک سفر میں حضرت جابرؓ سے وضو کا پانی طلب فرمایا، انھوں نے قافلہ میں بہت ڈھونڈھا پانی نہیں ملا، انصار میں ایک شخص تھے، جو خاص طور پر آپ کے لیے پانی ٹھنڈا کر کے رکھتے تھے، حضرت جابرؓ نے آپ کی خدمت میں پانی نہ ملنے کی اطلاع کی تو آپ نے انکو ان انصاری کے پاس بھیجا لیکن ان کے پاس بھی اسقدر کم پانی نکلا کہ اگر انڈیلا جاتا تو برتن کے خشک حصہ ہی میں جذب ہو کر رہ جاتا، حضرت جابرؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اسکی خبر دی تو آپ نے اس برتن کو منگا بھیجا، اور ہاتھ میں لیکر کچھ پڑھا، اور اسکو ہاتھ سے دبا دیا، پھر حضرت جابرؓ کو برتن دیا، اور طشت طلب فرمایا، آپ نے ہاتھ کی انگلیاں پھیلائیں اور اس طشت کے اندر رکھ کے حضرت جابرؓ کو حکم دیا کہ بسم اللہ کہکر آپ کے ہاتھ پر پانی گرائیں، حضرت جابرؓ کا بیان ہے کہ میں نے پانی ڈالنا شروع کیا، پہلے آپ کی انگلیوں کے درمیان سے پانی ابلا، پھر تمام طشت بھر گیا، یہاں تک کہ سب لوگ پانی پی کر سیراب ہو گئے، اس کے بعد آپ نے اس کے اندر سے ہاتھ نکال لیا تو طشت پانی کا بھرا رہ گیا۔"[1]

---

[1] دیکھو کتاب ہذا، بیان عام معجزات

اب اگر حضرت جابرؓ نے اس واقعہ کو بچشم خود مشاہدہ کیا، اور ان کو اس میں کسی قسم کا کوئی اشتباہ نہیں تھا تو ظاہر ہے کہ ان کو اس کے یقین و قبول میں کیا تامل ہو سکتا تھا، البتہ ہمارے لیے اس کے باور کرنے میں یہ بحث پیدا ہو سکتی ہے کہ یہ واقعہ فی نفسہ ممکن ہے یا ناممکن اور حضرت جابرؓ کی شہادت کہاں تک قابلِ اعتبار ہو سکتی ہے،

لہٰذا امکانِ معجزات کا مرحلہ طے ہو چکنے کے بعد دوسری بحث شہادتِ معجزات کی پیدا ہوتی ہے۔

ہیوم کا فتویٰ

ہیوم کا روایاتِ معجزہ کے متعلق اگرچہ آخری فتویٰ یہی ہے کہ اس کے اثبات کے لیے انسانی شہادت کی کوئی کمیت و کیفیت نہیں کافی ہو سکتی، تاہم نفس خارق فطرت واقعات کے لیے اس کے نزدیک بھی انسانی شہادت کا ایک درجہ ایسا موجود ہے جس کی بنا پر ان کو قبول کیا جا سکتا ہے۔

فرض کرو کہ تمام زبانوں کے تمام مصنفین اس پر متفق ہوں کہ یکم جنوری ۱۶۰۰ء سے لیکر آٹھ دن تک برابر تمام روئے زمین پر تاریکی چھائی رہی، یہ بھی فرض کرو کہ اس خارقِ عادت واقعہ کی روایت آج تک لوگوں کی زبان پر ہے اور دوسرے ممالک سے جو سیاح آتے ہیں وہ بے کم و کاست اور بلا شائبۂ تناقض وہاں کے لوگوں کی یہی روایت بیان کرتے ہیں، ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں ہمارے زمانہ کے حکما کا کام شک کے بجائے اس واقعہ کا یقین کر کے اس کی توجیہ اور اس کے علل و اسباب کی جستجو ہوگی۔ کائناتِ فطرت میں نوادر و انحطاط، فساد کی مثالیں اس کثرت سے ملتی ہیں کہ اگر کسی حادثہ سے اس کی

تباہی کے آثار پائے جائیں تو اس کے بارے میں انسانی شہادت قابلِ قبول ہوگی بشرطیکہ
یہ شہادت نہایت وسیع، متواتر اور متفق علیہ ہو۔[1]

ہیوم کا تعصب اب اگر یہی واقعہ کسی نبی کی طرف منسوب کرکے معجزہ قرار دیا جائے تو ہیوم کے نزدیک اس پر یقین کرنے کے لیے کوئی انسانی شہادت قابلِ قبول نہ ہوگی۔ کیوں؟ اسلیے کہ "اس قسم کی شہادت خود اپنی تکذیب ہے"، حتیٰ کہ "جس معجزہ کی بنا کسی انسانی شہادت پر ہو، وہ حجت و استدلال کے بجائے محض تمسخر انگیز چیز ہے"۔ مذہب کے نام سے لوگ ہمیشہ مضحک و خرافات افسانوں کے دام میں آجاتے ہیں۔ لہذا مذہب کی طرف نفس انتساب ہی معجزہ کے حیلہ و فریب ہونے کا پورا ثبوت ہے۔ مذہب جیسی مقدس شے کی تائید میں لوگ بے ضرر کذب و افترا سے باک نہیں کرتے، پیمبر (معاذ اللہ) عزت پیمبری کے شوق میں ہر طرح کے خطرات کو گوارا کرسکتا اور مکر و احتیال پر آمادہ ہوسکتا ہے، انسان زود اعتقاد اور بالطبع عجائب پسند ہے، معجزات کا قبول عام اور بہ آسانی شائع و ذائع ہوجانا خود اس بات کا کافی ثبوت ہے کہ انسان میں عجائب پرستی کا کیسا شدید میلان ہے، اور اسلیے عجائب پرستی کے تمام بیانات کو بجا طور پر اشتباہ کی نگاہ سے دیکھا جاسکتا ہے۔ پھر معجزات اور ذوق الفطرت باتوں کے خلاف ایک قوی قرینہ یہ ہے کہ ان کا اعتقاد زیادہ تر جاہل اور وحشی اقوام میں پایا جاتا ہے۔ ایک عقلمند آدمی پرانے زمانہ کی حیرت زا تاریخوں کو پڑھ کر پکار اٹھتا ہے کہ عجب بات ہے کہ اس قسم کے خارقِ عادت واقعات ہمارے زمانہ میں نہیں ظاہر ہوتے۔ ان ہی

[1] فہم انسانی باب ۱۰

وجوہ کی بنا پر دعویٰ ہو کہ مذہب کے نام سے جتنے معجزات بیان کیے جاتے ہیں، وہ سب کے سب محض خرافات اور انسان کی اوہام پرست فطرت کا ڈھکوسلا ہیں[1]،

بلاشبہہ شہادت کی جرح و تعدیل اور تحقیق و تنقیح کے وقت یہ تمام امور قابل لحاظ ہیں لیکن کیا ان میں سے کوئی ایک شے بھی ایسی ہے، جس کی بنا پر محض معجزہ یا مذہب کا نام آتے ہی کسی غیر معمولی و خارقِ عادت واقعہ سے انکار کر دیا جائے؛ ظاہر ہے کہ مذہب کے نام سے ہیوم کا یہ ایسا ناقابل حمایت اور صریح تعصب تھا جس کے لیے صدائے تائید حکمت و فلسفہ کے سنجیدہ حلقوں سے نہیں اٹھ سکتی تھی، اور اگر کسی معجزہ کی تصدیق میں تشفی بخش شہادت موجود ہو تو اس کے قبول سے محض معجزہ ہونے کی بنا پر کسی عاقل کو انکار نہیں ہو سکتا، مثلاً ایک سفر میں صحابہؓ بھوک سے اسقدر بیتاب ہوئے کہ اونٹنیاں ذبح کرنا چاہیں، لیکن آپؐ نے تمام لوگوں کے زادِ راہ کے جمع کرنے کا حکم دیا، ایک چادر بچھائی گئی، اور اس پر تمام زادِ راہ ڈھیر کیا گیا، اس تمام سامان کی مجموعی تعداد نے صرف اسقدر زمین کا احاطہ کیا جس پر ایک بکری بیٹھ سکتی تھی، اور اشخاص کی تعداد چودہ سو تھی، لیکن تمام لوگوں نے سیر ہو کر کھا لیا اور اپنے اپنے توشہ دان بھر لیے۔"

کافی شہادت اب اس روایت میں اگر ان امور کی کافی شہادت مل جائے کہ (۱) تمام زادِ راہ صرف ایک بکری کے بیٹھنے بھر کی جگہ میں آگیا تھا (۲) اشخاص کی تعداد چودہ سو تھی (۳) سب لوگوں نے سیر ہو کر کھا لیا (۴) اور اپنے اپنے توشہ دان بھر لیے، تو کسی ایسے حکیم و فلسفی تک کو اس روایت کے تسلیم کرنے میں کوئی تامل نہ ہوگا۔

---

[1] یہ تمام قریب قریب ہیوم ہی کے الفاظ ہیں جو تم کو اسکے مضمون "معجزات" میں جا بجا ملیں گے ۱۲ دیکھو کتاب ہذا بیان عام معجزات

چنانچہ اسی نوعیت کا ایک معجزہ حضرت مسیحؑ کا انجیل میں مذکور ہے، کہ پانچ روٹیوں اور مچھلیوں سے پانچہزار آدمیوں کا پیٹ بھر گیا، اور پھر بھی اتنے ٹکڑے بچ رہے جنکو جمع کرنے سے بارہ ٹوکریاں بھر گئیں[1]۔ لیکن اس معجزہ کے باور کرنے میں روایۃً و درایۃً جو دشواریاں نظر آتی ہیں ان کو پوری طرح واضح کرنے کے بعد بھی ہکسلے نے لکھا ہے کہ

"اگر یہ ثابت ہو جائے کہ (۱) کھانا شروع کرتے وقت روٹیوں اور مچھلیوں کا وزن کیا تھا (۲) ۵ ہزار آدمیوں میں یہ تقسیم کی گئیں، بلا اس کے کہ ان کی کمیت یا کیفیت میں کوئی اضافہ ہوا ہو (۳) تمام کردی واقعۃً پوری طرح آسودہ ہو گئے (۴) اسکے بعد ٹوکریوں میں جو ٹکڑے جمع کیے گئے ان کا وزن کیا تھا، تو پھر ممکنات و نا ممکنات کے بارہ میں میرے موجودہ خیالات کچھ ہی ہوں، لیکن مذکورۂ بالا چار چیزوں کی تشفی بخش شہادت کے بعد مجھکو اتنا پڑے گا کہ پچھلے خیالات غلط تھے، اور اس معجزہ کو ممکنات فطرت کی ایک نئی اور خلافِ توقع مثال سمجھوں گا[2]"

غرض معجزہ نہ صرف فی نفسہ ایک ممکن الوقوع شے ہے، بلکہ "تشفی بخش شہادت" کی بنا پر اسکے وقوع کا یقین بھی کیا جا سکتا ہے، اس کے بعد یہ بحث رہ جاتی ہے کہ آیا مذہبی یا تاریخی کتابوں میں جو معجزات مذکور ہیں، ان کے یقین کرنے کے لیے "تشفی بخش شہادت" موجود ہے۔

اس سوال کا جواب ہیوم کو تو نفی میں دینا ہی چاہئے تھا لیکن یہاں پہنچکر ہکسلے بھی سپر انگندہ ہو جاتا ہے، اور ہیوم کے جواب سے لفظاً و معنیً کامل طور پر اتفاق کر لیتا ہے[3]

---

[1] یوحنا باب ۶ آیات ۵ تا ۱۴ [2] مقالات ہکسلے جلد ۵ صفحہ ۲۰۳ [3] ایضاً صفحہ ۲۰۷

یہ سچ ہے کہ معجزات کے ناممکن ہونے کا دعویٰ نہیں ثابت کیا جا سکتا۔ لیکن مجھکو کوئی ایسی شے قطعاً نہیں معلوم، جس کی بنا پر میں ہیوم کے اس وزنی فتویٰ میں کچھ ترمیم کر سکوں کہ

"تاریخ کے سارے دفتر میں ایک بھی ایسا معجزہ نہیں ملتا جس کی تصدیق و تائید میں ایسے فہمیدہ، باہوش اور تعلیم یافتہ لوگوں کی کافی تعداد موجود ہوں جن کے خود فریب و مغالطہ میں پڑنے کا ہم کو اندیشہ نہ ہو جن کی راست بازی اس درجہ غیر مشتبہ ہو کہ کسی مصلحت کی بنا پر وہ سروں کو فریب دہی کا ان پر گمان نہ ہو سکے۔ جو لوگوں کی نگاہ میں ایسی عزت و شہرت رکھتے ہوں کہ اگر ان کا جھوٹ کھل جائے تو ساری عزت خاک میں مل جائے ساتھ ہی جن واقعات کی وہ روایت یا تصدیق کر رہے ہیں وہ ایسے علی الاعلان طریقے سے اور ایسے مشہور مقام پر واقع ہوئے ہوں کہ ان کی نسبت دروغ بیانی چھپ ہی نہ سکے، حالانکہ انسانی شہادت کو قطعی بنانے کے لیے یہ تمام باتیں ضروری ہیں۔"

ہیوم نے کہنے کو تو کہدیا کہ قبول معجزات کے لیے جس درجہ کی شہادت درکار ہے، اسکا تاریخ کے دفتر میں کہیں پتہ نہیں، لیکن معجزات کے عدم قبول کی کیا واقعی یہی وجہ ہے؟ اور کیا اس نے اپنے اس دعویٰ کی چند ہی صفحات آگے بڑھ کر خود تردید نہیں کر دی ہے؟

فرانس میں کوئی مشہور درگاہ ہے" جس کے تقدس پر (بقول ہیوم) لوگ مدتوں فریفتہ رہے ہیں"۔

"برسوں کو ساعت، اندھوں کو بصارت مل جانا۔ اور بیماریوں کا اچھا ہو جانا۔ اس مقدس درگاہ کی معمولی کرامتیں تھیں، جن کا ہر گلی کوچے میں چرچا رہتا تھا، لیکن سب سے حیرت انگیز اور

غیر معمولی بات یہ ہے کہ ان میں سے بہت سی کرامتیں ایسے اشخاص کو حکم یا ثالث بنا کر اُن کے روبرو ثابت کر دکھائی گئی ہیں، جن کی دیانت پر حرف رکھنا ناممکن ہے، پھر ان پر ایسے گواہوں کی مہرِ تصدیق ثبت ہے، جن کی شہرت و سند مسلّم ہے، جس زمانہ میں ان کرامتوں کا ظہور ہوا وہ علم کا زمانہ ہے، اور جگہ بھی ایسی جو دنیا کا مشہور ترین خطہ ہے۔ اتنا ہی نہیں بلکہ یہ کرامتیں چھاپ کر ہر جگہ شائع کی گئیں، باایں ہمہ سیوعی فرقہ تک کو انکی تکذیب یا پردہ دری کی مجال نہ ہوئی، حالانکہ یہ لوگ خود اہل علم تھے، مجسٹریٹ ان کی حمایت پر تھا، اور ان خیالات کے جانی دشمن تھے، جن کی تائید میں یہ معجزات پیش کیے جاتے تھے، اب

یہ بتاؤ کہ کسی امر کی توثیق و تصدیق کے لیے اتنی تعداد میں موافق حالات ہم کو کہاں میسر آسکتے ہیں، اور ان دل بادل شہادتوں کے خلاف ہمارے پاس بجز اس کے اور کیا دلیل ہے کہ

یہ واقعات بذات خود قطعاً ناممکن اور سراسر خارقِ فطرت ہیں، اور معقول پسند آدمیوں کی نگاہ میں انکی تردید کے لیے بس یہی ایک دلیل کافی ہے۔[1] اللّٰھم احفظنا من شرورِ انفسنا

ہیوم کا صریح تناقض ایک ہی مضمون کے اندر ایسے زبردست فلسفی کی ایسی صریح تناقض بیانی جس قدر حیرت افزا ہے، اس سے کہیں زیادہ عبرت انگیز ہے، بات یہ ہے کہ انسان کا یقین ہمیشہ اس کی منطق کا ساتھ نہیں دیتا، جس پر اس کے قائل ہیں کہ انسان اپنے افعال میں مجبورِ محض ہے، اور اس دعویٰ پر انھوں نے اٹل سے اٹل دلائل قائم کر دیے ہیں، تاہم دیکھو کہ ۲۴ گھنٹے کی زندگی میں وہ خود کتنی بار ان دلائل کی بنا پر اپنے کو مجبورِ محض یقین کرتے ہیں، ہیوم کے دلائل

---

[1] فہم انسانی باب ۱۰، قابل توجہ فقرات کو زیرِ خط میں مؤلف ہذا نے کیا ہے

فلسفہ نے بیشک یہ ثابت کر دیا کہ معجزہ فی نفسہ ناممکن نہیں لیکن پھر بھی دل سے یہ کھٹک نہیں نکلتی کہ واقعات (معجزات) بذات خود ناممکن اور سراسر خارقِ عادت ہیں"۔ اور ان کی تردید کے لیے بس یہی ایک دلیل کافی ہے، فرانس کی درگاہ کے متعلق جو کرامتیں مشہور ہیں ان کی توثیق و تصدیق کے لیے اسی درجہ کی شہادت اس کو مل گئی جس کا چند صفحہ پہلے اسکے نزدیک تاریخ کے سارے دفتر میں وجود نہ تھا لیکن پھر بھی ان کرامتوں سے قطعی انکار ہے،

لہذا معلوم ہوا کہ معجزات کا یقین کرانے کے لیے کسی معجزہ یا کرامت کی تائید میں صرف ممکن سے ممکن انسانی شہادت کا مہیا کر دینا کافی نہیں ہے، بلکہ پہلے اس کے عدمِ امکان کا وسوسہ پوری طرح ذہن سے نکالنا چاہیے، اور پھر خود یقین کی ماہیت و اسباب پر بحث کرنی چاہیے

انتہائی استبعاد اوپر[1] اگرچہ ہم نے ہیوم کی اس تعریف میں چنداں مضائقہ نہیں خیال کیا تھا کہ معجزات نام ہے خارقِ فطرت واقعات کا لیکن تم نے اقتباس بالا کے آخری زیرِ خط جملہ میں دیکھ لیا کہ "خارق" کا لفظ کس قدر گمراہ کن ہے، خود ہیوم ہی کے فلسفہ کی رو سے معجزات کا بالذات ممکن ہونا قطعی طور پر محقق ہو چکا ہے، پھر بھی اس کی زبان قلم اس لغزش سے اپنے کو نہیں بچا سکتی کہ واقعات (معجزات) بذات خود قطعاً ناممکن اور سراسر خارقِ فطرت ہیں"۔ اصل یہ ہے کہ نفسی ایتلافات کی بنا پر ہمارے ذہن میں یہ غلط خیال بے طرح جاگزیں ہو چکا ہے کہ فطرت یا قانونِ فطرت ایک اٹل اور ناممکن التغیر شے ہے، اس لیے کسی واقعہ کو خارقِ فطرت کہتے

[1] دیکھو صفحات بالا

ہی اس کے ناممکن ہونے کا تصور ذہن پر مسلط ہو جاتا ہے۔

لہٰذا جب یہ مختتم طور ثابت ہو چکا ہے کہ خود معجزہ کی ذات میں عدم امکان داخل نہیں ہے، بلکہ "تشفی بخش شہادت" کی موجودگی میں اس کا یقین کیا جا سکتا ہے۔ تو اس کو خارقِ فطرت کی گمراہ کن تعبیر کے بجائے ہکسلے کے الفاظ میں زیادہ سے زیادہ "انتہائی حیرت انگیز" واقعہ کہا جا سکتا ہے، لیکن "انتہائی حیرت انگیز" سے بھی مناسب تر تعبیر انتہائی مستبعد کی ہوگی۔

استبعادِ معجزات

فطرت کی یکسانی | ایک عام خیال جو اس "حیرت انگیزی" میں اضافہ کرتا ہے، یہ ہے کہ کارخانۂ فطرت کے تمام پرزے ہمیشہ اور ہر حالت میں یکساں ہی نتائج پیدا کرتے ہیں، جہاں جب تک فطرت کی یک رنگی پر زور دیتے ہیں تو اسی مغالطہ میں مبتلا نظر آتے ہیں جتنی کہ مل کر اپنی "منطق"[1] میں اس خیال کی تردید کرنی پڑی کہ فطرت کی کارفرمائی ہمیشہ یکسانی پر مبنی ہوتی ہے، ہم خود غور کریں تو کچھ نہ کچھ مثالیں ایسی سامنے آتی رہتی ہیں جن سے یہ مغالطہ دور ہو جانا چاہیے۔ ابھی آج ہی اخبار پڑھتے وقت اس قسم کے دو دلچسپ[2] واقعے نظر پڑے۔

عورتوں کے عملی العموم، ہر وقت واحد ایک لڑکا ہوتا ہے، یا کبھی کبھی دو، لیکن حال میں کنکٹی کٹ (امریکہ) میں ایک عورت کے ایک ساتھ آٹھ لڑکے پیدا ہوئے، ایک دوست سے اس واقعہ کا ذکر آیا، تو انھوں نے کہا، کچھ عرصہ ہوا کہ برہما میں ایک عورت کے چھ لڑکے

---

[1] نظام منطق کتاب ۳ باب ۳ [2] یہ دونوں واقعہ آج ۲۷ فروری ۱۹۲۲ء کے لیڈر میں مذکور ہیں۔

ہونے کی خبر شائع ہوئی تھی۔

طبی دنیا کا عام تجربہ ہے کہ جب خون کی حرارت ۱۰۷ یا ۱۰۸ درجے پہنچ جاتی ہے تو آدمی نہیں بچتا، لیکن برسٹل میں انفلوائنزا کی مریض ایک لڑکی کا بخار ۱۱۴ درجے تک پہنچ گیا، پھر بھی وہ اچھی ہوگئی اور زندہ ہے، خود حیرت زدہ ڈاکٹر کی شہادت ہے کہ

"جب وہ پہلی دفعہ اس لڑکی کو دیکھنے کے لیے بلایا گیا تو اس کی حرارت ۱۱۲ نکلی، خیال ہوا کہ تھرمامیٹر میں کچھ نقص ہے، دوسرا تھرمامیٹر منگا کر لگایا تو پھر وہی ۱۱۲۔ ڈاکٹر کو اب بھی یقین نہ آیا، اس نے دو تھرمامیٹر اور آزمائے، بالآخر یقین کرنا پڑا، کچھ علاج سے بخار اپنی معتدل حالت پر آگیا، لیکن رات کو پھر بڑھ گیا، اور دوسرے دن صبح کو جب ڈاکٹر نے دیکھا تو ۱۱۴ تھا، حیرت کی انتہا نہ رہی، بہرحال علاج سے فائدہ ہوا، اور اب مریضہ خاصی رو بصحت ہے۔"

تریکون متی (ٹرگنامیٹری) یا "مسامحۃ المثلثات" وغیرہ ریاضیات عالیہ کی وہ شاخیں ہیں جن کی کالجوں میں ریاضیات کے اعلیٰ مدارج میں تعلیم دیجاتی ہے، ۱۰-۱۱ برس کے بچے جو علی العموم زیادہ سے زیادہ اسکول کی چوتھی پانچویں جماعت میں پڑھتے ہیں، اُن کی ریاضی دانی بس حساب کے چند ابتدائی قواعد تک محدود ہوتی ہے، جو لڑکے غیر معمولی طور پر ذہین و محنتی اور جن کی تعلیم کا گھر پر معلّم رکھ کر کچھ خاص اہتمام کیا جاتا ہے، وہ بہت ترقی کرتے ہیں تو ۱۳-۱۴ برس کی عمر میں اسکول کی تعلیم پوری کر پاتے ہیں،

لیکن گذشتہ سال اکتوبر میں (۱۷ کا تار، لیڈر) راج نرائن نامی ۱۱ برس کے ایک مدراسی لڑکے کا "معجزۂ ریاضیات" (اسی عنوان سے) یہ چھپا تھا کہ اس نے بلا کسی علم کی مدد کے

اعلیٰ اجبرا، ترکیون متی، تحلیلی اقلیدس (جامیٹری) وغیرہ از خود حاصل کی ہے۔

ولادتِ مسیح (بے باپ کے) یا احیاے موتی سے بڑھ کر کس شے میں انتہائی استعجاب یا اعجاز ہو سکتا ہے، لیکن سائنس کی تحقیقات نے (جس کے نزدیک انسان کی حقیقت حیوانِ عالم سے زیادہ نہیں) حیوانات ہی کے اندر اُس کے نظائر بھی تلاش کر لیے، چنانچہ ہکسلے جیسے سائنسداں نے معجزات ہی کے ضمن میں لکھا ہے کہ

"حاملہ مریمؑ کے کنوارپن میں مسیحؑ کا پیدا ہونا، تو یہ نہ صرف ممکن التصور شے ہے، بلکہ علم الحیات کی تحقیقات نے ثابت کر دیا ہے کہ بعض اصنافِ حیوانات میں یہ روزانہ کا واقعہ ہے، یہی حال احیاے موتی کا ہے بعض جانور مر کر مومیات کی طرح بالکل خشک ہو جاتے ہیں اور عرصہ تک اسی حالت میں رہتے ہیں لیکن جب ان کو مناسب حالات میں رکھ دیا جاتا ہے تو پھر جان آ جاتی ہے۔"[1]

ایجادات سائنس یہ تو سائنس کا علمی و تحقیقاتی پہلو تھا، ایجادی و اختراعی پہلو نے بھی اس سے کم "انتہائی حیرت انگیز" اعجاز نمائیاں نہیں کی ہیں،

لاسلکی ذریعۂ پیغام رسانی کی ایجاد سے پہلے کس قدر مستبعد بلکہ ایک حد تک ناقابلِ تصور بات تھی کہ آپ بمبئی میں بیٹھے ہیں اور آپ کا دوست لندن میں۔ درمیان میں ہزارہا میل سمندروں کی پہنائی حائل ہے، تار وغیرہ کوئی محسوس شے آپ دونوں کے مابین رابطہ نہیں، پھر بھی چشم زدن میں آپ اس کو اپنا پیام پہنچا دے سکتے ہیں، ایک منٹ میں ۶۰ سکنڈ ہوتے ہیں، ایک سکنڈ کے بھی ۱۶ حصے کیجئے، اور اس سولہویں حصہ میں یہ پیام

[1] مقالات ہکسلے ج ۵ ص ۱۹۹

۱۲ ہزار میل سے زائد کی مسافت طے کر سکتا ہے[1]۔

حیرت پر حیرت یہ ہے کہ آپ صرف پیام ہی نہیں پہنچا سکتے ہیں بلکہ حال ہی میں ایک فرانسیسی سائنسداں نے اس معجزہ کا دعویٰ کیا ہے کہ بمبئی میں اپنے میز پر بیٹھے بیٹھے آپ اسی لاسلکی کے ذریعہ سے لنڈن، پیرس، یا نیویارک میں چک پر اپنے دستخط ثبت کر سکتے ہیں، قریب قریب (یعنی سیکڑوں میل) کے مقامات تک اس کے کامیاب تجربات ہو بھی چکے ہیں[2]۔

تنویم | طبیعیات کے ان کرشموں کو دیکھ چکنے کے بعد اب ذرا نفسیات کے اس شعبہ کی تحقیقات کو سامنے لائیے جس کا نام ہپناٹزم ہے، عربی میں اس کو تنویم مغناطیسی کہتے ہیں لیکن ہم صرف تنویم یا عملِ تنویم سے تعبیر کریں گے۔

اس عمل کی کرامات ہمارے زمانہ کے ایک نہایت ہی بلند پایہ محقق نفسات پروفیسر ولیم جیمس کے الفاظ میں یہ ہے:

"عاملِ تنویم اپنے معمول سے جو کچھ بھی کہتا ہے اس کو وہ یقین کر لیتا ہے، اور جس چیز کا حکم کرتا ہے اس کو بجا لاتا ہے۔ حتیٰ کہ جو چیزیں معمولی حالت میں آدمی کے اختیار سے باہر ہوتی ہیں وہ بھی عامل کے حکم سے واقع ہو سکتی ہیں، مثلاً چھینک، چہرے کا سرخ یا زرد پڑ جانا، حرارتِ خون کا کم یا زیادہ ہو جانا، حرکتِ قلب میں تیزی یا سستی پیدا ہو جانا، وغیرہ وغیرہ۔"

تم معمول کو یقین دلا سکتے ہو کہ وہ یخ ہوا جا رہا ہے، یا آگ میں جلا جا رہا ہے، تم اس کو آلو کھلاؤ لیکن یقین دلا سکتے ہو کہ شفتالو کھا رہا ہے، تم اسکو سرکہ پلا کر یقین دلا سکتے ہو کہ شراب پی رہا ہے"

[1] معارف [2] انڈین ریویو بابت جنوری ۱۹۲۲ء ص ۷۷

نوسادر میں، اسکو کالوگنی کی بو محسوس ہو سکتی ہے، کرسی اس کو شیر نظر آسکتی ہو، جھاڑو اس کے لیے خوبصورت عورت بن جاسکتی ہو، راستہ کا شور اسکو موسیقی معلوم ہو سکتا ہو..... جوان آدمی اپنے کو بچہ یا نپولین اعظم سمجھنے لگ سکتا ہے۔"

"سر یا دانتوں کا درد، دور کر دیا جا سکتا ہے، وجع مفاصل وغیرہ کے مریض کو اچھا کیا جا سکتا ہے۔ بھوک فنا کر دی جا سکتی ہے۔ یہاں تک کہ ایک شخص نے ۴۰ دن تک کھانا نہیں کھایا..... جس چیز سے تم چاہو اسی چیز سے معمول بہرا یا اندھا ہو جا سکتا ہو، مثلاً فلاں لفظ وہ نہ سنے، لاکھ اس کے سامنے چیخو نہ سنے گا، یا فلاں آدمی کو وہ نہ دیکھے، اس کے سامنے کھڑا کرو، وہ نہ دیکھ سکے گا۔"[1]

اس عمل کے وقت معمول پر ایک نیند کی سی کیفیت طاری ہو جاتی ہے، اسی لیے اس کا نام تنویم ہے، لیکن عمل کا اثر اس کیفیت کے بعد بھی قائم رہ سکتا ہے، مثلاً جس مرض کے لیے تم عمل کرو وہ ہمیشہ کے لیے دور ہو جا سکتا ہے۔ یا فرض کرو کہ معمول سے تم یہ کہدو کہ آئندہ سال جنوری کی ۲۰ تاریخ کو صبح ۹ بجے اپنے پلنگ کے پاس ایک شیر کھڑا دیکھو گے۔ سال بھر کے بعد ٹھیک اسی وقت پلنگ کے پاس معمول کو شیر دکھائی دے گا۔

گو عمل تنویم کے تجربات زیادہ تر نیند کی کیفیت طاری کرنے کے بعد ہی کیے جاتے ہیں، لیکن اس کیفیت کا نمایاں طور پر طاری ہونا کامیابی عمل کے لازمی شرائط میں نہیں ہے۔ بلکہ ڈاکٹر مول کا خیال تو یہ ہے کہ ایسے معمول نسبتہً کم ہوتے ہیں، جن پر کیفیت نوم طاری

[1] دیکھو پروفیسر موصوف کی کتاب "پرنسپلس آف سائیکالوجی" (اصولِ نفسیات) جلد دوم باب ۳۷

ہوتی ہو[1]۔ ساتھ ہی یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ اس عمل کا اثر افراد ہی تک محدود نہیں، بلکہ جماعتوں اور مجمعوں کو بھی متاثر کر سکتا ہے،

ڈاکٹر البرٹ مول کا ابھی نام لیا جا چکا ہے، اس جرمن فاضل کی کتاب "ہپناٹزم" اپنے موضوع پر سب سے بہتر نہایت محققانہ اور مستند خیال کی جاتی ہے، ڈاکٹر موصوف نے اس کتاب میں دکھلایا ہے کہ بہت سے معجزات کی توجیہ نہایت آسانی کے ساتھ تنویم مقناطیسی سے کی جا سکتی ہے، معجزات ہی پر کیا موقوف ہے، سحر و عملیات تک کے صدہا عجائب کی گرہ کھل جاتی ہے، اور جن واقعات پر عقلا نے اوہام و اباطیل کی مہر ثبت کر دی تھی، وہ قوانین مادی کی طرح قوانین نفسی کے حقائق بن گئے ہیں۔

معجزات شفا | بہت سے معجزات و کرامات کا تعلق امراض کی ایسی شفا سے ہے جو طب کے مادی وسائلِ علاج پر مبنی نہیں، اور اس کے لیے مدعیانِ عقل کے ہاں اس کا نام وہم پرستی تھا، لیکن آج تنویمی تحقیقات نے ایک نیا اور نہایت کامیاب اصولِ علاج منکشف کر دیا ہے، جو عام مادی وسائل اور استعمالِ ادویہ سے قطعاً مستغنی ہے۔ اور اس بے دوا کے علاج سے بہرے شفا ہو جاتے ہیں، پھیپھڑے اور سل کے امراض میں شفا حاصل ہوتی ہے، آنکھوں کی بیماریاں جاتی رہتی ہیں، وجع مفاصل دور ہو جاتا ہے، زخم بھر آتے ہیں[2]، کیا اس کے بعد بھی انجیل کی روایاتِ مسیحائی کو محض خوش اعتقادی یا اکاذیب کا طومار کہنا خود اپنے جہل مرکب کی گواہی نہ ہوگی؟

---

[1] ڈاکٹر مول کی کتاب "ہپناٹزم" ص ۴۹۲ مطبوعہ ۱۹۰۹ء [2] ایضاً ص ۴۵۵

فرانس کی جس مشہور درگاہ کی کراماتِ شفا کا اوپر ذکر گذرا ہے، ہیوم نے معتبر سے معتبر شہادت کے باوجود ان کو "قطعاً ناممکن" قرار دیا تھا لیکن ڈاکٹر مول بلا کسی مطالبۂ شہادت کے قدیم مصری اور یونانی مندروں کی کراماتِ شفا کو تنویم ہی کا معجز نما نفسی اثر سمجھتا ہے[1]، غرض جو چیز ہیوم کے نزدیک "قطعاً ناممکن" تھی، مول کے نزدیک اب اس میں اتنا استبعاد بھی باقی نہیں کہ کسی غیر معمولی شہادت کا مطالبہ کرے۔

جان اسٹورٹ مل نے معجزہ کی تعریف یہ کی تھی کہ "وہ عبارت ہے ایسے واقعہ سے جس کے پہلے وہ لوازم و شرائط نہ پائے جاتے ہوں جو دوبارہ اس کو وجود میں لانے کے لیے کافی ہوتے ہیں" لیکن آج ہمارے سامنے وہ لوازم و شرائط موجود ہیں جن کی بنا پر عصا اسی طرح اژدہا بن سکتا ہے جس طرح کہ کرسی شیر نظر آسکتی ہے، تم کہو گے کہ تو پھر اس صورت میں حضرت موسیٰؑ کا اعجاز کیا رہا، اس کا جواب آئیگا، سر دست تم صرف اتنا سمجھ لو کہ عصا کا اژدہا بن جانا اتنا مستبعد واقعہ نہیں ہے جس پر یقین کے لیے نفس نوعیتِ واقعہ کی بنا پر کسی غیر معمولی شہادت کی احتیاج ہو،

عام تجربات | تنویمی تجربات کے علاوہ یوں بھی کچھ نہ کچھ ایسے پراسرار واقعات مشاہدہ مسموع ہوتے رہتے ہیں جن کی توجیہ عام قوانینِ فطرت سے نہیں ہوتی، اور جو بہت سے معجزات کے متعلق ہماری حیرت و استبعاد میں کمی پیدا کرتے رہتے ہیں،

ہمارے صوبہ کے مشہور انگریزی اخبار "لیڈر" نے پچھلے سال اپریل میں بردوان کا ایک عجیب و غریب واقعہ چھاپا تھا جو نامہ نگار کے الفاظ میں حسب ذیل ہے:

---

[1] ہپناٹزم ص ۳۵۶

"بردوان میں ایک عجیب پراسرار واقعہ پیش آیا جس نے لوگوں میں کافی سنسنی پیدا کردی ہے۔ لالہ کندن لال کپور ایک کھتری زمیندار ۱۱ ماہ حال کو ۶ بجے شام کے وقت مرا، متوفی چونکہ سوریہ بنسی کھتری تھا، اس لیے جب تک دوسرے دن صبح آفتاب نہ نکل لیا، اس کی لاش جلائی نہیں گئی، جلانے سے پہلے اس کے لڑکے نند لال نے ایک خالی کمرہ میں جہاں کوئی اور نہ تھا، لاش کا فوٹو لیا، لیکن اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب اس نے دیکھا کہ اس کے فوٹو پر پانچ اور دھندلی تصویریں آگئی ہیں، ان تصویروں میں سے دو کو تو خاندان کے لوگوں نے پہچانا تھا کہ متوفی کی پہلی بیوی اور لڑکے کی ہیں جن کے مرے ہوئے کئی سال ہوچکے ہیں۔ باقی تین تصویریں جو زیادہ روشن نہ تھیں پہچانی نہ جاسکیں۔"

"ٹائمس آف سیلون" میں ایک انگریز پلانٹر (چائے کا کاشتکار) نے اپنے قلیوں کی قربانی اور پوجا کے کچھ مشاہدات لکھے تھے جو اس کو عجیب معلوم ہوتے تھے، ان میں یہ بھی تھا کہ[1]

"ایک شخص آگ کی سوراخ دار چٹی ہتھیلی پر رکھ کر مندر کے گرد رقص و طواف کرتا تھا، اس نے مجھکو یقین دلایا کہ یہ چٹی اس کو بالکل گرم نہیں محسوس ہوتی تھی، حالانکہ جب میں نے تجربۃً چٹی کے اُسی حصہ کو جو اس شخص کی ہتھیلی پر تھی، چھوا تو میری انگلی جل گئی، ان کا بڑا پوجاری کم و بیش ایک منٹ تک آگ میں ہاتھ ڈالے رہا اور کوئی اثر نہ ہوا، اسی طرح اور بھی کئی قلیوں نے نہایت غیر معمولی حرکتیں کیں۔"

[1] "لیڈر" نے "ٹائمس آف سیلون" کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔

ان چشم دید عجائب کو لکھ کر پلانٹر نے ناظرین اخبار سے درخواست کی ہو کہ اگر کسی اور صاحب نے اس قسم کے واقعات دیکھے ہوں تو براہ مہربانی اطلاع دیں، یا اگر اُن کی کوئی توجیہ تشریح ہو سکتی ہو تو کریں، اس پر خود "ٹائمس" نے لکھا ہے کہ "سیلون اور ہندوستان دونوں جگہ مذہبی رسوم کے مواقع پر اس قسم کے واقعات اکثر دیکھنے میں آتے ہیں. مثلاً کولمبو میں محرم کے موقع پر لوگ آگ میں چلتے ہیں، ہم کو نہیں معلوم کہ ایسے واقعات کی ابتک علمی توجیہ ہو سکی ہے، ایک نظریہ یہ ہے کہ لوگ اپنے آپ پر عملِ تنویم[1] کر لیتے ہیں"۔

بہرحال توجیہ ہو سکے یا نہ ہو سکے لیکن اڈیٹر ٹائمس نے پلانٹر کے بیان کی تکذیب نہیں کی، نہ کسی مزید شہادت کا مطالبہ کیا، کیوں؟ اس لیے کہ اس طرح کے واقعات اور بھی وقتاً فوقتاً پیش آتے رہتے ہیں، جن کو سامنے رکھنے کے بعد پلانٹر کا بیان اتنا مستبعد نہیں رہتا کہ نفس واقعیتِ واقعات ہی کی بنا پر ان کی تغلیط و تردید کر دی جائے، یا کسی غیر معمولی شہادت کا مطالبہ کیا جائے،

پھر کیا وجہ ہے کہ تم اس واقعہ کو غلط سمجھو کہ حضرت ابراہیمؑ کو آگ نہ جلا سکی، زیادہ سے زیادہ یہ ہو سکتا ہے کہ اس کی بنا پر تم ان کی نبوت کا اقرار نہ کرو، لیکن نفس واقعہ کے انکار کا کیا حق حاصل ہے؟

رویاے صادقہ رویا یا خواب کی تشفی بخش عقدہ کشائی سے حکمت و فلسفہ کا ناخن ابتک عاجز ہے، مختلف اصنافِ خواب کی توجیہ کے لیے جو جو نظریات وضع کیے گئے ہیں، وہ

[1] تنویم مقناطیسی کی تحقیقات کی رو سے آدمی خود اپنے اوپر بھی عمل کر سکتا ہے۔

خود ایک خواب پریشاں معلوم ہوتے ہیں، لیکن قدرت اپنی عجائب آفرینیوں کے لیے انسانی توجہات کا انتظار نہیں کرتی۔

تم کسی مبصر آدمی سے دریافت کرو، اس کو اپنی زندگی کے بہت سے ایسے خواب یاد ہوں گے جو واقعات مستقبل کی تمثیلی یا صریحی پیش بینی تھے۔ میرے ایک فلسفی دوست کو اپنے خوابوں کی صحت کا اس قدر تجربہ ہے کہ جب کسی شخص سے خواب میں اُن سے بے لطفی ہو جاتی ہے، تو بیداری میں اس کے نتیجہ کے لیے وہ تیار رہتے ہیں، اور اکثر کچھ نہ کچھ بدمزگی کی نوبت آ ہی جاتی ہے۔ مجھ کو اپنے خواب بہت ہی کم یاد رہتے ہیں، لیکن جو جس قدر زیادہ وضاحت کے ساتھ یاد رہتا ہے، اسی قدر زیادہ صحیح نکلتا ہے۔ ۱۹۲۰ء کے روزنامچہ میں (۱۵) اپریل، ایک جگہ لکھا ہے کہ

"آج دوپہر کو سویا، تو کیا خواب دیکھتا ہوں کہ "ح" کا خط آیا ہے، جس میں "س" کا بھی ایک خط ملفوف ہے۔ اٹھنے کے بعد ڈاک آئی تو یہ خواب بالکل واقعہ تھا۔ انتہا یہ کہ خطوں کا جو مضمون خواب میں دیکھا تھا۔ وہی قریب قریب بیداری میں بھی پایا۔

حالانکہ مجھ کو "ح" کے خط کا کوئی انتظار نہ تھا اور "س" کا خط تو حاشیۂ خیال میں بھی نہ تھا۔"

پروفیسر ہلپرکٹ اسیریا کے آثار قدیمہ کا ایک مشہور ماہر ہے، اس نے دو بابلی کتبات کے متعلق ایک اشکال کو جو بیداری میں حل نہیں ہو سکا تھا خواب میں حل کیا، اور وہ بھی اس طرح کہ بابل کے ایک پرانے کاہن نے خواب میں آکر اس کی رہنمائی کی۔[1]

[1] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا مضمون "ڈیم"۔

جب عام لوگوں کے یہ تجربات ہیں تو پھر اس میں کیا استعجاب و استبعاد رہ جاتا ہے کہ بعض نفوس قدسیہ (انبیاء) کے تمام خواب رویائے صادقہ، یا ایک طرح کا وحی و الہام ہوتے ہیں، رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کی ابتداء رویائے صادقہ (صالحہ) سے ہوئی تھی، اخبار بالغیب کی گرہ بھی بڑی حد تک رویائے صادقہ سے کھل جاتی ہے،

حقیقی اسرارِ نبوت اسرارِ نبوت میں سب سے زیادہ پراسرار مقام وہ ہے جہاں ابراہیمؑ کو خداوند ندا دیتا ہے (نَادَيْنَاهُ أَنْ يَا إِبْرَاهِيمُ) جہاں سے موسیٰؑ کو (وَكَلَّمَ اللَّهُ مُوسَىٰ تَكْلِيمًا) کی بنا پر کلیم اللہ کا شرف عطا ہوتا ہے، اور جہاں محمد اور خدا میں قَابَ قَوْسَيْنِ یا اس سے بھی کم کی دوری رہ جاتی ہے، یہی وہ مقام ہے، جہاں منطق و استدلال کا حجاب اکبر اٹھ جاتا ہے، اور ظنی علم کی جگہ کشف و مشاہدہ کا حق الیقین حاصل ہو جاتا ہے، ابراہیمؑ کو کس نے ندا دی؟ موسیٰؑ نے طور پر کس سے کلام کیا، اور "لَنْ تَرَانِي" کے باوجود کیا دیکھا؟ وہ کونسی ہستی تھی جس میں اور محمدؐ میں صرف "قَابَ قَوْسَيْنِ" کی دوری تھی؟ اور "أَوْحَىٰ إِلَىٰ عَبْدِهِ مَا أَوْحَىٰ" کا ماجرا کیونکر ہوا؟ ان سوالات کا جواب جامۂ تحدید میں رہ کر نہ دیا جا سکتا ہے اور نہ سمجھا جا سکتا ہے۔

حقیقی آیاتِ نبوت کی عام مثالیں عام معجزات کی نوعیت ہے، چونکہ اس کی مثالیں جیسا کہ اوپر معلوم ہو چکا ہے معمولی واقعاتِ زندگی میں بھی ملتی رہتی ہیں، لہٰذا اسی نسبت سے ان کے استعداد میں بھی بہت کچھ کمی ہو جاتی ہے، لیکن "وادی ایمن" اور "سدرۃ المنتہیٰ" کی واردات جو اصلی معجزات اور مقامِ نبوت کی حقیقی "آیات کبریٰ" ہیں، ان کی بظاہر کوئی مثال اس

لہ یا جبریل میں "س"

عالمِ ناسوت میں نہیں نظر آتی جس سے عام انسانوں کو ان کی فہم میں مدد ملے. بیشک لِنُرِیَکَ من اٰیاٰتِنَا الکُبریٰ کا رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا" اور یہ سچ ہے کہ آفتاب کی عالم افروزی کا اندازہ ستاروں کی چمک سے نہیں ہو سکتا، تاہم بہ قدر استعداد تجلّی طور کا بلکا سا پرتو ذرات پر کبھی کبھی پڑ ہی جاتا ہے. اور چشم بینا کی ہدایت کے لیے اتنا ہی بس ہے،

انبیاے مرسلینؑ کے بعد اولیاے مقربین کے ہاں ان تجلیات کی کافی شہادتیں ملتی ہیں لیکن عالم انسانی سطح سے چونکہ یہ درجہ بھی بہت بلند ہے، اس لیے اور نیچے اتر کر ہم کو اپنی سطح کی کچھ مثالیں تلاش کرنی چاہئیں.

پروفیسر ولیم جیمس جو ہمارے زمانہ کا سب سے نامور محققِ نفسیات اور جس کا شمار اکابر فلاسفر میں ہے اُس نے لوگوں کے ذاتی واردات مذہب، یا مذہبی تجربہ و شعور کے مختلف اصناف پر ۵۰۰ صفحات سے زائد کی ایک کتاب لکھی ہے[1]، اس میں بلا قید مشرق و مغرب انبیاء و اولیاء، عوام و خواص، علماء و حکماء سب کے "تجرباتِ مذہبی" کی آپ بیتی واردات کو یکجا کیا اسی ذخیرہ میں سے ہم صرف عام انسانی سطح کے چند واقعات کا بہ ترتیب ذیل انتخاب کرتے ہیں،

سب سے پہلے جیمس نے اپنے ایک بے تکلف اور نہایت ہی ذہین و زیرک دوست کے متعدد تجربات لکھے ہیں، اس دوست کو کبھی کبھی رات کے وقت جبکہ یہ کتب بینی میں

---

[1] اس کا نام The Varieties of Religious Experience تجربہ مذہبی کے اصناف پروفیسر موصوف کا انتقال ابھی ۱۹۱۰ء میں ہوا ہے.

مشغول ہے، یا خالی بیٹھا ہے. ایسا معلوم ہوا کہ کمرے کے اندر کوئی موجود ہے، پلنگ کے پاس ہے، اپنی گود میں اس کو دبا رہا ہے، گو وہ نہیں جانتا کہ یہ کون ہے، یا کیا ہے. تاہم نفس اسکی موجودگی کا اس سے کہیں زیادہ اس کو یقین ہے، جتنا کہ دن کی روشنی میں کسی ذی روح کی موجودگی کا ہو سکتا ہے، وہ اس کو کسی متشخص ذات یا انسان کی طرح نہیں دیکھ رہا ہے، پھر بھی اپنے تمام محسوسات سے زیادہ اس کے حقیقی و واقعی ہونے کا اذعان ہے۔

"اس کی موجودگی میں نہ کوئی ابہام و التباس ہے، نہ یہ شعر یا موسیقی کے وجد و کیف کا سا پیدا کردہ کوئی جذبہ ہے. بلکہ یہ ایک قوی شخصیت کی نہایت قریب موجودگی کا قطعی علم و یقین ہے. اور اس کے چلے جانے کے بعد میرے حافظہ میں اس کی یاد ایک حقیقت کی طرح تازہ ہے. ہر چیز جو میں دیکھتا یا سنتا ہوں خواب ہو سکتی ہے. لیکن یہ واقعہ خواب نہ تھا۔" (صفحہ ۹۰-۹۱)

یہ دوست کوئی وہم پرست نہیں ہے، بلکہ جیمس کو اس بات پر حیرت ہے کہ وہ ان تجربات کو مذہبی رنگ میں کیوں نہیں تعبیر کرتا. اس کے بعد ایک اور شخص کا بیان ہے۔

"میری آنکھ بہت رات رہے کھل گئی ..... ایسا معلوم ہوا کہ کسی نے جان بوجھ کر جگا دیا، اور پہلے میں یہی سمجھا کہ کوئی شخص اندر گھس آیا ہے ..... میں نے پھر سونے کے لیے کروٹ بدل لی. فوراً ہی محسوس ہوا کہ کمرے میں کوئی موجود ہے. اور یہ کچھ عجیب احساس تھا، کسی عام ذی حیات شخص کی موجودگی کا نہیں، بلکہ ایک روحانی وجود کا احساس تھا، ممکن ہے کہ تم کو اس پر ہنسی معلوم ہوتی ہو، لیکن میں وہ بیان کرتا ہوں، جو مجھ پر گذری،

بجز اس کے کہ میں ایک روحانی وجود سے اس کو تعبیر کروں، اور کوئی بہتر صورت مجھ کو اپنے احساس کے ادا کرنے کی نہیں ملتی ..... ساتھ ہی مجھ کو ایک یہ دہشت بھی محسوس ہوئی کہ کوئی عجیب و خوفناک واقعہ ظاہر ہوا چاہتا ہے۔ (ص ۹۲)

ایک سائنس داں کے اعترافات سنو،

بیس اور تیس سال کی عمر کے مابین، میں بتدریج لاادری اور لامذہب ہو گیا تھا، تاہم اس "غیر متعین شعور" سے میں کبھی خالی نہیں رہا، جس کا نام ہربرٹ اسپنسر نے حقیقۃ مطلقہ رکھا ہے، لیکن اسپنسر کی طرح یہ حقیقت میرے لیے محض ناممکن العلم نہ تھی، کیونکہ گو میں نے طفلانہ طریقہ سے خدا سے دعائیں مانگنا چھوڑ دیا تھا، اور مذہبی رسم کے مطابق کبھی نماز نہیں پڑھی، نہ دست بدعا ہوا، تاہم میرا زیادہ حال کا تجربہ یہ بتلاتا ہے کہ عملاً اس ذات کے ساتھ مجھ کو وہی تعلق رہا ہے جو دعا اور نماز کا ہوتا ہے جب مجھ پر کوئی مصیبت پڑی، خواہ وہ خانگی ہو یا کاروباری، یا جب میں کسی معاملہ کے متعلق پریشان و متردد ہوا، اور میرا دل بیٹھنے لگا تو اعتراف کرتا ہوں کہ استعانت کے لیے میں اسی تعلق کی طرف بھاگا، جو اس ذات کے ساتھ مجھ کو حاصل تھا ..... اس نے ہمیشہ میری نصرت کی، اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس کی تائید غیبی نے مجھ کو بے انتہا قوی کر دیا ہے ..... میں پاتا ہوں کہ اس کے ساتھ میرا تعلق دراصل شخصی تھا، کیونکہ ادھر چند سال سے اس سے استعانت کی قوت نے میرا ساتھ چھوڑ دیا ہے جس سے مجھ کو ایک صریح فقدان کا شعور ہے .....

اور اقرار ہے کہ میں اپنی زندگی میں ایک بڑی قوت و نصرت سے محروم ہو گیا ہوں،

..... جس ذات کو میں "اس" سے تعبیر کر رہا ہوں، یہ اسپنسر کی نامعلوم حقیقت نہ تھی، بلکہ یہ میرا خدا تھا جس کی تائید مجھ کو بھروسہ تھا۔ لیکن جس کو نہیں معلوم میں نے کس طرح کم کر دیا۔" (ص ۶ - ۶۵)[1]

سوئٹزرلینڈ کے ایک شخص کی آپ بیتی یہ ہے کہ

میں پوری طرح صحیح و تندرست تھا..... کسی قسم کی تھکن، بھوک یا پیاس قطعاً نہ تھی، طبیعت بالکل چاق اور شگفتہ تھی۔ گھر سے جو خبر ملی تھی اچھی تھی۔ غرض دور و نزدیک کسی قسم کی کوئی پریشانی نہ تھی۔ ہوشیار رہنما ہم لوگوں کے ساتھ تھا۔ راستے میں بھٹکنے کا بھی مطلقاً اندیشہ نہ تھا۔ مختصر طور پر اپنی اس حالت کو یوں ادا کر سکتا ہوں کہ میرا دل و دماغ اس وقت کامل توازن کی حالت میں تھا کہ یکایک مجھ کو اپنے اندر ایک طرح کا ارتفاع محسوس ہوا اور یہ معلوم ہوا کہ خدا موجود ہو گیا۔ اس کی رحمت و قوت میرے سارے وجود میں نفوذ کر رہی ہے۔ یہ کیفیت اس درجہ شدید تھی کہ ساتھیوں سے بہ مشکل اتنا کہہ سکا کہ آگے چلو میرا انتظار نہ کرو، اب مجھ میں کھڑے ہونے کی تاب نہ تھی۔ ایک پتھر پر بیٹھ گیا اور آنکھوں سے آنسوؤں کا دریا امنڈ آیا۔ میں نے خدا کا شکر ادا کیا کہ اس نے ایک حقیر اور میری جیسی گناہگار مخلوق پر اتنا بڑا رحم و فضل فرمایا کہ زندگی ہی میں اپنے کو بھجوا کر اپنی ربوبیت کا کرشمہ دکھلایا۔ میں نے اس سے نہایت الحاح کے ساتھ دعا کی کہ میری زندگی تمام تر اس کی رضاجوئی میں بسر ہو، جواب ملا کہ بس تو روز بروز عاجزی و

[1] اس حالت کو سامنے رکھکر ذرا ان آیات کو پڑھیے "ایاک نستعین" "ففروا الی اللہ" "وما النصر الا من عند اللہ"

سکنت کے ساتھ میری رضا پر چلنے کی کوشش کر، اور اس کا فیصلہ مجھ خدائے قادر و توانا پر چھوڑ دے کہ اس سے بھی زیادہ شعور کے ساتھ تو مشاہدۂ حق کے قابل ہوا ہے یا نہیں....

..... یہ احساس واثر اس قدر گہرا اور واضح تھا کہ میں نے اپنے دل سے سوال کیا کر کیا موسیٰ نے کوہ طور پر کچھ اس سے بھی زیادہ وضاحت کے ساتھ دیکھا تھا، اس قدر بیان کر دینا اور مناسب ہوگا کہ اس عالم وجد میں خدا کسی شکل و صورت اور رنگ و بو سے متصف نہ تھا، نہ میں اس کی موجودگی کی کوئی خاص جگہ محسوس کر رہا تھا۔" (ص ۹۹-۹۷)

جیمس نے تو اس قسم کے تجربات کا ایک انبار لگا دیا ہے لیکن ہم ایک طویل بیان کے دو جملوں کے اقتباس پر بس کرتے ہیں، قیاس اور اخذ نتائج کے لیے امید ہے کہ یہی تین چار مثالیں کافی ہوں گی، امراض دماغی کے ایک ماہر ڈاکٹر نے خود اپنا تجربہ لکھا ہے کہ

"اس کے بعد مجھ پر ایک انتہائی فرحت و انبساط کی کیفیت طاری ہوئی جس کے ساتھ ہی ایک ایسی اشراقی یا انشراحی حالت پیدا ہوئی، جس کا بیان ناممکن ہے۔ اس حالت میں دو سری چیزوں کے ساتھ اس بات کا بھی مجھ کو صرف یقین نہیں، بلکہ عینی مشاہدہ ہوا کہ کائنات بے جان مادہ سے نہیں بنی ہے، بلکہ ایک ذی حیات وجود ہے، مجھ کو خود اپنے اندر ایک ابدی حیات کا احساس ہوا، یہ کیفیت صرف چند سکنڈ تک رہی لیکن اسکی یاد اور حقیقت کا احساس آج چوتھائی صدی گذر جانے پر بھی اسی طرح تازہ ہے۔" (ص ۳۹۹)

ان مثالوں کو سامنے رکھکر اب یہ حدیث پڑھو کہ

ایک دفعہ صبح کی نماز کے لیے آپ دیر سے برآمد ہوئے، نماز کے بعد لوگوں کو اشارہ کیا کہ

اپنی اپنی جگہ ٹھہر جائیں پھر فرمایا کہ آج شب کو میں نے اتنی رکعتیں پڑھیں جتنی کہ میرے لیے مقدر تھیں، تو نماز ہی میں کچھ اونگھ سا گیا (نعست) اس حالت میں میں نے دیکھا کہ جمالِ الٰہی بے پردہ میرے سامنے ہے، خطاب ہوا، اے محمدؐ! تم جانتے ہو کہ فرشتگانِ خاص کس امر میں گفتگو کر رہے ہیں؟ عرض کی نہیں، اے میرے رب! میں نہیں جانتا اس نے اپنا ہاتھ دونوں مونڈھوں کے بیچ میں میری پیٹھ پر رکھا، جس کی ٹھنڈک میرے سینہ تک پہنچ گئی، اور آسمان و زمین کی تمام چیزیں نگاہوں کے سامنے جلوہ گر ہو گئیں، سوال ہوا یا محمدؐ! تم جانتے ہو کہ فرشتگانِ خاص کس امر میں گفتگو کر رہے ہیں، عرض کی ہاں میرے رب ..... الخ"[1]

اس میں کلام نہیں کہ مکالمۂ طور اور ماجرائے اسراء (معراج) کا مقام مذکورۂ بالا مثالوں سے اتنا ہی بلند ہے، جتنا کہ انبیاءؑ کا مقام انسانوں سے بلند ہونا چاہیے: تاہم عالمِ ہست کہ ایں عالم از اں تمثالے است" ان مثالوں سے ایک نہ ایک حد تک اس مقامِ برتر کا دھندلا سا تصور پیدا کیا جا سکتا ہے، اور ہمارے مدعا کے لیے اسی قدر کافی ہے:

مقدماتِ ثلثہ یقینِ معجزات کے لیے ہماری منطقِ استدلال کے تین مقدمات تھے، جن میں سے دو کو تو ہیوم اور ہکسلے نے بترتیب پورا کر دیا تھا، تیسرا مختلف اصنافِ استبعاد کے شواہد سے پورا ہو جاتا ہے، ان مقدماتِ ثلثہ کا خلاصہ یہ ہے:

(۱) معجزات بذاتِ خود کوئی ناقابلِ تصور یا ناممکن الوقوع شے نہیں ہیں، (ہیوم)

---

[1] پوری حدیث کے لیے دیکھو آگے ذکرِ مشاہدات،

(۳) زیادہ سے زیادہ ان کو "انتہائی حیرت انگیز" یا "انتہائی مستبعد" واقعات سے تعبیر کیا جا سکتا ہے، اس لیے (الف) انسانی شہادت کی بنا پر ان کو قبول کیا جا سکتا ہے، (ب) البتہ "انتہائی حیرت انگیزی" و استبعاد کی وجہ سے بظاہر اُن کو قبول کرنے کے لیے جو شہادت مطلوب ہے، اس کو بھی ہر لحاظ سے انتہائی حد تک قابلِ اعتبار ہونا چاہیے۔ (ہکسلے)

(۴) لیکن معجزات میں جس قسم کا استبعاد یا حیرت انگیزی پائی جاتی ہے، اس کے شواہد چونکہ عام انسانوں کے مادی نفسی یا روحانی تجربات میں بھی ملتے رہتے ہیں، جن کے قبول یقین کے لیے لوگ کوئی غیر معمولی شہادت طلب نہیں کرتے،

لہٰذا یقین معجزات کے لیے بھی کسی غیر معمولی شہادت کی ضرورت نہیں،

اصلی بحث یقین کی ہے | لیکن سوال یہ ہے کہ ہیوم و ہکسلے کی ناقص منطق سے اگر کوئی شخص گمراہ ہو گیا تھا، تو کیا وہ اس منطق کا صرف تیسرا مقدمہ پورا کر دینے سے راہ راست پر آ جائیگا اور کیا اب صفحاتِ بالا کے پڑھ لینے سے معجزہ کا کوئی منکر نہ رہ جائیگا؟ مجھ کو تو اندیشہ ہے کہ محض یہ سیاہ نقوش ایک منکر کو بھی مومن نہ بنا سکیں گے، آپ کہیں گے کہ شاید استدلال ہی بودا ہے، لیکن کیا دنیا کا کوئی قوی سے قوی استدلال بھی، نفس اپنی قوتِ استدلال کی بنا پر کسی کو معجزات کا یقین دلا سکتا ہے؟ ارسطو، مل اور ہیگل[1] جو منطق کے "اقانیم ثلثہ" ہیں، کیا یہ سب کے سب مل کر بھی کوئی ایسی منطق یا عقلی استدلال پیدا کر سکتے تھے جو بذات خود

[1] ارسطو اور مل علی الترتیب قیاسی و استقرائی منطق کے امام ہیں جن کا تعلق اضافی حقایق و علوم سے ہے لیکن ہیگل (جرمنی والے) منطق کے زمین و آسمان ہی بدل دیے۔ یعنی منطق کو مابعد الطبیعیات بنا کر اس کے ذریعہ "حقیقتِ مطلقہ" کا سراغ لگانا چاہا ہے،

ہر عام و خاص کو معجزات کا یقین دلا دیتا؟

ان سوالات کا جواب نفی میں ہے، اور یقیناً نفی میں ہے، تو پھر معجزات کے متعلق خالی امکانِ وقوع اور شہادتِ وقوع کی بحث چنداں اہم نہیں رہ جاتی بلکہ اصلی بحث یقین کی ماہیت اور اس کے علل و اسباب کی ہے۔

یقینِ معجزات

یقین کی ماہیت یقین کی فلسفیانہ ماہیت پر کوئی مفصل و مستقل بحث چھیڑنا مقصود نہیں ہے، نہ یہاں چنداں اس کی ضرورت ہے، ہر شخص جانتا ہے کہ نفسِ تصور اور اس کے یقین میں کیا فرق ہے،

یہاں ہمارے مقصد کے لیے صرف اتنا جان لینا چاہیے کہ ریاضی کے تصورات مجردہ[1] کی طرح امورِ واقعیہ (واقعات) کے متعلق ہمارا یقین ناقابلِ تغیر یا اطلاقی نوعیت کا نہیں ہوتا، بلکہ لذت و الم، حیرت و استعجاب، رنج و غم، محبت و نفرت، ارادہ و خواہش وغیرہ دیگر کیفیاتِ نفسی کی طرح محض ایک اضافی و تغیر پذیر ذہنی کیفیت کی

---

[1] معجزات کا تعلق، چونکہ تاریخ اور روایت کے واقعات سے ہے، نہ کہ ریاضی کی مجردات سے، اسلیے ہم مجردات ریاضیہ کے علم و یقین کی جو نوعیت ہے اسکی بحث میں نہیں پڑنا چاہتے، ورنہ دراصل یہ یقین بھی کسی ایسی اطلاقی اور اٹل یا ناقابلِ تغیر بنیاد پر نہیں قائم ہے جسکا انکار نہ ہو سکے۔ بلکہ مل جیسے منطقی و فلسفی کا تو یہ دعویٰ ہے کہ ریاضیات کی مفروضہ قطعیت محض ایک وہم و فریب ہے جس طرح براق کی اس تعریف سے کہ وہ نام ہے آدھے گھوڑے اور آدھے انسان کا، یہ نہیں لازم آتا کہ براق کا وجود یقینی اور واقعی ہے، اسی طرح دائرہ کی اس تعریف سے کہ وہ نام ہے ایسی شکل کا جس کے نصف قطر تمام برابر ہوں، یہ نہیں لازم آتا کہ واقعاً ایسا کوئی دائرہ موجود بھی ہے، انتہا یہ کہ مل کے نزدیک اس میں بھی کوئی تناقض نہیں کہ دو اور تین مل کر پانچ ہو سکتے ہیں۔

حیثیت رکھتا ہے جس طرح کسی واقعہ سے ہر شخص کے نفس میں کیفیاتِ بالا کا پیدا ہونا یا یکساں طور پر پیدا ہونا ضروری نہیں ہے، اُسی طرح ہر آدمی کے دل میں اس واقعہ کا یقین یا ایک ہی معنی میں یقین پیدا ہونا بھی لازمی نہیں۔

تاریخ کی بعض کتابوں میں ایک روایت مذکور ہے۔ کہ اسکندریہ کا کتب خانہ حضرت عمرؓ کے حکم سے اس بیدردی کے ساتھ جلایا گیا کہ چھ مہینہ تک مصر کے حماموں کا ایندھن بنا رہا۔ علم کا فدائی اور حکمت و فلسفہ کا عاشق اس روایت کو پڑھ کر کفِ افسوس ملنے لگتا ہے اور اس کے دل میں نفرت و غصہ کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، بخلاف اس کے اسی روایت کو اگر ایک سپاہی پڑھتا ہے تو نہ وہ اپنے اندر کوئی نفرت و غصہ پاتا ہے اور نہ اتنا افسوس کرتا ہے، اس کے نزدیک قلعہ انٹورپ کی بربادی کتب خانۂ اسکندریہ سے کہیں زیادہ ماتم انگیز ہے، لیکن یہی روایت اگر کسی صوفی عارف کی نظر سے گذرے تو رنج و غصہ کی جگہ اس کو انتہائی مسرت ہو سکتی ہے کہ حجاب اکبر "کایہ" دفترِ بے معنی" اسی سلوک کا مستحق تھا۔ "صد کتاب و صد ورق در نار کن"۔

تم نے دیکھا کہ ایک ہی چیز سے مختلف اشخاص پر مختلف بلکہ متضاد جذبات طاری ہوئے۔ جذبات کی طرح یقین و عدم یقین کے بھی متضاد اثرات طاری ہوئے ہیں، جن اہل یورپ کے دل میں مسلمانوں کی وحشت و جہالت کا تعصب راسخ تھا اور جن کی طبیعت تنقیص اسلام کی ہر شہادت کو قبول کرنے پر حریص تھی، انھوں نے نہ صرف شہادت کی تحقیق و تفتیش کے بغیر اس خبر کا یقین کر لیا بلکہ اس کی روایتی و درایتی تضعیف کے بعد بھی

ان کا یقین قائم رہا، لیکن ان ہی اہل یورپ میں جو گروہ اس درجہ اسلام کے ساتھ عداوت نہیں رکھتا تھا کہ اس کے جذبۂ انصاف پسندی کو تعصب نے مغلوب کر لیا ہو، اس کو تحقیق کے بعد یہ روایت ہی سرے سے بے اصل و مضحکہ خیز نظر آئی، اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ ایک مسلمان مورخ جو کتب خانۂ اسکندریہ کے جلانے کو دامنِ اسلام پر وحشت و جہالت کا ایک بدنما داغ سمجھتا تھا، اور کسی طرح اس کا محبتِ اسلام سے لبریز دل اس کے قبول کرنے پر آمادہ نہ تھا، اس کی تحقیقات نے اس روایت کو نہ صرف دشمنوں کا صریح افترا و بہتان قرار دیا، بلکہ لئے خود ان ہی افترا پردازوں دشمنوں کو اصلی مجرم ثابت کر دکھایا۔

"ہم الزام ان کو دیتے تھے قصور اپنا نکل آیا"

نظریاتِ حکمت کا یقین یقین کی یہ جذباتی و اضافی حیثیت صرف واقعاتِ تاریخ و روایت ہی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے، بلکہ فلسفہ و حکمت (سائنس) کے نظریات و نظامات کا یقین بھی یہی حیثیت رکھتا ہے، پروفیسر جیمس نے "ارادۂ یقین" اور "جذبۂ عقل پرستی" کے عنوان سے دو نہایت دلچسپ مضمون لکھے ہیں، ان میں اس نے دکھایا ہے کہ ہمارا یقین کس قدر خواہش و ارادہ یا جذبات کی اضافی کیفیات کا پابند ہے، اور سائنس و فلسفہ کی بنیاد جس عقل پرستی پر ہے وہ بھی دراصل مذہب پرستی یا عجائب پرستی کی

لہ دیکھو رسالہ شبلی مضمون کتبخانۂ اسکندریہ" ۔ انگریزی میں ان دونوں مضامین کا نام علی الترتیب The Will to Believe اور Sentiment of Rationalism ہے جو دیگر مضامین کے ساتھ شائع ہوئے ہیں، افسوس کہ یہاں ہم بجز ترجمہ کے ان سے زیادہ استفادہ نہیں کر سکتے، لیکن جو انگریزی داں اصحاب یقین کی حقیقت و نوعیت کو اچھی طرح سمجھنا چاہتے ہیں، ان کو یہ دونوں مضمون ضرور پڑھنے چاہئیں

نوعیت کا محض ایک جذبہ ہے۔

یکسانی کا جذبہ | ایک فلسفی یا حکیم فلسفیانہ یا حکیمانہ فکر و تفحص میں کیوں اپنا سر کھپاتا ہے؟ زیادہ تر اس "خواہش" کی بنا پر کہ عالم میں جو ایک تشتت و پریشانی، کثرت و پراگندگی نظر آتی ہے۔ کوئی ایسا اصول یا قانون دریافت ہو جائے، جو اس کثرت و پراگندگی کو وحدت و یکسانی کے رشتہ سے مربوط و مسلسل کر دے، اس قانون و اصول کے عقلی یا صحیح ہونے کا کیا معیار ہے؟ صرف یہی کہ اس کے قبول و باور کرنے سے ہمارے دماغ کی حیرانی و پریشانی رفع ہو جاتی ہے، اور کارخانۂ فطرت میں یکسانی و ہمواری کی موجودگی کا ایک خوشگوار و لذیذ احساس یا جذبہ پیدا ہوتا ہے،

"یہ لذت کہ پراگندہ واقعات دراصل کسی ایک ہی مخفی دائرہ کے مظاہر ہیں۔ اسی طرح کی لذت ہے جو کسی گویئے کو پراگندہ آوازوں کے ایک نغمہ یا راگ میں منتظم کر دینے سے حاصل ہوتی ہے۔ کون شخص اس امر کی دلفریبی کو نہ محسوس کرے گا کہ سیب کو زمین کے ساتھ وہی تعلق ہے، جو چاند کو اس کے ساتھ ہے۔ غبارہ اسی قانون کے ماتحت اوپر چڑھتا ہے جس کے تحت پتھر نیچے گرتا ہے، اس یقین میں کس کے لیے لذت نہ ہوگی کہ پہاڑ پر چڑھنے یا درخت کے کاٹنے میں جس طاقت سے ہم کام لیتے ہیں وہ وہی ہے جو آفتاب کی ان کرنوں میں پائی جاتی ہے جو اس غلہ کو پکاتی ہیں جس کا صبح ہم نے ناشتہ کیا ہے[1]

نغمہ و یکسانی کی لذت کے لیے انسان کی فطرت جس درجہ حریص ہے۔ اسی کو ملحوظ

[1] جس کا مضمون "جذبہ عقلیت" Sentiment of Rationality

رکھ کر ہمارے زمانہ کے ایک زبردست معلم فلسفہ پروفیسر رؤائس نے تنبیہ کی ہے کہ "جہاں کہیں بھی ہم کو کسی قانون فطرت کی وحدت و یکسانی کا یقین محسوس ہو، یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اس احساس وحدت کا بڑا حصہ اصل فطرت کی واقعی وحدت کے بجائے اس ناقابلِ استیصال جذبہ پر مبنی ہو سکتا ہے جو وحدت و نظم کی پسندیدگی کے لیے خود ہمارے نفوس کے اندر موجود ہے"[1]

یہی تعصب تھا جس کی بنا پر ایک بڑے سائنسدان نے جیمس سے کہا کہ "کلام نفسی کا دعویٰ اگر صحیح بھی ہو تو بھی تمام اہل سائنس کو اس کے دبانے اور چھپانے پر ایکا کر لینا چاہیے کیونکہ اس سے فطرت کی یکسانی، اور نیز بہت سی ایسی چیزوں کی تکذیب ہوتی ہے، جنکے مانے بغیر سائنس داں اپنا کام نہیں چلا سکتے۔" اس قول کو نقل کر کے جیمس نے لکھا ہے کہ اگر یہی سائنس داں حضرات کلام نفسی کو سائنس کے حق میں مفید مطلب پاتے تو اس سے اغماض کے بجائے نہ صرف اس کی شہادت کی تحقیق پر آمادہ ہو جاتے، بلکہ یہی شہادت یقین کے لیے کافی ہوتی[2]

اب تم ہی فیصلہ کرو کہ کیا عقل پرست سائنس" کے تعصبات وہم پرست مذہب کے تعصبات سے کچھ بھی کم یا مختلف ہیں؟ اور کیا اہل سائنس کا انکارِ معجزات و وحدت و یکسانی کے مذکورۂ بالا تعصب کا نتیجہ نہیں ہے؟

---

[1] دیکھو اصول نفسیات جلد دوم ص ۶۱۹ بحوالہ The Religious Aspect of Philosophy از پروفیسر رؤائس

[2] "ارادہ یقین" صفحہ ۱۰ طبع جدید ۱۹۱۷ء

نظریات فلسفہ کا تعین

خیر اہل سائنس یا حکما کو تو خود ہی بڑی حد تک اس امر کا اعتراف ہے کہ سائنس کے نظریات و قوانین زیادہ تر اضافی اور مفروضی حیثیت رکھتے ہیں لیکن فلاسفہ یا متاتہیں، جو حقائق عالیہ اور صداقتِ مطلقہ کے چہرہ سے پردہ اٹھانے کا دعوی رکھتے ہیں ان کے اصول و نظریات پر تو انسانی جذبات یا ذاتی میلانات کا سایہ تک نہ پڑنا چاہیئے تھا، مگر یہ کس قدر حسرت انگیز منظر ہے، کہ سب سے زیادہ فلسفہ ہی کے مذاہب و نظامات شخصی جذبات و خواہشات کا عکس نظر آتے ہیں۔ بلکہ سچ یہ ہے کہ جتنے فلاسفہ اتنے ہی مذاہب۔ حتی کہ ایک عام دلچسپ تقسیم کی رو سے فلاسفہ کی دو قسمیں یہ قرار پائی ہیں کہ رونے والے (بکائیہ) اور ہنسنے والے (ضحکیہ) فلاسفہ جن کو زیادہ سنجیدہ اصطلاح میں علی الترتیب "شریہ" اور "خیریہ"[1] کہا جاتا ہے یا اس کو "یاسیہ" اور "رجائیہ" بھی کہہ سکتے ہو، اگر نفسیاتی تحلیل کی جائے تو اس اختلاف کا مبنی رونے اور ہنسنے، یاس و رجاء، امید و بیم وغیرہ کے ذاتی جذبات و احوال ہی ثابت ہوں گے۔

دورِ جدید کا ایک زبردست فلسفی شوپنہار، جس کا شمار فلسفہ کے اکابر ائمہ میں ہے وہ جو فلاسفہ کی رونی جماعت کا ایک نامور فرد ہے۔ اس کا سارا فلسفہ ہی یہ ہے کہ مبدأ مطلق "صرف ارادہ یا خواہش ہے، نہ کہ عقل یا فکر، اور یہ ارادہ چونکہ "بے عقل" ہے۔ اس لیے اس کی کوئی غایت نہیں، دنیا میں کوئی فلاح و سعادت نہیں بلکہ یہ تمام تر "بے مقصد آزاد" کا ایک کھلونا یا تماشا ہے، خارجی عالم اسی بے عقل و بے مقصد ارادہ کی محض ایک تصویر ہے۔

---

[1] انگریزی میں ان کا لقب علی الترتیب Optimists اور Pessimists ہے

کرۂ عقل کی سب سے اونچی سطح پر بسنے والے ان فلاسفہ کے باہمی اختلافات بلکہ تضادِ آراء کا یہ عالم ہے کہ جتنے منہ اتنی باتیں۔ کوئی کہتا ہے کہ دنیا تمامتر عقل پر مبنی ہے۔ کوئی مدعی ہے کہ اس کا وجود سراپا بے عقلی ہے، کوئی شخصی خدا کا یقین رکھتا ہے، کوئی کہتا ہے کہ شخصی خدا ناقابلِ قصور ہے، کسی کو ذہن سے باہر خارجی دنیا کا اذعان ہے۔ کوئی ثابت کرتا ہے کہ خارجی دنیا کا وجود محض وہم و فریب ہے، کسی کی زبان پر ہے کہ ایک مستقل و قائم بالذات روح ہے، کوئی پکارتا ہے کہ نفس کے تغیر پذیر احوال کے سوا کچھ نہیں ہے، کسی کا دعویٰ ہے کہ سلسلۂ علل نامتناہی ہے، کوئی مانتا ہے کہ نہیں، ایک علۃ العلل ہے، کوئی انسان کو مجبور محض پاتا ہے، اور کوئی مختار، کوئی مبدء عالم کی وحدت کا قائل ہے۔ اور کوئی کثرت کا۔ بظاہر مہمل سے مہمل بات بھی تم کو ایسی نہ ملے گی جس کا باور کرنے والا عاقل سے عاقل فلسفی نہ ملتا ہو

عقل انسانی کی ان ہی حیرانیوں کو دیکھ کر آدمی پکار اٹھتا ہے کہ کسی چیز کو حق کہنے کے صرف یہ معنی ہیں کہ جب تم اس کو حق یقین کرو تو حق ہے، ورنہ نہیں[1]۔ اور خصوصاً موجودہ زمانہ میں تو اس سرعت و کثرت کے ساتھ نظریات اُبل پڑے ہیں کہ ایک کو دوسرے سے زیادہ واقعی خیال کرنا، قریباً ناممکن ہو گیا ہے۔ اس قدر مختلف ہندسات۔ اس قدر مختلف منطقیں۔ اس قدر مختلف طبیعاتی و کیمیاوی مفروضات پیدا ہو گئے ہیں کہ صحیح سے صحیح اصول کے نسبت بھی گمان ہوتا ہے کہ وہ کسی واقعیت کا پرتو ہونے کے بجائے محض انسانی ذہن کی ایجاد ہے[2]،

---

[1] ارادہ تحقیق۔ Theories of Knowledge (نظریات علم) از پروفیسر واکر ص ۴۳۲ بحوالہ

[2] The meaning of Truth ("معنی صداقت") ص ۳۰

مشاہدات کا یقین تم سمجھتے ہوگے کہ علم و یقین کی یہ اضافی یا ذہنی نوعیت زیادہ سے زیادہ اصول و نظریات تک محدود ہوگی، باقی مشاہدات و محسوسات جو ان اصول و نظریات کا آخری مرجع ہیں، وہ تو بہر حال کوئی اضافی شے نہیں ہو سکتے، کیونکہ ان کے متعلق زید و عمرو کی نوعیت یقین میں کوئی تفاوت ناممکن ہے، لیکن تمہارا یہ "ناممکن" دھرف "ممکن" بلکہ واقعہ ہے،

ان مراتب کے، ان معمولی تجربات کا تو ذکر ہی کیا، کہ ایک چیز جو ایک آدمی کو خوبصورت معلوم ہوتی ہے، دوسرے کو بدصورت نظر آتی ہے، ایک کو خوش مزہ محسوس ہوتی ہو دوسرے کو بدمزہ، آلاتِ حس و مشاہدہ کی ساری دنیا عبارت ہو، رنگ و بو، آواز و مزہ، سردی و گرمی، شکل و صورت، طول و عرض (امتداد) پستی و بلندی، دوری و نزدیکی سے، لیکن کیا ان میں سے ایک شے کے متعلق بھی عامی، حکیم اور فلسفی سب کا یقین یکساں نوعیت رکھتا ہے،

عامی آدمی اپنے حواس کی مذکورۂ بالا ساری دنیا کو ٹھوس خارجی حقائق یقین کرتا ہے لیکن حکیم یا سائنس داں کے نزدیک ان میں سے کسی ایک کا بھی خارج میں کوئی وجود نہیں اور آج کل کے سائنسداں تو بار بار اس حقیقت کو دہراتے رہتے ہیں کہ اشیا دراصل وہ یا ویسی نہیں جیسی کہ ہمارے حواس کو محسوس ہوتی ہیں"۔ (ہاورن بلیف ص ۵۶) ذہن یا احساس سے باہر نہ کوئی رنگ ہو نہ بو، نہ کوئی آواز ہے، نہ مزہ، لیکن حکمت کو چونکہ اپنی تحقیقات میں قدم قدم پر مادہ و قوت کے الفاظ دہرانا پڑتے ہیں، اس لیے خالص حکیم کے دل میں مادہ پرستی کا ایک ایسا جذبہ و میلان پیدا ہو جاتا ہے کہ باوجود اس اقرار کے کہ "مادہ"

کسی نامعلوم شے کا نام ہے۔" پھر بھی کسی مفہوم میں اُس کے وجود خارجی کے یقین پر اپنے کو مجبور پاتا ہے، بخلاف اس کے فلسفہ یا مابعد الطبیعیات کا عالم چونکہ حکیمانہ تعصبات سے بالاتر ہے، لہذا بے جھجک سرے سے وجود مادہ ہی کا انکار کر دیتا ہے، اس کے نزدیک بس جو کچھ وجود ہے وہ ذہن یا نفس کا،

مگر یقین کی گرون دلائل سے کب جھکتی ہے، ممکن ہے کہ چند لمحات کے لیے حکیم یا فلسفی عالم رنگ و بو یا مادہ کے وجود فی الخارج کے خلاف یقین پر قائم رہ سکتا ہو، لیکن بالآخر اس کو جبلت کی حکومت قاہرہ اسی نقطہ پر واپس لاتی ہے، جہاں سے غور و فکر نے اسکو منحرف کیا تھا، اور شب و روز کی زندگی میں وہ عالم رنگ و بو کے وجود خارجی پر اسی طرح اذعان رکھتا ہے جس طرح ایک عامی آدمی،

غرض یقین اپنی ماہیت کی رو سے تمام تر صرف ایک نفسی میلان ہے، جو نہ علم کا پابند ہے، نہ جہل کا، جس کا انحصار نہ عقل پر ہے، نہ بے عقلی پر، جو نہ سچ پر موقوف ہے نہ جھوٹ پر، وہ فلسفہ، حکمت، علم و عقل سب چیزوں سے پیدا ہو سکتا ہے، اور کسی سے بھی نہیں پیدا ہو سکتا، اور جب پیدا ہونا چاہتا ہے، تو کلیفرڈ کے اس مشورہ کا منھ نہیں دیکھتا کہ جھوٹ پر یقین کرنے سے بہتر ہے کہ ہمیشہ یقین کے بغیر رہو۔"

کیا عجیب بات ہے کہ یقین کی اس ماہیت پر بھی کہ وہ دلائل کا کوئی منطقی نتیجہ نہیں بلکہ محض ایک ذہنی میلان ہے، خود اسی شخص کی نکتہ رس نظر پڑی تھی، جو یقین معجزات کا سب سے بڑا مخالف ہے، چنانچہ "ارسٹاٹیلین سوسائٹی" کے ایک ممبر براڈ بائی

نے ۳-۴ سال ہوئے ہیوم کے نظریہ معجزات پر ایک مضمون کے ضمن میں خود ہیوم کے اصول کی بنا پر لکھا ہے[1] کہ

"ہیوم کو یقین معجزہ سے اس لیے انکار ہے کہ معجزہ گذشتہ مستمر تجربہ کے منافی ہوتا ہے مثلاً گذشتہ تجربہ یہ ہے کہ الف کے بعد ہمیشہ ب ظاہر ہوتا رہا ہے جس سے ہمارے اندر ایک قوی یقین پیدا ہو جاتا ہے کہ آیندہ بھی ب "ہمیشہ" الف کے تابع ہوگا، ایک مذہبی آدمی معجزہ پر اس لیے یقین کرتا ہے کہ اس کے اندر عجائب پرستی اور ایسی چیزوں کے یقین کا ایک فطری میلان موجود ہے، جس سے مذہب کی تائید ہوتی ہو، دونوں صورتوں میں یقین کا نفسیاتی سبب ظاہر ہے۔ ہیوم کا عدم یقین اس کے اس فطری میلان پر مبنی ہے کہ جو کچھ پہلے ہوا ہے وہی آیندہ بھی ہوگا۔ اور مذہبی آدمی کا یقین اس کی عجائب پرستی اور ایسی چیزوں کے قبول کرنے کے فطری میلان پر مبنی ہے، جن سے مذہب کی تائید ہوتی ہو، لیکن خود ہیوم کو تسلیم ہے کہ گذشتہ مستمر تجربہ سے آیندہ پر حکم لگانے کا ہم کو کوئی منطقی حق حاصل نہیں ہے، لہذا مذہبی آدمی کا یقین معجزات پر، اور ہیوم کا یقین قوانین فطرت پر (جس کا نتیجہ معجزات کا عدم یقین ہے) منطق کی نگاہ میں دونوں بالکل یکساں حیثیت رکھتے ہیں، دونوں صورتوں میں یقین نفسیاتی علت پر مبنی ہے، اور کسی صورت میں بھی کوئی منطقی علت ہیوم نہیں پیش کر سکتا۔"

جب یہ معلوم ہو چکا کہ یقین کی ماہیت صرف ایک طرح کا غیر منطقی میلان نفسی ہے

[1] دیکھو ارسٹاٹیلین سوسائٹی (جمعیۃ ارسطاطالیسیہ) لندن کی روداد ثابت ۱۹۱۶-۱۷ء صفحہ ۹۲

تو سکے اسباب کی جستجو منطق و فلسفہ کے دلائل میں بے سود ہے، منطقی یا فلسفیانہ دلائل زیادہ سے زیادہ میلانِ یقین کی تقویت و تضعیف کا کام دے سکتے ہیں، لیکن خود اس میلان کی تخلیق اُن کے بس سے باہر ہے، یہ میلان بذاتِ خود ایک نفسی حقیقت ہے، لہٰذا اس کے اسبابِ تخلیق کا سراغ نفسیات (علم النفس) ہی کے اوراق میں مل سکتا ہے۔ کم و بیش تمام علمائے نفسیات نے یقین کی ماہیت و اسباب پر بحث کی ہے، لیکن ہمارے لیے یہاں علم النفس کے عام تفصیل طلب طرزِ بحث سے ہٹ کر کسی قدر مختلف اور مختصر راہ زیادہ مناسب ہوگی،

نفسیاتِ یقین | البتہ بنیادِ بحث کے لیے اعتماداً کسی معتبر شہادت کا سامنے رکھنا ضروری ہے، جس کے لیے عہدِ حاضر میں امریکہ کے سب سے بڑے استادِ نفسیات پروفیسر ولیم جیمس کا نام مستند ترین ضمانت ہو سکتا ہے، اس لیے پہلے ہم پروفیسر موصوف کی کتاب "اصولِ نفسیات" کے باب احساسِ حقیقت (جلد دوم) سے اسبابِ یقین کے متعلق چند اصولی باتیں بلفظہٖ نقل کرتے ہیں،

(۱) "معالجات (تدابیرِ شفا طلبی) کے بارے میں انسان کی زود اعتقادی اسی قسم کے نفسی اسباب (یعنی جذباتی احوال) پر مبنی ہے، حتیٰ کہ جب کوئی محبوب و عزیز شخص خطرناک بیماری یا تکلیف میں مبتلا ہو تو ناگوار سے ناگوار شے بھی زود اعتقادی کی راہ میں نہیں حائل ہو سکتی (خصوصاً عورتوں کے لیے) جس شے میں کچھ بھی امید شفا ہو، اس کے کرنے سے تسلی حاصل ہوتی ہے، لہٰذا جو علاج بھی ایسی حالت میں تجویز کیا جائے۔ وہ آتش گیر مادہ کے لیے چنگاری کا کام دیتا ہے، طبیعت فوراً اس پر عمل کے لیے آمادہ ہو جاتی ہے، آدمی اس علاج کا سامان کرتا ہے،

اور کم از کم ایک دن کے لیے اس کو یقین ہو جاتا ہے کہ خطرہ جاتا رہا، لہٰذا معلوم ہوا کہ یقین آفرینی کے بڑے اسباب امید و بیم وغیرہ کے جذبات ہیں جن کے احاطۂ اقتدار میں ماضی، مستقبل اور حال تینوں داخل ہیں۔" (صفحہ ۳۱۰ - ۳۱۱)

اس کے بعد دوسرے ہی صفحہ پر ہے کہ

(۲) سب سے زیادہ یقین آفریں وہ نظریہ ہوتا ہے جو ہمارے محسوسات کی تشفی بخش توجیہ کے علاوہ، ایسی چیزیں ہمارے سامنے پیش کرتا ہو، جو سب سے زیادہ دلچسپ ہوں اور جو ہمارے حاسۂ جمال پرستی اور جذباتی و عملی ضروریات کو سب سے زیادہ متاثر کرتی ہوں۔

لیکن ہم کو یہاں نفسیاتِ یقین کے متعلق اصل میں جس مختصر متن کی شرح کرنی ہے وہ یہ ہے کہ

(۳) "ارادہ (خواہش) اور یقین (جس کے معنی نفس اور اشیا کے مابین ایک خاص تعلق کے ہیں) ایک ہی نفسیاتی واقعہ کے دو نام ہیں۔" (صفحہ ۳۲۱)

خواہشِ یقین ارادہ اور یقین کے ایک ہونے کے معنی یہ ہیں کہ کسی چیز کے یقین کے لیے لازمی ہے کہ پہلے دل میں اس کے یقین کا ارادہ یا خواہش پیدا ہو۔ یقین ایک قسم کی تشفی ہے۔ جب تک اس کے لیے طلب و تشنگی نہ موجود ہو، یہ نہیں حاصل ہوتا۔ پانی پینے اور اس سے سیراب ہونے کے لیے ضروری ہے کہ پہلے پیاس لگے۔ لیکن اکثر پیاس لگتی ہے، پانی پی لینے کے لیے کافی نہیں ہوتا، بلکہ شرط یہ ہے کہ اس کے پینے سے کوئی روکنے والا خیال موجود نہ ہو، مثلاً پانی کا دشمن کے ہاتھ سے ملنا، اس کی ناپاکی، اشبہ یا کسی بیماری کے لیے

اس کے مضر ہونے کا اندیشہ، اسی طرح نفس پیاس کے علاوہ کبھی کبھی ترغیبات کی موجودگی بھی پانی پینے پر آمادہ کر دیتی ہے. مثلاً گرمی کے موسم میں کسی دوست کے یہاں صفائی و نفاست کے ساتھ کوری کوری صراحیوں میں ٹھنڈا پانی رکھا ہو. اور ان کے آس پاس لکھنؤ کے نازک کاغذی آبخورے چنے ہوں تو بے پیاس کی پیاس لگ آتی ہے.

موانع و مویداتِ یقین یقین کی صورت میں ہم ان دونوں چیزوں کو علی الترتیب خواہش یقین کے موانع اور مویدات سے تعبیر کریں گے. جب کوئی چیز یقین و اذعان کے لیے پیش کی جاتی ہے تو خواہش اور اس کے موانع و مؤیدات میں باہم ایک نفسی معرکہ آرائی ہوتی ہے، اور یقین یا عدم یقین کا فیصلہ اس معرکہ آرائی کے آخری نتیجہ پر منحصر ہوتا ہے، اگر خواہشِ یقین زیادہ قوی ہے. تو وہ بلا مؤیدات کی اعانت کے موانع پر غالب آجاتی ہے، اگر موانع زیادہ قوی ہیں تو وہ خواہش کو مغلوب کر دیتے ہیں، اگر موانع سرے سے نہیں موجود ہیں تو تنہا خواہش کافی ہو سکتی ہے. یا اگر موانع بہت ہی معمولی درجہ کے ہیں تو ضعیف سے ضعیف خواہش بھی اپنے مؤیدات کی مدد سے ان کو زیر کر لے گی.

عقلی یا منطقی دلائل کو زیادہ سے زیادہ ان ہی موانع و مؤیدات کی صف میں جگہ مل سکتی ہے. لیکن اصل یہ ہے کہ اس معرکہ کے تینوں (خواہش، موانع اور مؤیدات) پہلوانوں کا اصلی حربہ جذبات ہی ہوتے ہیں.

اب اوپر اقتباس اول میں جیمس نے جو مثال دی ہے، اس کو سامنے رکھکر دیکھو کہ یقین کے پیدا کرنے میں خواہش و ارادہ کو کیا دخل ہے، اور مؤیدات و موانع کا اس میں

کیا اثر پڑتا ہے،

فرض کرو کہ زید کے گھر میں ایک شخص مہینوں سے مریض پڑا ہے طبی علاج کوئی کارگر نہیں ہوتا۔ ایک دوست آکر کہتا ہے کہ شہر میں ایک متقی، پرہیزگار، بے طمع بزرگ ہیں جن کی دعا سے بہتوں کو فائدہ ہوا ہے، تم بھی ان ہی کی طرف کیوں نہ رجوع کرو،

ظاہر ہے کہ زید کے دل میں اس مریض کے لیے شفا طلبی کی خواہش موجود ہے، اب اگر اس کو بزرگوں سے بدعقیدگی (مانع) نہیں ہے، تو بے تکلف دوست کے مشورہ پر عمل کے لیے آمادہ ہو جائے گا اور طبیعت میں کم از کم کچھ دیر کے لیے شفا کی ایک امید بندھ جائے گی جس کا نام **میلانِ یقین** ہے، اب بزرگ موصوف کے پاس پہنچ کر وہ دیکھتا ہے کہ اہل حاجت کا میلہ لگا ہوا ہے، پھر ان کے اتقا، اور بے لوثی کی کچھ مثالیں آنکھ کے سامنے آتی ہیں، لازماً ان چیزوں سے زید کے میلان یقین کی اور تائید و تقویت ہوتی ہے،

لیکن اگر اس کو بزرگوں سے بدعقیدگی ہے، وہ نہایت سخت ملحد و مادہ پرست ہے تو ایسی حالت میں وہ دوست کے مشورہ پر عمل کرنے کی جگہ الٹے اس سے طرح طرح کی بحثیں کرنے پر آمادہ ہو جائے گا، دعا کے اثر کو قانونِ فطرت کے منافی بتائے گا، اس کی شہادت پر جرح کرے گا، جو لوگ ان بزرگ کے پاس حاجت لیکر جاتے ہیں، ان کو اوہام پرست کہے گا، اور اپنے اندر کوئی میلان یقین نہ محسوس کرے گا،

البتہ اگر یہی مادہ پرست و بدعقیدہ زید ایک دولت مند آدمی ہے، مریض خود اس کا اکلوتا، نوجوان ہونہار لڑکا ہے، جو اس کی دولت کا تنہا وارث اور خاندان کا ایک ہی

چراغ ہے، جس مرض میں اپنے بوڑھے باپ کی تمام امیدوں اور آرزوؤں کا یہ مرکز مبتلا ہے وہ نہایت خطرناک ہے. ڈاکٹر اور اطبا علاج کرتے کرتے تھک گئے اور جواب دے چکے ہیں. ان حالات میں زید کی خواہش شفا طلبی جس درجہ قوی ہوگی، معلوم ہے. ان ہی مواقع کے لیے کہا جاتا ہے کہ مصیبت میں خدا یاد آتا ہے، اب زید کی ساری بدعقیدگی دھری رہ جائیگی، دوست کا مشورہ اس کی مایوسیوں میں امید کی ایک جھلک ثابت ہوگا. اسکی انتہائی طلب و تشنگی، الحاد و مادہ پرستی کے تمام دلائل و موانع پر غالب آئے گی، اور وہ بلا بحث و حجت دوست کے ساتھ ہو جائے گا. اور جتنی ہی زیادہ اس کی خواہش قوی ہوگی، اتنی ہی زیادہ امید و یقین کے ساتھ یہ ان بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوگا.

لیکن اگر زید کے الحاد و بدعقیدگی کا جذبہ اتنا زبردست ہو کہ وہ اس کی قوی سے قوی خواہش شفا طلبی کو بھی زیر کر سکتا ہے تو بڑے سے بڑے بزرگ کی بزرگی بھی بیکار ثابت ہوگی، اور دوست کی جانب سے دعا کی شفا بخشی کے دلائل و شواہد کا اگر انبار بھی لگا دیا جائے تو رائیگاں جائیگا. خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ وَعَلٰى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ج میں غالباً اسی حقیقت کی جانب اشارہ ہے، ایمان و یقین کا حامل قلب ہے، اگر وہ مختوم ہے تو پھر عقل انسانی کی کوئی مطق اس مختومیت کا ازالہ نہیں کر سکتی.

ساحروں کے دل میں ذوقِ ایمان کی کچھ نہ کچھ تشنگی موجود تھی، حضرت موسیٰؑ کا معجزہ دیکھ کر بے اختیار سربسجود ہو گئے اور پکار اٹھے "اٰمَنَّا بِرَبِّ هٰرُوْنَ وَمُوْسٰى" لیکن فرعون کے معاند و مختوم قلب پر بھی کوئی معجزہ اثر کر سکا؟ انبیائے کرام خصوصاً سید الانبیاء (صلی اللہ علیہ وسلم)

کی حیات طیبہ تمہارے سامنے ہے، سیرۃ النبیؐ میں، ابتدائی قبولِ اسلام کے صفحات پڑھو
ہر سطر ذوقِ ایمان وطلب یقین کے مذکورۂ بالا نفسی حقایق سے معمور ملے گی،

نفسیاتِ یقین کی شہادت واقعاتِ سیرت سے

حضرت ابوذر غفاریؓ کے قبولِ اسلام کا واقعہ یہ ہے کہ وہ بت پرستی سے متنفر ہو چکے تھے، اور حق کی تلاش میں تھے، انھوں نے اپنے بھائی (انیس) سے کہا کہ تم مکہ جاؤ اور دیکھو کہ یہ شخص (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) جو نبوت کا دعوی کرتا ہے، اس کی تعلیم و تلقین کیا ہے؟ انیس مکہ آئے اور واپس جاکر بیان کیا کہ وہ مکارمِ اخلاق کی تعلیم دیتا ہے، اور جو کلام پیش کرتا ہے وہ شاعری سے الگ ہے۔" ان مؤیداتِ یقین کے بعد حضرت ابوذرؓ خود مکہ گئے، اور گو اس وقت مکہ کی سرزمین پر اعلان اسلام کے لیے نہایت خطرناک موانع موجود تھے، تاہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری کے بعد ذوقِ ایمان کی تشفی نے اتنا جوش پیدا کر دیا کہ عین حرم کے اندر حضرت ابوذرؓ نے نہایت بلند آہنگی سے اعلان کر کے کہا کہ "اشهد ان لا اله الا الله واشهد ان محمدا عبده ورسوله"۔ اس اعلان کی بدولت جان بچنی مشکل ہو گئی۔[1]

حضرت حمزہؓ کو آپؐ سے خاص محبت تھی، آپ سے صرف دو تین برس بڑے تھے اور ساتھ کھیلے تھے۔ وہ گو ابھی تک ایمان نہیں لائے تھے لیکن آپ کی ہر ادا کو محبت کی نظر سے دیکھتے تھے، دل میں نورِ حق موجود تھا، بالآخر ان بے رحمانہ ایذاؤں نے جو دشمنان اسلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچاتے تھے، اظہارِ اسلام پر بیتاب کر دیا۔ اظہار تو کر دیا

[1] یہ پورا واقعہ پڑھنے کے لائق ہے۔ دیکھو سیرۃ النبی جلد دوم طبع اول صفحہ ۱۱ تا ۱۲

لیکن گھر پر آئے تو متردد تھے کہ آبائی دین کو دفعۃً کیونکر چھوڑ دوں، تمام دن سوچتے رہے، بغور و فکر کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ دین حق یہی ہے" موانع یقین موجود تھے لیکن دین حق" کے قبول اور اس کے داعی کی حمایت کا جذبہ ان موانع سے قوی تر تھا،

قیصر روم کے پاس جس وقت داعی اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) کا نامۂ مبارک پہنچا اور قیصر و ابوسفیان میں باہم جو گفتگو ہوئی اُس کے بعد گو قیصر کے ضمیر میں ایمان و اذعان کی روشنی پیدا ہوئی، اور اس نے کہا کہ "مجھ کو یہ ضرور خیال تھا کہ ایک پیغمبر آنے والا ہے، لیکن یہ خیال نہ تھا کہ وہ عرب میں پیدا ہوگا، میں اگر وہاں جا سکتا تو خود اس کے پاؤں دھوتا" لیکن قیصر نے ابوسفیان سے جو گفتگو کی تھی اس سے لطارقہ اور اہل دربار سخت برہم ہو چکے تھے. نامۂ مبارک پڑھے جانے کے بعد اور بھی برہم ہوئے. یہ حالت دیکھکر قیصر نے اہل عرب کو دربار سے اٹھا دیا، اور گو اس کے دل میں نور ایمان آچکا تھا لیکن تاج و تخت کی تاریکی میں وہ روشنی بجھ کر رہ گئی[1]۔ تخت و تاج کی محبت، دولت ایمان کی ترغیب سے قوی ثابت ہوئی،

خسرو پرویز کے تاریک دل میں قیصر روم کے برابر بھی ایمان کی روشنی نہ تھی، اس پر طرہ یہ ہوا کہ عجم کا طریقہ یہ تھا کہ سلاطین کو جو خطوط لکھتے تھے، ان میں عنوان پر پہلے بادشاہ کا نام ہوتا تھا، بخلاف اس کے نامۂ مبارک پر پہلے خدا کا نام، اور پھر عرب کے دستور کے موافق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام تھا، خسرو نے اس کو اپنی تحقیر سمجھا اور بولا کہ "میرا نام چھوڑ کر مجھ کو یوں لکھتا ہے، پھر نامۂ مبارک چاک کر ڈالا، لیکن چند روز کے بعد خود معتوب ہو

[1] سیرۃ النبی جلد اول طبع دوم صفحہ ۲۰۷ - ۲۰۸ [2] ایضاً صفحہ ۴۲۰ - ۴۲۹، یہ واقعہ بڑھو

کے پرزے اڑ گئے۔"

اسی قسم کے واقعات کی بنا پر مصنف سیرت نے اوائلِ دعوت میں اسلام لانے والوں اور اس کے مخالفین کے جو مشترک خصائص گنائے ہیں۔ ان سے بھی تمام تر یقین کے ان ہی اصول و اسباب کی تائید ہوتی ہے، جو اوپر بیان ہوئے ہیں۔ تفصیل کے لیے خود سیرت (جلد اول طبع دوم صفحہ ۱۹۲ - ۲۰۴) کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ یہاں اختصار کے ساتھ صرف ضروری خلاصہ کا اعادہ کیا جاتا ہے،

اسلام لانے والوں کے خصائص مشترک۔

(۱) "اکثر وہ لوگ اسلام لائے جو پہلے سے تلاشِ حق میں سرگرداں اور فطرۃً نیک طبع و پاکیزہ اخلاق تھے، حضرت ابوبکرؓ، حضرت صہیبؓ اور حضرت ارقمؓ وغیرہ کا شمار ان ہی طالبانِ حق میں ہے۔" (خواہشِ یقین)

(۲) "بعض صحابہ ایسے تھے۔ جو احناف کے تربیت یافتہ تھے، یعنی وہ لوگ جو زمانۂ اسلام سے پہلے بت پرستی ترک کر چکے تھے، اور اپنے آپ کو حضرت ابراہیمؑ کا پیرو کہتے تھے۔" (موانع یقین کی کمی)

(۳) "یہ امر سب میں مشترک تھا کہ یہ لوگ قریش کے مناصب نظم میں سے کوئی منصب نہیں رکھتے تھے، بلکہ اکثر ایسے تھے، مثلاً عمارؓ، خبابؓ، ابو فکیہہؓ، صہیبؓ وغیرہ جن کو دولت و جاہ کے دربار میں جگہ بھی نہیں مل سکتی تھی۔" (موانع کی کمی)

لہ سیرۃ النبی جلد اول۔ طبع دوم صفحہ ۴۳۰

قریش سے بڑھ کر اسلام کا کون دشمن ہوگا، لیکن ان کی دشمنی کے کیا اسباب تھے؟

(۱) مکہ کی جو عزت تھی کعبہ کی وجہ سے تھی۔ قریش ہمسایگان خدا بلکہ آل اللہ یعنی خاندانِ الٰہی کہلاتے تھے۔ جس کی صرف یہ وجہ تھی کہ وہ کعبہ کے مجاور و کلید بردار تھے۔ عرب ایک مدت سے بت پرستی میں مبتلا تھا، خلیلِ بت شکن کی یادگار (کعبہ) تین سو ساٹھ معبودوں سے مزین تھی۔

"اسلام کا اصلی فرض اس طلسم کو برباد کر دینا تھا لیکن اس کے ساتھ قریش کی عظمت و اقتدار اور عالمگیر اثر کا بھی خاتمہ تھا، اس لیے قریش نے شدت سے مخالفت کی، اور ان میں جن لوگوں کو جسقدر زیادہ نقصان کا اندیشہ تھا، اسی قدر وہ مخالفت میں سرگرم تھے۔"

(۲) قریش کو عیسائیوں سے بالطبع نفرت تھی، لیکن اسلام اور عیسائیت میں بہت سی باتیں مشترک تھیں، سب سے بڑھ کر یہ کہ اس زمانہ میں اسلام کا قبلہ بیت المقدس تھا۔" ان اسباب سے قریش کو خیال ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عیسائیت قائم کرنا چاہتے ہیں،

(۳) "ایک بڑا سبب قبائل کی خاندانی رقابت تھی، قریش میں دو قبیلے نہایت ممتاز اور حریف یکدگر تھے، بنو ہاشم اور بنو امیہ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو خاندان بنو امیہ اپنے رقیب (ہاشم) کی فتح خیال کرتا تھا، اس لیے سب سے زیادہ اسی قبیلہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کی"

(۴) ایک اور بڑا سبب یہ تھا کہ قریش میں سخت بد اخلاقیاں پھیلی ہوئی تھیں، بڑے بڑے ارباب اقتدار نہایت ذلیل بد اخلاقیوں کے مرتکب تھے، ابو لہب نے

قوم محترم کا غزال زریں چرا کر بیچ ڈالا تھا۔ اخنس بن شریق تمام وکذاب تھا۔ نضر بن حارث کو جھوٹ بولنے کی سخت عادت تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک طرف بت پرستی کی برائیاں بیان فرماتے تھے۔ دوسری طرف ان بداخلاقیوں پر سخت وار وگیر کرتے تھے جس سے اُن کی عظمت واقتدار کی شاہنشاہی متزلزل ہوتی جاتی تھی قرآن مجید میں بہیم علانیہ ان بدکاروں کی شان میں آیتیں نازل ہوتی تھیں"

غرض اولاً تو ان قریش میں ایمان ویقین کی خواہش کا کوئی نشان نہیں ملتا۔ ثانیاً اگر نفس خواہش کچھ موجود بھی ہوتی تو مذکورہ بالا موانع اس قدر زبردست تھے کہ جب تک یہ نہ ہٹا دیے جاتے، اس خواہش کا ظہور ناممکن تھا۔

یقین کے متعلق اس ساری گفتگو کا ماحصل یہ ٹھہرتا ہے کہ

(۱) بذات خود یقین، عام انسانی جذبات واحساسات ہی کی طرح کا ایک نفسی میلان یا ذہنی کیفیت ہے، فلسفہ وحکمت، بلکہ ریاضی تک کے منطقی دلائل سے، جو یقین پیدا ہوتا ہے اس کی ماہیت بھی اس نفسی میلان سے زیادہ نہیں ہے،

(۲) یقین کی بنیاد عقلی ونقلی تمام چیزوں میں یقین کی نفس خواہش اور پھر اُس خواہش کے موانع ومؤیدات کا وزن ہے۔

(۳) ان بنیادی اسباب یقین کی تعمیر تمامتر ان جذبات ومعتقدات اور مزعومات ومفروضات (علوم عقلیہ) سے ہوتی ہے، جو کسی شے کے قبول ویقین کو پیش کرنے سے پہلے افراد یا جماعت کے نفس میں جاگزیں ہوتے ہیں۔

لہذا اب دیکھنا یہ ہے کہ معجزات کے یقین وقبول کے لیے کس قسم کے معتقدات کی نفس میں پہلے سے موجودگی لازمی ہے۔

غایت معجزات

معجزہ منطقی دلیل نہیں | اوپر آغاز کلام میں معجزہ کا جو مفہوم بیان کیا جا چکا ہے: اس سے معلوم ہوا ہوگا کہ معجزہ نبوت کی کوئی منطقی دلیل نہیں ہے، البتہ جو شخص مذہب کا قائل ہو غیب پر ایمان رکھتا ہے، اور اس سنت الٰہی کا معتقد ہے کہ بندوں کی ہدایت ورہنمائی کے لیے خدا ان ہی کے اندر سے کسی نہ کسی برگزیدہ بندہ کو اپنے پیام کے ساتھ بھیجتا رہا ہے، اس کے سامنے جب کسی مقدس انسان کی طرف سے اس پیام کے حامل یا نبی ہونے کا دعویٰ کیا جاتا ہے، اور یہ داعی الی اللہ اپنے ظاہری و باطنی کمالاتِ اخلاقیہ واوصافِ حمیدہ کے لحاظ سے عام انسانوں سے برتر نظر آتا ہو، تو اُس شخص کے دل میں ایمان کی ایک لہر پیدا ہوتی ہے، اب اگر اس پیغمبر سے کوئی معجزہ نما واقعہ ظاہر ہوتا ہو، یا اسکی طرف کسی معجزہ کا انتساب کیا جاتا ہو تو وہ اس کی صداقت کی ایک آیت یا نشانی کا کام دیتا ہے، جس سے ذوقِ ایمان کی تقویت ہوتی ہو، اور اس طرح ایمان کے تشنہ کام نفوس کے لیے ایک معنی کر کے معجزہ براہ راست خود نبوت کی نہیں، البتہ مدعی نبوت کی صداقت کی ایک نفسی دلیل بن جاتا ہے۔

معجزہ کی اصلی غایت | اس دلیل یا آیت کی جو غرض وغایت ہو سکتی ہے، اسکی نفسی حقیقت کو یوں سمجھو کہ مذہب کی بنیاد تمامتر اسرار وغیوب پر ہے، سب سے بڑا سر یا غیب ملکہ

غیب الغیب خود خدا کا وجود اور اس کی ذات ہے، حشر و نشر، جن و ملک، وحی و الہام تمام چیزیں ایک عالم غیب ہیں نبوت نام ہے اسی عالم غیب کے ساتھ روابط و علائق کا، معجزہ میں بھی چونکہ ایک طرح کا غیب پایا جاتا ہے، یعنی وہ عالم ظاہری کے سلسلۂ علل و اسباب سے الگ معلوم ہوتا ہے، اس لیے جو شخص غیب پر ایمان رکھتا ہے۔ اس کا نفس قدرۃً اس یقین کی جانب مائل ہو جاتا ہے کہ جس برگزیدہ انسان سے معجزہ ظاہر ہوا ہے، وہ عالم غیب سے خاص تعلق رکھتا ہے،

لیکن اگر کوئی شخص غیب پر ایمان نہیں رکھتا یعنی سرے سے خدا اور مذہب ہی کا منکر ہے، تو ظاہر ہے کہ اس کے لیے معجزہ تصدیق نبوت کی نہ کوئی دلیل بن سکتا ہے اور نہ آیت، کسی نبی کے صادق یا کاذب ہونے کا تصفیہ تو اس کے بعد کی شے ہے کہ پہلے آدمی نفس اس امر کا قائل ہو کہ خدا کا کوئی وجود ہے۔ اور وہ ہدایت خلق کے لیے اسپیلر کو بھیجتا یا بھیج سکتا ہے، جو آدمی نقطہ، خط یا سطح وغیرہ مبادی اقلیدس ہی کا قائل نہیں اسکو تم اقلیدس کی کوئی شکل کیسے سمجھا سکتے ہو، جس طرح علوم کی فرعی تفصیلات کے ماننے کے لیے پہلے ان کے مبادی کا ماننا لازمی ہے، اسی طرح تفصیلاتِ مذہب پر یقین کرنے کے لیے پہلے نفس مذہب کا یقین ضروری ہے۔

مل نے ہیوم کے انکار معجزات کی تنقیح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

جو شخص کسی فوق الفطرت ہستی اور انسانی معاملات میں اس کی مداخلت کا پہلے ہی سے قائل نہیں ہے، اس کے سامنے اگر کسی انسان کی نسبت فوق الفطرت یا خارق عادت باتوں کی روایت کیجائے تو وہ ان کو معجزہ نہ مانے گا، معجزات سے خود خدا کا وجود

نہیں ثابت کیا جا سکتا. اس لیے اگر خدا کا اعتقاد پہلے ہی سے دموجود ہو تو کسی فوق الفطرت ہستی کی مداخلت کے علاوہ معجز نما واقعات کی اور بھی توجیہات ممکن ہیں ..... یہاں تک وہیوم کی دلیل بامعنی کہی جا سکتی ہے. لیکن اگر ایک ایسی ذات کا وجود قطعی یا غالب طور پر بھی مان لیا جائے جو موجودہ نظام فطرت کی خالق ہے. اور اس لیے اس میں تغیر و ترمیم بھی کر سکتی ہے، تو ہیوم کی دلیل بے معنی ہو جاتی ہے. جب تم نے خدا کو مان لیا تو پھر جس شے کو اس کے ارادہ نے پیدا کیا تھا، اس پر اس ارادہ کا براہ راست عمل دراثر خواہ مخواہ کافر نہیں رہتا. بلکہ ایک سنجیدہ "امکان" بن جاتا ہے، کیونکہ اس صورت میں سوال کی نوعیت ہی بدل جاتی ہے. اور خدا کی مداخلت یا عدم مداخلت کا فیصلہ اس بحث پر ٹھہرتا ہے کہ کائنات فطرت میں اس کی سنت عمل کیا رہی ہے یا عقلاً کیا رہنا چاہیئے[1]"

غرض معجزہ کو معجزہ سمجھ کر اس کے یقین و قبول کی اولین شرط یہ ہے کہ آدمی پہلے غیب

---

[1] دیکھو Three Essays on Religion (مذہب پر تین مضامین) مطبوعہ ایشاٹک پریس صفحہ ۹۰. نیز نظام منطق کتاب سوم باب ۲۵ فصل ۶. اسی میں مل نے ایک اور غلط فہمی کا ازالہ کیا ہے وہ یہ کہ خدا کو مان لینے کے بعد معجزہ کو قانون فطرت کا سرے سے خارق ہی نہیں کہا جا سکتا پتھر کو اوپر پھینکو اور کوئی شے بیچ میں مانع یا عائق نہ ہو. تو اس صورت میں اس کا زمین پر لوٹ کر نہ گرنا یا ہوا میں معلق رہنا بیشک خلاف فطرت ہوگا لیکن اگر اس کو بیچ میں کوئی روک لے تو زمین پر نہ گرنا بالکل خارق عادت نہ ہوگا. کیونکہ مانع موجود ہے. معجزہ کی صورت میں جو ارادۂ خداوندی معمولی سلسلۂ علل و اسباب کا خالق ہے. وہی اس کے عمل سے مانع ہو جاتا ہے. لہذا معجزہ نہ خلاف فطرت ہے اور نہ بلا علت. کیونکہ عمل علت کی غرض تو یہ ہے کہ کوئی مانع نہ موجود ہو اور یہاں موجود ہے.

(خداوند مذہب) پر ایمان رکھتا ہو۔ اس کے بعد دیکھو کہ معجزہ کی مذکورۂ بالا غایت اور اس پر یقین کی اولین شرط کو پیش نظر رکھکر وقوع معجزہ کی مختلف صورتیں یا توجیہات کیا ہو سکتی ہیں۔ جزئی شقوق، یا غیر ذی احتمالات سے قطع نظر کر کے جن سے قدیم و جدید علم کلام کا دفتر پُر ہے، اصولی طور پر صرف وہی دو صورتیں نکلتی ہیں جن کی جانب مل نے اقتباس بالا میں اشارہ کیا ہے،

۱۔ پہلی صورت | یہ ہے کہ خدا نے کارخانۂ عالم چلانے کے لیے کچھ اصول و قوانین مقرر کر دیئے ہیں جن کے مطابق اس کل کا ہر پرزہ اپنی اپنی جگہ پر کام کرتا رہتا ہے۔ اور ارادۂ الٰہی اپنی اس سنتِ جاریہ میں کبھی کسی حالت میں کوئی تغیر و تبدل نہیں کرتا، بقول اسپنوزا[1] کے کہ "خدا کی خدائی اور اس کی حقیقی عظمت و حکمت کا اظہار اسی سے ہوتا ہے کہ عالم ایک بندھے ہوئے غیر متغیر نظام کا پابند ہو، قدرتِ خداوندی کے معنی یہی ہیں کہ کارخانۂ فطرت اپنے ازلی یا اٹل قوانین کا تابع ہے۔"

اس احتمال کی رو سے معجزہ کا وقوع بھی ان ہی ازلی قوانین کی کسی نہ کسی ایسی کارفرمائی کے ماتحت ہونا چاہیے، جس کا کم از کم ظہور معجزہ کے وقت عام لوگوں کو علم نہیں ہوتا اور اس لیے معجزہ جو دراصل محض ایک فطری واقعہ ہوتا ہے۔ بظاہر لوگوں کو معجزہ نظر آتا ہے۔ مثلاً جس وقت تک عمل تنویم کے نفسی قوانین فطرت کا انکشاف نہیں ہوا تھا، عصائے موسیٰ کا اژدہا بن جانا معجزہ تھا لیکن آج اس نفسی قانون کے جاننے والوں کے لیے کرسی کا شیر

---

[1] اسپنوزا جدید فلسفہ کا ایک نامور امام ہے دیکھو اسکا مجموعہ تصنیفات Spinoza Works جلد اول باب ۶ بحث معجزات،

بن جانا فطری واقعہ ہے اور عصاے موسوی کے اژدہا نظر آنے کی بھی اس سے توجیہ کیجا سکتی ہے،

لیکن اس توجیہ سے یہ کسی طرح نہیں نکلتا کہ حضرت موسیٰؑ کے عہد میں یہ واقعہ معجزہ نہ تھا، اس لیے کہ اس زمانہ تک معجزہ کی وہ غایت جس کا ابھی اوپر ذکر آچکا ہے، اس واقعہ سے پوری طرح حاصل تھی یعنی اس میں ایک طرح کا غیب پایا جاتا تھا۔ اور اس کا وقوع عالم ظاہری کے سلسلۂ علل و اسباب سے الگ معلوم ہوتا تھا۔ لہذا اس سے نبی کی تصدیق کا (جو عالم غیب سے تعلق رکھتا ہے) نفس میں میلان پیدا ہو سکتا تھا، جیسا کہ ساحروں کے نفس میں پیدا ہوا: انھوں نے حضرت موسیٰؑ کے نبی ہونے کی تصدیق کی

البتہ آج یہ واقعہ البرٹ مول یا ولیم جیمس کے سامنے بیان کیا جائے تو وہ اس کو بجاے معجزہ کے صرف ایک فطری واقعہ سمجھنے کا حق رکھتے ہیں، اس لیے اب اگر کوئی نبی یا ولی اپنی نبوت یا ولایت کی تصدیق کا میلان کسی معجزہ یا کرامت کے ذریعہ سے مول اور جیمس وغیرہ کے دل میں پیدا کرنا چاہے تو کوئی ایسی نشانی ظاہر کرنا ہوگی جس کی توجیہ سے ان کا موجودہ علم اسی طرح عاجز ہو، جس طرح کہ انبیاے سابقین کے زمانہ میں ان کے معجزات کی توجیہ سے اس وقت کا علم عاجز تھا یا بعض کی توجیہ سے اب بھی عاجز ہے، مثلاً شق قمر، لیکن اصل یہ ہے کہ علل تنویم کے تجربات میں اگر تھوڑی سی قیاسی وسعت اور پیدا کرلی جائے تو شق قمر وغیرہ تقریباً ہر قسم کے خوارق کی توجیہ ہو سکتی ہے

کیونکہ اس عمل کا دارومدار تمام تر عامل کی قوت اثر آفرینی اور معمول کی اثر پذیری پر ہے، یہ نفسی تاثر و تاثر کم و بیش ہر انسان میں موجود ہے جس کی ادنیٰ مثالیں ہم کو روزانہ کی معمولی

زندگی میں ملتی رہتی ہیں، ہماری زبان کی ایک عامیانہ مثل ہے کہ "خربوزہ کو دیکھ کر خربوزہ رنگ پکڑتا ہے"۔ جس کے یہی معنی ہیں کہ ایک آدمی دوسرے آدمی کے اوضاع و اطوار سے اثر پذیر ہوتا ہے۔ نیک صحبت کے فوائد اور بُری صحبت کے مضار کا بھید بھی نامحسوس تاثر ہے، جس قدر کسی شخص کی قوت ارادی یا قوت تاثیر زبردست ہوتی ہے، اسی قدر زیادہ وہ دوسروں پر اثر ڈال سکتا ہے، دنیا کے اکابر رجال کی کامیابی کا ایک بڑا راز یہی قوت رہی ہے۔ ان کے صرف کہنے کا لوگوں پر جو اثر پڑتا ہے، وہ دوسروں کے دلائل و براہین کا نہیں پڑتا۔ اس کی بہترین زندہ مثال گاندھی جی ہیں، انھوں نے جس درجہ کے امراء و اعیانِ ملک سے چرخہ کتوالیا ہے، اور اپنی سیدھی سادی گفتگو اور تحریروں سے جس طرح اس کی خوبیوں کا یقین ہزاروں لاکھوں انسانوں کے دل میں پیدا کر دیا ہے، وہ بڑی حد تک اسی قوت کا کرشمہ ہے، ورنہ ملک میں ان سے زبردست خطیب، انشا پرداز اور منطقی سیکڑوں ملیں گے، لیکن اثر آفرینی کا یہ سحر و جادو کسی کی تقریر، کسی کی تحریر اور کسی کے دلائل میں نہیں ملتا، غرض اثر آفرینی کی یہی قوت ہے، جس کو عاملِ تنویم مشق سے بڑھا کر کسی کو شیر اور جھاڑو کو حسین عورت بنا دے سکتا ہے،

ان واقعات کی بنا پر ہم کو یقیناً اپنے قیاس میں اتنی توسیع کا حق حاصل ہے کہ ماہرین تنویم

لہ انگریزی میں اس اثر آفرینی کے لیے (Suggestion) کی اصطلاح ہے جس کی پوری حقیقت کی تجربات اور مثالوں کے سمجھنے کیلیے انگریزی دان حضرات ڈاکٹر سیدس کی دلچسپ کتاب "نفسیات اثر آفرینی" The Psychology of Suggestion کی طرف رجوع کر سکتے ہیں،

یا عام اکابر رجال و مصلحین کی قوتِ اثر آفرینی کے مقابلہ میں انبیائے کرامؑ کی وہبی و روحانی قوتِ تاثیر و نفوذ کا مرتبہ کہیں زیادہ اعلیٰ و ارفع ہوتا ہے۔ اور اس لیے وہ اُن سے بھی بدرجہا زیادہ عجیب تر و محیر العقول امور کا یقین لوگوں کے دل میں پیدا کر دے سکتے ہیں عامل تنویم، اثر آفرینی کے لیے کچھ نہ کچھ ظاہری حرکات و سکنات یا الفاظ و خطاب کا محتاج ہوتا ہے۔ اور اس کا زیادہ تر اثر افراد تک محدود رہتا ہے لیکن نبی کی اعلیٰ اور روحانی قوتِ تاثیر کے لیے صرف باطنی ارادہ کافی ہو سکتا ہے۔ اور اس کا اثر افراد سے بڑھ کر جماعت تک کو محیط ہو سکتا ہے۔

البتہ یہاں ایک وسوسہ دل میں پیدا ہوگا جس کا دور کر لینا ضروری ہے، وہ یہ کہ معجزہ کی اس توجیہ کو قبول کرنے کے معنی یہ ہوں گے کہ اس کی حقیقت ایک طرح کے سحر، نظر بندی یا فریب حواس سے زیادہ نہیں ہے۔ یعنی جس شخص کو کوئی معجزہ نظر آتا ہے۔ اس کا وجود خود اس شخص کی نظر، حواس یا زیادہ صحیح یہ ہے کہ ذہن سے باہر کسی خارجی و حقیقی شے کی صورت میں نہیں ہوتا۔

بعض وسوسوں کا جواب اوپر معجزہ کی جو غایت معلوم ہو چکی ہے، اس کے لحاظ سے اس وسوسہ کا صاف جواب تو یہ ہوگا کہ وہ غایت ہر نوع حاصل ہے، معجزہ فی نفسہ چاہے کوئی خارجی شے ہو یا محض ذہنی، اصلی غرض صرف اتنی ہے کہ جس فرد یا جماعت کے سامنے کوئی معجزہ پیش کیا جائے اس کے علم کے لحاظ سے وہ اپنے اندر کچھ نہ کچھ غیب رکھتا ہو، ہاں بظاہر اس سے بھی ایک اور قوی تر اشکال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس صورت میں پھر نبی اور عامل تنویم یا ساحر میں کیا فرق رہ جاتا ہے؟ اس اشکال کا حل بھی ضمناً اوپر ہی گذر چکا ہے۔ کہ معجزہ بجائے خود نبوت کی کوئی منطقی دلیل نہیں ہے، بلکہ جس شخص میں ظاہری و باطنی کمالات یعنی اصلی خصائص نبوت

واصاف حمیدہ عام انسانوں کے مقابلہ میں فوق العادۃ حد تک مجتمع ہوتے ہیں، اس کے حق میں معجزہ محض تائید مزید کا کام دے سکتا ہے۔ اور جس شخص پر نبوت کے یہ اصلی خصائص و کمالات روحانی مؤثر نہ ہوں وہ بلاشبہ نبی کو بھی زیادہ سے زیادہ ایک بڑا ساحر قرار دے گا جیسا کہ منکرین نے ہمیشہ کہا ہے کہ "هٰذَا سَاحِرٌ كَذَّابٌ"۔ "اِنَّ هٰذَا لَسَاحِرٌ عَلِيْمٌ"۔ "قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ"۔ "وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ"۔[1]

لیکن اس وسوسہ کار کہ توجیہ بالا کی بنا پر معجزہ کی حقیقت کسی خارجی و واقعی وجود کی جگہ محض

---

[1] متکلمین اسلام کے ہاں سحر و معجزہ کی بحث ایک مستقل مسئلہ ہے لیکن ان میں بھی اہل تحقیق کا مسلک یہی ہے کہ دونوں میں کوئی نوعی فرق نہیں ہے، بعضوں کے نزدیک تو محض استعمال کا فرق ہے یعنی انبیاء اور اولیا اپنے نفس کی قوت معجزنمائی کو مقاصد خیر کے لیے استعمال کرتے ہیں، اور ساحر مقاصد شر کے لیے (سفینۃ الراغب ص ۱۰۸) مولانا حمید الدین فراہی تو اس سے بڑھ کر موجودہ دنیائے اسلام میں شاید ہی کسی کو فہم قرآن کی سلات حاصل ہو وہ بھی لَا يُفْلِحُ السَّاحِرُ سے یہی نتیجہ اخذ فرماتے ہیں کہ معجزہ اور سحر میں صرف یہ فرق ہے کہ ساحر فلاح یاب نہیں ہوتا یعنی وہ اپنی قوت سحر کو خود اپنے یا دوسروں کے لیے فلاح و خیر کے اغراض میں استعمال نہیں کرتا۔ بلکہ علی العموم جادوگروں کی اخلاقی حالت نہایت پست ہوتی ہے۔

لیکن "لَا يُفْلِحُ السَّاحِرُ حَيْثُ اَتٰى" کی نص قرآنی کا زیادہ صاف و صحیح مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ ساحر کا سحر جب نبی اور اس کے معجزہ کے مقابلہ میں آتا ہے تو وہ مغلوب و ناکام رہتا ہے۔ جیسا کہ عصائے موسیٰ کے مقابلہ میں ظاہر ہوا اس سے سحر و معجزہ میں جب کہ دونوں میں مقابلہ ہو ظاہری فرق و تمیز کا بھی ایک یقینی معیار ہاتھ آجاتا ہے۔ باقی دونوں کی باطنی حقیقت میں کیا فرق ہے یہ تو فن سحر کا عالم ہی جان سکتا ہے۔ جیسا کہ تمام فنی حقائق میں ہوتا ہے، اور جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابل ساحروں نے فرق جان لیا تھا۔

ایک ذہنی یا خیالی وہم کی رہ جاتی ہے) تحقیقی جواب دراصل مابعد الطبیعیات سے متعلق ہے جو تمام عقلی موشگافیوں کی آخری عدالت مرافعہ ہے، مگر اس عدالت کا آخری فیصلہ یہ ہرگز نہیں ہے کہ حقیقی یا واقعی وجود صرف خارجی چیزوں کا ہے۔ بلکہ اس کے نزدیک تو یہی امر سرے سے مشتبہ ہے کہ خود خارج کا کوئی وجود ہے۔ اور اساطینِ فلسفہ کی ایک بڑی جماعت (تصوریہ) کا مسلک یہ ہے کہ "عالم تمام حلقۂ دامِ خیال ہے"۔ "حقیقی وجود صرف روح، ذہن یا نفس کا ہے باقی دریا، پہاڑ، چاند، سورج، زمین و آسمان جو کچھ دیکھتے ہو، یہ سب تمہارے ذہن ہی کے اندر ہیں۔ مادہ اور عالم مادی محض ایک "وہم و گمان" ہے۔ اس جماعت نے عالم خارجی کی ایک توجیہ یہ کی ہے کہ جن چیزوں کو ہم موجودات خارجی سمجھتے ہیں وہ صرف ذہن کے تصورات ہیں۔ جو خدا ہمارے اندر پیدا کر دیتا ہے۔ اسی راز کی طرف اکبر مرحوم نے باتوں باتوں میں اس طرح اشارہ کیا ہے کہ "جو کچھ ہے سب خدا کا، وہم و گمان ہمارا"۔ لہٰذا جس ذات یا قوت نے سارے ذہن میں عصائے موسوی اور ثابت و مسلّم قمر کا تصور پیدا کیا تھا۔ اسی نے اگر تھوڑی دیر کے لیے عصا کی جگہ اژدہا اور قمرِ مسلّم کی جگہ شقِ قمر کا تصور پیدا کر دیا تو دونوں کے وجود کی حقیقت و نوعیت میں کیا فرق پڑا۔

صائنس جس کا جذبۂ مادہ پرستی دلائل سے لاجوابی اور خود مادہ کو غیر مادی و غیر جوہری

لہ مابعد الطبیعیات کے اس نازک مسئلہ کی توضیح کی گنجائش یہاں نہیں نکالی جا سکتی۔ البتہ مادہ جدید میں تصوریت کے بانی اول برکلے کا فلسفہ اردو میں منتقل ہو چکا ہے۔ جو لوگ فلسفہ کا ذوق رکھتے ہیں۔ وہ تو اس کی اصل کتاب "مکالمات" وغیرہ کا مطالعہ کر سکتے ہیں۔ عام لوگ شاید فلسفہ برکلے سے زیادہ فائدہ اٹھا سکیں گے (مطبوعہ دار المصنفین)

کہنے کے باوجود مادیات کے وجود خارجی سے یک قلم دست برداری پر راضی نہیں، اور اس تارِ عنکبوت میں کسی نہ کسی طرح الجھا رہنا ہی پسند کرتا ہے۔ وہ بھی کم از کم محسوسات کی نسبت تو یہ ماننے پر مجبور ہی ہے کہ رنگ، بو، آواز، مزہ، سردی و گرمی وغیرہ کا وجود صرف ایک ذہنی احساس یا تصور ہے، جس کو مادہ نامی کوئی نامعلوم شئے ہمارے ذہن میں خلق کر دیتی ہے۔ اور جس کا ذہن سے باہر کوئی وجود نہیں جب رنگ اور آواز جس کو ہم اپنی آنکھوں سے دیکھتے اور کانوں سے سنتے ہیں، اس کے حقیقی و واقعی وجود کے صرف اتنے ہی معنی ہیں کہ ہم اس کا احساس و تصور رکھتے ہیں۔ تو پھر کیا ضرورت ہے کہ معجزات کے وجود کو ہم اس سے زیادہ حقیقی و واقعی ثابت کرنے کی کوشش کریں:

ایک اور اعتراض یہ تو وہ شبہات تھے جو معجزہ اور سحر و تنویم کی یکسانی یا معجزات کے محض ذہنی وجود کی بنا پر پیدا ہوتے تھے لیکن ایک اور اعتراض معجزہ کی تمام ان توجیہات پر وارد ہوتا ہے جن کی رو سے یہ فطرت کے معمولی غیر متغیر قوانین اور علل و اسباب (چاہے وہ نفسی ہوں یا طبعی و مادی) ہی کے کسی نہ کسی ایسے مخفی عمل کا معلول کیا جاتا ہے جس کا ظہور معجزہ کے وقت تک عام لوگوں کو علم نہیں ہوتا۔ یہ ایک اعتراض معجزہ کے اضافی ہونے کا ہے۔ فرض کرو کہ شقِ قمر کی علت خواہ تنویم کی طرح کوئی نفسی قانون ہو یا کیمیاوی جذب و اتصال کی طرح جو چاند کے مختلف اجزا کو باہم ملحق کیے ہوئے ہے، کوئی ایسا مادی قانون دفع و افتراق ہو جس نے چاند کے دو ٹکڑے کر دیے ہوں۔ ان دونوں صورتوں میں شقِ قمر صرف اسی وقت تک معجزہ ہے جب تک کہ اس کے نفسی یا مادی قوانین و علل کا انکشاف نہیں ہوتا۔ لاسلکی پیام رسانی

کے انکشاف سے پہلے، اگر کوئی شخص ہندوستان میں بیٹھ کر ایک سکنڈ میں امریکہ کا کوئی واقعہ معلوم کر لیتا تو یہ کسی معجزہ سے کم نہ ہوتا، لیکن اب معمولی بات ہے،

بے شبہ اس معنی کر کے معجزہ یقیناً اضافی شے ہے، اور ہمیشہ رہے گا، کوئی معجزہ ایسا نہیں پیش کیا جا سکتا جو اس احتمال اضافیت سے خالی ہو، کیونکہ انسان کا علم ہی تمام تر اضافی ہے، اگر اس کا علم قطعی و محکم طور پر تمام قوانینِ فطرت کا احاطہ کر سکتا تو البتہ کسی حد تک معجزہ کی نسبت یہ مطالبہ بجا ہو سکتا تھا کہ ابدالاباد تک کسی قانونِ فطرت سے اسکی توجیہ نہ ہونی چاہیے، لیکن جب ہمارا علم ہی اضافی ہے تو کوئی معجزہ احتمالِ اضافیت سے کیسے خالی ہو سکتا ہے؟ ایک مدعی نبوت یہ اعجاز دکھلا سکتا ہے کہ ایک ہفتہ تک آفتاب غروب نہ ہو، لیکن اس کا قطعی یقین کیسے دلایا جا سکتا ہے کہ آگے چل کر علم ہیئت کے اکتشافات سے اس اعجاز کی توجیہ نہ ہو سکے گی؟ لہٰذا جو شے آج معجزہ ہے بالفرض کل وہ طبعی واقعہ ثابت ہو جائے تو بھی اس سے آج اُس کے معجزہ ہونے پر کوئی اثر نہیں پڑ سکتا، اور معجزہ کی غرض و غایت کو پورا کرنے کے لیے اسی قدر کافی ہے) (دیکھو اوپر صفحہ ۴-۱۷۳)

۲- دوسری صورت | یہ ہے کہ عام طور پر تو کارخانہ کائنات ایک مقررہ سنت یا بندھے ہوئے قوانین ہی کے ماتحت چلتا رہتا ہے لیکن کبھی کبھی خدا اپنے مرسلین و مقربین کی تائید غیبی کے لیے اس "سنت جاریہ" میں مداخلت اور تغیر و تبدل کو بھی جائز رکھتا ہے، خواہ یہ تغیر و تبدل فطرت میں کسی نئے حذف و اضافہ کی وساطت سے ہو، یا اس کا منشا براہ راست ارادۂ الٰہی ہو، اور جس طرح اسپنوزا کے نزدیک خدا کی خدائی اس میں نظر آتی ہے کہ عالم ایک بندھے ہوئے غیر متغیر

نظام کا پابند ہو، اسی طرح "بہت سے فلاسفہ اپنی عقل کو اس پر مجبور پاتے ہیں کہ ہر معلول کی براہ راست علت فطرت کی کوئی قوت نہیں بلکہ ایک ہستی برتر کا ارادہ[1] ہے"۔ ان فلاسفہ کے نزدیک وقوعِ معجزہ کے لیے بھی ارادۂ الٰہی کی براہ راست مداخلت ہی والا احتمال زیادہ قابل قبول ہوگا،

اس صورت کے مختلف احتمالات | صورتِ مداخلت کے ان احتمالات ثلثہ میں اگرچہ کوئی قطعی تفریق ہر جگہ نہیں کی جا سکتی تاہم جو موٹا سا فرق کیا جا سکتا ہے، اس کو مثالوں سے سمجھ لینا چاہیے.

(۱) عام قانون فطرت یہ ہے کہ انسان کا بچہ بلا اتصال جنسی نہیں پیدا ہوتا، لیکن اس اتصال جنسی سے جو مادۂ تولید رحم مادر میں داخل ہوتا ہے. اس کو اگر خدا خود رحم کے اندر ہی پیدا کر دے جس طرح کہ اور بہت سی رطوبات جسم میں پیدا ہوتی رہتی ہیں. تو بلا اتصالِ جنسی لڑکا پیدا ہو سکتا ہے، اور مداخلتِ خداوندی کی یہ صورت فطرت میں ایک نئے عارضی اضافہ کی وساطت پر مبنی ہوگی، ممکن ہے کہ ولادتِ مسیح میں خدا نے اپنی مداخلت کی اسی صورت سے کام لیا ہو.

(۲) اسی طرح اضافہ کے بجائے حذف کی مثال یہ ہو سکتی ہے کہ چاند کے مختلف اجزاء جس کیمیاوی جذب و اتصال کی قوت سے آپس میں پیوستہ ہیں، ان میں سے صرف اس حصۂ قوت کو جو چاند کے نصفین میں موجب اتصال ہے. تھوڑی دیر کے لیے خدا حذف یا سلب کر دے جس سے شق قمر کا معجزہ ظاہر ہو سکتا ہے.

(۳) تیسرا احتمال یہ ہے کہ کسی مادی واسطہ کا حذف و اضافہ کیے بغیر براہ راست خدا نے صرف ارادۂ "کن فیکون" سے قمر کو شق اور مسیح کو پیدا کر دیا ہو،

---

[1] دیکھو ص ۱۲۵

یہی آخری صورت عمیق النظر فلاسفہ و متکلمین اور اہل حق کا مذہب ہے، بلکہ تنویمی احتمال کی تو خود کلام مجید کی رو سے گنجایش نہیں، اس لیے کہ تنویم کا عمل اسکے عامل کے علم و ارادہ کے تحت ہوتا ہے، اور معجزات میں انبیاء علیہم السلام کے علم و ارادہ کو قطعاً دخل نہیں ہوتا۔ اسی لیے وہ فرمائشی و تحدی پر کسی آیت یا معجزہ کو خود پیش کر سکنے سے عجز کا صاف اعتراف اور اس امر کا غیر مشروط اعلان کرتے ہیں کہ "آیات تو صرف اللہ ہی کے اختیار میں ہیں" (انما الآیات عند اللہ۔ انما الآیات عند اللہ) اور اگر رسول ان کو پیش کرتا یا کر سکتا ہے۔ تو صرف اللہ ہی کے براہ راست حکم و اذن سے خود کسی رسول میں ہرگز اس کی طاقت نہیں کہ اللہ کی مرضی و مشیت کے بغیر کوئی آیت یا معجزہ پیش کر سکے۔" (مَا كَانَ لِرَسُولٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ) اگر عامل تنویم کی طرح انبیاء علیہم السلام اپنے ہی علم و ارادہ سے معجزات ظاہر کرتے ہوتے تو حضرت موسیٰؑ اپنے عصا کو ثعبان کی صورت میں ظاہر فرما کر خود اسی سے کیوں ڈرتے، اور اس کے پھر عصا بنا دینے کو اللہ تعالیٰ راست اپنی طرف کیوں منسوب فرماتا کہ "ڈرو نہیں ہم اس کو پھر ابھی چھڑی ہی بنا دیں گے۔" لَا تَخَفْ سَنُعِيْدُهَا سِيْرَتَهَا الْاُوْلٰى۔

باقی اور جتنے احتمالات اوپر بیان ہوئے وہ بھی سبھی احتمالات و تاویلات ہی کے درجہ میں ہیں لیکن تاویل خواہ بعید ہی ہو، تکذیب کے مقابلہ میں اہون ہے، لہٰذا یہ درحقیقت ایسے طفل مزاج عقل پرستوں پر اتمام حجت اور انکار و تکذیب کی راہ سے ان کو بچانے کے لیے ہیں، جو بچوں کی طرح مٹھائی (عقل) کا نام لیے بغیر کسی اعلیٰ حقیقت کی طرف ملتفت ہی نہیں ہوتے۔ اور جن کی عقل، عقل کے نام سے اتنی مرعوب ہے کہ خود عقل کی

نارسائی تک بھی رسائی نہیں پا سکے ہیں ،

مدعا اصل بحث و توجہ کی بات ایک ہی ہے کہ سارے کارخانۂ فطرت کی اساس و بنیاد کوئی بے شعور و بے ارادہ مبدء ہے ، یا اندر باہر انفس و آفاق میں جو کچھ بھی ہے اور ہو رہا ہے تمام تر بالذات و براہ راست کسی علم و ارادہ والی ذات کی مشیت و قدرت کا ظہور ہے۔ فلسفہ اور فلسفیانہ عقل کے لیے ایک طرف تو یہ بات بہت پرانی ہو چکی ہے کہ جہاں کہیں جو کچھ بھی ہے یا ہو رہا ہے ، وہ ایک ہی ہستی کی جلوہ فرمائی و کارفرمائی کے مظاہر ہیں ، اور فلسفہ تصوریت کی رو سے (جس کا جدید فلسفہ میں خصوصاً دور دورہ رہا ہے) یہ ہستی اسی نوعیت کی ہے جس کو ہم شاعر الذات نفس و روح یا نادانستہ سے تعبیر کرتے ہیں ، باقی مادہ و طبیعت یا مادی و حسی عوامل و قوانین کی ساری تعبیرات و اصطلاحات دفتر بے معنی ہیں

میرے الفاظ نے کر رکھے ہیں دفتر پیدا
ورنہ کچھ بھی نہیں اللہ کی قدرت کے سوا

نئی بات جو سائنس اور سائنسدانوں کے نام سے مرعوب ذہنوں اور عقلوں کے لیے خصوصاً لائق توجہ ہے ، یہ ہے کہ مادہ کی بظاہر حس ٹھوس چٹان پر مادیت یا طبعی عوامل و قوانین کی پوری عمارت کھڑی تھی وہ خود نئی طبیعیات ہی میں برف کی طرح پگھل رہی ہے۔ "اب ازلی و غیر فانی مادہ اور ٹھوس سالمات پرانا افسانہ ہو چکے ہیں" قائم بالذات جوہر کی حیثیت سے مادہ کو اب کوئی اساسی حقیقت نہیں تسلیم کیا جاتا ، وہ اب عملاً برقی توانائی و برقیات میں گم ہو کر رہ گیا ہے۔" لیکن خود برق یا برقیات کی انتہائی حقیقت کیا ہے کوئی نہیں جانتا یہی نہیں

بلکہ مادہ کو کسی معنی میں بھی موجود جاننے کے لیے عام انسانی ذہن و دماغ کے لیے کم از کم اتنا سہارا ناگزیر تھا کہ وہ کسی جگہ (یا مکان میں) موجود ہے۔ لیکن نظریۂ اضافیت نے اس آخری سہارے کو بھی چھین لیا،

"مادہ جو ہماری عام عقل و فہم کے لیے ایک موجود فی المکان اور قائم فی الزمان جوہر تھا ... اور کائنات نام تھا مادہ کے ڈھیروں ڈلوں یا ایسے مادی جوہروں کا جو خاص خاص قوانین کے مطابق زمان و مکان میں ادھر سے ادھر مارے مارے پھرتے تھے۔"

"اب جو بڑا انقلاب سائنس کے نقطۂ نظر سے برپا ہوا ہے وہ صحیح معنی میں اسی واقعہ کا نتیجہ ہے کہ مادہ اور زمان و مکان سرے سے تین جداگانہ حقایق ہی نہیں قرار دیے جاتے۔"[1]

ایک عامی آدمی عریاں الفاظ میں اس کے سوا کیا سمجھ سکتا ہے کہ مادہ نہ کسی جگہ ہے نہ کسی وقت میں یعنی نہ کسی مکان میں نہ کسی زمان میں۔ تو پھر "ہے" کے کیا معنی؟ اضافیت کے اس شاہکار کو پوری طرح سمجھنا سمجھانا تو اعلیٰ ریاضیات کے ماہرین ہی کا کام ہے، ہم عامیوں کو سچ پوچھیے تو ایسے مادہ کی نسبت جو زمان و مکان سے الگ یا مستقل بالذات ہو کر کسی جگہ اور وقت میں یا زمان و مکان کے ظرف کی حیثیت سے نہ پایا جاتا ہو بے ساختہ یہی کہنا پڑتا ہے کہ "ریاضیات نے تحلیل کرتے کرتے ہماری خارجی (یا مادی) دنیا کو تقریباً عدم تک پہنچا دیا ہے"[2] اور یہ تو بہرحال واضح ہو گیا ہے کہ کائنات کو کوئی مشین نہیں قرار دیا جا سکتا۔ پرانی مادیت دیوالیہ ہو چکی ہے۔ یعنی وہ مادیت جو کائنات، زندگی اور ذہن سب کا محض ایک مادی تصور رکھتی تھی۔[3] اسی طرح

---

[1] مادہ اور ہیئت مقدمہ صفحہ ۱۵ [2] ایضاً ص ۱۴۳ [3] ایضاً

اسی طرح سائنس و ریاضی کے جھروکوں سے بھی فلسفیانہ تصوریت ہی جھانکنے لگی ہے حتیٰ کہ

"سائنسدانوں کو طبعی کائنات میں کسی اساسی خارجی یا معروضی حقیقت کی جستجو میں معلوم ہوا ہے کہ کوئی خارجی حقیقت اگر سرے سے ہو بھی۔ تو وہ کوئی ایسی نہایت ہی عجیب و غریب شے ہوگی جو کبھی خواب و خیال میں بھی نہ آئی تھی۔ ایڈنگٹن نے نظریۂ اضافیت کے ضمن میں لکھا ہے کہ اگر میں غلطی نہیں کرتا تو طبیعیات کی ایک دوسری جدید ترقی کوانٹم تھیوری تک پہنچکر ہم نے خارجی حقیقت کی جستجو کے مقصد کو ترک کر دیا ہے۔ اور طبعی کائنات کی ایسے عناصر میں تحلیل کرنا پڑی ہے۔ جو صراحۃً ذہنی (Subjective) ہیں۔ اگر خارجی دنیا کو جاننے میں ہمارے لیے خود اپنے ذہنی عنصر کو جدا کرنا مشکل ہے تو خود دان (Self-Knowing) شعور کے مسئلہ میں جہاں ذہن خارج (یعنی جاننے والا اور جانا گیا) حقیقۃً ایک ہو جاتے ہیں۔ اسکو جدا یا ممتاز کرنا کہیں زیادہ مشکل ہوگا۔"[1]

غرض فلسفہ کے بعد سائنس میں بھی ہوا کا رخ جس طرح تصوریت یعنی اس خیال کی طرف جا رہا ہے کہ ساری کائنات اور اس کی نیرنگیاں بے شعور مادہ کی میکانکی کارستانیاں نہیں، بلکہ ذہن و شعور کی کارفرمائیاں ہیں، اور خالص سائنسداں نہ سہی لیکن سائنسداں فلسفی کی حیثیت سے سر جیمس جینس، ماکس، پلانک، شروڈنگر آئنسٹائن وغیرہ جیسے رجالِ سائنس کا تصوریت کی جانب رجحان بڑھتا جا رہا ہے، اور کائنات کا اساسی سرچشمہ شعور کو قرار دینے لگے ہیں۔ جیسا کہ سر جیمس جینس کا صاف اعتراف ہے کہ "میرا رجحان تصوریہ کے اسی نظریہ کی طرف ہے کہ اساسی و بنیادی حقیقت شعور ہے، اور مادی کائنات اس سے ماخوذ ہے"۔ (ماڈرن بیکگراؤنڈ)

[1] ماڈرن بیکگراؤنڈ مقدمہ ص ۸

مذاہب کا وجود اسی ذی شعور و ذی علم اساسی سرچشمہ کائنات کے سوا کیا ہے، اور یہ ساری کائنات ہی کسی نہ کسی طرح اس کے علم و شعور سے ماخوذ یا اس کی مخلوق ہے تو معجزات کے مادی یا میکانکی عوامل و قوانین کی جستجو خود عقل کی رو سے کونسی عقلمندی کا کارنامہ ہے[1] عقل و دانش کی بات تو بس وہی ہے جو آبادی عارف اکبر کی ہے کہ

تیرے الفاظ نے کر رکھے ہیں دفتر پیدا ورنہ کچھ بھی نہیں اللہ کی قدرت کے سوا

یقین معجزہ کے شرائط غرض یقین معجزہ کی اولین شرط خدا اور غیب کا یقین ہے، اس کے بعد اپنے علم و مذاق کے مطابق توجیہ معجزات کی جس طرح یہ "پہلی صورت" ممکن ہے کہ وہ تمام قوانین فطرت (خواہ نفسی یا مادی) ہی کے کسی مخفی عمل کا نتیجہ ہوں، اسی طرح مداخلت کی (خواہ براہ راست ہو یا بواسطہ حذف و اضافہ) "دوسری صورت" بھی قابل قبول ہے، انگلستان کے مشہور منطقی ولیم سٹینلی جیونس نے ایک نہایت ضخیم کتاب "اصول سائنس"[2] کے نام سے لکھی ہے، جس میں آخری نتیجہ یہ نکالا ہے کہ

"اور علم سائنس کی حقیقت و نوعیت کے متعلق جو بحثیں گذری ہیں، ان سے ایک نتیجہ جو نہایت صاف طور پر نکلتا ہے، وہ یہ ہے کہ ہم کارخانۂ فطرت میں مداخلت خداوندی کے امکان کو کسی طرح باطل نہیں ٹھہرا سکتے"..... جس قوت نے کائنات مادی کو خلق کیا ہے، وہ یقیناً ایک اس میں حذف و اضافہ بھی کر سکتی ہے، اس قسم کے واقعات کو ایک معنی

---

[1] ان مباحث کی کامل و تشفی بخش توضیح "فلسفۂ اسلام" کے ذیل میں بشرط صحت و حیات ملے گی۔

[2] The Principles of Science (حاشیہ) طبع اخیر ۱۹۱۳ء ص ۴۶۶

گر کے ہمارے لیے ناقابلِ تصور کہے جا سکتے ہیں۔ پھر بھی یہ اس سے زیادہ ناقابلِ تصور نہیں
ہیں جتنا کہ خود عالم کا وجود ہے۔"

مگر جو شخص اس خالقِ کائنات **قوت** ہی کا قطعاً منکر ہو اور سرے سے غیب ہی پر ایمان نہ رکھتا ہو، اور جو آرنسٹ ہیگل (جرمنی کا مشہور ملحد و مادہ پرست) کی طرح خود خدا، روح، حشر و نشر وغیرہ کو معجزات (بمعنی اوہام و خرافات) قرار دیتا ہو، اور جس کے نزدیک "معجزات کا یقین جہالت و بربریت کی آخری نشانی ہو، جس کا فنا کر دینا ہی علم و تمدن کی فتح ہو گی۔"[1] تو ایسے آدمی کو آپ کسی معجزہ کا اس معنی میں کیونکر یقین دلا سکتے ہیں کہ وہ کسی غیبی **قوت** کا آفریدہ ہے، یا جس شخص سے وہ ظاہر ہوا ہے، اس کے عالمِ غیب کے ساتھ رابطہ و تعلق (نبوت) کی آیت یا نشانی ہے؟

یقین کی اوپر جو حقیقت بیان کی گئی ہے، اس کے لحاظ سے معجزہ پر بہ حیثیت آیتِ نبوت کے یقین کرنے کے لیے ضروری ہے کہ غیب پر ایمان ہو، جس کے بغیر یقینِ معجزہ کی خواہش کا پیدا ہونا ناممکن ہے، پھر بھی جس شخص کی نسبت کوئی معجزہ بیان کیا جاتا ہو، یا جس سے یہ ظاہر ہوا ہو، اس کی زندگی "اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ" کی تفسیر اور ظاہری و باطنی کمالات کا بجائے خود ایک معجزہ ہو (یہ چیزیں خواہشِ یقین کے لیے مؤیدات کا کام دیں گی) اور سب سے آخری لیکن سب سے مقدم شرط یہ ہے کہ فرعون و ابوجہل کی طرح دل میں خصومت و عناد، خودی و خود بینی، ذاتی اغراض یا ہوا و ہوس کے موانعِ یقین نہ موجود ہوں۔

---

[1] دیکھو ہیگل کی کتاب Wonders of Life (عجائباتِ حیات) باب ۳ معجزات۔

جس طرح ان شرائط کی عدم موجودگی میں کوئی دلیل یقین معجزات پر آمادہ نہیں کر سکتی، بالکل اسی طرح ان کی موجودگی میں کوئی دلیل یقین معجزات سے باز نہیں رکھ سکتی،

میرے ایک دوست جن کا شمار کم از کم مسلمانوں میں تعلیم جدید کے مستثنیٰ افراد میں سے ہے آج سے چند برس پہلے مغربی عقل و حکمت کے شدید پرستار تھے، اور وجود خدا کا ان سے اقرار کرانا اس لیے ناممکن تھا کہ وہ مل کی منطق اور سپنسر و ہیگل کی تحقیقات سے نہیں ثابت ہوا تھا۔ قرآن میں ان کے نزدیک علم النفس کے بیسیوں دقایق مرعی تھے، اور اس کا پیش کرنے والا پیمبر اسلام (علیہ السلام) سکندر، سیزر، سقراط و نپولین وغیرہ قائدین عظام و مصلحین عالم کی صف اول میں اپنی جگہ رکھتا تھا، تاہم اگر آیات قرآنی کو بہ حیثیت کلام الٰہی انکے سامنے تلاوت کیا جاتا، یا پیغمبر اسلام علیہ السلام کی مکارم اخلاق سے معمور زندگی کو آپ کی پیغمبری کے ثبوت میں بیان کیا جاتا تو وہ "جواب جاہلاں" کی بامکین "خاموشی" یا زیادہ سے زیادہ ایک خندۂ تحقیر" کی سزاوار تھی، ظاہر ہے کہ بدعقیدگی کے اس عالم میں روایات معجزہ کی حقیقت اس سے زیادہ کیا ٹھہر سکتی ہے کہ وہ محض اپنے رواۃ کی خوش اعتقادیوں یا جاہلانہ عجائب پرستیوں کا مجموعہ ہیں،

لیکن ادھر ان کی اس درجہ حیرت انگیز کایا پلٹ ہوئی ہے کہ عقلیات مغرب کا سارا طومار ان کے نزدیک "صد کتاب و صد ورق در نار کن" سے زیادہ مستحق نہیں ہے، قرآن کریم دقایق نفسیہ کی جگہ "حقایق الٰہیہ" کا منبع بن گیا ہے، "سیرت نبویہ" کا ایک ایک حرف نبوت پر شاہد عدل ہے، جو زبان جیمس اور لونٹ کی نفسیاتی تحقیقات سے

رطب اللسان رہتی تھی، اس کو انتہائی لذت اب صرف بزرگانِ دین کے مناقب، کشف و کرامات اور مسائلِ تصوف کے ذکر میں ملتی ہے، حتیٰ کہ دورِ اول کے "ناصح احباب کو اب خود ان پر "خوش اعتقادی" کا گمان ہونے لگا ہے،

اس قلبِ ماہیت کا نتیجہ یہ ہے کہ انبیائے عظام علیہم السلام کا ذکر ہی کیا، ملک کی موجودہ تحریک "ترکِ موالات" کے بانی کی ذرا غیر معمولی اخلاق سے آراستہ زندگی بھی ان کو روحانی کمالات ہی کا پرتو نظر آتی ہے، انتہا یہ کہ ان کی طرف جو طرح طرح کی کرامتیں منسوب کیجاتی ہیں[1]، ان میں ایک مشہور واقعہ بعض درختوں سے روئی جیسی ایک چیز کا نکلنا تھا میرے یہ دوست بھی اس کو تائیدِ غیبی کی ایک نشانی سمجھنے میں شریک تھے، میں نے کہا کہ "کچھ لوگ اس روئی کو کسی کیڑے کی رطوبت بتلاتے ہیں"۔ کہا "اس سے کیا ہوتا ہے، خدا نے اسی وسیلت سے تائید کی ہوگی"۔

شرائطِ یقین و غایتِ معجزات کے مقدماتِ بالا کو سامنے رکھکر اب ذرا رگستانِ عرب کے اس اُمّی انسان کی زندگی، دعوت اور تعلیمات پر ایک سرسری نظر کرو جس نے ساڑھے تیرہ صدی ادھر کوہِ صفا پر کھڑے ہوکر اپنی نبوت کا اعلان کیا تھا،

اس قدسی صفات انسان کی امانت و دیانت نے ہموطنوں کی طرف سے اس کے لیے امین کا لقب حاصل کیا تھا، اس کی راست گوئی دوست و دشمن سب کو یکساں تسلیم تھی، حضرت خدیجہؓ جن کو پچیس برس تک آپ کی زوجیت کا شرف حاصل رہا، وہ ایک موقع پر

[1] یہ تحریر گذشتہ تحریک موالات کے شباب کے زمانہ میں لکھی گئی تھی، اسوقت طرح طرح کی یہ کرامتیں ملک میں پھیلی تھیں،

آپ کو تسلی دیتی ہیں کہ ہرگز نہیں. خدا کی قسم! خدا آپ کو کبھی غمگین نہ کرے گا آپ صلۂ رحم کرتے ہیں مقروضوں کا بار اٹھاتے ہیں غریبوں کی امانت کرتے ہیں. مہمانوں کی ضیافت کرتے ہیں، حق کی حمایت کرتے ہیں مصیبتوں میں لوگوں کے کام آتے ہیں۔

اس "اپنے پرائے کے غمخوار" کی دعوت صرف یہ تھی کہ لوگو لا الٰہ الا اللہ کہو تو نجات پاؤ گے. اس دعوت سے باز رکھنے میں "رؤسائے قریش جب ہر قسم کی تدبیروں سے تھک گئے تو انھوں نے آپ کے سامنے حکومت کا تخت، زر و جواہر کا خزانہ، اور حسن کی دولت پیش کی، اور بالآخر وہ وقت آیا جب آخری ہمدم و دمساز یعنی ابو طالب نے بھی ساتھ چھوڑنا چاہا۔ جس کا جواب اولوالعزم من الرسل کی زبان سے فقط یہ ملا کہ "چچا جان! اگر قریش میرے داہنے ہاتھ میں سورج، اور بائیں ہاتھ میں چاند رکھدیں تب بھی اپنے اعلان حق سے باز نہ آؤں گا"۔ نتیجہ وہی ہوا جو ہونا چاہیے تھا یعنی حق کامیاب ہوا، لیکن کیا اس کامیابی سے داعی حق صلی اللہ علیہ وسلم نے خود کوئی فائدہ حاصل کیا؟

مسجد نبوی کے صحن میں آپ کے سامنے مال غنیمت کے انبار لگ جاتے تھے، مگر خود اس انبار کو تقسیم کرنے والے شاہ کونین (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زندگی یہ تھی کہ آپ کھال کی چٹائی یا خالی زمین پر آرام فرماتے تھے "کاشانۂ نبوت گو انوار الٰہی کا مظہر تھا تاہم اس میں رات کو چراغ نہیں جلتا تھا"۔ کئی کئی دن تک فاقے سے شکم مبارک پر دو دو تین تین پتھر بندھے ہوتے گھر کا کام کاج خود کرتے، کپڑوں میں پیوند خود لگاتے گھر میں خود جھاڑو دیتے دودھ دوھ لیتے بازار سے سودا لاتے، جوتی پھٹ جاتی تو خود گانٹھ لیتے اونٹ کو اپنے ہاتھ سے باندھتے۔ اس کو

چارہ دیتے. غلام کے ساتھ مل کر آٹا گوندھتے. حضرت فاطمہؓ آپ کی محبوب ترین اولاد تھیں. جن کی عام خانگی زندگی یہ تھی کہ چکی پیسنے سے ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے تھے بار بار مشک میں پانی بھرنے سے سینہ پر گھٹے پڑ گئے تھے. گھر میں جھاڑو دیتے دیتے کپڑے چیکٹ ہو جاتے تھے. لیکن باایں ہمہ جب انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک بار گھر کے کاروبار کے لیے ایک لونڈی مانگی. اور ہاتھ کے چھالے دکھائے تو آپ نے صاف انکار کر دیا کہ یہ فقراء و یتامیٰ کا حق ہے.

اتنا ہی نہیں کہ آپ دنیاوی عیش و آرام سے دست بردار تھے. بلکہ دشمنان دین طرح طرح کی ایذائیں پہنچاتے تھے. گالیاں دیتے تھے (گو رحمۃ للعالمین کا ہاتھ ان کے حق میں بھی ہمیشہ صرف دعا ہی کے لیے اٹھتا تھا. اور ان کے ساتھ نیکی ہی کا حکم فرماتے تھے) راہ میں کانٹے بچھا دیتے تھے. نماز پڑھنے میں جسم مبارک پر نجاست ڈالتے تھے. ایک دفعہ آپ حرم میں نماز پڑھ رہے تھے. عقبہ بن معیط نے آپ کے گلے میں چادر لپیٹ کر اس زور سے کھینچی کہ آپ گھٹنوں کے بل گر پڑے." یہ سب کچھ تھا لیکن دعوت حق، نوع انسان کی ہدایت اور فلاح و بہبود کی تعلیمات کا کام بلا شائبہ تزلزل جاری تھا.

کیوں؟ اس لیے کہ آپ کو اپنے فرستادۂ خدا ہونے کا اذعان، ہر وقت اس کی نصرت و معیت پر اعتماد، اور بالآخر باطل کے زہوق اور حق کے غلبہ کا اسی طرح یقین تھا جس طرح تم کو رات کی تاریکی کے بعد طلوع صبح کا یقین ہوتا ہے. کفار کی دشمنی اور ایذا رسانی سے تنگ آکر ابوطالب سمجھاتے ہیں کہ "جان پدر! اس کام سے ہاتھ اٹھا لو." آپ فرماتے ہیں کہ "عم محترم.

میری تنہائی کا خیال نہ کیجئے، حق زیادہ دیر تک تنہا نہیں رہے گا۔ عجم و عرب ایک دن اس کے ہاتھ ہوگا" کفار قریش بدنیتی (قتل) کے ساتھ آپ کے تعاقب میں نکلے ہیں، غار ثور جس میں آپ مخفی ہیں۔ اس کے قریب پہنچ گئے ہیں کہ "رفیقہ فی الغار" (حضرت ابوبکرؓ) نے گھبرا کر عرض کی کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) دشمن اس قدر قریب ہیں کہ ذرا نیچے جھک کر اپنے پاؤں کی طرف دیکھیں تو ہم پر نظر پڑ جائے گی۔" آپ نے فرمایا کہ "لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا" "غم نہ کرو، خدا ہمارے ساتھ ہے"۔ ایک موقع پر آپ کسی درخت کے نیچے تنہا استراحت فرما رہے تھے کہ ایک بدو جو شاید اسی موقع کی تاک میں تھا، چپکے سے آیا، اور آپ کی تلوار درخت سے اتار کر نیام سے باہر کھینچ لی، اور آپ کے سامنے آیا کر دفعتہً آپ ہشیار ہو گئے۔ دیکھا کہ ایک بدو تیغ بکف کھڑا ہے۔ جس نے پوچھا کہ "اے محمدؐ اب تم کو کون بچا سکتا ہے"؟ ایک پُر اطمینان صدا آئی کہ "اللہ"

کیا تشنگانِ ایمان کے لیے خود یہ صدا معجزہ نہیں ہے؟ اور کیا جن لبوں سے یہ صدا نکلی تھی ان کو کوئی دیکھنے والا کاذب تصور کر سکتا تھا۔ اسی کا اثر تھا کہ حضرت عبداللہ بن سلامؓ پکار اٹھے کہ لیس ھذا بوجہ کذاب (یہ جھوٹے کا منہ نہیں ہے)

یہ سمندر کے صرف چند قطرے تھے، اور اگرچہ انسان کا ناقص قلم پیغمبرانہ سیرت کے تمام خط و خال کو کامل طور پر نمایاں نہیں کر سکتا۔ تاہم "سیرۃ النبیؐ" کے گذشتہ دو حصوں میں (جہاں سے یہ چند منتشر قطرات ماخوذ ہیں) انسانی ہاتھ سے جو کچھ تمام مرقع کھچ سکا ہے، اسی سے تم بڑی حد تک اندازہ کر سکتے ہو کہ کسی پیکر بشری کے اندر "اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ" کی اس جامعیت کبریٰ کا ظہور بجائے خود اتنا بڑا اعجاز ہے جس سے بڑھ کر کوئی معجزہ نہ طلب کیا جا سکتا ہے، اور نہ پیش

کیا جاسکتا ہے،

ایسی اعجاز مجسم، جامع ہستی کے متعلق "جو صاحبِ شمشیر و نگیں بھی ہو، اور گوشہ نشین بھی، بادشاہِ کشور کشا بھی ہو، اور گدائے مینوا بھی، فرمانروائے جہاں بھی ہو، اور سبحہ گرداں بھی، مفلس قانع بھی ہو اور غنی و دریا دل بھی، جس کی زبان ہمہ وقت ذکرِ الٰہی اور تسبیح و تہلیل میں مصروف ہو جس کے پاؤں رات رات بھر نماز میں کھڑے رہنے سے آماس کر آتے ہوں"۔ اگر کوئی ایسا واقعہ بیان کیا جائے جو خدا کی طرف سے تائید غیبی کی نشانی یا آیت معلوم ہو تو اُس شخص کو اُس کے یقین و قبول میں کیا تامل ہو سکتا ہے، جو خدا اور غیب پر ایمان رکھتا ہے،

لیکن جو شخص ہیگل کی طرح خدا اور غیب ہی کا منکر ہو، یا فرعون کی طرح خود اپنے کو خدا کہتا ہو (انا ربکم الاعلیٰ) یا جس کے قلب کو ابوجہل و ابولہب کی طرح کفر و عناد کی تاریکی نے سیاہ کر رکھا ہو، اس کے سامنے بڑے سے بڑا معجزہ پیش کرنے پر بھی زیادہ سے زیادہ یہ جواب مل سکتا ہے کہ "سحر مستمر"۔

یہی راز تھا کہ سیرت نبویہ کے سارے دفتر میں بمشکل ایک آدھ ایسا واقعہ ملتا ہے کہ معجزات کی بنا پر لوگوں نے رسالت کی تصدیق کی ہو، بلکہ عہد رسالت کے ہزاروں ایمان لانے والے وہی ہیں جن کے دل میں ایمان کا مزہ تھا، اور جن کے لیے "روئے و آواز پیمبر" ہی اصل معجزہ تھا۔ گو آج ظاہری روئے و آواز ہم سے مستور ہے، لیکن مغربی آدمی قرآن اور حقیقی "روئے پیمبر" سیرت طیبہ ابد الآباد تک ذوقِ ایمان رکھنے والوں کے لیے معجزہ نمائی کرتی رہے گی، صلی اللہ علیہ وسلم

لُبِ لُباب

گذشتہ مباحث کا لب لباب یہ ہے کہ

(۱) معجزہ نام ہے پیمبرانہ اوصاف و مکارمِ اخلاق کے جامع انسان کے تعلق سے کسی ایسے واقعہ کے ظہور کا جس کی کم از کم بوقت ظہور عام علل و اسباب سے توجیہ نہ ہو سکے،

(۲) ایسے واقعات بذاتِ خود عقلاً ناممکن نہیں، ان کی حیثیت زیادہ سے زیادہ "انتہائی حیرت انگیز" یا مستبعد واقعات کی ہوتی ہے، اس لیے بظاہر اُن کو قبول کرنے کے لیے بھی نہایت غیر معمولی شہادت کی ضرورت نظر آتی ہے،

(۳) لیکن در اصل یہ استبعاد ایسا نہیں ہوتا جس کی کافی مثالیں عام زندگی میں بھی نہ ملتی ہوں اور جن کے قبول کے لیے کسی غیر معمولی شہادت کا مطالبہ نہیں کیا جاتا،

لہذا یقینِ معجزات کے لیے بھی معمولی درجہ کی قابلِ اعتماد شہادت کافی ہو سکتی ہے،

(۴) مگر یقین صرف شہادت وغیرہ خارجی چیزوں سے نہیں پیدا ہوتا بلکہ اسکا دار و مدار زیادہ تر یقین کی خواہش اور اسکے مواقع و مؤیدات پر ہے جسکا تعلق بڑی حد تک خود یقین کرنے والے کے گذشتہ معتقدات و مرغوبات سے ہوتا ہے،

(۵) یقینِ معجزات کی خواہش کا پیدا ہونا موقوف ہے "ایمان بالغیب پر"

(۶) اگر غیب پر ایمان ہے اور فرعون و ابوجہل کی طرح عناد و تعصب کے موانع موجود نہیں ہیں، ساتھ ہی آمد کی نبوت کی زندگی اپنے احوال و اخلاق کے لحاظ سے بجائے خود اسکی نبوت کی مؤید ہے، تو معجزہ (بمعنی خارقِ عادت) کا کیا ذکر ہے، خود پیمبر کی آواز و صوات ہی معجزہ ہے،

در دلِ ہر کس کہ دانش رامزہ است
روے و آواز پیمبر معجزہ است

آیات و دلائل

اور

قرآن مجید

انبیاء اور آیات و دلائل

گذشتہ صفحات میں جو کچھ پھیلایا گیا ہے، وہ انسانی افکار و خیالات کی جہانتک دسترس ہے اس کی تشریح ہے، لیکن مسلمانوں کے نزدیک ہدایت و ارشاد کا اصلی سرچشمہ قرآن مجید ہے اس لیے آیات و دلائل کی نسبت اخیر فیصلہ اسی کی عدالت میں ہونا چاہیے، قرآن مجید میں اکثر انبیاء کے سوانح و حالات کے ضمن میں اُن آیات اور معجزات کا بھی بیان ہے، جو اُن کو خدا کی بارگاہ سے عطا ہوئے تھے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیات و دلائل انبیاءؑ کے سوانح کا ضروری جزء ہیں خصوصاً حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کے معجزات سب سے زیادہ تفصیل اور تکرار کے ساتھ قرآن میں بیان ہوئے ہیں کہ نزولِ قرآن کے وقت ان ہی دونوں انبیاءؑ کی امتیں عرب میں موجود تھیں اور اُن ہی کے سامنے اسلام اپنے دعووں کو پیش کر رہا تھا۔

قرآن مجید میں جن انبیاء کا تذکرہ ہے، ان میں سے کم و بیش حسب ذیل انبیاء کے آیات و دلائل بیان ہوئے ہیں، حضرت نوحؑ، حضرت لوطؑ، حضرت صالحؑ، حضرت ہودؑ، حضرت شعیبؑ، حضرت زکریاؑ، حضرت یونسؑ، حضرت موسیٰؑ، حضرت عیسیٰؑ اور حضرت محمد رسول اللہ صلوٰت اللہ علیہم اجمعین۔ بعض ایسے انبیاءؑ بھی ہیں جن کے آیات و دلائل کے ذکر سے قرآن

خاموش ہے۔ مثلاً حضرت اسحٰق، حضرت اسمٰعیلؑ، ذوالکفلؑ، الیسعؑ وغیرہ۔ لیکن اس خاموشی سے یہ نہیں ثابت ہوتا کہ ان کو کسی قسم کی نشانی اور دلیل نہیں عطا ہوئی تھی۔ صحیح بخاری[1] اور صحیح مسلم[2] میں ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

ما من الانبیاء نبی الا اعطی من	ہر نبی کو کچھ ایسی باتیں دی گئیں جس کو
الآیات ما مثلہ او من ای من علیہ البشر	دیکھ کر لوگ اس پر ایمان لائے۔

البتہ انبیائے کرامؑ کے حالات پر نظر ڈالنے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ غیر معمولی آیات و دلائل ان ہی انبیاءؑ کو مرحمت ہوئے جن کو سخت و شدید معاندین اور منکرین کا سامنا کرنا پڑا، اور ضرورت بھی ان ہی کو تھی کہ ان کے عناد و انکار کا وہ ان کے ذریعہ سے جواب دے سکتے۔ باقی وہ انبیاءؑ جو اپنی جماعتوں میں صرف تجدید و اصلاح کے لیے مبعوث ہوئے، ان کو اس قسم کے دلائل کی حاجت نہ تھی کہ انکی جماعتوں نے ان کی دعوت کے مقابلہ میں عناد و انکار کا اظہار نہیں کیا تھا۔

قرآن مجید اور اصطلاح آیات و دلائل

قرآن مجید نے انبیاءؑ کے ان معجزات کو عموماً آیت یعنی نشانی کے لفظ سے تعبیر کیا ہے:

فَلَمَّا جَاءَهُمْ مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا بَيِّنَاتٍ قَالُوا	جب موسیٰ ان کے پاس ہماری آیات لیکر آئے
مَا هَٰذَا إِلَّا سِحْرٌ مُفْتَرًى (قصص)	تو انھوں نے کہا کہ یہ تو صرف مصنوعی جادو ہے،
فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوفَانَ وَالْجَرَادَ	تو ہم نے فرعون کی قوم پر طوفان، ٹڈی، جوں، مینڈک
وَالْقَمْلَ وَالضَّفَادِعَ وَالدَّمَاءَ آيَاتٍ مُفَصَّلَاتٍ (اعراف)	اور خون کی کھلی ہوئی آیتیں بھیجیں۔

[1] کتاب الاعتصام باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم بعثت بجوامع الکلم [2] کتاب الایمان باب وجوب الایمان برسالۃ نبینا محمد صلی اللہ علیہ وسلم از جمع الناس و نسخ الملل جلد

فرعون حضرت موسیٰؑ سے کہتا ہے،

اِنْ كُنْتَ جِئْتَ بِاٰيَةٍ فَاْتِ بِهَآ اِنْ كُنْتَ	اگر تم کوئی آیت لے کر آئے ہو تو اب لاؤ، اگر
مِنَ الصّٰدِقِيْنَ. فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا	تم سچے ہو، موسیٰ نے اپنی لاٹھی ڈال دی تو وہ
هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ (اعراف-۱۳)	وفعۃً صاف سانپ بن گئی

کفار معجزہ طلب کرتے ہیں تو اس کے جواب میں ارشاد ہوتا ہے

اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ (انعام-۱۳)	آیتیں تو خدا ہی کے پاس ہیں،
اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ (عنکبوت ۵)	آیتیں تو خدا ہی کے پاس ہیں،

کفار کہتے ہیں:-

فَلْيَاْتِنَا بِاٰيَةٍ كَمَآ اُرْسِلَ الْاَوَّلُوْنَ	چاہیے کہ وہ ہمارے پاس کوئی آیت لائیں
(انبیاء-۱)	جیسے پہلے پیغمبر بھیجے گئے،

حضرت صالحؑ اپنے معجزہ کی نسبت کہتے ہیں:

وَيٰقَوْمِ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً (ھود)	اور اے لوگو! یہ خدا کی اونٹنی آیت ہے۔

لفظ آیت اور معجزہ کی حقیقت آیت کے معنی "نشانی" اور "علامت" کے ہیں، اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو علم و احساس کے جو ذرائع عطا کیے ہیں، وہ حقیقت میں صرف آیات و علامات کی شناخت اور یاد ہے، دنیا میں جسقدر چیزیں ہیں، ہم ان کو کس طرح جانتے اور پہچانتے ہیں؟ آیات و علامات سے، کلیات سے لیکر جزئیات تک جو کچھ ہم کو خارج سے علم حاصل ہوا ہے وہ محض نشانیوں کو دیکھ کر، ہم جانتے ہیں کہ یہ گھوڑا ہے، یہ انسان ہے، یہ درخت ہے، یہ سیب ہے،

یہ انگور ہے لیکن ہم کیونکر جانتے ہیں؟ اس طرح کہ ان چیزوں کی جو مخصوص نشانیاں ہیں. وہ الگ الگ ہمارے ذہن میں محفوظ ہو گئی ہیں اور اب ان ہی کی مدد سے ہم کہتے ہیں کہ یہ فلاں چیز ہے۔ ہم پہچانتے ہیں کہ یہ زید ہے، یہ عمرو ہے، یہ میرا عزیز ہے، یہ میرا گھر ہے، یہ میرا گھوڑا ہے، مگر یہ تمام شناختیں آیات و علامات ہی کی مدد سے ہیں، اگر دنیا میں ہر شے کی مخصوص آیات و علامات مٹا دی جائیں تو ہم یقیناً کسی چیز کو نہ شناخت کر سکتے ہیں، نہ جان سکتے ہیں، نہ پہچان سکتے ہیں،

یہی آیات و علامات کی جان پہچان اور شناخت ہے جو حیوان و انسان اور عقلمند و بے وقوف میں فرق پیدا کرتی ہے جس میں ان آیات و علامات کی شناخت: تمیز اور یاد کی قوت جس قدر زیادہ ہوگی، اسی قدر اس کی عقل و دانائی کا کمال زیادہ ہوگا. ہماری منطق کا تمام تر استدلال بجز آیات و علامات کے اور کیا ہے، ہم اپنے جس دعویٰ پر جو دلیل قائم کرنا چاہتے ہیں وہ ان ہی آیات و علامات کی مدد سے کرتے ہیں، بلکہ ہمارے تمام تجربے اور مشاہدے، بلکہ طبیعیات، کیمیائیات، نباتات، حیوانات، ارضیات، ہندسیات، ریاضیات وغیرہ جو کچھ اور جس قدر علوم بھی ہیں وہ صرف علامات شناسی کا مجموعہ ہیں جن سے ہم براہ راست جزئیات کا علم حاصل کرتے ہیں، اور پھر ہم اُن سے کلیات تیار کر لیتے ہیں،

غرض ہمارا تمام تر استدلال دراصل ان ہی آیات و علامات پر موقوف ہے. اگر اشیا کی علامات و آیات محو کر دی جائیں تو ہم نہ کسی چیز کو پہچان سکیں گے، اور نہ کسی دعویٰ پر کوئی دلیل قائم کر سکیں گے، ہم علت سے معلول پر، اور معلول سے علت پر استدلال کرتے ہیں مگر ان ہی آثار و علامات کے ذریعہ سے ہم کو تجربہ سے معلوم ہو گیا ہے کہ یہ شے جب پیدا ہوتی ہے تو اسکے ساتھ یہ آثار و آیات ظاہر ہوتے ہیں،

اب کبھی ہم اس طرح استدلال کرتے ہیں کہ یہ شے پیدا ہوگئی ہے۔ اسلیے اسکا فلاں نشان اور اثر بھی ضرور پیدا ہوا۔" یہ علت سے معلول پر استدلال ہے، اور کبھی ہم اس طرح استدلال کرتے ہیں کہ "فلاں نشان اور علامت ظاہر ہے، اس لیے وہ شے بھی ہے۔" یہ معلول سے علت پر استدلال ہے، کبھی ہم آگ کے وجود سے حرارت کے وجود پر اور کبھی حرارت کے وجود سے آگ کے وجود پر استدلال کرتے ہیں۔

ہم کسی غیر آباد میدان میں پہنچ جاتے ہیں۔ وہاں ہم کو ایک شاندار عمارت نظر آتی ہے، اگرچہ ہم نے اس عمارت کے بنانے والوں کو نہیں دیکھا ہے، مگر اس عمارت کو دیکھ کر ہم کو یقین ہو جاتا ہے کہ یہ کسی معمار کی صنعت ہے۔ ایک جنگل میں ایک جھونپڑے کے اندر ایک تنہا زخمی پڑا ہے، مگر ہم دیکھتے ہیں کہ اس کے زخم صاف ہیں، مرہم پٹی ٹھیک ہے، اس کے آرام و آسائش کے تمام سامان قرینہ سے رکھے ہوئے ہیں، ہم نے گو اس کے تیماردار کو نہیں دیکھا، مگر آس پاس کے علامات و آثار بتاتے ہیں کہ اس بیمار کا کوئی تیماردار ہے۔ اور وہ نہایت رحم و مہربانی سے اس کی دیکھ بھال کر رہا ہے۔ ایک شخص آکر کہتا ہے "میں طبیب ہوں"۔ اس کے پاس جو مریض آتے ہیں وہ اس کے نسخہ سے شفا بھی پاتے ہیں۔ اب گو ہم نے اس کو طب کی تحصیل کرتے ہوئے نہیں دیکھا، مگر اس کے آثار و علامات کو دیکھ کر اس کے دعویٰ کی تصدیق کر سکتے ہیں، یہی ہمارا فن استدلال ہے، اور اسی پر ہمارے تمام حصولی علوم کی بنیاد ہے۔

آیات اللہ قرآن مجید میں آیت کا لفظ اس معنی میں اس کثرت سے آیا ہے کہ ہم یہاں ان کا استقصا بھی نہیں کر سکتے۔ صرف متفرق سورتوں سے چند آیات یہاں نقل کرتے ہیں، جن سے مفہوم کی تشریح ہو جائے گی۔

إِنَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ لَاٰيٰتٍ
لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَفِي خَلْقِكُمْ وَمَا يَبُثُّ
مِنْ دَآبَّةٍ اٰيٰتٌ لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ۝ وَ
اخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَمَآ اَنْزَلَ
اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ رِّزْقٍ فَاَحْيَا بِهِ
الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَتَصْرِيْفِ
الرِّيٰحِ اٰيٰتٌ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝ تِلْكَ
اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ
فَبِاَيِّ حَدِيْثٍ بَعْدَ اللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ
يُؤْمِنُوْنَ ۝ (جاثیہ ۔ ۱)

اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ
الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِيْ تَجْرِيْ فِي
الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ
مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ
بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ
وَّتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ
بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ (بقرہ)

آسمانوں اور زمین میں ایمان والوں کے لیے
نشانیاں ہیں، اور تمہاری پیدائش میں، اور ان
میں جو چوپائے چلتے ہیں، ان میں ان کے لیے جو
یقین کرتے ہیں نشانیاں ہیں، اور رات دن کے
الٹ پھیر میں اور آسمان سے جو خدا روزی برساتا ہے
اور جس سے زمین کو مرنے کے بعد زندہ کرتا ہے اور
ہواؤں کے پھرنے میں عقل والوں کے لیے
نشانیاں ہیں۔ یہ آیتیں ہیں جن کو ہم سچائی کے ساتھ
پڑھ کر تم کو سناتے ہیں، تو پھر خدا اور اسکی نشانیوں
کے بعد وہ کس چیز پر ایمان لائیں گے۔

بیشک آسمانوں کی اور زمین کی پیدائش اور رات دن
کے الٹ پھیر اور ان کشتیوں میں جو دریا کے اندر ان
کو فائدہ پہنچانے والے سامان لیکر چلتی ہیں، اور خدا
جو آسمان سے پانی برساتا ہے جس سے وہ زمین کو مرنے کے بعد
زندہ کرتا ہے اور زمین میں جو چوپائے اس نے پھیلا رکھے ہیں
اور ہواؤں کو مختلف سمتوں میں چلانے میں اور ان
بادلوں میں جو آسمان و زمین کے بیچ میں مسخر ہیں عقل والوں کے لیے

وَهُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجْنَا
بِهٖ نَبَاتَ كُلِّ شَیْءٍ فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا
نُّخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا وَمِنَ النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا
قِنْوَانٌ دَانِیَةٌ وَّجَنّٰتٍ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّ
الزَّیْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَّغَیْرَ
مُتَشَابِهٍ اُنْظُرُوْٓا اِلٰى ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ
وَیَنْعِهٖ اِنَّ فِیْ ذٰلِكُمْ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ
یُّؤْمِنُوْنَ (الانعام-۱۲)

اور وہی خدا ہے جس نے آسمان سے پانی برسایا پھر
ہم نے اس سے ہر چیز کی نشوونما کو ظاہر کیا، پھر اس سے
سبز پیدا کیے جس سے ہم تہ بہ تہ دانہ نکالتے ہیں، اور کھجور
کے جن کے خوشے نیچے لٹکتے ہوتے ہیں، اور انگوروں کے
باغوں کو اور زیتون اور انار کو اس نے پیدا کیا جو
باہم ملتے جلتے ہوتے ہیں اور ان میں بھی ہوتے ہیں۔ ان کے
پھلنے اور پکنے کو دیکھو، ان چیزوں میں ایمان والوں
کے لیے نشانیاں ہیں۔

هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الَّیْلَ لِتَسْكُنُوْا فِیْهِ
وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ
لِّقَوْمٍ یَّسْمَعُوْنَ (یونس-۷)

اس نے تمہارے لیے رات بنائی کہ تم اس میں آرام کرو
اور دن کو اس نے روشن بنایا۔ اس میں ان کے لیے
جو سنتے ہیں نشانیاں ہیں۔

وَمِنْ اٰیٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ
اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَیْهَا وَجَعَلَ بَیْنَكُمْ
مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ
لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ، وَمِنْ اٰیٰتِهٖ خَلْقُ
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ
اَلْسِنَتِكُمْ وَاَلْوَانِكُمْ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ

اور خدا کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ اس نے خود تمہاری ہی
جنس سے تمہارے جوڑے بنائے کہ تم ان کے پاس سکون اور
قرار حاصل ہو، اور تم دونوں کے لیے لطف و محبت پیدا کر دی۔
اس میں سوچنے والوں کے لیے نشانیاں ہیں، اور اس کی
نشانیوں میں سے آسمانوں کی اور زمین کی پیدائش
اور تمہاری زبانوں کا اور رنگوں کا ایک دوسرے سے

لَاٰيٰتٍ لِّلْعٰلَمِيْنَ ۔ وَمِنْ اٰيٰتِهٖ مَنَامُكُمْ
بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَابْتِغَآؤُكُمْ مِّنْ
فَضْلِهٖ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ
يَّسْمَعُوْنَ ۔ وَمِنْ اٰيٰتِهٖ يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ
خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ
مَآءً فَيُحْيِيْ بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا
اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ
يَّعْقِلُوْنَ ۔ وَمِنْ اٰيٰتِهٖ اَنْ
تَقُوْمَ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ
بِاَمْرِهٖ (روم - ۳)
وَمِنْ اٰيٰتِهِ الَّيْلُ وَالنَّهَارُ وَالشَّمْسُ
وَالْقَمَرُ ط (فصلت - ۵)

الگ ہونا ہی۔ اس میں جاننے والوں کے لیے نشانیاں
ہیں۔ اور اسکی نشانیوں میں رات اور دن کو تمہارا سونا
ہے۔ اور تمہارا اسکی مہربانی (روزی) کی تلاش کرنا
اس میں ان کے لیے جو سنتے ہیں۔ نشانیاں ہیں۔ اور
اسکی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ وہ تم کو بجلی دکھاتا ہے
جس میں (عذاب) کا خوف اور (رحمت کی) امید
دونوں ہیں، اور آسمان سے پانی برساتا ہے پھر اسکے
ذریعہ سے زمین کو اس کے مرنے کے بعد زندہ کر دیتا ہے
اس میں عقل والوں کے لیے نشانیاں ہیں اور اس کی
نشانیوں میں سے یہ ہے کہ آسمان اور زمین اسکے حکم سے
اور اس کی نشانیوں میں سے رات، دن
سورج اور چاند ہیں۔

یہ آیات اللہ، یعنی خدا کی نشانیاں، خدا کے وجود اور اس کے صفاتِ کمالیہ کے علامات ہیں، جس طرح ویرانہ کی عمارت معمار کے وجود کو، اور ایک زخمی کی مرہم پٹی اور اس کے آرام و آسایش کا اہتمام تیماردار کے رحم و کرم کے صفات کو ظاہر کرتا ہے۔ اسی طرح اس عالم کی یہ عظیم الشان عمارت جس کی چھت آسمان، اور صحن زمین ہے، ایک خالق و صانع کے وجود کو بتاتی ہے، اور زمین کے اندر و باہر ابر، بارش، دن رات، چاند، سورج، درخت، میوے،

پھل، غلہ کے اقسام وغیرہ، زمین کے جانداروں کی زندگی کے سامانِ آرام و آسایش اس خالق وصانع کے رحم وکرم، عطا وبخشش اور دیگر اوصافِ کمال کو نمایاں کرتے ہیں، اور بتاتے ہیں کہ خالق کو اپنے تمام مخلوقات کے ساتھ ایک خاص تعلق اور اعتنا ہے، کفران ہی کے دلوں میں پرورش پاتا ہے جو ان آیاتِ الٰہی میں غور وفکر نہیں کرتے: اور اُن کی جلوہ گری سے حقیقی جلوہ آراستی کو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے۔

وَتِلْكَ عَادٌ جَحَدُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ (ھود - ۵)	اور یہ عاد کا قبیلہ ہے جس نے اپنے پروردگار کی نشانیوں کا انکار کیا۔
أُولَٰئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ (کہف - ۱۰۵)	یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے اپنے پروردگار کی نشانیوں کا انکار کیا۔
وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِ اللَّهِ (یونس - ۹۵)	اور ان لوگوں میں نہ ہو، جنھوں نے خدا کی نشانیوں کو جھٹلایا
فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَّبَ بِآيَاتِ اللَّهِ (انعام - ۲۱)	اس سے بڑھ کر ظالم اور کون ہوگا جس نے خدا کی نشانیوں کو جھٹلایا

جس طرح یہ آیات الٰہی عام بندہ اور خدا اور خالق ومخلوق کے متعلق اور رابطہ کو نمایاں کرتی ہیں، اسی طرح اللہ تعالیٰ کسی خاص بندہ سے اپنے تعلق اور رابطہ کو اپنے مخصوص علامات وآیات کے ذریعہ سے نمایاں کرتا رہتا ہے،

(۱) انبیاء، قوموں کے تاریک ترین زمانوں میں نورِ الٰہی کا مشعل ہاتھ میں لیکر تنہا مجمعوں کے

اندر آتے ہیں، لوگ اس نور کو بجھانا چاہتے ہیں، اور تیغ و خنجر سے مشعل کے تھامنے والے دست و بازو کو زخمی کرنا چاہتے ہیں، مگر وہ شمعِ الٰہی بجھنے کے بجائے رفتہ رفتہ اپنے دائرۂ نورانی کو وسیع کرتی جاتی ہے، اور بالآخر سطحِ ارض کے کناروں تک پہنچ جاتی ہے۔

يُرِيدُونَ لِيُطْفِـُٔوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَاللَّهُ مُتِمُّ نُورِهِ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ (صف - ۱)

وہ چاہتے ہیں کہ اپنے منہ سے خدا کے نور کو بجھا دیں اور خدا اپنے نور کو پورا روشن کرنے والا ہے، گو کافر اس سے خوش نہ ہوں، اسی نے اپنے رسول کو ہدایت اور سچائی کا مذہب دے کر بھیجا ہے، تاکہ وہ اس کو ہر مذہب پر غالب کر دے، گو مشرک اس سے ناراض ہوں

(۲) باوجود تمام معاندانہ کوششوں اور مخالفانہ جد و جہد کے اس نورِ الٰہی کا پھیلتا جانا خود اس بات کی شہادت ہے کہ وہ خدا کی طرف سے ہے، اور اس مشعل گیر دست و بازو میں خدا کی غیر مرئی قوت کام کر رہی ہے۔

وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ رَمَىٰ (انفال - ۲)

اور تم نے وہ مٹھی بھر کنکریاں نہیں پھینکیں بلکہ خدا نے پھینکیں۔

قدم قدم پر تائیداتِ الٰہی اس کا ساتھ دیتی ہیں۔

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ (حجر ۱)

ہم نے اس نصیحت کو اتارا ہے اور بیشک ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے۔

۳۔ پیغمبر کے صحیفۂ زندگی کا صفحہ صفحہ ہر قسم کے اخلاقی داغ سے پاک ہوتا ہے۔ اس کی سچائی اور راستبازی عالم آشکارا۔ اور دوست دوشمن سب کے نزدیک بے عیب ہوتی ہے۔ حضرت صالحؑ کی نسبت کافروں نے گواہی دی۔

يٰصَالِحُ قَدْ كُنْتَ فِينَا مَرْجُوًّا	اے صالح! پہلے تم سے بڑی بڑی امیدیں
قَبْلَ هٰذَا (هود-۶)	تھیں

حضرت شعیبؑ کی مخالفت کے باوجود ان کو اقرار کرنا پڑا کہ وہ بڑے عبادت گذار ہیں

يٰشُعَيْبُ أَصَلٰوتُكَ تَأْمُرُكَ أَنْ نَّتْرُكَ	اے شعیبؑ! کیا یہ تمہاری عبادت گذاری تمکو کہتی ہے
مَا يَعْبُدُ آبَاؤُنَا (هود-۸)	کہ اسکو چھوڑ دیں جسکو ہمارے باپ دادا پوجتے تھے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی شہادت میں خود اپنی زندگی کو پیش کرتے ہیں۔

فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ	میں نے تمہارے درمیان مدت تک عمر
أَفَلَا تَعْقِلُوْنَ (یونس-۲)	گذاری ہے۔ کیا تم سمجھتے نہیں۔

۴۔ سب سے آخر یہ کہ تبلیغ و دعوت میں دین الٰہی کی نصرت اور اشاعت میں، مخالفین کی شکست اور ہزیمت میں صلحاء کو مزید ایمان اور تسکین کے حصول میں عجیب و غریب مافوق فہم نشانات ظہور پذیر ہوتے ہیں جن کو عرف عام میں معجزات کہتے ہیں۔

غرض یہی وہ امور ہیں جو خالق فطرت اور داعی حق کے درمیان رابطہ خاص اور علاقۂ مخصوص کو نمایاں کرتے ہیں اور جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ فرستادۂ الٰہی ہے۔

آیات و دلائل کی دو قسمیں ظاہری اور باطنی | تفصیل بالا سے یہ واضح ہوتا ہے کہ آیات اور نشانات

دو قسم کے ہوتے ہیں، ایک ظاہری اور مادی، اور دوسری باطنی اور روحانی۔ ظاہری اور مادی آیات و دلائل تو وہ خوارق ہیں، جن کو لوگ عام طور پر معجزات کہتے ہیں۔ مثلاً مردہ کا زندہ کرنا، عصا کا سانپ بن جانا، انگلیوں سے پانی کا چشمہ ابلنا، بیمار کو اچھا کرنا وغیرہ۔ باطنی اور روحانی آیات و دلائل، مدعیِ نبوت کی صداقت، معصومیت، تزکیہ، تاثیر، تعلیم، ہدایت، ارشاد، فلاح اور تائید ہے، اہل نظر اور حقیقت شناسوں کے لیے یہی باطنی آثار و آیات نبوت کی حقیقی نشانیاں ہیں۔ باقی ظاہری نشانیاں صرف سطحی اور ظاہر بیں نگاہوں کے لیے ہیں جو ہر چیز کو ان ظاہری ہی آنکھوں سے دیکھ کر پہچانتی ہیں،

نبوت کی باطنی نشانیاں واقعات کی روشنی میں

ہم نے نبوت کی ظاہری اور باطنی دو نشانیاں قرار دی ہیں اور باطنی نشانیوں کو ظاہری علامات پر ترجیح دی ہے۔ اور یہ بتایا ہے کہ حقیقت شناس صرف باطنی نشانیوں کے طلبگار ہوتے ہیں، آگے چل کر ہم بتائیں گے کہ قرآن مجید بھی ان ہی کو نبوت کی اصلی علامات قرار دیتا ہے۔ یہاں واقعات کی روشنی میں یہ واضح کرنا ہے کہ عہد نبوی میں بھی جو لوگ اہل نظر تھے، وہ ان ہی علامات کی تلاش کرتے تھے، چنانچہ ان لوگوں کو بھی چھوڑ دو جنھوں نے بالآخر نبوت کی تصدیق کی، اس عہد کے ان یہودیوں اور عیسائیوں کو دیکھو جنھوں نے گو کسی سبب سے علی الاعلان اس کی تصدیق کی جرأت نہیں کی۔ مگر وہ اندرونی طور سے متاثر ہو چکے تھے۔

بنی اسرائیل سے بڑھ کر عرب میں علامات الٰہی کا رازداں کوئی اور نہ تھا۔ سیکڑوں یہودی شکار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے، امتحانات لیے، تجربات کیے،

نگران کا امتحان و تجربہ کیا تھا؟ یہ تھا کہ وہ آپؐ کے اخلاق کی آزمایش کرتے تھے، صحفِ انبیاے بنی اسرائیل کے سوالات دریافت کرتے تھے، آپ کی تعلیمات کا گہرا مطالعہ کرتے تھے۔ ان میں سے کسی نے آکر آپ سے خارقِ عادت معجزہ کا مطالبہ نہیں کیا، کیونکہ انھیں معلوم تھا کہ یہ تماشے بظاہر اور لوگ بھی دکھا سکتے ہیں، اور یہ خوارقِ نبوت کی باطنی اور اندرونی علامات نہیں ہیں، آنے والے نبی کی بشارتیں اور صفتیں توراۃ اور انجیل دونوں میں مذکور تھیں، لیکن ان میں سے کسی میں بھی صاحبِ خوارق ہونا اور ظاہری معجزات دکھانا، اس کی صفت نہیں بتائی گئی تھی بلکہ توراۃ میں اس کے اوصاف یہ بتائے گئے تھے کہ وہ فاران سے طلوع ہوگا، دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ آئے گا، اس کے ہاتھ میں آتشیں شریعت ہوگی، وہ غریبوں اور مسکینوں کا مددگار ہوگا، اور بدکاروں کو جنگی مرد کے مانند ہلاک کرے گا، وہ عبادت گذار اور خدا کے احکام کا مطیع ہوگا، مختون قوم (عرب) میں پیدا ہوگا۔" انجیل نے بتایا تھا کہ "وہ تسلی کی روح ہوگا، وہ مسیح کی نامکمل تعلیم کی تکمیل کرے گا، خدا کی زبان اس کے منہ میں ہوگی۔"

سیکڑوں یہود و نصاریٰ آپ کی خدمت میں آئے اور انھوں نے آپؐ کی نبوت کا امتحان لیا، مگر امتحان کے پرچہ میں مادی معجزات کا سوال شامل نہ تھا: بلکہ عام علمی اور مذہبی باتوں کی نسبت استفسار تھا، قرآن مجید نے ان کے دو سوالوں کو دہرایا، یَسْئَلُوْنَکَ عَنْ ذِی الْقَرْنَیْنِ (کہف) اور یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الرُّوْحِ۔ پہلے سوال میں "ذی القرنین" کا قصہ پوچھا گیا ہے اور دوسرے سوال میں "روح" کی حقیقت دریافت کی گئی ہے، ان کے علاوہ قرآن مجید میں اہل کتاب کے متعدد اعتراضات اور سوالات مذکور ہیں، مگر ان میں سے ایک میں بھی

یہ نہیں کہ ہم کو اپنی نبوت کی صداقت کے ثبوت میں کوئی خارقِ عادت تماشا دکھاؤ، بلکہ وہی سوالات کرتے تھے جس کو پیغمبر کے علم و عمل یا تعلیم و تزکیہ سے تعلق تھا، آگے چل کر ایک خاص باب میں ہم نے یہودیوں کے امتحانی سوالات جمع کر دیے ہیں، ان کو پڑھ کر تم بہتر فیصلہ کر سکتے ہو. قرآن مجید میں ان کا ایک سوال بے شبہ ایسا مذکور ہے، جس سے خیال ہوتا ہے کہ وہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی ایسی معجزہ کی خواہش رکھتے تھے. اور وہ یہ ہے،

يَسْئَلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَنْ تُنَزِّلَ	اہل کتاب تجھ سے فرمایش کرتے ہیں کہ تو ان پر
عَلَيْهِمْ كِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ (نساء-۲۲)	آسمان سے کتاب اتارے.

لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ یہودیوں کی معجزہ طلبی نہ تھی. بلکہ چونکہ توراۃ کے متعلق ان کا یہ خیال تھا کہ اس کی چند لوحیں خود اللہ تعالیٰ نے اپنے دست قدرت سے لکھ کر حضرت موسیٰؑ کو دی تھیں، اسلیے وہ اسی تخیل کے مطابق قرآن کے منجانب اللہ ہونے کے لیے اس کے نزول کو بھی اسی طرح چاہتے تھے.

اب اس عہد کے عیسائیوں کو لی قیصر روم کے دربار میں جب قاصد نبویؐ پہنچا، تو ابوسفیان کو (جو اس وقت تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن تھے) بلوا کر قیصر نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق سوالات کیے. وہ حسب ذیل ہیں:-

قیصر - مدعی نبوت کا خاندان کیسا ہے؟	ابوسفیان - شریف ہے.
قیصر - اس خاندان میں کسی اور نے بھی نبوت کا دعویٰ کیا ہے؟	ابوسفیان - نہیں
قیصر - اس خاندان میں کوئی بادشاہ گذرا ہے؟	ابوسفیان - نہیں،

قیصر۔ جن لوگوں نے اس مذہب کو قبول کیا ہے ابوسفیان۔ کمزور لوگ ہیں

وہ کمزور ہیں یا صاحب اثر؟

قیصر۔ اُسکے پیرو بڑھ رہے ہیں یا گھٹتے جاتے ہیں؟ ابوسفیان۔ بڑھتے جاتے ہیں،

قیصر۔ کبھی تم لوگوں کو اسکی نسبت جھوٹ کا بھی تجربہ ہے؟ ابوسفیان۔ نہیں،

قیصر۔ وہ کبھی عہد و اقرار کی خلاف ورزی ابوسفیان۔ ابھی تک تو نہیں لیکن اب

بھی کرتا ہے؟ جو معاہدہ ہوا ہے دیکھیں وہ اسپر قائم رہتا ہے یا نہیں

قیصر۔ تم لوگوں نے اس سے جنگ کی ہے؟ ابوسفیان۔ ہاں،

قیصر۔ نتیجۂ جنگ کیا رہا؟ ابوسفیان۔ کبھی ہم غالب ہے کبھی وہ،

قیصر۔ وہ کیا سکھاتا ہے؟ ابوسفیان۔ کہتا ہے کہ ایک خدا کی عبادت

کرو، کسی اور کو خدا کا شریک نہ بناؤ، نماز پڑھو، پاکدامنی اختیار کرو، سچ بولو، صلۂ رحم کرو،

اس گفتگو کے بعد قیصر نے کہا کہ "تم نے اس کو شریف النسب بتایا، پیغمبر ہمیشہ اچھے خاندانوں

سے پیدا ہوتے ہیں، تم نے کہا کہ اس کے خاندان میں کسی اور نے نبوت کا دعویٰ نہیں کیا۔ اگر

ایسا ہوتا تو میں سمجھتا کہ یہ خاندانی خیال کا اثر ہے، تم تسلیم کرتے ہو کہ اس خاندان میں کوئی بادشاہ

نہ تھا، اگر ایسا ہوتا تو میں سمجھتا کہ اس کو بادشاہت کی ہوس ہے، تم مانتے ہو کہ اس نے کبھی

جھوٹ نہیں کہا، جو شخص آدمیوں سے جھوٹ نہیں بولتا وہ خدا پر کیونکر جھوٹ باندھ سکتا ہے،

تم کہتے ہو کہ کمزوروں نے اس کی پیروی کی ہے پیغمبروں کے ابتدائی پیرو ہمیشہ غریب ہی لوگ

ہوتے ہیں تم نے تسلیم کیا کہ اس کا مذہب ترقی کرتا جاتا ہے سچے مذہب کا یہی حال ہے

کہ بڑھتا جاتا ہو تم تسلیم کرتے ہو کہ اس نے کبھی فریب نہیں دیا، پیغمبر کبھی فریب نہیں دیتے، تم کہتے ہو کہ وہ نماز و تقویٰ اور عفاف کی ہدایت کرتا ہے اور اگر یہ سچ ہے، تو وہ یقیناً پیغمبر ہے۔"

باوجود طولِ کلام کے ہم نے یہ تمام سوالات وجوابات یہاں نقل کر دیے ہیں، غور کرو یہ تمام سوالات صرف پیغمبر کے حقیقی آثار و علامات سے متعلق ہیں، ان میں سے ایک سوال بھی ایسا نہیں ہو جس میں یہ مذکور ہو کہ یہ مکہ کا مدعی نبوت کوئی معجزہ بھی پیش کرتا ہے؟ حالانکہ اگر نبوت کی حقیقی علامت خوارقِ عادت ہوتے تو سب سے پہلے عیسائی قیصر کو یہی سوال پوچھنا چاہیے تھا۔

حضرت جعفرؓ نجاشی کے دربار میں اسلام پر تقریر کرتے ہیں تو فرماتے ہیں ایھا الملک[1] ہم لوگ ایک جاہل قوم تھے، بت پوجتے تھے، مردار کھاتے تھے، بدکاریاں کرتے تھے، ہمسایوں کو ستاتے تھے، بھائی بھائی پر ظلم کرتا تھا، قوی لوگ کمزوروں کو کھا جاتے تھے، اس اثنا میں ہم میں ایک شخص پیدا ہوا جس کی شرافت اور صدق و دیانت سے ہم لوگ پہلے سے واقف تھے، اس نے ہم کو اسلام کی دعوت دی، اور یہ سکھایا کہ ہم پتھروں کو پوجنا چھوڑ دیں، سچ بولیں، خونریزی سے باز آئیں، یتیموں کا مال نہ کھائیں، ہمسایوں کو تکلیف نہ دیں، حصیف عورتوں پر بدنامی کا داغ نہ لگائیں، نماز پڑھیں، روزے رکھیں، زکوٰۃ دیں، ہم اس پر ایمان لائے، شرک و بت پرستی چھوڑ دی اور تمام اعمالِ بد سے باز آئے۔"

نجران کے عیسائی علما جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے تو انھوں نے قرآن کی آیتیں سنیں، مسلمانوں کی روحانی کیفیتوں کا مشاہدہ کیا، حضرت عیسیٰؑ کی نسبت اسلام کا فیصلہ دریافت کیا، اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید کے حکم کے مطابق ان سے

[1] مسند ابن حنبل جلد اول صفحہ ۲۰۲

مباہلہ کرنا چاہا، مگر انھوں نے منظور نہیں کیا، اور آپس میں کہا کہ اگر یہ واقعی پیغمبر ہے تو ہم تباہ ہو جائینگے بالآخر سالانہ خراج پر صلح کرلی۔ دیکھو انھوں نے اسلام کی تعلیمات کا ہر طرح امتحان کیا، لیکن دعویٰ کے ثبوت میں انھوں نے ظاہری نشان نہیں مانگا۔

اب خاص عرب کے حقیقت شناس افراد کا مطالعہ کرو، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی ان میں سے ہزاروں اشخاص نے تصدیق کی جن کے فضل و کمال، عقل و ہوش اور فہم و ذکا پر ان کے حالات و واقعات گواہ ہیں، مگر ان میں ایک بھی ایسا نہ تھا جو باطنی علامات کے دیکھ لینے کے بعد ظاہری نشانیوں کا طلبگار ہوا ہو۔ مسلمانوں میں سب سے پہلے حضرت خدیجہؓ اسلام لائیں چنانچہ آغاز وحی ہی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت خدیجہؓ سے اپنے مشاہداتِ روحانی کا تذکرہ فرمایا تو وہ ایمان لے آئیں، مگر کس اثر سے؟ اس کی توضیح اس سے ہوتی ہے کہ جب آپؐ نے بمقتضائے بشریت ان سے اپنے خوفِ جاں کا تذکرہ کیا تو انھوں نے جواب دیا،

واللہ ما یخزیک اللہ ابداً انک	خدا کی قسم خدا آپ کو کبھی رسوا نہ کرے گا، آپ صلۂ رحم
لتصل الرحم وتحمل الکل وتکسب	کرتے ہیں، قرضداروں کا بوجھ اٹھاتے ہیں، غریبوں
المعدوم وتقری الضیف وتعین	کی مدد کرتے ہیں، مہمانوں کو کھانا کھلاتے ہیں، حق
علی نوائب الحق (بخاری بدء الوحی)	مصیبتوں پر لوگوں کی اعانت کرتے ہیں،

حضرت ابوذرؓ کو جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا حال معلوم ہوا تو انھوں نے اپنے بھائی سے کہا کہ ذرا اس شخص کے پاس جاکر دیکھو جو دعویٰ کرتا ہے کہ اس کے پاس آسمان سے خبر آتی ہے، وہ مکہ آئے اور تحقیق حال کرکے واپس گئے اور حضرت ابوذرؓ سے جاکر کہا:

رأیته یامر بمکارم الاخلاق وکلامًا — میں نے اس کو دیکھا وہ مکارم اخلاق کا حکم دیتا ہے

ماھو بالشعر (مسلم مناقب ابی وزر) — اور ایک کلام پیش کرتا ہے جو شعر نہیں،

اس قسم کے بیسیوں واقعات ہیں جن سے حقیقتِ حال کی تشریح ہوتی ہو اور جن کی تفصیل سے سیرۃ نبوی کی گذشتہ جلدیں بھری پڑی ہیں،

قرآن مجید اور نبوت کی باطنی علامات

یہ تمام بیانات درحقیقت قرآن مجید کی ان آیتوں کی تشریح ہیں جن میں نبوت کی حقیقت اور اس کے اصلی آثار و علامات بتائے گئے ہیں،

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ قَدْ جَاءَكُمْ رَسُولُنَا — اے یہود و نصاریٰ! تمہارے پاس ہمارا رسول آچکا

يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيرًا مِمَّا كُنْتُمْ تُخْفُونَ — جو تمہاری کتاب کی بہت سی باتیں جنکو تم چھپاتے ہو

مِنَ الْكِتَابِ وَيَعْفُو عَنْ كَثِيرٍ — صاف صاف بیان کرتا ہو اور بہت سی باتوں

قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ — سے درگذر کرتا ہو، اللہ کی طرف سے تمہارے پاس

مُبِينٌ يَهْدِي بِهِ اللَّهُ مَنِ اتَّبَعَ — روشنی اور قرآن آچکا خدا اس کے ذریعہ سے ہر

رِضْوَانَهُ سُبُلَ السَّلَامِ وَيُخْرِجُهُمْ — جو اس کی خوشنودی کے پیرو ہیں سلامتی کے راستے

مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ بِإِذْنِهِ — دکھاتا ہے، اور ان کو اپنے حکم سے وہ اندھیرے

وَيَهْدِيهِمْ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ — سے نکال کر روشنی میں لاتا ہے اور ان کو سیدھا

(مائدہ: ۳) — راستہ بتاتا ہے،

رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَ — خود انہیں میں سے ایک رسول مبعوث کیا جو انکو خدا کی

يُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ — آیتیں سناتا ہو انکو پاک صاف کرتا ہو، اور کتاب و حکمت

رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ
اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ
وَالْحِكْمَةَ (اٰل عمران - ۱۷)

خود انہیں میں سے ایک رسول مبعوث کیا جو
ان کو خدا کی آیتیں سناتا ہے، ان کو پاک صاف کرتا ہے
اور کتاب و حکمت کی ان کو تعلیم دیتا ہے۔

اَلرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ
يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ
وَالْاِنْجِيْلِ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ
وَيَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ
الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ
وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ
كَانَتْ عَلَيْهِمْ (اعراف - ۱۹)

اس امی فرستادۂ الٰہی اور پیغامبر کی پیروی کرتے
ہیں جس کو وہ توراۃ و انجیل میں لکھا پاتے ہیں،
ان کو اچھے کام کا حکم دیتا ہے اور برے کام سے روکتا
ہے۔ اور پاک چیزوں کو ان کیلئے حلال اور ناپاک
چیزوں کو ان پر حرام کرتا ہے، اور (رسم و رواج کے)
جو بوجھ اور بیڑیاں ان پر پڑی ہوئی تھیں،
ان سے دور کرتا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا
وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا وَّدَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ
بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا

(احزاب - ۶)

اے پیغمبر! ہم نے تجھکو (اپنا) گواہ اور (نیکوکاروں
کو) خوشخبری سنانے والا، اور (بدکاروں کو)
ڈرانے والا، خدا کی طرف اسکے حکم سے بلانے والا
اور روشن چراغ بنا کر بھیجا ہے۔

الغرض نبوت کے اصلی آثار و علامات یہ ہیں کہ وہ آیاتِ الٰہی تلاوت کرتا ہے، زنگ آلود نفوس اور سیہ کار قلوب کو جلا دیتا ہے، لوگوں کو کتاب و حکمت اور اخلاق کی تعلیم دیتا ہے، اچھی باتوں کو پھیلاتا ہے اور برائیوں سے روکتا ہے، وہ طیبات کو حلال اور خبائث کو حرام کرتا ہے

وہ قوموں کے بوجھ کو اتارتا ہے اور ان کے پانوں کی بیڑیوں کو کاٹ ڈالتا ہے، وہ خدا کا گواہ بن کر اس دنیا میں آتا ہے، لوگوں کو خدا کی طرف دعوت دیتا ہے، نیکوکاروں کو بشارت سناتا ہے بدکاروں کو عذاب الٰہی سے ڈراتا ہے، اور اس ظلمتکدۂ عالم میں وہ ہدایت کا چراغ بن کر چمکتا ہے۔

قریش آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے معجزہ کے طالب ہوتے ہیں، اسکے جواب میں ارشاد ہوتا ہے:

وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ لَوْلَا	اور جنکو علم نہیں، وہ کہتے ہیں کہ خدا خود ہم سے باتیں
يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ اَوْ تَاْتِيْنَآ اٰيَةٌ ۭ كَذٰلِكَ	کیوں نہیں کرتا، یا ہمارے پاس کوئی نشانی کیوں
قَالَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ ۘ	نہیں آتی۔ ان سے پہلے لوگوں نے بھی اسی طرح
تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ ۭ قَدْ بَيَّنَّا الْاٰيٰتِ	کہا تھا، دونوں کے دل ایک ہی قسم کے ہوگئے، ہم نے
لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ۝ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ	تو نشانیاں ان لوگوں کیلئے جو یقین کرتے ہیں، کھو کر
بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۙ وَّلَا تُسْـَٔـلُ	رکھدیں (اے محمد!) ہم نے تجھکو سچائی دیکر نیکوکاروں
عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ۔	کو خوشخبری سنانے والا اور بدکاروں کو ڈرانے والا
(بقرہ ۱۴ - ۱۴)	بنا کر بھیجا اور (جنکو اب بھی یہ نشانیاں بادرہ آئیں)

کفار پیغمبر کی صداقت کی نشانی چاہتے ہیں، اس کے جواب میں ارشاد ہوتا ہے کہ اس کی صداقت کی روشنی تو اس کا سرتاپا وجود ہے، اور اہل یقین کے لیے اسکی سچائی کی تمام نشانیاں ظاہر کر دیگئی ہیں، اسکی حقانیت، نیکوکاروں کو خوشخبری سنانا اور بدکاروں کو ڈرانا اور متنبہ کرنا اور اس سے انقلاب انسانی اور نتائج روحانی کا ظہور، یہ خود اسکی صداقت کی کھلی نشانیاں ہیں۔

وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيٰتٌ	اور وہ کہتے ہیں کہ اس پیغمبر پر اس کے پروردگار

مِنْ رَّبِّهٖ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ — کی طرف سے نشانیاں کیوں نہیں اتریں، کہدے کہ

وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ، اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ — نشانیاں تو خدا کے پاس ہیں اور میں تو کھلا ڈرانے والا

اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ يُتْلٰى — ہوں، ان کافروں کو یہ نشانی کافی نہیں کہ تجھ پر ہم نے

عَلَيْهِمْ (عنکبوت - ۵) — کتاب اتاری جو ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہے،

یعنی خود یہ دعوتِ الٰہی اور پیغام ربانی آیت و نشانی ہے، اور اہل بصیرت کے لیے یہی معجزہ ہے،

اَوَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ اٰيَةً اَنْ يَّعْلَمَهٗ — کیا ان کافروں کے لیے یہ نشانی کافی نہیں ہو کر

عُلَمٰٓؤُا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ (شعراء - ۱۱) — بنی اسرائیل کے عالم لوگ اس کو جانتے ہیں،

یعنی پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ یہ ہے کہ ایک امی ہو کر وہ ایک ایسی کتاب اور ایسی تعلیم پیش کرتا ہے جس کی صداقت کو علماے بنی اسرائیل جانتے اور سمجھتے ہیں، کیا یہ معجزہ جہلاے قریش کی تسلی کے لیے کافی نہیں ہے، کہ بڑے بڑے علماء اسکی سچائی کے دل سے معترف ہیں،

وَقَالُوْا لَوْلَا يَاْتِيْنَا بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ — اور وہ کہتے ہیں کہ یہ پیغمبر اپنے پروردگار کی طرف سے کوئی

اَوَلَمْ تَاْتِهِمْ بَيِّنَةُ مَا فِي الصُّحُفِ — نشانی ہمارے پاس کیوں نہیں لاتا، کیا انکو اگلی کتابوں

الْاُوْلٰى. وَلَوْ اَنَّآ اَهْلَكْنٰهُمْ بِعَذَابٍ — کی گواہی نہیں پہنچی، اور اگر ہم ان کو اس سے پہلے

مِّنْ قَبْلِهٖ لَقَالُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ — ہلاک کر دیتے تو یہ کہتے کہ اے ہمارے پروردگار کیوں

اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ — تو نے ہمارے پاس کوئی پیغمبر نہیں بھیجا کہ ہم تیری

(طٰہٰ - ۸) — نشانیوں کی پیروی کرتے

یعنی گذشتہ انبیاءؑ کی کتابوں میں آنے والے پیغمبر کے جو صفات اور نشانیاں مذکور تھیں پیغمبر اسلام علیہ السلام کا ان کا مصداق کامل ہونا یہی سب سے بڑی نشانی ہی یا اس آیت کا دوسرا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ یہ کفار بار بار یہی کہتے ہیں کہ معجزہ دکھاؤ معجزے تو انھیں دکھائے جا چکے کیا یہ نہیں معلوم کہ گذشتہ قومیں معجزات دیکھکر بھی جب ایمان نہ لائیں تو ان کا کیا حشر ہوا،

کفار کا سوال تھا،

وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا أُنْزِلَ	کہ اس پیغمبر پر اس کے خدا کی طرف سے کوئی
عَلَيْهِ آيَةٌ مِّن رَّبِّهِ (رعد-۱)	نشانی کیوں نہیں اتری،

اس کے جواب میں خدا نے ارشاد فرمایا

إِنَّمَا أَنتَ مُنذِرٌ وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ	اے عمر! تو صرف ڈرانے والا ہے، اور ہر قوم میں
(رعد-۱)	ایک ہادی گذرا ہے.

مقصود یہ ہے کہ نبوت کی حقیقت معجزہ نہیں، بلکہ انذار اور ہدایت ہے۔

ظاہری آیات اور نشانیاں لیکن اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ انبیاءؑ ظاہری آیات اور مادی نشانیوں سے خالی ہوتے ہیں، تمام انبیائے کرام کی سیرتیں بیک زبان اس کی تصدیق کرتی ہیں کہ باطنی آیتوں کے ساتھ ان کو ظاہری حصہ بھی ملتا ہے، قرآن مجید نے اکثر انبیاءؑ کے سوانح و واقعات کے ضمن میں ان کے ظاہری آثار و دلائل کو بھی بتفصیل بیان کیا ہے، بلکہ کہنا یہ ہے کہ یہ مادی اور ظاہری نشانات نبوت کی اصل حقیقت سے خارج ہیں، یہی سبب ہے کہ متعدد مقامات پر قرآن مجید نے کفار کی مادی نشانیوں کی طلب میں آپ کی طرف سے

یہ الفاظ کہے

هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا (بنی اسرائیل) میں تو صرف ایک انسان پیغمبر ہوں

ظاہری نشانات صرف معاندین طلب کرتے ہیں

لیکن نبوت کے ظاہری اور عامیانہ آثار و علامات یعنی خارقِ عادت معجزات صرف وہ فرقہ طلب کرتا ہے جس کے دل کی آنکھیں اندھی ہوتی ہیں، اور جو تعصب و عناد اور جہل کے باعث حق کے ماننے کے لیے تیار نہیں ہوتا، چنانچہ انبیائے کرام پر ایمان لانے والوں کے حالات پر غور کرو تو معلوم ہوگا کہ معجزات کی طلب نیکوکاروں نے نہیں کی، حضرت موسیٰؑ کو معجزہ بنی اسرائیل کے مقابلہ میں نہیں بلکہ فرعون کے مقابلہ میں دیا گیا، حضرت عیسیٰؑ سے ان کے حواریوں نے نہیں، بلکہ یہودیوں نے معجزہ طلب کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ابوبکرؓ و عمرؓ نے نہیں، بلکہ ابوجہل و ابولہب نے معجزہ مانگا، یہی حال دوسرے انبیاءؑ کا بھی ہے، قرآن مجید نے اس حقیقت کی پوری تصریح کی ہے، اور طلب معجزہ کے سوال کو ہمیشہ کفار کی طرف منسوب کیا ہے،

وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ لَوْلَا يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ اَوْ تَاْتِيْنَا اٰيَةٌ ۝ (بقرہ-۱۴)

اور جنکو (کتاب الٰہی کا) علم نہیں (یعنی کفار قریش) کہتے ہیں کہ کیوں خدا ہم سے خود باتیں نہیں کرتا یا ہمارے پاس کوئی نشانی کیوں نہیں آتی،

وَقَالُوْا لَوْلَا اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ (انعام-۴)

اور کفار نے کہا کہ اس پیغمبر پر کوئی نشانی کیوں نہیں اتاری گئی

وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَا

أُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ (رعد-۱) — نہیں اترتی ،

وَقَالُوْا لَوْلَا يَاْتِيْنَا بِاٰيَةٍ مِّنْ — اور کفار نے کہا کہ یہ پیغمبر اپنے پروردگار کی طرف سے

رَّبِّهٖ (طٰہٰ-۸) — کوئی نشانی ہمارے پاس کیوں نہیں لاتا ،

دیکھو کہ ہر آیت میں کفار ہی کا معجزہ طلب کرنا ظاہر کیا گیا ہے ،

کفار کا یہ معجزہ طلب کرنا نفی معجزہ کی دلیل نہیں

کفار کے اس بار بار کے اصرار سے کہ پیغمبر ہم کو معجزہ کیوں نہیں دکھاتے ، بعض نادان یہ سمجھتے ہیں کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو کوئی معجزہ نہیں دکھایا ، کہ اگر وہ کوئی معجزہ دیکھ چکے ہوتے تو بار بار معجزہ کے لیے اصرار کیوں کرتے ؟ لیکن یہ استدلال سراسر غلط ہے ، ان کو نفس معجزہ مانگنے پر نہیں ، بلکہ مادی اور ظاہری معجزات طلب کرنے پر تنبیہ کی گئی ہے ، اور بتایا گیا ہے کہ نشانیوں کے ظاہر ہونے کے بعد بھی یہ عناد سے طلب معجزہ پر مصر ہیں ، چنانچہ ان تمام مقامات میں جہاں کفار کی اس طلب معجزہ کا ذکر ہے یہ تصریح موجود ہے اور انھیں یہ ہدایت کی گئی ہے کہ ان خوارق سے انھیں تسلی نہ ہوگی ، انکو چاہیے کہ نبوت کے اصلی آثار و علامات کی طرف توجہ کریں کہ سعادت مند دلوں کی تسلی ان ہی سے ممکن ہے ۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ لَوْلَا — اور جو نہیں جانتے ، وہ کہتے ہیں کہ کیوں خدا ہم سے

يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ اَوْ تَاْتِيْنَآ اٰيَةٌ كَذٰلِكَ — خود باتیں نہیں کرتا یا ہمارے پاس کوئی نشانی

قَالَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ — نہیں آتی ، ان سے پہلے کے لوگوں نے بھی اسی طرح

قَوْلِهِمْ تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ — کہا تھا ، وہ دونوں کے دل ایک سے ہو گئے ہیں

قَدْ بَيَّنَّا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ۝ — ہم نے نشانیاں ان لوگوں کے لیے جو یقین کرتے ہیں

اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّ — کھول کر رکھدی ہیں اے پیغمبر ہم نے تجھ کو سچائی دیکر

نَذِيْرًا وَّلَا تُسْـَٔلُ عَنْ اَصْحٰبِ — نیکوکاروں کو خوشخبری سنانے والا اور بدکاروں کو ڈرانے

الْجَحِيْمِ ۝ — والا بنا کر بھیجا ہے۔ اور (جنکو یہ نشانیاں باور نہ آئیں)

(بقرہ ع-۱۴) — ان دوزخیوں کی تم سے باز پرس نہ ہوگی۔

اس آیت کریمہ میں صاف موجود ہے کہ ہم نشانیاں کھول کر بتا چکے ہیں، لیکن ان نشانیوں سے وہی فائدہ اٹھا سکتے ہیں جو اہل یقین ہیں، اور جو ہر امر میں شک کرتے ہیں، ان کا علاج صرف دوزخ ہے، دوسری آیت میں ہے

وَقَالُوْا لَوْلَا يَاْتِيْنَا بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ — اور کہتے ہیں کہ یہ پیغمبر اپنے پروردگار کی طرف سے کوئی نشانی

اَوَلَمْ تَاْتِهِمْ بَيِّنَةُ مَا فِي الصُّحُفِ — ہمارے پاس کیوں نہیں لاتا، کیا انکے پاس گذشتہ

الْاُوْلٰى ۝ وَلَوْ اَنَّآ اَهْلَكْنٰهُمْ بِعَذَابٍ — کتابوں کی گواہی نہیں پہنچی، اگر ہم اس سے پہلے کسی عذاب

مِّنْ قَبْلِهٖ لَقَالُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ — سے انکو ہلاک کر دیتے تو وہ کہتے کہ اے ہمارے پروردگار

اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ — کیوں ہمارے پاس کوئی رسول تو نے نہیں بھیجا کہ

(طٰہٰ-۸) — ہم تیری نشانیوں کی پیروی کرتے۔

اس آیت میں بھی معجزات ظاہر ہونے کے بعد مزید معجزات کی طلب پر گذشتہ قوموں کے واقعات کی طرف جو اگلی کتابوں میں مذکور ہیں، متوجہ کیا گیا ہے کہ دیکھ لو، دنیا میں انکا کیا حشر ہوا، جنہوں نے معجزوں کو دیکھ کر بھی ایمان نہیں قبول کیا،

معجزات تو بہر حال کسی نہ کسی آنی زمانہ اور مخصوص وقت میں ظاہر ہوتے ہیں، اور پھر دنیا کے دوسرے حوادث کی طرح فنا ہو جاتے ہیں، اس بنا پر اگر ہر معاند کے سوال پر پیغمبر معجزہ ہی دکھاتا رہے، تو یہ تسلسل شاید کبھی ختم نہ ہو، اور پیغمبر کی زندگی صرف ایک تماشا گر کی حیثیت اختیار کر لے، اس لیے ظاہری معجزہ طلب کرنے والوں کو دائمی اور مسلسل معجزہ کی طرف ملتفت ہونے کی تاکید ہوتی ہے۔

وَقَالُوا لَوْلَا اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيٰتٌ	اور وہ کہتے ہیں کہ اس پیغمبر پر اس کے پروردگار کی
مِّنْ رَّبِّهٖ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ	طرف سے کوئی نشانی کیوں نہیں اترتی، کہہ دے کہ
وَاِنَّمَا اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ اَوَلَمْ	نشانیاں تو خدا ہی کے پاس ہیں، میں صرف کھلا ہوا
يَكْفِهِمْ اَنَّا اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ	ڈرانے والا ہوں، کیا یہ انکو بس نہیں کرتا کہ ہم نے تجھ پر
يُتْلٰى عَلَيْهِمْ (عنکبوت - ۵)	کتاب اتاری جو ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہے،

معاندین کو معجزہ سے بھی تسلی نہیں ہوتی

نفسیات انسانی کا خاصہ ہے کہ جب کسی طرف سے اس کے جذبات مخالفانہ ہوتے ہیں، تو وہ اس کی کسی بات کو حسن ظن پر محمول نہیں کرتا اور اس کو اس کی ہر شے کے اندر شر، خبث اور بدی نظر آتی ہے، جلی سے جلی اور واضح سے واضح برہان بھی اس کے ریب اور قلب کے شک کو دور نہیں کر سکتے، معاندین جو انبیاء کے مکارم اخلاق، حسن عمل، حسن تعلیم اور دیگر علمی و عملی تلقینات کو باور نہیں کرتے، اور ان کے کھلے اور بدیہی دعوؤں کو بھی تسلیم کرنے کے لیے آمادہ نہیں ہوتے، اور ہر قسم کی دلیلوں کے سن لینے کے بعد بھی وہ اپنے لاعلاج مرض شک سے نجات نہیں پاتے تو آخر الحیل کے طور پر وہ پیغمبروں سے

خارقِ عادت معجزوں کا مطالبہ کرتے ہیں، اور چونکہ انھیں بدگمانی سے یہ یقین ہوتا ہے کہ ہماری ہی طرح کا ایک مدعی انسان کبھی ایسی عجیب وغریب چیز پر قدرت نہیں رکھتا، اس لیے وہ کبھی کوئی خارقِ عادت امر پیش نہ کرے گا، اور اس طرح اس کی رسوائی عالم آشکارا ہو جائیگی اور خود اسی کے ہاتھوں سے اس کے دعووں کے تار و پود بکھر جائیں گے، لیکن قدرت الٰہی آخری حجت کے طور پر انھی کے سامنے معجزات اور خوارقِ عادت بھی پیش کر دیتی ہے، تاہم ان کو دیکھکر بھی معاندانہ روح، ان کے دلوں میں پیغمبروں کی سچائی کا اعتبار نہیں پیدا ہونے دیتی اور بدگمانی انھیں یہ بتاتی ہے کہ گو اس خارقِ عادت کے ظہور میں تو شک نہیں مگر یہ خدائی قوت کا کرشمہ نہیں، بلکہ یہ شیطانی عمل اور سحر و جادو کی قوت سے پیدا ہوا ہے اور چونکہ بظاہر معجزہ اور سحر و شعبدہ میں کوئی فرق محسوس نہیں ہوتا، اس لیے ان کے بدگمان قلب کو اس سے بھی تسلی نہیں ہوتی۔

حضرت موسیٰؑ نے فرعون کو متعدد معجزے دکھلائے، مگر ہر ایک کے جواب میں انھیں یہی سننا پڑا کہ "تم جادوگر ہو"۔

هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ (نمل ۱۰) — یہ تو کھلا جادو ہے

اِنْ هٰذَانِ لَسٰحِرٰنِ (طٰہٰ ۳) — یہ موسیٰ اور ہارون یقیناً جادوگر ہیں۔

حضرت موسیٰؑ کے معجزۂ عصا کو دیکھ کر مصر کے جادوگر سجدے میں گر گئے، اور حضرت موسیٰؑ کی پیغمبری پر ایمان لے آئے، مگر فرعون یہی کہتا رہا

اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِيْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ (طٰہٰ ۷) — یہ موسیٰ تم سب کا بڑا جادوگر ہے جس نے تم کو جادو سکھایا ہے

توراۃ میں یہ واقعہ پوری تفصیل کے ساتھ موجود ہے۔ کہ حضرت موسیٰؑ فرعون کو جب کوئی معجزہ دکھاتے تھے تو ہر معجزہ کے بعد فرعون کے دل کی سختی علیٰ حالہ باقی رہ جاتی تھی چنانچہ توراۃ میں تقریباً ہر معجزہ کے بعد یہ مذکور ہے "لیکن فرعون کا دل سخت رہا" اور اس نے ان کی نہ سنی"[1] انجیل کے بیان کے مطابق حضرت عیسیٰؑ نے سب سے زیادہ معجزات دکھائے لیکن خود انجیل میں مذکور ہے کہ تقریباً ہر معجزہ کے بعد حاضرین کی دو جماعتیں ہو جاتی تھیں، ایک تو انکی معتقد ہو جاتی تھی، اور یقین کرتی تھی کہ یہ خدا کی طرف سے ہے، اور دوسری کہتی تھی کہ یسوعؑ کے ساتھ شیطان رہتا ہے" تب یہودیوں کے بیچ ان باتوں کے سبب اختلاف ہوا، اور بہتوں نے ان میں سے کہا، اس کے ساتھ ایک دیوتا رہتا ہے اور وہ مجنون ہے[2]" تم اسکی سنتے کیوں ہو، اوروں نے کہا، یہ باتیں اسکی ہیں جس میں دیو ہے، کیا دیو اندھے کی آنکھیں کھول سکتا ہے[3]" ایک دفعہ حضرت عیسیٰؑ نے ایک گونگے کو اچھا کیا، لوگ حیرت زدہ رہ گئے، لیکن فریسی یہودیوں نے کہا" یہ دیوؤں کے سردار کی مدد سے دیوؤں کو نکالتا ہے[4]" حضرت عیسیٰؑ نے اپنے معاندین کے جواب میں کہا" تم کہتے ہو کہ میں دیوؤں کو بعل زبول (ایک دیوتا کا نام) کی مدد سے نکالتا ہوں[5]" حضرت عیسیٰؑ نے متعدد دفعہ لوگوں سے کہا کہ" تم معجزات دیکھتے ہو، مگر ایمان نہیں لاتے" یسوعؑ (عیسیٰؑ) نے یہ باتیں کہیں اور اپنے آپ کو ان سے (فریسی یہودیوں سے) چھپایا، اگرچہ اس نے ان کے روبرو اتنے معجزے دکھائے پر وہ اس پر ایمان نہ لائے" تب ان شہروں کو جن میں

---

[1] توراۃ کتاب الخروج [2] یوحنا کی انجیل باب ۱۰-۱۹ [3] متی کی انجیل، باب ۹-۳۴ [4] لوقا کی انجیل ۱۱-۱۴ [5] یوحنائی انجیل ۱۳-۳۷

اسکے بہت سے معجزے ظاہر ہوئے ملامت کرنے لگا کیونکہ انھوں نے توبہ نہ کی تھی۔[1]

کفار قریش آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے معجزوں کے طالب ہوتے تھے مگر جب معجزے دیکھتے تھے تو کاہن اور جادوگر کہنے لگتے تھے،[2] عرب میں پیشین گوئی کاہن کیا کرتے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئیوں کو دیکھکر معاندین نے آپ کو کاہن کا خطاب دیا تھا، اسلیے قرآن مجید نے کہا

فَمَا اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِكَاهِنٍ (طور-۲)	اے پیغمبر تو اپنے پروردگار کے فضل سے کاہن نہیں ہے،
وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ (حاقہ-۲)	اور یہ کسی کاہن کی بات نہیں ہے،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات اور خوارق کو وہ دیکھتے تھے تو ان کو جادو کا اثر سمجھتے تھے

ثُمَّ اَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ فَقَالَ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ يُّؤْثَرُ (مدثر-۱)	پھر پیٹھ پھیر کر چلا، اور غرور کیا اور کہا کہ یہ تو جادو ہے، جو اگلے وقتوں سے چلا آتا ہے۔

کفار ایک دوسرے کو منع کرتے تھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نہ جایا کرو، کیونکہ وہ جادو کیا کرتے ہیں

هَلْ هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ اَفَتَاْتُوْنَ السِّحْرَ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ (انبیاء-۱)	یہ محمد تو تمھاری ہی طرح آدمی ہیں، کیا تم جادو کے پاس آتے ہو، اور تم دیکھ رہے ہو،
قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ (احقاف-۱)	حق کے منکرین کے پاس جب حق آیا تو انھوں نے کہا کہ یہ تو کھلا جادو ہے۔

[1] متی کی انجیل ۱۱-۱۰ [2] صحیح مسلم مناقب ابی ذر،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب معجزۂ شق القمر دکھایا تو کفار نے اسکو بھی جادو کہا

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ۝ وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ (قمر-۱)

نزدیک آگئی قیامت اور چاند پھٹ گیا، اور اگر وہ کوئی بھی نشانی دیکھیں تو منہ پھیر لیں اور کہیں کہ یہ تو جادو ہے جو ہمیشہ سے ہوتا چلا آیا ہے۔

دوسرے معجزات کو دیکھ کر وہ یہی کہتے رہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تو جادوگر ہے،

اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَيْنَا اِلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ قَالَ الْكٰفِرُوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِيْنٌ (یونس)

کیا لوگوں کو اس پر تعجب ہے کہ ہم نے ان میں سے ایک ہی کی طرف وحی بھیجی کہ لوگوں کو ڈرا اور ان کو جو ایمان لائے بشارت دے کہ ان کے پروردگار کی بارگاہ میں انکی بڑی پایگاہ ہے، کافر کہتے ہیں کہ یہ تو کھلا جادوگر ہے۔

معاندین کو معجزہ سے بھی ایمان کی دولت نہیں ملتی

چونکہ معاندین کو حق و باطل کی تمیز کی قوت نہیں ہوتی، اور یقین کی سعادت سے وہ محروم ہوتے ہیں، اس لیے بڑی سے بڑی نشانی بھی شک و شبہہ کے گرداب سے ان کو باہر نہیں نکال سکتی، وہ کبھی اس کو بخت و اتفاق کا نتیجہ سمجھتے ہیں، کبھی اس کو سحر و جادو سمجھ کر اس کی تکذیب کرتے ہیں، کبھی فریب اور قوتِ شیطانی کا ان کو دھوکا ہوتا ہے، اس لیے معجزات سے بھی ان کو ہدایت نصیب نہیں ہوتی حجت کے لیے ایک نہ معجزہ ان کو دکھایا گیا تو ان کا شبہہ رفع نہیں ہوا پھر معجزہ طلب کرتے ہیں تو قرآن کہتا ہے کہ اب بھی ان کو تسلی نہ ہوگی، چنانچہ سورۂ انعام کی

نے ان تمام مراتب کو بیان کر دیا ہے۔

وَمَا تَاْتِيهِمْ مِنْ اٰيَةٍ مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِمْ
اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ (انعام-۱)

اور خدا کی نشانیوں میں سے کوئی نشانی ان کے پاس نہیں آتی لیکن یہ کہ اس سے روگردانی کرتے ہیں۔

وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتٰبًا فِيْ قِرْطَاسٍ
فَلَمَسُوْهُ بِاَيْدِيْهِمْ لَقَالَ الَّذِيْنَ
كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ
(انعام-۱)

اے پیغمبر! اگر ہم تجھ پر ایسی کتاب بھی آسمان سے اتاریں جو اوراق میں لکھی ہو کر وہ اسکو اپنے ہاتھوں سے چھوئیں تو وہ جو کافر ہیں، یہی کہیں گے کہ یہ فقط ایک ساحرانہ تماشا ہے،

وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا
حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْكَ يُجَادِلُوْنَكَ
يَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ
اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ (انعام-۳)

اور اگر وہ تمام نشانیاں بھی دیکھ لیں گے تو وہ ایمان نہ لائیں گے یہاں تک کہ وہ جب تیرے پاس آتے ہیں تو تجھ سے جھگڑا کرتے ہیں، اور کافر کہتے ہیں کہ یہ تو صرف اگلوں کی کہانیاں ہیں۔

وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ
وَلَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِيَ الْاَمْرُ
ثُمَّ لَا يُنْظَرُوْنَ، وَلَوْ جَعَلْنٰهُ
مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّلَلَبَسْنَا
عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ
(انعام-۱)

اور کہتے ہیں کہ اس پیغمبر کیساتھ کوئی فرشتہ کیوں نہیں اتارا گیا۔ کہدے کہ اگر فرشتہ اتارا جاتا تو انکو پھر مہلت نہ دیجا سکتی اور بات پوری ہو جاتی۔ اگر ہم رسول کا ساتھی کسی فرشتہ کو بناتے تو اسکو بھی انسان ہی کی صورت میں بناتے تو پھر وہی شبہے ان کے دلوں میں ہم پیدا کرتے جواب یہ کر رہے ہیں۔

وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَ
كَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ
كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْٓا
اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ
يَجْهَلُوْنَ (انعام - ۱۴)

اور اگر ہم ان کے پاس آسمان سے فرشتے بھی اتار کر
بھیجیں اور مردے بھی ان سے باتیں کریں، اور
ہر چیز ان کے سامنے لا کھڑی کر دیں تو وہ ایمان
نہ لائیں گے، لیکن یہ کہ خدا کی مشیت ہو، لیکن
اکثر لوگ جانتے نہیں،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فرط شفقت سے یہ خیال بار بار آتا تھا کہ یہ رؤسائے قریش ایمان کی دولت سے محروم نہ رہنے پائیں، خدا نے فرمایا کہ ان کو حقیقت میں براہ راست نبوت سے انکار نہیں، بلکہ ان کو نبوت سے اس لیے انکار ہے کہ ان کو اولاً نفس خدا پر یقین نہیں، یہ بظاہر نبوت کی نشانیوں کو طلب کرتے ہیں، مگر واقعہ یہ ہے کہ ان کو خدا کی نشانیاں بھی تسلیم نہیں، ایسے لوگوں کی قسمت میں ایمان کی سعادت نہیں، ان کے لیے معجزے بیکار ہیں، یہ سعادت ان ہی کو ملتی ہے، جو حق کے طالب ہیں، اور حق باتوں کو سنتے ہیں،

قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ الَّذِيْ
يَقُوْلُوْنَ فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ
وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ
يَجْحَدُوْنَ ۝ وَلَقَدْ كُذِّبَتْ
رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوْا عَلٰى
مَا كُذِّبُوْا وَاُوْذُوْا حَتّٰٓى

ہم جانتے ہیں کہ ان کافروں کی باتیں تجھ کو غمگین کرتی
ہیں لیکن تجھ کو غمگین نہ ہونا چاہیے، کیونکہ وہ تجھ کو
نہیں جھٹلاتے ہیں، بلکہ دراصل ان ظالموں کو
خدا کی نشانیوں سے انکار ہے، تجھ سے پہلے انبیا بھی
جھٹلائے گئے تو انھوں نے اپنی تکذیب پر صبر کیا
اور ان کو بھی ایذا پہنچائی گئی، یہاں تک کہ

اَتٰهُمْ نَصْرُنَا وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ	ان کے پاس خدا کی نصرت آئی، خدا کی باتوں کو
وَلَقَدْ جَآءَكَ مِنْ نَّبَاِئِ الْمُرْسَلِيْنَ ۝	کوئی بدلنے والا نہیں، گذشتہ پیغمبروں کے واقعات
وَاِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ اِعْرَاضُهُمْ	مجھ کو معلوم ہو چکے ہیں، اور اگر ان کافروں کی
فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَبْتَغِيْ نَفَقًا	روگردانی تجھ پر گراں ہو تو اگر تجھ میں طاقت ہو
فِي الْاَرْضِ اَوْ سُلَّمًا فِي السَّمَآءِ	تو زمین میں کوئی سرنگ یا آسمان میں کوئی سیڑھی
فَتَاْتِيَهُمْ بِاٰيَةٍ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ	ڈھونڈھ کر انکو کوئی نشانی لا کر دے (ان نشانیوں
لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى فَلَا تَكُوْنَنَّ	سے ان پر کوئی اثر نہ ہوگا) اگر خدا چاہتا تو انکو
مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ۝ اِنَّمَا يَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ	راہ ہدایت پر متفق کر دیتا تو (غمگین ہو کر)
يَسْمَعُوْنَ ۝ وَالْمَوْتٰى يَبْعَثُهُمُ	جاہلوں میں سے نہ بن، دعوت الٰہی کو وہی قبول
اللّٰهُ ثُمَّ اِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ۝ وَقَالُوْا	کرتے ہیں جو آواز پر کان دھرتے ہیں (اور یہ
لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ	کافر جو دل کے) مردے ہیں، انکو خدا ہی اٹھائیگا
رَّبِّهٖ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ قَادِرٌ	پھر اسی کی طرف لائے جائیں گے، یہ کہتے ہیں کہ
عَلٰى اَنْ يُّنَزِّلَ اٰيَةً وَّلَٰكِنَّ	اس پیغمبر پر اسکے پروردگار کی جانب سے کوئی نشانی
اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝	کیوں نہیں اتاری گئی، کہدو کہ خدا نشانی لانے پر
(انعام-۴)	قادر ہے لیکن اکثر لوگ نادان ہیں،

لیکن معجزہ دیکھنے پر بھی ان کے قلوب کو اطمینان حاصل نہ ہوگا، کیونکہ اس شک و شبہہ کا منشا عناد ہے، حق طلبی نہیں، اگر حق طلبی مقصود ہوتی تو پہلے ہی دفعہ دیکھ کر وہ ایمان لے آتے،

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ
لَئِنْ جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ لَّيُؤْمِنُنَّ بِهَا
قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ
وَمَا يُشْعِرُكُمْ اَنَّهَآ اِذَا جَآءَتْ
لَا يُؤْمِنُوْنَ وَنُقَلِّبُ اَفْـِٕدَتَهُمْ
وَاَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖٓ
اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّنَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ
يَعْمَهُوْنَ ۝ وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ
الْمَلٰٓئِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَ
حَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا
مَّا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْٓا اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ
اللّٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُوْنَ
وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ
عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ
يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ
الْقَوْلِ غُرُوْرًا

(انعام-۱۳)

اور یہ کافر خدا کی بڑی بڑی قسمیں کھاتے ہیں کہ اگر
کوئی نشانی انکے پاس آجائیگی تو وہ اس پر ایمان
لے آئینگے، کہدے کہ نشانیاں تو خدا ہی کے پاس ہیں
اور تمھیں کس نے بتایا کہ یہ نشانیاں دیکھکر ایمان
لائینگے، یہ ایمان نہیں لائینگے (نشانی کے بعد)
ہم انکے دلوں کو (حصول یقین سے) اور انکی
آنکھوں کو (اپنے دیکھنے پر اعتبار کرلینے سے) پھیر دیتے
ہیں، جس طرح کہ یہ پہلے اس پر ایمان نہیں لائے
اور ہم انکو اُن کی اسی سرکشی کی حالت میں چھوڑ دینگے
کہ بھٹکتے رہیں، اگر ہم انکے پاس فرشتے بھی اتار کر
بھیجیں اور مردے بھی اٹھکر ان سے باتیں کرنے
اور ہر چیز ہم انکے سامنے بھی کردیں تو وہ ایمان
لانے والے نہیں، مگر جو چاہے اللہ لیکن ان میں اکثر
نادان ہیں، اور ہم نے اسی طرح ہر نبی کا معاند انسانوں
اور جنوں سے بنایا ہے جو ایک دوسرے کو دھوکے کی
نمائشی باتیں سکھایا کرتے ہیں (اسی عناد کے باعث
وہ نشانیوں کو نہیں مانتے)

اگر رفعِ حجت کے لیے ان کو معجزہ دکھایا بھی جاتا ہے تو حیلہ جوئی کر کے کہتے ہیں کہ گذشتہ انبیاء کو جیسے معجزے دیے گئے، جب تک وہی معجزے ہم کو نہ دیے جائیں، ہم ایمان نہ لائیں گے،

فَلْيَاْتِنَا بِاٰيَةٍ كَمَآ اُرْسِلَ الْاَوَّلُوْنَ (انبیاء-۱)

چاہیے کہ ہمارے پاس کوئی نشانی لائے جیسے پہلے لوگ پیغمبر بنا کر بھیجے گئے،

لیکن فرض کرو کہ وہی معجزات دکھائے بھی جائیں تو ان کی حیلہ جو طبیعت ان سے کب تسلی پائے گی، وہ فوراً یہ کہدیں گے، جیسا کہ انھوں نے بارہا کہا ہے کہ یہ محض ساحرانہ کرشمہ ہے، اور ہماری آنکھوں کو مسحور کر دیا گیا ہے،

وَقَالُوْا يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْ نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ اِنَّكَ لَمَجْنُوْنٌ ۝ لَوْمَا تَاْتِيْنَا بِالْمَلٰٓئِكَةِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ مَا نُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ اِلَّا بِالْحَقِّ وَمَا كَانُوْٓا اِذًا مُّنْظَرِيْنَ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِيْ شِيَعِ الْاَوَّلِيْنَ ۝ وَمَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝ كَذٰلِكَ

اور کافر کہتے ہیں کہ اے وہ جس پر نصیحت اتری ہے تجھ پر کوئی جن سوار ہے، کیوں تو فرشتوں کو ہمارے پاس نہیں لے آتا، اگر تو سچا ہو (خدا کہتا ہے) ہم فرشتوں کو دنیا میں حق کے ساتھ اتارتے ہیں، اگر فرشتے اتار دیے جائیں تو پھر ان کافروں کو مہلت نہ دی جائے گی، اس نصیحت کو ہم نے اتارا ہے، اور ہم ہی اسکے نگہبان ہیں، ہم نے تجھ سے پہلے قوموں میں بھی پیغمبر بھیجے، اور ان میں سے کسی کے پاس کوئی پیغمبر نہ گیا لیکن انھوں نے اس سے تمسخر کیا اسی طرح

نَسْلُكُهٗ فِيْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِيْنَ ۝ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَقَدْ خَلَتْ سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ ۝ وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا مِّنَ السَّمَآءِ فَظَلُّوْا فِيْهِ يَعْرُجُوْنَ ۝ لَقَالُوْٓا اِنَّمَا سُكِّرَتْ اَبْصَارُنَا بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَّسْحُوْرُوْنَ ۝

ہم گنہگاروں کے دلوں میں بٹھا دیتے ہیں، وہ اس پر ایمان نہ لائیں گے، یہ لوگوں کی رسم ہوتی آئی ہے، اور اگر ہم ان پر آسمان کا کوئی دروازہ بھی کھول دیں اور وہ اس میں چڑھ بھی جائیں تو یہی کہتے رہیں گے کہ ہماری آنکھوں کو متوالا بنا دیا گیا ہے، بلکہ ہم پر جادو کر دیا گیا ہے۔

حاصل یہ کہ ان معاندین کے شکوک و شبہات کا توبرتو بادل معجزات اور آیات کی روشنی سے بھی نہیں چھٹتا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب پہلے پہل اسلام کی دعوت ان کے سامنے پیش کی تو آپ کو انھوں نے "مجنون" کا خطاب دیا، قرآن مجید نے ان کی تردید کی،

مَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ (ن-۱) تو اپنے پروردگار کی عنایت سے مجنون نہیں،

اس کے بعد آپ نے ان کے سامنے معجزات اور آیات پیش کیے کہ کہیں مجنون سے بھی یہ افعال صادر ہو سکتے ہیں؟ تو انھوں نے آپ کو مجنون کے ساتھ "کاہن" اور "جادوگر" کہا،

فَمَآ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِكَاهِنٍ وَّلَا مَجْنُوْنٍ (طور-۱) تو اپنے پروردگار کی عنایت سے نہ تو کاہن ہے اور نہ مجنون

قَالَ الْكٰفِرُوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِيْنٌ (یونس-۱) کافروں نے کہا کہ یہ تو کھلا ہوا جادوگر ہے،

آپ نے ان کے اس الزام کے جواب میں اپنی تعلیمات و تلقینات کو پیش فرمایا کہ کاہن و جادوگر علم و حکمت کا یہ خزانہ نہیں رکھتے لیکن پر عناد قلوب کو اس سے بھی تسلی نہ ہوئی، اور کہا کہ علم و حکمت کے اسرار انھیں کوئی سکھاتا ہے،

وَقَالُوْا مُعَلَّمٌ مَّجْنُوْنٌ (دخان-۱) اور ان معاندوں نے کہا کہ یہ سکھایا ہوا مجنون ہے،

الغرض انسانوں کے افہام و تفہیم اور ہدایت و رہنمائی کے جو اسلوب اور طریق ہو سکتے تھے وہ سب ان کے سامنے پیش کیے گئے مگر انھیں شک و شبہہ کی کشمکش سے نجات نہ ملی۔

یا یہ سب انبیاء معاندین کو معجزات دکھاتے ہیں اور وہ اعراض کرتے ہیں

معاندین کی اس پیہم طلب اور اصرار سے خیال ہو سکتا ہے کہ اگر ان کو کوئی معجزہ دکھایا جائے تو وہ شاید ایمان لے آئیں لیکن تمام انبیاءؑ کی سیرتیں شہادت دیتی ہیں کہ ایسا نہیں ہوا۔ انھوں نے معجزات دیکھے۔ پھر بھی اپنے انکار و اعراض پر نہایت استقلال کے ساتھ قائم رہے۔ حضرت موسیٰؑ نے فرعون کو بار بار معجزہ دکھایا لیکن اس کا انکار ایمان سے متبدل نہ ہوا، جیسا کہ توراۃ اور قرآن دونوں میں یہ تکرار بیان ہوا ہے، قرآن مجید میں ہے

فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِاٰيٰتِنَآ اِذَا هُمْ مِّنْهَا يَضْحَكُوْنَ ۝ وَمَا نُرِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ اِلَّا هِيَ اَكْبَرُ مِنْ اُخْتِهَا وَاَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۝ وَقَالُوْا يٰٓاَيُّهَا السّٰحِرُ ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ اِنَّنَا لَمُهْتَدُوْنَ ۝ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ ۝

(زخرف - ۵)

جب موسیٰ ہماری نشانیاں لیکر فرعون کے پاس آیا تو وہ ہنستے ہیں، اور ہم انھیں کوئی نشانی نہیں دکھاتے ہیں لیکن یہ کہ وہ پہلی نشانی سے زیادہ بڑی ہوتی ہے اور ہم نے انکو بڑے عذاب میں گرفتار کیا کہ شاید وہ رجوع کریں، اور انھوں نے موسیٰ سے کہا اے جادوگر اپنے خدا سے ہمارے لیے دعا کر جیسا کہ اس نے تجھ سے عہد کیا ہے کہ ہم سچ مچ دعاؤں کے قبول کرنے کا وعدہ کیا ہے کہ ہم سچ مچ یہ عذاب دور کر دے ہم راہ راست کو قبول کیے لیتے ہیں پس جب ہم نے ان سے عذاب ہٹا دیا تو وہ اپنا وعدہ

اس موقع پر ایک نکتہ خاص خیال کے لائق ہے، یہ حکایت حضرت موسیٰؑ کے قصہ کا ایک ٹکڑا ہے، جو زمانۂ ماضی کا ایک واقعہ تھا جس کو تمام تر صیغۂ ماضی سے ادا ہونا چاہیے تھا، لیکن اس میں تین جگہ اللہ تعالیٰ نے صیغۂ مضارع کا استعمال کیا ہے، جو واقعۂ حال و استقبال کے بیان کے لیے مقرر ہے،

۱۔ "جب موسیٰ ہماری نشانیاں لے کر فرعون کے پاس آئے تو وہ ہنستے ہیں"

۲۔ "اور ہم انھیں کوئی نشانی نہیں دکھاتے ہیں لیکن وہ پہلی نشانی سے بڑی ہوتی ہے"

۳۔ "پہلے انھوں نے وعدہ کیا کہ اگر موسیٰ کی دعا قبول ہوگئی تو ہم ایمان لے آئیں گے، لیکن جب دعا قبول ہو کر اس کا اثر ہوا تو وہ اپنا وعدہ توڑ ڈالتے ہیں"

اس موقعہ پر صیغۂ مضارع کے استعمال سے یہ نکتہ پیدا ہوتا ہے کہ گو یہ واقعہ خاص فرعون کے ساتھ پیش آیا، مگر یہ مخصوص حضرت موسیٰؑ ہی کے فرعون کے ساتھ نہیں، بلکہ ہر عہد کے فرعون اور ہر پیغمبر کے معاندین کی نفسی کیفیت یہی ہوتی ہے، کہ جب ان کے پیغمبر خدا کے احکام اور نشانیاں لے کر ان کے پاس جاتے ہیں تو وہ صدائے خندۂ تحقیر بلند کرتے ہیں، لیکن خدا انکو نئی نشانیوں پر نشانیاں دکھاتا جاتا ہے، تاہم ان سے ان کی تسکین نہیں ہوتی، اور دوسری کوئی نشانی مانگتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر یہ نشانی ہم کو دکھا دی گئی، ہم یقیناً ایمان لے آئیں گے، لیکن جب وہ نشانی بھی ان کو دکھا دیجاتی ہے، تو ان کو اس سے بھی تسکین نہیں ہوتی اور وہ آخر تک ایمان کی سعادت سے محروم رہتے ہیں۔

حضرت صالحؑ کی امت نے حضرت صالحؑ سے ایک نشانی طلب کی انھوں نے

کہا یہ اونٹنی تمہاری نشانی ہے، جو ایک دن میں ان کے چشمہ یا کنوئیں کا تمام پانی پی جاتی تھی۔ اور دوسرے دن ان کے جانوروں کو پانی ملتا تھا لیکن اس نشانی کو دیکھ کر کہ اونٹنی تمام چشمہ یا کنوئیں کا پانی پی جاتی ہے، انھیں تسکین نہ ہوئی اور اس اونٹنی کو مار ڈالا، نتیجہ یہ ہوا کہ اس کے پاداش میں وہ ہلاک کر دیے گئے، سورۂ شعراء میں ہے،

مَا اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا فَاْتِ	اے صالح! تم ہماری ہی طرح آدمی ہو، اگر تم
بِاٰيَةٍ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ	اپنے دعویٰ میں سچے ہو تو کوئی نشانی لاؤ، صالح
قَالَ هٰذِهٖ نَاقَةٌ لَّهَا شِرْبٌ وَّ	نے کہا یہ اونٹنی ہے، اس کے لیے پانی پینے کی ایک
لَكُمْ شِرْبُ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ وَلَا	باری ہے، اور تمہارے لیے ایک مقرر دن کا
تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ	پانی پینا ہے، اس کے ساتھ کوئی برائی نہ کرو
عَذَابُ يَوْمٍ عَظِيْمٍ فَعَقَرُوْهَا	ورنہ ایک بڑے دن کا عذاب تم کو آلے گا، تو
فَاَصْبَحُوْا نٰدِمِيْنَ فَاَخَذَهُمُ	انھوں نے اسکی کونچیں کاٹ ڈالی، پھر نادم ہوئے
الْعَذَابُ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً	تو عذاب نے انھیں آگھیرا، اس واقعہ میں بڑی نشانی
وَمَا كَانَ اَكْثَرُهُمْ مُّؤْمِنِيْنَ	ہے، صالح کی قوم کے لوگ اکثر مومن نہ تھے۔

محمد ﷺ کے مخالفوں اور معاندوں کی نفسی کیفیت بھی یہی تھی کہ ان کو نشانیاں دکھائی جاتی تھیں، مگر انھیں عناد کی کور باطنی کے باعث ان سے تسکین نہیں ہوتی تھی، چنانچہ کفار قریش کے حال میں قرآن مجید کا بیان ہے

وَمَا تَاْتِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ مِّنْ اٰيٰتِ	ان کے پاس خدا کی نشانیوں میں سے کوئی نشانی

رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ — نہیں آتی لیکن وہ اس سے اعراض کرتے ہیں

فَقَدْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ — حق ان کے پاس آیا تو انھوں نے اسکو جھٹلا دیا

فَسَوْفَ يَاْتِيْهِمْ اَنْۢبٰٓؤُا مَا كَانُوْا — تو عنقریب جس چیز کا مذاق اڑاتے ہیں، اسکی

بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ (انعام-۱) — حقیقت ان کو معلوم ہوگی،

ایک موقع پر قرآن مجید نے اسی واقعہ کو بیان کیا ہے کہ جب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقِ نبوت کی کوئی نشانی ظاہر ہوتی ہے تو معاندین قریش کہتے ہیں کہ ان نشانیوں سے ہم کو تسکین نہ ہوگی، جب تک گذشتہ پیغمبروں کی طرح خود ہم کو بھی وہی نشانیاں نہ دی جائیں، یعنی نبوت کے تمام آثار و کیفیات خود ہم پر طاری نہ ہوں، تاکہ ہم کو دھوکہ اور فریب کا شبہ نہ رہے: خدا نے کہا کہ یہ نبوت ہر ایک کا حصہ نہیں۔

وَاِذَا جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰى نُؤْتٰى مِثْلَ مَآ اُوْتِىَ رُسُلُ اللّٰهِ اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ (انعام-۱۵)

اور جب ان (کفار قریش) کے پاس کوئی نشانی آتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم اس وقت تک نہ مانیں گے جب تک ہم کو بھی وہ کچھ نہ دیا جائے جو خدا کے پیغمبروں کو دیا گیا ہے، خدا بہتر جانتا ہے کہ وہ اپنی

اس لیے بالآخر معاندین کی طلب معجزہ سے تغافل برتا جاتا ہے

ان تمام منازل کے طے ہونے کے بعد بالآخر معاندین پر حجت تمام ہو جاتی ہے، اور پھر طلب معجزہ کے لیے ان کے پیہم اصرار الحاح اور طلب کی کوئی پروا نہیں کیجاتی، اور صرف عذاب الٰہی کی آخری نشانی ان کے لیے باقی رہ جاتی ہے، انجیل کے مطابق حضرت عیسیٰؑ نے تمام انبیاء سے زیادہ معجزات اور نشانیاں

دکھائیں، تاہم فریسی یہودیوں کو معجزہ کی تشنگی باقی رہ گئی، اور ہر ملاقات میں انھوں نے معجزہ کی نئی فرمائش کی،

"تب فریسی نکلے اور اس سے (حضرت عیسیٰؑ) حجت کرکے اس سے امتحان کے لیے کوئی آسمان سے نشان چاہا۔" (مرقس ۸-۱۱)

حضرت عیسیٰؑ نے آہ سرد بھر کر فرمایا،

"اس زمانہ کے لوگ کیوں نشان چاہتے ہیں، میں تم سے کہتا ہوں کہ زمانہ کے لوگوں کو کوئی نشان نہ دیا جائے گا۔" (مرقس ۸-۱۲)

ایک دفعہ حضرت عیسیٰ نے ایک گونگے کو اچھا کیا، بعضوں نے کہا کہ

"یہ بعل زبول دیوتا کی مدد سے ایسے عجیب کام کرتا ہے، اور اوروں نے آزمایش کے لیے اس سے ایک آسمانی نشان مانگا۔" (لوقا ۱۱-۱۶)

حضرت عیسیٰؑ نے ان کے جواب میں فرمایا،

"اس زمانہ کے لوگ برے ہیں، وہ نشان ڈھونڈھتے ہیں، پر کوئی نشان ان کو نہ دیا جائے گا، مگر یونس نبی کا نشان۔" (لوقا ۱۱-۲۹)

اللہ تعالیٰ نے معاندین قریش کے جواب میں قرآن مجید میں اسی نکتہ کا اظہار فرمایا،

وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ	۱۷	اور ہم کو نشانیوں کے بھیجنے سے صرف اس امر
اِلَّآ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ	۵۹	نے باز رکھا کہ پہلوں نے ان کو جھٹلایا۔

قرآن مجید میں چار پانچ مقام پر مذکور ہے کہ عہد محمدی کے معاندین نے کہا

لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ — محمدؐ پر اس کے خدا کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نہیں اتاری جاتی، (سورہ عنکبوت - ۴)

اس کے جواب میں ان کو نبوت کی اصل حقیقت، انذار، تبشیر، اور ہدایت کی طرف متوجہ کیا گیا، اور خرقِ عادت کی کسی مزید نشانی کے دکھانے سے تغافل اور احتراز برتا گیا، عیسائی معترضین قرآن مجید کی ان آیتوں کو پیش کر کے کہتے ہیں کہ "محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے معجزہ دکھانے سے اس لیے انکار کیا کہ ان کو خدا کی طرف سے کوئی معجزہ نہیں ملا تھا" اگر ان آیتوں سے یہ استنباط صحیح ہے تو انجیل کی جو آیتیں ہم نے اوپر نقل کی ہیں، ان کا مطلب کیا ہوگا، کیا حضرت عیسیٰؑ کا فریسیوں کو معجزہ دکھانے سے انکار کرنا بھی یہی نتیجہ ظاہر کرتا ہے، کہ نعوذ باللہ ان کو کوئی معجزہ خدا کی طرف سے نہیں ملا تھا،

معجزہ کے انکار یا تاخیر کے اسباب اصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کائناتِ روحانی کو بھی ایک نظام اور اصول کے ماتحت رکھا ہے، اس بنا پر ہم کو ضرورت ہے کہ ان مصالح اور اسباب کا پتہ لگائیں جن کی بنا پر، باوجود قدرت اور شدت ضرورت کے معجزات سے کلیۃً انکار کیا گیا ہے یا ان کے ظہور میں تاخیر ہوئی ہے، قرآن مجید کے مواقع مطالعہ سے ان اسباب کو ذیل کی صورتوں میں محدود کیا جا سکتا ہے،

(۱) معجزات کے ذریعہ سے جو لوگ ایمان لاتے ہیں، انکا ایمان محض جبری، تقلیدی، اور بالواسطہ ہوتا ہے، وہ لوگ اپنے دل میں انبیاءؑ کے محاسن تعلیم کا کوئی خاص ذوق نہیں پاتے صرف معجزات کی قوت، اور اچنبھے ان کو متحیر اور مبہوت کر دیتی ہے، حالانکہ انبیاءؑ کی تعلیم

کا سب سے بڑا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ان کی جماعت میں ایسے افراد شامل ہوں جو شریعت کے رمز شناس اور اس کے اسرار و حکم سے ذوق آشنا ہوں،

یہی حالت ہے جس کو قرآن مجید نے "شرح صدر" اور انشراحِ قلب سے تعبیر کیا ہے،

فمن یُّرِدِ اللّٰہُ اَنْ یَّھْدِیَہٗ یَشْرَحْ	جس کو خدا ہدایت دینا چاہتا ہے، اس کے سینہ کو
صَدْرَہٗ لِلْاِسْلَامِ (انعام-۱۸)	قبول اسلام کے لیے کھول دیتا ہے،

اس قسم کے لوگوں کے لیے معجزات کی ضرورت نہیں ہوتی، ان کے لیے آفتاب و ماہتاب، آسمان و زمین، دن اور رات، غرض دنیا کا ایک ایک ذرہ معجزہ ہوتا ہے، اور خدا کے وجود، خدا کی وحدانیت، اور پیغمبر کی نبوت پر بلاواسطہ دلالت کرتا ہے، ان کے لیے صرف تفکر اور بصیرت کی ضرورت ہوتی ہے، یہی گروہ ہے، جس پر سب سے زیادہ انبیاء کی نگاہ انتخاب پڑتی ہے، اور وہ ان کو صرف تفکر و اعتبار کی ترغیب دیتے ہیں، اس گروہ کے بالمقابل ایک کور باطن فرقہ اور بھی ہوتا ہے، جس پر نظام فطرت کے دوسرے شواہد و آیات کی طرح معجزات کا بھی کوئی خاص اثر نہیں پڑ سکتا، انبیاء کو ابتداے بعثت میں ان ہی دو گروہوں سے سابقہ پڑتا ہے اور چونکہ فطرۃً ایک معجزات سے بے نیاز ہوتا ہے، اور دوسرے پر معجزات کا کوئی اثر نہیں پڑ سکتا اس لیے ان دونوں گروہوں کے لیے معجزات بیکار ہوتے ہیں، اور اس بنا پر انبیاء ان کے پیش کرنے سے انکار کرتے ہیں، اسی نکتہ کو خداوند تعالیٰ نے ان آیتوں میں بیان کیا ہے،

قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ	کہہ کر دیکھو آسمان و زمین میں کس قدر نشانیاں ہیں
الْاَرْضِ وَمَا تُغْنِی الْاٰیٰتُ وَالنُّذُرُ	اور نشانیاں اور ڈرانے، تو اس قوم کے لیے کچھ

عَنْ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ (یونس-۱۰۱)

بھی کچھ مفید نہیں، جو ایمان نہیں لانا چاہتی۔

وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ اَنَابَ (رعد-۴)

اور کفار کہتے ہیں کہ اس پر خدا کی طرف سے کوئی معجزہ کیوں نہیں اترتا، کہہ خدا جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے، اور جو اس کی طرف رجوع کرتا ہے، اس کو ہدایت کرتا ہے۔

(۲) بعض دفعہ معاندین ایسی نشانیوں کے طلبگار ہوتے ہیں جن کے بارے متحمل: قوت انسانی کے دوش و بازو نہیں ہو سکتے، خدا کا خود انسانوں کے سامنے آنا، خدا کا خود ہر انسان سے باتیں کرنا، فرشتوں کا نظر نہ آنا، آسمان سے کوئی مجسم کتاب اتارنا، بازیگر کی طرح پیغمبر کا آسمان پر چڑھنا کفار کی طرف سے جب اس قسم کے معجزات طلب کیے جاتے ہیں، تو انبیاء کو ہمیشہ انکار کرنا پڑتا ہے، اور اس انکار کا منشا خود منکرین کی فطرت ہے،

يَسْئَلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ فَقَدْ سَاَلُوْا مُوْسٰٓى اَكْبَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَقَالُوْٓا اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ بِظُلْمِهِمْ (نساء-۲۲)

تم سے یہود کہتے ہیں کہ ان کے اوپر آسمان سے ایک کتاب اتار دو، لیکن ان لوگوں نے تو موسیٰ سے اس سے بھی بڑا سوال کیا تھا یعنی انہوں نے کہا تھا کہ ہمیں خدا کو کھلم کھلا دکھا دو، اس ظلم کا جو انھوں نے اپنے اوپر کیا، یہ نتیجہ ہوا کہ ایک چمک نے ان کو دبا دیا۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ لَوْلَا

اور جن لوگوں کو علم نہیں وہ کہتے ہیں کیوں

يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ اَوْ تَاْتِيْنَا اٰيَةٌ كَذٰلِكَ قَالَ	خدا ہم سے باتیں کرتا، یا کوئی نشانی ہمارے پاس
الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ	نہیں آتا، اسی طرح ان سے پہلے لوگوں نے بھی کہا
تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ (بقرہ-۱۴)	دونوں کے دل ایک سے ہیں،
لَوْمَا تَاْتِيْنَا بِالْمَلٰٓئِكَةِ اِنْ كُنْتَ	کیوں نہیں فرشتوں کو ہمارے پاس لے آتے
مِنَ الصّٰدِقِيْنَ مَا نُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ	اگر تم سچے ہو (خدا کہتا ہے) ہم فرشتوں کو نہیں
اِلَّا بِالْحَقِّ وَمَا كَانُوْٓا اِذًا مُّنْظَرِيْنَ	اتارتے لیکن حق کے ساتھ، اگر وہ ان کافروں
(حجرات-۱)	کے سامنے اتریں تو پھر انکو مہلت نہ دیجا سکے گی،

(۳) مادیت کی ترقی کے زمانہ میں تمام فضائل و محاسن کا مرکز صرف دولت، جائداد مال و اسباب ہوتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ عام لوگ اخلاق و عادات، تمدن و معاشرت، رسم و رواج غرض تمام چیزوں میں امرا کی تقلید کرتے ہیں، لیکن انبیاء ہمیشہ اپنی معاشرت اپنی وضع، اپنے لباس غرض اپنی ایک ایک ادا سے یہ ثابت کرتے ہیں کہ فضائل کا منبع صرف روح ہے، اور زخارفِ دنیوی سے ان کو کوئی تعلق نہیں،

اسی بنا پر جب منکرین انبیاء سے اس قسم کے معجزات طلب کرتے ہیں جو امرا کے ساتھ مخصوص ہیں، تو انبیاء کو عموماً ان کا انکار کرنا پڑتا ہے،

وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ	اور ان لوگوں نے کہا کہ یہ پیغمبر کیوں کھاتا ہے
الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ	اور کیوں بازاروں میں چلتا پھرتا ہے، کیوں
لَوْلَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُوْنَ	اس پر ایک فرشتہ نہیں اترتا جو اسکے ساتھ لوگوں

مَعَهٗ نَذِيْرًا اَوْ يُلْقٰٓى اِلَيْهِ كَنْزٌ — کوڑا ئے یا اس پر کوئی خزانہ کیوں نہیں اتارا جاتا

اَوْ تَكُوْنُ لَهٗ جَنَّةٌ يَّاْكُلُ مِنْهَا — یا اسکے پاس کوئی باغ کیوں نہیں ہے جس سے

وَقَالَ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ — وہ کھائے۔ اور ظالموں نے کہا تم صرف ایک ایسے

اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا (فرقان-۱) — شخص کا اتباع کرتے ہو جس پر کسی نے جادو کر دیا ہے،

(۵) آیت بالا سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اس انکار کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ کفار کا عام خیال یہ تھا کہ خدا کی طرف سے جو قاصد بن کر آئے اس کو مرتبۂ بشریت سے بالاتر ہونا چاہیے، اور اسکو بے انتہا خدائی قدرتیں حاصل ہونی چاہئیں، اس بنا پر جب اس قسم کے معجزے طلب کیے جاتے ہیں جن سے اس ظن فاسد کی تائید ہوتی ہے تو انبیاء ان سے انکار کرتے ہیں،

قُلْ لَّآ اَقُوْلُ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ — کہدیں یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس خدا کے خزانے

وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ — ہیں اور نہ میں غیب کی باتیں جانتا ہوں۔ اور

اِنِّيْ مَلَكٌ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى — نہ میں نے یہ کہا کہ میں فرشتہ ہوں، میں تو صرف

اِلَيَّ۔ (انعام-۵) — وحی کا اتباع کرتا ہوں،

(۶) متحدی بہ معجزات یعنی وہ معجزات جو کفار کے مطالبہ پر صادر ہوتے ہیں، انکی تاخیر کا ایک بڑا سبب یہ ہے کہ ایسے معجزات پر ایمان نہ لانے کے بعد، پیغمبر کو ہجرت کا حکم ہوتا ہے، اور منکرین کا گروہ ہلاک کر دیا جاتا ہے، چنانچہ اسکی مثالیں قوم نوح، نمرود اور فرعون سے لیکر قریش تک کی تمام تاریخیں پیش کرتی ہیں، اور قرآن مجید نے اس کو تصریح بیان کر دیا ہے، حضرت صالحؑ کی امت نے ان سے نشانی طلب کی، خدا نے کہا، نشانی تمھیں دکھائی جائے گی

لیکن اس کے بعد بھی ایمان نہ لائے تو تمھاری ہلاکت یقینی ہے،

وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ	اور ہم نے نشانیاں بھیجنا اسلیے موقوف کیا
اِلَّآ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ	اگلوں نے ان کو جھٹلایا، اور ہم نے ثمود کو
وَاٰتَيْنَا ثَمُوْدَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً	اونٹنی کی نشانی دی سمجھانے کو اور پھر
فَظَلَمُوْا بِهَا وَمَا نُرْسِلُ بِالْاٰيٰتِ	اُس کا حق نہ مانا، اور نشانیاں جو ہم بھیجتے
اِلَّا تَخْوِيْفًا (بنی اسرائیل-۶)	ہیں تو ڈرانے کو،

لیکن جس طرح افراد کی موت وحیات کا ایک زمانہ مقرر ہے، اسی طرح قوموں کی ہلاکت وبربادی کی بھی ایک خاص مدت متعین ہے،

وَلِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ (اعراف-۳۴ ویونس)	ہر قوم کا ایک زمانہ مقرر ہے،

اس لیے اس قسم کے معجزات کے ظہور میں اس مدتِ معینہ تک کے لیے تاخیر کی جاتی ہے، اور پیغمبر اور مامورین دونوں اس کے منتظر رہتے ہیں،

وَيَقُوْلُوْنَ لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ	اور وہ لوگ کہتے ہیں کہ کیوں اس پر خدا کی طرف
اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَقُلْ اِنَّمَا الْغَيْبُ	سے کوئی نشان نہیں اترتا؟ کہہ کہ غیب صرف
لِلّٰهِ فَانْتَظِرُوْٓا اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ	خدا کیلئے مخصوص ہے، تم لوگ اسکے ظہور کا
الْمُنْتَظِرِيْنَ (یونس-۲)	انتظار کرو، میں بھی تمھارے ساتھ منتظر ہوں،

یہی سبب ہے کہ جن انبیاء کو اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کا مظہر اتم بنایا، ان کے ہاتھوں سے تحدی اور مطالبہ کے معجزوں کے صدور میں تاخیر برتی جاتی تھی،

حضرت عیسیٰؑ کے متعلق انجیل کی آیتیں گذر چکی ہیں کہ یوں تو اُن سے بیسیوں معجزے سرزد ہوتے تھے، مگر تحدی اور مطالبہ کے معجزہ سے انھوں نے بالعموم انکار کیا کہ وہ بنی اسرائیل کو تباہ و برباد دیکھنا نہیں چاہتے تھے، یہاں تک کہ حواریین نے جب زیادتِ اطمینان اور ترقیِ ایمان کے لیے معجزہ کی فرمایش کی تو خدا نے جواب دیا،

اِنِّیْ مُنَزِّلُهَا عَلَیْكُمْ فَمَنْ یَّكْفُرْ	میں یہ آسمانی خوان تم پر اتار سکتا ہوں لیکن
بَعْدُ مِنْكُمْ، فَاِنِّیْٓ اُعَذِّبُهٗ	اس کے بعد بعد اگر تم میں سے کسی نے انکار کیا
عَذَابًا لَّآ اُعَذِّبُهٗٓ اَحَدًا	تو میں اس کو ایسا سخت عذاب دوں گا
مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ (مائدہ ۱۵-۵)	کہ دنیا میں کسی کو نہ دیا ہوگا،

غرض کائناتِ روحانی کا یہی اصول پیشِ نظر تھا، جس کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کفار کے مطالبہ کی پروا نہیں کرتے تھے. کیونکہ آپ جانتے تھے کہ ان کے مطالبہ اور تحدی کے مطابق معجزہ آنے کے بعد ان کو پھر فرصت نہ دیجا سکے گی اور وہ برباد ہو جائیں گے۔

چنانچہ معاندین قریش آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ معجزہ طلب کرتے تھے کہ فرشتوں کو ہماری آنکھوں کے سامنے لے آؤ، خدا نے کہا کہ اگر وہ سامنے آئیں بھی تو انسانوں کی صورت میں آئیں گے، اور تم کو پھر وہی شبہہ رہ جائیگا، علاوہ ازیں قانونِ الٰہی میں یہ آخری حجت ہے، اگر فرشتے اتر آئے اور اس سے بھی تمھاری تسلی نہ ہوئی تو پھر تم کو اس مطالبہ کے معجزہ کے بعد مہلت نہ مل سکے گی، اور تم ہلاک و برباد کر دیے جاؤ گے،

لَوْمَا تَاْتِیْنَا بِالْمَلٰٓئِكَةِ اِنْ كُنْتَ	کیوں تم فرشتوں کو ہمارے پاس نہیں لے آتے

مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ مَا نُنَزِّلُ	اگر تم سچے ہو، خدا کہتا ہے فرشتوں کو حق کیساتھ
الْمَلٰٓئِكَةَ اِلَّا بِالْحَقِّ وَمَا كَانُوْٓا	اتارتے ہیں، اگر وہ اتریں تو پھر تم کو اس وقت
اِذًا مُّنْظَرِيْنَ (حجر-۱)	مہلت نہ دی جاسکے گی۔

(۷) معاندین عموماً پیغمبروں کو جھوٹا جان کر یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ جس آخری معجزۂ عذاب کی تم دھمکی دیتے ہو، وہ آخر کب آئیگا، اور وہ جلد کیوں نہیں آتا؟ چونکہ اپنی نافہمی سے اُن کو یقین ہوتا ہے کہ یہ معجزانہ عذاب ظاہر نہ ہوگا، اس لیے وہ اس کا مطالبہ بار بار کرتے ہیں، تاکہ لوگوں میں پیغمبر کی سبکی ہو، اور ہماری طرح اور لوگ بھی اس کو کاذب تسلیم کرلیں، چنانچہ قرآن مجید میں بار بار ہر قرن کے کافروں کے اس مقولہ کو دہرایا گیا ہے، اور اسکا جواب دیا گیا ہے، حضرت شعیبؑ کی امت نے کہا،

وَاِنْ نَّظُنُّكَ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝	اور ہمارے خیال میں تم جھوٹے ہو،
فَاَسْقِطْ عَلَيْنَا كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ	اگر سچے ہو تو ہم پر آسمان کا ایک
اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ (شعراء)	ٹکڑا گرا دو۔

لیکن اس کے لیے خدا کے ہاں ایک قانون مقرر ہے۔

لِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ اِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ	ہر قوم کا ایک وقت مقرر ہے تو جب اس کا
فَلَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا	مقررہ وقت آجاتا ہے تو پھر نہ ایک گھڑی وہ
يَسْتَقْدِمُوْنَ ۝ قُلْ اَرَءَيْتُمْ	دیر کرسکتے ہیں، اور نہ جلدی، کہدو اے پیغمبر
اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُهٗ بَيَاتًا اَوْ نَهَارًا	بھلا دیکھو تو اگر خدا کا عذاب راتوں رات یا دن کو

مَاذَا يَسْتَعْجِلُ مِنْهُ الْمُجْرِمُوْنَ

آپہنچے تو یہ گنہگار جلدی کرکے کیا کرلیں گے

اَثُمَّ اِذَا مَا وَقَعَ اٰمَنْتُمْ بِهٖ ؕ
آٰلْئٰنَ وَقَدْ كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ

کیا جب آنے والا واقعہ آجائیگا تب تم ایمان لاؤگے، اب ایمان لاتے ہو! حالانکہ تم تو اسی کی جلدی کر رہے تھے،

(یونس - ۵)

عقیدۂ معجزات کی اصلاح قرآن مجید کے مطالعہ سے یہ حقیقت واضح اور نمایاں ہو جاتی ہے کہ اس کی نظر میں ان ظاہری معجزات کی چنداں وقعت نہیں، وہ لوگوں کو ہمیشہ اصل روحِ نبوت کی طرف متوجہ کرتا ہے، اور اس کے خاص اسباب ہیں، اسلام دنیا میں دین الٰہی کی تکمیل اور گذشتہ مذہبی اغلاط کی تصحیح کے لیے آیا تھا، ان ظاہری معجزات نے گذشتہ قوموں میں بہت سے فاسد عقیدے پیدا کر دیے تھے، جن انبیاءؑ اور بزرگوں سے بکثرت معجزات صادر ہوئے۔ ان میں الوہیت اور خدائی کا عنصر تسلیم کیا گیا، اور اس طرح توحید اور نبوت کی اصلی حقیقت جس پر دین الٰہی کی بنیاد ہے، متزلزل ہو گئی، اس لیے قرآن مجید نے نہایت وضاحت، نہایت صفائی اور نہایت تصریح کے ساتھ ان غلطیوں کا پردہ چاک کیا، اور دنیا میں توحید اور نبوت کی اصل حقیقت اس استواری اور مضبوطی کیساتھ قائم کر دی کہ آئندہ فساد اور سوء عقیدہ کے سیل و طوفان سے اس کو گزند پہنچنے کا خطرہ باقی نہ رہا،

(۱) سب سے پہلے اس نے یہ حقیقت واضح کی کہ نبوت اور ظاہری معجزات میں کوئی تلازم نہیں، اور یہ آثار و دلائل، اصل نبوت سے خارج امور ہیں، نبوت کے اصل لوازم وحی، مخاطبۂ الٰہی، تزکیہ، انذار، تبشیر، تعلیم، اور ہدایت ہیں، جیسا کہ ان کی تفصیل پہلے

گذر چکی ہے، اس بنا پر جب معاندین نے معجزہ کا مطالبہ کیا ہے تو قرآن مجید نے اکثر اس کے جواب میں نبوت کی اصلی حقیقت کی طرف ان کو متوجہ کیا ہے،

وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ لَوْلَا	اور جن کو علم نہیں وہ کہتے ہیں خدا خود ہم سے کیوں
يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ اَوْ تَاْتِيْنَآ اٰيَةٌ ط	باتیں نہیں کرتا یا ہمارے پاس کوئی نشانی
كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ	کیوں نہیں آتی، ان سے پہلے لوگوں نے
مِّثْلَ قَوْلِهِمْ تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ ط	بھی اسی طرح کہا تھا، دونوں کے دل ایک ہی
قَدْ بَيَّنَّا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ	قسم کے ہو گئے، ہم نے تو نشانیاں اُن لوگوں
اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا	کے لیے کھول دی ہیں جو یقین کرتے ہیں، اے محمد!
وَّنَذِيْرًا وَّلَا تُسْئَلُ عَنْ اَصْحٰبِ	ہم نے تجھکو سچائی دے کر نیکوکاروں کو خوشخبری
الْجَحِيْمِ ط	سنانے والا اور بدکاروں کو ڈرانے والا بنا کر
.....	بھیجا ہے (جنکو اب بھی یہ نشانیاں نہ نظر آئیں)
(بقرہ ۸-۱۴)	تو ان دوزخیوں کا حال تجھ سے نہ پوچھا جائیگا۔
وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيٰتٌ	اور وہ کہتے ہیں کہ اس پر اُسکے پروردگار کیطرف سے
مِّنْ رَّبِّهٖ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ	نشانیاں کیوں نہیں اترتی ہیں، کہدے کہ
عِنْدَ اللّٰهِ وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ	نشانیاں تو خدا کے پاس ہیں، اور میں تو کھلا
اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ	ڈرانے والا ہوں، کیا ان کافروں کو یہ نشانی
الْكِتٰبَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ (عنکبوت-۵)	کافی نہیں کہ ہم نے تجھ پر کتاب اتاری جو ان کو پڑھ کر سنا رہی ہے۔

وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَآ	اور کافر کہتے ہیں کہ اس پر کوئی نشان اُس کے
اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ	پروردگار کی طرف سے کیوں نہیں اتارا جاتا،
اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّلِكُلِّ قَوْمٍ	اے محمد تو تو ڈرانے والا ہے، اور ہر قوم کا
هَادٍ (رعد - ۱)	ایک ہدایت کرنے والا ہوتا ہے۔

(۳) قرآن مجید نے نہایت وضاحت اور تکرار کے ساتھ اس حقیقت کا اعادہ کیا ہے کہ ہمارا پیغمبر بشر اور خالص بشر ہے، اس میں الوہیت کا کوئی شائبہ نہیں ہے، اور اس لیے وہ اپنی طرف سے خدا کے حکم کے بغیر کچھ نہیں کر سکتا۔

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى	میں بھی تمہاری طرح ایک آدمی ہوں، (البتہ)
اِلَيَّ (کہف - ۱۲ و حم السجدۃ - ۱)	مجھ پر وحی کی جاتی ہے۔

کفار قریش کا خیال تھا کہ پیغمبر کے ساتھ فرشتوں کا پرا ہونا چاہیے، کبھی کبھی خود خدا اس کے سامنے آکر نمایاں ہو، اس کے لیے سونے چاندی کا محل ہو، عجیب و غریب اقسام کے باغ اس کے قبضہ میں ہوں، ہمارے سامنے وہ آسمان پر چڑھے، اور وہاں سے ہمارے لیے کتاب اتار لائے،

وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى	اور کافروں نے کہا ہم تم پر اُس وقت تک ایمان
تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا	نہ لائیں گے، جب تک ہمارے لیے زمین سے
اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ	ایک چشمہ نہ بہا دو، یا تمہارے قبضہ میں کھجور
وَعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا	اور انگور کا ایک باغ نہ ہو، اور پھر تم اس کے

تَفْجِيرًا اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيلًا اَوْ يَكُوْنَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰى فِي السَّمَآءِ وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ ..... (بنی اسرائیل ۱۰)

بیچ میں نہریں نہ بہا دو، یا جیسا کہا کرتے ہو آسمان کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے ہم پر نہ گرا دو، یا خدا اور فرشتوں کو ضامن بنا کر لے آؤ یا تمہارے لیے سونے کا ایک گھر نہ ہو جائے، یا تم آسمان پر نہ چڑھ جاؤ، اور وہاں تمہارے آسمان پر چڑھنے کا یقین اس وقت تک ہم کو نہ آئیگا جب تک وہاں سے کوئی ایسی کتاب نہ اتار لاؤ جس کو ہم پڑھ سکیں،

ان سب کے جواب میں قرآن مجید آپ کو سکھاتا ہے،

قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا (بنی اسرائیل ۱۰)

کہدے اے پیغمبر! سبحان اللہ! میں کون ہوں ایک آدمی پیغمبر

قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّيْ مَلَكٌ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ (انعام - ۵)

اے پیغمبر! ان لوگوں سے کہدے کہ میں یہ تم سے نہیں کہتا کہ میرے پاس خدا کے خزانے ہیں اور نہ میں غیب کی باتیں جانتا ہوں اور نہ تم سے یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں، میں تو اس حکم کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف الہام کیا جاتا ہے

قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا اے پیغمبر! ان لوگوں سے کہدے کہ خود میرا

وَلَآ اَضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْٓءُ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝

(اعراف - ۲۳)

نفع اور نقصان بھی میرے قبضۂ اختیار میں نہیں، لیکن جو چاہے خدا! اور اگر میں غیب کی باتیں جانتا تو اپنا بہت سا فائدہ کر لیتا اور مجھ کو کوئی گزند نہ پہنچتا، میں تو صرف ڈرانے والا اور خوشخبری سنانے والا ہوں، ان لوگوں کو جو ایمان رکھتے ہیں۔

غور کرو کہ زمین سے باغ کا اگا دینا، یا سونے کا محل کھڑا کر دینا، یا چشمہ بہا دینا یا آسمان سے لکھی لکھائی کتاب اتار دینا، نہ خدا کی قدرت سے باہر تھا اور نہ اس رسول کے ان معجزات سے مافوق مطالبہ تھا جس کے ہاتھ سے چشمے بہ چکے تھے، جس کے اشارے سے درخت چل چکے تھے، یا جو معراج میں ساتوں آسمانوں کی منزلیں طے کر چکا تھا، لیکن چونکہ اگر اُن کے مطالبہ پر یہ امور واقع ہو جاتے تو وہ اگر بدعقیدگی کو راہ دیتے تو وہ آپ کو جادوگر کہہ دیتے، اور اگر خوش عقیدگی کا اظہار کرتے تو آپ کو نعوذ باللہ مافوق البشر تسلیم کر لیتے، اور یہ دونوں باتیں اصول اسلام کے منافی ہوتیں، اس لیے سرے سے انکے اس جاہلانہ مطالبہ کو رد کر دیا گیا کہ چند لوگوں کے ایمان و عدم ایمان کی خاطر نفس پیغام و دعوت کے اصول کی بیخکنی نہیں کی جا سکتی۔

(۳) عام لوگوں میں انبیاءؑ کی نسبت یہ غلط عقیدہ پیدا ہو گیا تھا کہ وہ براہ راست عالم کائنات کے تصرف پر قادر ہیں، چنانچہ موجودہ انجیل کے مصنفوں نے حضرت عیسیٰؑ

علیہ السلام کے معجزات کو جس طریقہ سے پیش کیا ہے، اس نے عیسائیوں کے دلوں میں یہ یقین پیدا کر دیا ہے کہ یہ تمام کائنات حضرت عیسیٰؑ کے قبضۂ قدرت میں تھی، اور وہ اس میں جس طرح چاہتے تھے تصرف کرتے تھے، یہی بنیادی پتھر ہے جس پر انجیل کے مصنفوں نے دین حق کی دیوار کج کھڑی کی، اور اسی کا نتیجہ ہے کہ توحید کی عمارت اس پر قائم نہ رہ سکی، قرآن مجید نے نہایت شدت اور نہایت اصرار سے یہ حقیقت واضح کی ہے کہ معجزات اور نشانات، پیغمبر کی قوت اور ارادہ سے نہیں، بلکہ خدا کی قدرت اور مشیت سے ظاہر ہوتے ہیں،

قُلْ اِنَّمَا الْاٰیٰتُ عِنْدَ اللّٰہِ	کہدے اے پیغمبر! کہ نشانیاں تو خدا
(انعام - ۱۳)	ہی کے پاس ہیں،
قُلْ اِنَّمَا الْاٰیٰتُ عِنْدَ اللّٰہِ	کہدے اے پیغمبر! کہ نشانیاں تو خدا
(عنکبوت - ۵)	ہی کے پاس ہیں،
قُلْ اِنَّ اللّٰہَ قَادِرٌ عَلٰی اَنْ	کہدے اے پیغمبر! کہ خدا کو قدرت ہے کہ
یُّنَزِّلَ اٰیَۃً (انعام - ۴)	وہ نشان اتارے،

سب سے زیادہ صاف اور صریح آیت یہ ہے،

وَمَا کَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ یَّاْتِیَ بِاٰیَۃٍ	کسی رسول میں یہ قدرت نہیں کہ وہ خدا
اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰہِ (رعد - ۶)	کی اجازت کے بغیر کوئی نشانی لائے۔

انجیل میں حضرت عیسیٰؑ کے معجزات جس عبارت اور لب و لہجہ میں بیان ہوئے ہیں،

ان کا صاف منشا یہ ہے کہ گویا حضرت عیسیٰؑ کو تمام کائنات کی بادشاہی سپرد کر دی گئی تھی۔ اس لیے وہ خاص اپنی قدرت اور اختیار سے جو چاہتے تھے کر دیتے تھے۔ قرآن مجید اس عقیدہ کو تسلیم نہیں کرتا۔ اس نے حضرت عیسیٰؑ کے تمام معجزات کو بیان کر دیا ہے، مگر اسی کے ساتھ اس عقیدۂ باطل کو بھی رد کرتا گیا ہے، اور نہایت تصریح کے ساتھ یہ ظاہر کر دیا ہے کہ یہ جو کچھ تھا خدا کی قدرت سے تھا حضرت عیسیٰؑ کے اختیار سے نہیں چنانچہ خود حضرت عیسیٰؑ کی زبان سے قرآن کہتا ہے،

اَنِّیْ قَدْ جِئْتُکُمْ بِاٰیَۃٍ مِّنْ رَّبِّکُمْ	میں تمہارے رب کی طرف سے ایک نشانی
اَنِّیْ اَخْلُقُ لَکُمْ مِّنَ الطِّیْنِ	لیکر آیا ہوں کہ میں مٹی سے پرندہ کی صورت
کَھَیْئَۃِ الطَّیْرِ فَاَنْفُخُ فِیْہِ فَیَکُوْنُ	کا جانور بناتا ہوں اور اس میں پھونک مارتا
طَیْرًا بِاِذْنِ اللّٰہِ وَاُبْرِئُ	ہوں تو وہ خدا کے حکم سے پرندہ ہو جاتا ہے،
الْاَکْمَہَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْیِ	اور مادر زاد اندھے اور کوڑھی کو اچھا اور
الْمَوْتٰی بِاِذْنِ اللّٰہِ (آل عمرٰن)	مردہ کو زندہ کرتا ہوں، خدا کے حکم سے

دوسرے موقع پر حضرت عیسیٰؑ پر اپنے احسانات جتاتے ہوئے خدا نے فرمایا

وَاِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّیْنِ کَھَیْئَۃِ	اور یاد کر جب تو مٹی سے پرندہ کی طرح صورت
الطَّیْرِ بِاِذْنِیْ فَتَنْفُخُ فِیْھَا فَتَکُوْنُ	میرے حکم سے بناتا تھا، پھر اس میں پھونک
طَیْرًا بِاِذْنِیْ وَتُبْرِئُ الْاَکْمَہَ	مارتا تھا تو وہ خدا کے حکم سے پرندہ ہو جاتا تھا،
وَالْاَبْرَصَ بِاِذْنِیْ وَاِذْ	اور تو اندھے کو اور کوڑھی کو میرے حکم سے

مُخْرِجُ الْمَوْتٰی بِاِذْنِیْ (مائدہ-۱۰) اچھا کرتا تھا اور جب مردے کو میرے حکم سے زندہ کرتا تھا،

یہ قرآن مجید کے اسی اظہارِ حقیقت اور خالص تعلیم کا اثر تھا کہ اسلام میں توحید اور نبوت کی حقیقتیں مشتبہ نہ ہوئیں اور پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) میں الوہیت کا ادنیٰ سا شائبہ بھی مسلمانوں نے کبھی تسلیم نہیں کیا۔ اور تمام دنیا کے مذاہب میں توحید کامل کی علمبردار صرف اسلام کے دست و بازو کو سپرد ہوئی۔

مسئلۂ اسباب و علل میں افراط و تفریط

عقیدۂ معجزات کے اصلاحات ہی کے تحت میں مسئلہ اسباب و علل سے بھی تعرض کرتا ہے جس نے دوسرے مذاہب کی طرح اسلام میں بھی دو فرقے پیدا کر دیئے ہیں۔ ایک فرقہ وہ ہے جو دنیا میں صرف اسباب و علل کے اختیارات کو تسلیم کرتا ہے۔ اور ان اختیارات کو ناقابلِ نسخ و تغیر مانتا ہے، اس کے نزدیک اس عالم میں جو کچھ ہوتا ہے وہ ان ہی مادی علل و اسباب کے ماتحت ہوتا ہے اور اُن میں کسی قسم کا رد و بدل اور نسخ و تغیر نہیں ہوتا، اور اس لیے وہ خرقِ عادت کو ممتنع اور محال یقین کرتا ہے، کیونکہ یہ اسباب و علل اور عالم کا یہ نظام کارِ سنتِ الٰہی ہے اور سننِ الٰہی میں تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا جیسا کہ قرآن مجید کی حسب ذیل آیتوں سے ثابت ہوتا ہے

وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا (فتح-۳)	تم خدا کی سنت (طریقہ) میں ہرگز تبدیلی نہ پاؤ گے
وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَحْوِيْلًا (ملائکہ-۵)	تم خدا کی سنت (طریقہ) میں ہرگز تغیر نہ پاؤ گے،
لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ (روم-۳)	اللہ کے بنائے کو بدلنا نہیں،

دوسرا فریق، اللہ تعالیٰ کو نظامِ خاص، قوانینِ فطرت اور اسباب و علل کا پابند ٹھہراتا اُس کی شانِ قدرت کے منافی سمجھتا ہے، اور وہ ان بیچ کے وسائط کے بغیر اس کو فرمانروائے مطلق یقین کرتا ہے، یہ فریق اپنے دعویٰ پر حسب ذیل دلیلیں پیش کرتا ہے،

فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيدُ (بروج) — وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے،

كَذٰلِكَ اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ (آل عمران) — اسی طرح خدا جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے،

وَيَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ (ابراہیم) — اور خدا جو چاہتا ہے وہ کرتا ہے،

اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ (حج - ۲) — بیشک خدا جو چاہتا ہے کرتا ہے،

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيدُ (بقرہ) — لیکن خدا جو چاہتا ہے کرتا ہے

اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيدُ (مائدہ) — بیشک اللہ جو چاہتا ہے حکم دیتا ہے،

اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيدُ (حج - ۲) — بیشک اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے،

ان آیتوں کے علاوہ حسبِ ذیل آیت قرآن مجید میں کم و بیش تغیر کے ساتھ آٹھ مقامات پر مذکور ہے،

وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ — اور خدا ہر چیز پر قادر ہے،

ان آیتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر شے کی علت صرف خدا کی قدرت، مشیت اور ارادہ ہے، اور اس لیے ہر قسم کے خرقِ عادت ممکن ہیں،

حقیقت یہ ہے کہ یہ دونوں فریق افراط و تفریط کے دو کنارے پر ہیں، اور انھوں نے قرآن مجید کی تمام آیتوں پر غور و تدبر کی نظر نہیں ڈالی ہے، جس سے کہ انھوں نے

اشیاء کے خواص وطبائع اور عقلی مصالح وحکم کا انکار کیا ہے،

قرآن مجید اسباب ومصالح کا قائل ہے

حالانکہ ان آیاتِ بالا کی بنا پر یہ دعویٰ کرنا کہ قرآن اسباب وعلل اور مصالح وحکم کا منکر ہے، کتاب الٰہی سے اپنی جہالت کا ثبوت پیش کرنا ہے، اور اللہ تعالیٰ کے صفاتِ کمالیہ اور اس کے حکیم ہونے کی نفی کرنا ہے،

قرآن مجید نے جا بجا مخلوقاتِ الٰہی میں تدبر اور تفکر کی دعوت دی ہے، اگر یہ صحیفۂ قدرت اسبابِ مصالح سے خالی ہوتا تو یہ دعوت بے سود تھی، قرآن ان عجائبِ قدرت کو آیاتُ اللہ کے نام سے تعبیر کرتا ہے، اور ان کے اسرار وحکم پر غور وفکر کرنے کا حکم دیتا ہے اور اسی دلیل سے خدا کی قادر وحکیم ہستی کے وجود پر استدلال کرتا ہے، اگر یہ چیزیں اسباب ومصالح سے خالی ہوتیں تو ان میں غور وفکر کرنا بے کار ہوتا، قرآن نے آسمان وزمین، چاند سورج، ہوا بادل، پھول، پھل، جسم وجان، ان میں سے ہر شے کو اللہ کی وسیع قدرت اور دقیق مصلحت کا اعلانِ عام قرار دیا ہے، اور انسان کو بار بار ادھر متوجہ کیا ہے،

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَ	آسمان اور زمین کے بنانے اور رات اور دن
اخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّ	کے بدلنے میں عقل والوں کے لیے نشانیاں ہیں،
الْاَلْبَابِ ۝ الَّذِیْنَ یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ	وہ جو اللہ کو اٹھتے بیٹھتے، اور لیٹے یاد کرتے
قِیَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِهِمْ وَ	ہیں، اور آسمان اور زمین کی پیدائش میں غور
یَتَفَكَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ	کرتے ہیں (اور کہتے ہیں) اے ہمارے پروردگار
الْاَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا	تو نے یہ بے فائدہ نہیں بنایا،

(آل عمران ۱۹۰)

خدا نے ان لوگوں کو جو اشیا کی پیدائش کو خالی از مصلحت جانتے ہیں، زجر فرمایا ہے

اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا	کیا تم یہ گمان کرتے ہو کہ ہم نے تم کو بے فائدہ
وَّاَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ	پیدا کیا ہے، اور تم ہمارے پاس نہیں
(مومنون-۶)	لوٹائے جاؤ گے۔
وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ	اور ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو اُن کے
وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ (دخان)	درمیان ہے، اُنکو محض کھیل کے لیے نہیں بنایا،
وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ	اور اسی خدا نے آسمان سے پانی اتارا، پھر
مَآءً فَاَخْرَجْنَا بِهٖ نَبَاتَ كُلِّ	ہم نے اس سے ہر شے کی روئیدگی پیدا کی
شَيْءٍ فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا	پھر ہم نے اس سے ہری کھیتی نکالی، اور اس سے
نُّخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا	تو بر تو دانے پیدا کیے، اور کھجوروں کے
وَمِنَ النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ	درخت سے اس کے گچھوں سے لٹکتے ہوئے
دَانِيَةٌ وَّجَنّٰتٍ مِّنْ اَعْنَابٍ	خوشے اور انگور اور زیتون اور سیب باہم
وَّالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا	جن کے میوے ایک ہی قسم کے اور مختلف
وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ اُنْظُرُوْٓا اِلٰى	اقسام کے بھی پیدا کیے، جب وہ
ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَيَنْعِهٖ	پھلتا ہے تو اُس کے پھل اور اس کے
(انعام-۱۲)	پکنے کو دیکھو۔

اگر ان چیزوں میں اللہ تعالیٰ مصالح و احکام کے آثار پوشیدہ نہ رکھتا تو اُن میں تفکر

وفکر کی دعوت کیوں دیتا، متعدد مقامات پر اللہ تعالیٰ نے مخلوقِ الٰہی کے "منافع" کی خاص تصریح فرمائی ہے۔

وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا لَكُمْ فِيْهَا دِفْءٌ	اور خدا نے جانوروں کو پیدا کیا، ان کے اُون
وَمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ، وَلَكُمْ	میں خوشگوار گرمی اور بہت سے فائدے ہیں، ان میں
فِيْهَا جَمَالٌ حِيْنَ تُرِيْحُوْنَ	سے بعض جانور تمھاری خوراک ہیں، اور تم کو
وَحِيْنَ تَسْرَحُوْنَ وَتَحْمِلُ	اُن سے رونق ہے، جب شام کو ان کو پھیر لاتے
اَثْقَالَكُمْ اِلٰى بَلَدٍ لَّمْ تَكُوْنُوْا	ہو، اور جب چراتے ہو، اور وہ تمھارے
بٰلِغِيْهِ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ	مال واسباب کو اس شہر تک اٹھائے چلتے ہیں
اِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ	جہاں تم بغیر سخت تکلیف کے نہیں لیجا سکتے
وَّالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ	تھے، بیشک تمھارا رب شفقت والا
لِتَرْكَبُوْهَا وَزِيْنَةً وَيَخْلُقُ	مہربان ہے، اور گھوڑے خچر اور گدھے
مَا لَا تَعْلَمُوْنَ وَعَلَى اللّٰهِ قَصْدُ	بنائے کہ تم ان پر سوار ہو، اور رونق ہو،
السَّبِيْلِ وَمِنْهَا جَآئِرٌ، وَلَوْ شَآءَ	اور وہ پیدا کرتا ہے جو تم نہیں جانتے، خدا ہی پر
لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ، هُوَ الَّذِيْ	ہے سیدھی راہ اور اس سے ہٹنے والے بھی
اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً لَّكُمْ	اُسی نے آسمان سے تمھارے لیے پانی اتارا،
مِّنْهُ شَرَابٌ وَّمِنْهُ شَجَرٌ	کچھ اس میں سے پینے کے کام آتا ہے اور کچھ
فِيْهِ تُسِيْمُوْنَ ۝ يُنْۢبِتُ لَكُمْ	سے درخت اگتے ہیں جن میں تم اپنے

الزَّرْعَ وَالزَّيْتُوْنَ وَالنَّخِيْلَ
وَالْاَعْنَابَ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ
اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ
يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝ وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ
وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَ
النُّجُوْمُ مُسَخَّرَاتٌ بِاَمْرِهٖ ۝ اِنَّ
فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ
وَمَا ذَرَاَ لَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُخْتَلِفًا
اَلْوَانُهٗ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً
لِّقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ۝ وَهُوَ الَّذِيْ
سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَاْكُلُوْا مِنْهُ لَحْمًا
طَرِيًّا وَّتَسْتَخْرِجُوْا مِنْهُ حِلْيَةً
تَلْبَسُوْنَهَا وَتَرَى الْفُلْكَ
مَوَاخِرَ فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ
فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ
. . . . . .
(نحل - ۱ - ۲)

جانور چراتے ہو، اس پانی سے خدا تمہارے لیے
کھیتی اگاتا ہے، اور زیتون چھوہارے، انگور
اور ہر قسم کے پھل پیدا کرتا ہے، اس میں غور
فکر کرنے والوں کے لیے بڑی نشانی ہے اور
اسی خدا نے رات اور دن اور سورج اور
چاند تمہارے کام میں لگائے اور تارے
اس کے حکم سے کام میں لگے ہیں، اس میں عقل
والوں کے لیے نشانیاں ہیں، اور جو بکھیرا
ہے تمہارے لیے زمین میں کئی رنگ کے غلے
اور دانے، اس میں ان کے لیے جو سوچتے
ہیں نشانی ہے، اور وہی خدا ہے جس نے
دریا کو کام میں لگایا ہے کہ تم اس سے تازہ
گوشت کھاؤ اور اس سے وہ موتی اور مونگے
نکالو جس کو زینت کا سامان بنا کر پہنتے ہو
اور تم دیکھو کہ کشتیاں اس دریا کو پھاڑتی ہوئی
چلتی ہیں اور اس واسطے کہ تلاش کرو
اس کی روزی کو اور شاید احسان مانو،

غور کرو، اگر ان چیزوں میں مصالح و حکم نہ ہوتے تو اللہ تعالیٰ ہم انسانوں کو ان چیزوں کی پیدائش پر شکر کا حکم کیوں دیتا،

بعض اشیاء کے مصالح اور اسباب کو خود قرآن مجید نے نہایت وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے، پہاڑوں کی مصلحت یہ ظاہر کی ہے،

وَاَلْقٰى فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ	اور اس نے زمین میں بڑے بڑے پہاڑوں کے گرد
اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ (نحل ۲۰)	ڈال دیے ہیں کہ زمین تم کو لے کر جھک نہ پڑے،

ستاروں کی پیدائش کی غرض بتائی،

وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ (نحل ۲)	اور ستاروں سے لوگ راہ پاتے ہیں،

رات کی پیدائش کی مصلحت یہ بتائی،

جَعَلَ لَكُمُ اللَّيْلَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ (یونس ۷)	اور اسی نے رات بنائی کہ تم سکون حاصل کرو،

چاند کے گھٹنے بڑھنے کی غایت یہ ظاہر کی،

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ قُلْ هِيَ	لوگ تجھ سے چاند کی نسبت دریافت کرتے ہیں،
مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ (بقرہ ۲۴)	کہدے کہ وہ لوگوں کیلئے وقت اور زمانہ کا معیار ہیں،

سایہ، آفتاب، رات، دن، ہوا اور پانی کے مصالح یہ تعلیم کیے،

اَلَمْ تَرَ اِلٰى رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ	کیا تو نے نہ دیکھا کہ تیرے رب نے سایہ کو کس طرح پھیلا رکھا ہے
وَلَوْ شَآءَ لَجَعَلَهٗ سَاكِنًا ثُمَّ جَعَلْنَا	اور اگر وہ چاہتا تو ایک ہی جگہ ٹھہرا رہتا، پھر سورج کو
الشَّمْسَ عَلَيْهِ دَلِيْلًا ثُمَّ قَبَضْنٰهُ اِلَيْنَا	سایہ کا رہنما بنایا پھر اس سایہ کو ہم اپنی طرف آہستہ آہستہ

يَقْبِضْنَ مَا يُمْسِكُهُنَّ إِلَّا الرَّحْمٰنُ (الملک ۱۹)	سمیٹ لیتے ہیں، اسی خدا نے رات کو تمہارا اوڑھنا
اللَّيْلَ لِبَاسًا وَّالنَّوْمَ سُبَاتًا وَّجَعَلَ	اور نیند کو آرام اور دن تمہارے جدوجہد کیلئے بنایا،
النَّهَارَ نُشُورًا وَهُوَ الَّذِي أَرْسَلَ	اسی خدا نے اپنے ابر رحمت کے آگے آگے ہواؤں کو خوشخبری
الرِّيَاحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهِ وَأَنْزَلْنَا	سنانے والا بنایا، اور ہم نے آسمان سے ستھرا
مِنَ السَّمَاءِ مَاءً طَهُورًا لِنُحْيِيَ بِهِ بَلْدَةً	اور نکھرا پانی اتارا کہ اس سے مردہ زمین کو زندہ
مَيْتًا وَنُسْقِيَهُ مِمَّا خَلَقْنَا أَنْعَامًا	کردیں اور چوپایوں اور بہت سے انسانوں
وَأَنَاسِيَّ كَثِيرًا (فرقان ۵)	کو اس سے سیراب کریں،

قرآن مجید نے اشیاء کے اسباب و علل ہونے کا بھی صاف اقرار کیا ہے، مثلاً جا بجا بارش کو کھیتی اور پھل پھول کے پیدا ہونے کا سبب بتایا ہے،

وَأَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجَ بِهِ	اور آسمان سے پانی برسایا اور اس پانی سے
مِنَ الثَّمَرَاتِ رِزْقًا لَّكُمْ (بقرہ ۳۶)	تمہاری روزی کے لیے پھل نکالے،

تمام ذی روح چیزیں پانی سے زندہ ہیں،

وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَابَّةٍ مِّنْ مَّاءٍ (نور ۶)	اور خدا نے ہر چلنے والے کو پانی سے پیدا کیا،
وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ (انبیاء ۳)	اور ہم نے ہر زندہ شے کو پانی سے بنایا

ہر قسم کے نباتات پانی سے اگتے ہیں،

هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً	اسی نے آسمان سے پانی برسایا، پھر ہم نے
فَأَخْرَجْنَا بِهِ نَبَاتَ كُلِّ شَيْءٍ (انعام ۱۲)	اس سے ہر چیز کی روئیدگی ظاہر کی،

باد صرصر اور آندھی ہلاکت اور بربادی کا ذریعہ ہے،

فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا صَرْصَرًا فِيْٓ اَيَّامٍ نَّحِسَاتٍ لِّنُذِيْقَهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ (حم السجدہ ۲۶)

ہم نے عاد کی قوم پر باد صرصر بھیجا منحوس دنوں میں تاکہ ہم ان کو رسوائی کا عذاب چکھائیں،

تُدَمِّرُ كُلَّ شَيْءٍۭ بِاَمْرِ رَبِّهَا (احقاف ۳)

ایسی آندھی جس میں دردناک عذاب تھا، جو خدا کے حکم سے ہر شے کو برباد کر دیتی ہے،

اِذْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الرِّيْحَ الْعَقِيْمَ مَا تَذَرُ مِنْ شَيْءٍ اَتَتْ عَلَيْهِ اِلَّا جَعَلَتْهُ كَالرَّمِيْمِ (الذّٰریات ۲)

یاد کرو جب ہم نے فائدہ نہ پہنچانے والی آندھی ان پر بھیجی، جو جس شے پر گذرتی تھی اس کو بوسیدہ ہڈی کی طرح کر دیتی تھی،

آگ جلاتی ہے،

تَلْفَحُ وُجُوْهَهُمُ النَّارُ (مومنین)

آگ ان کے چہروں کو جلا دیتی ہے،

آگ لکڑ طبعی سے پیدا ہوتی ہے،

اَلَّذِيْ جَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الشَّجَرِ الْاَخْضَرِ نَارًا

جس نے ہرے درختوں سے آگ کو پیدا کیا

قرآن مجید، اشیاء کے طبعی خواص کا بھی منکر نہیں، شراب میں خواص ہیں،

قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا (بقرہ ۲۷)

کہدے کہ شراب اور جوئے میں بڑا گناہ ہے اور ان میں لوگوں کے لئے فائدے بھی ہیں لیکن ان کا گناہ ان کے فائدے سے زیادہ ہے،

اون میں گرمی کی خاصیت ہے،

فِيْهَا دِفْءٌ (نحل)

جانوروں کے اون میں خوشگوار گرمی ہے،

پانی میں پیاس بجھانے اور درخت اگانے کی خاصیت ہے۔

هُوَ الَّذِیْ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً لَّکُمْ — وہی خدا آسمان سے پانی برساتا ہے، اس سے

مِنْهُ شَرَابٌ وَّمِنْهُ شَجَرٌ (نحل ۲) — پینا ہے، اور اس سے درخت ہیں۔

شہد میں صحت بخشنے اور بیماری دور کرنے کی خاصیت ہے

یَخْرُجُ مِنْ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ — شہد کی مکھیوں کے پیٹ میں سے پینے کی چیز نکلتی ہے

فِیْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ (نحل ۸) — جس کے کئی رنگ ہوتے ہیں، اس میں لوگوں کے لیے شفا ہے۔

لیکن علت حقیقی قدرت و مشیت ہے غرض ان آیات کریمہ سے یہ بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ قرآن مجید اسباب و علل، مصالح و حکم اور طبائع و خواص کے وجود کو تسلیم کرتا ہے، اور اس جماعت کا ساتھ نہیں دیتا جو کن چیزوں کا انکار کرتی ہے، اور یہ جانتی ہے کہ ان چیزوں کے تسلیم کرنے سے قدرت و مشیت الٰہی کے عقیدہ کا ابطال لازم آتا ہے، حالانکہ یہ تو اس وقت لازم آتا ہے جب ان اسباب علل اور طبائع و خواص کو خدا سے مستقل اور مستغنی تسلیم کیا جائے، اور قرآن اس کی تعلیم نہیں دیتا، قرآن کی تعلیم یہ ہے کہ اشیاء اسباب و علل سے پیدا ہوتی ہیں، اور ان میں طبائع و خواص ہیں لیکن یہ اسباب و علل اور طبائع و خواص خود خلاق عالم کے پیدا کردہ اور مقرر کردہ ہیں، اور وہ ان ہی پر عموماً کاربند رہتا ہے، لیکن وہ اس درجہ ان کا مجبور اور پابند نہیں کہ وہ ان میں تغیر نہ کر سکتا ہو، اور کبھی اپنے خاص حکم و ارادہ سے بھی وہ ان کو شکست نہ کر سکتا ہو، کیونکہ اس عقیدہ سے کفر پرورش پاتا ہے، اور خدا کی قدرت اور عظمت میں فرق آجاتا ہے، اسی لیے ہر موقع پر قرآن مجید نے اپنی تعلیم میں اس نکتہ کو ملحوظ رکھا ہے کہ اسباب و علل

کے ساتھ ساتھ خدا کی مشیت اور ارادہ کو پیش نظر رکھتا ہے، تاکہ انسانوں میں خدا کی معذوری، مجبوری اور عدم قدرت کا تصور نہ پیدا ہو، اور نہ اس کی مشیت و ارادہ پر خود اس کی مشیت و ارادہ کے سوا خارجی پابندیاں عائد ہوں، چنانچہ وہ تمام آیتیں جو اللہ تعالیٰ کی مشیت و ارادہ کے متعلق اوپر دوسرے فریق کی طرف سے پیش کی گئی ہیں، وہ اسی موقع کی ہیں۔ اور جن سے یہی تعلیم مقصود ہے۔

ہم نے اوپر اسباب و علل اور طبائع و خواص کے ثبوت میں جس قدر آیتیں لکھی ہیں، غور کرو، ان سب میں فعل کی نسبت اللہ تعالیٰ نے خود اپنی طرف کی ہے جس کا یہ مطلب ہے کہ ان موجودات کے اسباب و علل اور اشیاء کے طبائع و خواص خود اس نے اپنی مشیت و ارادہ اور اپنے حکم و امر سے بنائے ہیں، اور ہر جگہ اس کی توضیح کر دی ہے، تاکہ ظاہر میں انسان ان ظاہری علل و اسباب اور طبائع و خواص کو دیکھ کر اشیاء کی علت حقیقی کا انکار کر کے مبتلائے الحاد یا اسباب و خواص کو مستقلاً شریک تاثیر مان کر گرفتار شرک نہ ہو جائے، یہ انبیاء کی تعلیم کا خاص طریقہ ہے، اور قرآن نے اس نکتہ کو کہیں فراموش نہیں کیا ہے، یہاں تک کہ انبیائے کرامؑ اور بزرگان خاص کو بھی عادت جاریہ اور ظاہری علل و اسباب کے خلاف باور کرنے میں جب استعجاب اور استبعاد ہوا ہے، تو اللہ تعالیٰ نے ان کو متنبہ کیا ہے، اور ان کے اس استعجاب اور استبعاد کو اپنی قدرت اور مشیت کو یاد دلا کر رفع کیا ہے، حضرت سارہؓ کو پیرانہ سالی میں جب حضرت اسحاقؑ کی پیدائش کی بشارت دی گئی تو توراۃ اور قرآن دونوں میں ہے کہ ان کو اس پر سخت تعجب ہوا، انھوں نے کہا:

يَا وَيْلَتَىٰ ءَأَلِدُ وَأَنَا عَجُوزٌ وَهَٰذَا بَعْلِي شَيْخًا — اے خرابی ہے میں جنوں گی، اور میں بڑھیا ہوں، اور میرا

اِنْ هٰذَا لَشَیْءٌ عَجِیْبٌ (ھود) — یہ خاوند بوڑھا ہی، یہ تو بڑے تعجب کی بات ہی

فرشتوں نے جواب میں کہا،

اَتَعْجَبِیْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰہِ (ھود ۷) — (اے سارہ) کیا تم خدا کے کام سے تعجب کرتی ہو؟

اس قدر تنبیہ ان کے ایمان کی تازگی کے لیے کافی تھی،

حضرت زکریاؑ بوڑھے ہو گئے تھے، اور ان کی بیوی بانجھ تھیں، حضرت زکریاؑ کو اپنی اور اپنی بیوی کی حالت کا قطعی علم تھا لیکن وہ اپنی اور اپنی بیوی کی ظاہری عدم استعداد اور اسباب و علل کے نہ موجود ہونے کی صورت میں بھی خدا کی قدرت اور مشیت کے مؤثر حقیقی ہونے پر یقینِ کامل رکھتے تھے، چنانچہ اسی حالت میں انھوں نے ایک وارث کی دعا مانگی، مگر جب ان کو اجابتِ دعا کی بشارت دی گئی، تو تقاضاے بشریت سے کہ انسان ظاہری اسباب و علل کے دیکھنے کا عادی ہے، اس کمالِ ایمان کے باوجود ان کو یہ واقعہ مستبعد معلوم ہوا اور انھوں نے عرض کی،

رَبِّ اَنّٰی یَکُوْنُ لِیْ غُلَامٌ وَّکَانَتِ امْرَاَتِیْ — اے میرے رب! کہاں سے میرے لڑکا ہوگا میری بیوی بانجھ ہے،

عَاقِرًا وَّقَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْکِبَرِ عِتِیًّا (مریم ۱) — اور میں بوڑھا ہو گیا ہوں یہانتک کہ بڑھاپے سے اکڑ گیا ہوں

خدا نے اس کے جواب میں صرف اسی قدر فرمایا،

قَالَ کَذٰلِکَ قَالَ رَبُّکَ ھُوَ عَلَیَّ ھَیِّنٌ — کہا یوں ہی ہی تیرے رب نے کہا۔ یہ مجھ پر آسان ہی (زکریا)

وَقَدْ خَلَقْتُکَ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ تَکُ شَیْئًا (مریم) — تجھکو یاد نہیں) کہ میں نے تجھکو پیدا کیا اور تو کچھ نہ تھا۔

حضرت مریمؑ کو جب حضرت عیسیٰؑ کی خوشخبری دی گئی تو انھوں نے بھی ظاہری علل و اسباب

کے خلاف ہونے پر حیرت ظاہر کی۔

قَالَتْ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّلَمْ	مریم نے کہا میرے لڑکا کہاں سے ہوگا مجھکو
يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ وَّلَمْ اَكُ بَغِيًّا (مریم ۲)	کسی آدمی نے چھوا بھی نہیں اور میں کبھی بدکار تھی

فرشتے نے جواب میں کہا :

قَالَ كَذٰلِكِ ۚ قَالَ رَبُّكِ هُوَ	بولا یوں ہی ہے تیرے رب نے کہا وہ مجھ پر آسان
عَلَيَّ هَيِّنٌ وَّلِنَجْعَلَهٗٓ اٰيَةً لِّلنَّاسِ	ہے اور ہم اس کو لوگوں کے لیے نشانی بنانا
وَرَحْمَةً مِّنَّا (مریم ۲)	چاہتے ہیں اور اپنی طرف سے رحمت،

قرآن میں سنت اللہ کا مفہوم | وہ قرینِ جو خرقِ عادت اور خلافِ اسباب و علل کے محال ہونے پر قرآن مجید کی ان آیتوں سے استدلال کرتا ہے جن میں سنت الٰہی کے عدم تبدیل کا ذکر ہے، درحقیقت دانستہ یا نادانستہ مفہومِ قرآن کی تحریف کا مجرم ہے۔ قرآن مجید میں "سنت الٰہی" کا ایک خاص مفہوم ہے۔ اور اسی اصطلاحِ خاص میں یہ لفظ کئی جگہ قرآن مجید میں استعمال ہوا ہے، خیر و شر، حق و باطل، نور و ظلمت اور ظلم و انصاف جب باہم ٹکراتے ہیں تو بالآخر اللہ تعالیٰ خیر کو شر پر، حق کو باطل پر، نور کو ظلمت پر اور انصاف کو ظلم پر فتح اور کامیابی عطا کرتا ہے۔ گنہگار اور مجرم قومیں جب حق کی دعوت قبول نہیں کرتیں اور پند و موعظت ان کے لیے موثر نہیں ہوتی، تو اللہ تعالیٰ ان قوموں پر اپنا عذاب نازل کرتا ہے۔ اور وہ بالآخر بجلی کی کڑک، آسمانی گرج، زلزلہ کی تھرتھراہٹ، آندھی کی گھن گھراہٹ، دریا کے طوفان، پہاڑ کی آتش فشانی یا دشمن کی تلوار سے ہلاک و برباد ہو جاتی ہیں، یہ سنت الٰہی ہے، جو ہمیشہ سے قائم ہے، اور

ہمیشہ قائم رہے گی۔ اور اس میں کبھی کوئی فرق پیدا نہ ہوگا۔ قرآن مجید میں جہاں جہاں یہ لفظ آیا ہے اسی مفہوم میں آیا ہے، چنانچہ وہ تمام آیتیں ذیل میں لکھ دی جاتی ہیں تاکہ ناظرین کو شک و شبہ باقی نہ رہے۔

قریش۔ داعیٔ حق کو شہر مکہ سے نکالنے کی تیاری کرتے ہیں اور اس دعوت کو قبول کرنے سے علانیہ انکار کر دیتے ہیں۔ تو خدا فرماتا ہے۔

وَاِنْ كَادُوْا لَيَسْتَفِزُّوْنَكَ مِنَ	اور وہ (کفار قریش) تو تجھکو اس شہر سے لگے تھے
الْاَرْضِ لِيُخْرِجُوْكَ مِنْهَا وَاِذًا لَّا	گھبرانے تاکہ وہ تجھکو یہاں سے نکال دیں لیکن
يَلْبَثُوْنَ خِلٰفَكَ اِلَّا قَلِيْلًا سُنَّةَ	اگر ایسا ہو تو وہ تیرے بعد کم ٹھہریں گے۔ یہ دستور
مَنْ قَدْ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ رُّسُلِنَا	پڑا ہوا ہے ان رسولوں کا جن کو ہم نے تجھ سے
وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيْلًا (بنی اسرائیل)	پہلے بھیجا، اور تو اللہ کے دستور کو ٹلتے نہ پائے گا۔

مدینہ کے منافقین اپنی شرارت سے باز نہیں آتے، خدا فرماتا ہے۔

اَيْنَمَا ثُقِفُوْا اُخِذُوْا وَقُتِّلُوْا تَقْتِيْلًا	وہ جہاں پائے گئے پکڑے گئے اور مارے گئے۔
سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ	دستور پڑا ہوا ہے اللہ کا ان لوگوں میں جو پہلے
وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا (احزاب)	ہو چکے۔ اور تو اللہ کے دستور کو بدلتے نہ پائیگا۔

اس مفہوم کو واضح کرنے کے لیے سورہ فاطر کی حسب ذیل آیت سے بڑھ کر اور کون آیت ہو سکتی ہے؟

وَلَا يَحِيْقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ اِلَّا بِاَهْلِهٖ	اور بدی کا داؤ پیچ خود داؤ پیچ کرنے والوں پر الٹ

فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا سُنَّتَ الْاَوَّلِيْنَ	جاتا ہے تو کیا اب یہ کافر پہلی قوموں کے
فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا	دستور ہی کی راہ دیکھتے ہیں تو تم اللہ کے دستور
وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَحْوِيْلًا	کو ہرگز بدلتے پاؤ گے۔ اور نہ کبھی اللہ کے
اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا	دستور کو ٹلتے پاؤ گے۔ کیا وہ زمین میں پھرے
كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ	نہیں ہیں کہ دیکھتے کہ ان سے پہلی قوموں کا
قَبْلِهِمْ (فاطر ۵)	کیا انجام ہوا۔

صیبیہ کے موقع پر کفار قریش کو تنبیہ اور مسلمانوں کو تسکین دی جاتی ہے،

وَلَوْ قَاتَلَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوَلَّوُا	اور اگر یہ کافر لڑتے تو پیٹھ پھیر دیتے،
الْاَدْبَارَ ثُمَّ لَا يَجِدُوْنَ وَلِيًّا	پھر وہ کوئی حامی نہ پاتے اور نہ مدد گار۔
وَّلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ	اللہ کا دستور یہی ہے جو	
خَلَتْ مِنْ قَبْلُ ۚ وَلَنْ تَجِدَ	ہے۔ اور تم اللہ کے دستور کو بدلتے
لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا (فتح ۳)	نہ پاؤ گے۔

اب ان آیتوں کے پڑھ لینے کے بعد بھی سنۃ اللہ کے مفہوم کے سمجھنے میں کسر کیا باقی رہ سکتی ہے؟

قرآن میں فطرۃ اللہ کا مفہوم قرآن مجید کی ایک اور آیت ہے جس کو فریق اپنے ثبوت میں پیش کرتا رہتا ہے

فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ	خدا کی فطرت جس پر اس نے لوگوں کو

عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ (روم ۴) بنایا، خدا کے بنائے میں بدلنا نہیں۔

اس موقع پر اس آیت کو پیش کرنا قرآن مجید کی معنوی تحریف ہے۔ قرآن مجید کی اصطلاح میں فطرۃ اللہ سے مقصود توحید ہے۔ جس کو وہ دین فطری سے تعبیر کرتا ہے، چنانچہ اوپر کی پوری آیت اگر پیش نظر ہو تو یہ مفہوم خود بخود آئینہ ہو جاتا ہے۔ خدا فرماتا ہے

فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ؕ	سو باطل سے ہٹ کر اپنے آپ کو دین
فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ	پر سیدھا قائم رکھ، وہی اللہ کی فطرت
عَلَيْهَا ؕ لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ؕ	جس پر اس نے لوگوں کو بنایا ہے۔ خدا کے بنائے
ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ	میں بدلنا نہیں۔ یہی سیدھا دین ہے،
اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ (روم ۴)	لیکن بہت لوگ نہیں جانتے

قرآن مجید کی اس اصطلاح کی تفسیر ایک صحیح حدیث سے پوری طرح ہو جاتی ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

ما من مولود یولد الا علی الفطرۃ	کوئی بچہ ایسا نہیں جو فطرت پر پیدا نہیں ہوتا لیکن
فابواہ یھودانہ او ینصرانہ او	ماں باپ اس کو یہودی، نصرانی اور مجوسی بنا دیتے
یمجسانہ کما تنتج البھیمۃ جمعاء	ہیں جس طرح ہر جانور صحیح و سالم بچہ کرتا ہے کیا تم
ھل تحسون فیھا من جدعاء	دیکھا کہ کوئی کان کٹا بچہ بھی وہ جنتا ہے، اس کے بعد
یقول فطرۃ اللّٰہ التی فطر الناس الخ	آپ نے یہ آیت پڑھی خدا کی فطرت جس پر اس نے
(بخاری تفسیر سورہ روم)	لوگوں کو پیدا کیا" آخر آیت تک

معجزہ کا سبب صرف ارادۂ الٰہی ہے

الغرض اس تمام تفصیل سے یہ واضح ہوتا ہے کہ قرآن مجید نہ تو اسباب عادیہ کا منکر ہے، اور نہ عالم کے نظامِ کار کو علل و مصالح سے خالی تسلیم کرتا ہے، لیکن وہ ان تمام اسباب و علل سے مافوق ایک اور قادر اور ذی ارادہ ہستی کو فرمانروائے کل یقین کرتا ہے جس کی مشیت اور ارادہ کی قوت سے کائنات کی یہ مشین چل رہی ہے، معجزہ کا سبب اور علت براہ راست اس کی مشیت اور ارادہ ہے، کبھی یہ مشیت اور ارادہ عادات جاریہ اور ظاہری علل و اسباب کے پردہ میں ظاہر ہوتا ہے، مثلاً قوم نوحؑ کے لیے طوفان آنا، قوم ہودؑ کے لیے کوہ آتش فشاں کا پھوٹنا یا زلزلہ آنا، حضرت ایوبؑ کا چشمہ کے پانی سے صحیح و تندرست ہو جانا، قوم صالحؑ کے لیے آندھی آنا، مکہ میں قحط عظیم کا رونما ہونا، غزوہ خندق میں آندھی چلنا یہ تمام نشانیاں ظاہری اسباب اور عاداتِ جاریہ کے خلاف نہیں، لیکن ان اسباب کے ظاہر ہونے کا سبب جس میں حق کی فتح اور باطل کی شکست، نیکوکاروں کی نجات اور گنہگاروں کی ہلاکت ہوئی محض بخت و اتفاق نہیں، بلکہ ارادۂ و مشیتِ الٰہی نے خاص ان قوموں کے لیے بطور نشانی کے ان کو پیدا کیا، اور کبھی یہ مشیتِ الٰہی عاداتِ جاریہ اور اسبابِ ظاہری کا نقاب اوڑھکر نہیں، بلکہ بے پردہ نشان بن کر سامنے آتی ہے، مثلاً عصا کا سانپ بنجانا، انگلیوں سے چشمہ کا جاری ہونا، مردہ کا جی اٹھنا، چاند کا دو ٹکڑے ہو جانا، پتھر سے چشمہ کا ابلنا، درختوں کا اپنی جگہ سے حرکت کرنا، بیجان چیزوں میں آواز پیدا ہونا کہ ان چیزوں کی تشریح موجودہ علم اسباب و علل کی بنا پر نہیں کیجا سکتی، اور نہ ان کو عاداتِ جاریہ کے مطابق کہا جا سکتا ہے، اس لیے انکی علت خدا کی مشیت اور ارادہ کے سوا کوئی اور چیز نہیں ہو سکتی، اسی لیے انبیاء نے یہ تصریح کی ہے کہ جو کچھ ان سے ظاہر

ہوتا ہے، وہ صرف خدا کی قدرت، مشیت اور اذن سے ہوتا ہے، کیونکہ اگر وہ ظاہری علل و اسباب کے مطابق ہوں، تو وہ پیغمبر اور خدا کے باہمی ربط و علاقہ کی دلیل کیونکر بن سکتے ہیں، کفار اُن کو دیکھ کر خود ہی کہہ سکتے ہیں کہ یہ تو فلاں سبب سے ہوا ہے، اس لیے خدائی نشان ہونے کا ثبوت کیونکر بہم پہنچ سکتا ہے،

معجزہ کی باعتبار خرقِ عادت کے چار قسمیں

اس بنا پر یہ ضروری ہے کہ معجزات اور نشانیاں کسی نہ کسی حیثیت سے خارقِ عادت ہوں، چنانچہ

(۱) کبھی نفس واقعہ خارقِ عادت ہوتا ہے، مثلاً عصا کا سانپ بن جانا، چاند کا دو ٹکڑے ہو جانا، انگلیوں سے چشمہ کا ابلنا، مردہ کا زندہ کرنا، وغیرہ،

(۲) کبھی یہ ہوتا ہے کہ نفس واقعہ خلافِ عادت نہیں ہوتا، مگر اس کا اس وقت خاص پر رونما ہونا خرقِ عادت بن جاتا ہے، مثلاً طوفان آنا، آندھی آنا، زلزلہ آنا، کفار کا باوجود کثرتِ تعداد کے بے یار و مددگار اہلِ حق سے خوف کھانا، وغیرہ، تمام تائیداتِ الٰہی اسی قسم میں داخل ہیں،

(۳) ایک صورت یہ ہے کہ نفس واقعہ اور اس کے ظہور کا وقت خاص تو عاداتِ جاریہ کے خلاف نہیں ہوتا، مگر اس کا طریقہ ظہور خلافِ عادت ہوتا ہے، مثلاً انبیاء کی دعاؤں سے پانی کا برسنا، بیمار کا اچھا ہونا، آفتوں کا ٹل جانا کہ نہ تو پانی کا برسنا یا بیمار کا اچھا ہو جانا، یا کسی آئی ہوئی آفت کا ٹل جانا، خلافِ عادت ہے، اور نہ اس کے ظہور کا کوئی خاص وقت ہے لیکن جس طریقہ سے اور جن اسباب و علل سے یہ معجزات ظاہر ہوئے وہ خارقِ عادت ہیں، استجابتِ دعا اسی قسم میں داخل ہے،

(۴) کبھی نہ تو واقعہ خارقِ عادت ہوتا ہے، اور نہ اس کا طریقہ ظہور خارقِ عادت ہوتا ہے

بلکہ اس کا قبل از وقت علم، خارقِ عادت ہوتا ہے، مثلاً انبیاؑ کی پیشین گوئیاں، ایک دفعہ زور سے آندھی چلی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ سے باہر تھے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ آندھی ایک منافق کی موت کے لیے چلی ہے، چنانچہ جب لوگ مدینہ پہنچے تو معلوم ہوا کہ مدینہ میں ایک منافق اس آندھی سے مرگیا، اس معجزہ میں نہ تو آندھی کا چلنا خرقِ عادت ہے نہ آدمی کا آندھی کے صدمہ سے مرجانا خلافِ اسباب ہے، بلکہ واقعہ کا قبل از وقت علم خرق عادت ہے۔

اہل ایمان پر اثر کے لحاظ سے معجزات کی دو قسمیں

انبیاء کی زندگی علم و عمل دونوں کا مجموعہ ہوتی ہے، اور ان کے تمام ارشادات و تعلیمات سے صرف ان ہی دونوں کی ترقی اور تکمیل مقصود ہوتی ہے، اس لحاظ سے انبیاؑ کے بعض معجزات کا اثر صرف علم و یقین پر پڑتا ہے، ان سے کوئی عملی نتیجہ مترتب نہیں ہوتا، جیسے کا چمک اٹھنا، عصا کا سانپ بنجانا، چاند کا شق ہوجانا، اگرچہ نہایت عظیم الشان معجزے ہیں لیکن اس کا نتیجہ صرف اس قدر ہے کہ ایک گروہ ایمان لایا، اور دوسرے نے انکار کیا، لیکن انبیاؑ کے بہت سے معجزات ایسے ہوتے ہیں جن سے نہایت عظیم الشان عملی نتائج ظاہر ہوتے ہیں، مثلاً عصا کے سانپ بن جانے سے بنو اسرائیل کو کوئی عملی فائدہ نہ پہنچ سکا، لیکن اس کے ذریعہ سے پانی کا جو چشمہ ابلا، وہ ان کے لیے حیات بخش ثابت ہوا، پہلی قسم کے معجزات کو قرآن میں حجت، برہان اور سلطان کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے، کہ ان سے علم و یقین کو ترقی ہوتی ہے اور دوسری قسم کے معجزات کو اس نے تائید اور نصر الٰہی کہا ہے، پہلی قسم کے معجزات طلب اور سوال کے محتاج ہوتے ہیں لیکن تائید اور نصر الٰہی اس کی پابند نہیں ہوتی۔

آغازِ نبوت میں چونکہ انبیاء صرف عقائد کی تعلیم دیتے ہیں اور کفار کیطرف سے ان ہی عقائد

کا انکار کیا جاتا ہے، اور ان ہی کے اثبات پر دلیل طلب کی جاتی ہے، اس لیے اوّل اوّل انبیا سے اسی قسم کے معجزات کا ظہور ہوتا ہے جن کا اثر صرف علم و یقین پر پڑ سکتا ہے، یہی وجہ ہے کہ خداوند تعالےٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اسی قسم کے دو معجزے دیکر فرعون کے پاس بھیجا، اور اسی بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار قریش کو معجزۂ شق القمر دکھایا، لیکن اس کے بعد انبیاء کی تعلیم و ہدایت سے مومنین مخلصین کا ایک گروہ پیدا ہو جاتا ہے، جو عموماً مفلوک الحال، خانہ بدوش، بے سروسامان اور بے یار و مددگار ہوتا ہے، یہ گروہ اگرچہ صفاے باطن، خلوص نیت اور شدتِ ایمان کی بنا پر کسی معجزہ کا خواستگار نہیں ہوتا، تاہم تائید الٰہی خود اس کی طلبگار ہوتی ہے اور ہر موقع پر اسکی حفاظت و حمایت کرتی ہے یہی وجہ ہے کہ تائیدات الٰہیہ کا ظہور اکثر بغیر طلب و سوال کے ہوتا ہے، مسلمانوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی معجزہ کا سوال نہیں کیا، لیکن آپ سے اکثر معجزات کا ظہور ان ہی کے درمیان ہوا، بالخصوص غزوات میں اکثر تائید الٰہی نے مسلمانوں کی مدد کی ہے، غزوۂ بدر و حنین میں فرشتوں کا آسمان سے نازل ہونا، تھوڑے سے زادِ راہ کا تمام فوج کے لیے کافی ہونا، آپ کی انگلیوں سے پانی کا نکلنا، یہ اور اس قسم کے بہت سے معجزات، غزوات ہی کے زمانہ میں آپ سے ظہور پذیر ہوئے، اور ان سے تمام مسلمانوں نے ایسی حالت میں فائدہ اٹھایا جب کہ تمام دنیوی اسباب و وسائل منقطع ہو چکے تھے۔

اسی کا نام قرآن مجید کی زبان میں نصر (مدد) اور تائید ہے، اور یہ ہر نبی کو اکثر وقت میں عطا کی جاتی ہے، اور عین اس وقت جب بظاہر اسباب مایوسیوں کے تمام مناظر پیش ہو رہے ہوتے ہیں اور تائید حق کا بظاہر کوئی سامان نظر نہیں آتا، دفعۃً نصرت الٰہی توقع کے خلاف گروہ میں

اگے واقعات کے خلاف بجلی کی طرح نا امیدیوں کے بادل سے چمک اٹھتی ہے،

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَ	کیا تم کو خیال ہے کہ تم جنت میں چلے جاؤ گے
لَمَّا یَاْتِکُمْ مَّثَلُ الَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ	اور ابھی تم پر وہ حالت گذری نہیں جو تم سے
قَبْلِکُمْ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ	پہلوں پر گذری، ان پر مصیبت اور تکلیف آئی
وَزُلْزِلُوْا حَتّٰی یَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِیْنَ	اور اس قدر جھڑ جھڑائے گئے کہ پیغمبر اور اسکے ساتھ
اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰی نَصْرُ اللّٰهِ اَلَآ	مسلمان (گھبرا کر) کہہ اٹھے کہ خدا کی نصرت کہاں ہے،
اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِیْبٌ (بقرہ ۳۶)	ہاں خدا کی نصرت نزدیک ہے،
حَتّٰٓی اِذَا اسْتَایْئَسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوْٓا	یہاں تک کہ جب نا امید ہونے لگے رسول اور
اَنَّهُمْ قَدْ کُذِبُوْا جَآءَهُمْ نَصْرُنَا	خیال کرنے لگے کہ ان سے نصرت کا وعدہ پورا
فَنُجِّیَ مَنْ نَّشَآءُ وَلَا یُرَدُّ بَاْسُنَا	نہیں کیا گیا کہ ہماری نصرت آگئی، پھر ہم نے
عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِیْنَ	جن کو چاہا وہ بچا دیے گئے، اور پھیری نہیں
(یوسف ۱۲)	جاتی ہماری آفت گنہگار قوم سے،

خدا کا یہ قطعی وعدہ ہے کہ وہ حق پرستوں کو ہمیشہ آخر کار نصرت عطا کرے گا،

وَکَانَ حَقًّا عَلَیْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ (روم)	اور ایمان داروں کی مدد ہمپر فرض ہے،

یہ نصرت مسلمانوں کو ہر قدم پر تسلی کا پیغام سناتی تھی، بدر ہو کہ اُحد، خندق ہو کہ حنین، ہر جگہ وہی ان کی دستگیر تھی،

لَقَدْ نَصَرَکُمُ اللّٰهُ فِیْ مَوَاطِنَ کَثِیْرَةٍ (توبہ)	خدا نے بہت سے موقعوں پر تمہاری نصرت کی،

لیکن سب سے بڑی نصرت بدر کی تھی، جب تین سو بے برگ و ساز، نہتوں نے قریش کی ایک ہزار مسلح فوج کو کامل شکست دیدی۔

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ — اور خدا نے یقیناً بدر میں تمہاری مدد کی،
وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ (آل عمران ۱۳) — جب تمہارے پاس کوئی قوت نہ تھی،

لیکن عام معجزات اور نصرتِ الٰہی میں یہ فرق ہے کہ جو معجزات بطور حجت اور برہان کے پیش کیے جاتے ہیں، وہ صرف انبیاءؑ کی روحانی طاقت کا فیض ہوتے ہیں، یعنی ان کا یہ فیض سبب ہوتا ہے ارادۂ الٰہی کے ظہور کا، لیکن نصرتِ الٰہی میں پیغمبر کی روحانی طاقت کے ساتھ مومنین کے کمالِ ایمان، شدتِ یقین، تزکیۂ نفس، اور استعدادِ قلب کی شرکت بھی ضروری ہوتی ہے، چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی امت نے جب سخت فاقہ کی حالت میں نزولِ مائدہ (خوانِ آسمانی) کی درخواست کی تو انھوں نے ان کو تقویٰ اختیار کرنے کی تعلیم دی،

اِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيْعُ رَبُّكَ اَنْ يُّنَزِّلَ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ قَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (مائدہ) — یاد کرو جب حواریوں نے کہا، اے مریم کے بیٹے عیسیٰ کیا آپ کا پروردگار ہم پر آسمان سے ایک خوان اتار سکتا ہے، عیسیٰ نے کہا خدا سے تقویٰ کرو اگر تم کو یقین ہے۔

میدان جنگ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کو نزولِ ملائکہ کی بشارت سناتے ہیں، تو ساتھ ساتھ صبر و تقویٰ کی بھی تعلیم دیتے ہیں۔

اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ — یاد کرو اے پیغمبر! جب تو مسلمانوں سے کہہ رہا تھا

بَلٰى اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَيَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ (آل عمران-۱۳)

کہ کیا تم کو یہ کافی نہیں کہ تمہارا پروردگار تین ہزار فرشتے اتار کر تم کو مدد دے (خدا کہتا ہے) ہاں اگر تم مستقل رہو، اور تقویٰ کرو، اور وہ فوراً آجائیں تو خدا پانچہزار سوار فرشتوں کے ذریعہ سے تمہاری مدد کرے گا۔

یہی وہ معجزات تھے جن کی نسبت صحابۂ کرامؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم ان کو برکت سمجھا کرتے تھے،

کفار کے لیے نتائج کے لحاظ سے معجزات کی دو قسمیں

جس طرح مومنین پر اثر کے لحاظ سے معجزات کی دو قسمیں ہیں اسی طرح کفار پر نتائج کی حیثیت سے بھی ان کی دو قسمیں ہیں آیت ہدایت اور آیت ہلاک، انبیاءؑ کفار کو پہلے ہدایت کی نشانیاں دکھاتے ہیں اور انکو حق کی دعوت دیتے ہیں، کفار کی کثیر تعداد میں جس قدر صالح اجزا ہوتے ہیں: وہ اس دعوت کو قبول کرتے جاتے ہیں، یہاں تک کہ بالآخر وہ وقت آتا ہے جب مادۂ فاسد کے سوا کفار کی جماعت میں کوئی صلاحیت پذیر عنصر باقی نہیں رہ جاتا یعنی اس کثیف مادہ سے چھٹ کر تمام اجزائے لطیفہ الگ ہو جاتے ہیں، اور ڈھیر میں پھوس کے سوا کچھ نہیں رہ جاتا تو اس وقت آیت ہلاک، آسمان کی بجلی، فضا کی آندھی، زمین کا سیلاب، لوہے کی تلوار بنکر رونما ہوتی ہے، اور سطح خاکی کو ان کے وجود کی نجاست سے پاک کر دیتی ہے،

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو متعدد معجزے عنایت ہوئے تھے، مگر وہ اس لیے تھے کہ

ان کو دکھا کر فرعون کو حق کی طرف دعوت دی جائے، جب ایک مدت کے بعد اہل مکہ میں سے جس قدر لوگ ایمان لا سکتے تھے لے آئے تو حضرت موسیٰؑ کو شق بحر کی آیت ہلاک عنایت ہوئی، اور رود احمر کی لہریں فرعون کو اس کے سارے ساز و سامان اور امرائے دربار کے ساتھ ہمیشہ کے لیے نگل گئیں، حضرت نوحؑ کو آیتِ طوفان، حضرت صالحؑ کو آیتِ ناقہ حضرت لوطؑ کو بربادی سدوم کی نشانی حضرت شعیبؑ کو آیت صاعقہ بخر، حضرت عیسیٰؑ کو آیت رفع اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معجزۂ بطشۃ الکبریٰ (بدر) جو دیا گیا تھا، وہ اسی دوسری قسم میں داخل تھا، ان میں سے ہر معجزہ اور نشانی کے ظہور کے بعد یا خود اسی معجزہ اور نشانی کے ذریعہ سے معاندین کی ہلاکت، استیصال اور بربادی ہوئی اور اسی کو قرآن مجید نے سُنَّۃُ اللّٰہِ (خدا کا دستور) اور سُنَّۃُ الْاَوَّلِیْنَ (پہلوں کا دستور) کہا ہے کہ ہر پیغمبر کی قوم میں یہ اسی طرح ہوتا چلا آیا ہے،

وَلَا یَحِیْقُ الْمَکْرُ السَّیِّیُٔ اِلَّا بِاَھْلِہٖ فَھَلْ یَنْظُرُوْنَ اِلَّا سُنَّتَ الْاَوَّلِیْنَ (فاطر)	اور بدی کا داؤ پیچ کرنے والوں پر الٹ جاتا ہے، تو کیا اب یہ کافر اگلی قوموں کے دستور ہی کی راہ دیکھتے ہیں،
اَیْنَمَا ثُقِفُوْٓا اُخِذُوْا وَقُتِّلُوْا تَقْتِیْلًا سُنَّۃَ اللّٰہِ فِی الَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ (احزاب-۸)	یہ جہاں پائے گئے پکڑے گئے اور مارے گئے، یہ اللہ کا دستور پڑا ہوا ہے اگلی قوموں میں

اس معجزۂ عذاب کے ظاہر ہونے میں عموماً ایک وقت معین تک تاخیر کی جاتی ہے

جس کے اسباب حسب ذیل ہیں،

(۱) یہ معجزۂ عذاب اس وقت تک ظاہر نہیں ہوتا، جب تک آیات ہدایت سے قوم کے تمام صالح اجزاء اس کے فاسد عنصر سے الگ نہیں ہو جاتے اور مومنین اور کافرین ایک دوسرے سے پھٹ کر جدا نہیں ہو جاتے اور رسول کو بقیہ عناصر کے ایمان سے قطعی مایوسی نہیں ہو جاتی، حضرت نوحؑ نے ایک طویل زمانہ تک اپنی قوم کو دعوت دی، اور اس کے بعد نا امید ہو کر انھوں نے آخری معجزہ کی دعا مانگی

رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ	اے میرے پروردگار زمین پر کافروں میں سے
دَيَّارًا اِنَّكَ اِنْ تَذَرْهُمْ	کوئی بسنے والا نہ چھوڑ، اگر تو ان کو چھوڑ دیگا
يُضِلُّوْا عِبَادَكَ وَلَا يَلِدُوْٓا	تو وہ تیرے بندوں کو گمراہ کریں گے اور
اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا ۝ (نوح-۲)	وہ بدجنس گے لیکن فاجر اور کافر کر

اس کے بعد طوفان آیا اور قوم نوحؑ کو بہالے گیا

اسی طرح حضرت موسیٰؑ کو جب فرعون سے پوری مایوسی ہو گئی تو انھوں نے دعا کی:

رَبَّنَآ اِنَّكَ اٰتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَ	اے ہمارے رب! تو نے فرعون کو اور اسکے
مَلَاَهٗ زِيْنَةً وَّاَمْوَالًا فِي	سرداروں کو دنیا کی زندگی میں شان و شوکت
الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا رَبَّنَا لِيُضِلُّوْا	اور دولت عطا کی ہے، اے ہمارے رب (تو
عَنْ سَبِيْلِكَ ۚ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓى	اس سے یہ کام لیتے ہیں کہ وہ) لوگوں کو تیرے راستہ
اَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ	سے گمراہ کرتے ہیں، خداوندا! انکی دولت کو مٹا دے

فَلَا يُؤْمِنُوا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ۔ (یونس۔ ۹)

اور انکے دلوں کو سخت کردے جب تک دردناک عذاب کو نہ دیکھیں گے ایمان نہ لائیں گے۔

اس موقع پر اسی قسم کی دعائیں دیگر انبیاءؑ نے بھی کی ہیں۔

(۲) اس منزل پر پہنچ کر پیغمبر کو اپنے مومنین کی جماعت کو ساتھ لے کر ہجرت کا حکم ہوتا ہے۔ حضرت نوحؑ کو مع رفقاء کے کشتی پر چڑھا کر کفار سے الگ کیا جاتا ہے، حضرت ابراہیمؑ نمرود کے ملک سے اپنی ہجرت کا اعلان کرتے ہیں، اِنِّیْ مُهَاجِرٌ اِلٰی رَبِّیْ (عنکبوت) (میں خدا کی طرف ہجرت کرتا ہوں) حضرت موسیٰؑ بنی اسرائیل کو لیکر مصر سے نکل جاتے ہیں، حضرت لوطؑ، حضرت ہودؑ، حضرت شعیبؑ، حضرت صالحؑ سب نے اپنی اپنی جماعتوں کو لے کر اپنی نافرمان قوموں سے علیحدگی اختیار کی، اور جب تک یہ ہجرت نہیں ہولیتی اور مومن و کافر الگ نہیں ہو جاتے، معجزۂ عذاب نہیں بھیجا جاتا حضرت نوحؑ جب تک کشتی پر سوار ہو کر علیحدہ نہ ہو لیے، طوفان نہ آیا۔ حضرت ابراہیمؑ جب تک کلدانیوں کے ملک (عراق) سے نکل کر شام اور مصر نہ چلے گئے، ان پر عذاب نہ آیا۔ اسی طرح حضرت لوطؑ، حضرت ہودؑ، حضرت صالحؑ، اور حضرت شعیبؑ اپنی اپنی جماعتوں کو لیکر جب تک الگ نہ ہو گئے، ہلاکت کا عذاب نہیں آیا، اور جب انھوں نے ہجرت کرلی تو یہ معجزہ عذاب مختلف صورتوں میں ان قوموں پر نازل ہوا، اور مومنین کو نجات اور کافروں کو ہلاکت نصیب ہوئی۔

قرآن مجید کی مختلف سورتوں میں ان واقعات کو بکثرت بیان کیا گیا ہے، اور

نیز اس کو اللہ تعالیٰ نے اپنا وہ دستور اور قانون فرمایا ہے جس میں تغیر اور تبدل ناممکن ہے، جیسا کہ اس سے پہلے "قرآن مجید میں سنۃ اللہ کے مفہوم" کے ضمن میں آیات قرآنی کے حوالہ سے اس کی پوری تفصیل گذر چکی ہے، سورۂ یونس میں اللہ تعالیٰ اس اصول کو اس طرح بیان کرتا ہے

فَهَلْ يَنْتَظِرُونَ إِلَّا مِثْلَ	کیا یہ کافر گذشتہ قوموں کی طرح واقعۂ ہلاکت
أَيَّامِ الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِهِمْ	کا انتظار کرتے ہیں۔ کہدے کہ انتظار کرو
قُلْ فَانْتَظِرُوا إِنِّي مَعَكُمْ مِنَ	میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں،
الْمُنْتَظِرِينَ۔ ثُمَّ نُنَجِّي رُسُلَنَا	پھر ہم اپنے رسولوں کو نجات دیتے ہیں اور
وَالَّذِينَ آمَنُوا كَذَٰلِكَ حَقًّا	ایسے ہی ایمان لانے والوں کو ہم پر فرض ہے
عَلَيْنَا نُنْجِ الْمُؤْمِنِينَ (یونس۔۱۰)	ہم نجات دیں گے ایمان والوں کو

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور معجزۂ ہدایت

ہدایت کی غرض سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جو معجزات اور نشانیاں صادر ہوتی رہتی تھیں، ان کا بڑا حصہ غیر معمولی قوتِ تاثیر استجابتِ دعا، تائید و نصرت اور پیشین گوئی کا تھا، اسی غیر معمولی قوت تاثیر کا نتیجہ تھا کہ قریش کے لوگوں کو آپ کے پاس جانے سے روکتے تھے، سیرت کی کتابوں میں اس قسم کے متعدد واقعات مذکور ہیں، قرآن مجید کی یہ آیت کفار کے اس باطنی اعتراف کا آئینہ ہے،

لَا تَسْمَعُوا لِهَٰذَا الْقُرْآنِ وَالْغَوْا	اس قرآن کو نہ سنو اور اس میں شور و غل
فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُونَ (حم السجدہ)	کرو، شاید تم غالب آؤ۔

قرآن کے اثر کا ان پر یہ رعب چھایا ہوا تھا کہ وہ لوگوں کو اس سے باز رکھنے کی اس کے سوا کوئی تدبیر نہ دیکھتے تھے، کہ وہ شور و غل اور ہنگامہ کرکے لوگوں کو سننے نہ دیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی استجابت دعا کا بھی کفار کو بدرجہ اتم یقین تھا. ایک دفعہ صحن حرم میں جب ابوجہل وغیرہ رؤسائے قریش آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز میں خلل انداز ہوئے اور آپ نے ان پر بددعا کی، تو بخاری و مسلم میں یہ تصریح ہے، کہ وہ اس کو سنکر کانپ اٹھے[1] ایک دفعہ جب مکہ میں قحط عظیم پڑا تو ابوسفیان نے آپ کے پاس آکر کہا کہ "محمد تمہاری قوم ہلاک ہوگئی، خدا سے دعا کرو کہ وہ اس بلا کو ان سے دور کرے"[2] چنانچہ آپ نے دعا کی اور وہ بلا دور ہوئی، اسی طرح آپ کی پیشین گوئی کی صداقت کا بھی ان کو دل سے اعتراف تھا. یاد ہوگا کہ غزوۂ بدر سے پہلے جب امیہ کو حضرت سعد انصاریؓ کی زبانی یہ معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے مارے جانے کی پیشین گوئی کی ہے تو وہ گھبرا اٹھا، اور اس کی بیوی پر یہ اثر ہوا کہ اس نے غزوہ بدر کے موقع پر اپنے شوہر کا دامن تھام لیا کہ "محمد کی پیشین گوئی تمہیں یاد نہیں؟"[3] فتح روم کی مشہور پیشین گوئی جس دن پوری ہوئی بہت سے لوگ اس نشانِ صداقت سے ہدایت پاکر مسلمان ہوگئے[4]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید و نصرت کے عجائبات بھی قریش کی نظروں سے گذر چکے تھے، وہ بار بار آپ پر حملے کی تیاریاں کرتے تھے اور ناکام رہتے تھے، ایک دفعہ ابوجہل نے یہ ناپاک

---

[1] صحیح بخاری آخر کتاب الوضوء و مسلم باب ما لقی النبی صلی اللہ علیہ وسلم من اذی المشرکین،

[2] صحیح بخاری تفسیر سورۂ دخان [3] صحیح بخاری اول کتاب المغازی [4] ترمذی تفسیر سورۂ روم،

ارادہ کیا، اور اس نیت سے آگے بڑھا تو فوراً ڈر کر پیچھے ہٹ گیا، ساتھیوں نے واقعہ پوچھا تو بتایا کہ مجھے یہ نظر آیا کہ میرے اور محمدؐ کے درمیان آگ کی خندق ہے، اور چند پردار ہستیاں کھڑی ہیں،[1]

الغرض ہدایت کے متعدد نشانات تھے، جو مکہ میں کفار کو اس غرض سے دکھائے گئے تھے کہ ان کو دیکھ کر ان کے قلوب میں قبولِ حق کی صلاحیت پیدا ہو،

شق قمر آخری نشانِ ہدایت تھا ہدایت کی ان نشانیوں میں کفار مکہ کے لیے سب سے آخری[2] اور فیصلہ کن نشان **شق قمر** تھا، جس کے بعد آیات ہلاکت کا آغاز ہونے والا تھا، احادیث میں ہے کہ کفار مکہ آپؐ سے معجزہ کے طالب تھے، تو آپؐ نے ان کو شق قمر کا معجزہ دکھایا، چاند دو ٹکڑے ہو کر نظر آیا، لیکن معاندین کو اس عظیم الشان اور واضح تر معجزہ سے بھی ہدایت نہ ملی، بعضوں نے کہا محمدؐ نے جادو کیا ہے، کسی نے کہا ایسی عجیب عجیب باتیں ہمیشہ ہوتی رہتی ہیں، چنانچہ قرآن مجید نے اس واقعہ کا ذکر کیا ہے،

---

[1] صحیح مسلم باب قولہ تعالیٰ وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْآنُ يُفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ہم نے قرآن مجید کے بتائے ہوئے اصول، نبی کے مطابق اولاً ایسا سمجھا تھا کہ شق قمر کا معجزہ ہجرت سے پہلے ظاہر ہوا ہوگا لیکن سیر و مغازی اور کتب احادیث کے مطبوعہ خود ہیں دعویٰ کے ثبوت اور انکار دونوں سے خاموش تھا، اسی اثنا میں حاکم کی مستدرک کی دوسری جلد حیدرآباد سے چھپ کر پہنچی، اس میں سورۂ قمر کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے جو واقعہ کے عینی شاہد ہیں یہ تصریح ملی کہ یہ نشان قبل خروج النبی صلی اللہ علیہ وسلم یعنی ہجرت سے پہلے ظاہر ہوا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ ہجرت سے کچھ ہی پہلے کا ہے، حاکم کی یہ روایت بخاری و مسلم کی شرط کے مطابق ہے، اور حافظ ذہبی نے تلخیص مستدرک میں اس کی تصدیق کی ہے، اور یہ بھی لکھا ہے کہ یہ روایت عبدالرزاق میں بھی موجود ہے (مستدرک ج ۲ صفحہ ۴۷۰ حیدرآباد)

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ	قیامت کا وقت قریب آگیا، اور چاند شق ہو گیا
الْقَمَرُ وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا	اور اگر یہ کافر کوئی نشانی دیکھیں تو اس سے
وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ۝	منہ پھیر لیتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ یہ جادو تو

(قمر - ۱)

ہمیشہ سے ہوتا آیا ہے

اب خداوند ذوالجلال کے رحم و کرم نے دوسری شان اختیار کی، یعنی اس کے قہر و غضب نے ان غیر صالحیت پذیر ہستیوں سے سطح ارضی کو پاک کر دینے کا تہیہ کر لیا اور وہ سنتِ الٰہی جو تمام گذشتہ امتوں کے ساتھ جاری رہی تھی یعنی یہ کہ معجزوں کے دیکھنے کے بعد ایمان نہ لانے پر کفار کی ہلاکت اور بربادی فرض محتم ہو جاتی ہے، وہ قریش کے حق میں بھی جاری ہوئی۔

گذشتہ دستورِ الٰہی کی تفصیل کے مطابق اس ہلاکت کے عذاب کے نازل ہونے کے لیے پہلے دو چیزوں کی ضرورت تھی۔

(۱) مومنین کی جماعت کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شہر مکہ سے ہجرت،

(۲) ہجرت سے پہلے ہدایت کی کسی آخری کھلی نشانی کا ظاہر ہونا،

چنانچہ ہجرت سے پہلے شق قمر کا نشان ظاہر ہوا، اور اس کو دیکھ کر بھی جب قریش کے رؤسا اسلام نہ لائے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ سے ہجرت کا حکم ہوا، اور ہلاکت کے عذاب کے نازل ہونے کا وقت قریب آگیا، صحابہ میں اسرارِ نبوت کے جو محرم تھے وہ پہلے ہی سمجھ چکے تھے کہ یہ ہجرت قریش کی بربادی کا پیش خیمہ ہے، مستدرک حاکم (جلد ۲ صفحہ ۷)

اور مسند ابن حنبل (جلد ۱ صفحہ ۲۱۶) میں ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے نکلے تو حضرت ابوبکرؓ نے کہا "اِنَّا لِلّٰہِ مکہ والوں نے اپنے پیغمبر کو نکال دیا۔ اب یہ ضرور ہلاک ہو جائیں گے۔ چنانچہ اُذِنَ لِلَّذِیْنَ والی قتال کی آیت نازل ہوئی[1]"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور معجزۂ ہلاکت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ میں قریش کو تقریباً ۱۳ برس تک دعوت دی، اور ان تیرہ سالوں کے اندر اس راہ میں ہر قسم کی مصیبت اور تکلیف برداشت کی، اور آیاتِ ہدایت کے مختلف نمونے ان کو دکھائے۔ بالآخر شق القمر کا معجزہ بھی ان کی نگاہوں کے سامنے سے گذرا، اور آخر وہ وقت آیا جو اپنے پیغمبروں کے سامنے دوسری قوموں پر آچکا تھا یعنی قبیلہ قریش میں سے وہ افراد صالحہ جو بے خوف و خطر حق کو قبول کر سکتے تھے، انھوں نے حق کو قبول کر لیا، اور صرف وہ رؤسائے قریش رہ گئے جو قبولِ حق کی مطلق صلاحیت نہیں رکھتے تھے۔ یا وہ ضعفاء تھے جو ان رؤسا کی موجودگی میں حق کا ساتھ دینے کی قوت نہیں رکھتے تھے، اور اس لیے ضرورت ہوئی کہ ان رؤسا کے وجود سے ارضِ حرم کو پاک کیا جائے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے مایوس ہو کر طائف تشریف لے گئے۔ لیکن وہاں بھی کوئی حق کا سننے والا نہ تھا، بازار اور ریاست میں شریروں نے آپ کو پتھر مارے، یہاں تک کہ قدم مبارک خون آلود ہو گئے۔ آپ مکہ واپس آ رہے تھے کہ فرشتۂ جبال نے آپ کو ندا دی کہ اگر اجازت ہو تو پہاڑوں سے ان کو پیس کر ریزہ ریزہ کر دیا جائے۔ رحمت عالم اب بھی

[1] صحیح بخاری کتاب الجہاد اور ترمذی تفسیر آیت بالا میں بھی یہ حدیث مذکور ہے۔ منہ

مایوس نہ ہوئے اور بارگاہ الٰہی میں عرض کی کہ ابھی وہ معجزۂ مالک ظاہر نہ ہو۔ شاید کہ ان کی نسل سے کوئی توحید کا پرستار پیدا ہو۔ صحیح بخاری و مسلم میں ہے کہ حضرت عائشہؓ نے آپ سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ! اُحد کے علاوہ آپ پر سب سے زیادہ سخت دن کون تھا۔ آپ نے فرمایا وہ دن جب میں نے (طائف کے سرداں) عبد یالیل کے سامنے اپنے کو پیش کیا اور اس نے انکار کیا میں مغموم واپس آرہا تھا کہ فرشتۂ جبال نظر آیا۔ اور اس کے بعد آپ نے کفار کی ہلاکت کے لیے فرشتۂ جبال کی اجازت طلبی اور اپنا جواب بیان کیا[1] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس دن کو ایام مصائب کی تاریخ میں سب سے زیادہ سخت فرماتے ہیں بظاہر ایسا سمجھا جاتا ہے کہ آپ نے طائف کی تکلیف کو سخت ترین دن فرمایا۔ لیکن واقعہ یہ نہیں ہے۔ اس سے بھی زیادہ تکلیف اور مصیبت کی گھڑیاں آپ پر آئی ہیں۔ بلکہ اس لحاظ سے آپ اس کو سخت ترین دن قرار دیتے ہیں کہ یہ قریش کی فرصت اور مہلت کی اخیر گھڑی تھی۔ اور اب معجزۂ ہلاک ان کے سر پر تھا، اور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا صدمہ تھا، تاہم قریش کو اب آخری عذاب کی اطلاع دیدی گئی تھی۔ اور وہ نادان استہزا کرتے تھے۔ جیسا کہ دوسری قومیں بھی اپنے اپنے پیغمبروں کے ساتھ یہی کرتی آئی ہیں۔ کفار قریش آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جاکر کہتے تھے جس عذاب کی دھمکی دی جاتی ہے، وہ کیوں نہیں آتا؟ اگر تم میں قدرت ہے تو وہ عذاب لاؤ۔ اور اپنی صداقت کی یہ آخری نشانی بھی دکھادو،

---

[1] مسلم باب ما لقی النبی صلی اللہ علیہ وسلم من اذی المشرکین و بخاری کتاب بدء الخلق

ویقولون لولا انزل علیہ	اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ اس پر خدا کی طرف
اٰیۃ من ربہ فقل انما الغیب	سے کوئی نشان کیوں نہیں اترتا، اے پیغمبر
للہ فانتظروا انی معکم من	کہدے کہ غیب کی بات خدا کے پاس ہے تم اسکے ظہور
المنتظرین (یونس۔۲)	کا انتظار کرو ہم بھی تمہارے ساتھ منتظر ہیں
کبھی آکر کہتے	
او تسقط السماء کما زعمت	یا جیسا تم کہا کرتے ہو، آسمان کو ٹکڑے ٹکڑے
علینا کسفا او تاتی باللہ و	کرکے ہم پر گرادو یا خدا اور فرشتوں کو
الملئکۃ قبیلا (بنی اسرائیل۔۱۰)	ہمارے سامنے لے آؤ
لو ما تاتینا بالملئکۃ ان کنت	اگر تم سچے ہو تو کیوں نہیں ہمارے
من الصدقین (حجر۔۱)	پاس فرشتوں کو لے آتے ہو،
خدا نے جواب میں کہا	
وما کانوا اذا منظرین	جب فرشتے آجائیں گے تو پھر انھیں مہلت
(حجر)	نہ دیجائے گی۔

کفار قریش کو معجزۂ عذاب کے دیکھنے کی جلدی تھی، کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ یہ پیشین گوئی سراسر جھوٹ ہے۔ خدا نے کہا جب تک پیغمبر کی امت کی برکات ختم نہ ہو جائیں، یعنی تمام افراد صالح الگ نہ ہو جائیں گے عذاب نہیں آئے گا۔

ویستعجلونک بالسیئۃ	اور کفار جلدی چاہتے ہیں تجھ سے، بھلائی

قَبْلَ الْحَسَنَةِ وَقَدْ خَلَتْ مِنْ
قَبْلِهِمُ الْمَثُلٰتُ ؕ وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ
مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰى ظُلْمِهِمْ
وَاِنَّ رَبَّكَ لَشَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝
(رعد - ۱)

سے پہلے برائی حالانکہ ان سے پہلے گذشتہ قوموں
میں اس قسم کے واقعات گذر چکے ہیں اور تیرا
رب لوگوں کی گنہگاری کے باوجود ان کو
معاف کرتا ہے۔ اور تیرا رب بڑے عذاب
والا بھی ہے۔

اللہ تعالیٰ قرآن مجید کے معجزہ کو ذکر کر کے کہتا ہے

لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ
الْاَلِيْمَ فَيَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ
لَا يَشْعُرُوْنَ فَيَقُوْلُوْا هَلْ
نَحْنُ مُنْظَرُوْنَ ۝ اَفَبِعَذَابِنَا
يَسْتَعْجِلُوْنَ ۝ اَفَرَءَيْتَ اِنْ
مَّتَّعْنٰهُمْ سِنِيْنَ ثُمَّ جَآءَهُمْ
مَّا كَانُوْا يُوْعَدُوْنَ ۝ مَآ اَغْنٰى
عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يُمَتَّعُوْنَ ۝
وَمَآ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ
اِلَّا لَهَا مُنْذِرُوْنَ ۝
(شعراء - ۱۱)

وہ نہ مانیں گے اس کو جب تک دکھ کا عذاب
نہ دیکھ لیں گے، پھر یہ عذاب اچانک ان پر
اس طرح آجائیگا کہ ان کو خبر نہیں ہوگی
پائے گی تو اس وقت کہیں گے کہ ہم کو مہلت
بھی کچھ مل سکتی ہے؟ کیا یہ کفار ہمارا عذاب
جلد مانگتے ہیں بھلا دیکھ تو اگر ہم نے ان کو
چند سال فائدہ اٹھانے کا موقع دے بھی
دیا۔ پھر ان پر وہ عذاب آگیا جس کا وعدہ
تھا، تو کیا ان کی یہ دولت ان کے کچھ کام
آئے گی۔ ہم نے کسی آبادی کو ہلاک نہیں کیا
لیکن اسکو ڈرسنانے والے پہلے موجود تھے۔

یعنی اس اصول کی بنا پر کہ قوموں کی ہلاکت سے پہلے ان کے اندر ایک ڈر سنانے والا
ضرور ہوا کرتا ہے قریش میں بھی ایک ڈر سنانے والا آیا، اگر وہ اس کی نہ سنیں گے تو
پچھلی قوموں کی طرح وہ بھی نیست و نابود ہو جائیں گے سورہ حج میں اللہ تعالےٰ
قریش کو مختلف قوموں کے حالات سنا کر کہتا ہے

فَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا	تو کتنی بستیاں ہم نے برباد کیں۔ اور وہ گنہگار
وَهِيَ ظَالِمَةٌ فَهِيَ خَاوِيَةٌ	تھیں۔ اور اب وہ اپنی چھتوں پر ڈھئی پڑی
عَلٰى عُرُوْشِهَا وَبِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ	ہیں۔ اور کتنے کنوئیں بے کار پڑے ہیں۔ اور
وَّقَصْرٍ مَّشِيْدٍ ۝ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا	کتنے اونچے اونچے محل خراب اور ویران
فِي الْاَرْضِ فَتَكُوْنَ لَهُمْ	ہیں۔ کیا یہ کافر زمین میں چلے پھرے نہیں
قُلُوْبٌ يَّعْقِلُوْنَ بِهَآ اَوْ	ہیں، کہ ان کے پاس دل ہوتے جن سے
اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا فَاِنَّهَا	سمجھتے یا کان ہوتے جن سے سنتے، کیونکہ
لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى	آنکھیں کچھ اندھی نہیں ہوتی ہیں جبکہ انکو
الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ	یہ عبرت ناک مناظر سوجھائی نہ دیتے،
وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ	ہوں۔ مگر وہ دل اندھے ہوتے ہیں۔ جو
وَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ	سینوں میں ہیں۔ اور یہ کافر تجھ سے جلدی
وَاِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ	مانگتے ہیں عذاب اور اللہ ہرگز اپنا وعدہ
كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ	نہ ٹالے گا۔ اور تیرے رب کے نزدیک

وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَمْلَيْتُ لَهَا — ایک دن تمھارے ہزار برس کے برابر ہے،
وَهِيَ ظَالِمَةٌ ثُمَّ اَخَذْتُهَا — اور کتنی بستیاں ہیں کہ میں نے ان کو ڈھیل
وَاِلَيَّ الْمَصِيْرُ ۝ قُلْ يٰٓاَيُّهَا — دی، اور وہ گنہگار تھیں، پھر ان کو پکڑا اور
النَّاسُ اِنَّمَآ اَنَا لَكُمْ نَذِيْرٌ — میری طرف پھر آنا ہے، کہدے اے لوگو!
مُّبِيْنٌ ۝ (حج - ۷)

میں تو صاف صاف تم کو ڈر سنانے والا ہوں۔

قرآن نے رؤساے قریش کی طرف اشارہ کرکے پوچھا

فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا سُنَّةَ — کیا وہ پہلی قوموں کے دستور کا انتظار
الْاَوَّلِيْنَ (فاطر - ۵) — کر رہے ہیں۔

چنانچہ گذشتہ قوموں کے قانون کے پورے ہونے کے دن آگئے یعنی رسولؐ اور مومنین کو گنہگار قوم کی آبادی کے اندر سے نکل جانے کی اجازت ملی، کیونکہ جیسا پہلے گذر چکا ہے، جب تک رسول اپنی قوم سے ہجرت نہیں کرتا، عذاب و ہلاکت کا نشان ظاہر نہیں ہوتا، چنانچہ کفار قریش کو جو اس نشان کے دیکھنے کے لیے بیتاب تھے پہلے ہی یہ جتا دیا گیا تھا،

وَاِنْ كَادُوْا لَيَسْتَفِزُّوْنَكَ — اور اگر وہ اس زمین سے تجھ کو گھبرا لگے ہیں
مِنَ الْاَرْضِ لِيُخْرِجُوْكَ مِنْهَا — تاکہ یہاں سے تجھ کو نکال دیں تو یاد رہے کہ
وَاِذًا لَّا يَلْبَثُوْنَ خِلَافَكَ — تیرے چلے جانے کے بعد وہ بہت کچھ تھوڑے
اِلَّا قَلِيْلًا ۝ سُنَّةَ مَنْ قَدْ — دن رہیں گے، تجھ سے پہلے جو رسول گذرے ہیں

اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ رُّسُلِنَا وَلَا تَجِدُ	ان کی یہ سنت ہے، اور خدا کی سنت
لِسُنَّتِنَا تَحْوِيْلًا (بنی اسرائیل ۸)	کو تم مٹا نہ پاؤ گے۔

ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صحن حرم میں نماز پڑھ رہے تھے، رؤساے قریش ادھر ادھر بیٹھے ہنسی دل لگی کی باتیں کر رہے تھے، ابوجہل نے کہا کہ کون مذبح جا کر وہاں سے اونٹ کی اوجھڑی اٹھا لائے گا، چنانچہ ایک شریر نے یہ خدمت انجام دی، اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں گئے تو وہ نجاست آپ کی پشت مبارک پر ڈال دی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس بوجھ سے سر نہیں اٹھا سکتے تھے، اور کفار اس منظر کو دیکھ کر ہنسی سے بیخود ہوئے جاتے تھے، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ جو اس موقع پر موجود تھے، کہتے ہیں کہ میں یہ دیکھ رہا تھا، لیکن مجھ میں اتنی طاقت نہ تھی کہ میں ان کے سامنے کچھ کر سکتا، اسی اثنا میں ایک شخص نے جا کر حضرت فاطمہؓ کو اطلاع دی، جو اس زمانہ میں بچی تھیں، وہ آئیں اور اس نجاست کو ہٹایا تو آپ نے سر اٹھایا، یہ پہلا موقع ہے کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم رؤساے قریش کے ایمان سے قطعاً مایوس ہوتے ہیں، اور یہ اس لیے نہیں کہ آپ کے جسم مبارک کو تکلیف پہنچی، بلکہ اس لیے کہ وہ نماز (یعنی مشاہدۂ جمال الٰہی) میں جو اس دنیا میں آپ کی محبوب ترین چیز تھی خلل انداز ہوئے۔

قرآن نے کہا:

اَرَاَيْتَ الَّذِيْ يَنْهٰى عَبْدًا	کیا تو نے دیکھا اس شخص کو جو ایک بندۂ الٰہی
اِذَا صَلّٰى (علق)	کو نماز سے روکتا ہے۔

یہ رؤسائے قریش کی مہلت کا اخیر لمحہ تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بلند آواز میں بددعا کی، اور اس آخری معجزۂ ہلاک کی درخواست کی، مگر پھر بھی رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت دیکھیے کہ حضرت نوحؑ اور حضرت موسیٰؑ کی طرح پوری قوم کی تباہی و بربادی کی دعا نہیں مانگی، بلکہ صرف قریش کے رئیسوں کے حق میں بددعا کی، اور ان میں سے بھی صرف سات رئیسوں کے نام لیے، اور فرمایا "خداوندا! قریش کے سرداروں کو لے، خداوندا! ابوجہل، عتبہ، شیبہ، عقبہ بن معیط، امیہ بن خلف، ولید بن عقبہ، اور ابی ابن خلف کو پکڑ"۔ یہ بددعا سن کر سب کے ہوش اڑ گئے۔

اب سنت الٰہی کے مطابق معراج کے ساتھ ہجرت کی دعا آپ کو بتائی گئی،

رَبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّ	خداوندا! مجھ کو خوبی سے کہیں پہنچا، اور خوبی
اَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّیْ	سے نکال، اور اپنے پاس سے مجھے ایک
مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطَانًا نَّصِیْرًا (بنی اسرائیل)	مدد کرنے والی طاقت عطا کر،

یہ دعا مقبول ہوئی اور بشارت آئی،

جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ	حق آگیا، اور باطل مٹ گیا، اور باطل
الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا (بنی اسرائیل)	مٹنے ہی کو ہے،

انبیاءؑ کی سنت کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے متبعین کے ساتھ ہجرت

بخاری اور مسلم باب ما لقی النبی صلی اللہ علیہ وسلم من اذی المشرکین ۔ ترمذی تفسیر آیت مذکور (بنی اسرائیل)، اور مستدرک حاکم (باب الہجرۃ) میں تصریح ہے کہ یہ دعائے ہجرت ہے،

فرمائی۔ اور جس دن کا انتظار تھا وہ آگیا قرآن نے کہا کہ رؤسائے قریش پر آیت عذاب کے
نازل ہونے کے لیے ہجرت کا انتظار تھا۔ وہ ہو چکی۔ اور اب کوئی مزید انتظار نہیں

وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا	اور جب (اے پیغمبر) منکرین داؤ کر رہے تھے
لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ	تیری جان لینے کا کہ وہ تجھ کو قید کر دیں۔ یا
وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ وَاللّٰهُ	مار ڈالیں۔ یا جلا وطن کر دیں۔ وہ داؤ کرتے
خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ۝ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ	ہیں اور خدا بھی داؤ کرتا ہے۔ اور خدا داؤ
اٰيٰتُنَا قَالُوْا قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَآءُ	کرنے والوں میں سب سے بہتر ہے۔ اور جب
لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ	ان کو ہماری آیتیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں
اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝ وَاِذْ قَالُوا	تو کہتے ہیں۔ ہاں ہم نے سنا اگر چاہیں تو
اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ	ہم بھی ایسا کہہ سکتے ہیں۔ یہ تو قصے اگلوں
مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً	کی کہانیاں ہیں۔ اور جب وہ کہتے ہیں کہ
مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ	اے خدا اگر یہ قرآن حق ہے تو ہم پر پتھروں
اَلِيْمٍ ۝ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ	کی بارش کر یا کوئی اور بڑا عذاب ہم پر لا۔
وَاَنْتَ فِيْهِمْ ۚ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ	اور خدا ان پر اس ہجرت سے پہلے کیونکر عذاب
وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ۝ وَمَا لَهُمْ اَلَّا	کرتا جب کہ تو ان میں تھا۔ اور خدا ان پر
يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ وَهُمْ يَصُدُّوْنَ	عذاب کرنے والا نہیں ہی درانحالیکہ وہ
عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَا كَانُوْٓا	مغفرت چاہتے ہوں۔ اور خدا ان پر عذاب

اَوْلِيَآءَهٗ اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ ۝ (انفال-۴)	کیوں نازل نہ کرے گا، جب وہ مسجد حرام سے روکتے ہیں، حالانکہ وہ اس کی تولیت کے مستحق نہیں، اس کے مستحق صرف پرہیزگار ہیں۔

غزوۂ بدر معجزۂ ہلاکت تھا جس طرح دوسری قوموں کے لیے مختلف معجزاتِ عذاب آئے، اسی طرح جس قوم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تھے، اس کے لیے غزوۂ بدر معجزۂ عذاب تھا۔ ہجرت سے قبل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بددعا سے پہلے قریش پر قحط کا عذاب آیا، جو اس قدر سخت تھا کہ بھوک سے آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا جاتا تھا، آسمان کی طرف دیکھتے تھے، تو دھواں سا نظر آتا تھا، بعض رؤسائے قریش نے خدمتِ نبوی میں آکر کہا کہ "محمد! تم رحمت و شفقت اور صلۂ رحم کی دعوت دیتے ہو، تم دیکھتے ہو کہ اس قحط سے قریش کا کیا حال ہے؟" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی اور یہ بلا دور ہوئی، مگر پھر قریش کی سرگرانی کا وہی عالم ہو گیا، تو ان کے لیے معجزۂ عذاب کے سوا کوئی اور طریقۂ علاج باقی نہ رہا، چنانچہ ہجرت کے بعد بدر کا بطشۃ کبریٰ (بڑی پکڑ) ان کے لیے ہلاکت کی نشانی قرار پائی، قرآن مجید نے ہجرت سے پہلے ہی مکہ میں اپنا یہ اعلان عام سنا دیا جس میں پہلے اس قحط کی، پھر ان کے گڑگڑانے کی اور اس کے بعد غزوۂ بدر کی پیشین گوئی تھی،

فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَاْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ ۝ يَّغْشَى النَّاسَ ۭ هٰذَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ رَبَّنَا اكْشِفْ	اس دن کی راہ دیکھ جب آسمان صاف دھواں کر لاوے جو لوگوں کو گھیرے، اس وقت کہا جائیگا یہ ہے دکھ کی مار اب گڑگڑا نینگے

عَنَّا الْعَذَابَ اِنَّا مُؤْمِنُوْنَ ۝ اَنّٰى لَهُمُ الذِّكْرٰى وَقَدْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مُّبِيْنٌ ۝ ثُمَّ تَوَلَّوْا عَنْهُ وَقَالُوْا مُعَلَّمٌ مَّجْنُوْنٌ ۝ اِنَّا كَاشِفُوا الْعَذَابِ قَلِيْلًا اِنَّكُمْ عَآئِدُوْنَ ۝ يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرٰى اِنَّا مُنْتَقِمُوْنَ ۝ وَلَقَدْ فَتَنَّا قَبْلَهُمْ قَوْمَ فِرْعَوْنَ

کہ خداوندا ہم سے یہ عذاب دور کر دے،
ہم ایمان لاتے ہیں، کہاں ہے ان کیلیے سمجھنا
حالانکہ ان کے پاس کھول کر سنانے والا رسول
آچکا، تو اس سے پیٹھ پھیری، اور کہا کہ سکھایا ہوا
دیوانہ ہے، اچھا ہم تھوڑے دنوں کے لیے
عذاب دور کر دیتے ہیں، تم پھر وہی کرنے والے ہو،
انتظار کرو اس دن کا جب ہم بڑی پکڑ پکڑیں گے
ہم بدلہ لینے والے ہیں، اور ان سے پہلے ہم فرعون
کی قوم کو آزما چکے ہیں

(دخان-۱)

ان آیاتِ کریمہ میں پورے واقعہ کی تصویر کھینچ دی گئی ہے، اور آخر میں یہ بھی ظاہر کر دیا گیا ہے کہ بطشِ اکبر ان رؤسائے قریش کے لیے وہی حیثیت رکھتا ہے جو فرعون کے لیے غرقِ بحر کی حیثیت تھی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے بیان کیا ہے کہ آیتیں قریش کی شان میں نازل ہوئی ہیں۔ قریش نے جب نافرمانی کی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا سے دعا کی کہ اے خدا! ان پر حضرت یوسفؑ کے سات برس والے قحط کی طرح قحط نازل کر، چنانچہ مکہ میں سخت قحط پڑا، یہاں تک کہ بھوک سے آسمان اور قریش کی آنکھوں کے درمیان دھواں سا اڑتا نظر آتا تھا۔ انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آکر دعا کی درخواست کی، چنانچہ آپ نے دعا کی، اور بارش ہوئی

خدا نے کہا کہ وہ پھر اپنی پہلی حالت پر آجائیں گے یعنی ایمان قبول نہ کریں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا تب اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے بطشۃ الکبریٰ (بڑی پکڑ) کا دن مقرر فرمایا یعنی بدر[1]

یاد ہوگا کہ صحن حرم میں روئے سامنے قریش جو نماز میں خلل انداز ہوئے تھے۔ آپ نے ان کا نام لے لیکر ہر ایک کے حق میں بد دعا کی تھی۔ اس سے پہلے کہ غزوۂ بدر کا واقعہ پیش آئے ہجرت کے بعد ہی آپ نے ان کی ہلاکت و بربادی کا اعلان کر دیا تھا۔ بدر سے پہلے حضرت سعد انصاریؓ عمرہ کو گئے تھے۔ ابوجہل نے ان کو روکا (امیہ نے بیچ میں دخل دینا چاہا۔ حضرت سعدؓ نے کہا "امیہ تم دخل نہ دو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تم ان کے ہاتھوں سے مارے جاؤ گے۔ یہ سن کر امیہ ڈر گیا۔ چنانچہ جب بدر کا موقع پیش آیا تو اس نے جانے میں پس و پیش کیا۔ لوگوں کے طعن سے اس نے جانا چاہا تو اس کی بیوی نے مردانہ تھام لیا اور کہا "کیا تم کو اپنے یثربی دوست کی بات یاد نہیں"[2]

جب غزوۂ بدر کے لیے آپ مسلمانوں کو ساتھ لے کر نکلے تو اس وقت جیسا کہ پہلی جلد میں تفصیل گذر چکی ہے مسلمانوں کے سامنے قریش کی دو جمعیتیں تھیں۔ ایک قریش کا شامی قافلہ جو مدینہ کی راہ سے گذر کر مکہ کو جا رہا تھا، دوسرا روبرو سامنے قریش کا جنگی لشکر جو مسلمانوں سے لڑنے کے لیے نکلا تھا۔ خدا نے مسلمانوں سے وعدہ کیا تھا کہ ان دو جمعیتوں میں سے ایک ان کے ہاتھ لگے گی۔ عام مسلمان یہی سمجھتے تھے کہ تجارتی قافلہ ان کے ہاتھ آئے گا لیکن حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو اچھی طرح معلوم تھا کہ آج معمولی فتح و شکست کا

[1] صحیح بخاری تفسیر سورۂ دخان [2] صحیح بخاری کتاب المغازی۔

نہیں، بلکہ اس بطشۃ الکبریٰ کا دن ہے جس کا بارگاہِ الٰہی میں مدت سے وعدہ تھا۔ رات کو جب مسلمان بدر کے ٹیلوں پر پہنچے ہیں تو انھیں یہ فکر ہوئی کہ قریش کے تجارتی قافلہ کا پتہ لگایا جائے، چنانچہ مسلمان مخبر ادھر اُدھر گئے، اور ایک چرواہے کو پکڑ لائے، اور اس سے قریش کے قافلہ کا حال پوچھنے لگے۔ اس نے جواب دیا کہ "قریش کے قافلہ کا تو مجھے علم نہیں، البتہ ان کا لشکر ادھر پڑا ہے"۔ یہ سن کر مسلمانوں نے اس کو مارا کہ ہم سے صحیح حال چھپاتا ہے۔ مار کھانے پر اس نے کہا "اچھا ٹھہرو قافلہ کا حال بتاتا ہوں"۔ جب لوگ اس کو چھوڑ دیتے تو وہ پھر یہی کہتا کہ "مجھ کو قافلہ کی خبر نہیں، البتہ یہ جانتا ہوں کہ ادھر قریش کا لشکر سامنے پڑا ہے"۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم[1] نماز میں مصروف تھے، اس سے فراغت ہوئی تو فرمایا "جب وہ جھوٹ کہتا ہے تو تم چھوڑ دیتے ہو اور جب وہ سچ کہتا ہے تو تم مارتے ہو"۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ "یہ قریش کی تباہی کا دن ہے، یہ ابوجہل کا مقتل ہے، یہ عتبہ کا ہے، یہ اُبَی کا ہے، وغیرہ"۔ راوی کہتا ہے کہ آپ نے جس کا مقتل جہاں متعین فرمایا تھا، ایک سرِ مو وہاں سے اس نے تجاوز نہیں کیا۔

جنگ میں وہ وہیں مرا جہاں اشارہ فرمایا تھا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ جو صحنِ حرم کی یہ دعا کے وقت موجود تھے، وہ کہتے ہیں کہ عرب کے ساتوں رئیس جن کے حق میں آپ نے بددعا کی تھی، کل کے کل بدر کے میدان میں ڈھیر ہو گئے۔ اور "بطشۃ الکبریٰ" کے انتقام کی پیشین گوئی پوری ہوئی،

---

[1] یہ دونوں واقعے صحیح بخاری و مسلم میں موجود ہیں۔

سورۂ انفال جس میں بدر کے تمام واقعات کا ذکر ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے یہ ظاہر کر دیا ہے کہ یہی وہ فیصلہ کا دن تھا جس کا مدت سے انتظار تھا،

وَيُرِيدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ	اور خدا جو چاہتا ہے کہ حق کو اپنی باتوں سے
وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ لِيُحِقَّ الْحَقَّ	مستحکم کر دے اور کافروں کا پیچھا کاٹ دے
وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ	تاکہ حق کو حق اور باطل کو باطل کر دے
الْمُجْرِمُوْنَ (انفال-۱)	اگرچہ گنہگار اس کو پسند نہ کریں،

وسط سورہ میں فرمایا:

كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ وَالَّذِيْنَ	یہ ویسا ہی ہوا جیسا فرعون والوں کا اور
مِنْ قَبْلِهِمْ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ	ان سے پہلے کا کہ انھوں نے اپنے پروردگار
فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ	کی نشانیوں کو جھٹلایا تو ہم نے ان کے
(انفال-۷)	گناہوں کے سبب سے ان کو ہلاک کر دیا۔

یہ فیصلہ کا دن تھا۔

وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ	اور جو ہم نے اپنے بندہ پر فیصلہ کے دن اتارا
يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ (انفال-۵)	جس دن دونوں لشکر آپس میں بھڑے۔

اور یہ سب اس لیے ہوا کہ

لِيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا	تاکہ خدا اس کام کو پورا کر دے جو پہلے
(انفال-۵)	مقرر کیا جا چکا تھا

نکتہ: بدر کے میدان میں جب تین سو بے سروسامان مسلمان، ایک ہزار لوہے میں غرق فوج سے مقابل تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسی قسم کی بددعا مانگی، جیسی حضرت نوحؑ نے طوفان سے، اور حضرت موسیٰؑ نے غرق سے پہلے اپنی اپنی قوم کے لیے مانگی تھی، حضرت نوحؑ نے کہا "خداوندا اب زمین پر کوئی کافر بسنے والا نہ چھوڑ کہ جب تک وہ زندہ رہیں گے تیرے نام کی تقدیس نہ ہوگی، اور نہ ان کی نسل سے کوئی تیرا نام لینے والا پیدا ہوگا۔" حضرت موسیٰؑ نے کہا خداوندا! ان کے دل سخت کر دے کہ جب تک عذاب نہ دیکھ لیں گے ایمان نہ لائیں گے۔" لیکن اس موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے جو فقرہ نکلا وہ یہ تھا کہ "خداوندا! اپنا وعدہ پورا کر، اگر یہ مٹھی بھر مسلمان تباہ ہو گئے تو پھر کوئی تیرا نام لینے والا نہ رہے گا۔"

حضرت نوحؑ اور حضرت موسیٰؑ نے براہ راست اپنی اپنی قوم کی تباہی کی دعا مانگی لیکن رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اب بھی دعا مانگی تو صرف اہل توحید کی فتح و نصرت کی، دشمنوں کی تباہی و بربادی کی نہیں،

حاکم نے مستدرک (جلد ۳ صفحہ ۴۱) میں بروایت صحیح نقل کیا ہے کہ بدر کے قیدی جب گرفتار ہو کر آئے اور آپ نے ان کے متعلق صحابہؓ سے مشورہ طلب کیا، اور مختلف حاضرین نے مختلف رائیں پیش کیں، تو آپ نے فرمایا "یہ کفار قریش اپنے ان ہی بھائیوں کی طرح ہیں، جو ان سے پہلے تھے (یعنی گذشتہ انبیاء کی امتوں میں) نوحؑ نے دعا کی کہ "خداوندا! زمین پر ان کافروں میں سے کوئی آباد گھر والا باقی نہ رکھ۔" موسیٰؑ

نے کہا "ہمارے پروردگار! ان کی دولت کو میٹ دے۔ اور ان کے دلوں کو سخت کر دے۔" ابراہیمؑ نے فرمایا "جس نے میری پیروی کی وہ مجھ سے ہے، اور جس نے میری نافرمانی کی، تو خدا غفور و رحیم ہے۔" عیسیٰؑ نے کہا "(الٰہی!) اگر تو ان (نافرمانوں) پر عذاب بھیجے تو وہ تیرے بندے ہیں۔ اور اگر تو ان کو معاف کر دے تو تو غالب اور دانا ہے۔" اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کو خطاب کر کے فرمایا کہ تم لوگ وہ قوم ہو جس میں فریب اور دغا سے قتل کر دینے کا رواج ہے، تو تم میں سے کوئی زندہ فدیہ یا اپنا عمر دیے بغیر لوٹ کر نہ جا سکے گا۔"

اس روایت سے ہمارے اصول مذکورہ کی حرف بہ حرف تائید ہوتی ہے یعنی یہ کہ

(۱) بدر قریش کے لیے ویسا ہی عذاب ہلاکت کا دن تھا جیسا گذشتہ قوموں پر ہلاکت کے دن آیا کیے ہیں،

(۲) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر دو قسم کے انبیاء کے نام اور ان کی دعاؤں کا ذکر فرمایا ہے۔ ایک وہ جنھوں نے سخت گیری کا پہلو اختیار کیا مثلاً حضرت نوحؑ اور حضرت موسیٰؑ نے، دوسرے وہ جنھوں نے نرمی کا اظہار کیا مثلاً حضرت ابراہیمؑ اور حضرت عیسیٰؑ نے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں میں سے بیچ کی راہ اختیار کی،

سحر اور معجزہ کا فرق اور ساحر اور پیغمبر میں امتیاز

گذشتہ صفحات میں انبیاء کے جو خصائص و امتیازات اور علامات و آثار بتائے گئے ہیں، ان سے تو سحر و معجزہ کا فرق

اور ساحر و پیغمبر کا امتیاز ظاہر ہوتا ہے، سحر و شعبدہ صرف دل لگی کے آنی تماشے ہوتے ہیں لیکن معجزات و آیات قوموں اور جماعتوں کے صلاح و فساد، تعمیر اور تخریب، ترقی اور تنزل کے اسباب و سامان ہوتے ہیں، ساحر کا مقصد کسی غیر معمولی واقعہ کا صرف حیرت انگیز طریقہ سے اظہار ہوتا ہے، تاکہ وہ دیکھنے والوں کو تھوڑی دیر کے لیے متحیر کر دے، لیکن پیغمبر کا مقصد اپنے ان حیرت انگیز اعمال سے دنیا کی اصلاح، قوموں کی دعوت، جماعتوں کی تہذیب اور دین الٰہی کی تقویت کے سوا کچھ اور نہیں ہوتا، پیغمبر، بشیر، نذیر، مزکی، ہادی، سراج منیر اور شاہد عالم ہوتا ہے، ساحر ان تمام اوصاف سے خالی ہوتا ہے، اور حیرت انگیز تماشا گری کے سوا کوئی اور ممتاز بات اس کے اندر نہیں ہوتی،

قرآن مجید میں سحر کے متعلق جس قدر بیانات ہیں، ان سے واضح ہوتا ہے کہ وہ سحر کی حقیقت کو تسلیم نہیں کرتا اور تخیل اور نظر بندی سے زیادہ اس کو وقعت نہیں دیتا ہاروت و ماروت کے قصہ میں سحر کے زور و قوت کا خمایہ بیان کیا ہے،

مَا يُفَرِّقُونَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ	سحر کا وہ توڑ سیکھتے ہیں جس سے خاوند اور
وَمَا هُمْ بِضَآرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ	اس کی بیوی میں تفریق کر دیتے ہیں اور یہ کسی کو
اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ وَيَتَعَلَّمُوْنَ	حکم الٰہی کے بغیر نقصان نہیں پہنچا سکتے اور
مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ	یہ وہ چیز سیکھتے ہیں جو ان کو نقصان پہنچاتی
(بقرہ - ۱۲)	ہے اور نفع نہیں پہنچاتی،

غرض سحر و جادو کوئی مؤثر حقیقی شے نہیں، سورہ طٰہٰ میں نہایت تصریح کے ساتھ

یہ حقیقت واضح کی گئی ہے کہ خیال سے زیادہ اس کی حقیقت نہیں،

فَاِذَا حِبَالُهُمْ وَعِصِيُّهُمْ يُخَيَّلُ اِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰى (طٰہٰ - ۳)

پھر ناگاہ مصر کے جادوگروں کی رسیاں اور لاٹھیاں ان کے جادو کے اثر سے موسیٰ کے خیال میں معلوم ہونے لگیں کہ وہ دوڑ رہی ہیں

حکم ہوا کہ موسیٰ تم بھی اپنا عصا اے اعجاز ڈال دو، نتیجہ یہ ہوا کہ حق نے باطل پر فتح پائی،

قُلْنَا لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰى وَاَلْقِ مَا فِيْ يَمِيْنِكَ تَلْقَفْ مَا صَنَعُوْا اِنَّمَا صَنَعُوْا كَيْدُ سٰحِرٍ وَلَا يُفْلِحُ السّٰحِرُ حَيْثُ اَتٰى، (طٰہٰ - ۳)

ہم نے کہا موسیٰ! ڈرو نہیں، تم ہی سربلند رہو گے، تمہارے داہنے ہاتھ میں جو ہے تم اس کو ڈال دو، وہ انکی صنعت کاری کو نگل جائے گا، بیشک جادوگروں نے جو صنعت کی تھی، وہ جادوگر کا فریب تھا اور جادوگر جہاں سے بھی آئے فلاح نہیں پا سکتا

ساحر اور نبی میں اللہ تعالیٰ نے جو فرق و امتیاز بتایا، وہ یہی ہے کہ نبی فلاح پاتا ہے، اور جادو کر فلاح نہیں پاتا۔ نبی کے تمام اعمال مساعی، جد و جہد اور معجزات کا مرکز و محور فلاح اور خیر ہوتا ہے، اور جادوگر کا مقصد صرف فریب، دھوکا اور شر ہوتا ہے؛ دوسری جگہ ایک اور آیت میں اسی مفہوم کو دہرایا گیا ہے، حضرت موسیٰؑ مصر کے جادوگروں سے کہتے ہیں،

مَا جِئْتُمْ بِهِ السِّحْرُ اِنَّ اللّٰهَ

جو تم لائے ہو وہ جادو ہے، اللہ اس کو

سَيُبْطِلُهٗ ۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُصْلِحُ باطل کر دے گا۔ بیشک اللہ شریروں کے

عَمَلَ الْمُفْسِدِيْنَ (یونس-۸) کام کو نہیں سنوارتا

یعنی سحر و جادو ایک آنی تماشا ہوتا ہے، اور اعجاز کا اثر دائمی ہوتا ہے، اور اس کے نتائج دنیا میں نہایت عظیم الشان ہوتے ہیں۔ فرعون نے حضرت موسیٰؑ کے اعجاز کو دیکھ کر کہا کہ یہ سب جادو کے کرشمے ہیں، حضرت موسیٰؑ نے جواب دیا

اَسِحْرٌ هٰذَا وَلَا يُفْلِحُ السّٰحِرُوْنَ کیا یہ جادو ہے؟ اور جادو کرنے والے تو

(یونس-۸) فلاح نہیں پاتے۔

غرض "فلاح" اور "عدم فلاح" سحر اور اعجاز کے درمیان سب سے بڑا فرق ہے، کفار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت کہتے تھے کہ یہ شیطان کی قوت سے یہ کلام پیش کرتے ہیں اور ان کے کلام کا سرچشمہ شیطان کی تعلیم ہے، خدا نے اسکے جواب میں کہا کہ اس حقیقت کا امتیاز کہ اس کا منبع اور سرچشمہ خیر ہے یا شر اور یہ شیطان کی قوت کا نتیجہ ہے، یا ملکوتی طاقت اس کا مظہر ہے، نہایت آسان ہے، اور خود مدعی کی زندگی اور اس کے اخلاق و اعمال اس کے شاہد عدل ہیں، حضرت عیسیٰؑ کے قول کے مطابق کہ درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے، ان دونوں قوتوں کے درمیان تفریق کچھ زیادہ مشکل نہیں، خدا نے کہا "ہم بتائیں شیطان کس پر اترتے ہیں؟

عَلٰى كُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ يُّلْقُوْنَ شیطان اترتے ہیں ہر جھوٹے گنہگار پر جو ڈالتے

السَّمْعَ وَاَكْثَرُهُمْ كٰذِبُوْنَ ہیں وہ سنی بات اور بہت ان میں جھوٹے ہیں

یعنی نبی اور متنبی کا فرق خود اس کی اخلاقی زندگی ہے، علاوہ ازیں افترا پرداز اور شریر کے کام کو مستقل اور دائمی زندگی عطا نہیں ہوتی،

اِنَّ الَّذِیْنَ یَفْتَرُوْنَ عَلَی اللّٰہِ الْکَذِبَ	جو لوگ کہ خدا پر جھوٹ باندھتے ہیں وہ فلاح
لَا یُفْلِحُوْنَ ۝ مَتَاعٌ قَلِیْلٌ وَّلَھُمْ	نہیں پاتے، چند روزہ کامیابی اور ان
عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۝ (نحل - ۱۵)	کے لیے دردناک عذاب ہے،

معجزات اور نشانات سے کن لوگوں کو ہدایت ملتی ہے

معجزات، دلائل، آیات اور آثار سے ہدایت کن لوگوں کو عطا ہوتی ہے؟ قرآن مجید نے ان کے اوصاف و شرائط بیان کیے ہیں،

(۱) سب سے پہلی چیز یہ ہے کہ اس کو خدا پر ایمان ہو، اگر اس کو سرے سے خدا پر ایمان نہیں تو اس کو معجزہ سے ہدایت نہیں مل سکتی۔ اس کے لیے اس کی ضرورت ہے کہ پہلے کائنات کے اسرار و عجائب کو دیکھ کر ایک قادر مطلق ہستی کے وجود پر یقین کرے۔ اس کے بعد معجزات اور نشانیوں کے ذریعہ سے اس کو نبوت کے باب میں ہدایت نصیب ہوگی،

قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ	کہہ اے پیغمبر! کہ غور سے دیکھو کیا کچھ ہے
الْاَرْضِ وَمَا تُغْنِی الْاٰیٰتُ	آسمانوں میں اور زمین میں، اور کچھ کام نہیں
وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا	آتیں نشانیاں اور ڈرا دے ان لوگوں کے
یُؤْمِنُوْنَ۔ (یونس - ۱۰)	جو ایمان نہیں رکھتے،

(۲) دوسری چیز جو آیات اور نشانیوں سے عبرت پذیر نہیں ہونے دیتی وہ خود غرضی اور تکبر ہے، معاندین چونکہ عموماً دولتمند رؤسا اور مدعیانِ عقل و خرد ہوتے ہیں،

اس لیے ان کا جذبۂ انانیت اور ترفع ان کو اعیانِ حق کے علم کے نیچے کھڑے ہونے سے باز رکھتا ہے۔ اس بنا پر آیات اور نشانیوں سے ہدایت پانے کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس جذبہ سے پاک ہوں۔ معاندین نے ہمیشہ انبیاءؑ کو کہا "اَبَشَرٌ یَّھْدُوْنَنَا" یہ پیغمبر تو ہماری طرح ایک آدمی ہے، کیا ہم اس کی پیروی قبول کریں؟" مصر کے بادشاہ اور سرداروں نے اسی جذبہ کی بنا پر حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ کی دعوت قبول کرنے سے انکار کیا، اور ان کو گوناگوں معجزات دیکھنے کے بعد بھی ہدایت نہیں ملی۔

ثُمَّ اَرْسَلْنَا مُوْسٰی وَاَخَاهُ	پھر ہم نے موسیٰ اور اس کے بھائی ہارون
هٰرُوْنَ بِاٰیٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ	کو نشانیاں اور کھلی قوت دے کر فرعون
اِلٰی فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَاسْتَكْبَرُوْا	اور اس کے سرداروں کے پاس بھیجا تو
وَكَانُوْا قَوْمًا عَالِیْنَ فَقَالُوْۤا	انھوں نے غرور کیا اور وہ متکبر لوگ تھے،
اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَیْنِ مِثْلِنَا وَ	تو انھوں نے کہا کیا ہم اپنی ہی طرح کے
قَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ	آدمیوں پر ایمان لائیں۔ درانحالیکہ
(مومنون - ۳)	ان کی قوم ہماری رعایا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ایسے منکروں اور خود پسندوں کی نسبت اپنا یہ فیصلہ سنایا ہے

سَاَصْرِفُ عَنْ اٰیٰتِیَ الَّذِیْنَ	ہم ان لوگوں کو اپنی نشانیوں کے سمجھنے سے
یَتَكَبَّرُوْنَ فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ	پھیر دیں گے جو زمین میں ناحق تکبر کرتے ہیں

وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا (اعراف - ۱۷)

اور اگر وہ تمام نشانیوں کو دیکھ بھی چکیں تب بھی ایمان نہ لائیں گے۔

قریش کے معاندین جو اپنی قوم کے رؤسا، اکابر اور اہل دولت تھے وہ بھی ان نشانیوں سے اسی لیے ہدایت نہ پا سکے کہ ان کو ایک غریب و مفلس اور بے یار و مددگار انسان کی پیروی گوارا نہ تھی۔ وہ کہتے تھے کہ اگر نبوت ہوتی بھی تو مکہ اور طائف کے کسی بڑے آدمی کو ملتی،

وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ (زخرف ۳)

اور انھوں نے کہا کہ یہ قرآن طائف اور مکہ کے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہیں اترا۔

سب سے آخری چیز جو ان آیات اور نشانیوں سے ہدایت پانے کی صلاحیت اور استعداد پیدا کرتی ہے، وہ دل کا قبول حق کی طرف میلان ہے، بڑے سے بڑے خوارق اور عجیب سے عجیب معجزات ان لوگوں کے نزدیک سحر و جادو سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے جن کے دل انابت اور رجوع الی الحق کی استعداد سے خالی ہیں،

وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَآ

اور کافر کہتے ہیں کہ اس پر اسکے خدا کی طرف سے کوئی

اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ

نشانی کیوں نہیں اتری۔ کہدے کہ خدا جس کو

قُلْ اِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ

چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور اسی کو اپنی طرف راہ

وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ اَنَابَ (رعد ۵)

دکھاتا ہے جو خدا کی طرف اپنے کو رجوع کرتا ہے

اگر قبولیت اور اصلاح کی یہ استعداد نہ ہو تو بڑے سے بڑا معجزہ بھی باطل پرستی کو زیادہ نہیں، اور یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں پر گمراہی اور شقاوت کی مہر لگی ہوئی ہے

مشرک جو کسی مذہب حق نہیں مانتے اور علم سے بے بہرہ ہیں، ان کا یہی حال ہے،

وَلَئِنْ جِئْتَهُمْ بِاٰيَةٍ لَّيَقُوْلَنَّ	اور (اے پیغمبر) اگر تو ان کے پاس کوئی نشانی
الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا	لائے تو وہ جو منکر ہیں، کہیں گے کہ تم فریبی ہو
مُبْطِلُوْنَ ۝ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ	اسی طرح اللہ ان لوگوں کے دلوں پر مہر
عَلٰى قُلُوْبِ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ (روم)	کر دیتا ہے جو علم نہیں رکھتے

اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کے طلب ثبوت میں کہتے ہیں کہ اس وقت تک ہم ان کو پیغمبر حق تسلیم نہ کریں گے۔ جب تک اسی قسم کے معجزے وہ نہ دکھائیں جیسے ان پیغمبروں نے لوگوں کو دکھائے تھے۔ قرآن کہتا ہے کہ فرض کر دو کہ صرف ان ہی جیسے معجزوں سے پیغمبری کی سچائی تسلیم کی جا سکتی ہے، تو ان پیغمبروں نے تو وہی معجزے دکھائے تھے، پھر ان کو دیکھ کر ان کے زمانہ کے کل منکرین کیوں ایمان نہ لے آئے، اور آخر تک وہ ان کو جادوگر ہی کیوں سمجھتے رہے،

فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا	تو جب ہماری طرف سے سچائی ان کے پاس آئی
قَالُوْا لَوْلَآ اُوْتِيَ مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ	تو لوگوں نے کہا کیوں نہیں (محمد کو) ویسی ہی چیز
مُوْسٰٓى اَوَلَمْ يَكْفُرُوْا بِمَآ اُوْتِيَ	دی گئی جیسی موسیٰ کو دی گئی تھی، کیا موسیٰ کو جو چیز دی گئی تھی
مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ ۚ قَالُوْا سِحْرٰنِ	اس کا انکار منکرین پہلے نہیں کر چکے۔ انہوں نے
تَظٰهَرَا ۡ وَقَالُوْٓا اِنَّا بِكُلٍّ كٰفِرُوْنَ	کہا کہ یہ جادوگر ہیں۔ جو ہم ایک دوسرے کے مددگار
(قصص - ۵)	ہیں، ہم ان سب کے ماننے سے انکار کرتے ہیں،

صداقت کی نشانی صرف ہدایت ہے

قرآن مجید نے اس کے بعد ہی کہا کہ صداقت کی نشانی صرف ہدایت اور رہنمائی ہے، کہ مدعی جو پیغام اور جو احکام پیش کرتا ہے وہ فلاح، نجات اور رشد کی طرف لیجاتے ہیں، اور جو ان سے انکار کرتے ہیں، وہ ظالم اور خود سر ہیں۔ ان کو ہدایت کی سعادت نہیں ملتی،

قُلْ فَأْتُوا بِكِتَابٍ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ هُوَ أَهْدٰى مِنْهُمَا أَتَّبِعْهُ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِينَ، فَإِنْ لَمْ يَسْتَجِيبُوا لَكَ فَاعْلَمْ أَنَّمَا يَتَّبِعُونَ أَهْوَاءَهُمْ ۚ وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوَاهُ بِغَيْرِ هُدًى مِنَ اللّٰهِ ۚ إِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِينَ

(قصص - ۵)

کہدے اے پیغمبر، کہ اگر تو سچا ہے اور قرآن و دونوں کتابیں جھوٹی ہیں اور تم سچے ہو تو ہدایت میں ان سے بڑھ کوئی کتاب الٰہی لاکر تو میں اس کی پیروی کروں، تو اگر وہ تمہارے اعلان کے مطابق نہ کرو کہ میں تو جانتے کہ صرف اپنی خواہش نفسانی کی پیروی کرتے ہیں، اور اس سے بڑھ کر گمراہ کون ہے جو ہدایت الٰہی کو چھوڑ کر اپنی خواہش نفسانی کی پیروی کرتا ہے، اللہ خود سر لوگوں کو ہدایت نہیں کرتا۔

آیاتِ دلائلِ نبوی کی تفصیل

"معجزہ" کے ہر پہلو پر کلی حیثیت سے بحث کرنے کے بعد اب موقع آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام مافوق فہم بشری سوانح و واقعات کی تفصیل کی جائے، یہ سوانح و واقعات دو قسم کے ہیں، ایک وہ جو حقیقت میں لوازم نبوت ہیں، اور کم و بیش ہر پیغمبر کو وہ ایک ہی طرح پیش آئے ہیں، ہم نے ان کا نام خصائص النبوۃ رکھا ہے۔ دوسری قسم میں وہ جزئی واقعات داخل ہیں جو ہر پیغمبر سے اس کے حالات زمانہ کے مطابق مختلف صورتوں میں صادر ہوئے ہیں، اور جن کو اصطلاح عام میں معجزات کہتے ہیں۔

ہم نے ان معجزات کو ان کے استناد اور ماخذ کی حیثیت سے تین مختلف الوان میں منقسم کر دیا ہے، پہلے میں وہ معجزات و واقعات ہیں جو منصوص صریح یا اشارۃً قرآن مجید میں مذکور ہیں۔ دوسرا باب ان معجزات کا قرار دیا ہے، جو صحیح اور مستند روایات سے ثابت ہیں اور تیسرے باب میں ان معجزات پر بحث کی ہے جن کو گو بعض محدثین اور ارباب سیر نے اپنی کتابوں میں جگہ دی ہے، مگر محدثانہ اصول کی بنا پر وہ تمام تر کمزور اور غیر مستند ہیں"!

یہ کتب سابقہ کی وہ پیشین گوئیاں درج ہیں، جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کے متعلق ان کتابوں میں پائی جاتی ہیں۔ اور سب سے آخر میں خصائص محمدیؐ کا باب ہے۔ اس تفصیل کے مطابق آئندہ اوراق کی ترتیب کی حسبِ ذیل صورت ہوگی۔

۱۔ خصائص النبوۃ۔

۲۔ وہ آیات و دلائل جن کا ذکر قرآن مجید میں ہے

۳۔ صحیح اور مستند روایتوں سے جو آیات و دلائل ثابت ہیں

۴۔ غیر مستند روایتیں اور ان پر تنقید،

۵۔ کتب سابقہ کی بشارتیں۔

۶۔ خصائص محمدیؐ۔

خصائص النبوۃ

دنیا میں ہر جنس اور ہر نوع کی کچھ نہ کچھ خصوصیات ہوتی ہیں، جن سے وہ اپنے غیر سے ممتاز ہوتی ہے، وہ خصوصیات ایسی ہوتی ہیں جن سے اُس جنس اور نوع کی کوئی فرد خالی نہیں ہوتی، اسی طرح نبوت کی بھی کچھ نہ کچھ خصوصیتیں ہیں، جو اس کے لیے بمنزلۂ لوازم حقیقت کے ہیں، چنانچہ دنیا میں جس قدر پیغمبر کسی نہ کسی قوم، اور کسی نہ کسی زمانہ میں آئے ہیں، وہ اُن خصوصیات سے ہمیشہ ممتاز ہوئے ہیں، مثلاً یہ کہ خدا نے کسی نہ کسی طرح ان کو اپنے کلام و ارشاد سے مفتخر اور اپنے احکام سے مطلع فرمایا ہے. ان کے ادراک و احساس کی قوتوں کو اس قدر بلند کیا کہ عام انسانوں کو جو چیزیں نظر نہیں آتیں ان کو نظر آتی ہیں. عامۂ بشر جن آوازوں کو نہیں سن سکتے، وہ ان کو سنائی دی ہیں. ملائکہ الٰہی خدا کے قاصد بن ان کے پاس آئے ہیں، صداقت کے لحاظ سے ان کے خواب اور بیداری کا ایک ہی عالم رہا ہے. کیونکہ گو ان کی آنکھیں سوتی ہیں[1] لیکن ان کے دل نہیں سوتے اور ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنی نشانیوں میں سے کوئی نہ کوئی نشانی بھی عطا فرمائی ہے[2]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ افضل الرسل و خاتم النبیین تھے. اس لیے ان خصوصیات

---

[1] صحیح بخاری کتاب المناقب باب صفۃ صلی اللہ علیہ وسلم و کتاب توحید باب وکلم اللہ موسیٰ تکلیما

[2] صحیح بخاری باب الاعتصام

میں سے ہر خصوصیت کا وافر حصہ آپ کو عنایت ہوا تھا، اسی لیے مکالمۂ الٰہی، نزولِ ملائکہ، مشاہدۂ خواب و بیداری وغیرہ خصائصِ نبوت کے واقعات آپ کی سیرت میں دوسرے انبیاء علیہم السلام کی سیرتوں سے بیشتر اور کامل تر نظر آتے ہیں، چنانچہ قرآن مجید میں ان کے اشارات اور احادیث صحیحہ میں ان کی تفصیلات مذکور ہیں، مختلف انبیاءؑ میں ان خصائص کا کم و بیش ہونا بھی قرآن مجید کا فیصلہ ہے،

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ	ان پیغمبروں میں سے بعض کو بعض پر ہم نے
عَلٰى بَعْضٍ مِنْهُمْ مَنْ كَلَّمَ اللّٰهُ	فضیلت بخشی ہے، ان میں سے بعض سے
وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ	خدا نے باتیں کیں بعضوں کے رتبے بلند کیے،
وَاٰتَيْنَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ	اور مریم کے بیٹے عیسیٰ کو ہم نے کھلی نشانیاں
الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوحِ	دیں، اور روح القدس کے ذریعہ
الْقُدُسِ (بقرہ ۲-۳۳)	اس کی تائید کی۔

دیکھیے کہ مکالمۂ الٰہی، رفع درجات، عطائے نشان، تائید بروح القدس، یہ چاروں باتیں ایسی ہیں جن سے خدا کا کوئی فرستادہ محروم نہ تھا، تاہم چونکہ ان میں سے ہر چیز تمام پیغمبروں میں یکساں نہ تھی، بلکہ بعض کو ان میں سے کسی چیز کا حصۂ وافر دیا گیا تھا، اور بعض کو کوئی دوسری چیز زیادہ ملی تھی، اس لیے ہر پیغمبر کی طرف اس خاص چیز کی نسبت مخصوص طور سے کی گئی ہے جس کا ان کی قسمت میں بڑا حصہ آیا تھا، اس سے یہ مقصود نہیں کہ نبوت کے ان خصائص سے کوئی پیغمبر محروم بھی تھا،

ان خصائص میں سے اللہ تعالیٰ نے سب سے زیادہ زور وحی اور نزولِ ملائکہ پر دیا ہے، ہر جگہ رسول اور نبی کی گویا تعریف ہی یہی کی ہے کہ ایک ایسا انسان جس کو خدا نے اپنی پیغمبری کے لیے منتخب کیا ہو، اور اس پر اپنی وحی نازل کی ہو، چنانچہ سورۂ نحل اور سورۂ انبیاء میں تمام پیغمبروں کا مشترک وصف یہ بتایا ہے،

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا	اور ہم نے اپنا قاعدہ بنا کر تم سے پہلے کسی
رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ	پیغمبر کو نہیں بھیجا، لیکن وہ وہ انسان تھے
(یوسف - ۱۲)	جن کی طرف ہم نے اپنی وحی بھیجی،

نزولِ ملائکہ کی نسبت بھی خدا نے یہ فرمایا کہ وہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے، فرشتوں کو اس لیے اتارتا ہے کہ وہ اس کی بات کو ان تک پہنچا دیں،

يُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِهٖ	اپنی بات کی روح دیکر اپنے بندوں میں سے جس
عَلٰي مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ (نحل - ۱)	پر چاہتا ہے فرشتوں کو نازل کرتا ہے،

ان کے علاوہ رویت و مشاہدۂ غیب اور سیر ملکوت کے احوال و مشاہدہ کا بھی اکثر انبیاء علیہم السلام کے سوانحِ زندگی میں ان کے درجوں اور رتبوں کے مطابق پیش آنا اسفارِ کتبِ الٰہی سے ثابت ہے، جیسا کہ آئندہ اوراق کے مطالعہ سے ناظرین پر روشن ہوگا،

مکالمۂ الٰہی

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ (شوریٰ)

پیغمبروں کی خصوصیات میں سے سب سے بڑی خصوصیت مکالمۂ الٰہی ہی قرآن مجید میں بار بار پیغمبروں کے ساتھ مخاطبۂ ربانی اور مکالمۂ الٰہی کی تصریح ہے، اور مجموعۂ توراۃ میں ہر پیغمبر کے متعلق اس کی شہادتیں موجود ہیں۔

خدا انبیاءؑ سے کلام کیونکر کرتا ہے؟ قرآن مجید کی ایک آیت میں اس کی حسب ذیل تصریح ہے۔

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ	اور کسی بشر کی یہ تاب نہیں کہ خدا اس سے روبرو
اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ	کلام کرے لیکن وحی کے ذریعے یا پردہ کی
اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ	آڑ سے یا یہ کہ وہ کسی قاصد کو بھیجے اور اس کے
مَا يَشَآءُ اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ (شوریٰ)	حکم سے جو کچھ وہ چاہتا ہے پہنچا دیتا ہے....

اس آیت میں مکالمۂ الٰہی کی تین صورتیں بیان ہوئی ہیں، کلام بالوحی، کلام پس پردہ اور کلام بذریعہ قاصد و فرشتہ، ان ہر سہ اقسام میں سے ہر پیغمبر کو کسی نہ کسی طریقۂ کلام سے مشرف کیا گیا ہے، بعض پیغمبروں کو خصوصیت کے ساتھ کلام پس پردہ کے شرف سے ممتاز کیا گیا ہے، اسی لیے ان کے فضائل میں تکلم الٰہی کی فضیلت کو مستقل حیثیت دی گئی ہے،

مثلاً حضرت موسیٰؑ کہ ان کی شان میں

وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا (نساء) (خدائے موسیٰ سے باتیں کیں)

کی تصریح ہے، ان کو وادی سینا کے ایک درخت سے خدا کی آواز سنائی دی، سورہ بقرہ میں اس خاص طریقۂ کلام کے دائرہ کو اور بھی وسعت دی گئی ہے، چنانچہ پیغمبروں کے وصف میں خدا نے فرمایا۔

مِنْهُمْ مَنْ كَلَّمَ اللّٰهُ (بقرہ) (ان پیغمبروں میں سے بعض سے خدا نے باتیں کیں)

اس آیت کریمہ میں یہ تصریح نہیں کہ کن پیغمبروں کو خدا تعالیٰ نے اس مخصوص طریقہ کلام سے مشرف کیا، اس لیے اس شرف خاص میں حضرت موسیٰؑ کے ساتھ دوسرے انبیاء بھی شریک ہو سکتے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مکالمۂ الٰہی کے تینوں مذکورہ طریقوں سے خدا کی ہم کلامی کا شرف حاصل ہوا ہے۔ بلکہ واقعہ معراج میں وہ مرتبہ بھی پیش آیا ہے، جہاں حبیب و محبوب کے درمیان قاصد و پیام سرسرے سے بیگانہ تھے جہاں زبان و مکان اور حلولہ و نگاہ کی شرکت بھی مخل تنہائی تھی۔ جہاں مذکور سینا تھا۔ برق طور دشت ایمن تھا۔ و نخل وادی صوت سرمدی سامعہ نواز تھی اور حقیقت محمدی گوش سامع فَاَوْحٰٓى اِلٰى عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰى (نجم) پھر اس نے اپنے بندہ سے جو چاہا باتیں کیں، جو باتیں کیں،

وَحی

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝ (نجم)

گو مکالمۂ الٰہی کی متعدد صورتیں ہیں، جن میں سے ایک وحی بھی ہے، لیکن اسلام کے محاورہ میں وحی کا مفہوم اس قدر وسیع کر دیا گیا ہے کہ مکالمۂ الٰہی کی تمام صورتیں اسکے تحت میں داخل ہو گئی ہیں، وحی کے معنی لغت میں حسب ذیل ہیں:

الوحی - الاشارۃ والکتابۃ	(لسان العرب)	وحی کے معنی، اشارہ کرنا، لکھنا، پیغام دینا،
والرسالۃ والالہام والکلام		دل میں ڈالنا، چھپا کر بولنا اور جو کچھ تم دوسرے
الخفی وکل ما القیتہ الی غیرک		کے خیال میں ڈالو،

لکھنا، عجاج کا شعر ہے

حتی نحاھم جدنا و لنا حی

لقدر کان وحاہ الواحی

خط اور کتاب، لبید کہتے ہیں،

فمدافع الریان عری رسمہ ۔ خلقا کما ضمن الوحی سلامھا

تو ریان پہاڑ کے نالوں کے آثار پرانے ہو کر ایسے دھندلے ہو گئے جیسے پتھر میں لکھی ہوئی عبارت،

حکم دینا، عجاج کہتا ہے،

وحی لہا القرار فاستقرت　　وشدّھا بالراسیات الثبت

دین کو ٹھہرنے کا حکم دیا تو وہ ٹھہر گئی　　اور اسے جمے ہوئے پہاڑوں سے جکڑ دیا

چھپا کر بات کرنا، ابوذویب کا شعر ہے

فقال لہا وقد اوحت الیہ　　الا للہ اُمّک ما تقیف

اس مرد نے کہا جب عورت نے اس سے پوشیدہ طریقہ پر گفتگو کی کہ تیری ماں کو کیا کہنا وہ کیا فال بد لیتی ہے

اشارہ کرنا۔　یوحی الیہا بانقاض و نقنقۃ

وہ مرغ اس مرغی کیطرف کڑکڑا کے اشارہ کرتا ہے۔

آواز ابوزبید　مرتجز الجوف بوحی اعجم

گھوڑے کے پیٹ سے دبکنے والی آواز آتی ہے

لیکن اہل لغت کہتے ہیں کہ اس لفظ کے اصلی معنی "دوسروں سے چھپا کر کسی سے چپکے چپکے بات کرنے کے ہیں" کسائی عرب کا محاورہ بتاتا ہے کہ وحیت الیہ بالکلام و اوحیت الیہ ھو ان تکلمہ بکلام تخفیہ من غیرہ" یعنی کسی سے اس طرح باتیں کرو کہ اس کو دوسروں سے چھپاؤ" ابو اسحاق لغوی کہتا ہے واصل الوحی فی اللغۃ کلہا اعلام فی خفاء، وحی کا اصل مفہوم اس کے تمام معنوں میں "چھپا کر اطلاع دینے" کے ہیں،

قرآن مجید میں یہ لفظ اپنے اصل مفہوم کے پندرہ معنوں میں آیا ہے،

۱۔ فطری حکم،

وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ (نحل) — تیرے پروردگار نے شہد کی مکھیوں کو "وحی" کیا

بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَا (زلزال) — کیونکہ تیرے پروردگار نے "زمین" کو وحی کیا،

عجاج کے اس شعر میں بھی یہی معنی ہیں،

وحی لہا القرار فاستقرت — وشدھا بالراسیات الثبت

خدا نے زمین کو ساکن رہنے کی "وحی" کی تو وہ ساکن ہے اور اس کو مضبوط پہاڑوں سے باندھ دیا ہے۔

۲- دل میں بات ڈال دینا،

فَاِذْ اَوْحَيْتُ اِلَى الْحَوَارِيّٖنَ — اور جب میں نے حواریوں کو "وحی" کیا کہ مجھ پر اور

اَنْ اٰمِنُوْا بِيْ وَبِرَسُوْلِيْ (مائدہ) — میرے پیغمبر پر ایمان لاؤ،

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى اَنْ — اور ہم نے موسیٰ کی ماں کو "وحی" کیا "کہ اس

اَرْضِعِيْهِ (قصص ۷) — بچے کو دودھ پلاؤ۔

۳- چپکے بات کرنا،

يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ — یہ ایک دوسرے کو چکنی چپڑی بات "وحی

زُخْرُفَ الْقَوْلِ (انعام) — کرتے ہیں"

وَاِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ — اور یہ شیطان لوگ اپنے دوستوں کو

اِلٰٓى اَوْلِيٰٓئِهِمْ (انعام) — "وحی کرتے ہیں"

وحی کے ان متفرق معنوں میں ایک مفہوم مشترک ہے، اور وہ یہ ہے کہ "منہ سے لفظ نکالے بغیر ایک شخص کا دوسرے شخص کو اپنا مفہوم سمجھا دینا" یا اگر الفاظ ہوں

تو وہ اس قدر پوشیدہ ادا ہوں کہ دوسرے ان کو نہ سن سکیں، اس لیے اشارہ کرنا، مکتنا، دل میں ڈال دینا، حکم فطری، خط اور کتابت اور جانوروں کا اپنے حرکات سے اپنا مطلب ظاہر کرنا، سب اس کے معنوں میں داخل ہیں، بہرحال اس تفصیل سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وحی کا لفظ جس مذہبی معنی میں مستعمل ہے، وہ درحقیقت لغوی معنی کے بہت قریب ہے، چنانچہ خود شعرائے جاہلیت نے اس کو اسی معنی میں استعمال کیا ہے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معاملۂ الٰہی اور وحی کا آغاز رویا اور خواب سے ہوا صحیح بخاری میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے،

اول ما بدی بہ رسول اللہ	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ وحی کا آغاز
صلی اللہ علیہ وسلم من الوحی الرؤیا	اچھے خواب سے ہوا آپ جو خواب دیکھتے وہ
الصالحۃ فی النوم فکان لا یری	صبح کی روشنی کی طرح ظاہر
رؤیا الا جاءت مثل فلق الصبح	ہوتا تھا۔

صحیح بخاری کے پہلے ہی باب میں حدیث ہے کہ ایک صحابی نے پوچھا کہ یا رسول اللہ آپ پر وحی کیونکر آتی ہے؟ آپ نے فرمایا،

احیاناً یاتینی مثل صلصلۃ	کبھی گھنٹی کی آواز کی طرح میرے پاس آتی
الجرس وھو اشدہ علیّ	ہے، اور یہ مجھ پر زیادہ سخت ہوتی ہے۔
فیفصم عنی وقد وعیت عنہ	اور پھر یہ حالت دور ہو جاتی ہے، اور جو کچھ وہ
ما قال، واحیاناً یتمثل لی الملک	کہتا ہے میں اس کو محفوظ کر لیتا ہوں

ساجلت فیکلمنی فاعی	اور کبھی وہ (فرشتہ) جبریل امین میرے انسان کی
مایقول	شکل میں سمٹ آتا ہے، اور مجھ سے باتیں کرتا ہے
	اور جو وہ کہتا ہے اس کو میں محفوظ کر لیتا ہوں

صلصلۃ الجرس، یعنی گھنٹہ کی آواز کی طرح آواز کا آنا" اس کی تشریح متکلمین اور ارباب باطن نے اپنے اپنے مذاق کے مطابق کی ہے، لیکن ہم اس کا صاف اور صریح مطلب وہ سمجھتے ہیں جو عوام ہاتف غیب یا منادی غیب کے لفظ سے سمجھتے ہیں، یعنی یہ کہ آواز سنائی دے، لیکن کوئی صورت نظر نہ آئے، بانگ جرس کے ساتھ اس کی تشبیہ محض اس بات میں ہے کہ جس طرح دور سے جرس کی آواز سنائی دیتی ہے، اور اس کے متعینہ اشاروں سے انسان کچھ سمجھ جاتا ہے، حالانکہ جرس یا اس کے بجانے والے کی شکل آنکھوں سے اوجھل یا بہت دور ہوتی ہے۔ اسی طرح پیغمبر کسی دور سے منادی غیب کی آواز سنتا ہے، لیکن کوئی جسم شکل اس کے سامنے نہیں ہوتی، اسی کے بالمقابل آپ نے وحی کی دوسری صورت یہ بیان فرمائی کہ پہنچانے والا فرشتہ مجسم ہو کر سامنے آتا ہے، اور وہ باتیں کرتا ہے،

حدیثوں میں طریقۂ وحی کی اور صورت بھی آئی ہے، آپ نے ارشاد فرمایا:

ان روح القدس نفث فی روعی — روح القدس نے میرے دل میں پھونکا

اور کہیں یہ صیغۂ مجہول کے ساتھ آیا ہے،

نفث فی روعی — میرے دل میں پھونکا گیا،

حافظ ابن قیم نے ان ہی حدیثوں کو پیش نظر رکھکر وحی کی حسب ذیل قسمیں قرار دی ہیں،

۱۔ رویائے صادقہ، سچ خواب دیکھنا،

۲۔ نفث فی الروع یا القاء فی القلب دل میں پھونکنا یا دل میں ڈالنا،

۳۔ صلصلۃ الجرس گھنٹہ کی طرح آواز آنا۔

۴۔ تمثل فرشتہ کا کسی شکل میں متشکل ہو کر نظر آنا،

۵۔ فرشتہ کا اپنی اصلی صورت میں نمودار ہونا

۶۔ وہ طریق مکالمہ جو معراج میں پیش آیا،

۷۔ بلا واسطہ مکالمہ۔

صحیح بخاری بدء الوحی میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ تیسری صورت مجھ پر بہت سخت ہوتی ہے، اور پھر وہ شدت جاتی رہتی ہے۔ آپ پر وحی آتی تھی تو آپ پر ایک خاص کیفیت طاری ہوتی تھی۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ وحی اترنے کی حالت میں میں نے آپ کو دیکھا کہ جب یہ کیفیت ختم ہو جاتی تھی تو سخت سردی کے دنوں میں بھی جبین مبارک عرق آلود ہو جاتی تھی[1]۔ ایک اور موقع پر حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں کہ وحی کی حالت میں آپ پر شدت کی جو کیفیت طاری ہوتی تھی وہ ہوئی، اور وحی کے بوجھ سے جاڑوں میں آپ کی پیشانی سے موتیوں کی طرح پسینے کے قطرے ڈھلکنے لگے[2]۔ صحابہؓ کا بیان ہے کہ اس حالت میں جسم مبارک بہت بھاری ہو جاتا تھا سواری کے

[1] بخاری بدء الوحی [2] بخاری واقعہ الافک۔

اونٹ بیٹھ جاتے تھے، حضرت زید بن ثابتؓ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ آپ پر وحی آئی اور میرا پاؤں آپ کی ران مبارک کے نیچے دبا تھا، مجھے یہ معلوم ہوتا تھا کہ میرا پاؤں بوجھ سے ٹوٹ جائے گا۔ یعلی بن امیہؓ ایک صحابی تھے، ان کو بڑا شوق تھا کہ ایک دفعہ نزولِ وحی کے عالم میں وہ آپ کی زیارت کرتے، اتفاق سے حج کے سفر میں ان کو یہ سعادت نصیب ہوگئی، وہ کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ آپ کا چہرہ سرخ ہوگیا ہے، اور آپ خراٹے رہے ہیں تھوڑی دیر میں یہ حالت دفع ہوگئی۔

عبادہ بن صامتؓ کہتے ہیں کہ جب آپ پر وحی نازل ہوتی تو آپ کو بیچینی ہوتی، چہرہ کا رنگ بدل جاتا، آپ سر جھکا لیتے، صحابہ جو آپ کے ساتھ بیٹھے ہوتے وہ بھی سر نیچے کر لیتے (وحی کے بعد آپ سر اٹھاتے)

فرشتہ کی زبانی سب سے پہلی وحی غار حرا میں آئی۔ اس وقت عمر شریف چالیس برس کی تھی۔ اور اقرأ باسم ربك الذی خلق کی ابتدائی آیتیں اس مکتب کا اولین درس تھا اس کے بعد کچھ دنوں تک وحی کا سلسلہ رکا رہا، آپ کو سخت صدمہ ہوا،

ابن اسحاق کی روایت ہے کہ اس موقع پر یہ آیتیں نازل ہوئیں،

والضحیٰ واللیل اذا سجیٰ ۝	قسم ہے دن کی جبکہ وہ چمکے اور قسم ہے رات کی جبکہ وہ سنسان ہو جائے تیرے پروردگار نے
ما ودعك ربك وما قلیٰ ۝	تجھ کو چھوڑا ہے اور نہ تجھ سے اس نے اپنی محبت اٹھائی
(والضحیٰ)	

لہ مسند ابن حنبل بسند عائشہؓ و مستدرک حاکم تفسیر سورہ مزمل ۔ صحیح بخاری و جامع ترمذی تفسیر سورہ نساء
سے صحیح بخاری کتاب الحج و باب کیف نزل الوحی ۔ صحیح مسلم باب عرق النبی صلی اللہ علیہ وسلم

لیکن صحیح بخاری تفسیر سورۂ والضحیٰ اور باب کیف نزل الوحی میں ہے کہ اس سورہ کا شان نزول یہ ہے کہ ایک دفعہ آپ بیمار تھے، چند روز رات کو اٹھ کر عبادتِ الٰہی میں مصروف نہ ہو سکے تو ایک ہمسایہ عورت نے طعن سے کہا کہ "ایسا معلوم ہوتا ہے کہ (نعوذ باللہ) تیرے شیطان نے تجھ کو چھوڑ دیا، کیونکہ وہ دو تین روز سے تیرے پاس نہیں آیا ہے۔" اس پر یہ سورہ نازل ہوا۔ اسی موقع پر دوسری روایت ہے کہ اس عورت نے کہا میں دیکھتی ہوں کہ تمہارے رفیق نے تم سے ملنے میں تاخیر کی ہے۔" اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ سورہ اس کے بعد کسی اور زمانہ میں نازل ہوا ہے۔

تمام محدثین[1] کا اس پر اتفاق ہے کہ فترۃ الوحی یعنی سلسلۂ وحی کے رک جانے (فترہ) کے بعد سب سے پہلے سورۂ مدثر کی آیتیں نازل ہوئیں۔ آپ حرا سے واپس آ رہے تھے کہ راہ میں ایک آواز سنائی دی، آپ نے ادھر دیکھا، اودھر دیکھا۔ کچھ نظر نہ آیا، اوپر دیکھا تو وہی فرشتہ نظر آیا۔ آپ حضرت خدیجہؓ کے پاس آئے تو کہا مجھے کمل اوڑھاؤ، اور مجھ پر ٹھنڈا پانی ڈالو، اسی حالت میں یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَأَنْذِرْ	اے کملیں پوش! اٹھ اور لوگوں کو خدا سے
وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ (سورۂ مدثر)	ڈر۔ اپنے رب کی کبریائی بیان کر

[1] اس کے برخلاف صرف حضرت جابرؓ کی حدیث ہے (بخاری باب بدء الوحی و باب کیف نزل الوحی) کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ سب سے پہلی وحی میں سورہ مدثر کی یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ مگر اجماع کلام یہ ہے کہ یہ حضرت جابرؓ کا وہم ہے۔ وہ آیتیں فترۃ وحی کے بعد سب سے پہلے اتریں۔

اس کے بعد مسلسل وحی نازل ہونی شروع ہوگئی۔ اور اس کا تار اس وقت تک نہ ٹوٹا جب تک حیاتِ طیبہ کا ظاہری سلسلہ منقطع نہ ہوگیا یعنی چالیس برس کے سن سے لے کر تریسٹھ سال کے سن تک کل ۲۳ برس نزولِ وحی کے ہیں، حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے آخر عمر میں وحی کی کثرت ہوگئی تھی[1]، محدثین نے اس کی وجہ یہ بتائی ہے کہ چونکہ مسلمانوں کی کثرت ہوگئی تھی، اطرافِ ملک سے وفود کا سلسلہ جاری ہوگیا تھا، احکام اور لوگوں کے استفسارات بڑھ گئے تھے، اس لیے مخاطبۂ الٰہی کی ترقی بھی اس کے ساتھ ضروری تھی،

صحابۂ کرامؓ وفاتِ نبویؐ کے بعد جب ان ایامِ سعادت کو یاد کرتے تھے جب مدینہ کی گلیاں، روح الامین کی گذرگاہ اور مدینہ کے در و دیوار وحی کے مطلع انوار تھے تو ان کی آنکھیں اشک آلود ہو جاتی تھیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ جمعہ کی نماز کے بعد ایک بوڑھی صحابیہ تھیں، انکی ملاقات کو تشریف لیجاتے تھے آپ کی وفات کے بعد حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ ان کے گھر تشریف لیگئے، دیکھا کہ انکی آنکھوں سے آنسو جاری ہیں سبب دریافت کیا تو کہا آہ! کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وفات پاگئے، اور وحی کا سلسلہ منقطع ہوگیا، یہ سن کر ان صاحبوں کی آنکھوں سے بھی آنسو جاری ہوگئے[2]،

قرآن مجید نے وحی کی حقیقت کو اس قدر بلند کیا ہے کہ وہ نبوت کی مرادف ہوگئی ہے دنیا کے دوسرے مذاہب میں نبوت کی حقیقت یا تو سراسر مفقود ہے، اور یا کمزور

[1] صحیح بخاری باب بدء وحی تفسیر سورہ مدثر [2] صحیح بخاری باب کیف نزل الوحی صحیح مسلم فضائل حضرت عائشہؓ

اس کو انسانیت و بشریت کے پرتو سے اس قدر منزہ سمجھا ہے کہ اس کو الوہیت کا ہم رتبہ قرار دیدیا ہے، لیکن قرآن مجید نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کئی دفعہ اس اعلان کی تاکید کی ہے کہ

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ (کہف و فصلت)	کہدو کہ میں تمہاری ہی طرح ایک آدمی ہوں (فرق یہ ہے) کہ میرے پاس وحی بھیجی جاتی کہ تمہارا خدا ایک ہے،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ خدا کی طرف سے لوگوں کو سناتے تھے، وہ چیز آپ کے نفس و ارادہ سے نہیں اٹھتی تھی، بلکہ خدا کی طرف سے ان کے اندر آتی تھی،

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى (نجم-۱)	وہ خواہش نفس سے نہیں بولتے، بلکہ وہ وحی ہے جو اس کو بھیجی جاتی ہے،

البتہ اس کا مورد اور مہبط آپ کا پاک اور منزہ قلب تھا،

فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ (بقرہ ۱۲-۶)	اسی نے اس کو تمہارے قلب پر خدا کے حکم سے اتارا ہے،
نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ عَلٰى قَلْبِكَ (شعراء ۱۱-۶)	روح الامین نے اس کو تیرے قلب پر اتارا ہے،

اور یہی مجموعۂ وحی آپ کی نبوت کا بڑا معجزہ ہے، ارشاد ہوا کہ دنیا میں کوئی پیغمبر نہیں آیا لیکن اس کو ایسی چیز دی گئی جس کو دیکھ کر لوگ اس پر ایمان لائے لیکن

مجھے جو چیز دی گئی وہ وحی ہے، جو مجھ پر اتاری گئی۔"[1]

سرمایۂ وحی کی جو دولت اسلام کو ہاتھ آئی، وہ قرآن کی صورت میں مسلمانوں کے سینوں اور سفینوں میں اب تک محفوظ ہے، اس کے علاوہ جو کچھ ہے، وہ گنج گرانمایہ حدیث صحیح کے اوراق میں مخزون ہے، حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ "مجھے قرآن عطا کیا گیا، اور اس کا ہی اومثلہ" یعنی وہ احکام و مواعظ جن کو جاں نثاروں نے حرز جان بنا کر رکھا اور دوسروں کو سپرد کیا، یعلی بن امیہ صحابی حجۃ الوداع کے زمانہ کا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ جعرانہ میں آپ تھے کہ ایک شخص نے آکر سوال کیا کہ یا رسول اللہ! آپ اس شخص کے بارے میں کیا حکم دیتے ہیں جس نے کپڑوں میں خوشبو مل لینے کے بعد احرام کی نیت کی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی قدر انتظار کیا، آپ پر وحی کی کیفیت طاری ہوئی، جب وہ کیفیت زائل ہوئی تو آپ نے دریافت کیا کہ وہ آدمی کہاں گیا، لوگ اس کو سامنے لائے، آپ نے فرمایا جو خوشبو تم مل چکے ہو، اس کو تین دفعہ دھو ڈالو، اور اس کپڑے کو اتار ڈالو، پھر حسب معمول عمرہ ادا کرو۔"[2]

ایک حدیث میں ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا، "روح القدس نے میرے دل میں یہ ڈالا ہے کہ کوئی انسان اس وقت تک نہیں مر سکتا جب تک وہ اپنی روزی پوری نہ کرے، تو لوگو خدا سے ڈرو، اور روزی کی تلاش میں صحیح طریقہ کو کام میں لاؤ، رزق میں تاخیر تمہیں اس پر آمادہ نہ کرے کہ گناہ کے ذریعوں سے روزی کو تلاش کرو، کیونکہ جو

---

[1] صحیح بخاری باب کیف نزل الوحی و صحیح مسلم کتاب الایمان [2] ابوداؤد کتاب السنۃ [3] صحیح بخاری باب نزول القرآن

خدا کے پاس ہے، وہ اس کی بندگی ہی سے مل سکتا ہے۔" حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا "مجھ سے جبرئیلؑ نے کہا کہ آپ کی امت میں جو شخص اس حال میں مرا کہ اس نے کسی کو خدا کا شریک نہیں کیا تو وہ جنت میں داخل ہوگا۔"[1]

اور بہت سی حدیثیں ہیں جن میں تصریح ہے کہ "خدا نے مجھے حکم دیا ہے" یا "خدا نے مجھ سے یہ کہا ہے۔" لیکن وہ قرآن مجید کے اجزاء نہیں ہیں، اسی لیے علماء نے وحی کی دو قسمیں کر دی ہیں، وحی متلو یعنی وہ وحی جو تلاوت کی جاتی ہے یعنی قرآن، وحی غیر متلو جو تلاوت نہیں کی جاتی، مثلاً وہ احکام و نصائح، جو بروایت صحیحہ احادیث میں مذکور ہیں۔

پہلی وحی کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کا ایک ایک حرف تواتر روایت سے ثابت ہے اور وہ اپنے لفظ و معنی دونوں کے لحاظ سے خدا کا کلام ہے،

دوسری قسم تواتر سے بہت کم مروی ہے، اور وہ اپنے الفاظ کے لحاظ سے خدا کا کلام نہیں، بلکہ اپنے معنی کے لحاظ سے خدا کا ارشاد ہے،

---

[1] مستدرک حاکم جلد ۲ ص ۴ حیدرآباد و صحیح بخاری کتاب الجنائز باب ۸۰ اتفاق،

نزولِ ملائکہ

اللّٰہُ یَصْطَفِیْ مِنَ الْمَلٰٓئِکَۃِ رُسُلًا (حج)

لفظ ملائکہ "کا واحد "ملاک" ہے، جو عربی کے قاعدہ سے "ملک" ہو گیا ہے، یہ الوکۃ سے مشتق ہے، جس کے معنی "پیغام" کے ہیں، اس لیے ملائکہ کے معنی پیغام رساں اور قاصد کے ہیں.

ملائکہ الٰہی، خالق اور مخلوق کے درمیان قاصد ہیں. قرآن مجید نے متعدد مقام مقام پر ان کو رُسل اور رُسُل اللہ یعنی قاصدانِ الٰہی کہا ہے،

اَللّٰہُ یَصْطَفِیْ مِنَ الْمَلٰٓئِکَۃِ رُسُلًا (حج-۱۰)	خدا فرشتوں میں سے اپنے پیغامبر منتخب کرتا ہے،

علاوہ ازیں یہ خدا کے حکم سے عالم کی مشین کے پرزوں کو ہلاتے اور چلاتے ہیں، اور اسی لیے خدا نے ان کو مدبراتِ امر کے نام سے بھی یاد کیا ہے، (سورہ والنازعات) ان کی مخصوص صفت یہ ہے کہ خدا کے سراپا مطیع ہیں، اور اس کے کسی امر یا اشارہ سے کبھی روگردانی نہیں کرتے

عَلَیْھَا مَلٰٓئِکَۃٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ	اس پر سخت اور مضبوط فرشتے ہیں،
لَّا یَعْصُوْنَ اللّٰہَ مَآ اَمَرَھُمْ	ان کو جو حکم دیتا ہے وہ اس سے روگردانی

وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ، (تحریم ۱۰)

نہیں کرسکتے، اور وہ وہی کرتے ہیں جو انکو حکم دیا جاتا ہے،

انبیاء علیہم السلام کی تمام سیرتیں فرشتوں کی آمد، ان کی بشارت اور نصرت سے معمور ہیں، تورات اور انجیل و قرآن ہر کتاب الٰہی ان کے کارناموں کی شاہد ہے، حضرت آدمؑ کی بارگاہ میں انھوں نے سجدہ کیا، حضرت ابراہیمؑ کے مہمان خانہ میں یہ بھیجے گئے، حضرت لوطؑ کی حفاظت اور ان کی قوم کی بربادی پر یہ مامور ہوئے، حضرت ہاجرہؑ کو بیابان میں یہ نظر آئے، حضرت یعقوبؑ کے خیمہ میں ان کا دنگل ہوا، حضرت ایوبؑ کے مناظرۂ جبر و اختیار میں حکم یہ قرار پائے، حضرت زکریاؑ اور مریمؑ کو بشارت انھوں نے دی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں بھی یہ مختلف فرائض پر مامور ہوئے، یہ سب کی خدمت میں احکام الٰہی کے قاصد تھے، دشمنوں سے وجود اقدس کی محافظت ان کے سپرد تھی، کمزور اور ناتواں مسلمانوں کی دستگیری ان کا فرض تھا،

ملائکہ کے سرخیل جبریلؑ ہیں، اور وہی خدا اور پیغمبروں کے درمیان سفارت پر مامور ہیں، اور یہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھی آکر سفارت کا فرض انجام دیتے تھے، اور خدا کا پیغام پہنچاتے تھے.

نزول جبریلؑ "جبریل" عبرانی لفظ ہے، جس کے لغوی معنی "مرد خدا" کے ہیں، لیکن یہ اصطلاح شریعت میں اس فرشتہ کا نام ہے، جو خدا اور خاصان خدا کے درمیان پیامبری کی خدمت انجام دیتا ہے، توراۃ اور انجیل میں بھی یہ نام اسی حیثیت سے مستعمل ہوا ہے

چنانچہ دانیال (۸-۱۶-۱۹-۲۱) میں اس کی پیغامبری کا بیان ہے، اسی طرح انجیل (لوقا ۱-۱۹-۲۶) میں مذکور ہے کہ وہ حضرت زکریاؑ کے پاس حضرت یحییٰؑ کی بشارت، اور حضرت مریمؑ کے پاس حضرت عیسیٰؑ کی بشارت لیکر آیا تھا۔ قرآن مجید نے بتایا ہے کہ وہ پیامبر جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور خدا کے درمیان وحی کا ایلچی تھا، وہ یہی جبریلؑ تھا،

مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيلَ فَإِنَّهُ	جو جبریل کا دشمن ہو وہ ہو، کیونکہ (اسے
نَزَّلَهُ عَلَىٰ قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللَّهِ	پیغمبر، اس نے خدا کے حکم سے تیرے دل پر
(بقرہ ۱۲-۱۲)	اس کو نازل کیا ہے،

اور کہیں اسی کو الروح الامین (امانت دار روح) سے تعبیر کیا ہے،

نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ ۝	امانت دار روح اس کو لے کر تیرے دل پر
عَلَىٰ قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ الْمُنذِرِينَ ۝	اتری، تاکہ تو لوگوں کو خدا کے خوف سے
(شعراء ۱۱-۱۱)	ڈرانے والوں میں ہو،

سورۂ نحل میں اس کو روح القدس (پاکی کی روح) کہا گیا ہے۔

قُلْ نَزَّلَهُ رُوحُ الْقُدُسِ	کہدے کہ اس کو روح القدس نے تیرے پروردگار
مِن رَّبِّكَ بِالْحَقِّ (نحل ۱۰۲)	کی طرف سے سچائی کے ساتھ اتارا ہے

رسول (فرستادہ) کا لفظ بھی اس کی شان میں استعمال کیا گیا ہے۔

إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ ۝ (الحاقہ)	یہ تو ایک بزرگ فرستادہ کی بات ہے۔

سورۂ تکویر میں اس "رسول" کے متعدد صفات کا بھی ذکر ہے،

اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ۝	یہ تو ایک بزرگ فرستادہ کی بات ہے
ذِیْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِی الْعَرْشِ	جو قوت والا ہے، اور تخت والے خدا کے حضور میں
مَكِیْنٍ ۝ مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِیْنٍ ۝	اس کا اعتبار ہے، اس کی سب اطاعت
(تکویر)	کرتے ہیں، اور وہ امانت والا ہے،

سورۂ نجم میں اس کے کچھ اور صفات بھی مذکور ہیں،

عَلَّمَهٗ شَدِیْدُ الْقُوٰی ذُوْ مِرَّةٍ	اس پیغمبر کو بڑی قوتوں والے اور بڑی
فَاسْتَوٰی (نجم)	طاقت والے نے تعلیم دی

آغاز وحی کے واقعہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریلؑ کے لیے اَلْمَلَكُ کا لفظ فرمایا ہے، اور ورقہ نے اس کو "ناموس" کے لفظ سے ادا کیا ہے۔ ملک کی اصل جیسا کہ ابتدا میں بتایا جا چکا ہے، ملأ دھو الوکہ سے نکلا ہے اور جس کے معنی پیغام کے ہیں، اس لیے ملک کے معنی پیغامبر کے ہوئے، اور لفظ ناموس کے معنی محرم اسرار اور رازدان کے ہیں، بہرحال یہ تمام مختلف الفاظ اور عنوانات ایک ہی مفہوم و معنی کو ادا کرتے ہیں،

قرآن مجید میں جبریلؑ کا نام تین مقام پر آیا ہے، دو جگہ سورۂ بقرہ میں، اور ایک جگہ سورۂ تحریم میں، لیکن اس خصوصیت کے ساتھ کہ وہ وحی محمدی کے پیامبر اور قرآن کے حامل ہیں، صرف ایک ہی موقع پر قرآن مجید نے اس نام سے ان کو یاد کیا ہے، اور وہ اس آیت میں

مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ — جو جبریل کا دشمن ہو وہ ہو کیونکہ اس نے تو
نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ — تیرے قلب پر خدا کے حکم سے اس کو اتارا ہے

دوسری آیتوں میں قرآن مجید نے حامل قرآن فرشتہ کی تعبیر جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں، روح الامین، روح القدس اور رسول کریم کے الفاظ سے کی ہے، لیکن احادیث اور روایات میں ان الفاظ کے بجائے جبریلؑ ہی کا لفظ عام طور سے مستعمل ہوا ہے،

ایک پیامبر کی حیثیت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جبریلؑ کی سب پہلی آمد اس وقت ہوئی ہے، جب آپؐ غار حرا میں معتکف تھے، صحیح بخاری میں حضرت عائشہؓ کی زبانی یہ واقعہ ان الفاظ میں ادا ہوا ہے:

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی کا آغاز خواب میں اچھے خوابوں سے ہوا، آپ جو خواب دیکھتے تھے، وہ بعینہٖ صبح کی طرح (سچا) ہو کر نمودار ہوتا تھا، پھر طبیعت مبارک میں تخلیہ پسندیدہ کیا گیا، غار حرا میں جا کر آپؐ تنہا کچھ دن بسر کرتے تھے، اور عبادت میں مصروف رہتے تھے، کھانے پینے کی چیزیں ساتھ لیجاتے تھے، جب وہ سامان ختم ہو جاتا تو گھر واپس آتے، اور پھر یہ سامان لے کر غار میں چلے جاتے، یہاں تک کہ حق آپ کے سامنے آگیا، اور وہ فرشتہ آپ کے سامنے آگیا، اور اس نے کہا "پڑھ" آپ نے فرمایا "میں پڑھا نہیں ہوں" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس نے مجھ کو پکڑ کر اتنا دبایا کہ وہ تھک گیا، پھر مجھے چھوڑ دیا اور کہا کہ "پڑھ" میں نے پھر وہی جواب دیا، اس نے مجھے اتنا دبایا کہ وہ تھک گیا، اور چھوڑ دیا، اور کہا کہ پڑھ، میں نے پھر کہا کہ "میں پڑھا نہیں ہوں"

اس نے تیسری دفعہ دبایا اور چھوڑ دیا اور کہا،

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ	اپنے پروردگار کے نام سے پڑھ جس نے
خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ اِقْرَاْ	انسان کو جمے ہوئے خون سے پیدا کیا،
وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ الَّذِیْ عَلَّمَ	پڑھ اور تیرا پروردگار بڑا بزرگ ہے جس نے
بِالْقَلَمِ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ	قلم کے ذریعہ سے سکھایا اور انسان کو
یَعْلَمْ ۝ (علق)	وہ کچھ تعلیم کی جو نہیں جانتا تھا،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان آیتوں کے ساتھ گھر واپس آئے، قلب مبارک پر لرزہ تھا، حضرت خدیجہؓ کے پاس آئے اور فرمایا "مجھے کمبل اڑھاؤ۔ مجھے کمبل اڑھاؤ۔" لوگوں نے آپؐ کو کمبل اڑھایا، جب آپؐ کو سکون ہوا، تو حضرت خدیجہؓ سے تمام ماجرا بیان کر کے فرمایا کہ "مجھے اپنی جان کا خطرہ ہے۔" حضرت خدیجہؓ نے کہا کہ ہرگز آپ کی جان کو خطرہ نہیں، خدا آپ کو کبھی رسوا نہ کرے گا، آپ قرابتداروں کا حق ادا کرتے ہیں، لوگوں کے بوجھ کو آپ خود اٹھاتے ہیں، فقیروں اور مسکینوں کی مدد کرتے ہیں، مسافروں کی مہمان نوازی کرتے ہیں، انصاف کی خاطر آپ لوگوں کی مصیبتوں میں کام آتے ہیں۔" پھر آپ کو لیکر ورقہ بن نوفل کے پاس گئیں جو زمانۂ جاہلیت میں عیسائی ہو گئے تھے، اور عبرانی یا عربی لکھا جانتے تھے (شاید توراۃ سے مراد ہو) اور انجیل کو عبرانی یا عربی میں لکھتے تھے، اور بہت بڈھے تھے،

لہ ۔ نہ معلوم ہیں ہو گا کہ عبرانی میں لکھتے تھے، اور دوسری میں ہو کہ عربی میں لکھتے تھے،

اور آنکھوں کی روشنی بھی جاتی رہی تھی۔ حضرت خدیجہؓ نے کہا کہ "اے ابن عم! اپنے بھتیجے کا ماجرا سنیے"، ورقہ نے کہا "اے میرے بھتیجے! ہاں بتاؤ تم کیا دیکھتے ہو"، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ دیکھا تھا، بیان فرمایا، ورقہ نے کہا "یہ وہی ناموس (محرم اسرار) ہے جو موسیٰؑ پر اتارا گیا تھا۔ اے کاش میں اُس وقت جوان ہوتا۔ اے کاش میں اس وقت زندہ ہوتا، جب کہ تمھاری قوم تم کو نکال دیگی"، آپ نے پوچھا "کیا میری قوم مجھکو نکال دیگی"، اس نے جواب دیا "ہاں جو کچھ تم لے کر آئے ہو اس کو لے کر کوئی آدمی نہیں آیا جس سے لوگوں نے دشمنی نہ کی ہو، اور اگر اس زمانہ تک میں زندہ رہا تو تمھاری ہر طرح مدد کرونگا"، اس کے تھوڑے ہی دنوں کے بعد ورقہ نے وفات پائی[1]۔

اس کے بعد جبرئیلؑ کی آمد رکی رہی، اور آپ ہر ستور غار حرا میں جاتے رہے، اسی اثنا میں ایک دن آپ غار حرا سے نکل کر اور پہاڑی سے نیچے اتر کر جب میدان میں پہنچے تو غیب سے ایک آواز آئی، آپ نے فرمایا "میں نے آگے پیچھے داہنے بائیں دیکھا، پھر سر اٹھا کر آسمان کی طرف کی تو دیکھا کہ وہی فرشتہ جو پہلے غار حرا میں نظر آیا تھا، آسمان اور زمین کے بیچ میں تخت پر بیٹھا ہے، میں مرعوب ہو کر گھر واپس آیا"۔

اس کے بعد حضرت جبرئیلؑ کی آمد پے در پے شروع ہوئی۔

---

[1] صحیح بخاری بدء الوحی و کتاب التعبیر و تفسیر سورۂ مدثر میں یہ پورا واقعہ مفصل مذکور ہے، میں نے ان تینوں روایتوں کو تسلسل کے لیے یکجا کر دیا ہے، چونکہ استاذ مرحوم نے جلد اول میں ان تفصیلات کو قلم انداز کر دیا تھا، اس لیے یہاں ان کے لکھنے کی ضرورت ہوئی۔

جبریلؑ جب وحی لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آتے تو آپ جلد جلد اپنی زبان سے ان کے الفاظ کو ادا کرنے لگتے، اس پر حکم ہوا،[1]

لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ	وحی کے الفاظ کے ساتھ اپنی زبان کو عجلت طلبی
بِهٖ ؕ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَ	کے لیے جنبش نہ دو، اس کی حفاظت
وَقُرْاٰنَهٗ (قیامہ - ۱)	اور قرأت کا فرض ہم پر ہے،

اس کے بعد جب جبریلؑ نازل ہوتے تو آپ خاموشی سے سنتے، اور ان کے چلے جانے کے بعد آپ اس کو پڑھتے،

بارگاہ نبویؐ میں جبریلؑ کے آنے کا کوئی وقت متعین نہ تھا، صبح و شام، روز و شب صلح و جنگ ہر وقت فیضان الٰہی کا چشمہ ابلتا رہتا تھا، حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ آپ نصف شب کو سوتے تھے کہ اٹھ کر بقیع کے قبرستان میں تشریف لے گئے، صبح کو آپ نے فرمایا رات جبریلؑ نے مجھے پیغام دیا کہ میں اس وقت بقیع جا کر لوگوں کی مغفرت کی دعا مانگوں[2]" غزوۂ بدر میں آپ نے فرمایا کہ "دیکھو یہ جبریل اپنے گھوڑے کی لگام تھامے کھڑے ہیں[3]" غزوۂ خندق سے جب مسلمانوں کی فوج لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم واپس آئے اور ہتھیار کھول کر غسل فرمایا تو جبریلؑ نے سامنے آکر کہا کہ آپ نے ہتھیار کھول دیے، حالانکہ ہم اب تک مسلح ہیں، اور بنو قریظہ کو ابھی ان کی غداری کا صلہ دینا ہے[4]" با ایں ہمہ سب سے زیادہ جبریلؑ کی آمد آپ کے پاس ماہ رمضان

---

[1] صحیح بخاری باب بدء الوحی [2] نسائی باب الاستغفار للمومنین [3] صحیح بخاری غزوۂ بدر [4] ایضاً غزوۂ خندق

میں ہوتی تھی، جس میں وہ ہر روز آکر آپ سے قرآن مجید سنتے تھے، اور خود آپ کو سناتے تھے[1]

جبریلؑ اس وقت بھی آتے تھے، جب آپ لوگوں کے مجمع میں بیٹھے ہوتے تھے

لیکن جو کچھ آپ دیکھتے اور سنتے تھے وہ عموماً اوروں کو دکھائی اور سنائی نہیں دیتا تھا

ایک دفعہ آپ حضرت عائشہؓ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے، آپ نے فرمایا، اے عائشہؓ

جبریلؑ تم پر سلام بھیجتے ہیں، انھوں نے کہا یا رسول اللہ آپ وہ دیکھتے ہیں جو میں نہیں

دیکھتی، توراۃ میں انبیاے بنی اسرائیل کے قصوں میں اس فرشتۂ غیب کے تجسم اور تشکل

کے بکثرت واقعات مذکور ہیں، انجیل میں ہے کہ روح القدس کبوتر کی شکل میں حضرت

عیسیٰؑ پر اتری، حضرت ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

لوگوں کے ساتھ باہر بیٹھے تھے کہ اتنے میں ایک شخص آکر آپؐ کے پاس بیٹھا، اور سوال

کیا کہ ایمان کیا ہے؟ آپ نے فرمایا "ایمان یہ ہے کہ خدا پر، اس کے فرشتوں پر، خدا سے

ملنے پر، اور اس کے پیغمبروں پر، اور قبر سے پھر جی اٹھنے پر تم یقین رکھو" اس نے پھر

پوچھا کہ "اسلام کیا ہے؟" جواب دیا یہ کہ "تم خدا کی اطاعت کرو اور کسی کو اس کا

شریک نہ بناؤ، اور نماز پڑھو، زکوٰۃ مفروضہ دو، روزے رکھو" اس نے کہا "اور احسان

کیا ہے؟" ارشاد ہوا "احسان یہ ہے کہ تم خدا کو اس طرح پوجو کہ گویا تم خدا کو دیکھ رہے ہو

کیوں کہ اگر تم اس کو نہیں دیکھتے تو وہ تمھیں دیکھ رہا ہے" اس نے پھر سوال کیا کہ "قیامت

کب آئے گی؟" آپ نے فرمایا "مجیب اس باب میں سائل سے زیادہ واقف نہیں، البتہ میں

---

[1] صحیح بخاری ج ۱، اوحی [2] صحیح بخاری باب ج ۱ الخلق۔

تمھیں اس کی علامتیں بتاتا ہوں، جب لونڈی اپنے آقا کو جنے، اور جب اونٹوں کے چرانے والے بڑی بڑی عمارتیں بنانے لگیں، قیامت کا علم ان پانچ باتوں میں سے ہے، جن کو خدا کے سوا اور کوئی نہیں جانتا،" پھر آپ نے یہ آیت تلاوت کی،

اِنَّ اللّٰہَ عِنْدَہٗ عِلْمُ السَّاعَۃِ (قیامت کا علم خدا ہی کو ہے،

وہ شخص اس کے بعد اٹھ کر چلا تو آپ نے صحابہؓ سے فرمایا کہ ذرا اس کو واپس بلا لو، لوگوں نے ادھر ادھر دیکھا تو کچھ نظر نہ آیا، "یہ جبریل تھے، جو تمھیں تمھارا دین سکھانے آئے تھے"[1]

صحابہ میں دحیہؓ نام ایک صحابی بہت حسین تھے، جبریلؑ اکثر ان ہی کی صورت میں مجسم ہو کر آیا کرتے، اور اس حالت میں کبھی کبھی لوگوں کو نظر بھی آجاتے تھے، حضرت ام سلمہؓ کہتی ہیں کہ ایک دفعہ میں نے دیکھا کہ دحیہؓ آپ کے سامنے بیٹھے آپ سے باتیں کر رہے ہیں، مجھے کچھ بھی شک نہ ہوا کہ یہ دحیہؓ نہیں ہیں، اتنے میں مسجد نبوی میں میں نے آپ کے خطبہ کی آواز سنی کہ آپ فرما رہے تھے کہ ابھی میرے پاس جبریلؑ آئے، ام سلمہؓ کہتی ہیں تب میں سمجھی کہ وہ اصل میں دحیہؓ نہیں بلکہ جبریلؑ امین تھے،

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ جبریلؑ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی اصلی شکل میں دو دفعہ ملاحظہ فرمایا، ایک دفعہ تو معراج میں سدرۃ المنتہیٰ کے پاس اور دوسری دفعہ ایک اور مقام پر وہ آسمان کے کناروں میں نظر آئے، سورۂ نجم کی یہ آیتیں اسی کے متعلق ہیں،

---

[1] صحیح باب الایمان [2] صحیح بخاری کیف نزل الوحی [3] صحیح بخاری تفسیر سورۂ والنجم و صحیح مسلم معراج

عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى ۝ ذُوْ مِرَّةٍ	بڑی قوتوں والے، طاقتور نے اسکو سکھایا
فَاسْتَوٰى ۝ وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى	پھر وہ برابر ہوا اور وہ بہت اونچے آسمان
ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى ۝ فَكَانَ	کے کنارہ تھا پھر قریب ہوا پھر لٹک آیا
قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ۝	تو دو کمانوں کے بقدر تھا، یا اس سے
فَاَوْحٰٓى اِلٰى عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰى	بھی قریب تر، تو خدا نے اپنے بندہ پر
مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى	وحی کی جو وحی کی، دل نے جھوٹ نہیں
اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى	کہا جو دیکھا، کیا تم لوگ اس سے اس کے
وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى	مشاہدہ پر جھگڑتے ہو حالانکہ اس نے
عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى	اس کو دوسری دفعہ اترتے دیکھا

(نجم - ۱)

سدرۃ المنتہیٰ کے پاس،

سورۂ تکویر کی حسب ذیل آیتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ کفار آپ کو مجنون اسی لیے کہتے تھے کہ آپ اس غیر مشاہد ہستی کے مشاہدہ کی دعویٰ کرتے تھے،

اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ	ایک بزرگ پیغام رساں کی بات
ذِيْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ	ہے، قوت والا، عرش والے خدا
مَكِيْنٍ ۝ مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِيْنٍ	کے پاس معتبر ہے، وہاں اسکی اطاعت
وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُوْنٍ	کی جاتی ہے، وہ امانت دار ہے
وَلَقَدْ رَاٰهُ بِالْاُفُقِ	تمہارا ساتھی (یعنی پیغمبر) مجنون نہیں ہے

اَلْمُبِیْنِ (تکویر) یقیناً اس کو آسمان کے کھلے کنارہ میں دیکھا:

وہ ذوق وشوق جو حضور کو اس قاصد الٰہی کی سمت کے ساتھ تھا، وہ اس آرزو کی شکل میں ظاہر ہوا کہ آپ نے جبرئیلؑ سے فرمایا کہ تم اس سے بھی زیادہ میرے پاس کیوں نہیں آیا کرتے، جواب ملا،

وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ	ہم تو تیرے پروردگار کے حکم اور اجازت
لَهٗ مَا بَيْنَ اَيْدِيْنَا وَمَا خَلْفَنَا	سے اترتے ہیں، ہمارے آگے اور پیچھے اور
وَمَا بَيْنَ ذٰلِكَ ج وَمَا كَانَ	درمیان سب کا علم اسی کو ہے، اور تیرا
رَبُّكَ نَسِيًّا (مریم-۴)	رب بھول چوک سے پاک ہے،

(صحیح بخاری تفسیر آیت مذکورہ) . . . . . .

حضرت ابوذرؓ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ شب کو میں نکلا تو دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تنہا چاندنی میں ٹہل رہے ہیں، میں سمجھا کہ شاید آپ اس وقت تنہائی چاہتے ہیں، اور کسی اور کا یہاں ہونا پسند نہ فرمائیں گے، چنانچہ اسی خیال سے میں سایہ میں ہو گیا لیکن آپ کی نگاہ پڑ گئی، پوچھا کون ہے؟ عرض کیا "آپ پر قربان، میں ہوں ابوذر" آپ نے ساتھ لے لیا اور تھوڑی دیر تک ٹہلتے رہے، پھر فرمایا "جو آج دولتمند ہیں وہی کل قیامت میں غریب ہوں گے، لیکن وہ شخص کہ جس کو خدا نے جو دولت دی ہو وہ اس کو داہنے بائیں آگے پیچھے پھینک دے، اور اس میں نیکی کے کام کرے" ابوذرؓ کہتے ہیں کہ میں تھوڑی دیر تک ساتھ ٹہلتا رہا، اس کے بعد ایک خاص جگہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ تم یہاں

ٹھہرے رہو، اور یہ کہہ کر آپ پہاڑ کی طرف گئے، اور میری نگاہوں سے اوجھل ہو گئے۔
میں نے دور سے آواز سنی تو میں ڈرا، لیکن چونکہ آپ نے حکم دیا تھا کہ میں اپنی جگہ سے نہ
ٹلوں، اس لیے ٹھہرا رہا، تھوڑی دیر کے بعد آپ سامنے سے آتے نظر آئے، اور فرمانے
مبارک سے یہ فرما رہے تھے کہ اگر یہ چوری کرے اور زنا کرے"۔ میں نے کہا یا رسول اللہ!
آپ پر قربان ہوں، آپ پہاڑی کے اوٹ میں کس سے باتیں کر رہے تھے، فرمایا کیا
تم نے آواز سنی؟ عرض کی ہاں، فرمایا جبریلؑ تھے، پہاڑی کے بیچ میں مجھے نظر آئے،
اور کہا کہ اپنی امت کو خوشخبری سنا دیجئے، کہ جو اس حال میں مرا کہ اس نے کسی کو خدا کا
شریک نہ بنایا ہو، وہ جنت میں داخل ہوگا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں نے
کہا یا جبریلؑ کیا اس نے زنا یا چوری ہی کیوں نہ کی ہو"۔ جواب دیا "ہاں" میں نے پھر کہا،
اگرچہ زنا چوری ہی کیوں نہ کی ہو، وہی جواب دیا کہ ہاں، میں نے پھر کہا کہ اس نے زنا
یا چوری ہی کیوں نہ کی ہو، تیسری دفعہ بھی جواب وہی تھا،

فرشتہ میکائیلؑ کا نزول جبریلؑ کے علاوہ دوسرے ملائکہ کا بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی
خدمت میں آنا ثابت ہے، قرآن مجید میں جبریلؑ کے علاوہ ایک دو اور فرشتوں کے بھی نام آئے
ہیں جن میں سے ایک میکائیلؑ ہیں، یہودیوں نے قرآن کے ماننے سے اس لیے اپنا انکار ظاہر
کیا تھا کہ یہ جبریلؑ کی وساطت سے نازل ہوتا ہے، خدا نے اس کے جواب میں کہا

مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ — جو خدا کا، اس فرشتوں کا اور اس کے

لے صحیح بخاری کتاب الرقاق

وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰلَ — پیغمبروں کا اور جبریلؑ اور میکائیلؑ کا دشمن
فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ (بقرہ ۱۲) — ہو تو خدا ان کافروں کا دشمن ہے،

یہودیوں کے اعتقاد میں یہ عرش الٰہی کے چار مخصوص فرشتوں میں سے ایک کا نام تھا یہ خاص طور پر اسرائیل اور اس کے خاندان کا محافظ سمجھا جاتا تھا، اور لڑائیوں میں اس کی مدد کیا کرتا تھا، (دانیال ۱۰-۱۳؛ و ۱۲) عیسائیوں کے عقیدہ کے مطابق یہی فرشتہ تھا جو کوہ طور پر حضرت موسیٰؑ سے ہمکلام ہوا تھا، (اعمال ۷، ۳۸)

میکائیلؑ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کئی بار حاضر ہوئے ہیں، معراج کے موقع پر جو دو فرشتے آئے تھے، وہ جبریلؑ اور میکائیلؑ تھے، اسی طرح غزوۂ احد میں جو دو فرشتے دشمنوں سے آپ کی حفاظت کر رہے تھے، وہ بھی جیسا کہ صحیح مسلم میں ہے، جبریلؑ اور میکائیلؑ تھے، بعض روایتوں میں ہے کہ نبوت کے ابتدائی تین سالوں میں میکائیلؑ ہی آپ کے ساتھ تھے۔

نام ملائکہ کا نزول — جبریلؑ اور میکائیلؑ کے ناموں کی تخصیص کے علاوہ دوسرے نام فرشتوں کا بالتعیین نام، آپ کی خدمت میں آنا بھی صحیح روایتوں سے ثابت ہے اور ان ہی کی روحانی تائیدات کا اثر تھا کہ آپ کا دل ہر وقت سکینت الٰہی سے معمور رہتا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دوش مبارک پر جب نبوت کا بار گراں رکھا گیا تو یقیناً آپ کو نظر آتا ہوگا کہ ایک طرف بظاہر ایک بے دست و پا انسان ہے، جس کے قبضہ میں نہ سونے چاندی کے خزانے ہیں، اور نہ اس کے علم کے نیچے خود اس کی ذات کے سوا کوئی دوسرا سپاہی ہے،

اور دوسری طرف ایک دنیا ہے، جس کے ہاتھوں میں دنیاوی دولت کے خزانے اُبل رہے ہیں۔ اور جس کے پرچم کے زیر سایہ ہزاروں اور لاکھوں کا ٹڈی دل ہر وقت حق کے مٹانے کو آمادۂ پیکار ہے، یہ وہ وقت تھا جب فرشتوں کو حکم پہنچا کہ میرے پیغمبر کو اپنی بشارتوں اور خوشخبریوں سے مطمئن کرو،

اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ	بیشک خدا اور اس کے فرشتے اس پیغمبر پر
عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا	رحمت بھیجتے ہیں، اے مسلمانو! تم بھی اس
صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا (احزاب ۷)	پر درود و سلام بھیجو،

رئیس قریش اپنی قوت و طاقت پر نازاں ہو کر اعلان کرتا ہے کہ روسائے قریش ہمارے ساتھ ہیں، پیغمبر کی طرف سے خدا منادی فرماتا ہے،

فَلْیَدْعُ نَادِیَہٗ سَنَدْعُ الزَّبَانِیَۃَ	وہ اپنی مجلس کے لوگوں کو بلائے ہم بھی
(علق)	اپنے فرشتوں کو آواز دیں گے۔

اس وقت جب منافقین آپ کی بزم خاص میں نفاق ڈالتا۔ اور گھر میں خانہ جنگی کے سامان بہم پہنچانا چاہتے ہیں، بعض ازواج سے آپ آزردہ ہیں، تو ارشاد ہوتا ہے،

فَاِنَّ اللّٰہَ ھُوَ مَوْلٰہُ وَجِبْرِیْلُ	تو خدا پیغمبر کا والی و ناصر ہے اور جبریل
وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمَلٰٓئِکَۃُ	اور نیک مسلمان اور اس کے بعد فرشتے اس کے
بَعْدَ ذَالِکَ ظَھِیْرٌ (تحریم ۱۰)	مددگار ہیں۔

ایک بار ابوجہل نے کفار سے پوچھا کہ "کیا محمد کبھی تمہارے سامنے سربسجود ہوتے ہیں"

سبھوں نے کہا "ہاں"۔ اس نے کہا "لات و عزیٰ کی قسم! اگر میں ان کو سجدہ کرتے دیکھوں گا تو ان کی گردن توڑ ڈالوں گا، اور ان کی پیشانی کو زمین میں رگڑ دوں گا"۔ چنانچہ ایک دفعہ جب آپ مصروفِ نماز تھے، وہ اسی نیت سے آپ کی طرف بڑھا، لیکن فوراً سہم کر پیچھے ہٹ گیا، کفار نے سبب پوچھا تو اس نے بتایا کہ "میرے اور محمد کے درمیان آگ کی ایک خندق اور بہت سے پر (یعنی فرشتوں کے) حائل ہو گئے"۔ آپ نے فرمایا "اگر وہ میرے قریب آتا تو فرشتے اس کی تکا بوٹی کر دیتے"۔ قرآن مجید کی اس آیت میں

اَرَأَیْتَ الَّذِیْ یَنْھٰی عَبْدًا	تم نے اس شخص کو دیکھا جو ایک بندہ کو
اِذَا صَلّٰی (علق)	نماز سے مانع آتا ہے

اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔[1]

سفرِ طائف سے جب آپ ناکام واپس آ رہے تھے تو حسبِ اقتضائے بشری آپ دل شکستہ تھے، جب آپ قرن الثعالب میں پہنچے اور سر اٹھایا تو دیکھا کہ ابر کا ایک لکہ سایہ فگن ہے۔ اس میں آپ کو ایک فرشتہ نظر آیا جس نے پکار کر کہا "یا محمد! میں پہاڑوں پر موکل (ملک الجبال) ہوں، آپ کے پروردگار نے آپ کی اور آپ کی قوم کی گفتگو سنی مجھے بھیجا ہے کہ اگر آپ حکم دیں تو میں پہاڑوں کے نیچے ان کو کچل ڈالوں"۔ فرمایا کہ "شاید ان کی نسل سے کوئی خدا کا پرستار پیدا ہو"۔[2]

اسلام کی تاریخ میں ابتلاء و امتحان کا سب سے زیادہ سخت اور سب سے پہلا موقع

---

[1] صحیح مسلم باب قولہ تعالیٰ وما کان اللہ لیعذبھم [2] صحیح بخاری باب ذکر الملائکہ و صحیح مسلم اخر دو رُود

غزوۂ بدر میں پیش آیا، مسلمانوں کی تعداد تین سو انیس آدمیوں سے زیادہ نہ تھی، لیکن اس شرذمۂ قلیلہ کے مقابلہ کے لیے کفار کا ٹڈی دل امڈا ہوا چلا آتا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اس منظر کو دیکھا تو قبلہ رو ہو کر درگاہ الٰہی میں دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے، دفعۃً ایک ہزار فرشتوں کی روحانی فوج مسلمانوں کی صفِ جنگ میں آکر کھڑی ہو گئی۔ قرآن مجید میں ہے:

اِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ	جب تم خدا سے فریاد کر رہے تھے تو خدا نے
لَكُمْ اَنِّي مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ	تمہاری فریاد کو سنا اور کہا کہ میں ایک ہزار
الْمَلَائِكَةِ مُرْدِفِينَ (الانفال-۱)	ہمرکاب سواروں سے تمہاری مدد کرتا ہوں

اس فوج نے جس طرح مسلمانوں کی مدد کی، اس کی کیفیت حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے اس طرح بیان کی ہے کہ "ایک مسلمان ایک کافر کا تعاقب کر رہا تھا کہ اس نے کافر کے اوپر سے کوڑے کی آواز سنی، اور سوار کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ آگے بڑھ اے حیزوم، یہ کہنا تھا کہ کافر چت زمین پر گر پڑا، مسلمانوں نے آگے بڑھ کر دیکھا تو اس کی ناک میں سوراخ ہو گیا تھا جس میں نکیل لگی ہوئی تھی، اور تمام چہرہ پھٹ گیا تھا، اور اس میں نیلی بدھیاں پڑ گئی تھیں، ان صحابی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس واقعہ کو بیان کیا آپ نے فرمایا "سچ کہتے ہو، یہ تیسرے آسمان کی مدد ہے"[1]

غزوۂ اُحد میں بھی مسلمانوں کی تعداد کفار کے مقابلہ میں بہت کم تھی، مسلمانوں کو یہ دیکھکر اضطراب ہوا، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تسلی دی کہ اپنی قلتِ تعداد اور

[1] صحیح مسلم جلد ۲، کتاب الجہاد، باب امداد الملائکہ۔

بے سروسامانی پر نہ جاؤ، خدا اپنے ہزاروں فرشتوں سے تمھاری مدد کرے گا،" خدا نے کہا کہ "ہاں بیشک اگر مسلمان جرأت و ہمت اور صبر سے کام لیں گے تو میں پانچ ہزار فرشتوں کی فوج ان کی مدد کو اتاروں گا۔" سورۂ آل عمران میں اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کو تفصیل بیان کیا ہے،

اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ	اے پیغمبر! جب تم مسلمانوں سے کہتے تھے
اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ	کہ کیا تم کو یہ بس نہیں کہ خدا تین ہزار
اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ	فرشتوں سے تمھاری مدد کرے گا، ہاں بیشک
بَلٰٓى اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَ	اگر تم صبر کرو اور تقویٰ کرو، اور تمھارے
يَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا	دشمن بڑے زوروں سے بڑھ کر آئیں تو
يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ	وہ پانچ ہزار بہادر فرشتوں سے تمھاری
اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ	مدد کرے گا، خدا نے اس وعدہ کو تمھارے
وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى	لیے ایک خوشخبری بنایا، اور تاکہ تمھارے
لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ	دلوں میں طمانیت پیدا ہو، ورنہ خدا ہی
وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ	کے اس سے آتی ہے،

(آل عمران - ۱۲۴)

لیکن جب جنگ شروع ہوئی تو مسلمانوں کے ہاتھوں سے صبر کا سررشتہ چھوٹ گیا، اس لیے خدا کے وعدۂ نصرت سے وہ محروم رہ گئے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود اقدس کی حفاظت کے لیے دو فرشتے ساتھ تھے، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ فرماتے ہیں،

کہ میں نے غزوۂ احد میں دو سفید پوش آدمیوں کو دیکھا جو آپ کی طرف سے سخت جانبازی کے ساتھ لڑ رہے تھے، اور میں نے ان کو نہ اس سے پہلے دیکھا تھا، نہ اس کے بعد دیکھا[1]"

صحیح مسلم کی روایت میں تصریح ہے کہ یہ دونوں فرشتے جبریلؑ و میکائیلؑ تھے،

غزوۂ اُحد کے بعد غزوۂ خندق پیش آیا، اس غزوہ میں بھی مسلمانوں کی بیچارگی اور بے سروسامانی کا وہی عالم تھا، اسلامی فوج کی رسد کی یہ کیفیت تھی کہ خود مقدس سپہ سالارؐ اپنے سپاہیوں کے ساتھ کئی وقت کا بھوکا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی دو روحانی فوج نازل کی جو بھوک اور پیاس سے بے نیاز ہے، سورۂ احزاب میں اللہ تعالیٰ مسلمانوں پر اپنا احسان جتاتا ہے،

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا	اے ایمان والو خدا کے اس احسان کو
نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ	یاد کرو کہ جب کفار نے تم کو آگھیرا تو
جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا	ہم نے ان پر ہوا بھیجی اور اس فوج کو بھیجا
وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَكَانَ اللّٰهُ	جس کو تم نے نہیں دیکھا، اور اللہ تعالیٰ
بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا (احزاب)	کاموں کو دیکھ رہا تھا،

یہ غیر مرئی فوج روحانی سپاہیوں کی رہتی تھی،

حضرت ابوذرؓ جو قدیم الاسلام صحابی تھے، روایت ہے کہ ایک دفعہ انھوں نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ آپ کو پہلے پہل کیونکر معلوم ہوا کہ آپ پیغمبر ہیں، فرمایا

[1] صحیح بخاری جلد ۲ باب غزوۂ احد، صحیح مسلم جلد ۲ کتاب الفضائل باب قتال جبریلؑ و میکائیلؑ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم

"میں ایک دفعہ جا رہا تھا کہ آسمان سے دو فرشتے اترے، ایک آسمان کی طرف گیا، اور ایک زمین پر آیا۔ ایک نے دوسرے سے پوچھا کہ "کیا یہ وہی ہے"؟ دوسرے نے کہا "ہاں یہ وہی ہے"۔ پھر اس نے کہا ان کو ایک آدمی سے تولو، تو میرا پلہ بھاری رہا، پھر دس سے، پھر سو سے، پھر ہزار آدمیوں کے مقابلہ میں تولا گیا، تب بھی میرا ہی پلہ بھاری رہا، دوسرے فرشتے نے کہا کہ اگر ان کی تمام امت کو بھی ایک پلہ میں رکھو، اور ان کو دوسرے میں تب بھی ان ہی کا پلہ جھکتا رہے گا"[1]

یہ حقیقت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت بشری کی تمثیل تھی،

حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ مکہ کا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ آپ ایک شب عشاء کی نماز پڑھ کر لوٹے تو میرا ہاتھ پکڑ کر مکہ کے باہر میدان میں لے گئے، اور ایک جگہ خط کھینچکر فرمایا کہ یہاں ٹھہرو، اور اگر تم کو کچھ لوگ نظر آئیں تو ان سے بولنا نہیں وہ بھی تم سے نہیں بولیں گے"۔ یہ کہکر آپ ایک طرف تشریف لے گئے۔ اس اثنا میں مجھے دو لوگ نظر آئے۔ جو زطی قوم کی طرح معلوم ہوتے تھے، نہ وہ برہنہ تھے، اور نہ ان کے کپڑے نظر آتے تھے وہ میری طرف آکر پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف چلے جاتے تھے، اور خط سے آگے نہیں بڑھتے تھے، آدھی رات کے بعد آپ واپس تشریف لائے اور فرمایا کہ تم دیکھتے ہو کہ آج شب میں سویا نہیں، یہ کہکر میرے زانو پر سر رکھ کر سو گئے۔ اتنے

---

[1] یہ حدیث سنن دارمی باب کیف کان اول شان النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں ہے، اسکا سلسلۂ سند یہ ہے اخبرنا عبد اللہ بن عمران حدثنا ابو داؤد حدثنا جعفر بن عثمان القرشی عن عثمان بن عروۃ بن الزبیر عن ابیہ عن ابی ذر الغفاری تیسرے راوی جعفر بن عثمان القرشی کا صحیح نام جعفر بن عبد اللہ بن عثمان القرشی ہے اور جو محدثین میں معتبر نہیں،

میں کچھ لوگ اُجلے اُجلے کپڑے پہنے، جن کے حسن و جمال کا کمال ظاہر جانے کر گیا تھا پاس آکر بیٹھ گئے، کچھ آپ کے سرہانے بیٹھے اور کچھ آپ کے پاؤں کے پاس آکر بیٹھے، دونوں نے مل کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کی ایک تمثیل بیان کی، اور کہا کہ یہ وہ پیغمبر ہے جس کی آنکھیں گویا سوتی ہیں، مگر دل ہشیار رہتا ہے، اس کے بعد وہ چلے گئے، آپ بیدار ہوئے تو فرمایا ان لوگوں نے جو باتیں کیں وہ میں نے سنیں، تم جانتے ہو کہ یہ کون تھے؟ عرض کی خدا اور خدا کا رسول زیادہ جانتے ہیں، فرمایا، یہ فرشتے تھے، انکی تمثیل کی تفسیر یہ ہے۔[1]

حضرت حذیفہؓ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ نماز عشا پڑھ کر آپ چلے تو میں آپ کے پیچھے ہولیا، فرمایا "کون! حذیفہ؟" عرض کی "جی ہاں" فرمایا "آج وہ فرشتہ مجھ پر اترا جو آج تک زمین پر نہیں اترا تھا، اس نے خدا سے اذن مانگا کہ وہ میرے پاس آکر مجھے یہ بشارت سنائے کہ "فاطمہؓ" جنتی بی بیوں کی اور حسنؓ اور حسینؓ جنتی جوانوں کے سردار ہیں"۔[2]

---

[1] ترمذی ابواب الامثال، امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن غریب صحیح کہا ہے [2] ترمذی مناقب حسنین، حدیث حسن غریب،

عالمِ رویا

لَقَدْ صَدَقَ اللّٰہُ رَسُوْلَہُ الرُّوْیَا بِالْحَقِّ (فتح)

رویا اور خواب درحقیقت نفس یا روح کے عجائبات کا ایک حیرت انگیز طلسم ہے علمائے نفس کہتے ہیں کہ اس کی حقیقت یہ ہے کہ انسان کے قوائے نفسی و دماغی ہر وقت اور ہر آن اپنے ذہنی اعمال میں مصروف رہتے ہیں، جب وہ سو جاتا ہے اور اس کے ظاہری حواس بے کار ہو جاتے ہیں، اس وقت بھی ان کے فکر و نظر کا عمل جاری رہتا ہے، مگر چونکہ عموماً انسان عمیق اور پرسکون نیند سوتا ہے، اس لیے جاگنے کے بعد اس کو اپنی حالتِ خواب کا احساس نہیں ہوتا لیکن کبھی کبھی جب اس کی نیند مستغرق اور گہری نہیں ہوتی تو اس کو اپنی گذشتہ سیر دماغی کے مکمل یا نامکمل مناظر دیدہ جاتے ہیں، اسی کا نام خواب ہے'

یہ تو فلسفۂ قدیمہ کا تراشیدہ خیال تھا، اب جدید عہد ترقی میں سائیکالوجی اور نفسیات کے علماء کا مشہور و مقبول نظریہ یہ ہے کہ ہم عالمِ بیداری میں اپنے جن خیالات، جذبات اور ارادوں اور تمناؤں کو جان کر یا بے جانے کسی سبب سے دبا دیتے ہیں، عالمِ خواب میں جب ہمارے تعقل اور احساس کی چابک زن حکومت ان سے اٹھ جاتی ہے، تو ان کو ابھرنے

کا موقع ملتا ہے اور وہ ہم کو خواب بن کر نظر آتے ہیں، بہرحال یہ شاید اس رویا کی توجیہ ہوگی، جن کو "خوابِ پریشاں" یا "اوہام دماغی" کہنا زیادہ موزوں ہے۔

عرفاے روح اس خواب پریشاں یا اوہام دماغی کے منکر نہیں ہیں، لیکن رویا کی حقیقت ان کے نزدیک کچھ اور ہے، وہ کہتے ہیں کہ انسان جسم و روح سے عبارت ہے، روح جب تک جسم کے اندر ہے، اس کی جلوہ نمائی کے دو رُخ ہیں، جسمانی و روحانی، اپنے جسمانی دروازہ سے وہ جھانکتی ہے تو اس کو جسم کے مادہ کی سطح پر رنگا رنگ کے نقش و نگار اور گلکاریاں نظر آتی ہیں، یہ اس کے وہ تعلقات اور دلچسپیاں ہیں جو اس کے اس جسمانی و مادی عالم کے ساتھ قائم ہیں، لیکن اس کے پیچھے ایک دوسرا دروازہ ہے، جہاں سے وہ روحانیت کے عالم کی سیر کر سکتی ہے جس قدر اس کا تعلق، انس، دل بستگی، شیفتگی اور مشغولیت، عالم جسم سے زیادہ ہوگی اسی قدر دوسرے عالم کی طرف سے فراموشی، غفلت اور بے تعلقی زیادہ ہوگی، حالتِ خواب میں روح کی ظاہری جسمانی مصروفیتیں چونکہ کم ہو جاتی ہیں، اس لیے اس کو دوسری کھڑکی کی طرف جھانکنے کی فرصت مل جاتی ہے، اور پھر روح کو جس قدر تعلقاتِ خارجی سے بیگانگی زیادہ ہوتی ہے، شہرستان ملکوت میں اس کی سیر بہت آگے تک اور بہت دور تک، اور وہاں کے تمثیلی مناظر و مشاہدات سے اس کی اطلاع اور واقفیت زیادہ صحیح اور سچی ہوتی ہے جو روحیں کہ اس عالم جسمانی کی بندشوں میں رہ کر بھی ان میں گرفتار و مقید نہیں، ان کے لیے عالم بیداری بھی اقلیم روح کی گلگشت سے مانع نہیں، اسی کا نام مشاہدہ اور مکاشفہ ہے۔

انبیاء علیہم السلام کے مقدس قالبوں میں جو ارواح طیبات ہیں وہ عالم ظاہری کی

گرفتاریوں کے بعد بھی جس حد تک آزاد اور بے تعلق رہتی ہیں، وہ عام حد انسانی سے بہت آگے اور بہت بلند ہے۔ اسی لیے عالم مشاہدہ اور عالم رویا دونوں میں حقائق و اسرار کی بستیاں اُن کی نگاہوں کے سامنے ہوتی ہیں، بیداری تو بیداری وہ سوتے بھی ہیں تو بیدار رہتے ہیں، ان کے جسم سوتے ہیں لیکن ان کی روحیں ہمیشہ جاگتی رہتی ہیں

تنام اعینھم ولا تنام قلوبھم — پیغمبروں کی آنکھیں سوتی ہیں، لیکن
(بخاری باب الانبیاء) — ان کے دل ہمیشہ بیدار رہتے ہیں

غافل انسان ادھر التفات نہیں کرتا، ورنہ درحقیقت نیند اور خواب کا معاملہ ایک سرِ ملکوتی اور ایک سرِ الٰہی ہے،

وَمِنْ اٰيٰتِهٖ مَنَامُكُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَابْتِغَآؤُكُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ۔

(روم - ۳)

خدا کی نشانیوں میں سے (اے انسانو!) رات میں اور دن میں تمہاری نیند ہے، اور پھر بیدار ہو کر اپنے کاروبار میں تمہارا مصروف ہونا، اور اس کی دولت کو تلاش کرنا ہے، اس میں ان لوگوں کے لیے جو سنتے ہیں بڑی بصیرتیں ہیں،

موت اور نیند دونوں کم و بیش ایک ہی جنس کی چیزیں ہیں، فرق اس قدر ہے کہ موت کی حالت میں جسم سے روح کو دائمی مفارقت ہو جاتی ہے، اور نیند میں عارضی، موت میں تمام تعلقاتِ ظاہری کے بندھن ٹوٹ جاتے ہیں، اور نیند میں کچھ نہ کچھ گرہیں

باقی رہ جاتی ہیں، قرآن مجید نے اسی روزانہ پیش آنے والے حیرت افزا واقعۂ قدرت کی طرف ہم کو اس آیت میں متوجہ کیا ہے،

اَللّٰہُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ	وہ اللہ ہی ہے جو روحوں کو موت کے وقت
مَوْتِھَا وَالَّتِیْ لَمْ تَمُتْ فِیْ مَنَامِھَا	اور جن کی موت کا وقت ابھی نہیں آیا
فَیُمْسِكُ الَّتِیْ قَضٰی عَلَیْھَا الْمَوْتَ	ان کو نیند میں ان (کی سپردگی)
وَیُرْسِلُ الْاُخْرٰی اِلٰٓی اَجَلٍ	کا وقت پورا کر دیتا ہے، پھر جن پر موت کا
مُّسَمًّی اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ	فرمان جاری ہو چکتا ہے انکو اپنے پاس
لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ ۝	روک لیتا ہے اور دوسروں کو ایک وقت
	مقررہ تک کے لیے چھوڑ دیتا ہے اس میں سوچنے
(زمر - ۵)	والوں کے لیے نشانیاں ہیں۔

حضرت امام ربانیؒ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں،

"ترقی قوم ازاں قبیل است کہ شخصے از وطن مالوف خود بہ شوق و رغبت از پرائے سیر و تماشا بیرون آید تا فرح و سرور حاصل کند، و خرم و شاداں بہ وطن خود باز رجوع نماید۔ و سیر گاہِ او عالم مثال است کہ متضمن عجائب ملک و ملکوت است۔"

(مکتوب سی و یکم، جلد سوم)

عربی زبان میں خواب کے لیے دو لفظ ہیں، ایک حُلم جس کی جمع احلام آتی ہے، اس کے معنی "خواب خیال" کے ہیں، یعنی محض وہم و تخیل دوسرا رویا، جس

خواب کو کہتے ہیں جس میں حقیقت بینی اور رمز شناسی ہو، ان دونوں لفظوں میں ایک اور فرق یہ ہے کہ پہلے میں وسوسۂ شیطانی کا دخل ہوتا ہے، اور دوسرا اس سے پاک ہے۔ یہ فرق سورۂ یوسف کی ان آیتوں میں صاف نظر آئے گا، عزیز مصر نے خواب دیکھا ہے، اپنے درباریوں سے اس کی تعبیر پوچھتا ہے، اہل دربار کہتے ہیں کہ یہ محض خواب و خیال اور وہم ہے،

يَا أَيُّهَا الْمَلَأُ أَفْتُونِي فِي رُؤْيَايَ	اے درباریو! میرے اس خواب کے بارہ
إِن كُنتُمْ لِلرُّؤْيَا تَعْبُرُونَ	میں مجھے رائے دو اگر خواب کی تم تعبیر
قَالُوا أَضْغَاثُ أَحْلَامٍ وَمَا	بیان کر سکتے ہو، انھوں نے کہا یہ تو محض
نَحْنُ بِتَأْوِيلِ الْأَحْلَامِ بِعَالِمِينَ	اوہام و خیالات کا مجموعہ ہے، ان اوہام
(سورۂ یوسف ۶)	اور خیالات کی تعبیر سے ہم واقف نہیں

گو عالم رؤیا کا نظارہ ہر اس ہستی کو کبھی کبھی پیش آتا ہے، جو روح سے وابستہ ہے، اور جس میں کالے گورے، مومن و کافر، شقی و سعید اور نیک و بد کی کوئی تمیز نہیں، لیکن جس طرح ایک نہایت نازک اور باریک یا کسی دور سے آنے والی چیز کو بہت سی آنکھیں دیکھ سکتی اور دیکھتی ہیں، لیکن ان میں حقیقت اور صحت کے قریب اسی کی رویت ہوتی ہے جس کی بینائی تیز، آلاتِ باصرہ صحیح اور فہم و استنباط کی قوت لطیف ہوتی ہے، اسی طرح عالم رؤیا کے مشاہدات کی حقیقی اور صحیح رویت بھی ان ہی کے لیے ہے، جن کی روح و دل کی بینائی تیز اور بصیرت کی آنکھیں روشن اور ادراک و عرفان کے حواس لطیف ہوں، اور جن کے نفس کے آئینہ میں صلاح و تقویٰ کا صیقل زیادہ ہو،

وَمَنْ كَانَ فِي هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ	اور جو یہاں اندھے ہیں وہ وہاں بھی
فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى (اسرائیل)	اندھے ہوں گے۔
وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ	خدا سے تقوی کرو، اور وہ تم کو علم بخشتا ہے
وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ (بقرہ)	اور خدا کو ہر چیز کا علم ہے۔

اسی لیے دنیا کے تمام مذاہب نے رویا کو خاص اہمیت دی ہے، اسلام اور شارع اسلام نے ہی طرح دین کے اور شعبوں کی تکمیل کی ہے اس حقیقت کو بھی نہایت واضح اور روشن کر دیا ہے، قرآن مجید کی آیت ہے

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ	جو ایمان لائے اور وہ متقی ہیں ان کے لیے
لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا	اس دنیا میں بشارت ہے اور آخرت میں
وَفِي الْاٰخِرَةِ لَا تَبْدِيْلَ	بھی، خدا کی باتوں میں تبدیلی نہیں
لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ	یہی بڑی کامیابی ہے۔

جب یہ آیت اتری تو صحابہ کرام نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ! اس دنیا میں بشارت کیا ہے؟ فرمایا کہ وہ رویا صالحہ ہے جو ایک مرد مسلم دیکھتا ہے[1] آپ نے فرمایا کہ نبوت اور رسالت ختم ہو گئی لیکن صرف ایک چیز باقی رہ گئی ہے اور وہ بشارات (خوشخبریاں) ہیں، لوگوں نے عرض کی یا رسول اللہ بشارات کیا ہیں؟ فرمایا صحیح کی رویائے صالحہ یہ نبوت کے اجزا میں سے ایک جزء ہے۔ بخاری، مسلم اور ترمذی کی متعدد روایتوں میں مختلف صحابیوں

[1] صحیح ترمذی کتاب الرویا [2] ایضاً ان کتابوں میں کتاب التعبیر اور کتاب الرویا دیکھو

سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ مومن کی رویائے صالحہ نبوت کے چھیالیس حصوں میں سے ایک حصہ ہے۔ اس سے زیادہ رویا کی اہمیت اور کیا ہو سکتی ہے کہ وہ نبوت کا ایک حصہ ہے لیکن یہ بھی سمجھ لو کہ وہ کونسی رویا ہے۔ ابھی ہم اوپر لکھ آئے ہیں کہ عربی میں خواب کے لیے دو لفظ ہیں، حلم (خواب پریشاں یا خیالات نفسانی) اور رویا۔ حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا:

الرویا من اللہ والحلم من الشیطان[1]

رویا خدا کی طرف سے اور حلم شیطان کی طرف سے ہے۔

آغاز مضمون میں علمائے نفس اور عرفائے روح کی تشریحات کی تفصیل ہو چکی ہے، ذیل کی حدیث سے یہ حقیقت بہت اچھی طرح ظاہر ہو جاتی ہے۔ صحیح مسلم اور جامع ترمذی میں ہے کہ آپ نے فرمایا: "اصدقکم رویا اصدقکم حدیثا" تم میں سے سب سے سچا خواب دیکھنے والا وہ ہے جو سب سے زیادہ سچ بولتا ہے" حقیقت میں انسان کا ظاہر اس کے باطن کا آئینہ ہے جس کی زبان سچ بولیگی، اس کی روح بھی یقیناً سچ دیکھے گی، علمائے نفسیات حدیث کے اس ایک فقرہ کی گرہ کشائی پورے ایک باب میں کر سکتے ہیں،

اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "خواب تین قسم کے ہوتے ہیں، ایک رویا ہے صالحہ یہ خدا کی طرف سے خوشخبری ہوتی ہے، دوسرا غم پیدا کرنے والا خواب یہ شیطان کی طرف سے ہوتا ہے۔ تیسرا وہ خواب ہوتا ہے جو انسان کی اپنے دل کی باتیں اور خیالات ہوتے ہیں" اس تقسیم سے یہ ظاہر ہو گیا ہے کہ علمائے نفس اور عرفائے روح جس

[1] صحیح بخاری و مسلم و ترمذی [2] صحیح مسلم و ترمذی کتاب الرویا۔

خواب اور رویا کی تشریح کرتے ہیں، وہ اپنی اپنی حقیقت کی رو سے بالکل الگ ہیں، اس عالم رویا کے تحت میں جس قسم سے بحث ہے، وہ صرف پہلی قسم ہے،

عام انسانوں اور انبیاء علیہم السلام کی رویا میں وہی نسبت ہے، جو ان دونوں کی ذات میں ہے، جب عام انسانوں کی آنکھیں سوتی ہیں تو کم و بیش ان کے دل بھی سوتے رہتے ہیں، لیکن انبیائے کرام کی آنکھیں جب سوتی ہیں تو بھی اُن کے دل بیدار رہتے ہیں، حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ ایک دفعہ آپ نے بڑی دیر تک تہجد کی نماز پڑھی، لیکن ابھی وتر نہیں پڑھی تھی کہ لیٹ گئے، حضرت عائشہؓ نے کہا یا رسول اللہ! آپ بے وتر پڑھے سوتے ہیں، فرمایا "اے عائشہؓ! میری آنکھیں سوتی ہیں، لیکن میرا دل نہیں سوتا"[1] معراج کے ذکر میں ہے کہ آپ اس حالت میں تھے کہ آپ کی آنکھیں سوتی تھیں، لیکن دل بیدار تھا، اور انبیاء کا یہی حال ہوتا ہے، کہ ان کی آنکھیں تو سوتی ہیں لیکن ان کے دل بیدار رہتے ہیں"[2]

ان ہی حدیثوں کو پیش نظر رکھ کر جمہور علمائے اسلام کا فیصلہ ہے کہ انبیاء کرام کی رویا بھی اسی قدر قطعی اور یقینی ہے، جس قدر آپ کے عام احکام وحی اور مخاطبات الٰہی، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو خواب اپنے پلوٹے بیٹے کی قربانی کے متعلق دیکھا، اس کے حکم الٰہی ہونے میں انھیں کسی قسم کا شک و شبہ نہیں ہوا، اور انھوں نے اس کی تعمیل ویسی ہی ضروری سمجھی جیسی اس حکم کی جو عالم بیداری میں انھیں خدا کی طرف

[1] صحیح مسلم باب صلوٰۃ اللیل [2] صحیح بخاری و مسلم باب الاسراء

ملتا، دوسرے پیغمبروں کے حالات میں بھی یہی نظر آتا ہے کہ ان کو اپنی رویا کی صحت و صداقت اور واجب العمل ہونے میں کسی قسم کا شک و شبہہ نہ تھا، خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوانح مبارک میں یہ احوال بہ کثرت پیش آئے ہیں، اور اس عالم میں جو احکام اور علوم آپ کو دیے گئے ہیں، وہ بھی اسی طرح تطبی ہیں، جس طرح وہ احکام اور علوم جو دیگر کے دوسرے طریقوں سے آپ کو مرحمت ہوئے، چنانچہ ترمذی میں حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے کہ "رُؤیا الانبیاء وحیٌ" انبیاء کا خواب بھی وحی ہوتا ہے[1]"

اوپر اشارہ گذر چکا ہے کہ بعض علمائے اسلام اور اصحاب کشف و عرفان عالم غیب اور عالم ملکوت اور اس عالم شہادت اور عالم جسمانیات کے درمیان ایک تیسرے عالم کے قائل ہیں، جس کا نام انھوں نے عالم برزخ (درمیانی مقام) اور عالم مثال رکھا ہے، چنانچہ علماء میں امام خطابی، امام غزالی، علامہ سیوطی، شاہ ولی اللہ صاحب اور صوفیہ میں حضرت امام ربانیؒ اور تمام حضرات مجددیہ اس عالم کے قائل ہیں، شاہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ میں اس کا ایک خاص باب باندھا ہے جس میں متعدد احادیث سے اور علامہ سیوطی اور امام غزالی کی تحریروں سے اس عالم کا ثبوت بہم پہنچایا ہے، عالم مثال ان کے نزدیک گویا ایک صاف پانی کی غیر محدود نہر یا شیشہ ہے جس میں عالم شہادت کی وہ چیزیں جو جاندار یا مجسم نہیں ہیں، مثلاً صفات، اعراض، نیکی و بدی، ایمان و علم وغیرہ وہاں اپنی مناسب اور موزوں شکلوں میں جاندار اور مجسم ہو کر نظر آتی ہیں، نیکی ایک

[1] ترمذی مناقب عمر فاروق رضی اللہ عنہ

حسین و جمیل کی شکل میں، بدی ایک کریہ المنظر صورت میں، ایمان آفتاب بن کر، علم دریا کے رنگ میں جلوہ گر ہوتا ہے، اسی طرح عالم غیب کی چیزیں، جنت، دوزخ، ملائکہ وغیرہ اسی ہر دو آئینہ میں منعکس ہو کر اس عالم شہادت کے لوگوں کو نظر آتی ہیں، اور جس طرح تصویر کی شبیہ، اور نہر و آئینہ کے عکس میں اور اصل جسمانی شکلوں میں کامل مشابہت اور مماثلت ہوتی ہے، اسی طرح عالم غیب کی اشیا اور عالم مثال کی شبیہوں اور تصویروں میں پوری مماثلت اور مشابہت پائی جاتی ہے۔

بہرحال اس عالم کا مستقل وجود ہو یا نہ ہو، مگر اس میں شک نہیں کہ قرآن پاک اور احادیث صحیحہ میں ایسے واقعات، حالات، مشاہدات اور کیفیات مذکور ہیں جن کی تشریح اس عالم میں بخوبی کی جا سکتی ہے، انجیل اور قرآن مجید دونوں میں ہے کہ جبریل حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش کی بشارت لے کر

فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا (مریم) — مریم کے سامنے ایک پورے انسان کی مثال بن کر آئے

احادیث میں ہے کہ ایک دفعہ نماز کی حالت میں آپ کے سامنے جنت اور دوزخ کی صورتیں جلوہ گر کی گئیں، اس موقع پر مختلف صحابیوں نے اس مفہوم کو حسب ذیل مختلف الفاظ میں ادا کیا ہے، آپ نے فرمایا

انه صورت لی الجنة والنار حتی — میرے لیے جنت اور دوزخ مصور کی گئی یا میرے

رأیتهما دون الحائط — سامنے جنت اور دوزخ کی صورت پیش کی گئی،

(بخاری باب التعوذ من الفتن) — یہاں تک کہ میں نے ان اس دیوار کے پاس دیکھا

لقد رأیت الآن منذ صلیت	میں نے ابھی جب تم کو نماز پڑھا رہا تھا
بکم الصلوٰۃ الجنۃ والنار	جنت اور دوزخ کو اس دیوار کے
ممثلتین فی قبلۃ ھذا الجدار	رُخ میں ممثل دیکھا، یا میرے سامنے جنت
(بخاری باب رفع البصر فی الصلوٰۃ)	اور دوزخ کی مثال پیش کی گئی۔
انی رأیت الجنۃ اریت النار	میں نے جنت کو دیکھا اور دوزخ مجھے
(بخاری باب الکسوف)	دکھائی گئی
نعرضت علی الجنۃ وعرضت	مجھ پر جنت اور دوزخ پیش کی گئی
علی النار (مسلم باب الکسوف)	
لقد جیٔ بالنار ثم جیٔ بالجنۃ (ر)	میرے پاس جنت اور دوزخ لائی گئی۔
اطلعت فی الجنۃ واطلعت	میں جنت اور دوزخ میں جا نکلا
فی النار (بخاری باب صفۃ الجنۃ)	

ایک ہی مفہوم کو مختلف راویوں نے ان مختلف الفاظ میں ادا کیا ہے، لیکن ہم سب کو معلوم ہے کہ الفاظ کی احتیاط بھی جس قدر امام بخاری کے ہاں ہے کسی اور کے ہاں نہیں، اس لیے امام بخاری کے الفاظ تصویر اور تمثیل یا صورت اور مثال یا امام مسلم کے الفاظ لایا جانا اور پیش کیا جانا پر ذرا تامل درکار ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ انسان کی زبان اس درجہ ادائے مطلب میں قاصر ہے کہ وہ اپنے الفاظ سے عالم محسوس کی کیفیتوں کی بھی پردہ دری نہیں کر سکتی، پھر اس سے یہ توقع کس قدر بیجا ہے

کہ غیر محسوس عالم کی کیفیتوں کو وہ کبھی الفاظ کا جامہ پہنا سکتی ہی جو ہم کر سکتے ہیں، وہ یہ ہے کہ صحیح، مستند اور محفوظ ذریعہ سے جو کچھ ہم تک پہنچا ہے، وہ دوسروں تک پہنچا دیں،

وحی نبوی کا آغاز رویائے صالحہ سے ہوا، آپ کو چیزیں رویا میں دکھائی جاتی تھیں، اور وہ صبح کی طرح ٹھیک ٹھیک پوری اترتی تھیں[1]

معمول تھا کہ صبح کی نماز کے بعد صحابہؓ کی طرف منہ کر کے آپ جائے نماز پر بیٹھے رہتے اور اُن سے دریافت فرماتے کہ تم میں سے کسی نے کوئی خواب دیکھا ہے؟ لوگ بیان کرتے، اگر وہ رویائے صالحہ ہوتی تو آپ اس کی تعبیر کرتے، اگر وہ خواب و خیال ہوتا تو کہدیتے کہ یہ محض خواب و خیال ہے، اسی اثنا میں اس شب میں اگر خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی رویا دکھائی گئی ہوتی تو آپ اس کو سناتے[2]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جس قدر رویا احادیث میں مذکور ہیں، ان کی دو قسمیں ہیں، ایک وہ ہیں جو تمثیلی رنگ میں دکھائی گئی ہیں، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تعبیر و تشریح خود اپنی زبان مبارک سے کر دی ہے، دوسری وہ رویا ہیں جو بعینہ واقعات و حقیقت ہیں، اور اسی لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بیان کرتے وقت ان کی تاویل و تشریح نہیں کی، اس کی بھی دو قسمیں ہیں، ایک وہ جس میں بعض اوقات دنیا کے متعلق پیش گوئی اور اخبار غیب ہے، دوسری وہ جس میں احوال آخرت اور امور غیب کا اظہار ہے، ذیل میں ہم ہر قسم کے واقعات کو الگ الگ عنوانوں کے تحت میں بیان کرتے ہیں

[1] بخاری بدء الوحی کتاب التعبیر وغیرہ و صحیح مسلم روایۃ عائشہ [2] صحیح بخاری و صحیح مسلم و ترمذی کتاب الرویا و کتاب التعبیر

رویائے تمثیلی ابھی آپ مکہ معظمہ میں تھے، اسلام پر سختی اور مصیبت کے دن تھے، صدائے حق پر لبیک کہنے والوں کی تعداد کم تھی کہ آپ کو عالم رویا میں دکھایا گیا کہ آپ اپنی جماعت کے ساتھ عقبہ بن رافع کے گھر میں ہیں، اور ابن طاب کی تر و تازہ کھجوریں ہجرت کر آپ کو اور آپ کے رفقا کو دی گئی ہیں، آپ نے اس کی تعبیر یہ کی کہ دنیا میں مسلمانوں کو ترقی اور آخرت میں عاقبت بخیر ہوگی، اور ان کا مذہب پھلے اور پھولے گا،

ابھی آپ نے ہجرت نہیں کی تھی، لیکن ہجرت کا زمانہ قریب تھا کہ آپ کو ہجرت اور ہجرت کے بعد کے تمام اہم واقعات رویا میں دکھائے گئے، آپ نے فرمایا کہ میں نے دیکھا کہ "میری ہجرت کی سرزمین چھوہاروں کا باغستان ہے" میرا خیال تھا کہ یہ یمامہ یا ہجر کا شہر ہوگا لیکن وہ شہر یثرب نکلا، اسی خواب میں نظر آیا کہ "میرے ہاتھ میں تلوار ہے میں نے اس کو ہلایا تو وہ ٹوٹ گئی" یہ اُحد کی شکست کی طرف اشارہ تھا، "پھر میں نے اس کو ہلایا تو وہ ایک نہایت عمدہ تلوار ہو گئی" یہ اس واقعہ کی تمثیل تھی کہ اُحد کے بعد اللہ تعالیٰ فتح و کامیابی اور مسلمانوں کا اجتماع نصیب کرے گا" میں نے اسی خواب میں گائے کو ذبح ہوتے دیکھا" یہ وہ مسلمان ہیں جو اُحد میں شہید ہوئے، اس کے بعد بھلائی دیکھی، یہ وہ بھلائی ہے جو اسلام کو نصیب ہوئی،

مسلمانوں نے جب مدینہ کو ہجرت کی ہے تو یہاں کی آب و ہوا ان کے موافق نہ تھی، وبا بھی پھیلی تھی، مہاجرین میں اضطراب تھا، آپ نے خواب میں دیکھا کہ ایک

---

[1] صحیح مسلم کتاب الرؤیا، صحیح بخاری کتاب التعبیر، [2] صحیح مسلم کتاب الرؤیا،

کالی سیاہ عورت جس کے سر کے بال الجھے اور پریشاں ہیں، وہ مدینہ سے نکل کر جحفہ کی طرف جا رہی ہے، اس کی تعبیر یہ ارشاد فرمائی کہ مدینہ کی وبا جحفہ میں منتقل کر دی گئی، چنانچہ ایسا ہی ہوا، اور مدینہ منورہ اس سے پاک ہو گیا۔

ایک دفعہ رویا میں آپ کو دکھایا گیا کہ آپ کے دونوں ہاتھوں میں سونے کا ایک ایک کنگن ہے، اس سے آپ کو تکلیف ہوئی، حکم ہوا کہ ان کو پھونک دو، آپ نے پھونکا تو دونوں کنگن ہاتھوں سے علیحدہ ہو کر اڑ گئے، آپ نے فرمایا کہ "میں نے اس کی تعبیر یہ کی کہ یہ نبوت کے دو جھوٹے مدعی ہیں (مسیلمہ اور اسود عنسی) جو میرے بعد پیدا ہوں گے۔

آپ نے دیکھا کہ آپ کے سامنے دودھ کا ایک پیالہ لایا گیا، آپ نے اس کو اس قدر سیر ہو کر پیا کہ انگلیوں سے دودھ بہنے لگا، پیالہ کا بچا ہوا دودھ آپ نے حضرت عمرؓ کو عطا فرمایا۔ "آپ نے لوگوں سے جب یہ خواب بیان کیا تو انھوں نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ! اس کی تعبیر آپ نے کیا کی، فرمایا "علم" اسی طرح آپ نے ایک دفعہ فرمایا "آج شب کو جب میں سویا تھا، میرے سامنے کچھ لوگ پیش کیے گئے، ان میں سے کسی کے بدن پر کرتہ سینہ تک تھا کسی کا اس سے نیچے تک، عمرؓ جب سامنے آئے تو ان کے جسم پر کرتہ اتنا بڑا تھا کہ اس کے دامن زمین پر لوٹ رہے تھے، سننے والوں

لہ صحیح بخاری و ترمذی کتاب الرویا ۔ صحیح بخاری و مسلم و ترمذی کتاب الرویا و التعبیر ۔ صحیح بخاری کتاب التعبیر و مناقب عمر و جامع ترمذی ابواب الرویا۔

نے پوچھا یا رسول اللہ! آپ نے اس کی کیا تعبیر کی، فرمایا[1] "دین!

ایک شب میں آپ کو ذات محمدیؐ پر ختم نبوت اور تکمیل دین کی تمثیل دکھائی گئی۔ آنکھیں خواب آلودہ تھیں، لیکن قلب اقدس بیدار تھا، کچھ فرشتے اتر کر آپ کے پاس آکر بیٹھے، اور آپس میں ایک دوسرے سے بولے کہ اس پیغمبر کی کوئی تمثیل بیان کرو، اسکی مثال ایسی ہے، جیسے کوئی آقا ہو، اس نے ایک محل تیار کیا، اور اس میں دسترخوان بچھایا، اور لوگوں کو کھانے کی دعوت دی، اب جس نے اس کی بات کو قبول کیا وہ آیا اور کھا پی کر سیر ہوا، اور جو نہیں آیا اس کو اس نے سزا دی" بیدار ہو کر آپ نے عبداللہ ابن مسعودؓ سے فرمایا کہ وہ آقا تو خدا ہے، جنت اس کا محل ہے، جس نے اس کی دعوت کو قبول کیا وہ جنت میں داخل ہوا، اور جس نے انکار کیا اس کو اس نے عذاب دیا[2]،

ایک دفعہ آپ کو یہ دکھایا گیا کہ آپ ایک کنوئیں کے اندارے پر کھڑے ہیں، بعض روایتوں میں ہے کہ آپ نے دیکھا کہ میں حوض کوثر پر کھڑا ہوں، اور گرد لوگوں کا جماؤ ہے، آپ ڈول سے پانی کھینچ کھینچ کر ان کو پلا رہے ہیں، آپ نے فرمایا کہ اس کے بعد میں نے دیکھا کہ ابوبکر آئے، اور انھوں نے میرے ہاتھ سے ڈول لے کر مجھے سبکدوش کر دیا، اور پھر وہ پانی کھینچ کھینچ کر پلانے لگے، مگر خدا ان پر رحم کرے، ذرا کھینچنے میں کمزوری معلوم ہوتی تھی، اس کے بعد عمر آئے تو ڈول بڑھ کر بڑا ہو گیا، اور عمر نے اس قوت تیزی سے پانی کھینچا کہ حوض کناروں کناروں تک پر ہو گیا، اور لوگ پی کر سیر ہو گئے[3]

---

[1] صحیح بخاری کتاب التعبیر و مناقب عمرؓ و جامع ترمذی ابواب الرؤیا [2] جامع ترمذی ابواب الامثال
[3] صحیح بخاری (مسلم) ترمذی کتاب التعبیر کتاب الرؤیا مناقب عمرؓ

یہ خواب اتنا واضح تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تعبیر کی ضرورت نہیں سمجھی، کون نہیں سمجھا کہ ڈول اور پانی کھینچنے سے مراد خلافت اور خدمتِ خلق کی بجا آوری ہے۔

حضرت عمرؓ ان چند سعید لوگوں میں ہیں جن کو اسی دنیا میں جنت کی بشارت دیجا چکی تھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "رات میں نے دیکھا کہ میں جنت میں ہوں، سامنے ایک محل ہے، ایک عورت اس میں بیٹھی وضو کر رہی ہے، میں نے پوچھا یہ کس کا محل ہے؟ جواب دینے والے نے جواب دیا کہ یہ عمرؓ کا مسکن ہے، میں نے چاہا کہ اندر جاؤں، مگر عمرؓ کی غیرت یاد آئی تو الٹا پھر گیا"۔ حضرت عمرؓ سن کر رو پڑے اور کہا "یا رسول اللہ میں آپ سے غیرت کرتا؟"[1] ایک دفعہ آپ نے حضرت بلالؓ سے پوچھا کہ "اے بلالؓ! تم کون سا ایسا نیک عمل کرتے ہو کہ میں جب جنت میں گیا تو تمھارے جوتوں کے چاپ کی آواز سنی"۔ عرض کیا "یا رسول اللہ! ہمیشہ باوضو رہتا ہوں۔ اور جب نیا وضو کرتا ہوں، دو رکعت نماز پڑھ لیتا ہوں"[2]

ورقہ بن نوفل کا نام آغاز وحی کے ضمن میں ابھی گذر چکا ہے، یہ حضرت خدیجہؓ کے رشتہ دار تھے، اور اسلام سے پہلے سچے عیسائی ہو گئے تھے، جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی اور آپ سے نزول جبریلؑ کا حال سنا تو انھوں نے آپ کی نبوت کی تصدیق کی، اور کہا کہ "اگر زندہ رہا تو اس وقت جب آپ کی قوم آپ کو شہر بدر کرے گی، میں آپ کی پوری مدد کروں گا" حضرت خدیجہؓ نے پوچھا کہ یا رسول اللہ! ورقہ جنت میں گئے یا دوزخ میں، انھوں نے تو آپ کی تصدیق کی تھی، لیکن آپ کے ظہور سے پہلے

---

[1] صحیح بخاری و مسلم، ترمذی کتاب التعبیر و کتاب الرؤیا مناقب عمرؓ [2] بخاری و مسلم مناقب بلالؓ و ترمذی مناقب عمرؓ

مرگئے۔" فرمایا "مجھے وہ خواب میں دکھلائے گئے کہ وہ سپید کپڑے پہنے ہیں، اگر وہ دوزخ میں ہوتے تو ان کے جسم پر لباس نہ ہوتا۔"

ایک شب کو جب آپ مصروفِ نماز تھے، جمال الٰہی بے نقاب ہو کر سامنے آگیا۔ صحیحین کے علاوہ دیگر کتب حدیث میں ہے کہ ایک دفعہ صبح کی نماز کے لئے آپ دیر کو برآمد ہوئے، نماز کے بعد لوگوں کو اشارہ کیا کہ اپنی اپنی جگہ پر ٹھہرے رہیں، پھر فرمایا کہ آج شب کو جب میں نے اتنی رکعتیں پڑھیں، جتنی میرے لیے مقدر تھیں، تو نماز ہی کے اندر میں اونگھ گیا، میں نے دیکھا کہ جمال الٰہی بے پردہ میرے سامنے ہی خطاب ہوا یا محمد! تم جانتے ہو کہ فرشتگان خاص کس امر میں گفتگو کر رہے ہیں"، عرض کی "نہیں"۔ اے میرے رب میں نہیں جانتا۔" اس نے اپنا ہاتھ دونوں مونڈھوں کے بیچ میں میری پیٹھ پر رکھا جس کی ٹھنڈک میرے سینہ تک پہنچ گئی، اور آسمان و زمین کی تمام چیزیں نگاہوں کے سامنے جلوہ گر ہو گئیں، سوال ہوا "یا محمد! تم جانتے ہو کہ فرشتگان خاص کس امر میں گفتگو کر رہے ہیں"، عرض کی "ان میرے رب ان اعمال کی نسبت گفتگو کر رہے ہیں جو گناہوں کو مٹا دیتے ہیں"۔ پوچھا "وہ کیا ہیں"۔ عرض کی "نماز باجماعت کی شرکت کے لیے قدم اٹھانا، نماز کے بعد مسجد میں ٹھہر جانا، اور ناگواری کے باوجود اچھی طرح وضو کرنا، جو ایسا کرے گا، اس کی زندگی اور موت دونوں بخیر ہونگی، وہ گناہوں سے ایسا ہی پاک ہو جائے گا، جیسا اس دن تھا جب اسکی ماں نے اسکو جنا تھا۔" پھر

لہ مشکوٰۃ کتاب الرویا، بخاری، ترمذی کتاب الرویا و مسند احمد

پھر سوال ہوا کہ "یا محمد! درجات کیا ہیں" اگذار ش کی کھانا کھلانا۔ نرمی سے باتیں کرنا جب دنیا سوتی ہو تو اٹھ کر نماز پڑھنا۔" پھر حکم ہوا کہ "اے محمد مجھ سے مانگو" میں نے عرض کی "خداوندا! میں نیک کاموں کے کرنے اور برے کاموں سے بچنے اور غریبوں سے محبت کرنے کی توفیق چاہتا ہوں، میری مغفرت کر، مجھ پر رحم فرما، جب کسی قوم کو تو آزمانا چاہے مجھے بے آزمائے اٹھا لینا، میں تیری محبت کا اور تجھ سے جو محبت رکھے اس کی محبت کا اور جو عمل مجھ کو تیری محبت کے قریب کر دے، اس کی محبت کا خواستگار ہوں۔"

اس کے بعد آپ نے لوگوں سے کہا کہ "یہ جو کچھ تھا، حق تھا، اور اس دعا کو پڑھا کرو۔"[1]

آثار قیامت کے بعض واقعات بھی اسی عالم میں آپ پر پیش کیے گئے۔ آپ نے صحابہؓ کے مجمع میں ایک دن فرمایا کہ رات مجھے ایک رویا دکھائی گئی۔ میں نے دیکھا کہ میں خانہ کعبہ کا طواف کر رہا ہوں، اسی اثنا میں میں نے ایک شخص کو دیکھا جس کا رنگ گندم گوں تھا، بہتر سے بہتر گندم گوں آدمی جو تم نے دیکھا ہو۔ اس کے گیسو پڑے ہوئے تھے بہتر سے بہتر گیسو جو تم نے دیکھے ہوں، کنگھی سے بال درست کیے ہوئے تھے۔ اور ان سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے، وہ آدمیوں کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر وہ طواف کر رہا تھا۔ میں نے پوچھا یہ کون ہے، جواب ملا کہ مسیح بن مریم! میں ادھر دیکھنے کو مڑا تو ان کے پیچھے ایک اور آدمی نظر آیا، سرخ رنگ، موٹا، جعد، بالوں میں بہت گھونگھر پڑے ہوئے

[1] یہ روایت جامع ترمذی تفسیر سورۂ ص و مسند ابن حنبل بہ سند معاذ جلد ۵ صفحہ ۲۴۳ ترمذی نے اس حدیث کو حسن و صحیح کہا ہے۔

ایک آنکھ سے کانا، آنکھ ایسی معلوم ہوتی تھی گویا کہ ابھرا ہوا انگور ہے، میں نے پوچھا یہ کون ہے؟ معلوم ہوا دجال[1]

ام المومنین زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک دفعہ آپ سونے سے جاگ اٹھے، چہرۂ مبارک سرخ تھا، اور زبان پر یہ کلمات تھے، لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ افسوس ہے عرب پر! برائی نزدیک آگئی، یاجوج ماجوج کی دیوار میں آج اتنا سوراخ ہو گیا[2]

حضرت جبریلؑ اور دوسرے فرشتے جس طرح آپ کے عالم مشاہدہ میں آتے تھے، اسی طرح اس عالم رویا میں حاضر ہوتے تھے، حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دن آپ نے فرمایا کہ آج شب کو میں نے خواب میں دو شخص دیکھے جو مجھ سے کہہ رہے ہیں کہ "دوزخ کی داروغہ کو جو جلاتا ہے وہ مالک داروغۂ دوزخ ہے، میں جبریلؑ ہوں اور یہ میکائیلؑ ہیں"[3]

نظارۂ جمال الٰہی کے بعد اس عالم کا سب سے بڑا مشاہدہ وہ تھا جس میں آپ کو دوزخ کے مہیب و ہولناک مناظر اور بہشت کی بعض دلکش اور مسرت افزا جلوہ آرائیاں دکھائی گئیں، حضرت سمرہؓ کہتے ہیں کہ معمول تھا کہ صبح کی نماز کے بعد آپ ہم لوگوں کی طرف منہ کر کے بیٹھ جاتے، اور پھر دریافت فرماتے کہ تم میں سے کسی نے کوئی خواب دیکھا ہے؟ بہرحال حسب معمول آج بھی آپ نے دریافت فرمایا، ہم نے عرض کی نہیں یا رسول اللہ! ارشاد ہوا کہ آج شب کو مجھے رویا میں یہ نظر آیا کہ دو آنے والے میرے پاس آئے، انھوں نے مجھے اٹھایا اور میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے ایک مقدس سرزمین میں لے گئے، میں نے

[1] صحیح بخاری کتاب التعبیر و صحیح مسلم باب الاسراء [2] صحیح بخاری کتاب الفتن، صحیح مسلم باب اشراط الساعۃ [3] بخاری بدء الخلق

دیکھا کہ ایک آدمی پڑا ہے، دوسرا شخص ایک بڑا پتھر ہاتھ میں لیے اس کے پاس کھڑا ہے
وہ زور سے پتھر اس کے سر پر مارتا ہے، جس سے اس کا سر چور چور ہو جاتا ہے، اور پتھر
لڑھکنے لگتا ہے۔ وہ دوڑ کر پتھر اٹھاتا ہے۔ تو اس کا سر پھر درست ہو جاتا ہے، وہ پھر
آکر اسی طرح مارتا ہے اور سر کے پرخچے اڑ جاتے ہیں۔ میں نے پوچھا سبحان اللہ یہ کیا ہے
میرے ساتھیوں نے کہا آگے چلو آگے چلو۔ میں آگے چلا تو دیکھا کہ ایک آدمی بیٹھا ہے، دوسرے
شخص کے ہاتھ میں ایک لوہے کا انکڑا ہے، وہ ایک طرف اس کے منہ میں انکڑا ڈال کر
کھینچتا ہے، تو باچھیں پھٹ کر گدی سے مل جاتی ہیں، پھر آنکھ میں، پھر نتھنے میں انکڑا ڈال کر
کھینچتا ہے، اور چیر ڈالتا ہے۔ ادھر سے فرصت کر کے دوسری جانب جاتا ہے اور
ادھر کے بھی جبڑے اور آنکھ اور نتھنے کو اسی انکڑے سے پیچھے تک چیر ڈالتا ہے۔ اسی
اثنا میں پہلی طرف کے سب زخم بھر آتے ہیں، اور پھر آکر وہ ان کو چیرتا ہے۔ تو دوسری طرف
کے بھر جاتے ہیں، میں نے کہا سبحان اللہ یہ کیا ہے۔ جواب ملا آگے چلو آگے چلو۔ میں
اور آگے بڑھا، دیکھا کہ ایک تنور ہے، اس میں آگ روشن ہے، کچھ مرد و عورت اس میں
ننگے ڈالے گئے ہیں۔ جب نیچے سے آگ کا شعلہ اٹھتا ہے، تو چیختے ہیں، چلاتے ہیں، تھوڑی
دیر میں وہ آگ دب جاتی ہے اور پھر بلند ہوتی ہے، اور پھر وہ چیختے ہیں، اور چلاتے ہیں
میں نے کہا سبحان اللہ یہ کیا ہے، انھوں نے پھر آگے بڑھنے کو کہا، اب آگے بڑھے
تو دیکھا کہ ایک خون کی سرخ ندی ہے، اس میں ایک آدمی تیر رہا ہے، اور کنارہ پر
ایک شخص پتھر لیے کھڑا ہے۔ وہ آدمی چاہتا ہے کہ تیر کر کنارے لگ جائے۔ مگر جب وہ

قریب آتا ہے، وہ شخص پتھر اس زور سے تاک کر مارتا ہے کہ وہ اس کے منہ میں جا کر لگتا ہے اور حلق سے نیچے اتر جاتا ہے، وہ آدمی ہٹ کر پھر جہاں تھا، وہیں پہنچ جاتا ہے، ادھر وہ کنارہ پر آنے کا قصد کرتا ہے کہ پھر اسی طرح پتھر آکر اس پر پڑتا ہے، میں نے دریافت کیا یہ کیا ہے، انھوں نے کہا آگے چلو آگے چلو، میں اور آگے چلا تو ایک شخص نظر آیا، کریہہ منظر سے کریہہ منظر آدمی جو تم نے دیکھا ہو، وہ اس سے بھی زیادہ کریہہ منظر تھا، آگ اس کے سامنے دہک رہی تھی اور اس کو وہ اور دہکا رہا تھا، اور اس کے چاروں طرف پھر رہا تھا، میں نے اپنے ساتھیوں سے پھر پوچھا کہ یہ کون ہے؟ انھوں نے آگے بڑھنے کو کہا، میں آگے بڑھا تو ایک ہرا بھرا گنجان باغ نظر آیا، جس میں نو بہار کے رنگ برنگ پھول کھلے ہوئے تھے، باغ کے بیچ میں ایک نہایت ہی خوبصورت عمارت دکھائی دی کہ میں نے ویسی کبھی نہیں دیکھی تھی، اس میں بچے، بوڑھے، جوان، عورت، مرد ہر طرف نظر آئے، آگے بڑھا تو ایک اور عمارت جو پہلے سے بھی زیادہ خوبصورت تھی، نظر آئی، اس میں بھی کچھ لوگ مختلف سن و سال کے دکھائی دیے، ایک باغ میں ایک درخت کے پاس ایک دراز قد انسان دیکھا جس کا سر اتنا اونچا تھا کہ آسمان تک پہنچ گیا تھا، اور مجھے نظر نہیں آتا تھا، اس انسان کے چاروں طرف اتنے بچے نظر آئے کہ میں نے اتنے نہیں دیکھے تھے، میں نے اپنے ہمراہیوں سے پھر سوال کیا، مگر انھوں نے اور آگے بڑھنا تو ایک بہت بڑے باغ کے قریب جس سے زیادہ بڑا اور زیادہ خوبصورت باغ میں نے کبھی نہیں دیکھا تھا پہنچا، اندر گیا تو ایک شہر نظر آیا جس کی چار دیواری ایک ایک سو

اور ایک ایک چاندی کی اینٹوں سے تعمیر ہوئی تھی، دروازہ کے پاس پہنچکر دروازہ کھلوایا
دروازہ کھلا اور ہم اُس کے اندر داخل ہوئے. تو وہاں ہم کو ایسے لوگ نظر آئے جن کا
آدھا دھڑ تو نہایت خوبصورت تھا، اور آدھا دھڑ نہایت بدصورت، میرے ہمراہیوں
نے ان سے کہا کہ جاؤ اس نہر میں غوطے لگاؤ، ناگاہ ایک نہایت صاف شفاف نہر
نظر پڑی، وہ گئے اور جاکر اس میں غوطے لگائے، غوطے لگاکر باہر آئے، تو انکی بدصورتی
جاتی رہی اور وہ نہایت خوبصورت ہوگئے، ساتھیوں نے کہا یہ شہر جنت عدن ہے
اور آپ کی منزل وہ ہے، میری نگاہ اوپر اٹھی، تو ایک محل سفید بادل کی طرح دکھائی
دیا، میں نے کہا خدا تمہارا بھلا کرے مجھے وہاں جانے دو، انھوں نے جواب دیا کہ ابھی
نہیں، مگر آپ وہاں یقیناً جائیں گے، پھر میں نے کہا آج رات کو میں نے عجیب عجیب
چیزیں دیکھیں، بتاؤ یہ کیا تھیں، انھوں نے کہا اب ہم آپ کو سب بتادیں گے، پہلے
آدمی جس کا سر پتھر سے توڑا جا رہا تھا، وہ تھا جو قرآن پڑھکر پھر اس کو چھوڑ دیتا ہو اور
فرض نماز سے غافل ہوکر سو جاتا ہے، وہ شخص جس کی آنکھ، ناک اور منہ چیرا جا رہا تھا
وہ تھا جو جھوٹ بولتا ہے، تنور میں جو عورت مرد ننگے بدن نظر آئے، وہ زناکار ہیں،
خون کے دریا میں جو غوطے لگا رہا تھا اور پتھر نگل رہا تھا وہ سود خوار ہے (کہ وہ لوگوں کا خون
چوس کر حرام کھاتا تھا) کریہہ منظر شخص جو آگ دہکا رہا تھا۔ وہ دوزخ کا داروغہ مالک تھا
باغ میں جو دراز قد انسان اور اس کے چاروں طرف بچے نظر آئے تھے وہ ابراہیم تھے
اور یہ بچے وہ تھے جو دین فطرت پر مرے، یہاں پر حاضرین مجلس میں سے ایک

مسلمان نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ٹوک کر کہا "یا رسول اللہ! اور مشرکین کے بچے؟" فرمایا "اور وہ بھی" (کیونکہ وہ ہوش میں آنے سے پہلے دین فطرت ہی پر مرے) پھر سلسلۂ گفتگو آگے بڑھایا۔ اور فرمایا کہ فرشتوں نے بتایا کہ پہلی عمارت جس میں ہر عمر کے لوگ تھے عام اہل ایمان کا مسکن ہے، دوسری عمارت جو اس سے بہتر تھی اور جس میں ہر سن و سال کے کچھ آدمی ملے، وہ شہیدوں کا مقام ہے، اور یہ لوگ جن کا آدھا دھڑ خوبصورت اور آدھا بدصورت تھا، وہ تھے جنھوں نے نیک اعمال کے ساتھ برے اعمال بھی کیے ہیں، خدا نے ان سے درگذر کیا۔"[1]

---

[1] صحیح بخاری کتاب التعبیر و کتاب الجنائز باب ما قیل فی اولاد المشرکین۔

مشاہدات و معمولات

عالم بیداری

اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰی مَا یَرٰی (نجم)

پیغمبر جو کچھ دیکھتا ہے کیا اس پر تم اس سے جھگڑتے ہو

انبیاء علیہم السلام کے حواس یا عام انسانی کے حواس سے زیادہ لطیف ہوتے ہیں، یا ہمارے حواس کے ماسوا اُن کے کچھ اور بھی حواس ہوتے ہیں، جن سے عام انسان اسی طرح بیگانہ ہیں، جس طرح مادر زاد نابینا، ایک تیز نگاہ نوجوان کی قوتِ بینائی اور لطف نظر سے ناآشنا ہے۔

مشاہدات نبوی، عام مادی واقعات نہیں جن کی روایت صحابۂ کرام خود اپنے علم یا رویت یا سماعت سے کر سکتے، بلکہ وہ ان واقعات سے اسی قدر جان سکتے تھے، جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان مبارک سے کبھی کبھی ظاہر فرمایا۔ اس لیے روایاتِ حدیث میں مشاہداتِ نبوی کا احاطہ نہیں ہو سکا ہے، اور نہ عام امت کے عمل دین کے لیے ان کیفیاتِ مافوق کا علم ضروری ہے، بہرحال لفظ و عبارت کے حدود میں جہاں تک ممکن ہے ہم ان کے احاطہ کی کوشش کرتے ہیں۔

مشاہداتِ نبوی کی فہرست میں سب سے پہلی چیز روح القدس یا روح الامین یا جبریل نام فرشتہ کی رویت ہے، جو سب سے پہلے غار حرا میں نظر آیا، اور اس کے بعد کچھ زمانہ تک وہ آپ کی نگاہ سے اوجھل رہا[1]، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اسکی وجہ سے تکلیف رہی صحیح مسلم میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ کہ میں آپ کے چند سال ایسے گذرے کہ آپ کو صرف غیب کی آواز یں سنائی، اور روشنی دکھائی دیتی تھی، اور کوئی چیز آپ کو نظر نہیں آتی تھی[2]۔ غالباً یہی فترۃ الوحی کا زمانہ ہے، یہ زمانہ ختم ہوگیا تو آپ نے ایک دن آواز سنی نظر اٹھا کر دیکھا تو آسمان وزمین کے بیچ میں ایک کرسی پر وہی فرشتہ بیٹھا ہوا نظر آیا[3] مگر عموماً وہ کسی نہ کسی شکل میں نظر آتا، صحیح روایتوں میں ہے کہ جبریلؑ صرف دو دفعہ اپنی اصلی صورت میں آپ کو نظر آئے۔ آپ نے اس وقت دیکھا کہ ان کے جسم میں چھ سو پر ہیں، اور ان کے دونوں بازوؤں نے افق کو گھیر لیا ہے[4] جبریلؑ کے علاوہ دوسرے فرشتگانِ الٰہی بھی بارگاہِ نبوت میں آیا کرتے تھے جس کی تفصیل نزولِ ملائکہ کے عنوان میں گذر چکی۔

فرشتوں کے مقابل دوسری ہستی شیطان کی ہے یہ وہ قوتِ شر ہے جس سے کوئی انسان محفوظ نہیں رہ سکتا، سب سے پہلے اس سے حضرت آدمؑ کی آزمایش ہوئی اور خدا نے یہ نتیجہ ظاہر کیا کہ

---

[1] صحیح بخاری وسلم باب بدء الوحی [2] صحیح مسلم باب کم اقام النبی صلی اللہ علیہ وسلم بمکۃ [3] صحیح مسلم بدء الوحی، [4] صحیح بخاری بدء الخلق وتفسیر والنجم وصحیح مسلم باب الاسراء

لَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا (طٰہٰ) ہم نے آدم میں استقلال نہیں پایا۔

سفر ایوبؑ اور قرآن میں ہے کہ اس سے حضرت ایوبؑ کی بھی آزمایش ہوئی، اور وہ اس امتحان میں پورے اترے۔ انجیل میں ہے کہ حضرت مسیحؑ بھی شیطان سے آزمائے گئے، اور انھوں نے کامیابی سے اس میدان کو سر کیا۔ حدیث صحیح میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ ہر انسان کے ساتھ ایک شیطان ہے، پوچھنے والے نے پوچھا "یا رسول اللہ کیا آپ کے ساتھ بھی ہے؟" فرمایا "ہاں لٰکِنَّہٗ اَسْلَمَ لیکن وہ مسلمان ہو گیا ہے، یا مطیع ہو گیا ہے"۔ ایک دفعہ کا واقعہ ارشاد فرمایا کہ میں نماز پڑھ رہا تھا کہ شیطان مجھے چھیڑنے لگا اور میری نماز توڑنے لگا۔ تو خدا نے مجھے اس پر غلبہ عطا کیا۔[1]

جنت و دوزخ گو اور عالم کی چیزیں ہیں لیکن نگاہوں سے پردہ اٹھ جائے تو سامنے آجائیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک دفعہ سورج گرہن ہوا، آپؐ صحابہ کے ساتھ نماز کو کھڑے ہوئے، اور بہت دیر دیر تک قرأۃ، رکوع اور سجود میں مصروف رہے، اسی اثنا میں صحابہؓ نے دیکھا کہ آپ نے ایک بار ہاتھ آگے کو بڑھایا، پھر دیکھا کہ آپ کسی قدر پیچھے ہٹے، نماز کے بعد لوگوں نے دریافت کیا، تو فرمایا کہ اس وقت میرے سامنے وہ تمام چیزیں پیش کی گئیں، جن کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے، جنت اور دوزخ کی تمثیل اسی دیوار کے پاس دکھائی گئی میں نے بہشت کو دیکھا کہ انگور کے خوشے لٹک رہے ہیں چاہا کہ توڑ لوں، اگر میں توڑ سکتا تو تم تا قیامت اس کو کھا سکتے، پھر میں نے دوزخ کو

---

[1] صحیح بخاری بخاری بدء الخلق باب صفر ۳ بلیس

دیکھا، جس سے زیادہ کوئی بھیانک چیز میں نے آج تک نہیں دیکھی لیکن میں نے اس میں زیادہ تر عورتوں کو پایا، لوگوں نے سوال کیا کہ "یا رسول اللہ! یہ کیوں"، فرمایا کہ "اپنے خاوند کی ناشکری کے سبب، اگر ایک عورت پر تم عمر بھر احسان کرو اور صرف ایک دفعہ وہ تمہارے کسی فعل سے آزردہ ہو جائے تو وہ کہے گی کہ میں نے کبھی تمہارا اچھا برتاؤ نہیں دیکھا"۔

میں نے اس دوزخ میں اُس چور کو دیکھا جو حاجیوں کا اسباب چرایا کرتا تھا، میں نے اس میں ایک یہودی عورت کو دیکھا جس پر اس لیے عذاب ہو رہا تھا کہ اُس نے ایک بلی کو باندھ دیا تھا، اس کو نہ کچھ کھانے کو دیتی تھی، اور نہ چھوڑتی تھی کہ وہ زمین پر گری پڑی چیزیں کھائے، آخر اسی بھوک سے اُس نے جان دیدی[1]۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا "میں جنت میں جا نکلا، تو دیکھا، بیشتر کے باشندوں میں بڑی تعداد اُن کی ہے، جو دنیا میں غریب تھے، اور دوزخ میں جا کر دیکھا تو ان میں بڑی تعداد عورتوں کی پائی"[2]۔

عمر کے اخیر سال میں آپ شہدائے احد کے مقبرے میں تشریف لے گئے، اور وہاں سے واپس آکر آپ نے ایک خطبہ دیا، اسی درمیان میں آپ نے فرمایا: میں اپنے حوض (کوثر) کو یہیں سے دیکھ رہا ہوں اور مجھ کو زمین کے خزانہ کی کنجیاں حوالہ کی گئیں، اے لوگو! مجھے یہ خوف نہیں ہے کہ میرے بعد تم شرک کرنے لگو گے، لیکن ڈرتا اس سے ہوں کہ

---

[1] صحیح بخاری و صحیح مسلم باب صلوٰۃ الکسوف و صحیح بخاری کتاب الصلوٰۃ باب رفع البصر و باب التعوذ من الفتن [2] صحیح بخاری باب صفۃ الجنۃ

اس دنیا کی دولت میں پڑ کر آپس میں رشک و حسد نہ کرنے لگو۔[1]

منبر مبارک مسجد نبوی میں تھا۔ اور اسی سے متصل ازواج مطہرات کے حجرے بھی تھے جن میں سے ایک میں جسد اقدس سپرد خاک ہے۔ آپ نے فرمایا "میرے گھر اور میرے منبر کے درمیان جنت کی کیاریوں میں سے ایک کیاری ہے، اور میرا منبر میرے حوض پر رکھا ہے"[2]

محدثین نے اس حقیقت کو مختلف تاویلوں سے ظاہر کرنا چاہا ہے۔ لیکن ہمارے نزدیک اس کی صحیح تشریح یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا مشاہدہ کرایا گیا،

معمول تھا کہ تہجد کی نماز کے لیے جب آپ بیدار ہوتے تو امہات المومنین رضی اللہ عنہن کو بھی جگا دیتے۔ ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ آپ ایک شب خواب سے بیدار ہوئے، تو فرمایا سبحان اللہ! آج شب کو کیا کیا دولت کے خزانے اور کیا کیا فتنے نازل ہوئے ہیں۔ ان حجروں میں رہنے والیوں (ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن) کو کون جگائے، اے افسوس دنیا میں کتنی عورتیں سامانِ آرائش سے آراستہ ہیں مگر آخرت میں وہ ننگی ہونگی"۔ (کہ دنیا میں وہ جامۂ عمل سے برہنہ تھیں)

اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن آپ مدینہ سے باہر تشریف لے گئے، ایک ٹیلے پر چڑھے، پھر فرمایا "اے لوگو! جو کچھ میں دیکھ رہا ہوں وہ تم دیکھ رہے ہو؟" لوگوں نے عرض کی "نہیں یا رسول اللہ! فرمایا "میں تمہارے گھروں کے درمیان فتنوں کو بارش کی طرح برستے دیکھ رہا ہوں"۔ (یہ غالباً حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کے بعد کے واقعات کا مشاہدہ تھا)

---

[1] صحیح بخاری کتاب الجہاد باب یحاذر من فتنۃ الناس وقول اللہ تعالیٰ ان من ازواجکم و اولادکم عدوا لکم فاحذروھم۔ صحیح بخاری کتاب الرقاق باب فضل ما بین القبر والمنبر۔
[2] صحیح بخاری کتاب التہجد صحیح مسلم باب ما بین القبر والمنبر

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر حال میں اپنی امت کی فکر دامنگیر رہتی تھی. ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کے تمام کناروں کو میری نگاہوں کے سامنے کر دیا. میں نے اُن کے مغرب و مشرق کو دیکھا میری امت کی سلطنت ان تمام کناروں تک پہنچ جائیگی جو مجھے دکھائے گئے ہیں، مجھے سُرخ و سپید (سونا چاندی) کے دونوں خزانے دیے گیے، میں نے خدا کے حضور میں دعا کی کہ بارالٰہا میری امت کو کسی عالمگیر قحط سے برباد نہ کرنا اور نہ ان پر ان کے سوا کسی غیر دشمن کو مسلط کرنا جو کہ میرے دربار میں فیصلہ کی تبدیلی نہیں ہوتی میں نے تمہاری یہ دعا قبول کی لیکن آپ میری امت کو کوئی دوسرا تباہ نہ کریگا. بلکہ وہ خود ایک دوسرے کو تباہ کریں گے[1] مسلمانوں کی پوری تاریخ اس مشاہدہ اقدس کی تفسیر ہے،

گذشتہ انبیائے کرامؑ کی تمثیلیں اکثر آپ کو دکھائی گئی ہیں، اور معراج اور عالم بیداری کے علاوہ بیداری کے عالم میں بھی متعدد ہوئے ہیں، صحیح مسلم میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ آپ سفر میں (غالباً سفر حج) جاتے ہوئے وادی ازرق سے گذرے، آپنے دریافت فرمایا یہ کون وادی ہے، لوگوں نے کہا یہ وادی ازرق ہے فرمایا گویا میں دیکھ رہا ہوں کہ موسیٰؑ گھاٹی سے اتر رہے ہیں، اور ان کی زبان پر تلبیہ (صدائے حج) جاری ہے" اس کے بعد ہرشا کی گھاٹی آئی، فرمایا یہ کونسی گھاٹی ہے" لوگوں نے بتایا کہ یہ ہرشا کی گھاٹی ہے، فرمایا "گویا میں دیکھ رہا ہوں کہ یونسؑ سرخ اونٹنی پر سوار ہیں

[1] صحیح مسلم باب الفتن

کمبل کا جبہ پہنے ہیں، اونٹنی کی نکیل کھجور کی چھال کی ہے، اور وہ لبیک اللھم لبیک کہتے جا رہے ہیں۔"

معراج کے واقعہ میں یاد ہوگا کہ جب کفار نے بیت المقدس کا نقشہ دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ وہ مجھے اچھی طرح یاد نہ تھا کہ دفعۃً اللہ تعالیٰ نے اس کو میری نگاہوں کے سامنے کر دیا، وہ ایک ایک چیز کو پوچھتے جاتے تھے اور میں جواب دیتا جاتا تھا۔[1]

ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ ایک دن آپ قبرستان سے گذر رہے تھے، فرمایا کہ ان دو قبروں پر عذاب ہو رہا ہے، یہ عذاب کسی گناہ کبیرہ کی پاداش میں نہیں ہے، ایک کو اس بات پر سزا دی جا رہی ہے کہ وہ طہارت کے وقت پردہ نہیں کرتا تھا، یا یہ کہ پیشاب کی چھینٹوں سے پرہیز نہیں کرتا تھا، دوسرے کے عذاب کا سبب یہ ہے کہ وہ لوگوں کی چغلی کھایا کرتا تھا، اس کے بعد آپ نے ایک درخت کی سبز ٹہنی کو دو ٹکڑے کر کے دونوں پر کھڑا کر دیا اور فرمایا کہ شاید ان کی تسبیح و تہلیل سے ان کی سزاؤں میں تخفیف ہو۔[2]

حضرت ابو ایوب انصاریؓ راوی ہیں کہ ایک دفعہ آپ دوپہر کو گھر سے نکلے تو آپ کے کانوں میں ایک آواز آئی، فرمایا کہ یہود پر ان کی قبروں میں عذاب ہو رہا ہے۔[3]

یہ بخاری کی روایت ہے، طبرانی میں ہے کہ آپ نے فرمایا "یہود کو ان کی قبروں میں جو عذاب دیے جا رہے ہیں، ان کی آوازیں میرے کانوں میں آ رہی ہیں۔"[4] ایک جہاد میں مسلمانوں

---

[1] صحیح مسلم باب الاسراء [2] صحیح بخاری، صحیح مسلم باب الاسراء [3] صحیح بخاری کتاب الجنائز [4] کتاب الجنائز

[5] قسطلانی خرج حدیث نہ کرد

کی طرف ایک آدمی مارا گیا تھا، لوگوں نے کہا وہ شہید ہوا، آپ نے فرمایا ہرگز نہیں، میں نے اس کو دوزخ میں دیکھا ہے، کیونکہ اس نے مال غنیمت میں سے ایک عبا چرا لی تھی، اس کے بعد آپ نے حضرت عمرؓ کو حکم دیا کہ وہ اعلان کر دیں کہ جنت میں صرف اہل ایمان جائیں گے۔[1]

عمرو بن عامر خزاعی عرب میں پہلا شخص ہے، جس نے جانوروں کو دیوتاؤں کے نام نذر کرنے کی بدعت پیدا کی، بخاری میں حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ "آپ نے فرمایا کہ" میں نے جہنم کو دیکھا کہ اس کے شعلے ایک دوسرے کو توڑ رہے ہیں، اور اس میں عمرو بن عامر کو دیکھا کہ وہ اپنی آنتیں گھسیٹ رہا ہے۔"[2]

صحیح مسلم میں ہے کہ آپ ایک دفعہ بنی نجار کے نخلستان میں جا نکلے، آپ ایک خچر پر سوار تھے، اور جان نثار ساتھ تھے کہ دفعتہً خچر اس زور سے بھڑکا کہ قریب تھا کہ آپ گر پڑیں، پاس پانچ چھ قبریں تھیں، دریافت فرمایا کہ ان قبروں کو کوئی جانتا ہے؟ ایک نے کہا ہاں یا رسول اللہ! میں جانتا ہوں، فرمایا "یہ لوگ کب مرے ہیں؟" عرض کیا کہ یہ لوگ شرک کی حالت میں مرے ہیں، فرمایا "ان لوگوں کی ان کی قبروں میں آزمائش ہو رہی ہے اگر یہ خیال نہ ہوتا کہ تم مُردوں سے ڈر کر ایک دوسرے کو دفن کرنے میں ڈھنگ کھو دو گے تو میں خدا سے دعا کرتا کہ تمکو بھی عذاب قبر کی وہ آواز سنائے جو میں سن رہا ہوں۔"[3]

ایک دفعہ آپ صحابہ کے ساتھ کسی طرف کو تشریف لیے جا رہے تھے، اتنے میں آپ کی سخت بدبو پھیلی، فرمایا جانتے ہو یہ کیسی بدبو ہے؟ یہ ان لوگوں کی بدبو ہے، جو مسلمانوں کی غیبت

---

[1] جامع ترمذی ابواب الجہاد باب ما جاء فی الغلول [2] مسند ابن حنبل مسند جابر بن عبداللہ [3] ایضاً

کہتے ہیں، حاکم میں ہے کہ ایک دفعہ حضرت بلالؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کسی طرف کو جا رہے تھے، آپ نے فرمایا "اے بلالؓ! جو میں سن رہا ہوں، تم سن رہے ہو؟" عرض کی نہیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، فرمایا کہ تم نہیں سنتے کہ مردوں پر عذاب کیا جا رہا ہے، مستدرک حاکم، کتاب الزہد امام احمد، بزار اور بیہقی کی شعب الایمان میں ہے کہ حضرت زید بن ارقمؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ ہم لوگ حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ تھے، حضرت ابوبکرؓ نے پینے کی کوئی چیز مانگی تو لوگ شہد اور پانی لے آئے، حضرت ابوبکرؓ یہ دیکھ کر رو دیئے، لوگوں نے گریہ کا سبب دریافت کیا، تو فرمایا کہ "ایک دن میں خدمت نبویؐ میں حاضر تھا تو دیکھا کہ آپ ہاتھ سے کوئی چیز ہٹا رہے ہیں اور مجھے کوئی چیز ہٹانے کی نظر نہیں آئی تھی تو میں نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ! آپ کس چیز کو ہٹا رہے ہیں؟ فرمایا یہ دنیا ہے، جو میرے سامنے متمثل ہو کر آئی ہے، میں نے اس سے کہا کہ میرے پاس سے چلی جا، تو اس نے کہا "اگر آپ مجھ سے بچ گئے تو آپ کے بعد کے لوگ مجھ سے نہیں بچ سکتے"۔

لہ مسند ابن حنبل مسند جابر بن عبداللہؓ مستدرک ج ۴ ص ۳۰۹، ذہبی نے کہا ہے کہ بخاری وغیرہ نے اس کے ایک راوی (عبدالصمد) کو متروک کہا ہے۔

اسراء یا معراج

سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ

اسراء کے معنی "رات کو چلانے یا لیجانے کے ہیں" چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حیرت انگیز معجزانہ سفر رات کو ہوا تھا اس لیے اسکو اسراء کہتے ہیں، اور قرآن مجید نے اسی لفظ سے اس کو تعبیر کیا ہی سُبْحٰنَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا (پاک ہے وہ خدا جو رات کے وقت اپنے بندہ کو لے گیا)

معراج "عروج" سے نکلا ہی جس کے معنی اوپر چڑھنے کے ہیں، چونکہ احادیث میں آپ سے لفظ عُرِج لی مجکو اوپر چڑھایا گیا مروی ہے، اس لیے اس کا نام معراج پڑا۔

انبیاء اور سیر ملکوت انبیاء علیہم السلام کے روحانی حالات اور واقعات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اولوالعزم پیغمبروں کو آغاز نبوت کے کسی خاص وقت اور مخصوص ساعت میں یہ منصب رفیع حاصل ہوتا ہے۔ اور اس وقت شرائط رویت کے تمام مادی پردے انکی آنکھوں کے سامنے سے ہٹا دیے جاتے ہیں، اسباب سماعت کے دنیاوی قوانین ان کے لیے منسوخ کر دیے جاتے ہیں، قیود زمانی و مکانی کی تمام فرضی بیڑیاں انکے پاؤں سے کاٹ ڈالی جاتی ہیں، آسمان و زمین کے مخفی مناظر بے حجابانہ ان کے سامنے آتے ہیں، اور وہ اس کے بعد نور کا حلّہ بہشتی پہنکر فرشتوں کے روحانی جلوس کے ساتھ بارگاہ الٰہی میں پیش ہوتے ہیں، اور اپنے اپنے رتبہ اور درجہ

کے مناسب مقام پر کھڑے ہو کر فیض ربانی سے معمور اور غرق دریائے نور ہو جاتے ہیں،
یہاں تک کہ بعض مقربان خاص کو یہ درجہ عطا ہوتا ہے کہ وہ حریم خلوتگاہ قدس میں بار پا کر
قَابَ قَوْسَيْنِ (دو کمانوں کے فاصلہ) سے بھی نزدیک تر ہو جاتے ہیں، اور پھر وہاں سے ابلاغ
منصب کا فرمان خاص لیکر اسی کاشانۂ آب و خاک میں واپس آجاتے ہیں،

حضرت ابراہیمؑ کو جب نبوت عطا ہوتی ہے تو ارشاد ہوتا ہے وَكَذٰلِكَ نُرِيٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اور اسی طرح ہم ابراہیم کو آسمان اور زمین کی بادشاہی دکھاتے ہیں،
یہ سیر ملکوت یعنی آسمان و زمین کی بادشاہی کا مشاہدہ کیا ہے، یہی اسراء اور معراج ہے۔

حضرت یعقوبؑ کے متعلق توراۃ میں مذکور ہے:

"یعقوب بیرسبع سے نکلا اور حاران کی طرف روانہ ہوا، اور وہاں ایک مقام پر
جا کر لیٹا، کیونکہ سورج ڈوب گیا تھا، اور اسی مقام کے پتھر اپنے سر کے نیچے رکھ لیے، اور
وہیں سو گیا، وہاں خواب دیکھا کہ زمین سے آسمان تک ایک زینہ لگا ہوا ہے جس پر سے خدا کے
فرشتے چڑھ اور اتر رہے ہیں، اور خدا اس پر کھڑا ہے اور اس نے کہا میں ہوں خداوند تیرے
باپ ابراہیم، اور اسحٰق کا خدا جس زمین پر تو سویا ہے وہ تجھکو اور تیری نسل کو دونگا۔"

حضرت موسیٰؑ کو طور پر جلوہ حق کا پرتو نظر آیا، وہی ان کی معراج ہے، دیگر انبیائے بنی اسرائیل
کے مشاہدات ربانی اور سیاحت روحانی کی تفصیل سے توراۃ کے صفحات معمور ہیں، عیسائیوں
کے مجموعۂ انجیل میں یوحنا رسول کا مکاشفہ بتفصیل مذکور ہے، جس میں ان کو خواب کے اندر
بہت سے روحانی مناظر دکھائے گئے ہیں، اور قیامت کے واقعات تمثیلی رنگ میں

ان کے سامنے پیش کیے گئے ہیں، یہ پورا مکاشفہ جس کو ہم سفرنامۂ ملکوت کہہ سکتے ہیں ۲۲ بابوں میں ختم ہوا ہے، اور اُن میں آثار قیامت، جزا و سزا، اور جنت و دوزخ وغیرہ کے متعلق اکثر ایسی باتیں بیان کی گئی ہیں، جو قرآن مجید کے بالکل مطابق ہیں، اور انکو تمام مسلمان پسند کرتے ہیں، مجوس اپنے پیغمبر زردشت کے متعلق بھی معراج کا ایک طویل افسانہ سناتے ہیں جس میں زیادہ تر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے واقعاتِ معراج کے نقل کرنے کی کوشش کی گئی ہے، پیروانِ بودھ بھی نخلِ حکمت کے سایہ میں بودھ کے مشاہدۂ ربانی کا ایک قصہ بیان کرتے ہیں،

بہرحال اس تفصیل سے مقصود یہ ہے کہ ہمیشہ سے یہ سیر ملکوت انبیاء، مقربان الٰہی اور مدعیانِ قرب الٰہی کے سوانح کا جزو رہی ہے، اور ہر ایک نے اپنے اپنے منصب اور رتبہ کے مطابق اس عالم کے مشاہدہ کا فیض حاصل کیا ہے، اسلام نے اس خزانہ کو یہانتک عام کیا ہے کہ اہل ایمان کے لیے دن میں پانچ دفعہ اس دربار کے کسی نہ کسی گوشہ تک رسائی ممکن کردی ہے، کہ الصلوٰۃ معراج المومنین.

معراج نبوی لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ سرورِ انبیاء اور سید اولاد آدم تھے، اس لیے اس حظیرۂ قدس اور بارگاہ لامکان میں آپ کو وہاں تک رسائی حاصل ہوئی، جہانتک کسی فرزند آدم کا قدم اس سے پہلے نہیں پہنچا تھا، اور وہ کچھ مشاہدہ کیا جو ابتک دوسرے مقربانِ بارگاہ کی حد نظر سے باہر رہا تھا

معراج نبوی کا وقت و تاریخ اور تعداد وقوع اس امر میں اختلاف ہے کہ معراج کب اور کس

تاریخ کو واقع ہوئی، ایک دفعہ ہوئی یا مختلف اوقات میں صحیح و مستند روایات کے مطابق اور جمہور علماء کی رائے کے موافق معراج صرف ایک دفعہ واقع ہوئی۔ جو لوگ تعدد کے قائل ہیں، اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ چونکہ روایتوں میں جزئیاتِ معراج کے بیان میں اختلاف ہے، اس لیے انھوں نے رفعِ اختلاف کے لیے متعدد دفعہ معراج کا وقوع تسلیم کیا ہے[1]، تاکہ ہر مختلف فیہ واقعہ ایک ایک جداگانہ معراج پر منطبق کیا جائے۔ لیکن درحقیقت یہ ایک فرضِ محض ہے، جس کو واقعیت سے کوئی تعلق نہیں، مستند اور صحیح روایات ہمارے سامنے ہیں، ان میں تعددِ معراج کا اشارہ تک نہیں ہے۔ ایک ایسے اہم مافوق مشاہدۂ بشری اور طویل واقعہ کے متعلق جو اس وقت واقع ہوا، جب مسلمانوں کی تعداد بہت تھوڑی تھی، اور جس قدر تھی، وہ بھی پراگندہ حال اور منتشر الخیال تھی، اور ایک ایسے واقعہ کے متعلق جس کے رواۃ اکثر وہ لوگ ہیں، جو اس وقت پیدا نہیں ہوئے تھے یا بہت چھوٹے تھے، یا مدنی لوگ ہیں جنکو قبل ہجرت کے واقعات کی ذاتی اور بلاواسطہ واقفیت نہ تھی، اگر جزئیات میں معمولی اختلاف یا بعض واقعات کی ترتیب میں تقدم و تاخر واقع ہوا ہے تو انکی تطبیق کے درپے ہونے کی ضرورت نہیں، خود ہمارے سامنے روزانہ واقعات پیش آتے رہتے ہیں، ان کے جزئیات کی تفصیل اگر مختلف راویوں سے سنیں، یا مختلف اوقات میں ہم خود بیان کریں، تو ترتیب واقعات اور دیگر جزئی امور میں بیسیوں اختلافات پیدا ہو جائیں گے، بایں ہمہ اصل معاملہ اور اس کے اہم اجزا کے وقوع میں شک و شبہ نہ ہوگا۔

[1] امام سہیلی نے روض الانف شرح سیرۃ ابن ہشام میں اسی استدلال کی بنا پر تعدد کا میلان ظاہر کیا ہے، ج ۱ ص ۲۴۴ مصر

بعض اربابِ سیر نے دو دفعہ معراج کا ہونا ظاہر کیا ہے، جن میں وہ ایک کو اسرا اور دوسرے کو معراج کہتے ہیں کہ قرآن میں اسرا، اور احادیث میں معراج کا نام آیا ہے، انھوں نے اس کی ضرورت اس لیے سمجھی ہے کہ قرآن مجید کے پندرہویں پارہ میں اسرا کا جو بیان ہے اس میں صرف مکہ سے بیت المقدس تک کا سفر مذکور ہے، اور قرینہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ جسم کے ساتھ حالت بیداری میں ہوا، حالانکہ معراج میں تو آسمان تک کا سفر ہوا ہے اور عجیب غریب واقعات پیش آئے ہیں، اور بعض روایتوں میں یہ تصریح ہے کہ یہ خواب تھا ہر حال یہ بھی استنباط اور قیاس سے آگے نہیں بڑھتا، قرآن مجید کے الفاظ خواب بیداری دونوں کے متحمل ہیں، اس بنا پر اس میں کوئی شک نہیں کہ معراج ایک ہی دفعہ واقع ہوئی یہی علامہ زرقانی نے تصریح کی ہے کہ یہی جمہور محدثین، متکلمین اور فقہا کی رائے ہے، اور روایات صحیحہ کا تواتر بھی بظاہر اسی پر دلالت کرتا ہے، اور اس سے عدول نہیں کرنا چاہیے، حافظ ابن کثیر نے تفسیر میں تعدد معراج کے قول کو بالکل لغو اور بے سند اور خلاف سیاق احادیث ٹھہرایا ہے[1]

معراج کے وقت اور زمانہ کی تعیین میں یہ دشواری پیش آتی ہے کہ ہجرت سے پہلے کا واقعہ ہے، جبکہ تاریخ اور سنہ کی تدوین نہیں ہوئی تھی، اور عرب میں عموماً اسلام سے پہلے کسی خاص سنہ کا رواج نہ تھا، تاہم وقت کے متعلق اتنا تو یقینی طور پر معلوم ہے کہ رات کا وقت تھا، خود قرآن مجید میں ہے اسری بعبدہٖ لیلاً (یعنی لے گیا اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو رات کے وقت) اور تمام روایات بھی اس پر متفق اللفظ ہیں، لیکن صحیحین اور بعض

[1] فتح مواہب جلد اول ص ۵۵

سراپتہ لگانا نہایت مشکل ہے۔ محدثین کے ہاں کسی سے بھی بروایت صحیحہ اس کی تصریح موجود نہیں ہے۔ ارباب سیر نے بعض صحابہ، تابعین اور تبع تابعین سے کچھ روایتیں کی ہیں، لیکن انکی تصریحات مختلف ہیں، تاہم اتنی بات پر بلا اختلاف سب کا اتفاق ہے کہ یہ بعثت اور آغاز وحی کے بعد اور ہجرت سے پہلے کا واقعہ ہے جو مکہ معظمہ میں پیش آیا۔

مہینہ کی تعیین کے متعلق ارباب سیر کے پانچ اقوال ہیں، کوئی ربیع الاول کہتا ہے کسی نے ربیع الآخر کی روایت کی ہے۔ بعض رجب کی تعیین کرتے ہیں، بعض رمضان یا شوال کہتے ہیں، یہ آخری روایت سدی کی ہے جس کو ابن جریر طبری اور بیہقی نے نقل کیا ہے۔ اس کی روایت ہے کہ معراج ہجرت سے ۱۶ مہینے پیشتر واقع ہوئی، ہجرت اوائل ربیع الاول میں ہوئی ہے۔ اس بنا پر ۱۶ مہینے پیشتر آخر رمضان ہوگا، یا آغاز شوال لیکن کون نہیں جانتا کہ سدی پایۂ اعتبار سے ساقط ہے، واقدی سے ابن سعد نے دو روایتیں کی ہیں ایک یہ کہ سنیچر کی شب تھی، ۱۷ تاریخ تھی، رمضان کا مہینہ تھا، ہجرت ربیع الاول سنہ ۱۳ سے ۱۸ مہینے پیشتر کا یہ واقعہ ہے۔ دوسری یہ ہے کہ یہ ہجرت سے ایک سال پہلے ۱۷ ربیع الاول کا واقعہ ہے"۔ واقدی نے ان روایات میں کسی قدر تصریح کے ساتھ دن، تاریخ اور وقت بتا دیا ہے لیکن ہمارے علمائے رجال کی عدالت میں انکی شہادت کوئی

صحیح بخاری اور دیگر کتب حدیث میں معراج کے بیان میں شریک نے حضرت انس رضؓ سے روایت کی ہے کہ یہ قبل از وحی کے ہوا۔ اس سے مطلب محض فرشتوں کا آنا ہے نفس معراج نہیں تفصیل آگے آئیگی۔ ابن سعد طبقات اول صفحہ

بڑی قدر و قیمت نہیں رکھتی، چنانچہ ان روایتوں میں بھی جس روایت میں وقت، مہینہ تاریخ کی جس قدر تفصیل زیادہ ہے، اسی قدر وہ زیادہ نامعتبر ہے، کیونکہ اسی کی سند ناتمام ہے دوسرے مہینوں کی روایتیں بھی اسی قسم کی ہیں، ابن قتیبہ دینوری (المتوفی ۲۶۸ھ) اور علامہ ابن عبدالبر (المتوفی ۴۶۳ھ) نے رجب کی تعیین کی ہے، اور متاخرین میں امام نووی اور امام نووی نے (روضہ میں) اسی کو تیقن کے ساتھ ظاہر کیا ہے اور محدث عبدالغنی مقدسی نے بھی اسی مہینہ کو اختیار کیا ہے، بلکہ ۲۷ تاریخ کی بھی تصریح کر دی ہے، اور علامہ زرقانی نے لکھا ہے کہ لوگوں کا اسی پر عمل ہے اور بعضوں کی رائے ہے کہ یہی قوی ترین روایت ہے، کیونکہ اصول یہ ہے کہ جب کسی بات میں سلف کا اختلاف ہو، اور کسی رائے کی ترجیح پر کوئی دلیل قائم نہ ہو تو غالب وہ قول صحیح ہوگا جس پر عمل درآمد ہو، اور جو لوگوں میں مقبول ہو[1]۔

اس مسئلہ کے حل کی ایک صورت یہ ہے کہ متاخرین کے نقول، قیاسات، استنباطات اور مجادلات سے جو دس سے زیادہ مختلف اقوال پر مشتمل ہیں، قطع نظر کر لیا جائے، اور دیکھا جائے کہ قدیم راویوں کی اصل تصریحات کیا کیا ہیں، اور کثرتِ روایت اور گمانِ صحت کا رجحان پہلو کس کی جانب ہے، چنانچہ یہ تصریحات حسب ذیل ہیں،

نام راوی	روایت	کیفیت سند
ابن سعد بواسطہ واقدی از حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص	۱۷ ربیع الاول ہجرت سے ایک سال قبل	ابن سعد نے یہ روایت متعدد مسلسل طریقوں سے صحابہؓ

[1] یہ تمام تفصیل زرقانی جلد ۱ ص ۳۵۵-۳۵۸ میں مذکور ہے۔

نام راوی	روایت	کیفیت سند
۱۔ ام سلمہ و عائشہ و ابن عباس و ام ہانی رضی اللہ عنہم	"	سے نقل کیا ہے
۲۔ موسیٰ بن عقبہ، بواسطۂ زہری	ہجرت سے ایک سال قبل	موسیٰ بن عقبہ کی سیرۃ معتبر ترین کتب سیرۃ ہے
۳۔ زہری، بواسطہ سعید ابن مسیب	"	"
۴۔ عروہ بن زبیر از حضرت عائشہؓ	"	"
۵۔ قتادہ	"	یہ تابعی ہیں۔
۶۔ مقاتل۔	"	"
۷۔ ابن جریج	"	"
۸۔ ابراہیم بن اسحٰق الحربی	۲۷ ربیع الآخر ہجرت سے ایک سال پہلے	"
۹۔ مسلم بن قتیبہ	ہجرت سے ۱۰ ماہ پیشتر	یہ مورخ ہیں
۱۰۔ عمرو بن شعیب از حضرت عمرو بن العاص	۷ ربیع الاول، ہجرت سے ایک سال پہلے	

نام راوی	روایت	کیفیت سند
۱۱ - سُدّی	ہجرت سے ۱۷ یا ۱۶ مہینے پیشتر	سُدّی پایۂ اعتبار سے ساقط ہے

متاخرین نے امام زہری کے انتساب سے دو اور مختلف اقوال نقل کیے ہیں، ایک ہجرت سے پانچ سال قبل اور دوسرا بعثت سے پانچ سال بعد، پہلے قول کے ناقل علامہ ابن حجر (فتح الباری جلد ۷، ص ۱۵۵ مصر) ہیں، اور ان کا بیان ہے کہ قاضی عیاض، امام قرطبی اور امام نووی شارحین صحیح مسلم اسی کے مؤید ہیں، لیکن امام نووی کی شرح صحیح مسلم مطبوعہ ہندوستان (ص ۹۱) اور قسطلانی کی سیرۃ مواہب لدنیہ (مطبوعہ مصر مع زرقانی) میں دوسرا قول منقول ہے، زرقانی نے (جلد اول فصل معراج میں) اس اختلاف پر حیرت ظاہر کی ہے، افسوس ہے کہ قلمی نسخے موجود نہیں ہمارا خیال ہے کہ یہ اختلاف کتابت کی غلطی اور مسامحت سے پیدا ہوا ہے، اسی طرح اسد الغابہ ابن اثیر مطبوعہ مصر (ص ۲۰) میں سدی کی نسبت لکھا ہے کہ "وہ کہتا ہے کہ معراج ہجرت سے ۶ مہینے (ستۃ اشہر) پہلے ہوئی" یہ ۶ درحقیقت ۱۶ ہے، "ستۃ اشہر" کے بجائے "ستۃ عشر شہرا" چاہیے جیسا کہ حافظ ابن کثیر نے اس سے (تفسیر اسرا) نقل کیا ہے، اور جو اسکی ۱۷ مہینے والی روایت کے قریب قریب ہے، جو طبری و بیہقی میں ہے، چھٹی صدی میں علامہ ابن اثیر نے کسی قیاس یا استنباط تاریخی کی بنا پر ہجرت سے تین سال پہلے معراج کا وقوع تسلیم کیا ہے، مگر جہاں تک ہم کو معلوم ہے

ف یہ تمام روایات مختلف ماخذوں سے جمع کیگئی ہیں، اول ابن سعد میں ہے، دوم، چہارم یازدہم تفسیر ابن کثیر (سورۂ اسرا ص ۴۰) میں ہے، ہشتم تفسیر ابن جریر (۱۵-۷۲) میں ہے، پنجم و ششم تفسیر ابن حبان (اسرا ص ۵) میں ہے، بقیہ اقوال و روایات کے لیے فتح الباری، زرقانی، شرح شفائے عیاض، استیعاب ابن عبد البر، اسد الغابہ، ابن اثیر اور روض الانف (ذکر معراج) دیکھیے

کسی اور نے ان کا ساتھ نہیں دیا ہے۔ اور نہ کہیں سیرت کی امہات کتب میں یہ تاریخ مذکور ہے بجز اس قیاس کے کہ ابن اسحاق نے اپنی سیرت میں واقعۂ معراج کو ابو طالب اور حضرت خدیجہؓ کی وفات سے پہلے نقل کیا ہے۔ اور یہ دونوں حادثے ہجرت سے تین سال پہلے پیش آئے تھے اس سے اشارۃً یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ ابن اسحاق کا خیال تھا کہ معراج ہجرت سے تین سال پہلے ہوئی۔

ہم نے مقدمہ کی پوری روداد ناظرین کے سامنے رکھدی ہے جس سے معلوم ہوا ہوگا کہ قدیم راویوں کا بڑا حصہ ایک سال قبل ہجرت کا زمانہ متعین کرتا ہے، ایک دو نرگ یا ۶ مہینے کی مدت اور بڑھا دیتے ہیں۔ متاخرین میں سے بعض اصحاب نے جو قیاس تاریخی سے تین سال یا پانچ سال قبل ہجرت کا زمانہ متعین کرنا چاہا ہے۔ اس کا مبنی یہ ہے کہ بخاری میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ حضرت خدیجہؓ نماز پنجگانہ کی فرضیت سے پہلے وفات پا چکی تھیں نماز پنجگانہ بالاتفاق معراج میں فرض ہوئی، پھر بخاری ہی میں حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ حضرت خدیجہؓ نے ہجرت سے تین سال پہلے وفات پائی، اور دوسرے راویوں نے بیان کیا ہے کہ ہجرت سے پانچ سال پہلے انتقال کیا۔ ان مقدمات کو یکجا کر کے انھوں نے یہ نتیجہ نکالنا چاہا ہے کہ معراج کا واقعہ ہجرت سے تین سال پہلے (بقول ابن اثیر) یا پانچ سال پہلے (بقول قاضی عیاض وغیرہ) پیش آیا ہے، لیکن ظاہر ہے کہ یہ استدلال اُس وقت درست ہو سکتا تھا جب یہ ثابت ہوتا کہ نماز پنجگانہ کی فرضیت اور حضرت خدیجہؓ کی وفات دونوں ایک ساتھ ہوئیں یا کم از کم یہ کہ پہلا واقعہ دوسرے واقعہ کے چند روز بعد پیش آیا۔ حضرت عائشہؓ کی روایت

سے صرف اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ حضرت خدیجہؓ نے معراج (فرضیتِ نماز پنجگانہ) سے پہلے وفات پائی۔ اب یہ نہیں معلوم کہ ایک مہینہ پہلے یا سال بھر پہلے یا چند سال پہلے، اس لیے ان قیاسات سے معراج کی تاریخ متعین نہیں ہو سکتی۔

بہرحال ابتدائی راویوں کی کثیر جماعت جن میں بعض نہایت معتبر اور ثقہ ہیں، اسی جانب ہے کہ یہ ہجرت یعنی ربیع الاول ۱۳ھ سے ایک سال یا ڈیڑھ سال پہلے کا واقعہ ہے۔ امام بخاری نے جامع صحیح میں گو کوئی تاریخ نہیں بیان کی ہے لیکن ترتیب میں وقائع قبل ہجرت کے سب سے آخر میں، اور بیعتِ عقبہ اور ہجرت سے متصلاً پہلے واقعہ معراج کو جگہ دی ہے، اور ابن سعد نے بھی سیرت میں واقعہ معراج کا یہی موقع ترتیب میں رکھا ہے۔ اس سے حدیث اور سیرت کے ان دو اماموں کا یہی منشا ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ہجرت سے کچھ ہی زمانہ پہلے خواہ وہ ایک سال ہو یا اور کچھ کم و بیش، معراج کا زمانہ متعین کرتے ہیں، آگے چل کر ہم یہ بتائیں گے کہ ہمارے نزدیک قرآن مجید سے بھی یہی مستنبط ہوتا ہے کہ معراج اور ہجرت کے بیچ میں کوئی زمانہ حائل نہ تھا، بلکہ معراج درحقیقت ہجرت ہی کا اعلان تھا۔

مہینہ کی تعیین مشکل ہے، جو لوگ ہجرت یعنی ربیع الاول ۱۳ھ سے ایک سال پہلے کہتے ہیں، ان کے حساب سے اگر یہ ربیع الاول ادھر شامل کر لیا جائے، تو ادھر معراج کا ایک مہینہ ربیع الآخر پڑے گا، اور اگر شامل نہ کیا جائے تو ربیع الاول رہے گا، اور اگر عام مشہور و معمول بہ رجب کی تاریخ اختیار کیجائے تو ہجرت سے ایک سال، نو مہینے پیشتر کا واقعہ تسلیم کرنا ہوگا۔

معراج کی صحیح روایتیں

واقعۂ معراج چونکہ نہایت اہم، ہماری مادی کائنات سے ماوراء اور قیاس، استنباط اور عقلِ انسانی کی سرحد سے بالاتر ہے، اس لیے ضرورت ہے کہ اس باب میں صحیح و خالص روایتوں کی پیروی کی جائے، احادیث و سیر کی کتابوں میں اس واقعہ کو کثیر التعداد صحابیوں نے بیان کیا ہے، علامہ زرقانی نے ۴۵ صحابیوں کو نام بنام گنایا ہے، اور حدیث و سیر و تفسیر کی جن جن کتابوں میں ان کی روایتیں مذکور ہیں۔ ان کی تصریح کی ہے: علامہ ابن کثیر نے تفسیر (بنی اسرائیل) میں ان میں سے اکثر روایتوں کو یکجا کر دیا ہے ان میں صحیح، مرفوع، قوی، ضعیف، موقوف، مرسل، منکر سبھی قسم کی روایتیں ہیں: صحاح ستہ میں معراج کا واقعہ مستقلاً صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں مذکور ہے، ترمذی اور نسائی وغیرہ میں ضمناً اور مختصراً یہ واقعات مختلف ابواب میں کہیں کہیں آگئے ہیں، امام بخاری اور مسلم نے اس واقعہ کو حضرت ابوذرؓ، حضرت مالک بن صعصعہ، حضرت انسؓ بن مالک، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت ابوہریرہؓ، حضرت جابرؓ بن عبداللہ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، سات اکابر صحابہ سے روایت کیا ہے، ان میں چار پچھلے صحابیوں نے صرف چند متفرق جزئیات بیان کیے ہیں:

صحیحین میں واقعہ معراج کا مسلسل اور مفصل بیان حضرت ابوذر، حضرت مالک بن صعصعہ اور حضرت انس بن مالک سے مروی ہے۔ حضرت انسؓ نے تین طرق سے روایت کی ہے، ایک طریقہ میں (صحیح مسلم باب الاسراء، اور صحیح بخاری کتاب التوحید) اخیر راوی ہیں لیکن اس میں یہ تصریح نہیں ہے کہ انھوں نے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے

یا کسی صحابی نے اُن سے بیان کیا، دوسرے طریقہ میں (صحیح بخاری باب ذکر الملائکہ و باب المعراج اور صحیح مسلم باب الاسراء) یہ تصریح ہے کہ انھوں نے حضرت مالک بن صعصعہؓ سے سنا، اور تیسرے طریقہ (صحیح بخاری کتاب الصلوٰۃ و کتاب الانبیاء) میں یہ صراحت ہے کہ انھوں نے حضرت ابوذرؓ سے بھی سنا ہے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت انسؓ نے متعدد اکابر صحابہ سے معراج کا واقعہ سنا تھا، اور اسی لیے ان کا بیان سب سے زیادہ جامع اور مفصل ہے، تابعین میں سے متعدد بزرگوں نے حضرت انسؓ سے اس روایت کو صحیحین میں نقل کیا ہے، مثلاً ثابت البنانی ابن شہاب زہری، قتادہ اور شریک بن عبداللہ بن ابی نمر، ان میں خصوصاً شریک کا بیان ثابت کا ہے، شریک کی روایت متعدد امور میں ثقات کی روایت کی مخالف ہے، اور اسی لیے امام مسلم نے صحیح مسلم باب الاسراء میں اس کی طرف اشارہ کرکے چھوڑ دیا ہے، اور لکھ دیا ہے کہ "ان کی روایت میں تقدم و تاخر اور زیادت و نقص ہے"۔

حضرت مالک بن صعصعہؓ اور حضرت ابوذرؓ نے یہ تصریح کی ہے کہ انھوں نے معراج کے واقعہ کو لفظ بلفظ اور حرف بحرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے سنا ہے گو یہ دونوں بزرگوار جلیل القدر صحابی ہیں، لیکن حضرت ابوذرؓ میں ایک مزید خصوصیت ہے کہ وہ سابقین اسلام میں ہیں، اور وقوع معراج سے پہلے ہی مکہ میں آکر اسلام لا چکے تھے حضرت مالک بن صعصعہ انصاری ہیں، اس بنا پر معراج کی تمام روایتوں میں حضرت ابوذرؓ کی روایت کو ہم سب سے مقدم سمجھتے ہیں۔

معراج کا واقعہ | الغرض جب اسلام کی سخت اور پرخطر زندگی کا باب ختم ہونے کو تھا

اور ہجرت کے بعد سے اطمینان و سکون کے ایک نئے دور کا آغاز ہونے والا تھا، تو وہ شب مبارک آئی۔ اور اس شبِ مبارک میں وہ ساعتِ ہمایوں آئی، جو دیوانِ قضا میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرِ ملکوت کے لیے مقرر تھی، اور جس میں پیش گاہِ ربانی سے احکام خاص کے اجرا، اور نفاذ عمل میں آنے والا تھا، رضوانِ جنت کو حکم ہوا کہ آج مہمان سرائے غیب کو نئے ساز و برگ سے آراستہ کیا جائے کہ شاہدِ عالم آج یہاں مہمان بن کر آئے گا، روح الامین کو فرمان پہنچا کہ وہ سواری جو بجلی سے زیادہ تیز گام اور روشنی سے زیادہ سبک خرام ہے اور جو خطۂ لاہوت کے مسافروں کے لیے مخصوص ہے، حرم ابراہیم (کعبہ) میں لے کر حاضر ہو، کارکنانِ عناصر کو حکم ہوا کہ مملکت آب و خاک کے تمام نافذی احکام و قوانین تھوڑی دیر کے لیے معطل کر دیے جائیں، اور زبان و مکان، سفر و اقامت، مدت و ساعت، تخاطب و کلام کی تمام طبعی پابندیاں اٹھا دی جائیں،

صحیحین میں حضرت ابوذرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں تھے کہ آپ کے گھر کی چھت کھلی، اور جبرئیل علیہ السلام نازل ہوئے، انھوں نے پہلے آپ کا سینۂ مبارک چاک کیا، پھر اس کو آبِ زمزم سے دھویا، اس کے بعد سونے کا ایک طشت ایمان و حکمت سے بھر لائے، اور ان کو سینۂ مبارک میں ڈال کر بند کر دیا، پھر آپ کا ہاتھ پکڑ کر آسمان پر لے گئے، جب آپ آسمان پر پہنچے تو جبرئیل علیہ السلام نے آسمان کے داروغہ سے کہا کہ "کھولو" اس نے کہا کہ "کون؟" انھوں نے جواب دیا "جبرئیل"، اس نے پوچھا کیا تمھارے ساتھ کوئی اور بھی ہے؟ انھوں نے کہا "ہاں میرے ساتھ محمدؐ ہیں"، اس نے

سوال کیا "کیا وہ بلائے گئے ہیں؟" انھوں نے اثبات میں جواب دیا، بہرحال آپ جب پہلے آسمان پر چڑھے تو آپ کو ایک شخص بیٹھا ہوا نظر آیا، جس کے دائیں بائیں بہت سی پرچھائیاں تھیں، جب وہ دائیں جانب دیکھتا تھا تو ہنستا تھا، اور جب بائیں جانب نگاہ جاتی تھی تو روتا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھکر اس نے کہا "مرحبا اے نبی صالح اور اے فرزند صالح"۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا، "یہ کون ہیں؟" انھوں نے کہا "یہ آدم علیہ السلام ہیں، اور ان کے دائیں بائیں کی پرچھائیاں، ان کی اولاد کی روحیں ہیں، دائیں جانب والے جنتی، اور بائیں جانب والے دوزخی ہیں، اس لیے وہ دائیں جانب دیکھتے ہیں تو ہنستے ہیں، اور جب بائیں جانب نگاہ کرتے ہیں تو روتے ہیں"، اس کے بعد آپ دوسرے آسمان پر پہنچے، تو اسی قسم کا سوال وجواب ہوا اور ہر آسمان پر کسی نہ کسی پیغمبر سے ملاقات ہوئی پہلے آسمان پر حضرت آدمؑ اور چھٹے پر حضرت ابراہیمؑ سے، (حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ حضرت ابوذرؓ نے مجھ سے پیغمبروں کے منازل کی تعین نہیں بیان کی) بہرحال حضرت جبرئیل علیہ السلام آپ کو ادریس علیہ السلام کے پاس سے لیکر گذرے، انھوں نے آپ کو دیکھ کر کہا "مرحبا اے نبی صالح اور برادر صالح"۔ آپ نے نام پوچھا، حضرت جبرئیل علیہ السلام نے نام بتایا، پھر یہی واقعہ حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ اور حضرت ابراہیم علیہم السلام کے ساتھ پیش آیا، حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ نے نبی صالح اور برادر صالح کہکر اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نبی صالح اور فرزند صالح کہکر آپکا خیر مقدم کیا، اس کے بعد حضرت جبرئیلؑ آپ کو اور اوپر لے گئے، اور آپ اس مقام پر پہنچے

جہاں قلم (قدرت) کے چلنے کی آواز آتی تھی۔ اس موقع پر خداوند تعالیٰ نے آپ کی
امت پر پچاس وقت کی نماز فرض کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس عطیۂ ربانی کو لیکر
حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئے، تو انھوں نے پوچھا کہ خدا نے آپ کی امت
پر کیا فرض کیا ہے۔ آپ نے فرمایا "پچاس وقت کی نماز" انھوں نے کہا خدا کے پاس دوبارہ
جایئے کہ آپ کی امت اس کی متحمل نہیں ہو سکتی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گئے۔ اور خدا نے
ایک حصہ کم کر دیا۔ آپ واپس آئے تو حضرت موسیٰؑ نے کہا کہ دوبارہ خدا کے پاس جایئے۔ اپ
کی امت اس کی بھی طاقت نہیں رکھتی۔" آپ گئے تو خدا نے ایک حصہ کی پھر تخفیف کر دی
حضرت موسیٰؑ نے پھر کہا کہ آپ کی امت میں اس کی بھی قوت نہیں"۔ آپ پھر گئے تو خدا نے
اس تعداد کو گھٹا کر پانچ وقت کر دیا۔ اور ارشاد ہوا کہ گو نمازیں پانچ وقت کی ہوں گی،
لیکن ثواب اُن ہی پچاس وقتوں کا ملے گا۔ کیونکہ میرے حکم میں تغیر و تبدل نہیں ہوتا۔ حضرت
موسیٰ علیہ السلام نے تخفیف مزید کی غرض سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پھر خدا کے پاس
مراجعت کا مشورہ دیا۔ لیکن آپ نے فرمایا کہ "اب تو مجھے شرم آتی ہے۔ اس کے بعد آپ کو
سدرۃ المنتہیٰ کی سیر کرائی گئی۔ جو ایسے مختلف رنگوں سے ڈھکا ہوا تھا جن کو آپ جان
نہ سکے، پھر آپ کو حضرت جبرئیل علیہ السلام جنت میں لے گئے وہاں آپ کو موتی کی
عمارتیں نظر آئیں۔ اور آپ نے دیکھا کہ اس کی مٹی مشک کی ہے[1]۔

کتب حدیث میں واقعۂ معراج کے متعلق یہ مقدم ترین اور معتبر ترین روایت ہے

[1] بخاری جلد اول باب کیف فرضت الصلوٰۃ فی الاسراء

اس کے بعد حضرت مالک بن صعصعہؓ کی روایت کا درجہ ہے۔ اس روایت میں بہت سی باتیں پہلی روایت سے زائد ہیں۔ حضرت ابوذر غفاریؓ کی روایت میں اس کی تصریح نہیں کہ آپ اس وقت بیدار تھے یا خواب میں تھے۔ اس میں یہ ہے کہ آپ خواب و بیداری کی درمیانی حالت میں تھے۔ پہلی روایت میں ہے کہ آپ نے دیکھا کہ آپ کے گھر کی چھت کھلی اور حضرت جبریلؑ نازل ہوئے۔ اور اس میں ہے کہ "آپ حطیم یا حجر میں لیٹے ہوئے تھے کہ حضرت جبریلؑ آئے۔ حضرت ابوذر غفاریؓ کی روایت میں براق کا ذکر نہیں۔ اور اس روایت میں ہے کہ "آپ براق پر سوار ہو کر گئے"۔ حضرت ابوذر غفاریؓ کی روایت میں منازلِ انبیاء نہیں بیان کیے گئے ہیں۔ لیکن اس روایت میں نام بنام تصریح ہے۔ حضرت ابوذر غفاریؓ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اوقات نماز کی تعداد تین مرتبہ میں گھمائی گئی۔ لیکن اس روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ اس غرض سے خدا کے پاس پانچ بار گئے۔ ان دونوں روایتوں میں درحقیقت اجمال و تفصیل کا فرق ہے۔ حضرت ابوذرؓ کی روایت مجمل ہے۔ اور حضرت مالک بن صعصعہؓ کی روایت میں واقعات کی کسی قدر تفصیل ہے۔ تاہم یہ دوسری روایت بھی معراج کے تمام واقعات و سوانح کو محیط نہیں ہے۔ اب ذیل میں ہم صحیحین کی تمام روایتوں کو ملا کر معراج کے سوانح و متعلقات کا ایک جامع بیان لکھتے ہیں

حضرت ابراہیمؑ نے اصل کعبہ کی جو عمارت بنوائی تھی وہ سیلاب سے کئی دفعہ گر چکی تھی، اور پھر

حطیم اور حجر ایک ہی مقام کے دو نام ہیں یہ وہ مختصر سی جگہ ہے جو حضرت ابراہیمؑ کے اصل تعمیر کردہ کعبہ میں سے قریش کے بنائے ہوئے کعبہ کی چار دیواری سے باہر رہ گئی ہے اور اندر داخل نہ ہو سکی ہے۔ صحیح بخاری باب ذکر الملائکۃ و باب المعراج

بنی تھی، اسی طرح قریش کے زمانہ میں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہنوز پیغمبر نہیں ہوئے تھے سیلاب سے گر گئی. قریش نے اس کو دوبارہ تعمیر کرنا چاہا، تو سرمایہ کی کمی کے باعث ایک طرف اندر کی تھوڑی سی زمین چھوڑ کر دیوار کے طول کو کم کر دیا، اسی طرح کعبہ کی تھوڑی سی زمین چار دیواری سے باہر رہ گئی. اور ابتک اسی طرح ہے اس زمین کا نام حجر اور حطیم ہے. قریش کے نوجوان اور رؤسا اکثر یہاں رات کو سویا کرتے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی کبھی کبھی یہاں آرام فرمایا کرتے تھے. نبوت سے پہلے بھی آپ کو حالت رویا میں فرشتے نظر آتے تھے جس شب کو معراج ہوئی آپ اسی مقام پر استراحت فرما رہے تھے، بیداری اور خواب کی

لہ بخاری کتاب التوحید و باب صفۃ صلی اللہ علیہ وسلم ۔ اس شب کو جس مقام پر آپ استراحت فرماتے تھے اور جہاں معراج کا واقعہ پیش آیا. اس کی تعیین میں اختلاف بیان کیا جاتا ہے صحیحین میں حضرت مالکؓ اور حضرت انسؓ کی جو روایتیں ہیں ان میں یہ تصریح تمام یہ مذکور ہے کہ آپ مسجد حرام (کعبہ) میں تھے. اور اسی کے ایک بیرونی گوشہ میں جس کا نام حجر اور حطیم ہے، آپ سو رہے تھے. یہ تو صحیحین کا بیان ہے، بعض نیچے درجہ کی روایتوں میں ہے کہ ام ہانیؓ کا بیان ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو میرے ہی گھر میں معراج ہوئی. ام ہانیؓ کا گھر شعب ابی طالب میں تھا. یہ روایت مشہور و معروف کلبی کی ہے. اس میں حد درجہ غلو (غریب و منکر) باتیں مذکور ہیں. مسند ابو یعلیٰ میں ام ہانیؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عشاء کی نماز پڑھکر ہم لوگوں کے ساتھ میرے ہی مکان میں سوئے، شب کو میری آنکھ کھلی تو آپ کو نہ پایا، رؤسائے قریش کی دشمنی کے باعث دل میں عجیب عجیب بدگمانیاں پیدا ہونے لگیں. نیند نہ آئی صبح اٹھکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کا واقعہ بیان کیا اور فرمایا کہ میں رؤسائے قریش سے کہنے جاتا ہوں، میں نے آپ کا دامن پکڑ لیا کہ خدا کے لیے ان سے یہ نہ کہیے وہ تکذیب کریں گے اور آپ کی جان پر حملہ کریں گے، لیکن

ایک درمیانی حالت تھی کہ آپ نے دیکھا کہ آپ کے گھر کی چھت کھلی اور حضرت جبریلؑ نازل ہوئے ان کے ساتھ چند اور فرشتے بھی تھے، پہلے وہ آپ کو چاہ زمزم کے پاس لے گئے، اور وہاں آپ کے سینہ مبارک کو چاک کیا، اور قلب اطہر کو نکال کر آب زمزم سے دھویا، اس کے بعد سونے کا ایک طشت ایمان و حکمت سے معمور لایا گیا، جبریلؑ نے اس طشت سے ایمان و حکمت کے خزانہ کو لیکر آپ کے سینہ میں رکھکر اس کو برابر کر دیا،

اس کے بعد گدھے سے بڑا اور خچر سے چھوٹا سپید رنگ کا ایک لمبا جانور براق نامی لایا گیا، جس کی تیز رفتاری کا یہ حال تھا کہ اس کا ہر قدم وہاں پڑتا تھا جہاں نگاہ کی آخری حد ہوتی تھی[1]، آپ اس پر سوار ہو کر بیت المقدس آئے اور براق کو اس قلا

(بقیہ حاشیہ ص ۱۱۳) آپنے زمانا اور دامن جھٹک کر چلے گئے" ان روایتوں میں علاوہ اور لغزیات کے عشا اور صبح کی نماز و جماعت کی تصریح کسقدر غلط ہے، کہ یہ نماز پنجگانہ تو عین شب معراج میں فرض ہوئی ہے۔ ظاہر ہے کہ اس قسم کی روایتوں کا صحیحین کے مقابلہ میں کیا رتبہ اور اعتبار ہو سکتا ہے، اسلیے اس میں کوئی شک نہیں کہ معراج کی شب آپ خانہ کعبہ میں تھے البتہ بخاری و مسلم میں حضرت ابوذرؓ کی روایت میں ہے کہ "میں مکہ میں تھا کہ میرے گھر کی چھت کھلی اور جبریلؑ آئے" ہمارے نزدیک اسکی صحیح تعبیر یہ ہے کہ آپ رام تو خانہ کعبہ ہی میں فرما رہے تھے لیکن مشاہدہ آپ کو یہ کرایا گیا کہ آپ کے گھر میں ہیں اور اسکی چھت کھلی اور حضرت جبریل نازل ہوئے،

[1] مسند احمد میں بروایت انس اور ترمذی اور ابن جریر طبری میں ہے کہ جب آپنے براق پر سوار ہونے کا قصد کیا، تو اس نے شوخی کی، جبریلؑ نے کہا کیوں شوخی کرتا ہے، تیری پشت پر آج تک محمدؐ سے زیادہ خدا کے نزدیک برگزیدہ کوئی دوسرا سوار نہیں ہوا، یہ سنکر براق پسینہ پسینہ ہو گیا، ابن جریر کی روایت کی نسبت حافظ ابن کثیرؒ نے لکھا ہے کہ اس کے بعض الفاظ میں نکارت و غرابت ہے، ترمذی نے اس روایت کے متعلق لکھا ہے کہ یہ غریب ہے، غریب لا نعرفہ الا من حدیثہ

میں باندھ کر جس میں انبیاء اپنی سواریاں باندھا کرتے تھے۔ آپ نے مسجد اقصیٰ کے اندر قدم رکھا اور وہاں دو رکعت نماز ادا کی یہاں سے نکلے تو جبرئیلؑ نے شراب اور دودھ کے دو پیالے آپ کے سامنے پیش کیے۔ آپ نے دودھ کا پیالا اٹھا لیا جبرئیلؑ نے کہا آپ نے فطرت کو پسند فرمایا اگر شراب کا پیالہ اٹھاتے تو آپ کی امت گمراہ ہو جاتی بعد ازیں جبرئیلؑ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر آسمان پر چڑھے پہلا آسمان آیا تو جبرئیلؑ نے دربان کو آواز دی۔ اس نے کہا کون ہے؟ جبرئیلؑ نے اپنا نام بتایا پوچھا تمہارے ساتھ اور کون ہے" جواب دیا" محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں"۔ پھر دریافت کیا کیا وہ بلائے گئے ہیں؟ کہا "ہاں"۔ یہ سن کر فرشتہ نے دروازہ کھول دیا۔ اور مرحبا خوش آمدید کہا۔ اور کہا کہ اس خبر کو سن کر آسمان والے خوش ہوں گے۔ خدا اہل زمین کے ساتھ جو کچھ کرنا چاہتا ہے، جتنک وہ آسمان والوں کو اس کا علم نہ بخشے وہ جان نہیں سکتے"۔ اب آپ پہلے آسمان میں داخل ہوئے۔ تو ایک شخص نظر آیا جس کی داہنی اور بائیں طرف بہت سی پرچھائیاں تھیں جب وہ داہنی طرف دیکھتا تو ہنستا۔ اور جب بائیں طرف دیکھتا تو رو دیتا تھا۔ وہ آپ کو دیکھکر بولا مرحبا اے نبی صالح والے فرزند صالح" آپ نے جبرئیلؑ سے دریافت کیا کہ "یہ کون ہیں"؟ جبرئیلؑ نے بتایا کہ یہ آپ کے باپ آدمؑ ہیں۔ ان کی داہنی اور بائیں طرف جو پرچھائیاں ہیں، یہ انکی اولادوں کی روحیں ہیں، داہنی طرف والے اہل جنت ہیں۔ اور بائیں طرف والے دوزخی ہیں۔ اس لیے جب ادھر دیکھتے ہیں تو خوش ہوتے ہیں۔ اور ادھر دیکھ کر آزردہ ہوتے ہیں۔ اسی آسمان میں آپ کو آگے سامنے

دو نہریں نظر آئیں۔ پوچھے جبرئیلؑ نے بتایا کہ یہ نیل اور فرات کی سوتیں ہیں۔ چلتے پھرتے آپ کو ایک اور نہر نظر آئی، جس پر لولو و زبرجد کا ایک محل تعمیر تھا، اور اسکی زمین مشک اذفر کی تھی، جبرئیل نے کہا یہ نہر کوثر ہے، جس کو پروردگار نے مخصوص اپ کے لیے رکھا ہے۔

اسی طرح ہر آسمان پر گذرتے گئے اور ہر آسمان کے دربان اور جبرئیلؑ سے اسی قسم کی گفتگو ہوتی گئی، اور ہر ایک میں کسی نہ کسی پیغمبر سے ملاقات ہوئی۔ دوسرے میں حضرت یحییٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ سے جو دونوں خالہ زاد بھائی تھے، ملاقات ہوئی، تیسرے میں حضرت یوسفؑ سے جن کو حسن کا ایک حصہ عطا ہوا تھا، چوتھے میں حضرت ادریسؑ سے ملاقات ہوئی جن کی نسبت خدا نے قرآن میں فرمایا ہے، وَرَفَعْنَاهُ مَكَانًا عَلِيًّا (ہم نے اس کو ایک بلند مقام تک اٹھایا ہے) اور پانچویں میں حضرت ہارونؑ سے ملے۔ اور ہر ایک نے "اے پیغمبر صالح اور اے برادر صالح" کہکر خیر مقدم کیا۔ چھٹے میں حضرت موسیٰؑ سے ملاقات ہوئی، انھوں نے کہا "مرحبا اے پیغمبر صالح اور اے برادر صالح!" جب آپؐ آگے بڑھے تو حضرت موسیٰؑ رو پڑے، آواز آئی کہ "اے موسیٰؑ! اس گریہ کا کیا سبب ہے"۔ موسیٰؑ نے عرض کیا "خداوندا! میرے بعد تو نے اس لڑکے کو مبعوث کیا ہے، اس کی امت کے لوگ میری امت سے زیادہ بہشت میں جائیں گے۔ ساتویں آسمان میں داخل ہوئے تو حضرت ابراہیمؑ نے "مرحبا اے پیغمبر صالح اور اے فرزند صالح" کہکر خیر مقدم کیا۔ جبرئیلؑ نے بتایا کہ "یہ تمھارے باپ ابراہیمؑ ہیں"۔ حضرت ابراہیمؑ بیت معمور (آباد گھر) سے پیٹھ لگائے بیٹھے تھے جس میں ہر روز ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں۔ آپؐ کو جنت کی سیر کرائی گئی جس کے گنبد موتی کے تھے، اور زمین مشک

کی تھی، اس مقام تک پہنچے جہاں قلمِ قدرت کے چلنے کی آواز سنائی دیتی تھی، آگے بڑھکر آپ سدرۃ المنتہیٰ (انتہا کی بیری کا درخت) تک پہنچے، اس درخت پر شان ربانی (اللہ) کا پرتو تھا جس نے آکر جب اس کو چھپا لیا، تو اس کی ہیئت بدل گئی، اور اس میں حسن کی وہ کیفیت پیدا ہوئی جس کو کوئی زبان بیان نہیں کر سکتی، اور اس میں رنگ برنگ کے ایسے انوار کی تجلی نظر آئی جن کو الفاظ ادا نہیں کر سکتے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں سے چیزیں نیچے زمین پر اترتی ہیں، اور زمین سے چڑھ کر اوپر وہاں جاتی ہیں۔ یہاں پہنچکر حضرت جبرئیل اپنی اصلی کمالی صورت میں آپ کے سامنے نمودار ہوئے، پھر شاہد مستور ازل نے جہرہ سے پردہ اٹھایا، اور خلوت گاہ راز میں ناز و نیاز کے وہ پیغام ادا ہوئے جن کی لطافت و نزاکت الفاظ کے بوجھ کی متحمل نہیں ہو سکتی۔ فاوحیٰ الیٰ عبدہٖ ما اوحیٰ،

---

[1] کتب روایت کی غیر محتاط کتابوں میں مثلاً ابن ابی حاتم (تفسیر) ابن جریر طبری (تفسیر بنی اسرائیل) بیہقی (دلائل النبوۃ) میں جنت و دوزخ کے بہت سے عجیب و غریب مناظر و مشاہدات اور پیغمبروں اور فرشتوں کی تعجب انگیز ملاقاتوں اور گفتگوؤں کی تفصیل ہے۔ ان روایتوں کے ناقل ابوہارون العبدی، ابوجعفر رازی اور خالد بن یزید ہیں۔ ابوہارون عبدی اور خالد بن یزید تو مشہور دروغ گو ہیں، ابوجعفر رازی کو گو بعضوں نے ثقہ کہا ہے لیکن اکثروں کے نزدیک وہ ضعیف اور روایتی منکرات ہیں، اور ان کی تنہا روایت قبول نہیں کیجاتی نیز ان روایتوں میں بہت سی لغو و منکر باتیں مذکور ہیں جن کو محدثین تسلیم نہیں کرتے علاوہ ازیں یہ مناظر و مشاہدات جیسا کہ صحیح بخاری (باب الرؤیا) میں ہے کہ معراج کے سوا ایک اور موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھائے گئے تھے۔ سرے سے یہ معراج کے مشاہدات ہی نہیں۔

اس وقت آپ کو بارگاہ الٰہی سے تین عطیے مرحمت ہوئے، سورۂ بقر کی آخری آیتیں جن میں اسلام کے عقائد و ایمان کی تکمیل اور اُس کے دور مصائب کے خاتمہ کی بشارت ہے، رحمتِ خاص نے مژدہ سنایا کہ امتِ محمدی میں سے ہر ایک جو شرک کا مرتکب نہ ہوا ہو، کرم مغفرت سے سرفراز ہوگا، اور ندا آئی، امت پر پچاس وقت کی نماز فرض کی گئی۔ آپ ان عطیوں کو لیکر واپس پھرے۔ اور حضرت موسیٰؑ کے پاس پہنچے، تو انھوں نے دریافت کیا کہ بارگاہ خاص سے کیا احکام عطا ہوئے؟ فرمایا "امت پر پچاس وقت کی نماز" موسیٰؑ نے کہا "میں نے بنی اسرائیل کا خوب تجربہ کیا ہے، آپ کی امت سے یہ بار نہ اُٹھ سکے گا۔" آپ واپس جایئے اور عرض کیجیے"۔ آپ نے مراجعت کی اور عرض پرداز ہوئے کہ "بارالٰہا میری امت نہایت کمزور اور اسکے قویٰ نہایت ضعیف ہیں"۔ حکم ہوا کہ "دس وقت کی نمازیں معاف ہوئیں"۔ لوٹے تو حضرت موسیٰؑ نے پھر ٹوکا۔ اور دوبارہ عرض کرنے کا مشورہ دیا، اس پر دس اور معاف ہوئیں۔ اسی طرح آپؐ چند بار حضرت موسیٰؑ کے مشورہ سے بارگاہ الٰہی میں عرض پرداز ہوتے رہے، یہانتک کہ شب و روز میں صرف پانچ وقت کی نمازیں رہ گئیں۔ حضرت موسیٰؑ نے پھر بھی مشورہ دیا کہ اب بھی مزید تخفیف کی درخواست کیجیے۔ فرمایا "اب مجھے اپنے پروردگار سے شرم آتی ہے"۔ ندا آئی کہ "اے محمد! میرے حکم میں تبدیلی نہیں۔ نمازیں پانچ ہوں گی لیکن ہر نیکی کا بدلہ دہ گونہ بخشوں گا، یہ پانچ بھی پچاس ہونگی میں نے اپنے بندوں پر تخفیف کر دی، اور اپنا فیصلہ نافذ کر دیا۔

اب آسمان سے اتر کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زمین پر تشریف لائے، اور بیت المقدس میں داخل ہوئے۔ دیکھا کہ یہاں انبیاء علیہم السلام کا مجمع ہے حضرت موسیٰؑ اور حضرت ابراہیمؑ

نماز میں مصروف ہیں۔ آپ نے ان میں سے چند پیغمبروں کی شکل وصورت بھی بیان کی۔ حضرت موسیٰ کی نسبت فرمایا کہ ان کا لمبا قد اور گندمی رنگ تھا، اور الجھے ہوئے گھونگر والے بال تھے۔ اور شنوہ کے قبیلہ کے آدمی معلوم ہوتے تھے۔ حضرت عیسیٰ کا قد میانہ اور رنگ سرخ سپید تھا۔ سر کے بال سیدھے اور لمبے تھے، اور یہ معلوم ہوتا تھا کہ ابھی حمام سے نہا کر نکلے ہیں۔ عروہ بن مسعود ثقفی، صحابی ہے ان کی صورت ملتی تھی۔ حضرت ابراہیمؑ کی صورت تمہارے صاحب (حضرت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سی تھی) بہرحال اسی اثنار میں نماز غالباً صبح کی نماز کا وقت آگیا۔ سرور انبیا علیہ السلام منصب امامت سے سرفراز ہوئے[1]۔ نماز سے فراغت ہوئی تو ندا آئی کہ اے محمد وروح کا داروغہ حاضر ہے، سلام کر۔ آپ نے مڑ کر دیکھا تو داروغۂ دوزخ نے سلام کیا۔ بخاری میں ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ شب معراج میں دجال بھی آپ کو دکھایا گیا، (باب بدء الخلق)

---

[1] مسند احمد اور سیرت ابن اسحاق کی بعض روایتوں میں ہے کہ آسمان پر جانے سے پہلے ہی بیت المقدس میں انبیاؑ نے آپ کی اقتدا میں یہ نماز پڑھی تھی صحیح بخاری میں اس کا ذکر نہیں، صحیح مسلم میں وقت کی تصریح نہیں مگر قرینہ سے مفہوم ہوتا ہے کہ یہ واپسی کا واقعہ ہے۔

حافظ ابن کثیر نے اسی کو صحیح لکھا ہے۔ (تفسیر سورہ اسرا) اور ہم نے اسی کی تقلید کی ہے۔ ترمذی (تفسیر سورۂ اسرار) اور مسند ابن حنبل میں حضرت حذیفہؓ سے مروی ہے کہ وہ اس بات کے قائل تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد اقصیٰ میں اترتے جاتے سرے سے نماز ہی نہیں پڑھی۔ مگر صحیح مسلم کے مقابلہ میں اس کو کون تسلیم کرے گا۔

ان تمام منازل کے طے ہونے کے بعد آپ مسجد حرام (کعبہ) میں صبح کو بیدار ہوئے

کفار کی تکذیب

خانۂ کعبہ کے آس پاس رؤساے قریش کی نشست رہتی تھی۔ آپ بھی وہیں مقام حجر میں تشریف فرما تھے۔ صبح کو آپ نے اس سے اس واقعہ کو بیان کیا تو انکو سخت اچنبھا ہوا جو زیادہ کوتہ باطن تھے، انھوں نے آپ کو (نعوذ باللہ) جھٹلایا، بعضوں نے مختلف سوالات کیے۔ ان میں اکثر شام کے تاجر تھے، اور انھوں نے بیت المقدس کو بارہا دیکھا تھا، اور انھیں معلوم تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیت المقدس نہیں گئے ہیں، اسلیے آخر میں خاتمۂ دلائل کے طور پر سب نے کہا کہ اے محمد تم کہتے ہو کہ صرف ایک شب میں تم خانۂ کعبہ سے بیت المقدس گئے، اور واپس آئے، اگر یہ سچ ہے تو بتاؤ بیت المقدس کی کیا ہیئت ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میرے ذہن میں عمارت کا صحیح نقشہ نہ تھا، بہت بیقراری ہوئی کہ ناگاہ نظر کے سامنے پوری عمارت جلوہ گر کر دی گئی، وہ سوال کرتے جاتے تھے، اور میں اس کو دیکھکر جواب دیتا جاتا تھا۔

اگرچہ یہ واقعہ صحیحین میں مذکور ہے لیکن واقدی، ابن اسحاق، ابن جریر طبری، ابن ابی حاتم، بیہقی اور حاکم میں جن کا مرتبہ کتب روایات میں بلند نہیں ہے، اس واقعہ پر لوگوں نے عجیب و غریب حاشیے لگائے ہیں، حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا سے یہ روایت ہے کہ صبح اٹھکر

لہ معراج کے یہ تمام واقعات صحیح بخاری کتاب الصلوٰۃ، کتاب التوحید کتاب الانبیاء، کتاب المعراج باب صفۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور باب بدء الخلق میں، اور صحیح مسلم باب الاسراء اور اس کے بعد کے متفرق ابواب متعلقہ معراج میں حرفاً حرفاً مذکور ہیں، ہم نے ان واقعات کے لکھنے میں صرف ترتیب ترجمہ کا فرض ادا کیا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے گھر والوں سے شب کا واقعہ بیان کرکے باہر جانا چاہا کہ اور لوگوں سے بیان کریں، تو میں نے دامن تھام لیا کہ اس کا قصد نہ کیجئے، کفار صریح جھٹلائیں گے۔" ایک روایت میں ہے کہ "رات کو جب آپ کے اعزہ نے آپ کو بستر پر نہ پایا تو اُن کو قریش کا خوف ہوا کہ انھوں نے تو آپ کو گزند نہیں پہنچایا، اور پہاڑوں اور غاروں میں آپ کو ڈھونڈنے لگے"۔ ایک اور روایت میں ہے کہ "معراج کی واپسی میں قریش کے ایک تجارتی قافلہ سے آپ کی ملاقات ہوئی، اور ان کے ساتھ کچھ واقعات پیش آئے، جب لوگوں نے جھٹلایا، تو آپ نے فرمایا کہ "اچھا تمھارا قافلہ کل پرسوں تک آجائے گا: اس سے پوچھ لینا" چنانچہ وہ آیا، اور اس نے تصدیق کی"۔ ان ہی روایتوں کا ایک ٹکڑا یہ ہے کہ "کچھ کفار دوڑے ہوئے حضرت ابوبکرؓ کے پاس گئے کہ آج محمدؐ کعبہ میں بیٹھے ہوئے لوگوں سے یہ کہہ رہے ہیں کہ رات کو وہ بیت المقدس گئے اور آئے"۔ حضرت ابوبکرؓ نے کہا کہ "کیا واقعی آپ یہ فرما رہے ہیں"؟ لوگوں نے کہا "ہاں" حضرت ابوبکرؓ نے کہا "میں تو آپ کو سچا جانتا ہوں، اور اس پر ایمان لاتا ہوں"۔ کفار نے کہا "تم کھلا کھلا ایسی خلافِ عقل بات کیونکر صحیح سمجھتے ہو"! جواب دیا، "میں تو اس سے بھی زیادہ خلافِ عقل بات پر یقین رکھتا ہوں، میں تو یہ تسلیم کرتا ہوں کہ ہر روز آپ کی خدمت میں آسمان سے فرشتے آتے ہیں، اُسی دن سے حضرت ابوبکرؓ کا لقب صدیق ہوگیا۔

لیکن یہ تمام قصے سرتاپا لغو اور باطل ہیں، ابن اسحٰق اور ابن سعد نے تو سرے ان واقعات کے اسناد ہی نہیں لکھے ہیں، ابن جریر طبری، بیہقی۔ ابن ابی حاتم۔ ابویعلی۔ ابن عساکر

اور حاکم نے ان کی سندیں ذکر کی ہیں ان کے رواۃ ابو جعفر رازی، ابو ہارون عبدی اور خالد بن یزید بن ابی مالک ہیں جن میں پہلے صاحب گو بجائے خود ثقہ ہیں، مگر بے سر و پا حدیثوں کے بیان کرنے میں بیباک ہیں، بقیہ دو مشہور دروغ گو، کاذب اور قصہ خواں ہیں،

ان ہی نقوضوں کا اختتامی جزو یہ ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے معراج کا واقعہ بیان کیا تو بہت سے مسلمانوں کے ایمان بھی متزلزل ہو گئے، اور مرتد ہو گئے۔ فارتد کثیر ممن اسلم، یہ قصہ غالباً قرآن مجید کی اس آیت کی غلط توضیح میں گھڑا گیا ہے۔

وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِي أَرَيْنَاكَ — ہم نے یہ دکھاوا جو تجھ کو دکھایا ہے اس کو

إِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ (اسراء) — لوگوں کی آزمایش ہی کے لیے کیا ہے۔

ابن سعد اور واقدی نے اس قصہ کو یوں ہی بے سند بیان کیا ہے، طبری، ابن ابی حاتم، اور بیہقی وغیرہ کے معتمد ارکان وہی اصحاب ثلثہ ہیں، جن کے اوصاف گرامی ابھی اوپر گذر چکے ہیں، ابن جریر نے اس آیت کے تحت میں جو روایتیں درج کی ہیں، ان میں سے حسن، قتادہ اور ابن زید سے یہ واقعۂ ارتداد مذکور ہے لیکن ان کا سلسلہ ان سے آگے نہیں بڑھتا، اس واقعہ کے انکار کی سب سے بڑی دلیل ہمارے پاس یہ ہے کہ اس وقت تک مکہ میں جو اصحاب اسلام لائے تھے، وہ گنے چنے لوگ تھے، جو ہم کو تمام بنام معلوم ہیں، ان میں سے کسی کی پیشانی پر ارتداد کا داغ نہیں، واقعہ کی صورت یہ ہو سکتی ہے کہ کافروں میں بعض لوگ ایسے ہوں گے جو اس سے پہلے آپ کے سخت

مخالف نہ ہوں اور اگر آپ کو پیغمبر نہ جانتے ہوں مگر آپ کو مفتری اور کاذب بھی نہ کہتے ہوں، لیکن اس واقعۂ معراج کے بعد سے انھوں نے بھی آپ کے ساتھ اس نیکی اور حسن ظن کے خیال کو اٹھا دیا ہو، قرآن مجید نے اس کو فتنۃ للناس لوگوں کے لیے آزمایش کہا ہے، فتنۃ للمومنین یعنی مومنوں اور مسلمانوں کے لیے آزمایش نہیں کہا ہے اور اگر ان کے لیے بھی آزمایش ہو تو اس آیت سے یہ کہاں ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اس آزمایش میں پورے نہیں اترے!

کیا آپ نے معراج میں خدا کو دیکھا معراج کے مشاہدات شئون وصفات کی جلوہ انگیزی اور آیات اللہ کی نیرنگی تو آپ نے دیکھی، لیکن کیا ذاتِ الٰہی بھی حجلۂ حجاب سے باہر اگر منصۂ حقیقت پر رونما ہوئی؟ یعنی دیدار الٰہی سے بھی آپ مشرف ہوئے، بعض روایتوں میں اسکا جواب اثبات میں ملتا ہے، صحیح بخاری میں حضرت انسؓ سے شریک بن عبد اللہ نے جو معراج کی روایت کی ہے، اس کے آخر میں ہے،

حتی جاء سدرۃ المنتہیٰ و	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچے
دنا الجبار رب العزۃ فتدلیٰ	تو عزت والا جبار (خدا) یہاں تک قریب ہوا
حتی کان منہ قاب قوسین	اور جھک آیا کہ اسکے اور آپ کے درمیان دو
او ادنیٰ (بخاری کتاب التوحید)	کمانوں یا اس سے بھی کم کا فاصلہ رہ گیا،

محدثین نے شریک کی اس روایت کے اس حصہ پر سخت اعتراضات کیے ہیں اور سب سے پہلے امام مسلم نے اس کی نسبت بے احتیاطی کا الزام قائم کیا ہے صحیح مسلم باب المعراج

میں شریک کی اس سند کو اور کسی قدر متن کو لکھ کر ناتمام چھوڑ دیا ہے، اور اس کے بعد لکھا ہے فقدم فیہ واخر وزاد ونقص "شریک نے اس روایت میں واقعات کو آگے پیچھے کر دیا ہے اور گھٹا بڑھا دیا ہے، امام خطابی نے لکھا ہے کہ "صحیح بخاری میں کوئی حدیث ایسی نہیں جو بظاہر اس قدر قابل اعتراض ہو جس قدر یہ حدیث"، اس کے بعد اس حدیث کی تاویل بیان کر کے لکھا ہے،

فانہ کثیر التفرد بمناکیر	شریک ایسے منکر الفاظ خود تنہا بکثرت
الالفاظ التی لایتابعہ علیہا	روایت کرتے ہیں جن کی تائید ان کے
سائر الرواۃ	دیگر ہم درس راوی نہیں کرتے۔

اور حضرت انسؓ سے واقعۂ معراج کو اور بہت سے لوگوں نے نقل کیا ہے، مگر شریک کے سوا کسی اور نے ان الفاظ کی روایت نہیں کی ہے، امام بیہقی نے بھی یہی کہا ہے، اور یہی حافظ ابن کثیر کی بھی تحقیق ہے[1]، علامہ ابن حزم نے بھی اس کے متعلق قریب قریب یہی رائے ظاہر کی ہے[2]، بعض علماے رجال نے بھی شریک کی نسبت اچھی رائیں نہیں ظاہر کی ہیں، نسائی اور ابن جارود کا قول ہے کہ "وہ قوی نہیں"، یحییٰ بن سعید القطان کہتے ہیں کہ "اس سے حدیث نہ بیان کی جائے"، البتہ ابن سعد اور ابوداؤد نے ان کے وثوق کی شہادت دی ہے، اس لیے محدثین کا فیصلہ ان کے حق میں یہ ہے کہ "جب وہ تنہا کسی بات کو بیان کریں تو

[1] بیہقی اور ابن کثیر کا قول تفسیر ابن کثیر سورۂ اسرا میں ہے [2] امام خطابی اور ابن حزم کے اقوال ابن حجر نے فتح الباری جلد ۱۳ ص ۴۰۳ و ۴۰۴ (مصر) میں نقل کیے ہیں۔

ان کی وہ بات شاذ اور منکر قرار دیجائیگی، چنانچہ اس روایت میں یہ فقرہ بھی اسی قسم کا ہے،

اصل یہ ہے کہ شریک کی یہ روایت سورۂ والنجم کی ان آیتوں کی تعبیر پر مبنی ہے،

عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى ذُوْ مِرَّةٍ	محمدؐ کو پرزور اور طاقتور نے تعلیم دی، وہ
فَاسْتَوٰى وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى	آسمان کے بلند تر افق پر تھا، پھر قریب ہوا
ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى فَكَانَ قَابَ	اور جھک آیا، یہانتک کہ دو تیر پرتاب کے برابر
قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى فَاَوْحٰى اِلٰى	یا اس سے بھی قریب تر ہو گیا، پھر اسکے بندے
عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰى مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ	کیطرف جو کچھ وحی کرنا تھی، کی، دل نے جو کچھ
مَا رَاٰى اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى	دیکھا غلط نہیں دیکھا، وہ جو کچھ دیکھتا ہے
وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى عِنْدَ	کیا تم لوگ اس سے اسکے متعلق آپس میں شک
سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى عِنْدَهَا	کرتے ہو، حالانکہ سدرۃ المنتہیٰ کے نزدیک
جَنَّةُ الْمَاْوٰى اِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ	جس کے پاس جنت الماویٰ ہے، اس نے
مَا يَغْشٰى مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا	دوسری مرتبہ یقیناً اور بیشک اترتے ہوئے
طَغٰى وَلَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ	دیکھا، جبکہ سدرۃ کو چھالیا تھا جس نے
رَبِّهِ الْكُبْرٰى	چھالیا تھا نگاہ نہ جھپکی نہ بہکی، اور اس نے
(والنجم - ۱)	اپنے پروردگار کی عظیم الشان نشانیاں دیکھیں

یہی آیتیں ہیں جن کی بنا پر صحابہ میں اختلاف پیدا ہو گیا ہے، بعضوں کا خیال ہے کہ آپ کو خود خدا نظر آیا اور اکثر صحابہ یہ کہتے ہیں کہ وہ فرشتہ تھا، ترمذی (تفسیر سورۂ نجم) میں حضرت عبداللہؓ

ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سدرۃ المنتہیٰ کے پاس خود خدا کو دیکھا تھا، ترمذی ہی میں ہے کہ ایک مقام پر کعب احبار (نو مسلم یہودی عالم) سے حضرت ابن عباسؓ کی ملاقات ہوئی۔ کعب نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام اور اپنے دیدار کی موسیٰ اور محمد علیہما السلام میں تقسیم کر دی، چنانچہ حضرت موسیٰؑ کو دو دفعہ شرفِ کلام حاصل ہوا، اور آپ دو دفعہ خدا کے دیدار سے مشرف ہوئے، مسروقؒ حضرت عائشہؓ کے ایک شاگرد نے یہ گفتگو ان سے جا کر نقل کی، وہ نہایت برہم ہوئیں اور قرآن مجید کی آیتوں سے انھوں نے اس خیال کی تردید کی کہ خدا خود فرماتا ہے، لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ "آنکھیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں"۔ حضرت ابن عباسؓ کے شاگرد عکرمہ نے حضرت ابن عباسؓ کے سامنے اس آیت کو پیش کیا تو انھوں نے فرمایا کہ ہاں سچ ہے۔ مگر اس وقت جب خدا اپنے اصلی نور میں تجلیاں ہو، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کو دو دفعہ دیکھا تھا۔[1]

صحیح مسلم و ترمذی میں حضرت ابوذر غفاریؓ سے روایت ہے کہ انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ "یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے خدا کو بھی دیکھا ہے"؟ فرمایا "وہ تو نور ہے۔ میں اس کو کہاں دیکھ سکتا ہوں"۔ دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ "میں نے صرف ایک نور دیکھا"۔

[1] یہ تمام روایتیں ترمذی تفسیر سورۂ والنجم میں ہیں اور ترمذی نے اس کو حسن کہا ہے۔ مسلم جلد ۱ صفحہ ۹۳ باب الاسراء و ترمذی تفسیر سورۂ نجم۔

اکابر صحابہ میں حضرت ابوہریرہؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت عائشہؓ کا مذہب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کو نہیں... بلکہ جبرئیلؑ کو دیکھا تھا، اور ان ہی نے آپ کی طرف وحی کی تھی، چنانچہ صحیح بخاری و مسلم و ترمذی میں حضرت عبداللہؓ ابن مسعود سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرئیلؑ کو اس حالت میں دیکھا کہ اُن کے چھ سو پر تھے صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہؓ سے بھی اسی قسم کی روایت ہے تمام صحابہ میں حضرت عائشہؓ کو اس مسئلہ پر سخت اصرار تھا. صحیح بخاری کتاب التفسیر میں ہے کہ حضرت مسروقؒ نے حضرت عائشہؓ سے ایک بار پوچھا کہ "مادر من! کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خدا کو دیکھا تھا؟" بولیں "یہ سن کر تو میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے، تین باتیں ایسی ہیں جن کے متعلق اگر کوئی شخص روایت کرے تو سمجھنا چاہیے کہ وہ جھوٹ کہتا ہے. جس نے روایت کی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کو دیکھا تھا، اس نے جھوٹ کہا، خدا فرماتا ہے

لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ	خدا کو نگاہیں نہیں پا سکتیں، اور وہ
يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ وَهُوَ	نگاہوں کو پا لیتا ہے، اور وہ
اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ (انعام ۱۳)	لطیف و خبیر ہے

پھر فرماتا ہے:

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُكَلِّمَهُ اللَّهُ	اور کسی آدمی میں یہ قوت نہیں کہ وہ خدا سے کلام
إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ (شوریٰ)	کرے لیکن یہ کہ بذریعہ وحی کے یا پردے کے آڑ سے

ان آیتوں کو پڑھکر حضرت عائشہؓ نے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کو نہیں دیکھا، البتہ حضرت جبریلؑ کو ان کی اصلی صورت میں دوبار دیکھا، امام نووی شارح صحیح مسلم نے لکھا ہے[1] کہ "حضرت عائشہؓ کا یہ قول حجت نہیں ہو سکتا، کیونکہ انھوں نے قرآن مجید کی آیات سے صرف عقلی استدلال کیا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی مرفوع روایت نہیں بیان کی کہ آپ نے خدا کو نہیں دیکھا تھا" لیکن خود صحیح مسلم میں جس کی شرح میں امام نووی نے اپنا یہ خیال ظاہر کیا ہی، اسی مقام پر حضرت مسروقؓ سے روایت ہی کہ میں حضرت عائشہ کے پاس تکیہ لگائے ہوئے بیٹھا تھا، انھوں نے کہا "اے ابو عائشہ! تین باتیں ایسی ہیں جن میں سے اگر کسی نے ایک کو بھی کہا تو اس نے خدا پر بڑا بہتان باندھا" میں نے پوچھا وہ کیا باتیں ہیں، فرمایا جس شخص نے یہ کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کو دیکھا تھا، اس نے خدا پر بڑی تہمت لگائی میں ٹیک لگائے بیٹھا تھا، یہ سن کر سیدھا اٹھ بیٹھا، اور کہا کہ اے ام المومنین! جلدی نہ کیجئے، کیا خدا خود نہیں فرماتا

وَلَقَدْ رَاٰهُ بِالْاُفُقِ الْمُبِيْنِ (تکویر ۱۰) — اور اس نے اس کو افق المبین پر دیکھا،

وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى (نجم ۱۰) — اور اس نے اس کو دوسری مرتبہ اترتے ہوئے دیکھا،

بولیں سب سے پہلے خود میں نے اس کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تھا، آپ نے فرمایا یہ جبریلؑ تھے، میں نے ان دو مرتبوں کے سوا ان کو اصلی صورت میں کبھی نہیں دیکھا[2]" اس سے زیادہ مستند مرفوع روایت کیا ہو سکتی ہے، برخلاف اس کے حضرت ابن عباسؓ نے

---

[1] شرح صحیح مسلم نووی نولکشور ص ۹۷ [2] صحیح مسلم جلد ۱ ص ۸۴ مصر، باب ذکر سدرۃ المنتہیٰ،

جن سے روایتیں ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کو دیکھا) کبھی اپنی روایت میں یہ تصریح نہیں کی ہے کہ انھوں نے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کو سنا ہے۔ حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ صحابہ میں سے کوئی حضرت عائشہؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ کی تفسیر کا مخالف نہیں ہے (تفسیر سورۂ اسرا) بلکہ اصل یہ ہے کہ بقول ابن حجر حضرت ابن عباسؓ کے خیال کی تشریح میں بعض راویوں سے غلط فہمی ہوئی ہے حضرت ابن عباسؓ کا یہ منشا نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان ظاہری آنکھوں سے خدا کو دیکھا۔ بلکہ اُن کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دل کی آنکھوں سے جلوۂ ربانی کا مشاہدہ کیا۔ صحیح مسلم (متعلقات اسرار) اور جامع ترمذی (تفسیر والنجم) میں ان کے یہ الفاظ ہیں، رأی بقلبہ رأی بفؤادہ۔ دل کی آنکھوں سے دیکھا، چشم قلب سے مشاہدہ کیا مرزا یہ نے اس سے بھی زیادہ انکے تصریحی الفاظ نقل کیے ہیں

لم یرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعینہ انما رآہ بقلبہ (فتح الباری جلد ۸ ص ۴۶۸)	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی آنکھ سے نہیں دیکھا بلکہ اپنے قلب سے دیکھا۔

اس تشریح کے بعد اس باب میں کوئی نزاع باقی نہیں رہ جاتی۔ رہی یہ بات کہ دل کا دیکھنا اور قلب کا مشاہدہ کیا ہے؟ تو اس امر کو وہی سمجھ سکتے ہیں کہ جن کے دل میں نور بصیرت اور جن کے دل میں مشاہدہ کی طاقت ہو۔

معراج جسمانی تھی یا روحانی خواب تھا یا بیداری

ہمارے متکلمین اور شراحِ حدیث نے اس باب میں بے سود بحث کا ایک انبار لگا دیا ہے۔ فیصلہ کی صحیح صورت یہ ہے کہ متکلمانہ اعتراضات فلسفیانہ خدشات اور عقلی محالات اور نیز عامیانہ ظواہر پرستی اور جمہور کے خیالات کی بیجا حمیت کے وسوسوں سے خالی الذہن ہو کر صحیح روایتوں کے اصل الفاظ پر غور کیا جائے تو

سلسلہ میں پہلی بات یہ ہے کہ سورہ اسراء (معراج) کی اس آیت کی نسبت

وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِي أَرَيْنَاكَ	ہم نے جو رویا (دکھاوا) تجھکو دکھایا، اس کو
إِلَّا فِتْنَةً لِلنَّاسِ (بنی اسرائیل)	ہم نے لوگوں کے لیے صرف آزمایش بنایا ہے،

بخاری میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ یہ معراج کے متعلق ہے سو رویا عربی زبان میں "دکھاوا" کو کہتے ہیں، یعنی "جو دیکھنے میں آئے" اور عام طور سے اس کے معنی "خواب" کے ہیں، اس لیے جو فریق معراج کو خواب بتاتا ہے، وہ اس آیت کو اپنے دعوی کے ثبوت میں پیش کرتا ہے، لیکن صحیح بخاری میں حضرت ابن عباسؓ کی اس روایت میں یہ امر کی تصریح ہے کہ اس آیت میں رویا کے معنی مشاہدۂ چشم کے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ واقعۂ معراج خواب نہ تھا۔ بلکہ آنکھوں کا مشاہدہ تھا۔ روایت کے الفاظ یہ ہیں:

عن ابن عباس فی قولہ تعالیٰ	ابن عباسؓ اس آیت کی تفسیر میں کہ ہم نے
وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِي أَرَيْنَاكَ	جو رویا تجھ کو دکھایا اس کو نہیں بنایا لیکن
إِلَّا فِتْنَةً لِلنَّاسِ۔ قَالَ	لوگوں کے لیے آزمایش کہتے ہیں کہ یہ
هِيَ رُؤْيَا عَيْنٍ أُرِيَهَا	آنکھ کا مشاہدہ تھا، جو رسول اللہ
رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ	صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھایا گیا، جب آپ کو
لَمَّا أُسْرِيَ بِهِ إِلَى بَيْتِ	رات کے وقت بیت المقدس
الْمَقْدِسِ (بخاری باب الاسراء)	لے جایا گیا

اس پر یہ لغوی بحث چھڑ گئی کہ رویا لغت میں آنکھ کے دیکھنے کو نہیں کہتے،

مگر ذرا غور کیجئے کہ حضرت ابن عباسؓ سے بڑھ کر لغتِ عرب کا واقفکار اور کون ہو سکتا ہے جب وہ رویائے عین کہتے ہیں تو کس کو انکار ہو سکتا ہے، علاوہ ازیں راعی اور متنبی بعض عرب شعراء نے ظاہری آنکھ سے دیکھنے کو بھی "رویا" کے لفظ سے تعبیر کیا ہے،

راعی کہتا ہے:- فکبّر للرؤیا وھشّ فؤادہ

متنبی کا مصرع ہے: ورؤیاک احلیٰ فی العیون من الغمض

صحیح بخاری، صحیح مسلم، مسند ابن حنبل اور حدیث کی دیگر معتبر کتابوں میں جن میں معراج کے مسلسل اور تفصیلی واقعات درج ہیں، ان سب کو ایک ساتھ پیش نظر رکھنے سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ صحیحین کی دو روایتوں کے سوا باقی روایتوں میں خواب کا مطلق ذکر نہیں ہے، چنانچہ بخاری و مسلم اور مسند ابن حنبل میں حضرت ابوذرؓ کی جو صحیح ترین روایت ہے، اور حضرت انسؓ کی وہ روایت جو ثابت البنانی کے ذریعے ہے، خواب کے ذکر سے قطعاً خالی ہے۔ اس لیے حسب محاورۂ عام اس کو بیداری کے معنی میں سمجھنا قطعی ہے، لیکن حضرت انسؓ کی اس روایت میں جو شریک کے واسطے سے ہے، یہ مذکور ہے کہ یہ واقعہ آنکھوں کے خواب اور دل کی بیداری کی حالت میں پیش آیا، بخاری میں یہ حدیث کتاب التوحید اور باب صفۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم دو مقامات میں ہے اس کے الفاظ یہ ہیں:

سمعت انس بن مالک یقول	انس بن مالک کو میں نے اس شب کا واقعہ
لیلۃ اسری برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	جب آپ کو کعبہ کی مسجد سے لیجایا گیا (معراج)

من مسجد الكعبة اتاه جاءه	بیان کرتے ہوئے سنا کہ اس سے پہلے کہ آپ کی
ثلثة نفر قبل ان يوحى اليه	طرف وحی بھیجی جائے، آپ کے پاس تین شخص
وهو نائم في المسجد الحرام	آئے اور اس وقت مسجد حرام میں سوئے
فقال اولهم ايهم هو فقال	ہوئے تھے، پہلے نے کہا وہ کون ہے، بیچ والے
اوسطهم هو خيرهم	نے کہا ان (سونے والوں) میں جو سب سے
اخرهم خذوا خيرهم فكانت	بہتر ہے، پچھلے نے کہا ان میں جو سب سے
تلك الليلة فلم يرهم حتى	بہتر ہے، اس کو لے لو یہ رات ہو گئی، پھر آپ نے
اتوه ليلة اخرى فيما يرى	اُن کو نہیں دیکھا، یہاں تک کہ ایک اور رات
قلبه وتنام عينه ولا ينام	کو وہ آئے، اس حالت میں کہ آپ کا
قلبه وكذلك الانبياء	دل دیکھتا تھا اور آپ کی آنکھ سوتی تھی،
تنام اعينهم ولا تنام قلوبهم	لیکن آپ کا دل نہیں سوتا تھا، اور اسی طرح
(كتاب التوحيد)	پیغمبروں کی آنکھیں سوتی ہیں مگر انکے دل نہیں سوتے،
سمعت انس بن مالك يحدث	انس بن مالک ہم لوگوں سے آپ کی شب معراج
عن ليلة اسرى بالنبي صلى الله عليه وسلم	کا قصہ بیان کرتے تھے کہ اس سے پہلے کہ آپ
من مسجد الكعبة جاءه	پر وحی آئے آپ مسجد حرام میں سو رہے تھے

لہ ان دونوں راتوں میں کم از کم بارہ برس کا فصل ہوگا، کیونکہ پہلی رات آغاز وحی سے پہلے کی تھی اور دوسری رات جو شب معراج تھی، نبوت کے بارہویں سال تھی۔

ثلثة ثم قبل ان یوحی الیه	آپ کے پاس تین آدمی آئے، پہلے نے کہا
وهو نائم فی المسجد الحرام فقال	وہ کون ہے؟ بیچ والے نے کہا وہ ان میں
اولهم ایهم هو فقال اوسطهم	سب سے بہتر ہے، پچھلے نے کہا جو ان میں سب سے
هو خیرهم وقال آخرهم	بہتر ہو اسکو لے لو، یہ تو ہو گیا، پھر آپ نے
خذوا خیرهم فکانت تلک	ان کو نہیں دیکھا، یہانتک کہ وہ ایک
فلم یرهم حتی جاؤا لیلة	اور رات آئے، اس حالت میں کہ آپ کا
اخری فیما یری قلبه، والنبی	دل دیکھتا تھا، اور آپ کی آنکھیں سوتی
صلی اللہ علیہ وسلم نائمة عیناه و	تھیں لیکن آپ کا دل نہیں سوتا تھا،
لا ینام قلبه وکذلک الانبیاء	انبیاء کا یہی حال ہوتا ہے کہ انکی آنکھیں
تنام اعینهم ولا تنام قلوبهم	سوتی ہیں اور ان کے دل نہیں سوتے،
فتولاه جبریل ثم عرج بنا	پھر جبریل نے آپ کو اپنے اہتمام میں لیا،
الی السماء (باب صفة النبی صلی اللہ علیہ وسلم)	پھر وہ آپ کو لے کر آسمان پر چڑھے،

بخاری نے اس باب میں اس حدیث کو یہیں تک لکھا ہے لیکن کتاب التوحید میں اس کے بعد معراج کے تمام واقعات بیان کر کے آخر میں حضرت انس رض کا یہ فقرہ روایت کیا ہے،

فاستیقظ وهو فی المسجد الحرام	پھر آپ بیدار ہوئے تو مسجد حرام میں تھے،

صحیح مسلم میں یہ روایت نہایت مختصر ہے، سند کے بعد صرف اس قدر لکھ کر کہ آپ

مسجد حرام میں سوتے تھے،" اس کو ختم کر دیا ہے۔ اس کے بعد یہ لکھا ہے کہ "شریک نے اس روایت میں واقعات کو گھٹا بڑھا اور آگے پیچھے کر دیا ہے، اسی لیے ائمہ نے جیسا کہ قاضی عیاض نے شفا میں اور امام نووی نے شرح مسلم میں لکھا ہے کہ شریک کی اس روایت میں بہت سے اوہام ہیں، اور اسی لیے اس کو انھوں نے رد کر دیا ہے، دوسری روایت صحیحین میں وہ ہے جس میں حضرت مالک بن صعصعہ انصاری خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی بیان کرتے ہیں کہ آپ نے معراج کا واقعہ دہراتے ہوئے فرمایا:

بینا انا عند البیت بین	میں کعبہ کے پاس خواب بیداری کی
النائم والیقظان[1]	درمیانی حالت میں تھا،

صحیح بخاری باب المعراج اور مسند ابن حنبل میں مالک بن صعصعہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

بینما انا فی الحطیم مضطجعاً	اس اثنا میں کہ میں (خانہ کعبہ کے مقام)
	حطیم میں لیٹا ہوا تھا،

لیکن یہ شب معراج میں آغاز کی کیفیت کا بیان ہے کہ اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سو رہے تھے، امام فرما رہے تھے، دلائل بیہقی میں ایک روایت ہے، جس میں حضرت ابو سعید خدری کے واسطہ سے یہ بیان کیا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "میں عشاء کے وقت خانہ کعبہ میں سو رہا تھا، ایک آنے والا (جبرئیل) آیا اور اس نے آکر مجھے جگایا

[1] صحیح بخاری ذکر الملائکہ۔ و صحیح مسلم باب الاسراء۔

میں جگا" اس کے بعد واقعۂ معراج کی تفصیل ہے، اس میں سونے کے بعد جگائے جانے کی گو تصریح ہے لیکن اس کا دوسرا ہی راوی جھوٹا، دروغ گو اور ناقابلِ اعتبار ہے[1] اور اس میں جو منکرات اور غرائب امور بیان کیے گئے ہیں، وہ سرتاپا لغو ہیں۔ ابن اسحٰق نے سیرت میں اور ابن جریر طبری نے تفسیر میں (سورہ اسراء) حضرت حسن بصریؒ سے بھی اس قسم کی روایت کی ہے کہ "میں سو رہا تھا کہ جبریلؑ نے پاؤں سے ٹھوکر مار کر مجھے اٹھایا"۔ لیکن اس کا سلسلہ حضرت حسن بصریؒ سے آگے نہیں بڑھتا۔ سیرت ابن ہشام اور تفسیر ابن جریر طبری میں محمد بن اسحاق کے واسطہ سے حضرت عائشہؓ اور حضرت معاویہؓ سے دو روایتیں ہیں، جن میں یہ تصریح ہے کہ یہ بزرگ واقعۂ معراج کو رؤیائے صادقہ کہتے تھے، یہ روایتیں مع سند کے حسب ذیل ہیں:

عن محمد بن اسحٰق قال حدثنی یعقوب بن عتبۃ بن المغیرۃ ان معاویۃ بن ابی سفیان کان اذا سئل عن مسرٰی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال کانت رؤیا من اللہ صادقۃ	محمد بن اسحٰق سے روایت ہے، انھوں نے کہا کہ یعقوب بن عتبہ بن مغیرہ نے بیان کیا کہ معاویہ بن سفیان سے جب معراج کا واقعہ پوچھا جاتا تو وہ کہتے کہ یہ خدا کی طرف سے ایک سچا خواب تھا۔

[1] حافظ ابن کثیر نے تفسیر سورۂ اسراء ص ۱۹ میں اس روایت کو نقل کیا ہے، اس کے سلسلۂ سند میں دوسرا راوی وہی ابوہارون العبدی ہے جس کو علمائے رجال نے بالاتفاق ساقط الاعتبار قرار دیا ہے، اور کہا ہے کہ ھو اکذب من فرعون وہ فرعون سے بھی زیادہ جھوٹا ہے۔

لیکن یہ روایت منقطع ہے، یعقوب نے حضرت معاویہؓ سے خود نہیں سنا ہے کیونکہ انھوں نے ان کا زمانہ نہیں پایا ہے دوسری روایت ہے،

حدثنا ابن حمید، قال حدثنا	ابن حمید نے ہم سے بیان کیا ان سے سلمہ
سلمۃ عن محمد قال حدثنی	نے اسلمہ سے محمد بن اسحاق نے انھوں نے
بعض آل ابی بکر ان عائشۃ	کہا کہ حضرت ابوبکرؓ کے خاندان کے ایک
کانت تقول ما فقد جسد	شخص نے مجھ سے بیان کیا کہ حضرت عائشہؓ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولکن	کہا کرتی تھیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم
اسری بروحہ (حوالہ مذکور)	نہیں کھویا گیا۔ بلکہ آپ کی روح شب کو لیجائی گئی

اس روایت کے سلسلہ میں بھی محمد بن اسحاق اور حضرت عائشہؓ کے درمیان ایک راوی یعنی خاندان ابوبکرؓ کے ایک شخص کا نام و نشان مذکور نہیں ہے اس لئے یہ بھی پایۂ صحت سے گری ہوئی ہے تاہم ان روایتوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ واقعۂ معراج کو رویا، یا روحانی کہنا قرن اول میں بعض لوگوں کا قول تھا، ابن اسحاق میں ہے کہ حضرت حسن بصریؒ کے سامنے یہ بیان کیا جاتا تھا کہ یہ رویا تھا تو وہ اس کی تردید نہیں کرتے تھے۔

لیکن جمہور کا مذہب یہی ہے کہ معراج جسمانی تھی، اور بیداری کی حالت میں تھی، قاضی عیاضؒ نے شفا میں اور امام نوویؒ نے شرح مسلم میں لکھا ہے

اختلف الناس فی الاسراء	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج میں لوگوں کا
برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقیل	اختلاف ہوا کہ یہ بیداری کا واقعہ خواب میں

انّما کان جمیع ذلک فی المنام	پیش آیا اور حق یہ ہے جس پر اکثر لوگ اور
والحق الّذی علیہ اکثر النّاس و	سلف صالحین کا بڑا حصہ اور ہمارے متاخرین
معظم السّلف و عامۃ المتاخرین	میں سے فقہاء و محدثین اور متکلمین سب متفق
من الفقہاء و المحدثین و المتکلمین	ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جسم کیساتھ
انّہ اسری بجسدہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم	ہوئی اور جو شخص تمام آثار و احادیث کا نظر
و الآثار و تدلّ علیہ لمن طالعہا	مطالعہ اور تحقیق کریگا اس پر یہ حق واضح
و بحث عنہا و لا یعدل عن	ہو جائے گا اور اس ظاہر ہے دلیل
ظاہرہا الّا بدلیل و لا استحالۃ	انحراف نہیں کیا جائیگا اور نہ ظاہر سے
فی حملہا علیہ فیحتاج الی تاویل	کو محمول کرنے میں کوئی محال لازم آتا ہو
(شرح مسلم باب الاسراء)	جو تاویل کی حاجت ہو،

مفسرین میں سے ابن جریر طبری سے لے کر امام رازی تک نے جمہور کے اس مسلک کی چار عقلی دلیلیں بھی قائم کی ہیں جو حسب ذیل ہیں،

۱۔ قرآن مجید میں ہے سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ پاک ہے وہ خدا جو (شب معراج میں) لے گیا اپنے بندہ (عبد) کو اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ خدا اپنے بندہ کو لے گیا بندہ یا عبد کا اطلاق جسم پر یا جسم و روح دونوں کے مجموعہ پر ہوتا ہے انہا روح کو عبد یا بندہ نہیں کہتے،

۲۔ واقعات معراج میں بیان کیا گیا ہے کہ آپ براق پر سوار ہوئے دودھ کا پیالہ

نوش فرمایا، سوار ہونا، پینا، یہ سب جسم کے خواص ہیں، اس لئے یہ معراج جسمانی تھی،

۴- اگر واقعۂ معراج رویا اور خواب ہوتا تو کفار اس کی تکذیب کیوں کرتے، انسان تو خواب میں خدا جانے کیا کیا دیکھتا ہے، محال سے محال چیز بھی اُس کو عالم خواب میں واقعہ بن کر نظر آتی ہے،

۵- خدا نے قرآن مجید میں کہا ہے کہ وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِي أَرَيْنَاكَ إِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ، کہ اس مشاہدۂ معراج کو ہم نے لوگوں کے لئے معیارِ آزمایش بنایا ہے، اگر یہ تمام خواب ہوتا تو پھر آزمایش ایمان کی کیا چیز تھی، اور اس پر ایمان لانا مشکل کیا تھا۔

معراج کے بحالتِ بیداری ہونے پر صحیح استدلال

میرے نزدیک معراج کے بحالتِ بیداری کے ثبوت کا صاف اور صحیح طریقہ یہ ہے کہ کلام کا فطری قاعدہ یہ ہے کہ جب تک متکلم اپنے کلام میں یہ ظاہر نہ کر دے کہ یہ خواب تھا تو طبعاً یہی سمجھا جائے گا کہ وہ واقعہ بحالتِ بیداری پیش آیا، قرآن پاک کے ان الفاظ میں سُبْحَانَ الَّذِي أَسْرَىٰ بِعَبْدِهِ لَيْلًا (پاک ہے وہ جو اپنے بندہ کو ایک رات لے گیا) میں کسی خواب کی تصریح نہیں، اسی طرح حضرت ابوذرؓ کی صحیح ترین روایت میں بھی اس کی تصریح نہیں، اس لئے بے شبہ یہ بیداری ہی کا واقعہ سمجھا جائے گا اور یہی جمہور اُمت کا عقیدہ ہے، اور وہ بھی بجسم، اسی طرح صحیح احادیث میں بھی خواب کی تصریح نہیں، اس لئے زبان کے محاورۂ عام کی بنا پر اس کو بیداری کا واقعہ سمجھا جائے گا،

رویا کا مقصود بھی رویا سے عام خواب نہیں

جو لوگ اس کو رویا کہتے بھی ہیں، اس سے اُن کا مقصود بھی وہ عام خواب نہیں ہے جو ہر روز ہر شخص دیکھا کرتا ہے، اُن کا کہنا یہ ہے کہ

لوگون نے انبیاء علیہم السلام کے رویا کی حقیقت پر غور نہین کیا ہے، وہ غلطی سے انبیا کے رویا کو بھی عام انسانی خواب سمجھتے ہیں، حالانکہ دراصل صرف لفظ کا اشتراک ہے اور نہ اس کی حقیقت بالکل جداگانہ ہے، یہ وہ رویا ہے جس مین گو آنکھین بند ہوتی ہین، مگر دل بیدار ہوتا ہے کیا یہی عام رویا کی حقیقت ہے؟ یہ وہ حالت ہے جو بظاہر خواب ہے، مگر دراصل ہشیاری بلکہ مافوق ہشیاری ہے، عام خواب اور اس رویا میں مشابہت صرف اس قدر ہے کہ اس عالم مادی اور کاروبار حواس ظاہری سے پہلے مین تو غافل ہے تو دوسرے مین تعقل ہے لیکن پہلے مین عالم روح اور کائنات ملکوت کو دخل نہین، اور دوسرے مین سراپا ہشیاری، بیداری، حقیقت بینی، اہم سفری، ناموس، سیر سماوات، لقاے ارواح، رویت حق سب کچھ ہے، اسی لئے جن لوگون نے اس کو "منام" یا "رویا" کے لفظ سے تعبیر کیا ہے، انھون نے درحقیقت مجاز و استعارہ سے کام لیا ہے، ورنہ اصل مقصود یہی کیفیت روحانی اور یہی حالت ملکوتی ہے اور یہی سبب ہے کہ ہمارے ظاہری حواس کے مادی قوانین طبعی کے رو سے جو چیزین محال معلوم ہوتی ہین، وہ اس عالم مین محال نہین ہیں،

رویاے صادقہ کی تاویل

بہرحال جو لوگ اس کو رویاے صادقہ کہتے ہین، اُن کو گو یہ مغالطہ بعض روایات حدیث سے پیش آیا ہے، جن کی تفصیل پہلے گذر چکی ہے، اور جن میں سب سے مستند شریک کی روایت ہے جس کے الفاظ مین کمی بیشی پر اکثر محدثین نے اعتراض کیا ہے اسی لئے انھون نے اس کو رد کر دیا ہے، تاہم محدثین میں سے امام خطابی صاحب معالم السنن شریک کی اس روایت پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

واما من اعتبر اوّل الحدیث	لیکن جو شخص اس حدیث کے ابتدائی الفاظ
باخرہ فانّہ یزول عنہ الاشکال	کو آخری الفاظ سے ملا کر دیکھے گا اس سے یہ اشکال
فانّہ مصرّح فیھما بانہ کان	اس لئے دور ہو جائیگا کہ ان میں یہ تصریح
رؤیا لقولہ فی اوّلہ وھو نائم	ہے کہ یہ رویا تھا، کیونکہ اس روایت کے
وفی آخرہ، استیقظ وبعض	شروع میں ہے کہ آپ سو رہے تھے اور
الرُّؤیا مثل یضرب لیتاوّل علی	آخر میں ہے کہ آپ جاگ پڑے، بعض رویا
الوجہ الّذی یجب ان یصرف	تمثیلی رنگ میں ہوتے ہیں جن کی تاویل
الیہ معنی التعبیر فی مثلہ وبعض	ضروری ہے کہ اسی طرح کی جائے جس طرح
الرُّؤیا لا یحتاج الی ذالک بل	اس قسم کے خواب کی تعبیر کی جاتی ہے اور
یاتی کالمشاھدۃ،	بعض رویا اس کے محتاج نہیں ہوتے
(فتح الباری جلد ۱۳ صفحہ ۴۴)	بلکہ وہ مشاہدہ عینی کی طرح پیش آتے ہیں

رویا سے مقصود روحانی ہے

لیکن جو لوگ ان میں آشنائے راز ہیں وہ یہ نہیں کہتے کہ وہ ایک عام قسم کا خواب تھا، جو ہر انسان تقریباً ہر شب کو دیکھتا ہے، بلکہ وہ اس کیفیت پر رویا کا اطلاق محض مجازی اور انسانی طریقۂ ادا کے قصور کے باعث کرتے ہیں، انسان روح اور جسم سے مرکب ہے، یہ روح جو جسم سے وابستہ ہے، اس کا یہ تعلق محض عارضی ہے اور یہی عارضی تعلق عالم نور سے اس کے حجاب کا باعث ہے جس قدر اس تعلق کا رشتہ ڈھیلا ہوتا جائے گا، اسی نسبت سے وہ حجاب اٹھتا جائے گا، انسان جب بیداری میں

ہوتا ہے، تو حواسِ ظاہری کی مصروفیت روح کو مشاہدہ باطن سے باز رکھتی ہے نیند کی حالت میں کسی قدر اس کو ظاہری مشغولیت سے آزادی ملتی ہے تو اس کو رنگا رنگ کی چیزیں نظر آتی ہیں، یہ حالت انسان کی باطنی و روحانی قویٰ کی ترقی و تنزل پر موقوف ہے ایک دن تو ہر انسان مرجاتا ہے یعنی اس کی روح کا تعلق اس کے جسم سے منقطع ہو جاتا ہے لیکن انسانوں کی ایک صنف ایسی بھی ہے جس کا طائر روح خدا کے فضل و موہبت کے بازوؤں سے پرزور ہو کر اپنے نفسِ عنصری کو تھوڑی دیر کے لئے چھوڑ کر عالم ملکوت کی سیر کرتا پھرتا ہے اور پھر اسی نفسِ عنصری کی طرف رجعت کر جاتا ہے، یہی حالت ہے جس کو وہ اپنی محدود زبان میں مجازاً رویائے صادقہ یا رویائے نبوت کہتے ہیں، اور اسی عالم کو عالم رؤیا کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اور ممکن ہے کہ اسی کو قرآن مجید کی آیت وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِي أَرَيْنَاكَ میں رویا کہا گیا ہے، یہی وہ دنیا ہے جس میں آنکھیں سوتی ہیں، اور دل بیدار ہوتا ہے اور اسی کی طرف وحی کی حدیثوں میں اشارہ ہے۔ اور ابن ہشام میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف جو روایت منسوب ہے کہ

ما فقد جسد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	(یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج
ولکن اسری بروحہ	روح کے ذریعہ ہوئی)

کا بھی یہی مطلب ہے

حافظ ابن قیم نے زاد المعاد[1] میں اسی حقیقت کو ان الفاظ میں ادا کیا ہے۔

---

[1] طبع اول ص ۳۰۳ مصر

فصل وقد نقل ابن اسحاق
عن عائشة ومعاويتهما
قالا انما كان الاسراء بروحه
ولم يفقد جسده ونقل
عن الحسن البصري خوذلك
ولكن ينبغي ان يعلم الفرق
بين ان يقال كان الاسراء
منامًا وبين ان يقال كان
بروحه دون جسده وبينهما
فرق عظيم وعائشة ومعاوية
لم يقولا كان منامًا وانما
قالا اسري بروحه ولم يفقد
جسده وفرق بين الكلامين
فان مايراه النائم قد يكون
امثالًا مضروبة للمعلوم
في الصور المحسوسة ثم يرى كأنه
قد عرج به الى السماء وذهب

فصل ابن اسحاق نے حضرت عائشہؓ
اور معاویہؓ سے یہ نقل کیا ہے کہ ان دونوں نے
کہا کہ معراج میں آپ کی روح لے جائی
گئی، اور آپ کا جسم کھویا نہیں گیا،
(یعنی وہ اسی دنیا میں اپنی جگہ پر موجود
تھا) اور حسن بصریؒ سے بھی اس قسم کی روایت
ہے لیکن یہ جاننا چاہیے کہ یہ کہنا کہ معراج
منام (خواب) تھا، اور یہ کہنا کہ بدن لیکر
روح کے ساتھ جسم کے ساتھ نہ تھی، ان
دونوں میں بڑا فرق ہے، حضرت عائشہؓ
معاویہؓ نے یہ نہیں کہا کہ وہ منام (خواب)
تھا، انھوں نے یہی کہا ہے کہ معراج میں
آپ کی روح کو لیجایا گیا، اور آپ کا جسم
کھویا نہیں گیا، ان دونوں میں بڑا فرق
یہ ہے کہ سونے والا جو کچھ دیکھتا ہے کبھی
صورتوں میں جو کچھ معلوم ہوتا ہے اس کی تمثیلیں
اس کے سامنے کیجاتی ہیں پس وہ دیکھتا ہے

بہ الی مکۃ واقطار الارض — کہ گویا وہ آسمان پر چڑھایا گیا، یا مکہ اس
وروحہ لم تصعد ولم تذہب — کو لیجایا گیا، اور زمین کے گوشوں میں
وانما ملک الرویاء ضرب لہ — اُس کو پھرایا گیا، حالانکہ اس کی روح
المثال والذین قالوا عرج بروحہ — نہ چڑھی، نہ گئی، نہ پھری: صرف یہ ہوا کہ
اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طائفتان طائفۃ — خواب کے فرشتے نے اُس کے لئے ایک تمثیل
قالت عرج بروحہ وبدنہ طائفۃ — اس کے سامنے کردی، اور جو لوگ یہ
قالت عرج بروحہ ولم یفقد بدنہ — کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آسمان
وھو لاء لم یریدوا ان المعراج — پر چڑھایا گیا، ان میں دو فرقے ہیں ایک
کان منامًا وانما ارادوا ان روحہ — فرقہ کہتا ہے کہ آپ کو معراج روح و بدن
ذاتہا اسری بہا وعرج بہا حقیقۃ — دونوں کے ساتھ ہوئی، اور دوسرا فرقہ
وباشرت من جنس ما تباشر — کہتا ہے کہ صرف روح کے ساتھ ہوئی
بعد المفارقۃ وکان حالہا — اور بدن کھویا نہیں گیا، (یعنی اس
فی ذالک کحالہا بعد المفارقۃ — عالم سے ان لوگوں کا یہ مقصد نہیں کہ وہ
فی صعودہا الی السموٰت سماءً — خواب تھا بلکہ یہ مقصد ہے کہ خود بذاتہ روح
سماءً حتی ینتہی بہا الی السماءُ — کو معراج ہوئی، اور وہی درحقیقت اوپر
السابعۃ فتقف بین یدی اللہ — چڑھائی گئی اور اُس نے اس طرح کیا جس
عزوجل فیامرُ فیہا بما یشاءُ — طرح جسم سے مفارقت کے بعد کرتی ہے

ثم تنزل الارض فالذی کان
لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیلۃ
الاسراء اکمل مما یحصل للروح
عند المفارقۃ ومعلوم ان
ھذا امر فوق ما یراہ النائم
لکن لما کان رسول اللہ
(صلی اللہ علیہ وسلم) فی مقام خرق العوائد
حتی شق بطنہ وھو حی لا یتالم
بذلک عرج بذات روحہ
المقدسۃ فی غیر اماتۃ ومن
سواہ لا ینال بذات روحہ
الصعود الی السماء الا بعد الموت
والمفارقۃ فالانبیاء انما استقرت
ارواحھم ھناک بعد مفارقۃ
الابدان وروح رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم صعدت الی ھناک فی
حال الحیاۃ ثم عادت وبعد

اس میں اس کی حالت وہی تھی جو مفارقت
جسم کے بعد آسمانوں پر ایک ایک آسمان
پر کر کے چڑھنے میں ہوتی ہے یہاں تک کہ
ساتویں آسمان پر جا کر ٹھہر جاتی ہے اور
اللہ تعالیٰ کے سامنے جا کر کھڑی ہو جاتی
ہے، پھر وہ جو چاہتا ہے اس کی نسبت
حکم دیتا ہے، پھر زمین پر واپس آجاتی
ہے پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو
شب معراج میں جو حاصل ہوا وہ اس
سے بھی زیادہ کامل تھا جو روح کو مفارقت
جسم کے بعد حاصل ہوتا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ
کہ یہ درجہ اس سے بڑا ہے جو سونے والے کو خواب
میں نظر آتا ہے، لیکن چونکہ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم خرق عادات کے مقام میں تھے یہاں تک
کہ آپ کا سینہ چاک کیا گیا، اور آپ زندہ
تھے، لیکن آپ کو تکلیف نہیں ہوئی
اسی طرح خود روح مبارک بذاتہ اور

وفاته استقرت فی الرفیق الاعلیٰ
مع ارواح الانبیاء ومع هذا
فلها اشراف علی البدن و
اشراق وتعلق به بحیث یرد
السلام علی من سلم علیه
وبهذا التعلق رای موسیٰ
قائماً یصلی فی قبره وراٰه فی
السماء السادسة ومعلوم انه
لم یعرج بموسیٰ من قبره ثم
رد الیه وانما ذالک مقام روحه
واستقرارها وقبره مقام
بدنه واستقرارها الی یوم
معاد الارواح الی اجسادها
فراٰه یصلی فی قبره وراٰ فی
السماء السادسة کما انه صلی الله
علیه وسلم فی ارفع مکان فی الرفیق
الاعلیٰ مستقراً هناک وبدنه

چڑھائی گئی، بغیر اس کے کہ آپ پر موت
طاری کی جائے آپ کے علاوہ اور کسی کی
روح کو موت اور مفارقت تن کے بغیر
یہ عروج نصیب نہ ہوا، انبیا کی روحیں
جو یہاں ٹھہری تھیں وہ مفارقت جسم
کے بعد تھیں لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
کی روح پاک زندگی کی حالت میں وہاں
گئی، اور واپس آئی، اور مفارقت
کے بعد انبیاء کی روحوں کیساتھ رفیق
اعلیٰ میں جا کر ٹھہر گئی لیکن باوجود اس کے
روح پاک کو اپنے جسم کیساتھ ایک نوع
کا تعلق اور رشتہ ہے کہ اگر آپ پر کوئی سلام
بھیجے تو آپ سلام کا جواب دیتے ہیں،
اسی تعلق سے آپ نے شب معراج میں دیکھا
کہ موسیٰ اپنی قبر میں نماز پڑھ رہے ہیں
پھر آپ نے ان کو چھٹے آسمان میں دیکھا حالانکہ
معلوم ہے کہ موسیٰ کو اپنی قبر سے اٹھا کر نہیں

فی ضریحه غیر مفقود واذا سلم
علیه المسلم رد الله علیه
روحه حتی یرد علیه السلام
ولم یفارق الملأ الاعلیٰ
من کثف ادراکه وغلظت
طباعه عن ادراک هذا
فلینظر الی الشمس فی علو محلها
وتعلقها وتاثیرها فی الارض
وحیاة النبات والحیوان
بها، هذا، وشان الارواح
فوق هذا، فلها شان ولابدان
شان وهذه النار تکون فی
محلها وحرارتها تؤثر فی الجسم
البعید عنها مع ان الارتباط
والتعلق الذی بین الروح
والبدن، اقوی واکمل
من ذالک واتم فشان الروح

لے جایا گیا تھا اور نہ پھر واپس کیا گیا تھا
اس کی گرہ یوں کھلتی ہے کہ وہاں آسمان پر جو
موسیٰ کو آپ نے دیکھا تو وہ اُن کی روح کا مقام
و مستقر تھا اور قبر اُن کے جسم کا جہاں وہ
قیامت میں روحوں کے لوٹانے کے وقت
تک رہیگا اس طرح آپ نے اُن کو اُنکی قبر میں
نماز پڑھتے بھی دیکھا اور چھٹے آسمان پر
بھی دیکھا جس طرح کہ (سدنات) آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم اس سے بلند تر مقام یعنی رفیق اعلیٰ
میں بھی قرار گیر ہیں اور جسم مبارک قبر شریف میں
بھی موجود ہے جب سلام کرنیوالا آپ پر سلام کرتا
ہے تو اللہ آپ کی روح کو واپس کرتا ہے تا آنکہ
آپ جواب دیتے ہیں حالانکہ مقام رفیق اعلیٰ
سے آپ علیحدہ نہیں ہوئے جو لبرٹی سمجھ اور
بھدی طبیعت کا آدمی اس معاملہ کو سمجھ سکے
اس کو چاہیئے کہ آفتاب کی طرف دیکھے کہ اس
وہ دی نور بلندی کے بارہ دوں کا تعلق

اعلیٰ من ذالک والطف۔

اور رشتہ زمین سے قائم ہی اور اس کے اندر وہ
اثر ڈالتا ہی اور نباتات، حیوانات کی زندگی
میں اسکو دخل ہی، پھر روح کا مرتبہ تو اس سے
بدرجہا زیادہ ہی کیونکہ روح کا معاملہ اور ہی اور
جسم کا معاملہ اور ہی دیکھو کہ آگ اپنی جگہ پر رہتی
ہی اور اس کی گرمی دور کے جسم پر اثر انداز ہوتی
ہے، روح اور بدن کا باہمی تعلق تو اس سے
بھی زیادہ قوی اور کامل ہے، اس لئے
کہ روح آگ سے زیادہ اعلیٰ اور لطیف ہی

فقل للعیون الرمد ایاک ان تری سنا الشمس فاستغشی ظلام اللیالیا۔

گرد آلود آنکھوں سی کہدو کہ وہ آفتاب کی روشنی کو نہیں دیکھ سکتیں تو راتوں کی تاریکی کو اوڑھ لیں،

صوفیہ اور ارباب حال نے معراج کے واقعات کی تشریح اپنے مذاق اور اور رنگ میں کی ہے، علمائے اسلام میں کم از کم ایک شخص تو ایسا ہے جو صوفی اور صاحب حال بھی ہے، اور محدث اور متکلم بھی، یعنی حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی شاہ صاحب کے متعلق معلوم ہے کہ وہ دیگر اہل باطن کی طرح عالم برزخ اور عالم مثال، نام اور عالم جسد اور عالم روح کے درمیان ایک تیسرے عالم کے قائل ہیں، جہاں جسم پر روح کے خواص طاری ہوتے ہیں، اور روح اپنی خصوصیت اور مناسبت کے مطابق جسمانی شکل و صورت میں نمایاں

ہوتی ہے شاہ صاحب اس بات کے قائل ہیں کہ معراج بیداری میں اور جسم کے ساتھ ہوئی،
لیکن یہ عالم برزخ کی سیر تھی جہاں آپ کے جسم پر روحانی خواص طاری کئے گئے، اور معانی و واقعات
مختلف اشکال و صور تین مشاہدہ کرائے گئے، چونکہ ایک بیگانہ کے لئے اس نادیدہ شہرستان کی
ہو بہو تشریح اپنی زبان میں مشکل ہے، اس لئے ہم اس ملک کے ایک سیاح کا بیان نقل کر دینا
کافی سمجھتے ہیں،

شاہ صاحب حجۃ اللہ البالغہ میں معراج کی حقیقت ان الفاظ میں لکھتے ہیں،

واسری بہ الی المسجد الاقصٰی	آپ کو معراج میں مسجد اقصٰی میں لیجایا گیا،
ثم الی سدرۃ المنتہٰی والی	پھر سدرۃ المنتہٰی، اور جہاں خدا نے چاہا،
ماشاء اللہ، وکل ذلک لجسدہ	اور یہ تمام جسم مبارک کے لئے بیداری کی
صلی اللہ علیہ وسلم فی الیقظۃ ولکن	حالت میں ہوا، لیکن اُس مقام میں جو عالم
ذلک فی موطن ھو برزخ	مثال اور عالم ظاہر کے بیچ میں ہے اور جو
بین المثال والشہادۃ جامع	دونوں عالموں کے احکام کا جامع ہے اس لئے
لاحکامہا فظہر علی الجسد	جسم پر روح کے احکام ظاہر ہوئے اور روح
احکام الروح وتمثل الروح	پر معاملاتِ روحانی جسم کی صورت میں نمایاں
والمعانی الروحیۃ اجسادًا	ہوئے اور اسی لئے ان واقعات میں سے ہر واقعہ
ولذلک بان لکل واقعۃ	کی ایک تعبیر ظاہر ہوئی اور اسی طرح کے
من تلک الوقائع تعبیر وقد	واقعات حضرت جبرئیل اور موسیٰ وغیرہم علیہم السلام

ظلہ بحزقیل و موسیٰ و غیرھما علیھم	کے لئے ظاہر ہوئے تھے اولیاء امت کے سامنے
السلام نحو من تلک الوقائع وکذلک الاولیاء	ظاہر ہوتے ہیں کہ خدا کے نزدیک ان کے درجہ
الامۃ لیکون علو درجاتھم عند اللہ	کی بلندی مثل اس حالت کے ہوتی ہے جو رؤیا
کحالھم فی الرؤیا۔ واللہ اعلم	میں اُن کو معلوم ہوتی ہے واللہ اعلم

اس کے بعد شاہ صاحب نے معراج کے مشاہدات میں سے ایک ایک کی تعبیر کی ہے خود احادیث صحیحہ اور معتبر روایات میں جہاں یہ واقعہ مذکور ہے کہ آپ کے سامنے دودھ اور شراب کے دو پیالے پیش کئے گئے تو آپ نے دودھ کا پیالہ اٹھا لیا۔ اس پر فرشتہ نے کہا کہ آپ نے فطرت کو اختیار کیا، اگر شراب کا پیالہ اٹھاتے تو آپ کی تمام اُمت گمراہ ہو جاتی۔

اس عالم تمثیل میں گویا فطرت کو دودھ اور ضلالت کو شراب کے رنگ میں مشاہدہ کرایا گیا ہے۔

شاہ صاحب معراج کو عالم برزخ کا واقعہ بتا کر اسی طرح معراج کے تمام واقعات کی تشریح کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں۔

اما شق الصدر وملؤہ ایمانا	لیکن سینہ کا چیرنا اور اس کا ایمان سے
حقیقتہ غلبۃ انوار الملکیۃ	بھرنا تو اس کی حقیقت ملکیت کے انوار کا
وانطفاء لھیب الطبیعۃ و	غلبہ اور طبیعت (بشری) کے شعلہ کا بجھنا اور
خضوعھا لما یفیض علیھا	اور طبیعت کی فرمانبرداری اس فیضان کے
من مطارۃ القدس ابتا	قبول کرنے کیلئے جو حظیرۃ القدس سے خدا اس پر

ركوبه على البراق فحقيقته استواء
لنفسه النطقية على نسمته التي
هي لكمال الحيواني فاستوى
راكبا على البراق كما غلبت
احكام نفسه النطقية على
البهيمة وسلطت عليها
وأما اسراءه الى المسجد
الاقصى فلانه محل ظهور
شعائر الله ومتعلق همم
الملاء الاعلى ومطمح انظار
الانبياء عليهم السلام
فكانه كوة الى الملكوت
وأما ملاقاته مع الانبياء
صلوات الله عليهم ومفاخرته
معهم فحقيقتها اجتماعهم
من حيث ارتباطهم بحظيرة
القدس وظهور ما اختص

فائض کرتا ہی لیکن آپ کا براق پر سوار ہونا
تو اسکی حقیقت آپ کے نفس ناطقہ (بشری)
کا اپنے اس روح حیوانی پر استیلا حاصل کرنا
ہی جو کمال حیوانی ہے تو آپ براق پر
اسی طرح سوار ہو گئی جس طرح آپ کی
روح بشری کے احکام آپ کی روح حیوانی
پر غالب آگئے اور اس پر مسلط ہو گئے
لیکن آپ کا رات کو مسجد اقصی لیجانا
تو وہ اس لئے کہ یہ مقام شعائر الٰہی کے
ظہور کا مکان ہی اور ملاء اعلیٰ کے ارادوں
کا تعلق گاہ ہے اور انبیاء علیہم السلام
کی نگاہوں کا نظارہ گاہ ہی گویا وہ اعلیٰ
کی طرف ایک روشندان ہے جہاں سے
روشنی چھن چھن کر اس روشندان کے
ذریعہ اس کرۂ انسانی پر فائض ہوتی ہی
لیکن آپ کی انبیاء علیہم السلام سے ملاقات
اور مفاخرت (اور امامت) تو اس کی

من بينهم وجوه الكمال و
اما رقيه الى السموات سماء
سماء فحقيقة الانسلاخ
الى مستوى الرحمان منزلة
بعد منزلة ومعرفة حال
الملائكة المؤكلة بها و
من الحق بهم من افاضل
البشر والتدبير الذي اوحاه
الله فيها والاحصاء الذي
يحصل في ملئها، وانا بكاء موسى
فليس بحسد ولكنه مثال
لفقد عموم الدعوة وبقاء
كما لم يحصله مما هو في
وجهه، واما سدرة المنتهى
فشجرة الكون وترتيب بعضها
على بعض وانجماعها في
تدبير واحد كانجماع الشجرة

حقیقت تو ان کا اجتماع ہے بحیثیت اس کے
کہ وہ سب ایک ہی رشتہ مین حظیرۃ القدس
سے مربوط ہیں اور آپ کی ان حیثیات
کمال کا ظہور ہے جو ان تمام پیغمبرون میں
آپ کی ذات سے مخصوص تھین لیکن آپ کا
آسمانوں پر ایک ایک آسمان کر کے چڑھنا
(اور فرشتوں اور مختلف پیغمبروں سے
ملاقات) تو اسکی حقیقت درجہ بدرجہ
(تحت کی منزلون سے) کھینچ کر عرش الٰہی
تک پہنچتا ہے اور ہر آسمان پر جو فرشتے متعین
ہین اور کامل انسانوں میں سے جو جہاں
جس جس درجہ تک پہنچ کر انکے ساتھ مل
گیا ہے ان کے حالات سے اور اس تدبیر سے
جو ہر آسمان میں خدا نے وحی کی اوماس
مباحثہ سے جو اس آسمان کے فرشتون
کی جماعت میں ہوتا ہے آگاہی ہے لیکن
حضرت موسیٰ کا رونا تو نہ راہ حسد تھا

فی الغاذیۃ والنامیۃ ونحوھما
ولم تتمثل حیوانا لان التدبیر
الجملی الاجمالی الشبیہ
بسیاسۃ الکلی (لا) فرادہ
وانما اشبہ الاشیاء بہ
الشجرۃ دون الحیوان، فان
الحیوان فیھا قوی تفصیلیۃ
والارادۃ فیہ اصرح من سنن
الطبیعۃ، واما الانھار
فی اصلھا فرحمۃ فائضۃ
فی الملکوت ھذا والشھادۃ
وحیاۃ وانماء فلذالک
تعین ھنالک لبعض الامر
النافعۃ فی الشھادۃ کالنیل
والفرات، واما الانوار التی
عشیتھا فتدلیات الھیۃ
وتدبیرات رحمانیۃ

بلکہ وہ اس بات کی تمثیل تھی کہ انکو دعوت
عامہ نہیں ملی تھی اور اس کمال کی بقا ان کو
عنایت نہیں ہوئی تھی جو عموم دعوت سے
حاصل ہوتی ہے لیکن سدرۃ المنتہیٰ تو
وجود کا درخت ہے، اس کا ایک دوسرے
پر مترتب ہونا اور پھر ایک ہی تدبیر میں
مجتمع ہونا ہے جس طرح درخت اپنی شاخوں
کے بے شمار افراد کے اختلاف کے باوجود
اپنی قوت غاذیہ اور اپنی قوت نامیہ کی
تدبیر میں متحد و مجتمع ہوتا ہے، سدرۃ المنتہیٰ حیوان
کی شکل میں نمایاں نہیں ہوا اس لیے کہ اجمالی
اور مجمل کی تدبیر اس طرح ہے جس طرح کلی
اپنے افراد کی سیاست اجمالی کرتی ہے
اور اس تدبیر اجمالی کی بہترین شبیہ درخت
ہے نہ کہ حیوان، کیونکہ حیوان میں تفصیلی قوتیں
ہوتی ہیں اور خصوصاً اس میں ارادہ قویہ
طبعی سے زیادہ صریح صورت میں ہوتا ہے

تلعلعت فی السهادة حیثما
استعدت لها وآما بیت
المعمور فحقیقته التجلی
الالهی الذی تتیمه الیه
سجدات العشر وتضرعاتها
تمثل بیننا علی حذو ما
عندهم من الکعبة وبیت
المقدس ثم اتی باناء من
لبن واناء من الخمر فاختار
اللبن، فقال جبرئیل هدیت
الفطرة ولو اخذت الخمر
لغوت امتك فکان هو
صلی الله علیه وسلم جامع امته
ومنشأ ظهورهم وکان اللبن
اختیارهم الفطرة وعمه
اختیارهم لذات الدنیا
وامر بخمس صلوات بلسان

لیکن نہر دس کی جڑوں اور سونوں کا وہاں
نظر آنا) تو وہ رحمت و حیات نشو و نما کا منبع ہے
جو عالم ملکوت میں اسی طرح جاری ہے جس طرح عالم
ظاہر میں اسی لئے وہاں بھی بعض وہ پر فیض امور
نظر آئے جو یہاں اس عالم میں ہیں جیسے دریائے
نیل اور نہر فرات لیکن وہ انوار جو اس درخت کو
ڈھانکے تھے تو وہ تنزلات الٰہیہ اور تدبیرات
رحمانیہ ہیں جو اس عالم ظاہر میں وہاں چمکتی ہیں
جہاں جہاں ان کے قبول کی استعداد ہوتی ہے
لیکن بیت معمور تو اس کی حقیقت وہ تجلی الٰہی ہے
جس کی طرف انسانوں کے تمام سجدے اور بندگیاں
متوجہ ہوتی ہیں وہ گھر کی صورت میں اس لئے
نمایاں ہوا کہ وہ ان قبلوں کی طرح موجود انسانوں
کے درمیان کعبہ و بیت المقدس کی صورت میں
ہیں پھر آپ کے سامنے ایک دودھ کا پیالہ اور ایک
شراب کا پیالہ لایا گیا آپ نے دودھ پسند فرمایا
تو جبرئیل نے کہا کہ فطرت کی طرف آپ نے ہدایت پائی

الخمور لانها خمسون باعتبار الثواب ثم اوضح الله مراده تدريجا ليعلم ان الحرج مدفوع وان النعمة كاملة وتمثل هذا المعنى مستندا الى موسى عليه السلام فانه اكثر الانبياء معالجة للامة ومعرفة بسياستها.

(باب الاسراء)

اگر شراب پسند فرماتے تو آپ کی امت گمراہ ہو جاتی) آپ کے پسند و قبول کی امت کا پسند و قبول کرنا اس لئے تھا کہ آپ اپنی امت کے جامع و مرکز اور اس کے ظہور کے منشا و مولد تھے اور دودھ کا پیالہ پسند کرنا فطرت کا پسند کرنا تھا اور شراب کو لینا دنیاوی لذتوں کو پسند کرنا تھا اور آپ کو بزبان مجاز پانچ وقتوں کی نمازوں کا حکم دیا گیا کیونکہ وہ درحقیقت ثواب کے اعتبار سے پچاس وقت ہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے مقصد کو (کہ ۵۰ وقتوں سے ۵ وقت مقصود ہیں) بدفعات اور بتدریج اس لئے ظاہر کیا تاکہ یہ معلوم ہو کہ (۵۰ وقت کو ۵ کر دینے میں) تنگی دور کر دی گئی ہے اور نعمت پوری ہوئی ہے اور یہ بات حضرت موسیٰ کے مکالمہ کی طرف منسوب ہو کر اس لئے ظاہر ہوئی کہ تمام

ہم نے ارباب حال اور محدثین کے یہ انکشافات و حقائق اور جسم و روح کے یہ گوناگوں احوال و مناظر خود انہی کی زبانوں سے بتائے اور دکھائے ہیں، ورنہ ہم خود اس باب میں سلف صالحین کا عقیدہ رکھتے ہیں، جو ابن اسحاق کی عبارت میں حسب ذیل ہے،

وكان فى مسراه وما ذكر منه
بلاء وتمحيص وامر من امر الله
فى قدرته وسلطانه، فيه
عبرة لاولى الالباب وهدى
ورحمة وثبات لمن امن بالله
وصدق وكان من امر الله
على يقين نا سرها به كيف
شاء وكما شاء ليريد من اثبات
ربه ما اراد حتى عاين ما عاين
من امره وسلطانه العظيم و
قدرته التى يصنع بما يريد

(سيرة ابن هشام باب الاسراء)

آپ کے اس سفر شبانہ اور جو کچھ اس کے متعلق
بیان کیا گیا ہے، اس میں آزمایش اور مغفر
و مومن کی تمیز ہے، اور خدا کی قدرت اور
سلطنت میں سے کوئی الٰہی شان ہے جو اس
میں اہل عقل کے لئے عبرت ہے اور جو اللہ پر
ایمان لایا، اور تصدیق کی اور خدا کے کاموں
پر یقین رکھا، اس کے لئے اس میں ہدایت
رحمت اور ثابت قدمی ہے پس اللہ تعالیٰ
اپنے بندہ کو رات کے وقت لے گیا جس طرح
چاہا اور جیسے چاہا، تاکہ وہ اس کو اس کے
پروردگار کی نشانیوں میں سے جو چاہے دکھائے
یہاں تک کہ آپ نے خدا کی شان، اور
اس کی عظیم الشان قوت کے مناظر دیکھے جو
کچھ دیکھے، اور اس قدرت کو دیکھا جس

قرآن مجید اور معراج

معراج کے اسرار، اعلانات، احکام، بشارتیں اور انعامات

عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ قرآن مجید میں معراج کا بیان سورۂ اسراء (جس کو سورۂ بنی اسرائیل بھی کہتے ہیں) کی صرف ابتدائی تین چار آیتوں میں ہے یعنی

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا	پاک ہے وہ خدا جو اپنے بندہ کو رات
مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ	کے وقت مسجدِ حرام (کعبہ) سے اس مسجد
الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ لِنُرِیَہٗ	اقصیٰ (بیت المقدس) تک لے گیا جس کے گرد
مِنْ اٰیٰتِنَا اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ	گرد ہم نے برکت نازل کی، تاکہ ہم اپنے
(بنی اسرائیل ع-۱)	بندہ کو اپنی نشانیاں دکھائیں، وہی سننے
	والا اور دیکھنے والا ہے،

لیکن ہم نے اس سورہ کو شروع سے اخیر تک بار بار پڑھا، اور ہر بار اس یقین کے ساتھ ختم کیا کہ یہ پوری سورہ معراج کے اسرار و حقائق، نتائج و عبر اور احکام و اعلانات سے معمور ہے۔ سب سے پہلے ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اس سورہ کے جلی عنوانات کیا ہیں،

۱- یہ اعلان کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نبی اقبلتین (یعنی کعبہ اور بیت المقدس دونوں کے پیغمبر) ہیں

۲- یہود جواب تک بیت المقدس کے اصلی وارث اور اُس کے نگہبان و کلید بردار سنائے گئے تھے، اُن کی تولیت اور نگہبانی کی مدت حسب وعدۂ الٰہی ختم کی جاتی ہے، اور آلِ اسمٰعیل کو ہمیشہ کے لئے اس کی خدمت گذاری سپرد کی جاتی ہے،

۳- کفارِ قریش کو اعلان کہ تمہارے پند و موعظت کا عہد گذر گیا، فیصلۂ حق کے ثبوت کے لئے جس عذاب کو تم مانگتے تھے، اب وہ آتا ہے کہ رسول اب ہجرت کرتے ہیں،

۴- رسولوں کی سنّت کے مطابق اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہجرت کا اذن دیا جائیگا جس کے بعد نافرمان قوم پر عذاب آئے گا،

۵- معراج کے احکام و شرائع،

۶- نماز پنجگانہ کی فرضیت،

۷- نبوت، قرآن، قیامت، اور معجزات پر اعتراضات کے جوابات،

۸- حضرت موسیٰؑ کے حالات اور واقعات سے استشہاد،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نبی اقبلتین ہونا

حضرت ابراہیمؑ کے گھرانے کو اللہ تعالیٰ نے دنیا کی سعادتوں اور برکتوں کا کلید بردار بنایا تھا، اور اُن کو ارضِ مقدس کی تولیت کا منصب عطا کیا تھا، جس کے حدود خدا نے خواب میں حضرت ابراہیمؑ کو دکھائے تھے، لیکن اسی کے ساتھ تورات میں بالاصرار اعلان کر کے یہ بھی اُن کو سُنا دیا گیا تھا، کہ اگر انھوں نے خدا کے احکام کی اطاعت و پیغمبروں کی تصدیق نہ کی تو یہ منصب اُن سے چھین لیا جائیگا، حضرت ابراہیمؑ کو اسمٰعیلؑ و اسحاقؑ دو بیٹے عطا ہوئے تھے

اور ارضِ مقدس کو ان دونوں بیٹوں کے درمیان تقسیم کر دیا گیا تھا یعنی شام کا ملک حضرت اسحاقؑ کو اور عرب کا ملک حضرت اسمٰعیلؑ کو ملا تھا، شام میں بیت المقدس اور عرب میں کعبہ واقع تھا، حضرت اسحاقؑ کے فرزندوں کو جن کا مشہور نام بنی اسرائیل ہے، (اسرائیل حضرت اسحاقؑ کے بیٹے یعقوبؑ کا لقب تھا) بیت المقدس کی تولیت عطا ہوئی تھی، اور بنو اسمٰعیلؑ کو کعبہ کا متولی بنایا گیا تھا، حضرت ابراہیمؑ کی اولاد میں جس قدر پیغمبر پیدا ہوئے، اُن میں سے بنو اسرائیل کا قبلہ بیت المقدس اور اسمٰعیلؑ کا کعبہ تھا، گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جس قدر انبیاء عرب یا شام میں مبعوث ہوئے وہ ان دونوں قبلوں میں سے صرف ایک کے متولی تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے جس طرح تمام دوسرے پیغمبروں کے متفرق اوصاف و خصوصیات کا جامع اور برزخ بنایا تھا، اسی طرح حضرت اسحاقؑ و اسمٰعیلؑ دونوں کی برکتوں اور سعادتوں کا گنجینہ بھی ذاتِ محمدی ہی کو قرار دیا یعنی حضرت ابراہیمؑ کی وراثت جو صدیوں سے دو بیٹوں میں بٹتی چلی آتی تھی وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد ایک جگہ جمع ہو گئی اور گویا وہ حقیقتِ ابراہیمیہ جو خاندانوں اور نسلوں میں منقسم ہو گئی تھی ذاتِ محمدیؐ میں پھر یکجا ہو گئی، اور آپ کو دونوں قبلوں کی تولیت تفویض ہوئی، اور بنی القبلتین کا منصب عطا ہوا، یہی نکتہ تھا جس کے سبب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کعبہ اور بیت المقدس دونوں طرف رُخ کرنے کا حکم دیا گیا، اور اسی لئے معراج میں آپ کو مسجد حرام (کعبہ) سے مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) تک لے جایا گیا، اور مسجد اقصیٰ میں تمام انبیاءؑ کی صف میں آپ کو امامت پر مامور کیا گیا، تاکہ آج اس مقدس دربار میں اس کا اعلان عام ہو جائے کہ دونوں قبلوں کی تولیت سرکارِ محمدیؐ کو عطا ہوئی ہے، اور وہ بنی القبلتین نامزد ہوتے ہیں، اور قرآن مجید میں

سورۂ اسراء کی ابتداء اور واقعۂ معراج کا آغاز اسی حقیقت کے اظہار سے ہوتا ہے،

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ	پاک ہے وہ خدا جو رات کے وقت اپنے
لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی	بندہ کو مسجد حرام سے اُس مسجد اقصیٰ تک
الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَکْنَا	لے گیا جس کے گرداگرد ہم نے برکتیں نازل
حَوْلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا اِنَّہٗ	کی ہیں تاکہ ہم اپنے اس بندہ کو اپنی چند
ھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ۝ (بنی اسرائیل)	نشانیاں دکھائیں، بیشک خدا سننے والا

بنی اسرائیل کی مدتِ تولیت کا اختتام

بنو اسرائیل کو ارضِ مقدس کی تولیت کا شرف بہت سے شرائط اور معاہدوں کے ساتھ عطا ہوا تھا، اور یہ کہہ دیا گیا تھا کہ جب وہ غیر معبودوں کی طرف جھکیں گے، اور احکام الٰہی کی عدم پیروی کے ملزم ہوں گے، تو یہ منصب ان سے چھین لیا جائے گا، اور محکومی و غلامی کی زنجیر اُن کی گردن میں ڈال دی جائے گی حضرت داؤدؑ و سلیمانؑ کے عہد میں اُن کو جو نیابت اور وراثت عطا کی گئی تھی بہ ایفائے عہد کی پاداش میں بابل کے بادشاہ بخت نصر (بنوخذ نذر) کے ہاتھوں اُن سے چھین لی گئی، ارض مقدس سے وہ جلاوطن کر دیئے گئے، شہر اور ہیکل کھنڈر کر دیا گیا، بیت المقدس کی ایک ایک اینٹ چور چور کر دی گئی، اور توراۃ کے پرزے پرزے اڑا دیئے گئے،

اس پُرغم سانحہ پر انبیائے بنی اسرائیل نے ماتم کیا خدا کے سامنے دستِ تضرع دراز کیا، بنی اسرائیل کو توبہ و انابت کی دعوت دی تو پھر اُن کو معاف کیا گیا، اور ایرانیوں کے عہد میں ارض مقدس کی دوبارہ تولیت سے وہ سرفراز ہوئے لیکن اس کے بعد پھر وہ اپنے

عہد پر قائم نہ رہے، بتوں کو سجدے کئے توراۃ کے احکام سے روگردانی کی، تو اُن پر یونانیوں اور رومیوں کو مسلط کیا گیا جنھوں نے بیت المقدس کو جلا کر خاکستر کر دیا یہودیوں کا قتل عام کیا، قربانگاہ کے مقدس ظروف توڑ پھوڑ دیئے، اب اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوتی ہے، اور بنو اسرائیل کو توبہ و انابت کا آخری موقع دیا جاتا ہے، اگر انھوں نے حق پر ہی کو راہ دیا، تو خدا ان پر رحم فرمائے گا، اور نہ ہمیشہ کے لئے وہ اس منصب سے محروم کر دیئے جائیں گے چنانچہ آیاتِ بالا کے بعد ارشاد ہوتا ہے،

وَاٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتَابَ وَجَعَلْنٰهُ	اور ہم نے موسیٰ کو کتاب دی اور اسکو بنی اسرائیل
هُدًى لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَلَّا	کے لئے ہدایت نامہ ٹھہرایا کہ ہماری سوا
تَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِيْ وَكِيْلًا ۝	کسی کو کارساز نہ بنائیں: اے اُن لوگوں کی
مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ ۭ اِنَّهٗ كَانَ	اولاد جن کو ہم نے نوحؑ کے ساتھ کشتی
عَبْدًا شَكُوْرًا ۝ وَقَضَيْنَآ اِلٰى	پر سوار کیا تھا، دیکھو کہ اُن کا جنھوں نے اپنا
بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ فِي الْكِتٰبِ لَتُفْسِدُنَّ	کارساز دوسروں کو بنا لیا تھا کیا شکر ادا کرنا
فِي الْاَرْضِ مَرَّتَيْنِ وَلَتَعْلُنَّ	اس احسان کا شکر ادا کرنا چاہیے تھا کیونکہ
عُلُوًّا كَبِيْرًا ۝ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ	تمھارا باپ نوح شکر گذار بندہ تھا اور ہم نے
اُوْلٰىهُمَا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا	کتاب میں بنی اسرائیل کے متعلق فیصلہ کر دیا
لَّنَآ اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ فَجَاسُوْا	تھا کہ تم دو دفعہ زمین میں فساد کرو گے اور بڑی
خِلٰلَ الدِّيَارِ ۭ وَكَانَ وَعْدًا مَّفْعُوْلًا	زیادتیاں کرو گے، جب اُن میں سے پہلے

ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكَرَّةَ عَلَيْهِمْ وَ
أَمْدَدْنَاكُمْ بِأَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ
وَجَعَلْنٰكُمْ أَكْثَرَ نَفِيْرًا ۝ وَإِنْ
أَحْسَنْتُمْ أَحْسَنْتُمْ لِأَنْفُسِكُمْ
وَإِنْ أَسَأْتُمْ فَلَهَا ط فَإِذَا جَآءَ
وَعْدُ الْاٰخِرَةِ لِيَسُوْٓءُوْا وُجُوْهَكُمْ
وَلِيَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ كَمَا دَخَلُوْهُ
أَوَّلَ مَرَّةٍ وَّلِيُتَبِّرُوْا مَا عَلَوْا
تَتْبِيْرًا ۝ عَسٰى رَبُّكُمْ أَنْ يَّرْحَمَكُمْ
وَإِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا وَجَعَلْنَا
جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ حَصِيْرًا ۝

(بنی اسرائیل ۔ ۱)

فساد کا وقت آیا تو ہم نے تم پر ایسے بندوں
کو کھڑا کر دیا، جو بڑے سخت گیر تھے، وہ
تمہارے شہروں کے اندر پھیل گئے اور خدا کا وعدہ
پورا ہوا پھر ہم نے تمہارے دن پھیرے اور تم کو مال
و اولاد سے مدد دی اور تمہاری تعداد بہت بڑھا دی
(اور کہدیا کہ) اگر تم نے اچھے کام کئے تو اپنے
ہی لئے، اور بُرے کام کئے تو اپنے لئے پھر جب
(تمہارے) دوسرے فساد کا وقت آیا (تو پھر ہم نے
اپنے دوسرے بندوں کو کھڑا دیا) کہ وہ تمہارے
چہروں کو خراب کر دیں اور یہ بھی بیت المقدس
میں اسی طرح گھس جائیں جس طرح تمہارے
پہلے دشمن گھسے تھے اور جس چیز پر وہ قابو
پائیں اس کو توڑ پھوڑ ڈالیں (اب محمد رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد) ممکن ہے کہ تمہارا
پروردگار تم پر رحم کرے اور اگر تم نے پھر ویسا ہی
کیا تو ہم بھی ویسا ہی کریں گے اور حق کے منکروں کے لئے ہم نے جہنم کا احاطہ بنا رکھا ہے

یہ سورہ مکہ میں نازل ہوئی تھی، وہاں بنی اسرائیل سے تعلقات نہ تھے، اسی لئے مکی
سورتوں میں بنو اسرائیل کو عموماً مخاطب نہیں کیا گیا ہے، یہ پہلا موقع ہے کہ بنو اسرائیل کو مخاطب

کیا جارہا ہے، کیونکہ اب اسلام کے نئے دور کا آغاز ہونے والا ہے، اور آپ کو مدینہ کی طرف ہجرت کی اجازت ملنے والی ہے، جہاں اُن سے تعلقات کا آغاز ہوگا، اور اُن کو از سرِ نو خدا کے سامنے اپنی شرمساری کے اظہار کا موقع ملے گا، اور خدا اُن پر اپنی رحمت کا دروازہ کھولے گا لیکن اگر انھوں نے قبولِ حق سے انکار کیا، تو اُن کے لئے پھر وہی سزا ہے، جو اُن کو اس سے پہلے دو دفعہ مل چکی ہے لیکن افسوس کہ انھوں نے عملاً اس موقع سے فائدہ نہیں اٹھایا، اور حق کو قبول نہیں کیا، حالانکہ خدا نے اُن سے کہا:

وَاَوْفُوْا بِعَهْدِیْ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ ۔ تم میرا عہد پورا کرو تو میں تمہارا عہد پورا کرونگا،

اس لئے خدا نے اُن پر رحمت کا دروازہ نہیں کھولا، اور اُن کو تیسری دفعہ بھی وہی سزا ملی، یعنی وہ مدینہ اطرافِ مدینہ، خیبر، اذرعات وغیرہ سے بے دخل کر دیئے گئے اور بیت المقدس کی تولیت مسلمانوں کے سپرد کی گئی،

کفارِ مکہ کے نام آخری اعلان آج کفارِ مکہ کے نام آخری اعلان ہے: اُن کا مطالبہ تھا کہ اگر اسلام سچا ہے اور ہمارا مذہب باطل ہے، تو ہم پر عذاب کیوں نہیں آتا، وہ کہتے ہیں کہ ہم پر عذاب آئے: اُن کو یہ سنتِ الٰہی بتائی گئی کہ قوم پر اس وقت تک عذاب نہیں آتا، جب تک اس میں داعیٔ مبعوث نہیں ہو لیتا، اور اس کو بالکل اس کی طرف سے مایوسی نہیں ہو جاتی. اس وقت قوم کا دولت مند اور مغرور طبقہ اُس حق کی بیخ کنی کے لئے آگے بڑھتا ہے. بہت سے دوسرے لوگ جن کو اُن کی قوت پر بھروسہ ہوتا ہے اُن کا ساتھ دیتے ہیں مومنوں کا طبقہ جو بظاہر کمزور اور ضعیف ہوتا ہے اس حق کو قبول کر لیتا ہے ایک دنیا کے نفع عاجل کا طالب ہے اور دوسرا

آخرت کے نفعِ جاوید کو ترجیح دیتا ہے، دنیا میں بظاہر دونوں کو برابر زندگی کی نعمتیں ملتی ہیں مگر ایک دن آتا ہے جب رات اور دن کی روشنی الگ ہو جاتی ہے، دنیا میں کوئی ایک دوسرے کا ذمہ دار نہیں، مصلح اور ہادی اپنا فرض ادا کر دیتے ہیں، ایمان و کفر کے وہ ذمہ دار نہیں، اس دنیا میں ہر شخص اپنا آپ ضامن ہے، اسی انکار و کفر کی بدولت قریش مکہ بھی تولیتِ کعبہ کے شرف سے معزول کیے جاتے ہیں، اور مسلمانوں کو فتحِ مکہ کی خوشخبری سنائی جاتی ہے،

اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ	یہ قرآن وہ راستہ بتاتا ہے جو بالکل سیدھا ہے
هِيَ اَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ	اور ان مومنوں کو جو نیک کام کرتے
يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا	ہیں بشارت دیتا ہے کہ ان کیلئے بڑی مزدوری
كَبِيْرًا ۙ وَّاَنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ	ہے اور یہ بتاتا ہے کہ وہ لوگ جو کہ آخرت پر ایمان
بِالْاٰخِرَةِ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا	نہیں ہم نے ان کیلئے دردناک عذاب تیار کیا ہے۔
وَيَدْعُ الْاِنْسَانُ بِالشَّرِّ دُعَآءَهٗ	انسان کبھی برائی (خواہش) کو بھی اسی طرح چاہتا ہے
بِالْخَيْرِ ۭ وَكَانَ الْاِنْسَانُ عَجُوْلًا	جس طرح بھلائی کو انسان بڑی جلدی لینا چاہتا ہے
وَجَعَلْنَا الَّيْلَ وَالنَّهَارَ اٰيَتَيْنِ	اور ہم نے دن اور رات کو دو نشانیاں بنایا ہے
فَمَحَوْنَآ اٰيَةَ الَّيْلِ وَجَعَلْنَآ اٰيَةَ	تو رات کی نشانی کو ہم مٹا دیتے ہیں اور دن کی نشانی کو
النَّهَارِ مُبْصِرَةً لِّتَبْتَغُوْا فَضْلًا	روشن کر دیتے ہیں کہ اس روشنی میں اپنے خدا کی
مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ	مہربانی کو ڈھونڈو اور سال کا شمار اور حساب
وَالْحِسَابَ ۭ وَكُلَّ شَيْءٍ فَصَّلْنٰهُ	جانو ہم نے چیز کھول کر بیان کر دی اور انسان کے

وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِيْ
عُنُقِهٖ وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ
كِتٰبًا يَّلْقٰهُ مَنْشُوْرًا ۝ اِقْرَاْ كِتٰبَكَ
كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا
مَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ
لِنَفْسِهٖ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ
عَلَيْهَا وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ
اُخْرٰى وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى
نَبْعَثَ رَسُوْلًا وَاِذَا اَرَدْنَا اَنْ
نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا
فَفَسَقُوْا فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ
فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيْرًا ۝ وَكَمْ
اَهْلَكْنَا مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْ بَعْدِ
نُوْحٍ وَكَفٰى بِرَبِّكَ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ
خَبِيْرًا بَصِيْرًا ۝ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ
الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَآءُ
لِمَنْ نُّرِيْدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ

نیک و بد کو اسی کی گردن میں ڈال دیا ہے،
قیامت کے دن ہم اُس کے اعمالنامہ کو نکالیں گے
جس کو وہ کھلا ہوا پائیگا اور اس وقت ہم اس سے
کہیں گے کہ لو اپنا اعمالنامہ پڑھ لو آج تم ہی
اپنا حساب آپ لو تو جو ہدایت کو قبول کرتا ہے
وہ خود اپنے لئے کرتا ہے اور جو گمراہ ہوتا ہے وہ
اپنے ہی لئے گمراہ ہوتا ہے کوئی کسی دوسرے کے بوجھ کو نہیں اٹھاتا
اور ہم اس وقت تک عذاب نہیں نازل
کرتے جب تک کہ ایک پیغمبر نہ بھیج لیں اور جب
کسی آبادی کو ہلاک کرنا ہوتا ہے تو ہم وہاں
کے دولتمندوں کو حکم دیتے ہیں تو وہ اس میں
فسق و فجور کرتے ہیں تو اس پر قانون (الٰہی) کا
سزا واجب ہو جاتی ہے تو ہم اُس آبادی کو تباہ
و برباد کر دیتے ہیں اور نوح کے بعد سے
ہم کتنی قوموں کو ہلاک کر چکے ہیں تمہارا رب
اپنے بندوں کے گناہوں کی خبر رکھتا ہے، دیکھتا ہے
جو اس دنیا کا نفع (عاجل) چاہتا ہے ہم اس میں

يَصْلٰهَا مَذْمُوْمًا مَّدْحُوْرًا ۝	میں سے جس کے لئے ہم چاہتے ہیں (اسی دنیا کا
مَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا	نفع) عاجل اُس کو دیدیتے ہیں پھر دوزخ کو اس
سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ	کا ٹھکانا بناتے ہیں جس میں وہ ہر طرح بُرا ٹھہر کر
كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا ۝ كُلًّا	اور راندۂ درگاہ بن کر داخل ہوگا اور جو آخرت
نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ مِنْ	کو چاہے گا اور آخرت کیلئے کوشش کریگا اور
عَطَآءِ رَبِّكَ وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ	وہ مومن ہوگا تو اس کی کوشش خدا کے یہاں
مَحْظُوْرًا ۝ اُنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا	مشکور ہوگی، ہم نیک و بد ہر ایک کو تیرے پروردگار
بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَلَلْاٰخِرَةُ	کے عطیہ سے دیتے ہیں، تیرے پروردگار کا عطیہ
اَكْبَرُ دَرَجٰتٍ وَّاَكْبَرُ تَفْضِيْلًا ۝	محدود نہیں ہے دیکھ! ہم نے کیونکر دنیا میں
(بنی اسرائیل - ۲)	ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے لیکن سب سے

ہر بڑا درجہ اور مرتبہ آخرت کا درجہ اور مرتبہ ہے

معراج کے احکام و وصایا یہود اور قریش دونوں کی معزولی کے بعد بیت المقدس اور خانۂ کعبہ دونوں کی تولیت کا منصب عطا کرنے کے لئے شہنشاہِ عالم اپنے بندۂ خاص کو اپنے حضور میں طلب کرتا ہے اور اس روحانی حکومت کے شرائط و احکام کا ایک نسخہ عطا کرتا ہے جیسا کہ اس موقع پر حضرت موسیٰؑ اور دوسرے پیغمبروں کو عطا ہوا تھا،

لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَقْعُدَ	خدا کے ساتھ کسی اور کو خدا نہ بنانا ورنہ تو بُرا
مَذْمُوْمًا مَّخْذُوْلًا ۝ وَقَضٰى رَبُّكَ	ٹھہریگا، اور بے یار و مددگار رہ جائیگا اور تیرے
اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ	پروردگار نے حکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی اور کو نہ پوجو

إِحْسَانًا إِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ	اور ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنا اگر ان میں ایک
أَحَدُهُمَا أَوْ كِلَاهُمَا فَلَا تَقُلْ لَهُمَا	یا دونوں تیرے سامنے بوڑھاپے کو پہنچ جائیں
أُفٍّ وَلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَهُمَا	تو اُن کی بات میں اونہہ تک نہ کرنا اور انہیں
قَوْلًا كَرِيمًا وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ	کورنہ جھڑکنا اُن سے ادب کے ساتھ بات کرنا اور
الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَبِّ	اُن کے سامنے نرم دلی سے اطاعت کا بازو
ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا رَبُّكُمْ	جھکا دینا اور اُن کے حق میں یہ دعا مانگنا کہ
أَعْلَمُ بِمَا فِي نُفُوسِكُمْ إِنْ تَكُونُوا	پروردگار! میرے والدین پر اسی طرح رحم فرما
صَالِحِينَ فَإِنَّهُ كَانَ لِلْأَوَّابِينَ غَفُورًا	جس طرح انہوں نے جب میں چھوٹا تھا مجھ پر
وَآتِ ذَا الْقُرْبَىٰ حَقَّهُ وَالْمِسْكِينَ	رحم کیا تھا، تمہارا پروردگار تمہارے دل کے
وَابْنَ السَّبِيلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيرًا	راز سے خوب واقف ہے، اگر تم نیک ہو تو وہ
إِنَّ الْمُبَذِّرِينَ كَانُوا إِخْوَانَ	تو توبہ کرنے والوں کی بخشش کرنے والا ہے اور قرابت دار
الشَّيَاطِينِ وَكَانَ الشَّيْطَانُ	کو اُس کا حق دو اور غریب مسافر کا حق
لِرَبِّهِ كَفُورًا وَإِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ	بھی دو اور فضول خرچی نہ کیا کرو فضول خرچ
ابْتِغَاءَ رَحْمَةٍ مِنْ رَبِّكَ تَرْجُوهَا	شیطان کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے رب کا
فَقُلْ لَهُمْ قَوْلًا مَيْسُورًا وَلَا	بڑا ہی ناشکر گزار ہے، اگر اپنے پروردگار
تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَىٰ عُنُقِكَ	کے فضل کے انتظار میں جس کی تجھ کو توقع ہو ان
وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ	مستحقین میں سے کسی سے تجھ کو منہ موڑنا پڑے

مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا ۝ اِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ
الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ۚ
اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًۢا بَصِيْرًا
وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ۭ
نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ ۭ اِنَّ
قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا وَلَا
تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً
وَسَاۗءَ سَبِيْلًا ۝ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ
الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ۭ وَمَنْ
قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ
سُلْطٰنًا فَلَا يُسْرِفْ فِّي الْقَتْلِ ۭ
اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا وَلَا تَقْرَبُوْا
مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ
حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۠ وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۚ اِنَّ
الْعَهْدَ كَانَ مَسْـُٔوْلًا ۝ وَاَوْفُوا الْكَيْلَ
اِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ۭ
ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ

تو اُن کو نرمی سے سمجھا دی اور اپنا ہاتھ نہ تو
سکیڑ لے کہ گویا گردن میں بندھا ہوا اور نہ اتنا
پھیلا ہی دے کہ ہر طرف سے تجھ کو لوگ ملامت
کریں اور تو تہی دست ہو جائے تیرا پروردگار جس
کی روزی چاہتا ہے، بڑھا دیتا ہے جس کی
چاہتا ہے کم کر دیتا ہے، وہ اپنے بندوں کے
حال کا دانا اور بینا ہے اور تم افلاس کے ڈر
سے اپنے بچوں کو قتل نہ کرو، ہم ہیں جو اُن کو
اور تم کو روزی پہنچاتے ہیں اُن کا
قتل کرنا درحقیقت بڑا گناہ ہے اور نہ کسی
جان کو جس کا مارنا اللہ نے حرام کیا ہے
مگر حق پر، اور جس شخص کو ظلم سے مارا
جائے تو اس کے وارث کو قصاص کا حق ہم نے
دیا ہے، تو چاہیے کہ وہ اس خون میں زیادتی
نہ کرے کیونکہ اسی میں اس کو جیت بھاوے گی
جب تک اپنی عقل و شعور جوانی کو نہ پہنچ جاوے

عِلْمٌ ط اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَ
وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ
مَسْئُوْلًا ۝ وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ
مَرَحًا اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ
وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا ۝ كُلُّ
ذٰلِكَ كَانَ سَيِّئُهٗ عِنْدَ رَبِّكَ
مَكْرُوْهًا. ذٰلِكَ مِمَّآ اَوْحٰٓى اِلَيْكَ
رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ ط وَلَا تَجْعَلْ
مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتُلْقٰى فِيْ جَهَنَّمَ
مَلُوْمًا مَّدْحُوْرًا ۝

(بنی اسرائیل-۴)

اس کے مال وجائداد کے قریب بھی نہ
جانا لیکن اس طریقہ سے جاسکتے ہو جو اچھا
حق میں بہتر ہو عہد کو پورا کیا کرو کہ اسکی باز پرس
ہوگی، اور جب ناپ کر دو تو پورا ناپ کر دو اور
تول کر دو تو سیدھی ترازو سے تول کر دو یہ
طریقہ اچھا ہے اور اس کا انجام بھی بہتر ہے، اور
جس بات کا تجھ کو علم نہ ہو اس کے پیچھے نہ ہو لے
کیونکہ کان آنکھ دل ہر ایک سے محاسبہ ہوگا
اور زمین میں اکڑ کر نہ چل کہ تو نہ اس چال سے
نہ زمین کو چیر ڈالیگا اور نہ پہاڑوں کے برابر اونچا
ہو جائیگا ان تمام باتوں کی برائی تیرے پروردگار
کے نزدیک ناپسندیدہ ہے یہ تمام احکام دانشمندی
کی ان باتوں میں ہیں جو خدا نے تجھ پر وحی
کی ہیں، اور خدا کے ساتھ کوئی اور معبود نہ بنا
نہ بنائے ورنہ تو ملامتی اور راندہ درگاہ ہو کر

ان احکام کی تفصیل کے بعد آخر میں خدا فرماتا ہے:

ذٰلِكَ مِمَّآ اَوْحٰٓى اِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ — یہ تمام باتیں دانشمندی کی اُن باتوں میں

مِنَ الْحِكْمَةِ (بنی اسرائیل ۴۰) سے ہیں جو خدا نے تم پر وحی کی ہیں،

معراج کے روحانی احوال کی تشریح کے ضمن میں خدا نے جو یہ فرمایا ہے،

فَاَوْحٰى اِلٰى عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰى پھر خدا نے اپنے بندہ کی طرف وحی کی جو کچھ وحی کی

اس اجمال اور ابہام کے اندر جس قدر احکام و شرائع کا حصہ تھا، شاید وہ یہی ہیں جن کی اس مقام پر تفصیل کی گئی ہے؟

ان آیتوں میں جو احکام مذکور ہوئے ہیں، وہ تعداد میں بارہ ہیں اور یہی احکام دوازدہ گانۂ حقیقت و دنیا کے تمام خیر و شر کی بنیاد و اساس ہیں، کوئی اخلاق کی تفصیل یہ دفتر کے دفتر سیاہ کر ڈالے تاہم ان احکام دوازدہ گانہ کے حلقہ سے باہر نہ نکل سکے گا مختصر اور سادہ عبارت میں احکام حسب ذیل ہیں:

۱۔ شرک نہ کر۔ ۶۔ ناحق کسی کی جان نہ مارنا

۲۔ ماں باپ کی عزت و اطاعت کر ۸۔ یتیم سے بہتر سلوک کر

۳۔ حق والوں کا حق ادا کر، ۹۔ اپنا عہد پورا کر کہ تجھ سے اس کی پوچھ ہوگی

۴۔ اسراف نہ کر اور افراط و تفریط کے بیچ میں اعتدال و میانہ روی کی راہ چل، ۱۰۔ ناپ تول میں پیمانہ اور ترازو بھر پور رکھ،

۵۔ اپنی اولاد کو قتل نہ کر ۱۱۔ نامعلوم بات کی پیروی نہ کر،

۷۔ زنا کے قریب نہ جانا ۱۲۔ زمین پر مغرور نہ بن،

یہ وہی احکام عشرہ کا نقش ثانی اور تکملہ ہے، جو حضرت موسیٰ کو کوہ طور کی معراج میں عطا

ہوئے تھے، (توراۃ سفر استثنا ۵-۶)

۱- میرے آگے تیرا کوئی دوسرا خدا نہ ہو۔ ۶- تو زنا نہ کر،

۲- تو خداوند اپنے خدا کا نام بے سبب ۷- تو چوری نہ کر،

نہ لے، (یعنی جھوٹی قسم نہ کھا) ۸- تو اپنے ہمسایہ پر جھوٹی گواہی نہ دے،

۳- سبت کے دن کی یاد کر، ۹- تو اپنے ہمسایہ کی جورو کو مت چاہ،

۴- اپنے باپ اور اپنی ماں کو عزت دے، ۱۰- تو اپنے ہمسایہ کے کسی مال کا لالچ

۵- تو خون مت کر، نہ کر

سورہ کے آخر میں حضرت موسیٰؑ کو جو یہ احکام عشرہ ملے تھے اُن کی طرف اشارہ آ گیا ہے۔

ہجرت اور عذاب

جس طرح اللہ تعالیٰ نے اس عالم مادی میں کچھ طبعی و فطری قوانین مقرر کر دیئے ہیں جن میں عموماً تخلف نہیں ہوا کرتا۔ اسی طرح عالم روحانی میں بھی اُس نے کچھ اصول و ضوابط بنا دیئے ہیں جن کے خلاف نہیں ہوا کرتا۔ منجملہ ان اصول و ضوابط کے ایک یہ ہے کہ جب کسی قوم میں کوئی پیغمبر مبعوث ہوتا ہے، تو ہر طرح اس کو سمجھایا جاتا ہے، تبلیغ کا ہر فرض اس کے سامنے ادا کیا جاتا ہے، شریر قوم معجزات طلب کرتی ہے، بالآخر اس کے سامنے معجزے پیش کئے جاتے ہیں، اور جب اُس پر بھی وہ ایمان نہیں لاتی، تو پیغمبر کو ہجرت کا حکم ہوتا ہے، اور اس کے بعد اُس پر حکمت قوم پر خدا کا عذاب نازل ہوتا ہے، چنانچہ انبیائے کرامؑ کی سیرتوں میں اس اصول کی بہترین تشریح ہیں آج اسی قاعدہ کی تعمیل کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوتا ہے۔ آپ کو معراج کی سب سے بڑی نشانی عطا کی گئی مگر اس کو بھی وہ جھٹلاتے ہیں۔

وَاِنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوْهَا
(دنیا میں نافرمانوں کی) کوئی بستی ایسی نہیں

قَبْلَ يَوْمِ الْقِيَامَةِ اَوْ مُعَذِّبُوْهَا
جس کو ہم قیامت سے پہلے ہلاک نہ کر ڈالیں

عَذَابًا شَدِيْدًا كَانَ ذٰلِكَ فِي
یا اس پر سخت عذاب نہ نازل کریں یہ کتاب

الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا ۝ وَمَا مَنَعَنَآ
میں لکھا ہوا ہے اور ہم کو (فرمائشی) معجزات

اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ اِلَّآ اَنْ كَذَّبَ
کے بھیجنے سے سوا اس کے کوئی امر مانع نہیں ہوا

بِهَا الْاَوَّلُوْنَ ۭ وَاٰتَيْنَا ثَمُوْدَ النَّاقَةَ
کہ اگلوں نے بھی ان نشانیوں کی فرمائش کی اور

مُبْصِرَةً فَظَلَمُوْا بِهَا ۭ وَمَا نُرْسِلُ
جب ہم نے ان کو بھیجا تو انھوں نے جھٹلا دیا

بِالْاٰيٰتِ اِلَّا تَخْوِيْفًا ۝ وَاِذْ قُلْنَا
ہم نے تو ڈرانے کی سوا نشانی نہیں دی

لَكَ اِنَّ رَبَّكَ اَحَاطَ بِالنَّاسِ ۭ
اور جب ہم نے تجھ سے کہا کہ تیرا رب لوگوں کو

وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ
حفاظت کئے ہوئے ہے اور ہم نے (معراج کی جو)

اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ
رویا تجھ کو دکھائی تو وہ لوگوں کے لیے آزمائش ہے

فِي الْقُرْاٰنِ ۭ وَنُخَوِّفُهُمْ ۙ فَمَا يَزِيْدُهُمْ
اور اسی طرح اس درخت کا ذکر جس پر قرآن

اِلَّا طُغْيَانًا كَبِيْرًا ۝
میں لعنت کی گئی ہے وہ بھی لوگوں کے لیے آزمائش

(بنی اسرائیل ۶۰)
ہے اور ہم انکو عذاب سے ڈراتے ہیں لیکن اس

اس لئے حضرت آدمؑ اور شیطان کے قصہ سے اس واقعہ پر استدلال ہے پھر ارشاد ہوتا ہے

وَاِنْ كَادُوْا لَيَفْتِنُوْنَكَ عَنِ الَّذِيْٓ	ہم نے جو تم پر وحی کے ذریعہ سے نازل کیا ہے قریب
اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ لِتَفْتَرِيَ عَلَيْنَا غَيْرَهٗ	تھا کہ لوگ تم کو اس سے آزمائش میں ڈال دیں
وَاِذًا لَّاتَّخَذُوْكَ خَلِيْلًا ۝ وَلَوْلَآ	کہ اس وحی کے علاوہ تم کوئی اور وحی بنا کر ہماری
اَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ	طرف جھوٹ منسوب کرو اور اس وقت وہ
اِلَيْهِمْ شَيْـــًٔا قَلِيْلًا ۝ اِذًا لَّاَذَقْنٰكَ	تم کو اپنا دوست بنا لیتے اور اگر ہم تم کو ثابت
ضِعْفَ الْحَيٰوةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ	قدم نہ رکھتے تو کچھ اُن کی طرف تم جھک چلے
ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيْرًا ۝	تھے اگر تم ایسا کرتے تو ہم تم کو زندگی اور موت
وَاِنْ كَادُوْا لَيَسْتَفِزُّوْنَكَ مِنَ	کے دونا عذاب کا مزہ چکھا دیتے اور پھر تم کو ہمارے
الْاَرْضِ لِيُخْرِجُوْكَ مِنْهَا وَاِذًا	مقابلہ میں اپنے لئے کوئی مددگار بھی نہ ملتا اور وہ
لَّا يَلْبَثُوْنَ خِلٰفَكَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝	تم کو اس سرزمین (مکہ) سے قریب ہے کہ دل برداشتہ
سُنَّةَ مَنْ قَدْ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ	کر دیں تاکہ تم کو یہاں سے نکال دیں اگر ایسا
مِنْ رُّسُلِنَا وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا	ہوا تو پھر وہ تمہارے چلے جانے کے بعد اطمینان
تَحْوِيْلًا ۝	سے بہت کم رہ سکیں گے تم سے پہلے جو رسول
(بنی اسرائیل - ۸)	ہم نے بھیجے ہیں سب کے ساتھ یہی دستور رہا ہے

اس بیان سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ معراج ہجرت سے کچھ ہی پہلے کا واقعہ ہے اور یہ ثابت ہوتا ہے کہ معراج آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے خدا کی وہ نشانی تھی جس کے

نہ تسلیم کرنے پر عذابِ الٰہی کا نزول ہوتا ہے،

نمازِ پنجگانہ کی فرضیت اور پر گذر چکا ہے کہ نمازِ پنجگانہ اسی معراج میں فرض ہوئی ہے ارشاد ہوتا ہے،

اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ	آفتاب کے ڈھلنے کے وقت (ظہر، عصر، مغرب)
اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ اِنَّ	سے لیکر رات کے اندھیرے (عشا) تک
قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا ۝ وَمِنَ	نماز پڑھا کرو اور صبح کی نماز میں حضور قلب
الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ	خوب ہوتا ہے اور رات کے ایک حصہ میں تہجد
عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا	پڑھ لیا کرو یہ تمہارے لئے نفل ہے عجب نہیں
مَّحْمُوْدًا ۝ (بنی اسرائیل - ۹)	کہ تمہارا پروردگار تم کو مقامِ محمود میں پہنچا دے،

لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ (آفتاب کے ڈھلنے کے وقت) میں ظہر، عصر اور مغرب، نماز کے تین اوقات اور ذاتِ متعین کی طرف لطیف اشارہ ہے یہ معلوم ہے کہ دینِ محمدی ملتِ ابراہیمی کا نقشِ ثانی ہے، حضرت ابراہیمؑ کے زمانہ میں آفتاب پرستی اور ستارہ پرستی عام تھی، اور جس کے رسم کہن دنیا میں آج بھی قائم ہے، اس مذہب میں آفتاب کی پرستش کے وہ اوقات تھے جن میں اس کی روشنی کا ظہور یا کمال ہوتا ہے، اور اسی لئے طلوع سے لیکر نصف النہار تک اس کی پرستش کی جاتی ہے اتقتِ ابراہیمی نے اس کے برخلاف اپنے لئے وہ اوقات متعین کئے جو آفتاب کے زوال کے ہیں یعنی سورج ڈھلنے سے لیکر آفتاب کے غروب تک کہ یہ تمام اوقات اس کے انحطاطِ نور اور زوال کے ہیں، آفتاب کے انحطاط اور زوال کی تین منزلیں ہیں ایک وہ جب سمتِ راس (سر) سے وہ ڈھلتا ہے (یہ ظہر کا وقت ہے) اور دوسری منزل وہ ہے

جب وہ برابر کی نگاہ سے نیچے اترتا ہی، یہ عصر کا وقت ہے، اور تیسری منزل وہ ہے، جب وہ سمت افق سے نیچے گر جاتا ہے، اور یہ مغرب کا وقت ہے۔ چوتھی نماز کا وقت رات کی تاریکی کا مقرر کیا ہے، جب آفتاب کے بقیہ وجود کی سُرخ نشانی جس کو عرف عام میں شفق کہتے ہیں، وہ بھی مٹ جاتی ہے، اور صبح کی نماز وادبار النجوم یعنی ستاروں کی روشنی کے ماند ہونے کے بعد ہے۔ غرض آیاتِ بالا میں پنجگانہ نماز کی فرضیت نہایت لطیف اور خوبی[1] سے ادا کی گئی ہی۔

ہجرت کی دعا اس کے بعد ہجرت کے لئے دعا بتائی جاتی[2]، اور اس کے بعد فتح مکہ کی فوراً بشارت بھی سنائی جاتی ہے کہ نماز کے ساتھ قبلہ کا فوراً خیال آتا ہے، جہاں اس وقت تین سو ساٹھ بت پوجے جا رہے تھے۔

وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ	اے پیغمبر یہ دعا مانگو کہ خداوندا! مجھے
صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ	اچھی جگہ پہونچائیو، اور (مکہ) سے اچھی طرح
وَّاجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا	نکالیو، اور دشمنوں پر اپنی طرف سے فتح و
نَّصِیْرًا ۝ وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ	نصرت دیجیو، اور اے پیغمبر اعلان کر دے کہ
الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا	حق آگیا اور باطل مٹ گیا، باطل کو مٹ
(بنی اسرائیل - ۹)	ہی جانا تھا،

یہ آخری الفاظ اسلام کے ایک نئے دور کی بشارت اور فتح مکہ کی دید ہیں، اس سے

---

[1] یہ نکتہ مخدومی مولانا حمید الدین صاحب مفسر تفسیر نظام القرآن کا افادہ ہے [2] صحیح بخاری و مستدرک حاکم کتاب الہجرۃ (صحیح ترمذی تفسیر سورۂ مذکور) و مسند احمد عن ابن عباسؓ۔

فتح مکہ کے دن جب خلیلِ بُت شکن کا گھر بتوں سے پاک کیا جا رہا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک پر یہی آیت جاری تھی[1]

نبوت، قرآن، قیامت، معراج اور معجزات پر اعتراض

کفارِ مکہ کو ان مسائل پر جو معاذ اللہ اعتراضات تھے اس موقع پر جب پیغمبر کی ہجرت اور اُن کے لئے عذابِ الٰہی کے نزول کا وقت قریب آ رہا ہے، اُن کے جوابات دیئے جا رہے ہیں کہ اب بھی اُن کی تشفی ہو جائے تو یہ بلائے آسمانی جو پیغمبر کے ہجرت کرتے ہی ان پر نازل ہونا شروع ہو جائے گی وہ رُک جائے

وَاِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ	(یہ کفارِ قریش اپنے مال اور دولت پر
وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ كَانَ	بھولے ہوئے ہیں) انسان کا حال یہ ہے کہ جب ہم
يَئُوْسًا ۝ قُلْ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى	اس پر انعام کرتے ہیں تو اللہ ہم سے منہ پھیر
شَاكِلَتِهٖ ۚ فَرَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَنْ	لیتا ہے اور پہلو تہی کرتا ہے اور جب اسکو کوئی تکلیف
هُوَ اَهْدٰى سَبِيْلًا ۝ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ	پہونچتی ہے تو اس تڑھ بیٹھتا ہے اور پیغمبر ان
عَنِ الرُّوْحِ ۭ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ	سے کہدو کہ اپنے اپنے طور پر عمل کئے جاؤ
رَبِّيْ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا	تمہارا پروردگار اُسی کو خوب جانتا ہے جسے
قَلِيْلًا ۝ وَلَىِٕنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ	سیدھے راستہ پر لیجانا ہے تم سے روح کے
بِالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ ثُمَّ لَا	بارے میں پوچھتے ہیں تو کہدو کہ روح
تَجِدُ لَكَ بِهٖ عَلَيْنَا وَكِيْلًا ۝ اِلَّا	میرے پروردگار کی ایک بات ہے

[1] صحیح بخاری باب فتح مکہ و تفسیر آیت مذکورہ

رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ اِنَّ فَضْلَهٗ — تم کو علم نہیں دیا گیا ہے لیکن بہت تھوڑا (اسی
كَانَ عَلَيْكَ كَبِيْرًا ۝ قُلْ لَّئِنِ — وحی کے معجزہ صداقت کے لئے یہ بات کیا کم
اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى — جبکہ باوجود اُمّی ہونے کے وہ لفظ بہ لفظ تم
اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ — کو یاد ہے اگر ہم چاہیں تو جو کچھ ہم نے تم پر وحی
لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ — کی وہ سب تمہارے سینہ سے لیجائیں پھر تم کو
لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ۝ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا — اُس کیلئے ہمارے مقابل کوئی حمایتی بھی نہ
لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ — لیکن یہ تیرے پروردگار کی رحمت ہے (کہ اس کا
مَثَلٍ فَاَبٰٓى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا — نقش نقش تم کو محفوظ ہے) بیشک اسکی تم پر بڑی
كُفُوْرًا ۝ وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ — مہربانی ہے (ان شک کرنے والوں سے)
حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا — کہدو کہ اگر تمام انس و جن بھی اکٹھے ہو کر بھی
اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ — کہ اس قرآن کی طرح کا کوئی اور کلام
نَّخِيْلٍ وَّعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ — بنا لائیں تو یہ ناممکن ہے اگرچہ وہ ایک دوسرے
خِلٰلَهَا تَفْجِيْرًا ۝ اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ — کی پشتی پر کیوں نہ ہوں باوجودیکہ ہم نے اس
كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا — قرآن میں لوگوں کے سمجھنے کیلئے ہر قسم کی مثالیں
اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ — طرح طرح سے بدل کر بیان کیں مگر اکثر لوگ
قَبِيْلًا ۝ اَوْ يَكُوْنَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ — انکار کئے بغیر نہ رہے اور یہ کفار مکہ کہتے ہیں کہ ہم
زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰى فِي السَّمَآءِ ۭ وَلَنْ — تو اس وقت تک تم پر ایمان نہ لائیں گے جب تک

نُؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا
كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ
هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا
وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ
جَآءَهُمُ الْهُدٰٓى اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا
اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا قُلْ
لَّوْ كَانَ فِي الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ
يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ
مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا قُلْ كَفٰى
بِاللّٰهِ شَهِيْدًا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ
اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًا بَصِيْرًا
وَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ
وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ
اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِهٖ وَنَحْشُرُهُمْ
يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ عُمْيًا
وَّبُكْمًا وَّصُمًّا اَوْ هُمْ جَهَنَّمُ
كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنٰهُمْ سَعِيْرًا

تم ہمارے لئے زمین سے کوئی چشمہ نہ بہا دو یا کھجوروں
اور انگوروں کا ایک باغ تمہارے لئے ہو جائے
اور تم اس میں نہریں بہا دو یا یہ کہ جیسا تم کہتے
ہو کہ ہم ایمان نہ لائیں گے تو ہم پر آسمان ٹوٹ
پڑیگا تو ہم پر آسمان کے ٹکڑے لا گراؤ یا خدا اور فرشتوں
کو ہمارے سامنے کھڑا کر دو یا یہ کہ تمہارے
رہنے کے لئے ایک سونے کا گھر بن جائے یا آسمان
پر چڑھ جاؤ اور ہاں تمہارے آسمان پر چڑھنے
کو بھی ہم اس وقت تک باور نہیں کریں گے
جبتک ہاں ہم پر کوئی ایسی کتاب اتار نہ لاؤ جسکو
ہم کو پڑھیں کہدو اے پیغمبر سبحان اللہ! میں تو
خدا کا ایک قاصد بندہ ہوں ہدایت آجانے
کے بعد لوگوں کو اس کے قبول سے بجز اس کے کوئی
امر مانع نہیں کہ وہ کہتے ہیں کہ خدا نے ایک بشر
کو اپنا قاصد بنایا ہے کہدو کہ اگر زمین پر فرشتے
بستے ہوتے تو البتہ ہم آسمان سے کسی فرشتہ ہی کو
ان کے پاس قاصد بنا کر بھیجتے کہدو کہ اب دلیلوں

ذَالِكَ جَزَآؤُهُمْ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا
بِاٰيٰتِنَا وَقَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا
وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا
جَدِيْدًا ۝ وَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ
الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ
قَادِرٌ عَلٰٓى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ وَ
جَعَلَ لَهُمْ اَجَلًا لَّا رَيْبَ فِيْهِ
فَاَبَى الظّٰلِمُوْنَ اِلَّا كُفُوْرًا ۝
قُلْ لَّوْ اَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ خَزَآئِنَ
رَحْمَةِ رَبِّيْٓ اِذًا لَّاَمْسَكْتُمْ
خَشْيَةَ الْاِنْفَاقِ وَكَانَ
الْاِنْسَانُ قَتُوْرًا ۝

(بنی اسرائیل ۔ ۵)

حجتوں کا وقت گذر گیا اب میرے اور تمہارے درمیان
فیصلہ کے لئے خدا بس ہے وہ اپنے بندوں کے حال کا
دانا اور بینا ہے جس کو وہ راست دکھائے وہی راہ
راست پر ہے اور جنکو وہ گمراہ کرے تو اسکے سوا انکا
کوئی یار و مددگار نہیں پھر ہم انہیں قیامت کے دن اوندھے
منہ اندھے اور بہرے کرکے اٹھائینگے اگر وہ اس دنیا میں
حق کے دیکھنے اور سننے سے اندھے اور بہرے تھے اور
انکا ٹھکانا دوزخ ہوگا جب وہ بجھنے کو ہوگی تو ہم
پھر اسکو بھڑکا دینگے یہ ہماری نشانیوں کے انکار
کا بدلہ ہوگا اور وہ کہتے ہیں کہ کیا جب ہم مرکر ہڈیاں
اور ریزہ ریزہ ہو جائینگے تو کیا ہم پھر از سر نو پیدا
پیدا کرکے اٹھائے جائینگے یہ ممکن ہے کیا وہ نہیں سمجھتے
کہ وہ خدا جس نے آسمان و زمین کو پیدا کیا وہ بیشک
اس پر قادر ہے کہ وہ ان جیسے آدمی پھر پیدا کرے
اور اس نے ان کیلئے ایک میعاد مقرر کر رکھی ہے جس میں
کوئی شک نہیں لیکن یہ ظالم انکار کئے بدون نہ رہے
اگر پیغمبر یہ کفار مکہ میں حسد سے تم پر ایمان نہیں لائے

ان آیتوں میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آسمان پر تشریف لیجانے پر بھی یقین نہیں رکھتے ہیں یعنی واقعہ معراج کو تسلیم نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ اس واقعہ کو ہم اس وقت تک تسلیم نہیں کریں گے جب تک آپ ہمارے سامنے آسمان پر نہ چڑھ جائیں، اور وہاں سے پورا قرآن مکمل لکھا ہوا لاکر ہمارے ہاتھ میں نہ دیدیں۔

حضرت موسیٰؑ کے واقعات اور حالات سے استشہاد

حضرت موسیٰ اور آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے واقعاتِ زندگی میں متعدد حیثیتوں سے مماثلت ہے، اور خود قرآن مجید نے اس مماثلت کو ظاہر کر دیا ہے۔

اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا۔ (مزمل - ۱)	(لوگو!) ہم نے جس طرح فرعون کی طرف ایک رسول بھیجا تھا اسی طرح تمہاری طرف بھی ایک رسول بھیجا ہے جو تم پر گواہ ہے

اسی سبب سے قرآن مجید میں بار بار حضرت موسیٰؑ کے قصہ کو دہرایا گیا ہے جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے دشمنوں کے اندر زندگی بسر کی، یہی حال آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کا تھا جس طرح حضرت موسیٰؑ نے فرعون اور اس کے اہلِ دربار کو ہر طرح سمجھایا مگر وہ ایمان نہ لائے، بالآخر حضرت موسیٰؑ کو بنی اسرائیل کو لے کر مصر سے ہجرت کرنا پڑی، اسی طرح معاند مدبر قریش بھی آپؐ پر ایمان نہ لائے، اور بالآخر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو لیکر مکہ سے ہجرت فرمائی، جس طرح ہجرت سے کچھ پہلے موسیٰ علیہ السلام کو کوہِ طور پر خدا کی ہم کلامی نصیب ہوئی اور احکامِ عشرہ عطا ہوئے، اسی طرح آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کو بھی ہجرت سے تقریباً ایک سال پہلے معراج ہوئی

اور احکام دوازدہ گانہ عطا ہوئے جس طرح حضرت موسیٰؑ کی ہجرت کے بعد فرعونیوں پر بحر احمر کی سطح پر عذاب نازل ہوا اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے بعد صنادید قریش پر بدر کے میدان میں عذاب آیا اور جس طرح اس کے بعد فرعون کی شامی مملکت پر بنی اسرائیل قابض ہو گئے اسی طرح مکہ معظمہ کی حکومت بھی ہجرت کے بعد آپ کو عطا کی گئی،

ان امور کو پیش نظر رکھکر کفار قریش کو معلوم ہونا چاہئے کہ قانون الٰہی معراج کے بعد ہجرت کا حکم دیگا اور اس کے بعد ان پر عذاب الیم کا نزول ہوگا، چنانچہ سورۂ اسرار کے آخر میں ارشاد ہوتا ہے

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى تِسْعَ اٰيٰتٍۭ	اور ہم نے اگرچہ طور پر موسیٰ کو[1] کھلے احکام دیئے
بَيِّنٰتٍ فَسْـَٔلْ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اِذْ	(جس طرح محمد کو معراج میں عطا کئے) تو پوچھ
جَاۗءَهُمْ فَقَالَ لَهٗ فِرْعَوْنُ اِنِّىْ	تو بنی اسرائیل سے کہ جب موسیٰ بنی اسرائیل کے
لَاَظُنُّكَ يٰمُوْسٰى مَسْحُوْرًا قَالَ	پاس آیا، تو فرعون نے اس سے کہا کہ اے موسیٰ
لَقَدْ عَلِمْتَ مَآ اَنْزَلَ هٰٓؤُلَاۗءِ اِلَّا	میں سمجھتا ہوں کہ تم پر کسی نے جادو کر کے
رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بَصَاۗىِٕرَ	تمہاری عقل کھو دی ہے، موسیٰ نے کہا اے فرعون
وَاِنِّىْ لَاَظُنُّكَ يٰفِرْعَوْنُ مَثْبُوْرًا	تجھکو اچھی طرح معلوم ہے کہ ان حکموں کو آسمان
فَاَرَادَ اَنْ يَّسْتَفِزَّهُمْ مِّنَ	اور زمین کے مالک کے سوا کسی اور نے اتارا ہے
الْاَرْضِ فَاَغْرَقْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ	بنا کر نہیں بھیجا اور اے فرعون میں سمجھتا ہوں کہ
جَمِيْعًا وَّقُلْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ لِبَنِيْٓ	تم اب ہلاک اور برباد ہو جاؤ گے فرعون نے چاہا کہ

[1] سبت کا حکم خاص یہود کے لئے تھا، اس لئے شکار میں اس کو چھیڑ دیا گیا ہو جیسا کہ آئندہ حدیث سے معلوم ہوگا،

اِسْكُنُوا الْاَرْضَ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ جِئْنَا بِكُمْ لَفِيْفًا ۝ (بنی اسرائیل ۱۲)	بنی اسرائیل کو ملک اگھیڑ دی تو ہم نے اسکو اور اسکے ساتھیوں کو سب کو غرق دیا اور اس کے بعد ہم نے بنی اسرائیل سے کہا کہ اب تم ملک میں رہو جب قیامت کا وعدہ پورا ہوگا تو سب کو

ان آیتوں کے آغاز میں جن نو نشانیوں کے دیئے جانے کا حکم ہے بعض مفسرین نے اس سے حضرت موسیٰ کے نو معجزات مراد لئے ہیں، مگر بعض احادیث میں مذکور ہے کہ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے سامنے سے دو یہودی گذرے، ایک نے دوسرے سے کہا کہ چلو اس پیغمبر سے کچھ سوال کریں دوسرے نے کہا کہ پیغمبر نہ کہو سن لیگا تو اسکی چار آنکھیں ہو جائیں گی (یعنی خوش ہوگا) اس کے بعد وہ آپ کی خدمت میں آئے، اور دریافت کیا کہ موسیٰ کو آیتیں کونسی دی تھیں آپ نے فرمایا "وہ یہ ہیں کسی کو خدا کا شریک نہ بناؤ، زنا نہ کرو، کسی بے گناہ کو قتل نہ کرو، چوری نہ کرو، جادو نہ کرو، کسی حاکم کے پاس سے جرم کی جھوٹی نہ لگاؤ، سود نہ کھاؤ، پاکدامن پر تہمت نہ لگاؤ، اور میدان جہاد سے نہ بھاگو (اس نویں حکم میں راوی کو شک ہے) اور خاص تمہارے لئے اے یہود یہ دسواں حکم ہے کہ سبت کے دن زیادتی نہ کرو" یہ سن کر دونوں یہودیوں نے آپ کے دست و پا کو بوسہ دیا۔

یہ حدیث جامع ترمذی، مسند احمد، نسائی، ابن ماجہ، ابن جریر میں ہے، امام ترمذی نے اس حدیث کو دو جگہ نقل کیا ہے ایک تفسیر بنی اسرائیل میں اور دوسرے کتاب ما جاء فی تعلیم الیہود میں، اور دونوں جگہ کہا ہے کہ "حدیث حسن صحیح"

اس حدیث میں جن دس احکام کی تفصیل ہے اور موجودہ ترجمۂ توراۃ میں یہ احکام جن الفاظ میں مذکور ہیں اُن میں کسی قدر فرق ہے، خصوصاً حدیث کا نوان حکم جس کے متعلق شعبہ راوی خود اقرار کرتے ہیں کہ اس کو یہ نوین بات اچھی طرح یاد نہیں، یہ نوان حکم دراصل مان باپ کی اطاعت اور عزت ہے، باقی احکام وہی ہیں، جو تورات میں مذکور ہیں۔ صرف طریقۂ ادا اور تعبیر کا فرق ہے، تورات کے موجودہ تراجم لفظی توہین نہیں اعلاوہ ازیں اس حدیث کے ایک راوی عبداللہ ابن سلمہ کا حافظہ اچھا نہ تھا، ابن کثیر نے اس آیت کی تفسیر میں اس کی تصریح کی ہے بہرحال اس تشریح سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ کے ان احکام عشرہ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام دوازدہ گانہ میں ایک وجہ حالت ہے، اس لئے ان دونوں کے منکروں کا ایک ہی حال ہوگا۔

معراج کے انعامات ان احکام، بشارت، اور نماز پنجگانہ کے علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دو اور خاص عطیے عنایت ہوئے، ایک یہ بشارت کہ امت محمدیہ میں سے جو شخص شرک کا مرتکب نہ ہوگا، دامن مغفرت کے سایہ میں اس کو پناہ مل سکے گی، دوسرے سورۂ بقرہ کا اختتامی رکوع اسی بارگاہ میں فرمان خاص کے طور پر مرحمت ہوا[1]، اس رکوع میں سب سے پہلی مرتبہ ایمان کی تکمیل کے اصول اور عفو و مغفرت کے سبق انسانوں کو سکھائے گئے ہیں، اسی سے یہ بھی معلوم ہوگا کہ پہلے عطیہ کی بشارت بھی درحقیقت انہی آیات میں مذکور ہے۔

[1] صحیح مسلم باب لاسراء اس روایت میں یہ ہے کہ سورۂ بقرہ کے خاتمہ کی آیتیں مرحمت ہوئیں، یہ تفصیل نہیں کہ وہ کس قدر آیتیں ہیں، لیکن حدیث کی دوسری کتابوں میں جن خواتم سورہ بقرہ کی فضیلت آئی ہے وہی ہیں۔

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ	پیغمبر اُس پر ایمان لایا، جو اُس پر اُترا اور
مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ كُلٌّ	تمام مسلمان بھی اُس پر ایمان لائے یہ سب کے سب خدا
اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ	پر، اسکے فرشتوں پر، اسکی کتابوں پر اور اسکے
وَرُسُلِهٖ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ	پیغمبروں پر ایمان لائے اور کہتے ہیں کہ ہم خدا کے
مِّنْ رُّسُلِهٖ ۚ وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَ	پیغمبروں میں تفریق نہیں کرتے کہ بعض کو مانیں
اَطَعْنَا ۖ غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ	اور بعض کو نہ مانیں اور کہتے ہیں کہ ہم نے خدا کے حکم
الْمَصِيْرُ ۝ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا	کو سُنا اور مانا ہمکو اطاعت کی تو اے ہمارے پروردگار
اِلَّا وُسْعَهَا ۭ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَ	ہم تجھ سے بخشش فرما اور تیری ہی طرف آخر لوٹکر
عَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ۭ رَبَّنَا لَا	جانا ہے خدا کسی شخص پر اسکی طاقت سے زیادہ
تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ	بوجھ نہیں ڈالتا جس نے اچھے کام کئے تو اسی کے
اَخْطَاْنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ	ہی لئے گئے اور برے کام کئے تو اس کا نقصان
اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَي الَّذِيْنَ	بھی وہی اٹھائیگا اے ہمارے پروردگار اگر ہم بھول
مِنْ قَبْلِنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا	جائیں یا چوک جائیں تو اس کی باز پرس ہم سے نہ کر
مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ۚ وَاعْفُ عَنَّا	اے ہمارے پروردگار اور ہم پر اس طرح کا بوجھ نہ ڈال
وَاغْفِرْ لَنَا ۙ وَارْحَمْنَا ۙ اَنْتَ مَوْلٰىنَا	جس طرح ہم سے پہلوں پر ڈالا اے ہمارے پروردگار
فَانْصُرْنَا عَلَي الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ	اور اتنا بوجھ جسکے اٹھانے کی ہم میں طاقت نہیں ہم سے
(بقرہ ۴۰-۲۸۶)	درگذر اور ہمارے قصور معاف کر اور ہمکو بخش دے

معراج کا پہلا اسرار منظر سورۂ اسرا کے آغاز میں اللہ تعالیٰ نے معراج کے روحانی مناظر کا بیان صرف دو لفظوں میں ختم کر دیا ہے

لِنُرِيَهٗ مِنْ اٰيٰتِنَا — ہم نے اپنے بندہ کو یہ سیر اس لیے کرائی کہ ہم اپنی کچھ نشانیاں اسکو دکھائیں۔ (اسراء)

"نشانیاں" کیا تھیں؟ کیا ان کی تفصیل کے لیے عاجز و درماندہ انسان کی زبان میں کچھ الفاظ ہیں؟ ہاں ہیں، مگر ناتمام۔ ہماری فہم، ہمارا علم، ہمارا خیال، ہمارا قیاس، غرض جو کچھ ہمارے پاس ہے اس کا دائرہ ہمارے محسوسات اور ہمارے معقولات سے آگے نہیں بڑھ سکتا۔ اور ہمارے ذخیرۂ لغت میں صرف ان ہی کے لیے کچھ الفاظ ہیں۔ اس بنا پر وہ معانی جو نہ عالم محسوساتِ انسانی کی حدود میں داخل ہیں اور نہ تعقل و تصور کے احاطہ کے اندر ہیں، وہ الفاظ و کلمات میں کیونکر سما سکتے ہیں، اور اگر اللہ تعالیٰ اپنے کمالِ قدرت سے ان کو حروف و کلمات کا جامہ پہنا بھی دے تو دماغِ انسانی ان کے فہم و تحمل کی قدرت کہاں سے لائے گا؟

وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا (اسراء) اور انسان کو علم کا بہت تھوڑا سا حصہ عطا کیا گیا ہے

اسی لیے سورۂ والنجم میں جہاں ان اسرار کے چہرہ سے کچھ پردہ ہٹایا گیا ہے، ایسی تفصیل ہے جو تمام تر اجمال ہے، اور ایسی توضیح ہے جو سراپا ابہام ہے، وہ دو لفظ کے فقرے ہیں ضمیریں محذوف ہیں، فاعل کا ذکر ہے تو مفعول کا نہیں، مفعول بیان ہوا ہے تو فاعل نہیں، متعلقاتِ فعل کی تشریح نہیں، ضمائر کے مرجعوں کی تعیین نہیں۔ کیوں؟ اس لیے کہ اس مقام کا مقتضا یہی ہے، ع

عبارت از سخندان ہم نہ گنجد

وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰی ۝ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ
قسم ہے ستارہ کی جب وہ گرے کہ تمہارا رفیق (محمد)

وَمَا غَوٰی ۝ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی ۝
نہ تو بھٹکا ہے اور نہ بہکا ہے اور نہ وہ یہ باتیں اپنے دل سے

اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ يُّوْحٰی ۝ عَلَّمَهٗ
بنا کر کہتا ہے، بلکہ وہ تو وہی ہے جو اسکو بتایا جاتا ہے

شَدِيْدُ الْقُوٰی ۝ ذُوْ مِرَّةٍ فَاسْتَوٰی
اسکو تو بڑی طاقتوں والا اور بڑی عقل والا تعلیم دیتا

وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰی ۝ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی
ہے، وہ آسمان کے اونچے کنارے پر سیدھا ہو کر

فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰی ۝
نمودار ہوا، پھر قریب آیا اور جھکا تو دو کمانوں کے

فَاَوْحٰۤی اِلٰی عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰی ۝ مَا
فاصلہ رہ گیا، اس سے بھی کم، پھر اس کے بندے سے

كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰی ۝ اَفَتُمٰرُوْنَهٗ
جو باتیں کیں، دل نے جو دیکھا اس نے جھوٹ

عَلٰی مَا يَرٰی ۝ وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً
نہیں بیان کیا، اے لوگو! کیا وہ جو دیکھتا ہے اس پر

اُخْرٰی ۝ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰی ۝
تم اس سے جھگڑا اور مناظرہ کرتے ہو، اس نے یقیناً

عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰی ۝ اِذْ يَغْشَی
دوبارہ اسکو اترتے دیکھا، انتہا کے درخت کے پاس

السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰی ۝ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا
جس کے قریب (نیک بندوں کے) رہنے کی بہشت ہے،

طَغٰی ۝ لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ
جب بیری کے درخت پر چھا رہا تھا جو چھا رہا تھا،

الْكُبْرٰی (سورہ والنجم ۱)
نہ نظر بہکی نہ چوکی، اس نے یقیناً اپنے پروردگار کی بڑی

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب معراج کے روحانی مشاہدات و مناظر اور ملکوتی آیات و مظاہر کا قریش سے تذکرہ کیا تو انھوں نے کہا کہ یہ راہ حق سے ویدہ و دانستہ (غوایت) یا نادانستہ (ضلالت) بھٹک گیا ہے، یا اپنے دل سے بنا کر یہ جھوٹی باتیں بیان کرتا ہے، یہ انھوں نے

کیوں کہا؟ اس لیے کہا کہ روحانی جلووں کے دیکھنے کی اُن کے پاس آنکھیں نہ تھیں، صورت سرمدی کے سننے کی اُن کے کانوں میں طاقت نہ تھی۔ اسرارِ ملکوتی کے سمجھنے کے لیے اُن کے سینوں میں دل نہ تھے۔ خدا نے کہا یہ جو کچھ تھا، اور جو کچھ معلوم ہوا۔ یہ بڑی طاقت و قدرت اور علم و عقل والی ہستی کی جلوہ انگیزیاں تھیں، وہ کبھی اتنا دور تھا کہ آسمان کے کناروں میں نظر آیا۔ اور کبھی اتنا قریب کہ وہ کمانوں کے فاصلہ سے بھی قریب تر تھا، کون جھکا؟ کون قریب آیا؟ کون وہ کمانوں کے فاصلہ تک آکر رہ گیا؟ کیا خدا؟ نہیں! کیا جلوۂ خدا؟ شاید۔ کس نے باتیں کیں؟ معلوم نہیں، کیا باتیں کیں؟ بتائیں نہیں۔ سدرۃ المنتہیٰ کیا ہے؟ انسانی فہم و ادراک کی اخیر سرحد پر ایک درخت[1]! کیا اس کو شئون و صفاتِ الٰہی کی نیرنگی نے ڈھانک لیا[2]؟ کیا انسانی فہم و ادراک کی اخیر سرحد کا درخت صرف شئون و صفات کی نیرنگی کا مظہر ہے؟ کیا یہاں پہنچکر کون و مکان اور وجوب و امکان کا عقدۂ مشکل حل ہو گیا؟ کیا دل بھی دیکھتا ہے؟ حضورؐ نے دل کی آنکھوں سے کیا دیکھا؟ دیدۂ چشم سے کیا نظر آیا؟ آپؐ کو اس سفر میں آیاتِ ربانی دکھائی گئیں۔ مگر یہ مشاہدۂ قلب تھا، یا معائنۂ چشم؟ ع

"رازِ ایں پردہ نہاں است و نہاں خواہد بود"

---

[1] اکابر تابعین سے یہی روایت طبری نے اس آیت کی تفسیر میں نقل کی ہے [2] بخاری شریف میں ہے

غشیھا من امر اللہ ما غشی یعنی جلوۂ الٰہی اس پر چھا گیا۔ ۱۲

شقِّ صدر یا شرحِ صدر

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ

"کیا اے پیغمبر! ہم نے تیرے سینہ کو کھول نہیں دیا"

منجملہ نبوت کے اُن خصائص کے جو ایک پیغمبر کو عطا ہوتے ہیں شقِّ صدر یا شرحِ صدر بھی ہے چنانچہ یہ رتبہ خاص بارگاہ الٰہی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مرحمت ہوا شقِّ صدر سے مراد یہ ہے کہ سینۂ مبارک کو چاک کرکے اس کو بشری آلودگیوں سے پاک و ایمان و حکمت کے نور سے منور کیا گیا بعض روایتیں ایسی بھی ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ معراج سے پہلے بھی یہ کیفیت آپ پر گذری تھی۔ ان روایتوں میں بعض جزئیات کی تفصیل اور وقت کی تعیین میں اختلافات ہیں۔ چنانچہ تمام روایتوں کے جمع کرنے سے پانچ مختلف اوقات میں آپ پر اس کیفیت کا گذرنا ظاہر ہوتا ہے۔ ایک جب آپ چار یا پانچ سال کے تھے، اور حضرت حلیمہؓ کے ہاں پرورش پا رہے تھے، دوسرے جب عمر شریف دس برس کی تھی، تیسرے جب آپ بیس برس کی عمر کو پہنچے، چوتھے جب حضرت جبرئیلؑ سب سے پہلی دفعہ وحی لیکر آئے، پانچویں معراج کے موقع پر۔

یہ مسئلہ کہ شقِّ صدر واقع ہوا تمام صحیح روایتوں سے ثابت ہے اور اس کے متعلق کسی شک شبہ کی گنجائش نہیں۔ البتہ وقت کی تعیین اور بعض جزئیات کی تفصیل میں

روایتیں مختلف ہیں، تیسری دفعہ کی روایت جس میں بیس برس کی عمر میں اس کیفیت کا گذرنا بیان کیا گیا ہے، محدثین[1] بلکہ خود اربابِ سیر[2] کے نزدیک قطعاً غیر ثابت ہے، باقی چار موقعوں کو حافظ ابن حجر وغیرہ نے جو ہر اختلافِ روایت کو ایک نیا واقعہ تسلیم کر کے مختلف روایتوں میں توفیق اور تطبیق کی کوشش کرتے ہیں تسلیم کیا ہے، امام سہیلی روض الانف میں صرف دو موقعوں کی روایت کو صحیح سمجھتے ہیں، ایک دفعہ صغر سنی میں اور دوسری دفعہ معراج میں، اور اس کی مصلحت یہ بتائی ہے کہ صغر سنی میں اس لیے یہ ہوا کہ بچپن ہی سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قلبِ مبارک سے نائم کے حصہ کو نکال دیا جائے، اور معراج کے وقت تو ظاہر ہے اس لیے تاکہ حضور ربانی کے موقع پر حکم صلوٰۃ کا جو طہارتِ محض ہے تحمل کیا جائے، اور ملائکہ الٰہی کی امامت نماز میں فرما سکیں (ص ۱۱۰ مصر) لیکن یہ بات ہر شخص کو کھٹک سکتی ہے کہ سینۂ مبارک کا آلودگیوں سے پاک و صاف ہو کر منور ہو جانا ایک ہی دفعہ میں ہو سکتا ہے اور وہ ایک دفعہ پاک و منور ہو کر پھر دوبارہ پاکی و طہارت کا محتاج نہیں ہو سکتا، اس بنا پر بعض محدثین جیسے قاضی عیاض وغیرہ اس کو ایک ہی دفعہ کا واقعہ سمجھتے ہیں، اور وہ صغر سنی میں جب آپ حضرت حلیمہؓ کے یہاں پرورش پا رہے تھے، اور معراج کے موقع پر شقِ صدر کے واقعہ کو راویوں کا سہو جانتے ہیں[3]، لیکن یہ پوشیدہ نہیں کہ واقعہ

---

[1] فتح الباری ج ۱ ص ۹۰ مصر [2] زرقانی بر مواہب ج ۱ ص ۱۸۰ [3] فتح الباری کتاب الصلوٰۃ باب کیف فرضت الصلوٰۃ فی الاسراء ج ۱ ص ۳۸۹ و کتاب التوحید ج ۳ ص ۴۰۰ باب ما جاء فی قولہ عز وجل وکلم اللہ موسیٰ تکلیماً روض الانف سہیلی ص ۱۱۰ مصر، زرقانی بر مواہب ج ۱ ص ۱۷۹، قاضی عیاض شفا میں لکھتے ہیں: وقد خلط فیہ غیرہ لاسیما من روایۃ شریک بن ابی نمر فقد ذکر فی اولہ مجیٔ الملک لہ وشق صدرہ وغسل بماء زمزم وھذا انما کان وھو صبی وقبل الوحی (نسیم الریاض شرح شفا قاضی عیاض ج ۲ ص ۱۲۶۵)

شق صدر کی روایت جن طریقوں کے ساتھ آئی ہے، ان میں سب سے صحیح، سب سے مستند اور معتبر طریقہ وہی ہے جس میں اس کا شبِ معراج میں ہونا بیان ہوا ہے، اس لیے اس موقع کو راویوں کا سہو قرار دینا اور بچپن میں اس کا ہونا تسلیم کرنا اصول روایت سے صحیح نہیں

شق صدر کی ضعیف روایتیں

اصل یہ ہے کہ شق صدر کے وقت یا اوقات کی تعیین اور اس کا کئی اور بار بار پیش آنا صرف مختلف روایات کے پیش کر دینے سے نہیں ہو سکتا، جیسا کہ حافظ ابن حجر نے کیا ہے، اور قسطلانی اور زرقانی نے اس کی تقلید کی ہے، بلکہ ضرورت ہے کہ ان روایات کے سلسلۂ سند پر بھی بحث اور راویوں کی قوت و ضعف کی بھی تنقید کی جائے دس برس کے سن میں شق صدر والی روایت جس میں یہ تصریح ہے کہ سب سے پہلی دفعہ آپ پر نبوت کی یہ علامت طاری ہوئی، حسب ذیل ہے:

حضرت ابو ہریرہؓ آپ سے نبوت کا ابتدائی نشان پوچھتے ہیں، آپ فرماتے ہیں: میں دس برس کا تھا کہ میدان میں دو آدمی میرے سر پر آئے، ایک نے کہا یہ وہی ہیں، دوسرے نے کہا ہاں: پھر دونوں نے پیٹھ کے بل مجھے پچھاڑا، اور میرے پیٹ کو پھاڑا، ایک سونے کے طشت میں پانی لاتا رہا، اور دوسرا پیٹ کو دھوتا رہا، پھر ایک نے کہا سینہ کو چاک کرو، تو ناگاہ دیکھتا ہوں کہ سینہ چاک ہے، اور کچھ تکلیف نہیں معلوم ہوتی، پھر ایک نے کہا کہ دل کو چاک کرو، تو اس نے دل کو چاک کیا، پھر اس نے کہا اس میں سے کینہ اور حسد نکال لو، تو اس میں سے جمے ہوئے خون کی طرح کی کوئی چیز نکالی، پھر کہا اس میں مہربانی اور رحمت رکھ دو، تو اس نے چاندی کی طرح کی کوئی چیز رکھ دی، پھر اس نے

چند گھنڈیاں جو اس کے پاس تھیں نکالیں اور وہ گھنڈیاں میرے سینہ پر لگا دیں، پھر میرے انگوٹھے کو کھونٹ کر مجھ سے کہا جاؤ. جب میں لوٹا تو اپنے میں وہ لیکر لوٹا جو لیکر نہیں آیا تھا "یعنی چھوٹوں پر شفقت اور بڑوں کے ساتھ نرمی"۔ یہ روایت زوائد مسند احمد ابن حبان، حاکم، ابن عساکر اور ابونعیم میں ہے. لیکن ان تمام کتابوں میں مرکزی سلسلۂ سند ایک ہی ہے یعنی یہ کہ معاذ بن محمد اپنے باپ محمد بن معاذ اور وہ اپنے باپ معاذ ابن محمد سے، اور وہ اپنے دادا ابی بن کعب سے روایت کرتے ہیں، محدث ابن المدینی نے اپنی کتاب العلل میں اس حدیث کے تحت میں لکھا ہے،

حدیث مدانی واسنادہ	یہ مدنی حدیث ہے، اسکی سند تمام تر مجہول ہے
مجہول کلہ ولا نعرف محمداً	ہم لوگ نہ محمد کو جانتے ہیں اور نہ اس کے
ولا اباہ لا وجدہ (تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۱۹۴)	باپ کو اور نہ اس کے دادا کو،

حافظ ابونعیم نے دلائل میں جہاں یہ حدیث نقل کی ہے. صاف لکھ دیا ہے،

وھذا الحدیث تفرد بہ معاذ	یہ حدیث صرف معاذ بن محمد نے نقل کی ہے
ابن محمد او تفرد بذکر السن	اور وہی اس عمر کی تعیین کے بیان میں بھی
الذی شق فیہ عن قلبہ	شق صدر میں منفرد ہیں (یعنی اس روایت
(صفحہ ۱۷ حیدرآباد)	کی کسی اور نے تائید نہیں کی ہے)

بیس برس کے سن کی روایت بھی بعینہ ان ہی لوگوں سے تھوڑے تغیر کیساتھ ہی الفاظ میں زوائد احمد، صحیح ابن حبان، حاکم، بیہقی اور مختارہ ضیا میں ہے (کنز العمال جلد ۶ ص ۹۲)

لیکن اس سلسلۂ روایت کا حال آپ سن چکے کہ وہ معتبر نہیں

آغاز وحی کے موقع پر شق صدر کی روایتیں دلائل ابونعیم. دلائل بیہقی، مسند طیالسی اور مسند حارث میں ہیں یہ روایتیں حضرت عائشہؓ کی طرف منسوب ہیں حضرت عائشہؓ کی آغاز وحی والی حدیث بخاری مسلم اور ابن حنبل وغیرہ تمام مستند کتابوں میں مذکور ہے، اور اس باب میں یہی روایت سب سے زیادہ مفصل صحیح اور محفوظ ہے لیکن ان کتابوں میں اس موقع پر شق صدر کا مطلق ذکر نہیں، اس سے اس واقعہ کی بے اعتباری ظاہر ہوتی ہے علاوہ بریں ابونعیم. بیہقی. طیالسی اور حارث والی اس روایت کی مرکزی سند ابوعمران الجونی عن یزید بن بابنوس عن عائشہ" ہے. یزید بن بابنوس مجہول ہے. اور اس سے صرف ابوعمران الجونی ہی نے روایت کی ہے کسی اور نے اس کو نہیں لیا ہے. طیالسی میں (صفحہ ۲۱۵ حیدرآباد) اس روایت کی سند یہ ہے کہ حماد بن سلمہ ابوعمران جونی سے اور وہ ایک شخص سے. اور وہ حضرت عائشہؓ سے راوی ہے" معلوم نہیں یہ نامعلوم شخص کون ہے؟ اور ابوعمران نے اس کا نام کیوں نہیں لیا ہے. ابونعیم میں (صفحہ ۶۹ حیدرآباد) اس روایت کا جو سلسلۂ سند ہے اس میں یہ خالی جگہ یزید بن بابنوس کے نام سے پُر کی گئی ہے جس کا حال ابھی اوپر گذر چکا. علاوہ ازیں ابونعیم کی روایت میں اس کے بیچ داؤد بن ابر ایک شخص آتا ہے. جس کو اکثر محدثین ضعیف بلکہ دروغگو تک کہتے ہیں. اسی کے ساتھ اس روایت کے اندر بعض ایسی لغو باتیں بھی ہیں جو اس کو صحت کے پایہ سے ساقط کرتی ہیں،

ایک اور روایت حضرت ابوذرؓ سے ہے کہ" انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب آپ کو نبی بنانا چاہا گیا تو آپ کو اپنی پیغمبری کا حال کیونکر معلوم ہوا، اور آپ نے کیونکر یقین کیا کہ آپ پیغمبر ہیں؟ فرمایا "اے ابوذر! میں مکہ کی ترائی میں تھا کہ دو فرشتے میرے پاس آئے، ایک زمین پر آیا اور دوسرا آسمان پر تھا ایک نے دوسرے سے کہا یہی وہ ہیں، پھر کہا ان کو تولو، پہلے ایک سے پھر دس سے پھر سو سے، پھر ہزار سے مجھ کو تولا، لیکن میرا پلہ بھاری رہا، تو کہا کہ یہ تمام امت سے بھاری ہیں، بعد ازیں میرا شکم چاک کیا (اس کے بعد شق صدر کے مختلف واقعات کا ذکر اس کے بعد ہے) کہ ان فرشتوں نے پھر میرے شانہ پر مہر کی۔ اس روایت میں گو وقت کی تعیین نہیں، مگر یہ ذکر ہے کہ یہ واقعہ مکہ کی ترائی میں پیش آیا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ حضرت حلیمہؓ کے پاس، بنو ہوازن میں قیام کے زمانہ کے بہت بعد کا واقعہ ہے۔ پھر اس میں یہ ہے کہ "جب آپ کو نبی بنانا چاہا گیا" اور نبوت کی سب سے پہلی علامت کا سوال ہے اور امت کا ذکر ہے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ یہ آغاز وحی کا واقعہ ہے۔ یہ روایت مسند دارمی (صفحہ ۶) اور دلائل ابونعیم (صفحہ ۷۱) میں ہے۔ ان کے مشترک راوی ہوتر ابو وائل جعفر بن عبداللہ بن عثمان القرشی، عثمان بن عروہ بن زبیر ہیں جعفر بن عبداللہ کی نسبت محدث عقیلی نے تنقید کی ہے کہ اس میں "وہم" تھا، یعنی الفاظ کی صحیح یادداشت نہ تھی، اور "اضطراب" تھا، یعنی ایک ہی واقعہ اور سند کو کبھی کسی طرح اور کبھی کسی طرح بیان کرتا تھا، پھر اس روایت کو نقل کر کے لکھا ہے کہ اس کی متابعت نہیں کی جاتی، یعنی اس کے ہم شیخ اور ہم درس اس کی تائید نہیں کرتے۔ پھر بعینہٖ یہی واقعہ

ذہبی کا قول ہے کہ جعفر بن ابی المغیرہ کے حالات میں ہے

شداد بن اوس رضؓ کی روایت سے ابونعیم، ابو یعلیٰ اور ابن عساکر نے عتبہ بن عبد سلمی کی روایت سے دارمی اور ابن اسحاق نے (مرسلاً) بچپن کے شقِ صدر میں بیان کیا ہے جن سے انکا باہم تعارض واضح ہے

اب رہ گئی وہ روایت جس میں حلیمہ سعدیہ کے ہاں قیام کے زمانہ میں شقِ صدر کا ذکر ہے۔ یہ روایت سات مختلف سلسلوں سے اور مختلف صحابیوں سے لوگوں نے نقل کی ہے، مگر واقعہ یہ ہے کہ ان میں دو سلسلوں کے علاوہ بقیہ سلسلے صحت اور قوت سے تمامتر خالی ہیں، اور ان میں بعض ایسی لغو باتیں شامل ہیں جو اس کو درجۂ اعتبار سے گرا دیتی ہیں،

۱۔ اس روایت کا سب سے پہلا طریقہ یہ ہے کہ جہم بن ابی جہم، عبداللہ بن جعفر سے اور عبداللہ بن جعفر خود حلیمہ سعدیہ سے راوی ہیں، اس طریقہ سے یہ روایت ابن اسحاق اور دلائل ابی نعیم میں ہے، جہم بن ابی جہم مجہول ہی اور عبداللہ بن جعفر کی حلیمہ سعدیہ سے ملاقات ثابت نہیں۔ اور ابن اسحاق جہم بن ابی جہم کا شک ظاہر کرتے ہے، اس نے کہا کہ "عبداللہ ابن جعفر نے خود مجھ سے کہا یا ان سے سن کر کسی اور نے مجھ سے کہا"۔ ابونعیم میں گو یہ شک مذکور نہیں ہی بلکہ اس میں تصریحاً عبداللہ بن جعفر کا نام لیا گیا ہے۔ مگر اس میں اس کے نیچے کے راوی مجروح ہیں،

۲۔ دوسرا طریقہ واقدی کا ہے ابن سعد نے اس روایت کو اسی سلسلہ سے ذکر کیا ہے۔ جلد ۱ صفحہ ۷۰ مگر علاوہ اس کے کہ واقدی کا اعتبار نہیں اس کی تفصیلی سند تک اس میں

کور نہیں۔ اوپر کے راویوں کا نام مطلق نہیں بتایا گیا ہے،

۳۔ ابو نعیم نے ایک اور سلسلہ سے اس کو بیان کیا ہے، جو یہ ہے "عبدالصمد بن محمد اپنے باپ سے، وہ اپنے باپ سے، اور وہ ایک شخص سے جو حضرت حلیمہؓ کی بکریاں چرایا کرتا تھا۔ بیان کرتے ہیں"۔ یہ تمام تر مجہول لوگ ہیں۔

۴۔ بیہقی اور ابن عساکر نے ایک اور سند سے حضرت ابن عباسؓ سے یہ واقعہ نقل کیا ہے، لیکن اس سند میں محمد بن زکریا الغلابی جھوٹا اور وضاع ہے، اس کا شمار قصہ گویوں میں ہے،

۵۔ ابن عساکر نے شداد بنؓ اوس صحابی کے واسطے سے ایک نہایت طویل روایت نقل کی ہے، جس میں مذکور ہے کہ قبیلۂ بنی عامر کے ایک پیر مرد نے خدمتِ نبوی میں آکر آپ سے آپ کے ابتدائی حالات دریافت کیے، آپ نے پورا پورا حال بیان کیا، منجملہ اس کے ایک واقعہ اپنے بچپن کے شق صدر کا بیان کیا، لیکن خود ابن عساکر اس روایت کو "غریب" (یعنی ثقات کے بیان سے مختلف) کہتے ہیں۔ اس کے سوا اس سلسلۂ سند کے بیچ میں ایک بے نام و نشان راوی ہے، اس سے اوپر ایک اور قابل اعتراض راوی اس میں ابو یعفا ہے، جو شداد بن اوسؓ صحابی سے اس قصہ کا سننا بیان کرتا ہے۔ امام بخاریؒ نے تاریخ صغیر (ص ۳، الہ آباد) میں اس کی نسبت لکھا ہے فی حدیثہ نظر۔ اس کی حدیث بحث طلب ہے، ابو حاکم کہتے ہیں لیس حدیثہ بالقائم یعنی اس کی حدیث ٹھیک نہیں۔ (تہذیب التہذیب و میزان)

حضرت شداد بن اوسؓ سے مکحول شامی کے واسطے سے ابو یعلیٰ اور ابن عساکر نے بعینہٖ اسی واقعہ کو ایک اور سلسلہ سے نقل کیا ہے، جس میں گو کوئی مجہول راوی بیچ میں نہیں آیا ہے۔ مگر اس میں یہ کمی ہے کہ مکحول اور شداد صحابیؓ کے بیچ میں ایک راوی چھوٹا گیا ہے۔ یا چھوڑ دیا گیا ہے، یعنی روایت منقطع ہے، کیونکہ مکحول نے حضرت شدادؓ کا زمانہ نہیں پایا ہے، مکحول تدلیس میں بدنام تھے، یعنی ان کی عادت یہ تھی کہ بیچ میں اگر کوئی کمزور راوی آجاتا تو وہ اس کا نام چھپا دیتے تھے، یا بیچ سے اس کو حذف کر کے اگلے سے سلسلہ جوڑ دیتے تھے، میرا خیال ہے کہ مکحول اور حضرت شدادؓ کے بیچ میں مدلس و ابو العجفاء تھا۔ مکحول نے یہ دیکھ کر کہ وہ مجروح ہے اس کو بیچ سے نکال دیا ہے، اسلیے یہ سلسلہ بھی نامعتبر ہے،

۶۔ عقبہ بن عبد السلمیؓ ایک کمسن صحابی ہیں، ان سے ایک ہی سلسلۂ سند کے ذریعہ سے حاکم، دارمی، ابو یعلیٰ، ابن عساکر اور ابن حنبل نے اس واقعہ کی یوں روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا ایک دن میں اپنے رضاعی بھائی کے ساتھ بکریاں چرانے گیا، کھانا ساتھ نہ تھا، میں نے اس کو ماں (دایہ) کے پاس کھانا لانے کے لیے بھیجا، وہ گیا تو دیکھا کہ گدھ کی طرح کے دو پرند آئے، ایک نے دوسرے سے کہا کہ یہی ہے، دوسرے نے کہا ہاں، پھر دونوں نے جھپٹ کر مجھے پکڑا اور زمین پر پچھاڑ کر میرا پیٹ چاک کیا، اور اس میں سے دو سیاہ جمے ہوئے خون کے قطرے نکالے اور برف اور ٹھنڈے پانی سے دھویا۔ یہ حاکم کے الفاظ ہیں، دارمی وغیرہ میں اس کے بعد اتنا زیادہ ہے کہ "دھونے کے بعد ایک نے کہا کہ سکینت یعنی تسکینِ قلبی

لاؤ. اس کو لا کر میرے سینہ میں چھڑک دیا. پھر دونوں چھوڑ کر مجھے چلے گئے. میں ڈرا اور اپنی ماں کے پاس گیا اور حال کہا. وہ ڈری کہ بچہ کی عقل ٹھیک نہیں رہی. اس نے کہا میں تم کو خدا کی پناہ میں دیتی ہوں اور پھر وہ مجھے اونٹ پر بٹھا کر میری والدہ کے پاس لائی. والدہ نے کہا تم نے امانت پوری طرح ادا کی، وایہ نے میرا حال اور اپنا خوف بیان کیا. لیکن والدہ کو یہ واقعہ سن کر کوئی خوف یا تعجب نہیں ہوا. فرمایا "جب یہ بچہ پیدا ہوا تو میں نے دیکھا تھا کہ ایک نور میرے بدن سے نکلا جس سے شام کے محل روشن ہو گئے. حاکم نے اس حدیث کو مسلم کی شرط کے مطابق کہا ہے. مگر واقعہ یہ ہے کہ اس سلسلۂ روایت کا پہلا مشترک راوی بقیہ بن ولید ہے. جس کو گو بذاتِ خود بعضوں نے ثقہ کہا ہے. تاہم اس پر سب کا اتفاق ہے کہ وہ سخت بے احتیاط تھا. ابن مبارک کہتے ہیں، وہ راست گو ہے. مگر وہ آگے پیچھے کے ہر شخص سے روایت لے لیا کرتا تھا. ابن عیینہ کہتے ہیں بقیہ سے احکام کی روایتیں نہ لیا کرو. ثواب (فضائل) کی روایتیں خیر لے لیا کرو. امام ابن حنبل اور امام یحییٰ کا قول ہے کہ اگر وہ مشہور لوگوں سے روایت کرے تو خیر، ورنہ مت لو". ابو حاتم کہتے ہیں کہ اس کی حدیث لکھی جائے. مگر وہ دلیل میں نہ پیش کی جائے". امام نسائی فرماتے ہیں "جب وہ اخبرنا اور حدثنا کہے تو خیر اور جب عن عن کر کے بیان کرے تو نہ لو". (یاد رہے کہ یہ روایت مذکورہ بر طریق عن عن ہی ہے) ابن عدی کا قول ہے کہ اس کی بعض روایتیں ثقہ اور معتبر راویوں کے خلاف ہیں، امام احمد بن حنبل ایک شخص سے فرماتے ہیں کہ میں سمجھتا تھا کہ بقیہ مجہول الحال لوگوں سے سن کر حدیثیں نقل کرتا ہے لیکن دیکھا تو وہ مشہور

لوگوں سے بھی اسی قسم کی حدیثیں بیان کرتا ہے. تم نے جانا وہ کہاں سے یہ روایتیں لاتا ہے؟ مخاطب نے جواب دیا "ہاں تدلیس کے ذریعے" (یعنی بیچ کے کمزور راوی کو حذف کرکے، آگے کے معتبر راوی سے سلسلہ جوڑ دیا کرتا تھا) ابو عبداللہ حاکم کہتے ہیں کہ اوزاعی وغیرہ مشہور لوگوں سے وہ ایسی روایتیں کرتا ہے جو موضوعات کے مشابہ ہیں، اور اسکی صورت یہ کرتا ہے کہ بیچ کے ضعیف راوی کو حذف کر دیتا ہے۔" خطیب کہتے ہیں کہ "اس کی اکثر روایتیں منکر ہیں، گو وہ بذاتِ خود راست گو تھا۔" ابن القطان کا قول ہے کہ "وہ ضعیف راویوں سے تدلیس کرکے بیان کرتا ہے، اور اس کو وہ جائز سمجھتا ہے۔ یہ الزام اگر اس پر سچ ہے تو اس کے معتبر ہونے میں خلل انداز ہے۔"

حماد بن سلمہ کی روایت میں ان کا وہم

بخاری میں شق صدر کا سب سے صحیح اور محفوظ سلسلہ سند وہ ہے جو حماد بن سلمہ ثابت بنانی سے اور ثابت، انس رضی اللہ عنہ بن مالک سے روایت کرتے ہیں: چنانچہ یہ روایت صحیح مسلم، مسند احمد، ابن سعد اور دلائل ابو نعیم میں ایک ہی سلسلہ سند سے مذکور ہے. یعنی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ثابت البنانی، اور ان سے حماد بن سلمہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لڑکوں کے ساتھ کھیل رہے تھے کہ حضرت جبرئیل آئے اور آپ کو پکڑ کر زمین پر لٹایا، اور قلب مبارک کو چاک کیا، اور اس کو نکال کر اس میں سے ذرا سا جما ہوا خون نکالا اور کہا کہ یہ اتنا شیطان کا حصہ تم میں تھا. پھر اس کو سونے کے طشت میں آب زمزم سے دھویا. پھر شگاف کو جوڑ دیا. پھر اسکو اپنی جگہ پر رکھ دیا. لڑکے دوڑتے ہوئے آپ کی ماں (دایہ حلیمہ) کے پاس گئے اور جاکر کہا کہ محمد مار ڈالے گئے. لوگ آپ کے

پاس پہنچے۔ دیکھا تو چہرہ کا رنگ متغیر ہے۔ انسؓ کہتے ہیں کہ سینۂ مبارک میں زخم کے سینے کے نشان یعنی ٹانکے مجھ کو نظر آتے تھے۔ مسند ابن حنبل میں یہی حدیث اسی سلسلہ سند سے حضرت انسؓ سے مروی ہے۔ اور اس میں آخر میں واحد متکلم کے بجائے جمع متکلم ہے۔ یعنی یہ کہ مجھ کو نظر آتے تھے۔ کی جگہ پر یہ ہے کہ ہم کو زخم کے ٹانکے نظر آتے تھے

اس سلسلۂ سند کے صحیح اور محفوظ ہونے میں کوئی شک نہیں لیکن واقعہ یہ ہے کہ صحاح میں معراج اور شقِ صدر کی جس قدر روایتیں حضرت انسؓ سے مروی ہیں۔ ان کے دوسرے راوی تابعین میں حضرت انسؓ کے شاگردوں میں سے قتادہ۔ زہری شریک اور ثابت بنانی چار شخص ہیں۔ ثابت بنانی سے دو آدمی ان واقعات کو نقل کرتے ہیں سلیمان بن خیرہ اور حماد بن سلمہ۔ حماد کے علاوہ اور جو طرق دیر زکر ہوئے ان سب میں معراج کے واقعات کے آغاز میں شقِ صدر کا ذکر ہے لیکن حماد نے اپنی روایت میں یوں کیا ہے کہ معراج کے سلسلہ میں وہ شقِ صدر کے ذکر کو ترک کر دیتے ہیں۔ اور شق صدر کے واقعہ کو الگ اور مستقل بچپن کے زمانہ کی تخصیص کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ حالانکہ نہ صرف حضرت انسؓ کے شاگردوں میں سے کوئی۔ بلکہ حماد کے دوسرے ہم درس طلبہ میں سے بھی کوئی انکی تائید نہیں کرتا۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ امام بخاری نے معراج کی حدیث۔ حماد کے واسطے سے نقل نہیں کی ہے۔ حماد کی نسبت اسماء الرجال کی کتابوں میں لکھا ہے کہ آخر عمر میں ان کا حافظہ خراب ہو گیا تھا۔ اسی سبب سے امام بخاری نے ان کی روایتیں نہیں لی ہیں۔ امام مسلم اپنی سمجھ کے مطابق کوشش کر کے خرابی حافظہ سے پہلے کی جو ان کی روایتیں ہیں۔ ان ہی کو چن کر اپنی کتاب

ہیں لائے ہیں۔ میرا میلانِ تحقیق یہ ہے کہ حماد کی یہ روایت اسی خرابی حافظہ کے زمانہ کی ہے کہ انھوں نے تمام مغیرہ راویوں کے خلاف شقِ صدر اور معراج کے مشترک واقعہ کو درگزر کر دیا۔ میں سمجھتا ہوں کہ امام مسلم بھی اپنی ترتیب بیان کے اشارات سے ایسا ہی کچھ بتانا چاہتے ہیں کہ معراج اور شق صدر کو دو الگ الگ زمانوں کے واقعات قرار دینے میں حماد سے غلطی ہوئی ہے۔ چنانچہ واقعاتِ معراج کے ذکر میں امام مسلم یہ کرتے ہیں کہ پہلے حضرت انسؓ سے ثابت کے شاگرد حماد کی یہ حدیث نقل کرتے ہیں جس میں معراج کے شق صدر کا ذکر نہیں۔ پھر حماد کے ساتھی اور ثابت کے شاگرد سلیمان بن مغیرہ کی روایت ہے جس میں شقِ صدر کے ساتھ معراج کا ذکر ہے۔ اس کے بعد حماد کی وہ روایت ہے جس میں تنہا بچپن کے شق صدر کا تذکرہ ہے۔ بعد ازیں حضرت انسؓ کے دوسرے شاگردوں کی روایتیں ہیں جس میں شق صدر اور معراج کا ایک ساتھ واقع ہونا مذکور ہے۔

حماد کی اس روایت میں بعض ایسے معنوی وجوہ بھی ہیں جن کی تائید کسی دوسرے ذریعہ سے نہیں ہوتی۔ مثلاً یہ کہ شق صدر کی یہ کیفیت کسی عمر میں بھی گذری ہو، مگر بہرحال اس کا تعلق روحانی عالم سے تھا۔ گذشتہ تمام مستند اور مجروح روایتوں میں حصہ بضعہ شیطانی، سکینت، تسلی، رحمت، شفقت، ایمان اور حکمت وغیرہ جن انوار کا سینۂ مبارک سے نکالنا یا اس میں رکھنا بیان ہوا ہے۔ ان میں سے کسی چیز کا تعلق جسمانیات سے نہیں۔ بایں ہمہ حماد حضرت انسؓ سے روایت کرکے کہتے ہیں کہ "آپ کے سینہ پر زخم کے ٹانکے کے نشان مجھ کو (جیسا کہ مسلم میں ہے) یا ہم کو (جیسا کہ مسند احمد میں ہے) نظر آتے تھے۔" اگر یہ

جسمانی واقعہ بھی تھا. تو حضرت انسؓ کی دیگر مروی روایات میں سے جو حماد کے علاوہ دوسرے راویوں نے نقل کی ہیں یہ مذکور نہیں علاوہ ازیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مفصل شمائل کا ایک ایک حرف جسم اطہر کے ایک ایک خط و خال کی کیفیت صحابہؓ نے بیان کی ہے، مگر کسی نے سینۂ مبارک کے ان نمایاں ٹانکوں کا نام تک نہیں لیا. ایسی حالت میں واقعہ کی یہ صورت کیونکر تسلیم ہو سکتی ہے.

دو فرشتے صدر ہو تو اسکی تاویل

اس تشریح اور تفصیل کے بعد بھی اگر کسی کو حماد کی اس روایت کے قبول کرنے پر اصرار ہو تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس روایت کے مطابق بچپن میں جب عقل و ہوش کا آغاز ہوا تو سینۂ مبارک سے حصۂ شیطانی جو ہر انسان کے اندر ہے، اس کو نکالا گیا کہ صحیح مسلم کی اس روایت میں اسی قدر ہے، ابھی علم و حکمت کی کوئی چیز رکھی نہیں گئی، مگر معراج کی رات جب اس عقل و ہوش کی تکمیل ہونی تھی تو وہ دھو کر علم و حکمت سے معمور کیا گیا جیسا کہ تمام روایتوں میں ہے.

شق صدر کی صحیح کیفیت

شق صدر کی صحیح کیفیت واقعۂ معراج کے سلسلہ میں صحیح بخاری صحیح مسلم اور نسائی وغیرہ میں متعدد روایتوں اور طریقوں سے مذکور ہے کہ ایک شب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خانہ کعبہ میں آرام فرما رہے تھے. آنکھیں سوتی تھیں. مگر دل بیدار تھا. کہ ناگاہ حضرت جبرئیلؑ چند فرشتوں کے ساتھ نظر آئے. آپ کو اٹھا کر وہ چاہ زمزم کے پاس لے گئے. یا آب زمزم لے کر کوئی آپ کے پاس آیا. سینۂ مبارک کو چاک کیا. پھر آب زمزم سے دھویا. اس کے بعد سونے کا ایک طشت ایمان اور حکمت سے بھرا ہوا لایا گیا پھر اس طشت کے سرمایہ کو سینۂ مبارک میں بھر کر شگاف کو برابر کر دیا گیا. اس کے بعد فرشتے آپ کو آسمان

کی طرف لے چلے،[۵]

شق صدر کی حقیقت

علمائے ظاہر ہیں اس واقعہ کے ظاہر الفاظ کے جو عام اور سیدھے سادے معنی سمجھتے ہیں کہ واقعی سینۂ مبارک چاک کیا گیا اور قلب اقدس کو اسی آب زمزم سے دھو کر ایمان اور حکمت سے بھر دیا گیا اس کو ہر مسلمان سمجھ سکتا ہے لیکن صوفیائے حقیقت میں اور عرفائے رمز شناس ان الفاظ کے کچھ اور ہی معنی سمجھتے ہیں اور ان تمام غیر محتمل الالفاظ معنی کو تمثیل کے رنگ میں دیکھتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ یہ عالم برزخ کے حقائق ہیں جہاں روحانی کیفیات جسمانی اشکال میں اسی طرح نظر آتے ہیں جس طرح حالت خواب میں تمثیلی واقعات جسمانی رنگ میں نمایاں ہوتے ہیں، اور جہاں معنی اجسام کی صورت میں متمثل ہوتے ہیں۔

چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب حجۃ اللہ البالغہ میں لکھتے ہیں۔

اما شق الصدر وملؤہ ایمانا	لیکن سینہ کا چاک کرنا، اور اس کو ایمان سے
فمعناہ غلبۃ انوار الملکیۃ	بھرنا اس کی حقیقت انوار ملکیہ کا روح پر غالب
وانطفاء لہب الطبیعۃ	ہو جانا اور طبیعت (بشری) کے شعلہ کا بجھ جانا
وخضوعہا لما یفیض علیہا	اور عالم بالا کو جو فیضان ہو تو اس کے قبول
من طہرۃ القدس[۲]	کے لیے طبیعت کا آمادہ ہو جانا ہے،

ان کے نزدیک معراج بھی اسی عالم کی چیز تھی، اسلیے شق صدر بھی اسی دنیا کا واقعہ ہوگا۔

---

[۱] صحیح بخاری و مسلم و نسائی ابواب معراج یا فرض الصلوٰۃ و مسند احمد روایات انس وغیرہ

[۲] حجۃ اللہ البالغہ جلد ۲ ص ۴۷

ہمارے نزدیک صحیح اصطلاح شرح صدر ہے، جیسا کہ صحیح مسلم باب الاسراء میں حضرت مالک بن صعصعہ کی روایت میں مذکور ہے، فشرح صدری الی کذا و کذا (میرا سینہ یہاں سے یہاں تک کھولا گیا) اور قرآن مجید کی اس سورہ میں جیسا کہ ترمذی میں ہے اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے،

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ وَ	کیا ہم نے تیرے لیے سینہ کو کھول نہیں دیا
وَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ	اور تجھ سے تیرے اس بوجھ کو ہٹا نہیں دیا
الَّذِیْ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ (انشراح)	جس نے تیری پیٹھ کو توڑ دیا تھا،

شرح" کے لغوی معنی عربی میں "چیرنے پھاڑنے" کے ہیں، اسی سے طب کی اصطلاح "علم تشریح" اور "تشریح اجسام" نکلی ہے، چونکہ چیرنے اور پھاڑنے سے اندر کی چیز کھل کر نمایاں ہو جاتی ہے، اس لیے اس سے "تشریح امر" اور "تشریح کلام" "شرح بیان"، اور "شرح کتاب" وغیرہ مجازی معنی پیدا ہوئے ہیں، اسی سے ایک اور محاورہ "شرح صدر" کا پیدا ہوا جس کے معنی "سینہ کھول دینے" کے ہیں، اور کلام عرب میں اس سے مقصود "بات کا سمجھا دینا اور اس کی حقیقت کا واضح کر دینا" ہوتا ہے، قرآن مجید اور احادیث میں یہ محاورہ بکثرت استعمال ہوا ہے، حضرت موسیٰؑ کو جب فرعون کے پاس جانے کی ہدایت ہوئی تو آپ نے دعا مانگی رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ وَیَسِّرْ لِیْ اَمْرِیْ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِیْ یَفْقَهُوْا قَوْلِیْ (پروردگار میرے سینہ کو کھول دے اور میرے کام کو آسان کر دے اور میری زبان کی گرہ کھول دے کہ لوگ میری بات سمجھیں)

انبیاء علیہم السلام کا علم اور فہم، انسانی تعلیم و تعلم اور مادی حکمت و دانائی سے پاک و مبرا ہوتا ہے، اور وہ اپنے اخذ نتائج اور اثباتِ دعویٰ کے لیے گذشتہ تجربات اور منطق کے استقراء و تمثیل اور ترتیبِ مقدمات کے ممنون نہیں ہوتے، بلکہ وہ جو کچھ جانتے ہیں اور جو کچھ سمجھتے ہیں اس کا ماخذ تعلیم الٰہی، القاءِ ربانی اور فہم ملکوتی ہوتا ہے۔ اسی کا نام علم لدنی ہے، "لدن" کے معنی عربی زبان میں "پاس اور نزدیک" کے ہیں، چونکہ یہ علم انکو کسب و تحصیل کے بغیر خدا کے پاس سے اور اس کے نزدیک سے عطا ہوتا ہے: اس لیے عرفِ عام میں علم لدنی کہلاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں حضرت خضر علیہ السلام کے متعلق ارشاد فرمایا ہے:

وَعَلَّمْنَاهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا (کہف) — ہم نے اپنے پاس سے اس کو علم سکھایا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ارشاد ہوتا ہے:

كَذٰلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْبَاءِ مَا قَدْ سَبَقَ وَقَدْ اٰتَيْنٰكَ مِنْ لَّدُنَّا ذِكْرًا (طٰہٰ۔ ۵) — اس طرح ہم تجھ سے گذشتہ زمانہ کی باتیں بیان کرتے ہیں، اور ہم نے اپنی طرف سے تجھ کو علم (و ذکر) بخشا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے قصہ کے آغاز میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہوتا ہے:

نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ هٰذَا الْقُرْاٰنَ — ہم تجھ کو قرآن کی وحی بھیج کر ایک بہترین قصہ سناتے ہیں جس سے قطعاً اس سے

وَاِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغٰفِلِيْنَ (یوسف ۱) پہلے بے خبر تھا۔

سورۂ شوریٰ میں ہے۔

وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا۔ (شوریٰ ۵)

اور اسی طرح ہم نے (اے محمد) تیری طرف اپنے حکم سے ایک روح کو وحی کیا، تو تو پہلے جانتا نہیں تھا کہ کتاب کیا ہے اور نہ ایمان سے واقف تھا، لیکن ہم نے اس کو روشنی بنایا ہے جس کے ذریعے اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتے ہیں ہم راستہ دکھا دیتے ہیں۔

دوسرے پیغمبروں کی نسبت بھی یہی ارشاد ہے۔ حضرت ابراہیمؑ اپنے باپ سے کہتے ہیں:

يٰٓاَبَتِ اِنِّيْ قَدْ جَآءَنِيْ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَاْتِكَ (مریم ۳)

اے میرے باپ! میرے پاس علم کا وہ حصہ آیا ہے جو آپ کے پاس نہیں آیا۔

حضرت داؤدؑ و سلیمانؑ کے متعلق ہے،

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ عِلْمًا (نمل ۲)

اور ہم نے داؤدؑ و سلیمانؑ کو علم بخشا،

حضرت یوسفؑ کی نسبت ارشاد ہے،

اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا (یوسف ۳)

ہم نے یوسف کو حکم اور علم عطا کیا

حضرت یوسفؑ کہتے ہیں

ذٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِيْ رَبِّيْ (یوسف ۴)

یہ ان باتوں میں سے ہے جو میرے پروردگار نے مجھے سکھائی ہیں

حضرت لوط کے متعلق ہے،

وَلُوطًا اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا (انبیاء) اور لوط کو ہم نے حکم اور علم عطا کیا

حضرت سلیمانؑ اور چند دیگر انبیاء علیہم السلام کے ذکر کے بعد ہے،

فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ وَكُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا (انبیاء) ہم نے یہ بات سلیمان کو سمجھا دی۔ اور ہم نے ان سب کو حکم اور علم عطا کیا۔

الغرض انبیاء علیہم السلام کا یہ علم محض تعلیم الٰہی اور القائے ربانی کا نتیجہ ہوتا ہے اور غور و فکر، تجربہ و امتحان، تحصیل و اکتساب اور جمع معلومات اور ترتیب مقدمات کے بغیر ان کے علم کی باتیں ان کے سامنے آئینہ ہو کر آجاتی ہیں۔ صرف فہم و تمثیل کے لیے یہ سمجھنا چاہیے کہ کبھی کبھی شعراء، مصنفین، موجدین اور دیگر عقلاء کے ذہن میں بے غور و تامل ایک بات اس طرح خطور کر جاتی ہے کہ گویا یہ معلوم ہوتا ہے کہ سینہ یا دماغ کا دروازہ ایک یکبارگی کھل گیا، اور ایک چیز اندر داخل ہو گئی، لیکن یہ شرح صدر کی نہایت معمولی مثال ہے۔ اس منصب خاص کے سینکڑوں مدارج ہیں، جو انبیاء کو، اولیاء کو اور دیگر مومنین کو اپنے اپنے رتبہ کے مطابق عطا ہوتے ہیں،

فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ (انعام ۱۲۵) جس کی رہنمائی خدا چاہتا ہے، اس کے سینہ کو اسلام کے لیے کھول دیتا ہے،

یعنی بلا حجت و برہان اسلام کی صداقت اس کے سامنے آئینہ ہو جاتی ہے

بخاری شریف میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ کو ان کی خلافت کے زمانہ میں

مشورہ دیا اور بہ اصرار کہا کہ قرآن مجید کو اوراق و مصاحف میں لکھوا دیجئے لیکن حضرت ابوبکرؓ نے مخالفت کی کہ جو کام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنی زندگی میں نہیں کیا وہ ہم لوگ کیونکر کر سکتے ہیں، حضرت عمرؓ کو اس پر اصرار اور حضرت ابوبکرؓ کو انکار رہا، مگر چند ہی روز میں یک بیک ان کی سمجھ میں بات آگئی، اس موقع پر انھوں نے فرمایا

حتیٰ شرح اللہ صدری	یہانتک کہ خدا نے اس کام کے لیے
لذٰلک (بخاری تالیف القرآن)	میرے سینہ کو کھول دیا،

مفسر ابن جریر طبری نے متعدد صاحبوں سے روایت کی ہے کہ صحابہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ "یا رسول اللہ! شرح صدر کیونکر ہوتا ہے؟ فرمایا قلب میں ایک نور داخل ہوتا ہے جس سے سینہ کھل جاتا ہے پھر سوال کیا کہ "یا رسول اللہ! اس کی نشانی کیا ہے؟ اور شاد ہوا حیات جاوید کے گھر کا اشتیاق" اور اس فریب کدۂ عالم سے دل برداشتگی اور موت سے پہلے موت کی تیاری" یہ تو حقیقت ہے، اور اس حقیقت کی جسمانی تمثیل سینۂ مبارک کا چاک کیا جانا اور اس میں نور حکمت کا بھرا جانا ہے

شرح صدر کے مناسبے قیام اور مصلحت

جن آیتوں میں دیگر انبیاء علیہم السلام کو علیہ علم کے دیئے جانے کا ذکر ہے، ان میں اکثر علم کے ساتھ حکم کا لفظ بھی ہے

[1] تفسیر ابن جریر طبری جلد ۳۰ صفحہ ۱۹ مطبوعہ مصر و حاکم فی المستدرک علیہم صفحہ ۱۱۳ بسند فیہ عدی بن الفضل

جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ علاوہ خالص شرعی ضرورتوں کے نظم و حکومت اور فیصلۂ احکام کے لیے بے غور و فکر کے بدیہی صحیح اور حاضر علم کی ضرورت ہے۔ چونکہ معراج ہجرت کا اعلان اور اسلام کے مستقبل کا عنوان تھا جس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم کی طاقت عطا کی جانے والی تھی۔ اس لیے شرحِ صدر کے عطیہ کے لیے یہی مناسب موقع تھا۔ علاوہ ازیں معراج کے حقایق و مناظر جو نفوس نبویہ کے ادراکات کی آخری سرحد ہیں۔ ان کے احاطہ کے لیے بھی شرحِ صدر کی ضرورت تھی،

آیات و دلائلِ نبوی ﷺ

قرآن مجید میں

یہ حقیقت ہے کہ قرآن مجید میں انبیائے سابقین کے معجزے جس تفصیل اور تکرار کیساتھ بیان ہوئے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزے اس تفصیل اور تکرار کے ساتھ اس میں مذکور نہیں اس سے ایک طرف تو مخالفین اسلام نے یہ نتیجہ نکالنا چاہا ہے کہ نعوذ باللہ پیغمبر اسلام علیہ السلام کی ذات پاک اس عطیۂ الٰہی سے محروم تھی۔ دوسری طرف اسلام کے عقل پرست فرقہ کو اس سے یہ دھوکا ہوا ہے کہ اسلام نے خوارقِ عادت کے ظہور سے انکار کیا ہے کیونکہ جب اس کے نزدیک خاتم الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ان سے خالی تھی تو گذشتہ انبیاء کے سوانح میں جو اعجاز نظر آتا ہے، وہ بھی سمجھنے والوں کے لیے فہم کا قصور ہے۔

قرآن مجید میں آپ کے تمام معجزات کا تفصیلی ذکر کیوں نہیں ہے

لیکن واقعہ یہ ہے کہ دیگر انبیائے کرام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات اور آیات و دلائل میں جو یہ اختلافِ منظر نمایاں ہے، اس کے متعدد وجوہ اور اسباب ہیں، جن پر ان کوتاہ بینوں کی نظر نہیں پڑی اس لیے وہ مختلف قسم کے شکوک و شبہات میں گرفتار ہو گئے۔

(۱) اس اختلافِ منظر کی پہلی وجہ یہ ہے کہ ہر شخص جس نے قرآن مجید کا پورے غور سے مطالعہ کیا ہے، یا گذشتہ صفحات میں قرآن مجید کے نقطۂ نظر سے معجزہ کی جو حقیقت

واضح کی گئی ہے۔ اس کو سمجھا ہے، وہ تسلیم کرے گا کہ اسلام نے نبوت کی تصدیق کے باب میں ظاہری اور مادی معجزات کو وہ اہمیت نہیں دی ہے۔ جو خصوصیت کے ساتھ عیسائی مذہب اور اس کے مقدس صحیفوں میں نظر آتی ہے بلکہ وہ انسانوں کو زیادہ تر غور و فکر، فہم و تدبر، سوچ اور سمجھ کی دعوت دیتا ہے اور نبوت کے اندرونی خصوصیات اور روحانی دلائل کو ایمان و تصدیق کی بنیاد قرار دیتا ہے۔ اس بنا پر اس کے لیے اپنے مبلغ کرنے والے کی سچائی کے ثبوت میں اس کے خوارق اور معجزات کو تفصیل اور تکرار کے ساتھ ہر جگہ پھیلانا اور دہرانا اس کے اصول کے خلاف تھا۔ چنانچہ اسی کا نتیجہ ہے کہ اسلام ان گمراہیوں سے پاک رہا جن کی تاریکیوں کے پردہ میں عیسوی مذہب کا نور چھپ کر رہ گیا۔

۲- دوسری وجہ یہ ہے کہ گذشتہ انبیاء علیہم السلام کو جو نشانیاں ملی تھیں وہ چند محدود گنی ہوئی اور متعین شکل میں تھیں۔ اس لیے قرآن مجید کو جب کبھی ان پیغمبروں کی نشانیوں کی طرف اشارہ کرنا ہوتا ہے۔ تو خواہ مخواہ ان کے ان ہی چند حیرت انگیز واقعات کو بار بار دہرانا پڑتا ہے اور اس کی تفصیل اور تکرار سے کوتاہ بینوں کی نگاہوں میں ان پیغمبروں کی یہ نشانیاں اجاگر ہو کر نظر آتی ہیں اس کے برخلاف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جو نشانیاں عطا ہوئیں وہ اس قدر متنوع، مختلف اور غیر محدود تھیں کہ ان کے تذکرے کے وقت ایک ہی نشانی کو بار بار پھیلانے اور دہرانے کی حاجت نہ تھی اس لیے یہ دلائل محمدی قرآن مجید کے سیکڑوں صفحات کے مختلف گوشوں میں اس طرح بکھرے

ہوئے ہیں کہ دوسرے انبیاء علیہم السلام کے معجزوں کی طرح وہ اجاگر اور نمایاں ہو کر کم سوادوں کو نظر نہیں آتے۔

۳۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ گذشتہ مباحث میں یہ پوری تفصیل کے ساتھ گذر چکا ہے کہ اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ ہر قسم کے معجزات، خوارق اور نشانیاں پیغمبر کی قوت اور اختیار سے نہیں، بلکہ خدا کی قدرت اور اس کے ارادہ و مشیت سے ظہور پذیر ہوتی ہیں، اس بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آیات و دلائل بھی ذاتِ محمدیؐ کی طرف منسوب ہو کر نہیں بلکہ قدرت الٰہی کی طرف منسوب ہو کر بیان ہوئے ہیں، اس لیے عام لوگوں کا خیال ان کو دلائل محمدیؐ سمجھنے کی طرف مائل نہیں ہوتا۔

۴۔ چوتھی وجہ یہ ہے کہ دوسرے مذاہب کے پاس ایک ہی مستند چیز یعنی ان کا صحیفہ ہے جس میں ان کے ربانی احکام، ان کے پیغمبروں کے اقوال، حالات، سوانح، معجزات سب کچھ ملے جلے ہیں لیکن اسلام کے قبضہ میں دو چیزیں ہیں، ایک صحیفۂ الٰہی جس میں صرف خدائی احکام و مطالب ہیں۔ دوسرے حدیث و سنت، جس میں پیغمبر کے حالات، اقوال اور معجزات وغیرہ الگ اور مستقل حیثیت سے مذکور ہیں، اور وہ بجائے خود روایتی استناد کے لحاظ سے دوسرے مذاہب کے صحیفوں سے کہیں بلند تر ہے۔ اس لیے خدا نے پیغمبر کے ان دلائل و معجزات کو عدم اہمیت کے باعث بہ تفصیل اپنے صحیفہ میں جگہ دینے کی ضرورت نہیں سمجھی، بلکہ اس کے لیے احادیث کے مستند ذخیرۂ روایات کی موجودگی کو کافی قرار دیا۔

قرآن مجید کے آپ کے صاحب معجزہ ہونے کی دلیل

غرض یہ اسباب ہیں جنکی بنا پر بعض کم سواد اس دعویٰ

کی جرأت کرتے ہیں کہ قرآن مجید کی آیتیں آپ کو معجزات اور نشانیوں سے معرا ظاہر کرتی ہیں۔ لیکن اس سلسلہ میں غور کے قابل سب سے پہلی بات یہ ہے کہ قرآن مجید نے آپ کے متعلق آپ کے زمانہ کے کافروں کے جو اقوال تردید کی غرض سے نقل کیے ہیں، ان میں متعدد موقعوں پر آپ کو (نعوذ باللہ) کاہن اور "ساحر" کہا گیا ہے، اور قرآن مجید پر سحر کا الزام لگایا گیا ہے، عرب میں کاہنوں کا کام پیشین گوئی کرنا اور غیب کا حال بتانا تھا، اور ساحر کی نسبت تو عام طور پر معلوم ہے کہ وہ عوام کے نزدیک عجائب و خوارق کا پیکر ہوتا ہے، اب اگر آپ امور غیب کی قبل از وقت اطلاع نہیں دیتے تھے، اور معجزات و خوارق کا صدور آپ سے نہیں ہوا کرتا تھا، تو کفار آپ کو کاہن اور ساحر کے خطابات سے کیوں یاد کرتے تھے؟ اس حقیقت کو پیش نظر رکھکر حسب ذیل آیتوں پر غور کی ایک نگاہ ڈالیے۔

فَمَا اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِكَاهِنٍ (طور ۲۰)

اے محمد! تو اپنے پروردگار کے فضل سے کاہن نہیں ہے۔

وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ (حاقہ)

یہ (قرآن) کسی کاہن کا کلام نہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرکے خدا کفار قریش کا حال بتاتا ہے۔

وَاِذَا رَاَوْا اٰيَةً يَّسْتَسْخِرُوْنَ وَقَالُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ (صافات)

جب وہ کوئی نشانی دیکھتے ہیں تو مذاق اڑاتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ یہ تو کھلا جادو ہے

اس آیت سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ کفار کو جو نشانیاں نظر آتی تھیں۔ وہ ان کا ٹھٹھا اڑاتے تھے۔ اور ان کو جادو کہتے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ آپ کی خارقِ عادت نشانیاں

ان کے مشاہدہ میں آتی تھیں۔ اور دوسری آیتوں میں بھی سحر کی نسبت آپ کی طرف کفار کی زبان سے کی گئی ہے،

وَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ قَالُوْا هٰذَا	اور جب ان کے پاس سچی بات آئی تو انھوں نے
سِحْرٌ وَّاِنَّا بِهٖ كٰفِرُوْنَ ۝ وَقَالُوْا	کہا یہ جادو ہے اور ہم اسکو نہیں مانتے اور
لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى	انھوں نے کہا کہ یہ قرآن مکہ اور طائف کے کسی
رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ (زخرف)	بڑے آدمی پر کیوں نہیں اترا۔
قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ	حق کے منکروں نے جب انکے پاس حق
هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ (احقاف ۱)	آیا تو کہا یہ تو کھلا جادو ہے۔
هَلْ هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ اَفَتَاْتُوْنَ	یہ محمد تو تمہاری ہی طرح ایک آدمی ہیں۔ کیا تم
السِّحْرَ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ (انبیاء)	جان بوجھ کر جادو کے پاس آتے ہو۔
قَالَ الْكٰفِرُوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِيْنٌ (یونس)	کافروں نے کہا یہ (محمد) تو کھلا جادوگر ہے

حضرت عیسیٰؑ نے آپ کی آمد کی جو بشارت دی تھی۔ اس کے بعد ہے،

فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ قَالُوْا	پس جب وہ آنے والا پیغمبر کھلی آیتیں لیکر آیا
هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ (صف ۱)	تو کافروں نے کہا یہ تو کھلا جادو ہے،

کفار کے ان اقوال سے ثابت ہے کہ آپ کی ذاتِ بابرکات سے کچھ تو ما فوق العادۃ باتیں ظاہر ہوتی تھیں۔ جن کی تفسیر کہانت اور جادوگری کے الفاظ سے کرکے وہ اپنے نادان دل کو تسلی دیتے تھے۔ اور اسی سے آپ کے صاحبِ معجزہ ہونے کا ناقابلِ تردید ثبوت قرآن مجید

سے ملتا ہے۔

قرآن مجید میں آپ کے دلائل و معجزات مذکور ہیں

اس اجمالی ثبوت کے بعد ضرورت ہے کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ان آیات و دلائل کے بکھرے ہوئے موتیوں کو جو قرآن مجید کے اوراق میں منتشر ہیں، ایک خاص ترتیب کے رشتہ میں منسلک کر دیں کہ وہ نمایاں ہو کر نگاہوں کے سامنے آجائیں، تنوع کے لحاظ سے یہ آیات و دلائل تین قسم کے ہیں۔ ایک تو کفار کی ہدایت و دعوت اور مسلمانوں کی مزید ایمانی تسلی کے لیے معجزانہ نشانیاں۔ دوسری مصیبتوں کی گھڑیوں میں تائیداتِ غیبی کا ظہور، اور تیسری وہ پیش گوئیاں جن کا لفظ لفظ صداقت کے معیار پر صحیح اترا ہے۔ آئندہ اوراق میں اس اجمال کی تفصیل آئے گی۔

معجزۂ قرآن

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ (بنی اسرائیل ۱۰)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بارگاہ الٰہی سے جو معجزات عطا ہوئے۔ ان میں سب سے بڑا معجزہ خود قرآن مجید ہے۔ چنانچہ جب کفار نے معجزہ طلب کیا تو خدا نے فرمایا

وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيٰتٌ	اور انھوں نے کہا کہ پیغمبر پر اسکے خدا کیطرف سے
مِّنْ رَّبِّهٖ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ	نشانیاں کیوں نہ اتریں۔ کہدے کہ نشانیاں
اللّٰهِ وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ، اَوَلَمْ	خدا کی قدرت میں ہیں، میں تو صاف صاف
يَكْفِهِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ	خدا کا عذاب سے صرف ڈرانے والا ہوں، کیا ان کو
يُتْلٰى عَلَيْهِمْ	یہ نشانی کافی نہیں کہ ہم نے اس پر کتاب
(عنکبوت - ۵)	اتاری جو انکو پڑھ کر سنائی جاتی ہے۔

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی دیگر انبیاء علیہم السلام کے معجزات کے مقابلہ میں اپنی اسی وحی آسمانی کو سب سے بڑا معجزہ قرار دیا، چنانچہ گویا اسی آیت پاک کی تفسیر میں آپ نے ارشاد فرمایا:

ما من الانبیاء نبی الا اعطی	پیغمبروں میں سے ہر پیغمبر کو اللہ تعالیٰ نے

من الآیات ما مثلہ اومن	اتنے معجزات عنایت کیے جن کو دیکھکر
اٰمن علیہ البشر وانما	لوگ ایمان لائے لیکن جو معجزہ مجھے مرحمت ہوا
کان الذی اوتیت وحیًا وحًا	وہ وحی (قرآن) ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے
اللہ الی فارجوانی اکثرھم تابعا	مجھ پر اتارا۔ اس لیے میں امید کرتا ہوں کہ
یوم القیامۃ (صحیح بخاری باب الاعتصام)	قیامت کے دن میرے پیروؤں کی تعداد سب سے

اس حدیث سے متعدد نکتے حل ہوتے ہیں،

۱۔ ہر پیغمبر کو کوئی نہ کوئی معجزہ عطا ہوا ہے،

۲۔ دیگر انبیاء علیہم السلام کے معجزات وقتی اور عارضی تھے، ہوئے اور ہو کر مٹ گئے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ اعظم یعنی قرآن مجید قیامت تک دنیا میں قائم اور باقی رہیگا۔

۳۔ چونکہ وہ معجزے وقتی اور عارضی تھے، اس لیے ان سے جو اثر پیدا ہوا وہ بھی وقتی اور عارضی تھا، برخلاف اس کے قرآن مجید چونکہ ہمیشہ دنیا میں قائم رہنے والا ہے، اسلیے اس کا اثر بھی دائمی اور ہمیشہ باقی رہنے والا ہے۔ اور قیامت تک نئے نئے لوگوں کو اپنی طرف کھینچتا رہے گا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جو ربانی نشانیاں خدا کی طرف سے عنایت ہوئیں ان میں صرف یہی ایک معجزہ ہے جس کی، اللہ تعالیٰ نے تحدی کی ہے، اور اعلان عام کیا ہے کہ کوئی اسکی مثال پیش کرے اور پھر خود ہی اس کی پیشین گوئی بھی کر دی ہے کہ دنیا ہمیشہ اس کی مثال پیش کرنے سے عاجز اور درماندہ رہے گی۔

قُلْ لَئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ — کہدے اے پیغمبر: اگر تمام جن وانس ملکر

عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ — بھی چاہیں کہ اس جیسا قرآن بنا لائیں تو

لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ — نہیں لا سکتے، اگرچہ وہ ایک دوسرے

لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا (بنی اسرائیل) — کی مدد پر کیوں نہ ہوں،

سورہ ہود میں پورے قرآن کے بجائے صرف دس سورتوں کا جواب مانگا گیا ہے،

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ قُلْ فَاْتُوْا — کیا وہ یہ کہتے ہیں کہ پیغمبر نے اس کو اپنی جی سے

بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ — بنا لیا ہے، تو کہدے کہ وہ ایسی بنائی ہوئی

وَّادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ — اسی ہی سورتیں لے آئیں اور اپنی مدد کیلئے

اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ (ھود-۲) — خدا کے سوا جسکو چاہیں بلا لیں اگر وہ سچے ہیں،

اس کے بعد کی آیتوں میں دس سورتوں کو گھٹا کر ایک ہی سورہ کا جواب لانے کی تحدید کیگئی ہے

وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى — اور اگر تم کو اس میں بھی کچھ شک ہو تو جو

عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَ — ہم نے اپنے بندہ پر اتارا ہے، تو اس جیسی ایک ہی

ادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ — سورہ لاؤ، اور خدا کے سوا اپنے تمام گواہوں

اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ (بقرۃ-۳) — کو بلاؤ، اگر تم سچے ہو،

فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا — تو اگر تم ایسی سورہ بنا کر نہ لا سکو اور یقیناً نہ

النَّارَ الَّتِيْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَ — لا سکو گے تو اس آتش دوزخ سے ڈرو جسکے ایندھن

الْحِجَارَةُ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ (بقرۃ-۳) — آدمی اور پتھر (جنکو تم پوجتے ہو) سب ہونگے جو

اسی کے ہم معنی دوسری آیت سورۂ یونس میں ہے،

اَمْ یَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۭ قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ	کیا یہ کفار یہ کہتے ہیں کہ پیغمبر نے اس قرآن کو
مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ	اپنی طرف سے بنا لیا ہے، ان سے کہدے کہ اس جیسی
مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ	ایک سورہ تم تو لاؤ، خدا کے سوا اور جسکو
(یونس - ۴)	چاہو مدد کیلئے بلا لو، اگر تم سچے ہو،

پھر سورہ طور میں ارشاد ہوتا ہے کہ اس جیسی ایک ہی بات پیش کرو

اَمْ يَقُوْلُوْنَ تَقَوَّلَهٗ ۚ بَلْ لَّا يُؤْمِنُوْنَ	کیا وہ یہ کہتے ہیں کہ پیغمبر نے اسکو گھڑ لیا ہے،
فَلْيَاْتُوْا بِحَدِيْثٍ مِّثْلِهٖٓ اِنْ كَانُوْا	بات یہ ہے کہ انکو ایمان نہیں، اگر وہ سچے ہیں
صٰدِقِيْنَ (طور - ۲)	تو اس جیسی ایک بات بھی پیش کریں،

اس امر پر تو تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ قرآن معجزہ ہے لیکن اختلاف اس میں ہے کہ وہ کس حیثیت سے معجزہ ہے؟ اور وجہ اعجاز کیا ہے؟

(۱) بعض معتزلہ کے نزدیک قرآن مجید کا نظم کلام (مسائل) معجزہ ہے یعنی اہل عرب کا کلام جس طرز اور اسلوب پر ہوا کرتا تھا، قرآن مجید ان کو چھوڑ کر ایک اور بدیع طرز اور عجیب اسلوب اختیار کیا جو عرب میں موجود نہ تھا، ان کے کلام کا تمام نمونہ نثر تھا، قرآن مجید نے نثر کا ایک اسلوب اختیار کیا بکاہنانِ عرب کا کلام بھی نثر ہوتا تھا، مگر اس میں تکلف اور آورد تھا قرآن مجید نے نظم و نثر کے درمیان ایک ایسا پسندیدہ اسلوب اختیار کیا جو بلغاے عرب کے تخیل میں نہ تھا، قرآن کے مطالعہ، مقاطع اور فواصل سے جس طرح قرآن کسی بیان کا آغاز اور اس کا خاتمہ کرتا ہے اور جس طرح ایک ایک آیت کو توڑا جاتا ہے، وہ سب اعجاز میں داخل ہے

۲- معتزلہ سے جاحظ اور تمام اشاعرہ قرآن مجید کو فصاحت و بلاغت کی حیثیت سے معجزہ قرار دیتے ہیں۔

۳- نظام معتزلی اور ابن حزم ظاہری[1] یہ اعتقاد رکھتے ہیں۔ اور امام رازی بھی اسکو اقرب الی الصواب کہتے ہیں[2]۔ کہ قرآن مجید کا اعجاز یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے تمام بلغائے عرب و عجم کی زبانیں اس کے مقابلہ میں گنگ کر دیں اور اسلیے وہ اسکا جواب نہیں لاسکتے

۴- بعض متکلمین کے نزدیک وجہ اعجاز، قرآن مجید کا اظہار غیب اور پیشنگوئیاں ہیں جو انسان کے حیطۂ امکان سے باہر ہیں،

۵- بعض علما۔ کہتے ہیں کہ قرآن مجید کا اعجاز یہ ہے کہ وہ لوگوں کے دل کے چھپے ہوئے اسرار کو فاش کرتا تھا، جو انسانی دسترس سے باہر ہے،

۶- کسی نے وجہ اعجاز یہ بتائی ہے کہ اور انسانوں کے کلام بلند و پست، کامل و ناقص، صحیح و غلط، غرض مختلف المراتب ہوتے ہیں لیکن قرآن مجید شروع سے اخیر تک بلندی کمال اور صحت کے لحاظ سے ایک ہی نوعیت کا ہے۔

۷- ایک دو آدمیوں کی یہ رائے ہے کہ معجزہ یہ ہے کہ ایک امی کی زبان سے ایسا کلام بلاغت نظام نکلا[3]۔

---

[1] الفصل فی الملل والنحل ابن حزم جلد سوم باب اعجاز القرآن [2] تفسیر کبیر جلد اول صفحہ ۳۳۵ تفسیر آیہ وَاِنْ کُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ [3] متکلمین کے یہ مذاہب شرح مواقف اعجاز قرآن باقلانی۔ الاتقان سیوطی فصل فی الملل والنحل ابن حزم میں مذکور ہیں۔

۸۔ قرآن مجید کے اعجاز کی ایک وجہ اس کی خارقِ عادت تاثیر اور قلوبِ انسانی کی تسخیر بھی قرار دیجا سکتی ہے۔

۹۔ بعضوں نے یہ ثابت کیا ہے کہ قرآن مجید کا اصلی اعجاز اسکے احکام، تعلیمات اور ارشادات ہیں،[1] حقیقت یہ ہے کہ یہ تمام اختلافات باہم متضاد نہیں ہیں جو ایک جگہ مجتمع نہ ہوسکیں، اور نہ یہ ضروری ہے کہ وجہ اعجاز صرف ایک میں محدود ہو، قرآن مجید کے وجوہ اعجاز اسقدر کثیر ہیں کہ انکا احاطہ نہیں ہوسکتا، جس شخص کو اپنے مذاق کے مطابق جو بات نمایاں نظر آئی ہے، اسی کو اس نے وجہ اعجاز قرار دے لیا ہے، کوئی حسین اور خوبصورت چیز جب نقادان فن کی نگاہوں کے سامنے آتی ہے، تو کوئی اس کے رنگ و روغن کا مداح ہوتا ہے، کوئی اس کے اعتدالِ قامت کی تعریف کرتا ہے، کوئی اس کی وضع قطع کو سب سے زیادہ پسند کرتا ہے، کوئی اس کی زیبایش و آرایش کی مدح کرتا ہے، تو وہ حقیقت اس کی ذات ان تمام اوصاف کا مجموعہ ہوتی ہے، اور ہر ناقد اپنی چشم اعتبار سے جو کچھ دیکھتا ہے، اسی کو اس کے حسن کا معیار قرار دے لیتا ہے، حافظ و سعدی کے کلام کا معترف کون نہیں، لیکن لوگوں سے اسکے حسن و خوبی کی تفصیل پوچھو تو کوئی ایک بات نہیں کہے گا کسی کے نزدیک ان کے کلام کا حسن یہ ہے کہ وہ اپنی غزلوں کے لیے بحریں نہایت مطربانہ اور موسیقیانہ اختیار کرتے ہیں، کوئی طریقۂ ادا اور اسلوب تعبیر کی تعریف کریگا، بعض ناقدین سخن الفاظ کی شیرینی اور ترکیب کی ندرت پیش کریں گے، کوئی تشبیہ و استعارہ کی جدت پر زور دے گا، دوسرے اصحاب ان کی نازک خیالی کے معترف ہوں گے، بعضوں کے نزدیک

[1] شاہ ولی اللہ صاحب نے فوز الکبیر میں اور مولانا شبلی نے اپنے مضمون اعجاز القرآن میں یہی مسلک اختیار کیا ہے۔

ان کی معنی آفرینی، عمیق فلسفہ و حکمت اور دلپذیر موعظت ان کے کلام کا تمغاے کمال ہے۔

عباراتنا شتی وحسنک واحد　　وکل الی ذاک الجمال یشیر

ہماری عبارتیں گو مختلف ہیں لیکن تیرا حسن ایک ہی ہے، ہر شخص اپنی عبارت میں اسی ایک حسن کی طرف اشارہ کر رہا ہے

قرآن مجید کی ان آیتوں کا اگر استقصاء کیا جائے جن میں اس کے وجوہ اعجاز کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے تو وہ ہم کو خود مختلف نظر آتی ہیں جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس کے وجوہ اعجاز اس قدر متعدد اور کثیر الاطراف ہیں کہ اُن کو کسی ایک میں محدود نہیں کیا جا سکتا، اس نے کہیں تو اپنی تعلیم و ارشاد کی مدح کی ہے، کہیں اپنی تاثیر اور قوتِ جذب کی طرف اشارہ کیا ہے، کہیں اپنی یکسانی اور عدم اختلاف کو اپنے خدا کی طرف سے ہونے کی نشانی بتائی ہے، کہیں اس نے اپنی عربیت اور حسنِ کلام کو ظاہر کیا ہے، کہیں ایک امی کی زبان کا پیغام ہونا اپنا معجزہ بتایا ہے، ایک موقع پر اپنی ہدایت و رہنمائی کو مخصوص ترین وصف قرار دیا ہے، کہیں وہ خود کو نور، ھدیٰ، حکمۃ بینۃ اور دیگر مختلف اوصاف معنوی کا پیکر کہتا ہے، چنانچہ ذیل میں ہم ان آیتوں کو بہ ترتیب لکھ دیتے ہیں،

فصاحت و بلاغت	لِسَانُ الَّذِیْ یُلْحِدُوْنَ اِلَیْہِ اَعْجَمِیٌّ وَّھٰذَا لِسَانٌ عَرَبِیٌّ مُّبِیْنٌ (نحل - ۱۴)	جس کی طرف یہ کفار نسبت کرتے ہیں اس کی زبان تو عجمی ہے اور یہ ایسی زبان ہے جو عربی ہے اور اپنے مدعاے دلی کو خوبی سے ظاہر کرتی ہے
	بلسانٍ عربیٍّ مُّبِیْنٍ (شعراء - ۱۱)	یہ قرآن ایک ایسی زبان میں ہے جو اپنے مدعائے دلی کو خوبی سے ظاہر کرتی ہے۔

قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِيْ عِوَجٍ (زمر)	قرآن عربی زبان میں ہے جسمیں کوئی کجی نہیں،
قُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ (یٰسین وحجر)	اپنے مدعا کو خوبی سے ظاہر کرنے والا قرآن،
یکسانی اور عدم اختلاف اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا	کیا یہ کافر قرآن میں غور نہیں کرتے، اگر یہ خدا کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا، تو وہ اس میں بہت سے اختلاف پاتے،
قوت تاثیر وَلَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنَ الْاَنْۢبَآءِ مَا فِيْهِ مُزْدَجَرٌ حِكْمَةٌۢ بَالِغَةٌ فَمَا تُغْنِ النُّذُرُ	ان کو (قرآن کے ذریعہ سے) اگلی امتوں کے اتنے حالات سنائے جاچکے ہیں جو انکی تنبیہ کو کافی تھے، یہ قرآن دل تک پہنچ جانے والی دانائی ہے لیکن انکو ڈرانا بھی فائدہ نہیں پہنچا سکتا، (قمر ۱)

کفار قرآن مجید کو سحر اور جادو کہتے تھے، یہ کیوں؟ اسکی اسی تاثیر اور قوت تسخیر کی بنا پر!

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ (احقاف)	جب ان کافروں پر ہماری کھلی کھلی آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو وہ لوگ جو سچائی کے آنے کے بعد اس کا انکار کرتے ہیں، کہتے ہیں کہ یہ تو کھلا ہوا جادو ہے،

کفار کہتے تھے کہ جب ہم لوگوں کو قرآن پڑھکر سنانے لگیں تو شور کرو تاکہ لوگ سنکر متاثر نہ ہوں،

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ	کفار نے کہا کہ اس قرآن کو سنا نہ کرو اور اس کے پڑھے وقت شور وغل کرو، شاید تم جیت جاؤ
تعلیم وہدایت ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ	یہ ہے وہ کتاب اس میں کوئی شک نہیں ہے،

فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ (بقرہ)	یہ پرہیزگاروں کے لیے سرتاپا ہدایت ہے
اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ	یہ قرآن اس تعلیم کی ہدایت کرتا ہے جو سب سے
هِيَ اَقْوَمُ (اسراء-۱۰)	زیادہ صحیح اور سیدھی ہے
قُلْ فَاْتُوْا بِكِتٰبٍ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ	کہدے قرآن اور تورات سے بڑھکر کوئی ہدایت
هُوَ اَهْدٰى مِنْهُمَا اَتَّبِعْهُ (قصص)	والی کتاب لاؤ تو میں اس کی پیروی کروں،
قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ	تمھارے پاس روشنی اور مدعا کو ظاہر
مُّبِيْنٌ (مائدہ-۳)	کرنے والی کتاب آچکی،
وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ (بقرہ)	ہم نے تیری طرف کھلی ہوئی آیتیں اتاریں،
وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنَاهُ مُبٰرَكٌ	یہ مبارک کتاب ہم نے اتاری تو اس کی پیروی
فَاتَّبِعُوْهُ وَاتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ	کرو اور پرہیزگاری اختیار کرو تاکہ تم پر رحم
اَنْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اُنْزِلَ الْكِتٰبُ	کیا جائے اور یہ نہ کہو کہ ہم سے پہلے یہود و نصاریٰ
عَلٰى طَآئِفَتَيْنِ مِنْ قَبْلِنَا ۚ وَاِنْ	دو قوموں پر کتاب اتاری گئی، اور ہم ان کے
كُنَّا عَنْ دِرَاسَتِهِمْ لَغٰفِلِيْنَ ۙ اَوْ	پڑھنے سے بیخبر تھے، یا یہ کہو کہ اگر ہم پر کتاب
تَقُوْلُوْا لَوْ اَنَّآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْكِتٰبُ	اتاری جاتی، تو ہم ان دونوں قوموں سے زیادہ
لَكُنَّآ اَهْدٰى مِنْهُمْ فَقَدْ جَآءَكُمْ	راہ راست پر ہوتے تو لو یہ تمھارے رب کی
بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ (انعام-۲۰)	طرف سے دلیل ہدایت و رحمت آئی ہے
وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ	اور قرآن سے ہم وہ تمارتے ہیں، جو مومنوں

وَرَحْمَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ (اسرا ۱۰-۹)	کے لیے شفا، اور رحمت ہے۔
وَاِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِيْزٌ ۙ لَّا يَاْتِيْهِ	یہ عزت والی کتاب ہے جس کے آس پاس بھی
الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا	باطل نہیں آسکتا، یہ حکمت اور تعریف والے
مِنْ خَلْفِهٖ ۭ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ	خدا کی اتاری ہوئی ہے، اے پیغمبر تجھ سے وہی
مَا يُقَالُ لَكَ اِلَّا مَا قَدْ قِيْلَ لِلرُّسُلِ	کہا جاتا ہے جو تجھ سے پہلے پیغمبروں سے کہا گیا،
مِنْ قَبْلِكَ ۭ اِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ	تیرا پروردگار بخشش والا بھی ہے، اور عذاب والا
وَّذُوْ عِقَابٍ اَلِيْمٍ ۔ وَلَوْ جَعَلْنٰهُ	بھی ہے، اگر ہم اس قرآن کی زبان عجمی کرتے تو
قُرْاٰنًا اَعْجَمِيًّا لَّقَالُوْا لَوْلَا فُصِّلَتْ	وہ لوگ یہ کہتے کہ اس کے احکام کیوں نہیں کھول
اٰيٰتُهٗ ۭ ءَاَعْجَمِيٌّ وَّعَرَبِيٌّ ۭ قُلْ هُوَ	کے بیان کیے گئے، ہم عرب ہیں، اور کتاب عجمی،
لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّشِفَاۗءٌ ۭ وَالَّذِيْنَ	کہدے کہ یہ کتاب مومنوں کے لیے ہدایت اور شفا ہے
يَا اَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاۗءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ	لوگو تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے
مِّنْ رَّبِّكُمْ وَشِفَاۗءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ ۙ	نصیحت آچکی، اور دلوں کے امراض کا علاج
وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ (یونس)	ہے، اور مسلمانوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے
وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ (یٰسین)	حکمت والا قرآن
وَالْقُرْاٰنِ ذِي الذِّكْرِ (ص)	نصیحت والا قرآن
قرآن کا جواب لانے کی قدرت نہیں لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ (۲)	جن وانس اس کا جواب نہیں لاسکتے،
وَلَنْ يَّفْعَلُوْا (بقرہ)	یہ کفار ہرگز اس کا جواب نہیں لاسکتے،

ایک امی کی زبان کا دانا ہونا

وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ الْمُبْطِلُوْنَ ۝ بَلْ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ وَمَا يَجْحَدُ بِاٰيٰتِنَآ اِلَّا الظّٰلِمُوْنَ ۝ وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيٰتٌ مِّنْ رَّبِّهٖ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ اَوَلَمْ يَكْفِهِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ يُتْلٰى عَلَيْهِمْ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَرَحْمَةً وَّذِكْرٰى لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝ (عنکبوت ۵)

قرآن سے پہلے اے پیغمبر تو تو کچھ پڑھ کر سناتا تھا اور نہ اپنے ہاتھ سے لکھتا تھا، اگر ایسا ہوتا تو باطل پرست شک کر سکتے، بلکہ یہ کھلی آیتیں ہیں جو ان لوگوں کے سینوں میں ہیں جنکو علم بخشا گیا ہے، اور ہماری آیتوں کو صرف گنہگار ہی انکار کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ کیوں اس (پیغمبر) پر اسکے خدا کیطرف سے نشانیاں نہیں اتریں، کہدے کہ نشانیاں خدا کے قبضہ میں ہیں. میں تو کھلا ڈرانے والا ہوں، کیا ان کے لیے یہ نشانی کافی نہیں ہے کہ ہم نے تجھ پر کتاب اتاری جو ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہے. اس میں ایمان والوں کے لیے رحمت اور نصیحت ہے.

حفظ و بقاء کا وعدہ

وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (حجر ۱)

اور یقیناً ہم ہی اسکی حفاظت کرنے والے ہیں

اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ (قیامۃ ۱)

ہم پر ہے اس قرآن کا جمع کرنا.

لَا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ (فصلت)

اس قرآن کے پاس آگے اور نہ پیچھے سے باطل آسکتا ہے.

قوتِ دلائل	فَقَدْ جَآءَكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ (انعام)	یقیناً تمھارے پاس تمھارے خدا کی دلیل آچکی
	قُلْ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ (انعام)	کہدے کہ خدا ہی کے لیے وہ دلیل ہے جو دلوں تک اتر جاتی ہے،
	هٰذَا بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ (اعراف)	یہ قرآن تمھارے رب کیطرف سے سمجھ بوجھ کی باتیں ہیں اور ہدایت و رحمت ہے مومنوں کے لیے،

قرآن مجید کی یہ آیتیں صرف چند حیثیتوں کو پیشِ نظر رکھ کر لکھی گئی ہیں، اگر کوئی استقصا کرے تو متعدد وجوہ اور بھی پیدا ہو سکتے ہیں، الغرض مقصود یہ ہے کہ قرآن مجید صرف فصاحت و بلاغت ہی کے لحاظ سے نہیں، بلکہ اپنی تمام حیثیات کے لحاظ سے معجزۂ کامل ہے، اس کے معجزۂ کامل ہونے پر مختصر ترین دلیل یہ ہے کہ ساڑھے تیرہ سو برس گذرے کہ کوہ صفا کی چٹان پر کھڑے ہو کر ایک اُمّی نے دنیا سے یہ غیر متزلزل تحدی کی کہ وہ اس کا جواب پیش کرے تو کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ ان تیرہ صدیوں کا ایک ایک سال گذر گیا، مگر ایک آواز بھی اس تحدی کو قبول کرنے کے لیے بلند نہ ہوئی، اگر صرف فصاحت و بلاغت ہی کو معیارِ اعجاز قرار دیا جائے تو کیا یہ امر واقعہ نہیں ہے کہ عین اُسوقت جب ایک اُمّی کی طرف سے، جو ایک شعر تک موزوں نہیں پڑھ سکتا تھا[1] یہ مدعیانہ اعلان عرب میں شائع ہوا، اُس وقت عرب کے قبیلہ قبیلہ میں زبان آور شعراء اور آتش بیان خطباء موجود تھے، مگر اس "صورتِ مرصع" کے سامنے سب کی زبانیں گنگ ہو گئیں، کفارِ عرب نے اسلام اور پیغمبرِ اسلام کی تکذیب کی کیا کیا کوششیں نہ کیں،

[1] بخاری شریف

انھوں نے اس راہ میں جان و مال قربان کیا، دین و کیش کو برباد کیا، اپنے عزیزوں اور فرزندوں کو نثار کیا، خود اپنی جانیں ہتھیلیوں پر رکھیں، ان کے سپاہیوں نے میدانِ جنگ میں پرے جمائے، ان کے دولتمندوں نے اپنے خزانے کھول دیے، اُن کے شاعروں اور خطیبوں نے اپنی آتش بیانیوں سے تمام ریگستانِ عرب کو تنور بنا دیا، یہ سب کچھ کیا، مگر یہ نہ ہو سکا کہ قرآن مجید کی ایک سورہ کا جواب پیش کریں جو اسلام کے دعوائے حق و صداقت کے کنگرہ کو چشم زدن میں پست کر دیتا، کیا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ اسکی مثال لانے سے عاجز تھے، اور جب وہ جو زبان کے اصل مالک اور محاورۂ عرب کے طبعی ماہر تھے اس کے مقابلہ سے عاجز تھے تو اس زمانہ کے بعد کے لوگوں کے لیے تو یہ عجز اور درماندگی اور زیادہ نمایاں ہے۔

حسان بن ثابتؓ، عامر بن اکوعؓ، طفیل بن عمر، زید الخیل، زبرقان، شماس، اسود بن ربیع، کعب بن زبیر، عبداللہ بن رواحہ وغیرہ عرب کے مشہور زبان آور اور شاعر تھے مگر قرآن مجید کے سامنے ان سب نے سر نیاز خم کیا، لبید عرب کے مشہور شاعر اور سبعہ معلقہ کی بزم مشاعرہ کے ایک رکن تھے، اسلام کے بعد جب حضرت عمرؓ نے ان سے چند اشعار کی فرمائش کی تو انھوں نے جواب دیا "جب خدا نے مجھ کو بقرہ اور آل عمران سکھائی، تو مجھے شعر کہنا زیبا نہیں"[1]

انیس قبیلۂ غفار کے شاعر تھے، انھوں نے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا چرچا سنا، تو چھپ کر مکہ آئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے کلام ربانی کی کچھ آیتیں سنکر واپس گئے، ان کے بھائی نے پوچھا کہ تم نے کیا پایا، انھوں نے جواب دیا کہ قریش کہتے ہیں کہ

[1] استیعاب، ابن عبدالبر ترجمہ لبید

وہ شاعر ہیں، ساحر ہیں، اور کاہن ہیں، ہم نے کاہنوں کا کلام سنا ہے، یہ اُن کی بولی نہیں، ہم نے شعر کے ایک ایک وزن کو دیکھ لیا ہے، وہ شعر بھی نہیں ہے، خدا کی قسم محمدؐ سچے اور قریش جھوٹے ہیں[1]"

ضماد ازدی ایک صاحب تھے جو جھاڑ پھونک کیا کرتے تھے، وہ یہ سن کر کہ محمدؐ (نعوذ باللہ) دیوانے ہو گئے ہیں، آپ کے علاج کے لیے آئے، آپ نے مختصر سی حمد اور کلمۂ شہادت پڑھا، وہ سنکر متحیر رہ گئے، تین دفعہ پڑھوا کر سنا، پھر کہا کہ خدا کی قسم میں نے کاہنوں کی بولی، اور جادوگروں کے منتر اور شاعروں کے قصائد سنے ہیں، لیکن تمھارا کلام کچھ اور ہی ہے، یہ تو سمندر تک میں اثر کر جائے گا۔ جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ ابوجہل اور قریش کے دیگر اکابر جمع ہو کر مشورہ کرنے لگے کہ محمدؐ کی تحریک روز بروز زور پکڑتی جاتی ہے، کسی ایسے آدمی کو تلاش کرنا چاہیے جو جادو، کہانت اور شعر کہنا جانتا ہو، تاکہ یہ معلوم ہو کہ یہ کیا ہے، قریش کے مشہور سردار عتبہ بن ربیعہ نے کہا میں یہ سب کچھ جانتا ہوں، کہو تو میں جا کر دیکھوں، چنانچہ آستانۂ نبویؐ میں آکر اس نے صلح کے کچھ شرائط پیش کیے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جواب میں سورۂ حٰمٓ فصلت پڑھنی شروع کی، کچھ ہی آیتیں پڑھی تھیں کہ اس نے آپ کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا کہ قرابت کا واسطہ بس کرو۔ واپس پھرا تو چند روز تک گھر سے باہر نہیں نکلا، ابوجہل نے جا کر کہا، کیوں عتبہ! محمدؐ کے یہاں کھانا کھا کر پھسل گئے، عتبہ نے کہا تم جانتے ہو کہ میں سب سے زیادہ دولتمند ہوں، مجھ کو دولت کی طمع دامنگیر نہیں ہو سکتی، لیکن محمدؐ نے میرے جواب میں جو کلام پیش کیا

[1] صحیح مسلم اسلام ابی ذر [2] صحیح مسلم باب تخفیف الصلوٰۃ والخطبہ

وہ نہ شعر تھا، نہ کہانت تھی۔ نہ جادو، میں نے ایسا کلام کبھی نہیں سنا۔ انھوں نے جو کلام پڑھا، اس میں عذاب الٰہی کی دھمکی تھی، میں نے ان کو قرابت کا واسطہ دیا کہ چپ ہو جائیں، میں ڈرا کہ تم پر عذاب نہ آجائے، لوگوں نے کہا محمدؐ نے اپنی زبان سے عتبہ پر جادو کر دیا۔[1]

ولید بن مغیرہ قریش میں بڑا دولتمند اور صاحبِ اثر تھا، وہ ایک دفعہ آپ کی خدمت میں آیا، اور فرمائش کی کہ کچھ پڑھ کر سنایئے، آپ نے چند آیتیں پڑھیں، اُس نے مکرر پڑھوا کر سنیں آخر بیخود ہو کر بولا "خدا کی قسم اس میں کچھ اور ہی شیرینی اور تازگی ہے، اس نخل کی شاخوں میں پھل اور اس کا تنہ بھاری ہے، یہ کسی انسان کا کلام نہیں۔"[2]

بنو ذہل بن شیبان کے سردار مفروق کے سامنے آپ نے چند آیتیں پڑھیں تو گو وہ مسلمان نہ ہوا، مگر کلام الٰہی سے متاثر ہوا،[3] نجاشی کے دربار میں حضرت جعفرؓ نے جب سورۂ مریم کی تلاوت کی، تو اس پر رقت طاری ہو گئی اور اس کی دونوں آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے، پھر کہا "خدا کی قسم یہ کلام اور انجیل دونوں ایک ہی چراغ کے پرتو ہیں۔"[4]

اس قسم کے اور بعض واقعات ابن اسحٰق نے سیرت میں نقل کیے ہیں، پہلی جلدوں میں پڑھ چکے ہیں، کہ لوگ کیونکر قرآن مجید کی آیتیں سنکر متاثر ہو جاتے تھے، حضرت عمرؓ کا دل ایک سورہ کی چند آیتیں پڑھکر اور سن کر پتھر سے موم ہو گیا، حضرت جبیر بن مطعمؓ اسیران بدر کو

---

[1] کتاب التفسیر ابن مردویہ، مسند ابو یعلی و سیرۃ ابن اسحاق، اخیر فقرہ صرف سیرۃ ابن اسحاق میں ہے [2] مصنف عبدالرزاق مستدرک حاکم جلد ۲ ص ۵۰۶ میں یہ اور اوپر کا واقعہ دونوں مل جل گئے ہیں [3] روض الانف شرح سیرۃ ابن ہشام جلد اول ص ۲۹۲، مطبوعہ مصر [4] مسند ابن حنبل جلد ۱ ص ۲۰۲ و مستدرک حاکم جلد ۲ ص ۳۱۰ [5] ابن سعد جلد ۳ حصہ اول ص ۱۹۱ و ابو یعلی و حاکم و بیہقی [6] مسند ابن حنبل جلد ۴ ص ۸۱

چھڑانے آئے تھے، انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سورۂ طور کی ایک دو آیتیں سن لیں تو ان کا دل دھڑکنے لگا،[1] حضرت عثمانؓ بن مظعون نے چند آیتیں سن لیں تو فوراً حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئے،[2] حضرت طفیلؓ بن عمرو دوسی کے کانوں میں اتفاقیہ قرآن مجید کی چند آیتیں پہنچ گئیں تو مسلمان ہو گئے،[3] طائف کے سفر میں حضرت خالد الہدوانیؓ نے آپ کو والسماء والطارق پڑھتے سنا تو وہ اُس وقت مسلمان نہ ہوئے، مگر پوری سورہ ان کے دل میں گھر کر گئی یعنی یاد ہو گئی،[4] حبش سے بیس آدمیوں کی ایک جماعت حاضر خدمت ہوئی، آپ نے انکو قرآن مجید پڑھ کر سنایا، ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے،[5] حضرت ابو عبیدہؓ، حضرت ابو سلمہؓ، حضرت ارقم بن ارقمؓ، یہ تینوں اصحاب اسی کی کشش مغناطیسی سے کھنچکر حلقۂ اسلام میں آئے،[6] اور تو اور خود ہبط وحی اور حاملِ کلامِ ربانی کا کیا حال تھا؟ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ نے ایک دفعہ قرأت شروع کی تو بے اختیار چشم مبارک سے آنسو جاری ہو گئے،[7] ایک اور موقع پر قرآن مجید کی چند آیتیں زبانِ مبارک سے ادا ہوئیں، اور اس کے بعد آنسوؤں کا تار بندھ گیا،[8]

کلام کی یہ شیرینی، یہ نمکینی، یہ تاثیر، یہ تسخیر جو دوست و دشمن، موافق و مخالف، شاہ و گدا، عالم و جاہل، پیغمبر و امت سب کو یکساں فریفتہ کرتی ہے، اعجاز نہیں تو اور کیا ہے؟ حکما

---

[1] صحیح بخاری تفسیر سورۂ طور [2] مسند ابن حنبل ج ۵ ص ۳۱۸ [3] استیعاب تذکرہ طفیل بن دوسیؓ [4] مسند ابن حنبل ج ۴ ص ۳۴۵ [5] سیرۃ ابن ہشام [6] اسد الغابہ تذکرہ ابو سلمہؓ و عبد اللہ بن ارقمؓ [7] صحیح بخاری تفسیر کیف اذا جئنا من کل امۃ بشہید [8] صحیح مسلم باب بکاء صلی اللہ علیہ وسلم لامتہ

فلاسفہ، ادباء، اہلِ لغت، مفسرین، محدثین، فقہا، صوفیا، شعراء، متکلمین، غرض نوعِ انسانی کی وہ کونسی صنف ہو جس نے ایک اُمّی کی زبان سے ادا ہونے والے پیغام کے عشق و محبت میں اپنا سرمایۂ حیات قربان نہیں کر دیا، اور جن کو اس کلام کی تشریح و تفصیل اور تحقیق و توضیح کے حظات کی لذت میں دنیا کی تمام نعمتیں ہیچ نظر آئیں، کیا یہ اعجاز نہیں؟

غور کیجئے کہ ایک اُمّی محض، جو امیوں ہی کی گود میں پلا اور پل کر جوان ہوا، اس نے ہوش سنبھالا تو گرد و پیش تاریکیوں اور ظلمتوں کے سوا اس کو کچھ نظر نہیں آیا، علوم و فنون اور تمدن و تہذیب سے ایک عاری ملک، عاری شہر، اور عاری خاندان کے اندر نشو و نما پائی، جہاں اہلِ فکر اور اربابِ علم کا وجود نہ تھا، وہ خود، اس کا خاندان اور اس کا وطن نوشت و خواند کے نقوش و حروف سے آشنا نہ تھا، گذشتہ صحفِ انبیاء اور افکارِ عالیہ کا ایک حرف اس کے کان میں کبھی نہیں پڑا، علماء اور دانشوروں کی صحبت اس نے نہیں اٹھائی، اصولِ قانون، مبادیِ اخلاق، محاسنِ علم و عمل کی کوئی ظاہری تعلیم اس کو نہیں ملی، بلکہ مدرسۂ علم و حکمت کے سایۂ دیوار تک کبھی اس کا گذر نہیں ہوا، اور اسی طرح وہ اپنی زندگی کے چالیس برس پورے کرتا ہے کہ دفعتہً غارِ حرا کے ایک گوشہ سے اجالا ہوتا ہے، علوم و فنون اور تہذیب و تمدن کا سرچشمہ ابلتا ہے، ظاہری نوشت و خواند کے نقوش و حروف کا طلسم ٹوٹ جاتا ہے، صحفِ انبیاء اور افکارِ عالیہ کے اوراق اس کی زبان پر جاری ہو جاتے ہیں، اسکے پرتو صحبت سے اُمّی اور جاہل، علماءِ دہر اور دانشورانِ روزگار بن کر نکلنے لگتے ہیں، اصولِ قانون، مبادیِ اخلاق اور محاسنِ علم و عمل کی تعلیم کا غلغلہ اس کی بزمِ فیض کے گوشہ گوشہ سے بلند ہوتا ہے، کلامِ ربانی

کے پردہ میں علم و حکمت کے پوشیدہ اسرار فاش ہونے لگتے ہیں، اس سے زیادہ قرآن مجید کے معجز ہونے کی اور کیا دلیل ہو سکتی ہے!

توراۃ قانون و شریعت ہے لیکن اخلاق و موعظت نہیں۔ انجیل اخلاق و موعظت ہے لیکن قانون و شریعت نہیں۔ زبور مخاطباتِ قلبی اور دعاؤں کا مجموعہ ہے۔ لیکن دیگر صفات سے خالی۔ مسیح کے صحیفہ میں خطابت کی ہنگامہ آرائیاں ہیں، مگر استدلال اور فکر و نظر کی دعوت نہیں۔ صحفِ بنی اسرائیل پیشین گوئیوں سے لبریز ہیں مگر دقائقِ حکمت اور اسرار ایمان و عمل سے خالی ہیں۔ دنیا میں ایک ہی کتاب الٰہی ہے جو قانون و شریعت بھی ہے اور اخلاق و موعظت بھی، مخاطباتِ قلبی اور دعاؤں کا گنجینہ بھی ہے اور دیگر کتب الٰہیہ کی مجموعی صفتوں کی حامل بھی، خطابت بھی ہے اور استدلال و فکر بھی۔ اظہارِ غیب اور پیشین گوئیوں سے لبریز بھی ہے، اور دقائقِ حکمت و اسرار ایمان و عمل سے معمور بھی، اور ان سب کے ساتھ عین اُس وقت جب اور کتب الٰہی تحریف و تغییر اور ترجم و تعبیر سے اپنی اصلی زبان اور اصلی الفاظ کھو چکی ہیں، اس کی بقا اور حفاظت کی یہ ذمہ داری کہ تیرہ سو برس کے بعد بھی اس کے ایک لفظ ایک حرف، ایک نقطہ میں تغیر و تبدل نے راہ نہیں پائی۔ وہ اپنی زندگیِ جاوید کے لیے کاغذ کے نقوش و حروف کی محتاج نہیں کہ لاکھوں انسانوں کے سینے اس خزانہ کے صندوق ہیں، اور وہ اسی زبان اور ان ہی الفاظ اور ان ہی حروف کے قالب میں ابتک جلوہ گر ہے جس میں دستِ قدرت نے اس کو ڈھالا تھا، اور جبریلِ امین نے اس کو اتارا تھا، اور محمدؐ عربی نے اس کو امت کے ہاتھوں میں سونپا تھا، کیا یہ اعجاز نہیں؟

یہیں سے یہ نکتہ بھی حل ہوتا ہے کہ قرآن مجید اپنی تعلیمات اور معانی کے ساتھ اپنے الفاظ، کلمات اور عبارت میں بھی معجزہ ہے۔ اور اس کی فصاحت و بلاغت کے معجزانہ کمال کی وہ دوسری آسمانی کتابیں، حریف نہیں بن سکتیں۔ کیونکہ دوسری آسمانی کتابیں اپنے الفاظ کے لحاظ سے نہیں، بلکہ اپنے معنی کے لحاظ سے وحی ہیں، چنانچہ نہ تو خود ان کتابوں کو اور نہ ان کے ماننے والوں کو اس کا دعویٰ ہے، اور نہ کبھی انھوں نے اپنی کتابوں کو کلام و عبارت کے لحاظ سے معجز کہا ہے چنانچہ اسی لیے وہ اصل الفاظ اور زبان جس کے قالب میں وحیِ موسوی (تورات) اور عیسوی (انجیل) نے ظہور کیا، درست ہوئی کہ دنیا ان سے محروم ہوگئی، تورات کی اصل عبرانی زبان جو حضرت موسیٰؑ کی زبان سے نکلی تھی، وہ بخت نصر کی آگ کی نذر ہوگئی، اور اس نے آرامی اور سریانی زبان کا قالب اختیار کرلیا۔ اور آخر صدہا سال کے بعد حضرت عزیرؑ نے پھر اس کو عبرانی زبان میں منتقل کیا۔ انجیل کے متعلق ابھی تک یہی طے نہیں ہوا کہ اسکی اصل زبان کیا تھی؟ اور انجیل پہلے پہل کس زبان میں لکھی گئی تھی؟ انجیل کی سب سے قدیم زبان یونانی زبان ہے، مگر ظاہر ہے کہ یہ وہ زبان نہیں جو حضرت عیسیٰؑ فلسطین کے ملک میں بولتے تھے۔ ایسی حالت میں ان کتابوں کی فصاحت و بلاغت کے اعجاز اور اسکے الفاظ کے منجانب اللہ ہونے کا دعویٰ کیونکر کیا جاسکتا ہے۔ برخلاف اس کے دنیا میں وحیِ محمدیؐ سب سے پہلی اور سب سے آخری کتاب ہے جس نے اس حیثیت سے اپنے اعجاز کا دعویٰ کیا، چنانچہ قرآن مجید کا حرف حرف اور لفظ لفظ وحی ہے، اور وہی ہے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے ادا ہوا اور وہ ہر قسم کی تحریف و تغییر سے پاک ہے۔ اس لیے اس کے الفاظ، کلمات اور عبارات تک معجزہ ہیں، اور اس وصف میں دنیا کی کوئی آسمانی کتاب اس کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کرسکتی۔[1]

[1] یہاں مسئلۂ اعجاز القرآن پر بحث مقصود نہیں، یہ بحث جن طریقوں سے آئمہ کلام نے کی ہے ان میں صرف مسلک معتزلہ کا ذکر ہے جس میں اسکا حصر تھا، مقصود تھا۔

اُمّیؐ

یعنی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ظاہری تعلیم اور نوشت و خواند کے داغ سے پاک ہونا

الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ (اعراف)

یہ واقعہ محتاجِ بیان نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ظاہری تعلیم اور نوشت و خواند کے داغ سے پاک تھے، قرآن مجید نے متعدد موقعوں پر اس واقعہ کا اظہار کیا ہے، چنانچہ سورۂ اعراف میں ہے،

الَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ،	یہ مسلمان وہ ہیں جو ان پڑھ پیغمبر اور فرستادۂ الٰہی کی پیروی کرتے ہیں،

اسی سورہ میں پھر اس کے بعد ہی ہے،

فَاٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ	تو لوگو اللہ پر اور اسکے ان پڑھ پیغمبر اور فرستادہ پر ایمان لاؤ،

سورۂ جمعہ میں نہ صرف آپکے امّی بلکہ اغلب آبادی کی حالت کے لحاظ سے تمام قریش اور عرب کے امّی ہونے کا اظہار ہے،

ھُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْھُمْ (جمعہ-۱)	اسی خدا نے امیوں کے درمیان انہی میں سے ایک پیغمبر بنا کر بھیجا،

دوسری جگہ سورۂ عنکبوت میں ارشاد ہوتا ہے،

وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ	اور قرآن کے نزول سے پہلے اے پیغمبر تو تم
كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ	کوئی کتاب پڑھ سکتے تھے اور نہ اپنے ہاتھ سے اسکو
الْمُبْطِلُوْنَ (عنکبوت - ۵)	لکھ سکتے تھے. اگر ایسا ہوتا تو باطل پرست شک کر سکتے

اس سے معلوم ہوا کہ آپ کا انسانی تعلیم سے پاک ہونا بھی مصلحت الٰہی کا ایک خاص منشاء تھا، اسی لیے اس کے بعد ہی ارشاد ہوتا ہے،

وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيٰتٌ	اور معترضین کہتے ہیں کہ اس پیغمبر پر اسکے پروردگار
مِّنْ رَّبِّهٖ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ	کی طرف سے کوئی نشانیاں کیوں نہیں اتریں،
اللّٰهِ وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ. اَوَلَمْ	کہدے کہ نشانیاں خدا کے قبضۂ قدرت میں ہیں،
يَكْفِهِمْ اَنَّآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ	اور میں تو صرف خدا سے ڈرانے والا ہوں. کیا ان
يُتْلٰى عَلَيْهِمْ	معترضین کو یہ نشانی کافی نہیں ہے کہ ہم نے تجھ پر (جو)
(عنکبوت - ۵۰)	کتاب اتاری ہے وہ ان کو پڑھکر سنائی جاتی ہے.

قرآن مجید کی مختلف سورتوں میں اس کا اظہار ہے کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمہاری زبان سے آج گذشتہ پیغمبروں، اگلی امتوں اور عہد ماضی کے واقعات ادا ہوتے ہیں، ان واقعات اور حالات سے واقفیت حاصل کرنے کے تین ہی ذریعے انسان کے ہاتھ میں ہیں، ایک یہ کہ وہ اس واقعہ کے وقت موجود ہو. دوسرا یہ کہ ان حالات کو کتابوں میں پڑھے. تیسرا یہ کہ اوروں سے سنے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اطلاع کے ان تینوں ذرائع سے ناآشنا تھے. اول ذریعہ تو ظاہر ہے کہ

مفقود تھا۔ قرآن مجید میں آدمؑ سے مولدِ محمدیؐ تک کے تمام واقعات بیان کیے گئے ہیں، یہ واقعات آپ کی پیدائش سے پہلے وقوع پذیر ہوئے تھے۔ اور آپ کے پاس ان کے علم کا کوئی ظاہری ذریعہ نہ تھا۔ اسی لیے قرآن مجید نے متعدد مواقع مثلاً حضرت مریمؑ اور زکریاؑ کے قصہ میں کہا ہے،

ذٰلِكَ مِنْ اَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ	یہ گذشتہ زمانہ کی خبروں میں سے ہے جس کو ہم
اِلَيْكَ ۚ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ	تیری طرف وحی کر رہے ہیں، تو ان کے پاس
يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَيُّهُمْ يَكْفُلُ	اس وقت موجود نہ تھا جب وہ اپنا اپنا پانسہ
مَرْيَمَ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ	ڈال رہے تھے، کہ کون مریم کی کفالت کریگا اور
يَخْتَصِمُوْنَ ۝ (آل عمران ۵)	نہ تو ان کے پاس اسوقت تھا جب وہ جھگڑ رہے تھے،

حضرت موسیٰؑ کے قصہ میں ارشاد ہوتا ہے:

وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ اِذْ	جب ہم نے موسیٰ کو اپنا فیصلہ دیا تو تم اسوقت
قَضَيْنَآ اِلٰى مُوْسَى الْاَمْرَ وَمَا كُنْتَ	مغربی گوشہ میں موجود نہ تھا، بلکہ ہم نے صدیاں
مِنَ الشّٰهِدِيْنَ وَلٰكِنَّآ اَنْشَاْنَا	اس پر گذار دیں، تو میں پیدا کیں جنکی بڑی بڑی
قُرُوْنًا فَتَطَاوَلَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ	عمریں ہوئیں، اور نہ تو اہل مدین میں قیام پذیر
وَمَا كُنْتَ ثَاوِيًا فِيْٓ اَهْلِ مَدْيَنَ	ہو کر آیات الٰہی انکو پڑھکر سناتا تھا، بلکہ ہم
تَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا وَلٰكِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ	آیندہ تم کو بھیجنے والے تھے، اور نہ تو اس وقت
وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّوْرِ اِذْ نَادَيْنَا	گوشۂ طور میں تھا جب ہم نے موسیٰ کو آواز دی
وَلٰكِنْ رَّحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ (قصص ۵)	بلکہ (اس قصہ کا علم تجھکو جو حاصل ہو رہا ہے)

حضرت یوسفؑ کے قصہ میں فرمایا،

ذٰلِكَ مِنْ اَنْبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ اَجْمَعُوْٓا اَمْرَهُمْ (یوسف ۱۱)

یہ اس گذشتہ زمانہ کے قصہ کا علم ہم تم کو اپنی وحی سے عطا کر رہے ہیں، تو اس وقت آپکے پاس موجود نہ تھا جب وہ باہم مشورے سے بات

علم کا دوسرا ذریعہ یہ تھا کہ کتابوں کو پڑھ کر اطلاع حاصل ہو، قرآن مجید نے اسکی بھی نفی کی

وَمَا كُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتٰبٍ وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ (عنکبوت)

نہ تو اس سے پہلے کوئی کتاب پڑھ کرتا تھا اور نہ اپنے ہاتھ سے تو اسکو لکھ سکتا تھا

مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ (شوریٰ ۵)

تجھ کو تو یہ بھی معلوم نہ تھا کہ کتاب کیا چیز ہے اور ایمان کس کو کہتے ہیں،

تیسری صورت یہ تھی کہ دوسروں سے سن کر یہ علم حاصل کیا جائے، سب کو معلوم ہے کہ نبوت سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی تمام تر مکہ معظمہ میں گذری، بجز اس کے کہ چند مہینے بصریٰ وغیرہ کے سفر تجارت میں گذرے ہوں، اور خود مکہ معظمہ میں نہ ان واقعات کا کوئی واقف کار تھا، اور نہ قریش کو ان سے آگاہی تھی، اس لیے یہ ذریعۂ علم بھی ثابت نہیں، چنانچہ قرآن مجید نے علی الاعلان کہا

تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَآ اِلَيْكَ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَآ اَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا (ھود)

یہ گذشتہ زمانہ کی باتیں ہیں جن کی بذریعۂ وحی ہم تجھ کو تعلیم کرتے ہیں تو خود اور تیری قوم اس سے پہلے ان سے آگاہ نہ تھی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جو زندگی مکہ معظمہ میں گذری اور سفر تجارت میں قریش کے شامی قافلوں کے ساتھ جو زمانہ بسر ہوا، اس کا ایک ایک واقعہ قریش کے سامنے تھا، جب آپ مکہ میں تھے تب بھی آپ قریش کے مجمع میں تھے، اور جب کبھی مکہ سے باہر گئے تو بھی قریش ہی کے جھرمٹ میں رہے، اس لیے آپ کی زندگی کا کوئی لمحہ ان سے مخفی نہ تھا، اگر آپ نے کوئی ظاہری تعلیم پائی ہوتی تو شاعر و مجنون و ساحر کی طرح وہ اس الزام کا اظہار بھی کر سکتے تھے، مگر انھوں نے نہیں کیا، اس سے معلوم ہوا کہ ان کو اس بات کا یقین تھا کہ محمد کا سینہ ظاہری تعلیم کے عیب سے داغدار نہیں، چنانچہ قرآن مجید نے یاد دلا کر کہا،

قُلْ لَّوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ عَلَيْكُمْ	اگر خدا کو منظور ہوتا تو میں تم کو نہ یہ قرآن پڑھ کر سناتا
وَلَآ اَدْرٰىكُمْ بِهٖ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ	اور نہ خدا تم کو اس قرآن سے آگاہ کرتا، اس سے
عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ (یونس)	پہلے میں مدتوں تم میں رہ چکا ہوں کیا تم نہیں سمجھتے۔

قرآن مجید نے ان تمام شکوک اور الزامات کو دہرایا ہے، ان کو یہ شک تھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کسی دوسرے سے سن کر یہ قرآن پیش کرتے ہیں، چنانچہ قرآن مجید نے ان کے اس اعتراض کو نقل کیا اور اس کا جواب دیا،

وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا	اور ہم کو بتحقیق معلوم ہے کہ یہ کفار کہتے ہیں کہ محمد
يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ لِّسَانُ الَّذِيْ يُلْحِدُوْنَ	کو کوئی آدمی سکھاتا ہے، اس شخص کی زبان جس کی
اِلَيْهِ اَعْجَمِيٌّ وَّهٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ	طرف یہ منسوب کرتے ہیں، عجمی ہے، اور یہ
مُّبِيْنٌ (نحل - ۱۴)	فصیح عربی زبان ہے۔

سورۂ فرقان میں چند آدمیوں کی شرکت کا شبہہ مذکور ہے،

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ	اور کافر کہتے ہیں کہ یہ قرآن من گھڑت چیز ہے
هٰذَآ اِلَّآ اِفْكُ نِ افْتَرٰىهُ وَاَعَانَهٗ	جس کو محمدؐ نے گھڑ لیا ہے اور اس افترا پردازی میں
عَلَيْهِ قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ ، فَقَدْ جَآءُوْ	میں چند اور آدمی بھی شریک ہیں، وہ یقیناً
ظُلْمًا وَّزُوْرًا ، (فرقان - ۱)	غلط اور جھوٹ کہتے ہیں،

یہ سب شبہات کیے گئے مگر کفار نے کبھی یہ شبہہ نہیں ظاہر کیا کہ محمدؐ نے چپکے سے پڑھنا سیکھ لیا ہے، اور دوسری آسمانی کتابیں پڑھ کر یہ قرآن بنا لیتے ہیں، اس سے ثابت ہوا کہ آپ کی اُمیت پر ان کو یقین تھا، مدینہ آکر یہودیوں سے معاملہ پڑا، روایات میں بکثرت اس قسم کے واقعات مذکور ہیں کہ یہود آپ کے پاس آتے تھے اور آپ سے وہ سوالات کرتے تھے جو انکی کتابوں میں مذکور تھے، اور کہتے تھے کہ اُن کے جواب پیغمبر ہی دے سکتا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے صحیح جوابات دیتے تھے اور وہ متحیر رہ جاتے تھے، اس واقعہ سے یہ امر پایۂ ثبوت کو پہنچتا ہے کہ یہود کو بھی یہ یقین تھا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُمی محض ہیں، اور ہماری کتابوں کو نہ انھوں نے پڑھا ہے اور نہ پڑھ سکتے ہیں، اور نہ اس جرأت کے ساتھ وہ اپنی کتابوں کے سوالات اس شخص کے سامنے جس کی نسبت ان کو معلوم ہوتا کہ وہ ان کو پڑھ چکا ہے یا پڑھ سکتا ہے، نہ پیش کرتے اور نہ اس کو حق و باطل کا معیار قرار دیتے،

قریش کو جس شخص کی نسبت شبہہ تھا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سکھاتا ہے، اس کے متعلق امام طبری نے تفسیر میں مختلف روایتیں نقل کی ہیں، جن سے اس کی شخصیت اور نام

کے متعلق کوئی صحیح فیصلہ نہیں ہو سکتا، تاہم مجموعی حیثیت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مکہ معظمہ میں کوئی نصرانی غلام تھا، جو اپنی زبان میں کتبِ مقدسہ کبھی کبھی پڑھا کرتا تھا، اور آپ راستہ چلتے اس کے پاس کبھی کبھی کھڑے ہو جاتے تھے، اسی پر کفار نے کہا کہ محمد کو یہی قرآن کی آیتیں سکھاتا ہے، اللہ تعالیٰ نے جواب دیا کہ اس غلام کی، اور جو کتابیں وہ پڑھا کرتا ہے، ان کی زبان عربی نہیں، اور نہ وہ عربی جانتا ہے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عربی کے سوا کوئی اور زبان نہیں جانتے، اور خود قرآن کی زبان فصیح عربی ہے۔ یہ کیونکر ممکن ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غیر زبان کو سمجھ لیں اور وہ عجمی غلام قرآن جیسی فصیح زبان میں کلام کرے،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بچپن کے واقعات میں سے ایک واقعہ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ آپ کو آپ کے چچا ابوطالب اپنے ساتھ شام لیے جا رہے تھے، راستہ میں بحیرا نام ایک راہب نے آپ کو دیکھا، اور آثار سے پہچان لیا کہ آپ ہی پیغمبر آخر الزماں ہیں، چنانچہ اس نے ابوطالب کو مشورہ دیا کہ ان کو مکہ واپس بھیجدو، ورنہ یہود اگر دیکھ لیں گے تو قتل کر ڈالیں گے، اگرچہ یہ واقعہ جو کہ سیرۃ نبوی جلد اول (شام کا سفر) میں تفصیل لکھا جا چکا ہے، صحیح نہیں ہے، تاہم ہمارے عیسائی احباب اس ضعیف روایت پر اپنے شکوک و شبہات کی عظیم الشان عمارت قائم کیے ہیں اور کہتے ہیں کہ پیغمبر اسلام نے اسی راہب کی صحبت سے فیض حاصل کیا۔ اگر یہ صحیح ہے تو دنیا کے لیے اس سے بڑا معجزہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اور کیا چاہیے کہ ایک ایجد ناشناس طفل دوازدہ سالہ نے چند گھنٹوں میں حقائق و اسرار دین، اصول عقائد، نکات اخلاق، مہمات قانون اور ایک شریعت عظمیٰ کی تکمیل و تاسیس کے طریقے سب کچھ سیکھ لیے۔ کیا ہمارے عیسائی دوست اس

معجزہ کو تسلیم کرتے ہیں،

سب سے بڑی بات یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیغمبرانہ زندگی پورے ۲۳ برس تک قائم رہی اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی انسانی معلم سے فیض پاتے رہتے تو ضرور تھا کہ وہ اس پورے زمانہ تک یا بڑی حد تک خلوت و جلوت میں آپ کے ساتھ رہتا کہ وقتِ ضرورت (نعوذ باللہ) آپ اس سے قرآن بنواتے احکام و مواعظ سیکھتے، اسرار و نکات معلوم کرتے اور یہ شخص یقیناً مسلمان نہ ہوتا، کیونکہ جو شخص خود مدعیِ نبوت کو تعلیم دے رہا ہو، وہ کیونکر اس کی نبوت کو تسلیم کر سکتا تھا، اور پھر اس شہرت عام ذکر جمیل، رفعتِ مقام کو دیکھکر جو مدعی نبوت کو حاصل ہو رہی تھی، وہ خود پردہ کے پیچھے گمنامی پسند کرتا، اور صحابہ کرام کی نگاہوں سے اس کا وجود ہمیشہ مستور رہتا جس عجمی کی نسبت قریش کو شبہہ تھا، اگر حقیقت میں آپ اس سے تعلیم حاصل کیا کرتے تو قریش جو آپ کی تکذیب، تذلیل اور آپ کو خاموش کرنے کی ہر تدبیر پر عمل پیرا ہو رہے تھے، ان کے لیے آسان تھا کہ اس غلام عجمی کو الگ کر دیتے کہ محمد رسول اللہ کی وحی اور قرآن کا تمام کاروبار دفعۃً درہم برہم ہو جاتا، علاوہ ازیں زیادہ سے زیادہ اس کا وجود مکہ میں تھا، پھر مدینہ میں ۱۳ برس تک سینۂ نبوت سے فیضان الٰہی کا سرچشمہ کیونکر ابلتا رہا، قرآن شریعتِ اسلام اور احکام کا بڑا حصہ یہیں وحی ہوا ہے، مکہ میں تو نسبتۃً بہت کم سورتیں نازل ہوئی ہیں

جب مدینہ منورہ میں اسلام کا چرچا پھیلا تو یہود و نصاریٰ نے اسلام کو بدنام اور بے اثر کرنے کی ایک تدبیر یہ سوچی کہ لوگ جھوٹ موٹ اگر پہلے مسلمان اور پھر چند روز کے بعد مرتد ہو جائیں تاکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بدنامی ہو، اور لوگوں کو خیال ہو کہ اگر یہ مذہب سچا ہوتا تو اس کو قبول کر کے کوئی کیوں چھوڑ دیتا

وَقَالَتْ طَآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ	اور اہل کتاب میں سے ایک گروہ کہتا ہے کہ
اٰمِنُوْا بِالَّذِیْٓ اُنْزِلَ عَلَى الَّذِیْنَ	مسلمانوں پر جو اترا ہے اس پر صبح کو ایمان لاؤ
اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ	اور شام کو اس سے پھر جاؤ، شاید کہ وہ
لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ (آل عمران ۸۷)	لوگ (مسلمان) بھی پھر جائیں۔

چنانچہ اسی سازش کے مطابق ایک عیسائی نے اسلام قبول کیا، اور سورۂ بقرہ اور سورۂ آل عمران پڑھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کتابت وحی کی خدمت اُس کے سپرد کی، چند روز کے بعد وہ مرتد ہو گیا، اور کہنے لگا کہ میں نے محمدؐ کو جو کچھ لکھ دیا ہے، وہ اس کے سوا کچھ نہیں جانتے، خدا نے اپنی نشانی ظاہر کی، اور موت نے بہت جلد اسکی افترا پردازی کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ کر دیا،[1] اور دنیا نے دیکھ لیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضانِ نبوت کا چشمہ اب بھی اسی طرح جوش زن ہے،

صلح حدیبیہ کا ایک واقعہ یہ ہے کہ قریش اور مسلمانوں کے درمیان عہد نامہ مرتب ہو رہا تھا حضرت علیؓ عہد نامہ لکھ رہے تھے، عہد نامہ کی عبارت یہ تھی کہ "یہ وہ شرائط ہیں جن کو خدا کے رسول محمدؐ نے منظور کیا" قریش نے کہا "اگر ہم آپ کو خدا کا رسول مانتے تو اس لڑائی کی نوبت ہی کیوں آتی، اس لفظ کو مٹا کر اپنا اور اپنے باپ کا نام لکھئے، آپ نے حضرت علیؓ کو ایما فرمایا کہ انکی حسبِ خواہش ترمیم کر دو، حضرت علیؓ نے کہا مجھ سے یہ گستاخی نہیں ہو سکتی، آپ نے پوچھا وہ الفاظ کہاں ہیں، حضرت علیؓ نے انگلی رکھ کر بتایا، تو آپ نے خود اپنے دستِ مبارک سے رسول اللہ کا لفظ مٹا دیا، اور محمد بن عبد اللہ لکھ دیا، یہ واقعہ بخاری، مسلم، نسائی، مسند ابن حنبل اور تمام کتبِ سیر میں مذکور ہے، اسی

---

[1] صحیح بخاری علامات النبوۃ فی الاسلام،

کے ساتھ بخاری میں یہ تصریح ہے[1] کہ ولیس یحسن یکتب اور مسند احمد میں بروایت اسرائیل یہ الفاظ ہیں ولیس یحسن ان یکتب یعنی آپ لکھنا نہیں جانتے تھے، لیکن باوجود اس کے تمام احادیث دیسر میں یہ ہے کہ "آپ نے محمد بن عبداللہ کے الفاظ لکھ دیے"، روایت کے ظاہری معنی سے بعضوں کو یہ شبہہ ہوا کہ آپ نے خود اپنے دست مبارک سے یہ الفاظ لکھے اور آپ نے شاید اخیر زمانہ میں لکھنا سیکھ لیا تھا، ابن ابی شیبہ نے مجاہد کے واسطہ سے یہ روایت کی ہے کہ "آپ نے اس وقت تک وفات نہیں پائی جب تک آپ کو لکھنا پڑھنا نہ آگیا"، اور ایک اور روایت (بواسطہ یونس بن میسرہ عن ابی کبشۃ السلولی عن سہل بن الحنظلیہ) نقل کی ہے کہ آپ نے حضرت امیر معاویہؓ سے ایک فرمان لکھوا کر اقرع اور عیینہ کو عنایت فرمایا، انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آکر کہا کہ معلوم نہیں اس میں کیا لکھا ہے، آپ نے اس پر ایک نظر ڈال کر فرمایا، وہی لکھا ہے جو میں نے حکم دیا ہے۔

اگر یہ روایتیں صحیح ہیں تو یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک اور معجزہ ہوگا کہ انسانی تعلیم کے بغیر اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ فن بھی اپنی بارگاہ سے عنایت کیا، مگر واقعہ یہ ہے کہ یہ روایتیں تمامتر موضوع یا نہایت ضعیف ہیں، اس لیے آپ کی امیت کے متعلق جو متواتر روایتیں ہیں ان سے ان کی تنسیخ نہیں ہوسکتی، یہ ممکن ہے کہ امی سے امی آدمی کے ہاں جب شب و روز لکھنے پڑھنے کا کام لگا رہے تو وہ کسی قدر حرف شناس ہوجائے، خصوصاً اپنے نام اور دستخط کو پہچان لینا اور ان کو لکیر کھینچ کر لکھ دینا تو معمولی بات ہے لیکن اصل یہ ہے کہ فاضل عمادی و حقی

[1] صحیح بخاری باب عمرۃ القضاء،

فرامین اور مراسلات لکھاتے ہیں، محاورۂ عام میں ان کو لکھنا ہی کہتے ہیں، آپ کہتے ہیں کہ عالمگیر نے یہ فرمان لکھ کر دیا، شاہجہاں نے جامع مسجد بنائی۔ فلاں بادشاہ نے یہ قلعہ تعمیر کیا، حالانکہ لکھنے والے، بنانے والے، اور تعمیر کرنے والے کاتب اور معمار تھے، مگر چونکہ ان سلاطین کے حکم سے اور ان ہی کی طرف سے وہ لکھا یا بنایا گیا، اس لیے بولنے والے خود سلاطین اور امراء کی طرف فعل کی نسبت کر دیتے ہیں، چنانچہ اسی محاورہ کے مطابق اس موقع پر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سلاطینِ عالم کے نام دعوت نامے بھیجے ہیں، تو وہاں عام طور پر یہ الفاظ ہیں، وکتب الیٰ قیصر وکتب الیٰ کسریٰ، آپ نے قیصر کو یہ خط لکھا، کسریٰ کو یہ لکھا، مگر سب کو معلوم ہے کہ آپ نے دست خاص سے یہ خطوط لکھ کر نہیں بھیجے، مگر چونکہ آپ ہی نے لکھوائے تھے، اس لیے ان کی نسبت آپ ہی کی طرف کی گئی، روزمرہ کی بات ہے کہ ہندوستان کے ادنیٰ طبقے جو نوشت و خواند سے عاری ہیں، وہ اپنے اعزہ اور احباب کو خط لکھاتے ہیں، مگر لکھنے والے اس کو یوں ہی کہتے ہیں کہ اس نے خط میں لکھا ہے کہ میں آنے والا ہوں، حالانکہ وہ خود لکھنے والا نہیں، اس نے دوسروں سے لکھایا ہے، مگر چونکہ لکھنے والے نے اپنا مدعا نہیں لکھا، بلکہ لکھانے والے کی زبان سے اس کا مدعا ظاہر کیا ہے، اس لیے اسی کی طرف فعل کی نسبت کر دی گئی قرآن پاک نے آپ کو بار بار اور برملا امی کہا ہے، اس سے زیادہ ثبوت اس کا اور کیا چاہیے؟ لیکن آپ امی ہو کر، امیوں میں پل کر، کتب سابقہ کی ظاہری تعلیم سے ناآشنا ہو کر بھی سب کچھ جانتے تھے، اور یہ آپ کا معجزہ تھا، کفار کو خطاب کر کے قرآن کہتا ہے کہ محمدؐ

کی صداقت کی یہ دلیل کافی نہیں کہ وہ ناآشنائے تعلیم ہو کر بھی وہ کچھ جانتا ہے، جس کی علماے بنی اسرائیل کے سوا اور کسی کو خبر نہیں۔

اِنَّهٗ لَفِیْ زُبُرِ الْاَوَّلِیْنَ اَوَلَمْ یَكُنْ لَّهُمْ اٰیَةً اَنْ یَّعْلَمَهٗ عُلَمٰٓؤُا بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ (شعراء - ۱۱)	یہ باتیں گذشتہ پیغمبروں کی کتابوں میں ہیں۔ کیا ان کافروں کے لیے یہ نشانی نہیں کہ ان باتوں کو (جو ایک امی کی زبان سے ادا ہو رہی ہیں) بنی اسرائیل کے عالم جانتے ہیں۔

ذاتِ نبویؐ کی حفاظت

وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ

انبیائے کرامؑ جب دنیا میں تشریف لاتے ہیں تو وہ دنیا کی جہالت و ظلمت، جور و ستم، گناہ و معصیت کے خلاف اپنا جہاد شروع کر دیتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہزاروں انسان ان کے دشمن بلکہ ان کے خون کے پیاسے ہو جاتے ہیں۔ اس تنہائی و بیکسی کے عالم میں جس سے ہر مصلح کو آغازِ دعوت میں دوچار ہونا پڑتا ہے، صرف اسی قادر و توانا کا ہاتھ ہوتا ہے جو ان کی تسکین و نصرت کا سہارا ہوتا ہے، حضرت ابراہیمؑ نمرود کے دربار میں اور حضرت موسیٰؑ فرعون کی بارگاہ میں، حضرت عیسیٰؑ رومیوں اور یہودیوں کی عدالت میں ایک ہی گناہ کے مجرم تھے، مگر چونکہ اللہ تعالیٰ اپنے اس پیغام کی بقا و قیام کا جس کے لیے وہ پیغمبر کو مبعوث کرتا ہے، خود ذمہ دار ہوتا ہے۔ اس لیے اس بیکسی و بیچارگی کے عالم میں اس کی زندگی کا وہی محافظ اور نگہبان بن جاتا ہے کہ وہ بے خوف و خطر اپنے فرائض کو انجام دے سکیں، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو شروع ہی میں تسکین دیدی گئی تھی،

وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا (طور - ۲)	اپنے رب کے حکم کے انتظار میں صبر کیے بیٹھا رہ کہ تو ہماری آنکھوں کے سامنے ہے،

سب کو معلوم ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دعوت کا آغاز کیا تو مکہ کا بچہ بچہ آپ کا دشمن ہو گیا، آپ کو طرح طرح کے آزار پہنچائے گئے، آپ کے خلاف سیکڑوں منصوبے باندھے گئے، آپ کے قتل کی سازشیں ہوئیں، تلواریں زہر میں بجھا کر رکھی گئیں، سوتے میں آپ کے قتل کا ارادہ کیا گیا، میدان جنگ میں آپ پر نرغہ کیا گیا، کمین گاہوں سے آپ پر حملے کیے گئے، غفلت میں آپ کے سر پر پتھر گرانے کی تدبیر سوچی گئی، کھانے میں زہر دیا گیا، مگر ہر موقع پر یہ ظاہر ہوا کہ ع

دشمن اگر قوی است نگہباں قوی تر است

اور قرآن مجید کا یہ اعلان صحیح ثابت ہوا،

اِنَّ رَبَّكَ اَحَاطَ بِالنَّاسِ (اسراء ع) — تیرے پروردگار نے لوگوں کو گھیر رکھا ہے کہ تجھ پر دسترس پائیں۔

یہ خود ایک مستقل معجزہ ہے کہ ان ہنگاموں، فتنوں اور سازشوں کے عالم میں خصوصاً عرب کے ملک میں جہاں اقتدار حکومت یا نظام امن کا نام و نشان تک نہ تھا کیونکر آپ نے بحفاظت تمام اپنے فرض کو انجام تک پہنچایا،

قریش کی مجلسیں اکثر خانۂ کعبہ میں منعقد ہوا کرتی تھیں اور اکثر وہیں انکی نشست و برخاست رہا کرتی تھی، تاہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز اور طواف کے لیے بیخوف و خطر وہیں تشریف لیجایا کرتے، اور برملا ان کے دیوتاؤں اور بتوں کی برائیاں بیان کیا کرتے تھے، آخر قریش نے ایک دفعہ ارادہ کیا کہ نعوذ باللہ آپ کا خاتمہ کر دیں، یہ خبر آپ تک پہنچتی ہے، مگر اس سے آپ کے ارادہ میں کسی قسم کا وہن یا ضعف نہیں پیدا ہوتا، ایک دن قریش نے یہ طے کیا کہ آج محمدؐ

محمدؐ کی بوٹی بوٹی اڑا دیجائے، اتفاق سے کفار کی یہ تقریر حضرت فاطمہؓ سن لیتی ہیں، وہ روتی ہوئی باپ کی خدمت میں حاضر ہوتی ہیں، آپ تسلی دیتے ہیں، اور وضو کرکے حرم کی سمت روانہ ہو جاتے ہیں، دشمنوں کی نگاہیں آپ پر پڑتی ہیں، تو وہی نگاہیں جو ابتک خون آشامی کے لیے تیار تھیں، دفعۃً سرنگوں ہو جاتی ہیں[1]، حاکم میں ہے کہ اس کے بعد آپ نے چند کنکریاں اٹھا کر ماریں، جن جن کو کنکریاں جا کر لگیں وہ بدر میں مارے گئے[2]

ایک دفعہ ابوجہل نے ارادہ کیا کہ اگر اب وہ آپ کو سجدہ میں دیکھے گا تو آپ کی پیشانی کو رگڑ دے گا، جب وہ اس ارادہ سے آگے بڑھا تو جھجک کر پیچھے لوٹ گیا، لوگوں نے دریافت کیا تو اس نے کہا مجھے ایسا معلوم ہوا کہ میرے اور محمدؐ کے درمیان آگ کی خندق حائل ہے، اور چند پر وہیبت ہستیاں کھڑی ہیں، آپ نے فرمایا اگر وہ میرے قریب آتا تو فرشتے اسکے ٹکڑے اڑا دیتے[3]

معلوم ہے کہ جس شب کو آپ نے ہجرت کا ارادہ کیا ہے، قریش کے تمام خاندانوں نے ملکر آپ کے قتل کا فیصلہ کر لیا تھا، قریش کے بہادر رات بھر خانہ اقدس کا پہرہ دے رہے تھے تاہم آپ ان کے سامنے سے نکلے، زبانِ مبارک پر یہ آیت پاک تھی،

وَجَعَلْنَا مِنْ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ سَدًّا	اور ہم نے ان کے آگے اور پیچھے دیواریں
وَّمِنْ خَلْفِهِمْ سَدًّا فَاَغْشَيْنٰهُمْ	کھڑی کر دیں (انکی آنکھوں پر) پردہ ڈال دیا
فَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ (یٰسین)	کہ وہ نہیں دیکھتے ہیں

---

[1] مستدرک حاکم جلد اول ص ۱۹۳ حیدرآباد، مسند ابن حنبل جلد اول ص ۳۶۸

[2] صحیح مسلم باب قولہ تعالیٰ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ

پہرہ داروں کی آنکھوں پر قدرت نے مہر لگا دی، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُن کے درمیان سے نکل کر چلے گئے، صبح ہوئی تو دشمن آپ کے تعاقب میں اُس غار تک پہنچ گئے، جہاں آپ اور حضرت ابوبکرؓ جا کر چھپے تھے، وہ اس غار کے دہانہ تک پہنچ گئے، اور اگر وہ ذرا جھک کر دیکھتے تو ان مقدس پناہ گزینوں پر ان کی نظر پڑ جاتی، مگر خدا نے انکی عقل اور دور اندیشی کے نور کو بجھا دیا کہ نیچے جھک کر دیکھنے کا خیال تک ان کے دل میں نہیں آیا۔

کفار نے یہ اعلان کیا تھا کہ جو محمدؐ کو گرفتار کر لائیگا، یا ان کا سر کاٹ کر لائیگا، اس کو سو اونٹ انعام میں ملیں گے، یہ سن کر سراقہ بن جعشم اپنے اسپ باہوار پر سوار ہو کر آپ کے تعاقب میں روانہ ہوا۔ اور دمبدم اس مختصر قافلہ کے قریب ہو رہا تھا۔ حضرت ابوبکرؓ پر بتقاضائے بشری اضطراب طاری تھا، مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سکینت خاطر میں کوئی فرق نہ آیا، آپنے دعا کی، تین دفعہ اس کے گھوڑے کے پاؤں زمین میں دھنس دھنس گئے، اس نے فال کے تیر نکال کر دیکھے تو ہر دفعہ نفی میں جواب آیا۔ بالآخر اس کو یقین ہو گیا کہ یہ کوئی اور ہی راز ہے، اور ذات محمدیؐ ہماری گرفت سے باہر ہے، اس نے اپنے ارادۂ فاسد سے توبہ کی، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک خطِ امان لیکر واپس گیا[1]، اور بعد کو مسلمان ہو گیا۔

شروع شروع میں جب آپ مدینہ تشریف لائے، تو صحابہ جان نثاری کی بنا پر راتوں کو آپ کے گرد پہرہ دیا کرتے تھے، ایک رات صحابہ آپ کے خیمہ کے گرد پہرہ دے رہے تھے کہ آیت

[1] صحیح بخاری باب ہجرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم

نازل ہوئی:

وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ (مائدہ) اور اللہ تجھ کو لوگوں سے تیری حفاظت کریگا۔

آپ نے اسی وقت خیمہ سے باہر سر نکالا اور پہرہ والوں کو خطاب کر کے فرمایا کہ "لوگو! واپس جاؤ خدا نے میری حفاظت کا فرض خود اپنے ذمہ لے لیا ہے"[1] یہ وعدۂ حفاظت ہزارہا مشکلات اور خطرات کے باوجود بھی پورا ہوتا رہا، غزوۂ احد میں جب مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ چلے تھے۔ اور ذاتِ مبارک دشمنوں کے نرغہ میں تھی۔ اور آپ پر تیغ و تبر و سنگ کی بارش ہو رہی تھی لیکن دو سپید پوش فرشتے[2] آپ کے پاس کھڑے ہوئے آپ کی حفاظت کا فرض انجام دے رہے تھے

ایک دفعہ ایک شخص کو لوگ گرفتار کر لائے۔ اور عرض کی کہ یہ حضور کے قتل کی گھات میں فرمایا کہ اس کو چھوڑ دو کہ اگر یہ مجھ کو قتل کرنا چاہتا بھی تو نہیں کر سکتا[3] اسی طرح سے خیبر میں جب ایک یہودیہ نے گوشت میں زہر ملا کر پیش کیا، تو آپ نے پہلا ہی لقمہ اٹھایا تھا کہ فرمایا یہ گوشت نہ کھاؤ، کیونکہ اس نے مجھ سے کہا ہے کہ اس میں زہر ملا ہے۔ یہودیہ کو بلا کر جب واقعہ کی تحقیق کی اور اس نے اپنی نیت فاسدہ کا اقرار کیا تو آپ نے فرمایا کہ خدا تجھ کو اس پر قابو نہ دیتا"[4]

---

[1] جامع ترمذی تفسیر سورہ مائدہ [2] صحیح بخاری غزوۂ احد صحیح مسلم کتاب فضائل [3] صحیح مسلم باب اسم

لیلۃ الجن

جنوں کی انقلابِ سمائی کی تلاش اور ان کا مشرف باسلام ہونا

قُلْ اُوْحِیَ اِلَیَّ اَنَّہُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ (سورۂ جن)

مخلوقاتِ الٰہی کی تعداد اور اصناف کا کون اندازہ لگا سکتا ہے۔

وَمَا یَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّکَ اِلَّا ھُوَ (مدثر) اور تیرے رب کی فوجوں کا علم اسکے سوا کسی کو نہیں۔

مخلوقاتِ الٰہی کی ایک صنف کا نام جن ہے، اہلِ لغت کہتے ہیں کہ عربی میں جن کا لفظ جَنَّ سے مشتق ہے جس کے معنی "چھپنے" اور "چھپانے" کے ہیں، چونکہ یہ مخلوق انسانوں کی آنکھوں سے عموماً مستور رہتی ہے، اس لیے اس کو جن کہتے ہیں۔ یہ عجیب بات ہے کہ یہ لفظ اسی معنی میں یا اسی کے قریب قریب مختلف قوموں کی زبانوں میں پایا جاتا ہے، فرنچ میں "جنی" (Genee) اور انگریزی میں (Genie) اسی مفہوم میں ہے جس میں عربی میں جنی (دیو، بھوت، پلید) ہے، لاطینی میں جینیس (GENIES) اور جینی (GENII) وہ مفہوم رکھتا ہے جو ہمارے ہاں ہمزاد کا۔ اور روح نوعی کے معنی میں بھی یہ لفظ رومی اساطیر (میتھالوجی) میں مستعمل ہوا ہے۔ فارسی میں "جان" کے معنی مطلق "روح" کے ہیں۔ بہرحال دنیا کی قوموں میں یہ اعتقاد کسی نہ کسی حیثیت سے موجود رہا ہے کہ انسانوں کے سوا اس سطحِ ارضی پر ایک اور غیر مرئی مخلوق بھی موجود ہے۔ یورپ کے موجودہ دور الحاد میں ارواح سے نامہ و پیام اور

ان کے عمل و تسخیر کے کارنامے بڑے بڑے فلسفیوں اور مادہ پرستوں کو آئینۂ حیرت بنائے ہوئے ہیں، اور روز بروز ان کے انکار اور شک کی جرأت کم ہوتی چلی جاتی ہے۔ اسلام کے علاوہ دوسری مسلم مذہبی کتابوں میں بھی جن اور شیطان کے تذکرے موجود ہیں۔ حضرت عیسیٰؑ کے معجزات جو موجودہ انجیل میں مذکور ہیں، انکی بڑی تعداد انسانوں اور حیوانوں کو انکے پنجۂ ظلم سے رہائی ہے۔

قرآن مجید نے بتایا ہے کہ ان کی پیدائش انسانوں سے پہلے ہوئی ہے۔ اور آگ سے بنائے گئے ہیں،

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ	اور ہم نے آدمی کو کھنکھناتے سڑے ہوئے گارے
مِنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ، وَالْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ	سے پیدا کیا، اور جنوں کو اس سے پہلے لو کی
مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ (حجر ۳)	آگ سے پیدا کیا،
وَخَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ (رحمٰن ۱)	اور اس نے جنوں کو آگ کی لو سے پیدا کیا ہے

اسلام سے پہلے عرب میں جنات کا بڑا تسلط تھا، ان کی پوجا کی جاتی تھی، ان کی دہائی مانگی جاتی تھی، بتخانوں میں جو عامل اور کاہن ہوتے تھے، ان سے اُن کی دوستی ہوتی تھی، اور وہ اُن کو غیب کی خبریں بتایا کرتے تھے، بچوں کے سرہانے استرے رکھے جاتے تھے کہ ان سے جنات بھاگ جاتے ہیں، یہ اعتقاد تھا کہ ہر شاعر کے ساتھ ایک جن ہوتا ہے، یہ بھی خیال تھا کہ وہ صورتیں بدل بدل کر لوگوں میں پھرتے ہیں، اور ان کو ستاتے ہیں، خدا کے کارخانۂ قدرت میں بھی ان کے استیلا، اور تصرف کو دخل تھا، وہ جنگلوں میں انسانوں کو مار ڈالتے تھے، راستوں سے اٹھا لیجاتے تھے۔ لوگوں کو بیمار ڈال دیتے تھے، انکے ہوش و حواس کے

[1] صحیح مسلم، باب التفسیر

خزانہ پر قبضہ کر لیتے تھے۔ غرض جس طرح خدائی الوہیت میں عرب کے بہت سے دیوتا اور دیبیان شریک تھیں، اسی طرح یہ جنات بھی شریک تھے۔

وَجَعَلُوْا بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا (صافات-۵) — اور ان مشرکوں نے خدا اور جنوں کے درمیان رشتے قائم کر رکھے ہیں،

بَلْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ الْجِنَّ اَكْثَرُهُمْ بِهِمْ مُّؤْمِنُوْنَ (سبا-۵) — (حالانکہ قیامت میں ان کے کہے گا) بلکہ یہ لوگ جنوں کی پرستش کرتے تھے اور ان میں اکثر لوگ ان ہی کے

اسلام آیا تو اس نے ان اعتقادات باطلہ کے تار و پود کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔ اس نے دنیا میں صرف ایک ہی قوت کی تعلیم دی، اور وہ خدا کی تھی، اس نے بتایا کہ جنات بھی اس کے حضور میں ویسے ہی عاجز اور درماندہ ہیں جیسے انسان، وہ بھی اسی طرح اس کی مخلوق ہیں جیسی اس کی دوسری مخلوقات، ان میں لوگ اسی طرح اچھے اور برے، کافر و مومن، سعید اور شقی ہوتے ہیں جس طرح انسانوں میں، وہ بھی توحید و رسالت اور احکام الٰہی کے ماننے کے ویسے ہی مکلف ہیں، جیسے عام انسان

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ (ذاریات ۳) — اور میں نے جن اور انس کو اسی لیے پیدا کیا ہے کہ وہ میری بندگی کریں،

قیامت میں دونوں سے سوال ہوگا،

يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ يَاْتِكُمْ — اے جن اور انس کی جماعت! کیا تمہارے پاس

رُسُلٌ مِّنكُمْ يَقُصُّونَ عَلَيْكُمْ آيَاتِي وَيُنذِرُونَكُمْ لِقَاءَ يَوْمِكُمْ هَٰذَا (انعام ۱۶۰)

تمھیں میں سے پیغمبر تمھارے پاس نہیں آئے اور وہ تم کو ہماری آیتیں پڑھ کر نہیں سناتے تھے اور اس دن کے آنے سے نہیں ڈراتے تھے،

قرآن کے تحدی کے جواب سے دونوں عاجز ہیں.

قُل لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْإِنسُ وَالْجِنُّ عَلَىٰ أَن يَأْتُوا بِمِثْلِ هَٰذَا الْقُرْآنِ لَا يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ (اسرائیل ۱)

کہدو کہ اگر انس وجن دونوں مل کر چاہیں کہ ایسا قرآن بنالائیں تو ان کے لیے یہ ناممکن ہے.

خدا کی قدرت اور طاقت کے سامنے دونوں لاچار اور درماندہ ہیں.

يَا مَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ إِنِ اسْتَطَعْتُمْ أَن تَنفُذُوا مِنْ أَقْطَارِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ فَانفُذُوا لَا تَنفُذُونَ إِلَّا بِسُلْطَانٍ (رحمٰن ۲)

اے جن وانس! اگر آسمان وزمین کے حدود سے نکل کر باہر جا سکتے ہو تو نکل جاؤ لیکن خدا کی قدرت قاہرہ کے بغیر تم نکل نہیں سکتے.

کاہنوں اور عاملوں کو جو غیب کی بعض بعض باتیں معلوم ہو جاتی ہیں تو اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی امر کا فیصلہ کرتا ہے تو وہ اپنے ملاء اعلیٰ میں اسکا ذکر کرتا ہے ملاء اعلیٰ والے اپنے نیچے کے فرشتوں سے اس کا تذکرہ کرتے ہیں. اور اس طرح درجہ بدرجہ ہر آسمان کے فرشتوں کو علم ہو جاتا ہے. یہاں تک کہ آخری آسمان تک بات پہنچ جاتی ہے. جہاں سے نیچے دنیا کی حد شروع ہوتی ہے. یہاں تک کہ جنات وشیاطین سن گن لینے کے لیے ادھر ادھر

چھپے رہتے ہیں۔ ایک دو لفظ انھوں نے سن لیے۔ اور اُن میں اپنی طرف سے سو جھوٹ ملا کر کاہنوں اور عاملوں سے کہدیتے ہیں، وہ اس کو افسانوں میں مشتہر کرتے ہیں[1]۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے آسمان میں بیشمار ستاروں کے شعلے بھڑکا رکھے ہیں۔ کہ ایک تو اُن سے آسمان کی زیبائش و آرائش ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ جب یہ جنات اور شیاطین اپنی سرحد سے آگے بڑھ کر فرشتوں کی باتیں سننا چاہتے ہیں تو فوراً ایک چمکتا ہوا تارا (شہاب ثاقب) ٹوٹ کر اُن پر گرتا ہے۔ مختلف سورتوں میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا	اور ہم نے آسمان میں بُرج بنایا ہے۔
وَّزَيَّنّٰهَا لِلنّٰظِرِيْنَ وَحَفِظْنٰهَا مِنْ	اور ان ستاروں کو دیکھنے والوں کیلیے زینت
كُلِّ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ اِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ	و آرائش بنایا ہے اور ہر راندہ درگاہ شیطان سے
السَّمْعَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ مُّبِيْنٌ	اسکو محفوظ رکھا ہے، لیکن اتنا ہے کہ وہ چوری
(حجر - ۲)	چھپے کچھ سن لے تو ایک چمکتا ستارہ اس کا
اِنَّا زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِزِيْنَةِ	ہم نے آسمانِ زیریں کو ستاروں کی آرائش سے
نِ الْكَوَاكِبِ وَحِفْظًا مِّنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ	مزین کیا ہے، اور ان کو ہر سرکش شیطان کا نگہبان
مَّارِدٍ لَا يَسَّمَّعُوْنَ اِلَى الْمَلَاِ	بنایا ہے۔ وہ ملاءِ اعلیٰ کی باتیں نہیں سن سکتے
الْاَعْلٰى وَيُقْذَفُوْنَ مِنْ كُلِّ	وہ ہر طرف سے پھینک کر مارے جاتے
جَانِبٍ دُحُوْرًا وَّلَهُمْ عَذَابٌ	ہیں، اور یہ ان کے لیے لازمی سزا ہے۔

[1] صحیح بخاری تفسیر سورۂ حجر و تفسیر سورۂ نساء و بدء الخلق وغیرہ۔

وَاصِبٌ ۝ اِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ ثَاقِبٌ (صافات ۱)

(اس طرح وہ فرشتوں کی باتیں نہیں سن سکتے) لیکن یہ کہ کوئی اچک کر سن لے تو ایک دہکتا ہوا ستارا اس کے پیچھے لگا رہتا ہے۔

وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ وَجَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا لِّلشَّيٰطِيْنِ ۝ (ملک ۱)

ہم نے آسمان زیریں کو ستاروں کے چراغوں سے مزین کیا ہے، اور ان کو شیطانوں کیلیے پھینکنے مارنے کی ایک چیز بنا لیا ہے،

وَزَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ وَحِفْظًا ۚ ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ (فصلت ۲)

اور ہم نے آسمان زیریں کو ستاروں کے چراغوں سے مزین کیا ہے، اور ان کو نگہبان بنایا ہے یہ غالب و دانا خدا کی تقدیر ہے،

دنیا میں اُس سلسلۂ نبوت کا جو آغاز آفرینش سے جاری تھا، اور دین الٰہی کا ہزاروں منزلوں کے طے ہونے کے بعد تکمیل کی منزل میں پہنچ جانا، اور نوع انسان کو خدا کی وہ آخری شریعت سپرد ہونا جس کے بعد خاکدانِ عالم کو وحی و نبوت کے کسی اور حامل کی ضرورت نہ ہوگی ایک ایسا واقعہ تھا، جس نے آب و خاک کے عالم میں انقلابِ عظیم پیدا کر دیا، اُس نے سطحِ زمین کے ہزاروں پیغمبروں کے دین و ملت کو منسوخ کر دیا، ان کی آسمانی کتابوں کے احکام و رسوم کو بدل دیا، ملکوں کی شہنشاہیاں ہل گئیں، قیصر و کسریٰ کے تخت الٹ گئے، صومعہ و کلیسا ویران ہو گئے، اسی طرح ملکتِ فلکی اور آسمانی بادشاہی میں بھی انقلاب کا ظاہر ہونا ضرور تھا، آسمانی مخلوقات میں بھی ایک انقلاب پیدا ہوا، مگر اس کو وہی دیکھ سکے جو دیکھ سکتے تھے، انجیل میں

حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش کے موقع پر بھی ایک نئے نورانی ستارہ کے ظہور کی خبر ہے جس کو دیکھ کر دوسرے ملک کے لوگ ان کی تلاش میں بیت لحم پہنچے، اور ان کے دیدار سے مشرف ہوئے، مگر بنی اسرائیل کو آخر تک اس بینائی سے محرومی رہی،

صحیحین میں ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نبوت سے سرفراز ہوئے تو ستاروں کی دنیا میں ایک انقلاب پیدا ہوا جن اور شیاطین اب اوپر چڑھنے سے روک دیے گئے، ٹوٹنے والے ستاروں کی بھرمار ہوگئی، کاہنوں اور عاملوں کی خبر رسانی کے ذرائع مسدود ہوگئے، اور ان باطل پرستیوں کا دروازہ ہمیشہ کے لیے بند کر دیا گیا۔ اس آسمانی انقلاب نے جنوں اور شیطانوں کی محفلوں میں حیرت پیدا کر دی، سب نے کہا یقیناً روئے زمین پر کوئی اہم واقعہ رونما ہوا ہے۔ دنیا کی ہر سمت کو انھوں نے چھان ڈالا۔ اس پر چند سال گذر گئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسلام کی تبلیغ کے لیے قبائل میں دورے کر رہے تھے، اسی تقریب سے عکاظ کے میلہ میں تشریف لیجا رہے تھے، راستہ میں رات کے وقت مقام نخلہ میں قیام ہوا، صبح کے وقت حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رفقا کیساتھ نماز میں مصروف تھے، اور قرآن مجید کی آیتیں جہر کے ساتھ تلاوت فرما رہے تھے، کہ اتفاق سے جنوں کی ایک جماعت کا جو تفتیش حال کے لیے تہامہ کی طرف آئی تھی، اس مقام پر گذر ہوا، اس نے جب قرآن مجید کی آیتیں سنیں، تو یکبارگی پکار اٹھی کہ یہی وہ نور حق ہے جو درخشاں ستاروں میں ہمیں نظر آتا ہے، وہ لوٹ کر اپنی قوم میں گئی، اور ان کو جاکر خاتم نبوت کے ظہور کی بشارت سنائی[1]

[1] یہ پوری تفصیل صحیح مسلم کتاب الصلوٰۃ باب الجہر فی الصبح میں ہے اور امام بخاری نے مختلف ابواب میں اس واقعہ کو درج کیا ہے مثلاً تفسیر سورۂ جن، باب الجہر بقرأۃ صلوٰۃ الفجر و مسند ابن حنبل روایت ابن عباس جلد ۱ ص ۲۵۲ و صحیح ترمذی تفسیر سورۂ جن

قُلْ اُوْحِیَ اِلَیَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ
الْجِنِّ فَقَالُوْٓا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا
یَّهْدِیْٓ اِلَی الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِهٖ وَ
لَنْ نُّشْرِكَ بِرَبِّنَآ اَحَدًا وَّاَنَّهُ
تَعٰلٰی جَدُّ رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً
وَّلَا وَلَدًا وَّاَنَّهُ كَانَ یَقُوْلُ
سَفِیْهُنَا عَلَی اللّٰهِ شَطَطًا وَّاَنَّا
ظَنَنَّآ اَنْ لَّنْ تَقُوْلَ الْاِنْسُ وَ
الْجِنُّ عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا وَّاَنَّهٗ كَانَ
رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ یَعُوْذُوْنَ
بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ فَزَادُوْهُمْ
رَهَقًا وَّاَنَّهُمْ ظَنُّوْا كَمَا ظَنَنْتُمْ
اَنْ لَّنْ یَّبْعَثَ اللّٰهُ اَحَدًا وَّ
اَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ فَوَجَدْنٰهَا
مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِیْدًا وَّشُهُبًا
وَّاَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ
فَمَنْ یَّسْتَمِعِ الْاٰنَ یَجِدْ لَهٗ شِهَابًا

اے پیغمبر! لوگوں سے کہدو کہ مجھکو بذریعہ وحی
خبر دی گئی ہے کہ جنوں کی ایک جماعت نے قرآن
کو سنا تو انھوں نے کہا کہ ہم نے عجیب غریب
کتاب الٰہی سنی، جو ہدایت کی طرف رہنمائی
کرتی ہے تو ہم اس پر ایمان لائے اور اب
ہم ہرگز خدا کا کسی کو شریک نہ بنائیں گے،
خداوند تعالیٰ کی نہ تو کوئی بیوی ہے اور نہ کوئی
لڑکا ہے ہم میں کچھ بیوقوف خدا پر بہت دور
از عقل الزام قائم کرتے تھے۔ ہم سمجھتے تھے
کہ کوئی انسان یا جن خدا پر جھوٹ الزام نہیں
تھم کر سکتا، انسانوں میں کچھ ایسے لوگ تھے جو
بعض جنوں کی پناہ مانگا کرتے تھے، تو ان ہی نے
ان کو اور زیادہ گمراہ کر دیا، انسان بھی ہماری
ہی طرح یہ سمجھتے تھے کہ اب خدا کوئی پیغمبر نہیں بھیجے گا،
ہم نے آسمان کو خوب ٹٹولا، تو ہم نے پایا کہ
وہ نگہبانوں سے اور ٹوٹنے والے تاروں سے بھرا ہوا ہے
ہم پہلے اس آسمان کی بعض نشستگاہوں

تَصَدًا ۝ وَّاَنَّا لَا نَدْرِیْٓ اَشَرٌّ اُرِیْدَ
بِمَنْ فِی الْاَرْضِ اَمْ اَرَادَ بِهِمْ
رَبُّهُمْ رَشَدًا ۝ وَّاَنَّا مِنَّا الصّٰلِحُوْنَ
وَمِنَّا دُوْنَ ذٰلِكَ ۭ كُنَّا طَرَاۗىِٕقَ قِدَدًا
وَّاَنَّا ظَنَنَّآ اَنْ لَّنْ نُّعْجِزَ اللّٰهَ فِی الْاَرْضِ
وَلَنْ نُّعْجِزَهٗ هَرَبًا ۝ وَّاَنَّا لَمَّا سَمِعْنَا
الْهُدٰٓى اٰمَنَّا بِهٖ ۭ فَمَنْ يُّؤْمِنْۢ بِرَبِّهٖ
فَلَا يَخَافُ بَخْسًا وَّلَا رَهَقًا ۝
وَّاَنَّا مِنَّا الْمُسْلِمُوْنَ وَمِنَّا الْقٰسِطُوْنَ ۭ
فَمَنْ اَسْلَمَ فَاُولٰۗىِٕكَ تَحَرَّوْا
رَشَدًا ۝ وَاَمَّا الْقٰسِطُوْنَ
فَكَانُوْا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا ۝

(جن - ۱۰)

میں سننے کو بیٹھ جاتے تھے، اب جو کوئی سننے جاتا ہے
تو اپنی تاک میں ٹوٹنے والے ستارہ کو پاتا ہے اور
ہمیں نہیں معلوم کہ اس انقلاب سے زمین والوں کے
ساتھ کسی برائی کا ارادہ کیا جا رہا ہے یا انکا پروردگار
ان کیساتھ بھلائی کرنا چاہتا ہے۔ ہم میں اچھے بھی
ہیں اور انکے علاوہ اور لوگ بھی ہیں۔ ہم جدا جدا
راستوں پر تھے اور ہم سمجھتے تھے کہ ہم خدا کو اس زمین
میں عاجز نہیں کر سکتے اور نہ بھاگ کر اسکے قبضہ سے
نکل سکتے اور اب جب ہم نے اس ہدایت کی بات
سن لیا تو اب ہم اس پر ایمان لاتے ہیں، تو جو شخص
اپنے پروردگار پر ایمان لے آتا ہے، تو پھر گھاٹے
کا اسکو ڈر نہیں رہتا، ہم میں کچھ اطاعت گذار ہیں
کچھ گنہگار ہیں، تو جو اطاعت گذار ہیں ان ہی نے

پھر سورہ احقاف میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ
يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۚ فَلَمَّا حَضَرُوْهُ
قَالُوْٓا اَنْصِتُوْا ۚ فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا

ہم نے جب جنوں کی ایک جماعت کے رخ کو اے پیغمبر
تیری طرف پھیر دیا کہ وہ قرآن کو سنیں تو
جب وہ آئے تو انھوں نے ایک دوسرے سے کہا

إِلَىٰ قَوْمِهِم مُّنذِرِينَ قَالُوا يَا قَوْمَنَا
إِنَّا سَمِعْنَا كِتَابًا أُنزِلَ مِن بَعْدِ
مُوسَىٰ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ
يَهْدِي إِلَى الْحَقِّ وَإِلَىٰ طَرِيقٍ
مُّسْتَقِيمٍ يَا قَوْمَنَا أَجِيبُوا دَاعِيَ اللَّهِ
وَآمِنُوا بِهِ يَغْفِرْ لَكُم مِّن
ذُنُوبِكُمْ وَيُجِرْكُم مِّنْ عَذَابٍ
أَلِيمٍ

(احقاف - ۴)

چپ رہو، جب قرآن ختم ہو گیا، تو وہ اپنی قوم
کے پاس گئے کہ انھیں خبردار کریں۔ انھوں نے جا کر
کہا، بھائیو! ہم نے ایک شریعت کی کتاب کو سنا
جو موسیٰ کے بعد اتاری گئی ہے، اور اس کے پہلے جو
کتاب الٰہی آئی ہے، اسکی تصدیق کرتی ہے اور سچائی
اور سیدھی راہ دکھاتی ہے۔ اے بھائیو! خدا کے
پکارنے والے کو قبول کرو اور اس پر ایمان لاؤ
تاکہ وہ تمھارے گناہوں کو معاف کرے اور دردناک
عذاب سے تم کو پناہ دے۔

صحیح مسلم سے معلوم ہوتا ہے کہ جنوں نے دو دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کلام مجید پڑھتے سنا، اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید کی یہ دونوں سورتیں الگ الگ واقعہ کی طرف اشارہ کرتی ہوں۔ پہلے واقعہ میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ شریک نہ تھے۔[1] اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اور نہ کسی صحابی نے ان جنوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھا،[2] بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اسکی اطلاع ایک درخت[3] نے کی، اور تفصیلی کیفیت وحی آسمانی سے معلوم ہوئی، اسی واقعہ کو واقعۂ لیلۃ الجن (جن کی رات) کہتے ہیں لیکن یہ دونوں واقعے مکہ معظمہ ہی میں گذرے ہیں۔ صحیح مسلم

---

[1] صحیح مسلم باب الجہر بقرأۃ الصبح [2] صحیح بخاری و مسلم باب مذکور و مسند احمد حنبل اول ص ۴۵۲۔
[3] صحیح مسلم باب مذکور [4] صحیح مسلم باب مذکور

ترمذیؒ اور مسند طیالسی میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے ان کے شاگرد خاص علقمہ نے پوچھا کہ آپ صاحبوں میں سے کوئی لیلۃ الجن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا، انھوں نے کہا نہیں، لیکن ایک اور واقعہ ہے کہ ایک دفعہ شب کو ہم لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں پایا: میدانوں اور گھاٹیوں میں ہر جگہ ڈھونڈا، مگر آپ نہیں ملے، ہم لوگوں کو طرح طرح کے خیال آنے لگے کہ آپ کو کوئی اٹھا لے گیا، یا دھوکے سے کسی نے قتل کر دیا، سخت اضطراب اور قلق میں ہم نے یہ رات بسر کی، صبح ہوئی تو دیکھا کہ آپ غار حرا کی طرف سے چلے آرہے ہیں، ہم سب نے عرض کی کہ یا رسول اللہ! ہم نے شب کو ہر جگہ آپ کو ڈھونڈا، مگر آپ کہیں نہیں ملے، ہم نے سخت اضطراب اور قلق میں رات بسر کی، فرمایا کہ "رات کو جنوں کا قاصد آیا تھا، میں اس کے ساتھ گیا تھا، میں نے ان کو قرآن پڑھکر سنایا، اس کے بعد آپ ہم سب کو لیکر اس مقام پر تشریف لے گئے، اور وہاں ان کے قیام اور آگ جلانے کے نشانات دکھائے اور فرمایا، کہ انھوں نے مجھ سے زاد راہ کی خواہش کی، میں نے ان کے لیے دعا کی کہ وہ جس ہڈی اور گوبر پر گذریں ان کے لیے وہ کھانا ہو جائے"[1]

مسند ابن حنبل کے زیادات میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی زبانی جنوں کی آمد کا ایک اور واقعہ مذکور ہے، وہ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں رات کے وقت ہم لوگوں کیساتھ بیٹھے تھے کہ یکایک آپ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی میرے ساتھ چلے لیکن وہ نہ چلے جس کے دل میں ذرا سا بھی کھوٹ ہو، ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ میں پانی کا لوٹا لیکر آپ کے ساتھ ہو لیا، آپ مجھے

[1] ترمذی سورۂ احقاف [2] صحیح مسلم باب الجہر بقراۃ الصبح، صحیح بخاری باب ذکر الجن فی المبعث صحیح بخاری و مسلم و ترمذی باب استتباع

ساتھ لیے ہوئے مکہ کے آگے پہنچے. وہاں مجھکو کچھ پرچھائیاں ایک جگہ اکٹھی نظر آئیں، آپ نے ایک خط کھینچ دیا، اور فرمایا کہ جب تک میں واپس نہ آؤں تم یہیں کھڑے رہو. یہ کہکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آگے بڑھ گئے میں نے دیکھا کہ وہ پرچھائیاں آپ کی طرف چلیں، آپ اُن کیساتھ دیر تک بیٹھے باتیں کرتے رہے، جب فجر کا اجالا ہوا. تو آپ میرے پاس آئے اور وضو کا پانی مانگا، میں نے دیکھا تو وہ پانی کے بجائے کھجور کا شربت (نبیذ) تھا، آپ نے فرمایا، اس میں کیا حرج ہے، کھجور بھی پاک ہے اور پانی بھی پاک ہے. یہ کہکر آپ نے اسی سے وضو کیا، اس کے بعد نماز کو کھڑے ہوئے، تو ان میں سے دو آدمی پاس آکر کہنے لگے کہ یا رسول اللہ! ہم بھی آپ کے پیچھے نماز پڑھیں گے چنانچہ وہ بھی میرے ساتھ آپ کے پیچھے کھڑے ہوئے. نماز سے فارغ ہوکر میں نے پوچھا کہ یا رسول اللہ یہ کون لوگ تھے؟ فرمایا، یہ شہر نصیبین کے جن تھے، اپنے کچھ معاملات میرے پاس فیصلہ کے لیے لائے تھے انھوں نے مجھ سے توشہ مانگا تو میں نے دیدیا، عرض کی، یا رسول اللہ! کیا آپکے ساتھ کوئی توشہ کا سامان تھا؟ فرمایا میں نے انھیں گوبر اور ہڈی کا توشہ دیدیا ہے، گوبر ان کے لیے جو اور ہڈی پر گوشت ہوجائے گی. اسی موقع پر آپ نے گوبر اور ہڈی سے استنجا منع فرمایا۔[1]

زیادات مسند اور صحیح مسلم کی دونوں روایتیں کیا ایک ہی واقعہ کی دو تفصیلیں ہیں؟ مگر ان دونوں روایتوں کے جزئیات میں اسی قدر فرق ہے کہ وہ یقیناً ایک نہیں ہوسکتیں. لیکن حقیقت یہ ہے کہ زیادات مسند کی روایت بالکل لغو اور بے سروپا ہے، اس روایت کا سلسلۂ سند یہ ہے

عن ابی فزارۃ عن ابی زید مولی عمرو بن الحریث المخزومی عن عبداللہ بن مسعود

---

[1] مسند ابن حنبل جلد اول ص ۴۵۸

اس میں ابوزید مولیٰ عمرو بن حریث ایک مجہول راوی ہے، جس سے محدثین میں کوئی واقف نہیں، حافظ ذہبی میزان الاعتدال میں لکھتے ہیں:

ابوزید مولیٰ عمرو بن حریث	ابوزید غلام عمرو بن حریث اس کو کوئی جانتا
لا یعرف عن ابن مسعود وعنه	نہیں، اس نے ابن مسعود سے روایت کی ہے اور
ابو فزارة لا یصح حدیثه ذکره	اس سے ابوفزارہ نے، اسکی حدیث صحیح نہیں بخاری نے
البخاری فی الضعفاء ومتن حدیثه	نے ضعفا میں اسکو درج کیا ہے، اس کی حدیث
ان نبی الله توضأ بالنبیذ وقال	کا متن یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نبیذ سے
ابو محمد الحاکم رجل مجهول قلت	وضو کیا، ابو احمد حاکم کہتے ہیں کہ یہ مجہول الحال
ماله سوای حدیث واحدٍ	آدمی ہے، میں کہتا ہوں کہ اسکی یہی ایک حدیث ہے

البتہ جامع ترمذی میں اسی قسم کا ایک واقعہ عبداللہ بن مسعودؓ سے فرشتوں کی آمد و دیدار کے متعلق بروایت صحیحہ مروی ہے،

شقِّ قمر

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ (قمر ۱)

پیغمبر کی صداقت کی گواہی کائنات کا ذرہ ذرہ دیتا ہے، آسمان اور زمین، چاند اور سورج ہر چیز اس کی صداقت کا ثبوت بہم پہنچاتی ہے، انجیل (متی ۲-۲) میں ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش کے وقت ایک نیا ستارہ طلوع ہوا، اور جب انھوں نے وفات پائی، تو تین گھنٹہ کے لیے تمام دنیا میں اندھیرا چھا گیا (متی ۲۷-۴۵) قربِ قیامت کی ایک نشانی یہ بھی تھی کہ چاند کے دو ٹکڑے ہو جائیں گے، یہ نشانی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک پر پوری اتری، اور قرآن نے کہا،

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ	قیامت نزدیک آگئی، اور چاند شق ہو گیا،
وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ	اگر کافر کوئی سا بھی نشان دیکھیں تو اس سے اعراض ہی کریں اور کہیں کہ یہ تو جادو ہے جو سدا سے ہوتا آیا ہے،

(قمر ۱)

بعض عقل پرست مسلمانوں نے قربِ قیامت کی مناسبت سے یہ تاویل کی ہے کہ اس آیت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں شقِ قمر کا ثبوت نہیں ہوتا، بلکہ یہ قیامت کے

واقعہ کا ذکر ہے۔ لیکن اس حالت میں اول تو بلے قرینہ ماضی (چاند پھٹ گیا) کو مستقبل (چاند پھٹ جائے گا) کے معنی میں لینا پڑے گا، دوسرے یہ کہ اگر قیامت کا واقعہ ہوتا تو اسکے بعد یہ کیوں ہوتا کہ "یہ کافر اگر کوئی سی نشانی بھی دیکھیں تو منہ پھیر لیں اور کہیں کہ یہ تو جادو ہی جو ہوتا آیا ہے" قیامت سامنے آجانے کے بعد اس کے انکار کے کیا معنی اور اس کو مستمر جادو کہنا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے، اس کے علاوہ مستند اور صحیح روایات کی کیونکر تردید کیجا سکتی ہے

اس شقِ قمر کا واقعہ صحیح بخاری، صحیح مسلم، جامع ترمذی، مسند ابن حنبل، مسند طیالسی، مستدرک حاکم، دلائل بیہقی اور دلائل ابو نعیم میں بہ تصریح تمام مذکور ہے، صحابہ میں سے حضرت عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر، انس بن مالک، جبیر بن مطعم، علی بن ابی طالب اور حذیفہ بن یمان وغیرہ نے اس واقعہ کی روایت کی ہے۔ ان میں سب سے صحیح اور مستند تر حضرت عبداللہ بن مسعود کی روایت ہے، جو صحیح بخاری و مسلم و ترمذی وغیرہ میں مروی ہے، وہ اس واقعہ کے وقت موقع پر موجود تھے، اور اس معجزہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا، چنانچہ ان کے الفاظ یہ ہیں :-

انشق القمر ونحن مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم بمنیٰ فقال اشھدوا وذھبت فرقۃ نحو الجبل (بخاری و ترمذی تفسیر سورہ قمر و صحیح مسلم)	ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیساتھ منیٰ میں تھے کہ چاند پھٹ گیا اور اس کا ایک ٹکڑا پہاڑ کی طرف چلا گیا۔ آپ نے فرمایا گواہ رہو۔

صحیحین میں ان کی دوسری روایت یہ ہے:

انشق القمر علی عھد رسول اللہ	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں چاند کے دو ٹکڑے

صلی اللہ علیہ وسلم فرقتین فوقة فوق الجبل وفرقة دونه فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اشهدوا (صحیح بخاری و مسلم)

ہوگئے، ایک ٹکڑا تو پہاڑ کے اوپر ہا اور دوسرا اس کے نیچے، آپ نے فرمایا گواہ رہو،

حضرت انس بن مالک کی یہ روایت بخاری و مسلم دونوں میں ہے،

ان اهل مكة سألوا رسول الله صلى الله عليه وسلم ان يريهم آية فاراهم القمر شقتين حتى راؤا حراء بينهما

اہل مکہ نے آپ سے مطالبہ کیا کہ آپ ان کو کوئی معجزہ دکھائیں، آپ نے ان کو چاند کے ٹکڑے دکھائے، ایک ٹکڑا حرا کے اس طرف تھا، دوسرا اس طرف

صحیح مسلم میں ہے،

ان اهل مكة سألوا النبي صلى الله عليه وسلم ان يريهم آية فاراهم انشقاق القمر فرقتين،

اہل مکہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی نشانی طلب کی تو آپ نے چاند کو دو ٹکڑے ہونے کو دکھایا،

جامع ترمذی میں ان کی روایت کے الفاظ یہ ہیں:

سال اهل مكة النبي صلى الله عليه وسلم اية فانشق القمر بمكة فرقتين فنزلت

اہل مکہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی نشانی طلب کی، تو چاند مکہ میں دو ٹکڑے ہوگیا اس پر یہ آیت اتری،

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ

قیامت آگئی اور چاند پھٹ گیا،

جامع ترمذی اور مسند ابن حنبل میں جبیر بن مطعم کی جو روایت ہے، اس میں ہے کہ اس معجزہ

کو دیکھ کر کفار نے کہا کہ محمدؐ نے ہم پر جادو کر دیا ہے، دوسروں نے کہا کہ اگر ہم پر جادو کر دیا ہے تو تمام آدمیوں پر تو وہ جادو نہیں کر سکتے۔ مسند ابو داؤد و طیالسی[1] اور بیہقی میں ہے کہ انھوں نے کہا کہ محمدؐ تمام دنیا پر تو جادو نہیں کر سکتے، مسافروں کو اور مقامات سے آنے دو۔ دیکھو وہ کیا کہتے ہیں، چنانچہ جب ادھر ادھر سے مسافر آئے، اور ان سے پوچھا گیا تو انھوں نے بھی اپنا یہی مشاہدہ بیان کیا۔

بہر حال یہ معجزہ رات کے وقت مکہ میں بمقام منیٰ واقع ہوا۔

عقلی حیثیت سے یہ معجزہ زمانہ قدیم سے معرکۃ الآرا رہا ہے، علمائے متکلمین نے فلسفہ قدیم کے اصول پر اس میں خوب خوب موشگافیاں کی ہیں، مثلاً فلاسفہ قدیم کا یہ اعتقاد تھا کہ اجرام فلکی میں خرق و التیام اور شکست و ریخت محال ہے۔ اس لیے شق قمر بھی ناممکن ہے، متکلمین نے ثابت کیا کہ اجرام فلکی میں خرق و التیام اور شکست و ریخت ممکن ہے، مگر اب کہ جدید طبعیات و ہیئت نے ہمارے معلومات کے آسمان و زمین کو بدل دیا ہے، یہ مباحث بے سود اور بیکار ہیں، اب تو ہر روز نئے نئے ستاروں کے شکست و ریخت اور تصادم کے حادثے سننے میں آ رہے ہیں، اور ہیئت جدید اور علم تکوین میں تو زمین، سورج اور ستاروں کے آغاز و آفرینش کی داستان ہی اس باب سے شروع ہوتی ہے۔

اس سے دوسرے درجہ پر ایک اور قدیم اعتراض و جواب کتابوں میں لکھا چلا آتا ہے، ہمارے مسیحی مناظرین نے اس کو نئے آب و رنگ سے شہرت دی ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر

[1] مسند عبداللہ بن مسعود صفحہ ۳۸۰ حیدرآباد دکن۔

یہ معجزہ درحقیقت واقع ہوتا تو یہ صرف اہل مکہ ہی کو نظر نہ آتا، بلکہ اُس کو تمام دنیا دیکھتی، اور اسکی روایتیں مشرق سے لیکر مغرب تک پھیل جاتیں لیکن بجز مکہ کے اور ملکوں میں اس واقعہ کا چرچا نہیں ہوا، اور تمام قدیم اہل نجوم وہیئت وتاریخ اس کی روایت سے خاموش ہیں،

لوگوں نے اس شبہہ کے یہ جوابات دیے ہیں کہ اولاً ہم اس کو تسلیم نہیں کرتے کہ یہ واقعہ دوسرے ملک کے لوگوں کو نظر نہیں آیا تم اس کے ثبوت میں کہوگے کہ اگر نظر آتا تو اس ملک کے اہلِ تاریخ اس کا ذکر کرتے، حالانکہ کسی تاریخ میں اس کا ذکر نہیں لیکن سوال یہ ہے کہ ایک ملک کا مشہور واقعہ جو دوسرے ملک کی معاصر تاریخوں میں مذکور نہ ہو، صرف اس کا یہ عدم ذکر کیا اس کے انکار کی سند ہو سکتا ہے، اور اگر ایسا ہے تو ہندوؤں کی مہابھارت کا تم انکار کر سکتے ہو، حضرت مسیح کے تمام معجزات بلکہ واقعاتِ زندگی تک کا انکار کر سکتے ہو کہ شام ومصر کے معاصر رومی مورخوں نے ایسے عجیب وغریب واقعات کا ایک حرف بھی قلمبند نہیں کیا، اسکے برخلاف ابھی اوپر کی روایتوں میں بیان کیا جا چکا ہے کہ عرب و شام سے آنے والے مسافروں نے یہ بیان کیا کہ انھوں نے چاند کو دو ٹکڑے ہوتے دیکھا تھا،

فلکی حیثیت سے جو اعتراض کیا جاتا ہے کہ اہل ہیئت جو اجرام فلکی کے ایک ایک واقعہ کو قلمبند کرتے آئے ہیں، انھوں نے اس واقعہ کا ذکر نہیں کیا ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ معجزات رات کے وقت ظاہر ہوا تھا، اور اس وقت دنیا کا بڑا حصہ خوابِ راحت میں مصروف تھا، جو لوگ بیدار بھی ہوں گے، وہ اپنے دوسرے مشاغل میں مصروف ہوں گے اور جنھوں نے دیکھا بھی ہوگا، ان میں کتنا بڑا حصہ ان کا ہوگا جو اپنے مشاہدات کو تحریری صفحات

میں لانے پر قادر نہ تھے یعنی ناخواندہ تھے۔ اور اگر ان میں چند لکھے پڑھے ارباب ہیئت اور اصحاب تاریخ تھے تو ضروری نہیں کہ انھوں نے اپنے اس مشاہدہ کا تذکرہ بھی کیا ہو یا تذکرہ کیا تو ان کی یادداشت مثل دوسری سیکڑوں علمی یادداشتوں کے ضائع ہوگئی ہو۔ آغاز آفرینش سے اب تک اجرام فلکی میں لاکھوں انقلابات پیش آئے ہوں گے۔ لیکن کیا وہ سب کے سب دنیا کے اوراقِ ہیئت میں درج ہیں؟ اور ان کا درج نہ ہونا ان کے عدم وقوع کی دلیل ہے؟ مختلف مذاہب کی کتابوں میں اس قسم کے حوادث فلکی کا ذکر ہے، لیکن علم ہیئت و فلک اس کے ذکر سے خاموش ہے۔ لیکن یہ خاموشی اس کے عدم وقوع پر شہادت ہے؟ خود تمھاری انجیل میں ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش کے وقت ایک ستارۂ نبوت طلوع ہوا جس کو یورپ کے لوگوں نے دیکھا۔ اور پھر انجیل میں یہ بھی مذکور ہے کہ جب حضرت عیسیٰؑ کو سولی دیگئی تو تمام دنیا دفعۃً تاریک ہوگئی لیکن کیا ہیئت و افلاک کی کتابوں میں ان انقلاباتِ سماوی کا تذکرہ موجود ہے؟

حوادث فلکی کے حدوث اور وقوع میں بڑی چیز یہ ہے کہ اس کا مشاہدہ مطالع اور مغارب پر موقوف ہے۔ اور ہر جگہ کے مطالع و مغارب دوسری جگہ سے نہایت مختلف ہیں بالخصوص قمر کے مطالع میں تو اور بھی سخت اختلاف ہے۔ ایک جگہ چاند ڈوبتا ہے۔ دوسری جگہ نکلتا ہے۔ ایک جگہ چاندنی ہے۔ دوسری جگہ اندھیری ہوتی ہے۔ ایک جگہ چاند کو گہن لگتا ہے، اور دوسرے مقامات کے لوگوں کو وہ نظر تک نہیں آتا۔ اس لیے اگر تمام دنیا نے اس معجزہ کو نہیں دیکھا تو یہ شقِ قمر کی نفی کی دلیل نہیں۔ چنانچہ دنیا کی مختلف باخبر قوموں نے اپنی اپنی کتابوں

میں مختلف حوادثِ فلکی کا ذکر ہے لیکن جس واقعہ کو ایک نے بڑے شد و مد سے بیان کیا ہے، اس کی معاصر قوموں کی کتابیں اسکی شہادت سے قطعاً خالی ہیں، لیکن کیا خاموشی اس کے عدم وقوع کی سند ہو سکتی ہے؟ علاوہ اور وجوہ کے اس خاموشی اور اختلاف کی ایک وجہ یہی ہوتی ہے کہ تمام دنیا کا ایک مطلع نہیں ہے، اس لیے ایک چیز ایک جگہ نظر آتی ہے، دوسری جگہ نہیں آتی۔

بعض متکلمین نے جن میں ایک شاہ ولی اللہ صاحبؒ بھی ہیں، لکھا ہے، اور امام غزالی کا بھی ادھر ہی رجحان معلوم ہوتا ہے کہ درحقیقت چاند میں شگاف نہیں ہوا تھا۔ بلکہ لوگوں کو ایسا نظر آیا، چنانچہ حضرت انسؓ کی روایت کے یہ الفاظ ہیں۔

ان اھل مکۃ سالوا النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان یریھم اٰیۃ فاراھم انشقاق القمر فرقتین (صحیح مسلم)	اہل مکہ نے آپ سے نشانی طلب کی تو آپ نے چاند دو ٹکڑے دکھایا۔

ہم ان تمام پر پیچ راستوں سے گذر کر صرف ایک سیدھی سی بات کہدینا چاہتے ہیں، شق القمر اہل مکہ کی طلب پر ایک آیتِ الٰہی تھی یعنی ان منکروں کو انکی خواہش کے مطابق نبوت کی ایک نشانی دکھائی گئی تھی، احادیث میں یہ ہے کہ چاند دو ٹکڑے ہو کر نظر آیا، خواہ دراصل چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے ہوں، یا خدا نے ان کی آنکھوں میں ایسا تصرف کر دیا ہو کہ ان کو چاند دو ٹکڑے ہو کر نظر آیا، جو خدا انسانوں کی آنکھوں میں خلافِ عادت تصرف کر سکتا ہے، وہ خود چاند میں بھی خلافِ عادت تصرف کر سکتا ہے، پھر چونکہ اللہ نے

یہ نشانی اہل مکہ کے لیے ظاہر کی تھی، اور ان ہی کے لیے یہ آیۂ ثبوت تھی، اس لیے تمام دنیا میں اس کے ظہور اور روایت کی حاجت نہ تھی، اس بنا پر بالفرض اگر دنیا کے دوسرے حصوں میں شق قمر مشاہدہ نہ ہوا تو یہ حیرت اور تعجب کی بات نہیں، بلکہ اہل مکہ کے علاوہ اور لوگوں کو دوسرے شہروں اور ملکوں میں اس کا نظر نہ آنا ہی مصلحت الٰہی تھی کہ اگر یہ عام طور سے دوسرے اقطاع عالم کے لوگوں کو بھی نظر آتا تو یہ سمجھا جا سکتا کہ یہ آسمان کے طبعی انقلابات میں سے کوئی انقلاب تھا، جیسا کہ اور سیکڑوں قسم کے تغیرات اس سے پہلے ہو چکے ہیں، جیسا کہ فلکیات اور علم بدء خلق (کسموگرفی اور نیچر ہسٹری) میں مذکور ہیں، لیکن جب اہل مکہ کے علاوہ جو شہر مکہ میں تھے، یا باہر قافلہ میں تھے، صرف ان ہی کو نظر آیا، تو اس بات کی صاف اور صریح دلیل ہے کہ یہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایک نشان کے طور پر ظاہر ہوا، واللہ الحمد،

غلبۂ روم کی پیشینگوئی

الٓمّٓ غُلِبَتِ الرُّوْمُ فِیْٓ اَدْنَی الْاَرْضِ (روم)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی الہامی زبان سے جن واقعات کی پیشین گوئی کی ہے، ان سب میں سب سے زیادہ شاندار، سب سے زیادہ صاف وصریح، سب سے زیادہ معرکۃ الآرا غلبۂ روم کی پیشین گوئی ہے،

عرب کے چپ و راست دونوں پہلوؤں میں رُوم وفارس کی پرزور حکومتیں قائم تھیں، اس وقت ایران کا تاجدار خسرو اور روم کا فرمانروا ہرقل تھا، ان دونوں سلطنتوں میں ایک مدت سے معرکہ آرائیوں کا سلسلہ قائم تھا، بعثت نبوی کے پانچویں سال یعنی ۶۱۳ء میں ان دونوں ہمسایہ سلطنتوں میں ایک خونریز جنگ شروع ہوگئی، اگرچہ ان دونوں قوموں میں کسی قوم نے مذہب اسلام قبول نہیں کیا تھا، تاہم رومی حضرت عیسیٰؑ کے پیرو اور اہل کتاب تھے، اور ایرانیوں کے عقائد مشرکین مکہ کے عقائد کے ساتھ مطابقت رکھتے تھے، اس لیے لازمی طور سے مسلمانوں کو رومی عیسائیوں کے ساتھ اور مشرکین مکہ کو ایرانیوں کے ساتھ ہمدردی تھی اس لیے مسلمانوں اور کفار قریش دونوں کو جنگ کے نتیجہ کا شدت کے ساتھ انتظار تھا۔

ان دونوں سلطنتوں کے حدود دریائے دجلہ و فرات کے کناروں پر آکر ملتے تھے، رومی سلطنت مشرق میں ایشیائے کوچک، حدود عراق، شام، فلسطین اور مصر میں پھیلی ہوئی تھی، ایرانیوں نے دو طرفہ حملہ کیا، ایک طرف تو وہ دجلہ و فرات کے کناروں سے شام کیطرف بڑھے، اور دوسری طرف ایشیائے کوچک کیجانب آذربائجان سے آرمینیا ہوکر، موجودہ اناطولیہ میں داخل ہوگئے، اور دونوں طرف رومیوں کو پیچھے ہٹاتے ہٹاتے سمندر میں ان کو ڈھکیل دیا، شام کی سمت میں انھوں نے پہلے دیگرے اس ارض مقدس کا ایک ایک شہر چھین لیا، ۶۱۴ء میں فلسطین اور اس کا مقدس شہر یروشلم صلیبی علم کے بجائے درفش کاویانی کے زیر سایہ آگیا کینسے مسمار کیے گئے، مذہبی شعائر کی توہین کی گئی، ۲۶ ہزار یہودیوں نے ایرانی فوج میں شامل ہوکر ۶۰ ہزار بے گناہ عیسائیوں کا قتل عام کیا، شہنشاہ ایران کے قصر اقامت کی تیس ہزار مقتول سروں سے آرایش کی گئی، ایرانی فتوحات کا سیلاب اس سے آگے بڑھکر ۶۱۶ء میں پوری وادی نیل یعنی مملکت مصر پر محیط ہوگیا، اور آخر اسکندریہ کے ساحل پر جاکر رکا، اور دوسری طرف تمام ایشیائے کوچک کو زیر و زبر کرتا ہوا ہاسفورس کے ساحل پر جاکر رکا، اور قسطنطنیہ کی دیواروں سے جاکر ٹکرایا، شہنشاہ روم کے دارالسلطنت کے سامنے ایران کے فاتح لشکر نے جاکر اپنے خیمے کھڑے کر دیے، اور اب رومیوں کے بجائے عراق و شام و فلسطین و مصر و ایشیائے کوچک کے وسیع علاقوں میں ایرانی حکومت قائم ہوگئی ہر جگہ آتشکدے تعمیر ہوئے، اور مسیح کے بجائے آگ اور سورج کی جبری پرستش کو رائج کیا گیا، رومی سلطنت کی اس تباہی کو دیکھکر رومی شہنشاہی کی وسیع مملکت میں بغاوتیں کھڑی ہوگئیں

افریقہ میں بھی شورش ہوئی. خود قسطنطنیہ کے قریب یورپ میں مختلف قومیں قتل وغارتگری میں مصروف ہوگئیں، غرض اس وقت سلطنت روما کے پرزے پرزے اڑگئے تھے

جنگ کا نتیجہ جب ایسا خلاف امید ظاہر ہوا تو مسلمانوں کو یقیناً رنج اور کفار کو مسرت حاصل ہوئی، اور انھوں نے مسلمانوں کو طعنہ دیا کہ جس طرح ہمارے بھائی غالب ہوئے ہیں، اسی طرح اگر تم ہم سے لڑتے تو ہم غالب ہوتے، اس وقت رومیوں کی جو افسوسناک حالت تھی وہ آپ سن چکے کہ وہ اپنے مشرقی مقبوضات کا ایک ایک چپہ کھو چکے تھے. خزانہ خالی تھا فوج منتشر تھی، ملک میں بغاوتیں پیدا تھیں، شہنشاہ ہرقل ہمہ تن عیاش بے پروا، اور مبتلائے اوہام تھا. ایرانیوں کا فاتح سپہ سالار قسطنطنیہ کے دروازہ پر پہنچکر رومیوں کے سامنے حسب ذیل شرائط پیش کرتا ہے. رومی باج ادا کریں. ایک ہزار ٹالنٹ سونا. ایک ہزار ٹالنٹ چاندی. ایک ہزار حریر کے تھان ایک ہزار گھوڑے. اور ایک ہزار باکرہ لڑکیاں ایرانیوں کے حوالہ کریں. رومیوں کی کمزوری کی یہ حالت ہے کہ وہ ان شرمناک شرائط کو قبول کرتے ہیں. اس پر بھی جب رومی قاصد شہنشاہ ایران کے دربار میں مصالحت کا پیام لیکر جاتا ہے تو مغرور خسرو جواب دیتا ہے کہ مجکو یہ نہیں بلکہ خود ہرقل زنجیروں میں بندھا ہوا میرے تخت کے نیچے چاہیے. اور اس وقت تک صلح نہیں کرونگا جب تک شہنشاہ روم اپنے مصلوب خدا کو چھوڑکر سورج دیوتا کے آگے سر نہ جھکالے گا۔

کارزار عالم کا نقشہ یہ تھا کہ معرکۂ جنگ سے بہت دور ایک خشک اور بنجر زمین کی سنسان پہاڑی سے ایک شہزادہ امن نمودار ہوا، اور واقعات عالم کے بالکل خلاف سرمش غیب سے نغمۂ قدس میں گویا ہوا

الٓمّٓ غُلِبَتِ الرُّوْمُ فِیْٓ اَدْنَی الْاَرْضِ	رومی قریب تر زمین میں مغلوب ہو گئے، لیکن
وَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ	وہ چند سال میں مغلوب ہو جانے کے بعد پھر
فِیْ بِضْعِ سِنِیْنَ لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ	غالب ہوں گے، خدا ہی کے ہاتھ میں پہلے اور
وَمِنْۢ بَعْدُ وَيَوْمَئِذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ	پیچھے سب اختیار ہے، اور اس دن مسلمان خدا
بِنَصْرِ اللّٰهِ يَنْصُرُ مَنْ يَّشَآءُ وَهُوَ	کی مدد سے خوش ہوں گے، وہ جس کی چاہے
الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ وَعْدَ اللّٰهِ لَا	مدد کرے، وہ غالب رحم والا ہے، خدا کا وعدہ
يُخْلِفُ اللّٰهُ وَعْدَهٗ (روم)	ہی خدا اپنے وعدہ کے خلاف نہیں کرتا۔

یہ پیشین گوئی واقعات کے لحاظ سے اس قدر مستبعد اور ناقابلِ یقین تھی کہ کفار نے اس کے صحیح ہونے کی صورت میں کئی اونٹوں کے ہارنے کی مسلمانوں سے شرط لگائی، اب مسلمانوں اور کافروں کو بڑی شدت سے واقعات کے پہلو کا انتظار تھا، آخر چند سال کے بعد دنیا نے خلاف امید پلٹا کھایا، مورخ گبن کے الفاظ میں "شہنشاہ جو اپنی ابتدائی اور آخری زندگی میں سستی، عیاشی اور اوہام کا غلام، اور رعایا کے مصائب کا نامرد تماشائی تھا، جس طرح صبح و شام کا کہرا آفتاب نصف النہار کی روشنی سے پھٹ جاتا ہے، دفعۃً (۶۲۱ء میں) محلوں کا ارکارڈیوس، میدان جنگ کا سیزر بن گیا اور روم اور ہرقل کی عزت نہایت شاندار طریقہ سے بچالی گئی"[1] جس وقت ہرقل اپنی بقیہ فوج لیکر قسطنطنیہ سے چلا ہے، لوگوں کو معلوم ہوتا تھا کہ رومۃ العظمیٰ کے آخری لشکر کا منظر دنیا کے سامنے ہے[2] لیکن عرب کے نبی امی کی پیشین گوئی حرف بحرف پوری ہوئی، اور عین اس وقت جب مسلمانوں

---

[1] تاریخ زوال روم مصنفہ گبن ج ۳ ص ۳۰۴ مطبوعہ ۱۸۹۰ء [2] ایضاً

نے بدر کے میدان میں قریش کو شکست دی، رومیوں نے ایرانیوں پر غلبہ حاصل کیا، مشرقی مقبوضات کا ایک ایک شہر واپس لے لیا، اور ایرانیوں کو باسفورس اور نیل کے کناروں سے ہٹا کر پھر دجلہ و فرات کے سواحل کی طرف دھکیل دیا۔

اس عظیم الشان پیشین گوئی کی صداقت کے اثر نے دنیا کو محو حیرت کر دیا۔ قریش کے بہت سے لوگ اس صداقت کو دیکھ کر مسلمان ہو گئے،[1] واقعہ کے ساڑھے بارہ سو برس کے بعد تاریخ زوال روم کا مشہور مصنف گبن اس حیرتناک پیشین گوئی کی سچائی سے متحیر ہو کر کہتا ہے:

"مشرق کی ان دو عظیم الشان سلطنتوں کے ڈھانچے پر سمیٹ کر ان دونوں کی ایک دوسرے کو تباہ کر دینے والی روز افزوں کوششوں کی ترقی کو دلی مسرت کے ساتھ بغور ملاحظہ کرتا تھا۔ اور عین اس وقت جب کہ ایرانیوں کو پیہم کامیابیاں حاصل ہو رہی تھیں، اس نے اس پیشین گوئی کی جرأت کی کہ چند سال میں فتح و ظفر رومی علم پر سایہ فگن ہو گی۔" جس وقت یہ پیشینگوئی کی گئی تھی کوئی پیشین گوئی اس سے زیادہ دور از قیاس نہیں ہو سکتی تھی کیونکہ ہرقل کی بارہ سال کی (۶۱۰ء سے ۶۲۲ء تک) حکومت نے اس بات کا اعلان کر دیا تھا کہ رومی شہنشاہی کا شیرازہ جلد بکھر جائے گا۔[2]"

ہرقل کی طبیعت میں اس فوری انقلاب اور واقعات کی رو سے اس حیرتناک تغیر اور اس کے اسباب کی تفصیل میں تاریخ روم کے مصنفین نے عجیب عجیب باتیں پیدا کی ہیں، لیکن انھیں کیا معلوم کہ اس خونی معرکہ سے دور ایک پیغمبر از ہاتھ رومیوں کی مدد کے لیے دراز تھا

[1] ترمذی تفسیر سورۂ روم [2] تاریخ زوال روم جلد ۳ ص ۳۰۲ و ۳۰۳ طبع مذکور۔

اور وہی اس انقلاب اور تغیر کا سب سے بڑا روحانی سبب تھا۔

مستدرک (علی شرط الصحیحین) اور جامع ترمذی میں ہے کہ "روم و فارس کی جب جنگ شروع ہوئی تو مشرکین، ایرانیوں کے طرفدار تھے، کیونکہ وہ بھی بت پرست تھے، اور مسلمان رومیوں کے طرفدار تھے کہ وہ اہلِ کتاب تھے۔ اس وقت ایرانی روم کو دبائے جا رہے تھے۔ اس پر سورۂ روم کی پیشین گوئی نازل ہوئی، حضرت ابوبکرؓ نے چلا چلا کر تمام مشرکین کو یہ پیشینگوئی سنائی، مشرکین نے کہا کہ اس پیشینگوئی کے لیے کوئی سال مقرر کرو، حضرت ابوبکرؓ نے پانچ سال کی شرط کی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا تو فرمایا کہ بضع کا لفظ ۳ سے ۹ تک بولا جاتا ہے، اس لیے دس سال سے کم کی مدت مقرر کرنی چاہیے تھی، چنانچہ اس تشریح کے مطابق نویں سال غزوۂ بدر کے موقع پر پیشین گوئی پوری ہوئی، اور رومی غالب آئے"۔

غزوۂ بدر ہجرت کے پہلے سال اور بعثت کے چودھویں سال پیش آیا، اس سے ۹ برس پہلے بعثت کا پانچواں سال ہوگا۔ اس بنا پر پیشین گوئی کا زمانہ ۵ سنہ بعثت اور اس کے پورے ہونے کا زمانہ ۱۴ سنہ بعثت یا ۷ سنہ ہے۔ بعض لوگوں نے اس پیشینگوئی کے پورے ہونے کا زمانہ صلح حدیبیہ کا سال یعنی ۶ سنہ بیان کیا ہے، یہ صحیح نہیں، شاید لوگوں کو اس سے دھوکا ہوا کہ صحیح بخاری وغیرہ میں ہے کہ قاصد نبوی جب اسلام کا دعوت نامہ لیکر قیصر کے پاس گیا، تو وہ اس وقت فتح کا شکریہ ادا کرنے کے لیے شام آیا ہوا تھا۔ اور معلوم ہے کہ قاصد صلح حدیبیہ کے زمانہ میں روانہ ہوئے تھے، اس لیے لوگوں نے یہ سمجھا کہ حصول فتح کی بھی یہی تاریخ ہے، مگر یہ غلط

لہ جلد ۲ تفسیر سورۂ روم ۱۲ تفسیر سورۂ روم

بالکل ظاہر ہے کہ یہ فتح مکہ کی تاریخ نہیں، بلکہ فتح کے جشن کی تاریخ ہے۔ رومی تاریخ منطقت سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ۶۰۹ء میں آپ کی بعثت ہوئی، ۶۱۰ء سے روم و فارس کی چھیڑ چھاڑ شروع ہوئی، ۶۱۳ء میں اعلان جنگ ہوا، ۶۱۴ء سے رومیوں کی شکست کا آغاز ہوا، ۶۱۶ء میں رومی شکست تکمیل کو پہنچ گئی، ۶۲۲ء سے پھر رومیوں نے حملہ شروع کیا، ۶۲۳ء سے ان کی کامیابی کا آغاز ہوا، اور ۶۲۵ء میں ان کی فتح تکمیل کو پہنچ گئی۔ اس ترتیب سے دیکھئے تو ظاہر ہوگا کہ اس پیشین گوئی کی خوبی یہ ہے کہ آغاز شکست سے آغاز فتح تک جوڑیے تو بھی وہی نو برس ہو گئے ہیں، اور اگر انجام شکست سے آغاز فتح تک جوڑیے تو بھی وہی نو برس ہوں گے۔

اس فتح کی تکمیل کے بعد ہرقل پھر وہی ست و عیاز قیصر بن گیا جو پہلے تھا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دست قدرت نے صرف اس پیشینگوئی کے پورا کرنے کے لیے چند سال کے واسطے اس کے دل و دماغ کو بیدار اور دست و بازو کو ہشیار کر دیا تھا۔ پیشینگوئی کی تکمیل کے بعد پھر پہلے کی طرح تعیش اور کاہلی نے اس کو عیش و غفلت کے بستر پر تھپک تھپک کر سلا دیا۔

دیگر آیات و دلائل نبوی

قرآن مجید میں

طیرِ ابابیل کی نشانی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت عام الفیل میں ہوئی، جس میں ابرہۃ الاشرم نے ہاتھیوں کی قطار کے ساتھ خانۂ کعبہ پر حملہ کرنا چاہا تھا، لیکن فضلِ آسمانی کے ایک حقیر حقیر پرندے نے کنکریوں کے ذریعہ سے اُن کو ہلاک کر دیا، یہ ایک عظیم الشان نشان تھا جس کا ظہور مسلمان اور عیسائی دونوں تسلیم کریں گے کہ مشرکینِ عرب کی تائید کے لیے نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ ابرہۃ الاشرم ایک عیسائی بادشاہ تھا جس کا مذہب بہرحال مشرکین سے بہتر تھا، بلکہ یہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کا نشان تھا جن کی ذاتِ پاک حقیقی طور پر خانۂ کعبہ کی حفاظت کی کفیل تھی۔ یہی وجہ ہے کہ خداوند تعالیٰ نے اس معجزہ کے ذکر میں خاص طور پر آپ کی طرف روئے خطاب کیا ہے۔

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ	کیا تو نے نہیں دیکھا کہ تیرے پروردگار نے
الْفِيْلِ اَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِيْ	ہاتھی والوں کے ساتھ کیا کیا، انکی چھپی گھات کو
تَضْلِيْلٍ وَّاَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا	کیسے راہ نہیں کر دیا؟ اور ان پر جھنڈ کے

اَبَابِيْلَ تَرْمِيْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ	جھنڈ پرندے بھیجے، جو اُن کو پتھریلی کنکریوں
سِجِّيْلٍ فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ	سے مارتے تھے، تو خدا نے ان کو کھائی ہوئی
مَّاْكُوْلٍ (فیل)	بھُس کے مانند کر دیا۔

یہ سورہ واقعہ کے تقریباً ۵۴ برس بعد اتری تھی، اور غالباً اس وقت متعدد اشخاص اس واقعہ کے چشم دید گواہ ہوں گے، اور ایسے تو ہزاروں ہوں گے جنھوں نے دیکھنے والوں سے براہ راست اور بلا واسطہ اس واقعہ کو سنا ہوگا، کفار جو ہمیشہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کے درپے رہتے تھے، اگر اس صورتِ واقعہ کے بیان میں کچھ بھی غلطی یا جھوٹ شامل ہوتا، تو وہ اس کی علانیہ تردید کر دیتے، مگر ایسا نہیں ہوا، اس لیے اس کی سچائی میں کوئی شک و شبہ نہیں کیا جا سکتا،

شہب ثاقب کی کثرت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب نبوت عطا ہوئی تو نظم آسمانی میں ایک خاص انقلاب پیدا ہوا، جنات جو پہلے آسمان کے قریب تک جا سکتے تھے، ان کی آمد و رفت مسدود کر دی گئی، اور ان پر ٹوٹنے والے تاروں کی بارش ہونے لگی چنانچہ قرآن مجید میں خود جنات کی زبانی بیان ہے،

وَاَنَّا لَمَسْنَا السَّمَآءَ فَوَجَدْنٰهَا	ہم نے آسمان کو ٹٹولا تو پایا کہ وہ سخت
مُلِئَتْ حَرَسًا شَدِيْدًا وَّشُهُبًا	پہرہ داروں اور ٹوٹنے والے تاروں سے
وَاَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ	بھر دیا گیا ہے، اور ہم پہلے سننے کو وہاں بیٹھتے
لِلسَّمْعِ فَمَنْ يَّسْتَمِعِ الْاٰنَ يَجِدْ	پر بیٹھتے تھے، لیکن اب جو کوئی سنے

لَہٗ شِہَابًا رَّصَدًا (جن ۱)　　تو تارے کو اپنی تاک میں پاوے،

شرح صدر

شرحِ صدر یعنی سینہ کا کھول دینا، یا اس غرض سے چاک کرنا کہ وہ انوارِ الٰہی سے معمور کیا جائے، ایک دولتِ ربانی تھی، جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا ہوئی، ارشاد ہوا

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ　　اے محمد کیا ہم نے تیرے سینہ کو کھول نہیں

(شرح)　　دیا (یا چاک نہیں کر دیا)

احادیث میں گو اس شرح صدر کی پوری تفصیل مذکور ہے، مگر بہرحال قرآن پاک سے اس کا ثبوت ملتا ہے کہ خواہ یہ ظاہری طور سے یا باطنی رنگ میں علم و حکمت اور نورِ معرفت کی غیر معمولی اور مافوق بشری بخشش ہو، ہر صورت میں وہ ایک فہم سے بالاتر کیفیت تھی،

مکہ سے بیت المقدس تک ایک شب میں سفر

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے معجزانہ طریق پر ایک شب میں مکہ معظمہ سے بیت المقدس تک جو پراسرار سفر کیا، قرآن نے ان الفاظ میں ان کی تصدیق کی ہے،

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ　　پاک ہے وہ خدا جو اپنے بندہ کو خانۂ کعبہ سے

لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ　　بیت المقدس تک رات کے وقت ایک

الْاَقْصَا (اسرا ۱-۱)　　شب میں لے گیا،

حالانکہ ان دونوں مقامات کے بیچ میں اُس زمانہ میں مہینوں کا سفر تھا،

قریش پر قحط سالی کا عذاب

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت سے پہلے بھی یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ جب قریش نے آپ کی مخالفت کی تو آپ نے ان کو بددعا کی کہ خداوندا اُن کو سات سال

تک قحط میں مبتلا رکھا جس طرح تو نے حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں سات سال تک
مستقل قحط کو قائم رکھا تھا، چنانچہ ان پر ایسا سخت قحط پڑا کہ لوگوں نے بھوک کے مارے
مردار اور چمڑے کھائے، یہانتک کہ جب لوگ آسمان کی طرف دیکھتے تھے تو وہ انکو دھوئیں
کی طرح نظر آتا تھا، یہ حالت دیکھکر ابوسفیان آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور کہا کہ اے محمد!
تم خدا کی اطاعت اور صلۂ رحم کا حکم دیتے ہو، حالانکہ خود تمہاری قوم تباہ ہو رہی ہے، اس کے لیے خدا
سے دعا کرو، آپ نے دعا فرمائی، اور بارش ہوئی جس نے قحط کی مصیبت کو دور کر دیا، اسکے بعد پھر
قریش نے حسب دستور آپ کی مخالفت شروع کی، تو قیام مکہ ہی کے زمانہ میں خدا نے آپ کی زبان
سے یہ پیشینگوئی قریش کو سنائی کہ آئندہ اس کا انتقام ایک ایسے سخت گرفت سے لیا جائیگا، وہ گرفت
بدر کی لڑائی تھی، چنانچہ سورۂ دخان کی ان آیتوں میں اسی واقعہ کا ذکر ہے،[1]

فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ	اس دن کا انتظار کرو، جب آسمان دھواں
مُبِينٍ يَغْشَى النَّاسَ هَٰذَا عَذَابٌ	نمایاں کریگا جو لوگوں پر چھا جائیگا، یہ نہایت
أَلِيمٌ رَبَّنَا اكْشِفْ عَنَّا الْعَذَابَ إِنَّا	تکلیف دہ عذاب ہے، خداوندا یہ عذاب ہمارے
مُؤْمِنُونَ أَنَّىٰ لَهُمُ الذِّكْرَىٰ وَقَدْ	اوپر سے ہٹالے، ہم مسلمان ہیں اور کہاں ان
جَاءَهُمْ رَسُولٌ مُبِينٌ ثُمَّ تَوَلَّوْا	کو یہ نصیحت پکڑنا، حالانکہ ان کے پاس ایک
عَنْهُ وَقَالُوا مُعَلَّمٌ مَجْنُونٌ إِنَّا كَاشِفُو	رسول کھلم کھلا آیا، پھر ان لوگوں نے اس سے
الْعَذَابِ قَلِيلًا إِنَّكُمْ عَائِدُونَ	اعراض کیا، اور کہا یہ سکھایا ہوا پاگل ہے، ہم

[1] صحیح مسلم تفسیر سورۂ دخان

يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرٰى اِنَّا مُنْتَقِمُوْنَ (دخان ۱) — تھوڑی دیر کیلئے اس عذاب کو ہٹا لینے والے ہیں تم لوگ اسی قدیم حالت کیطرف عود کر جاؤ گے ہم اس روز انتقام لیں گے جو سب سے بڑی پکڑ کا دن ہوگا

وقوع ہجرت کی معجزانہ نشانیاں

کفار نے دار الندوہ میں چھپ کر آپ کے قتل وغیرہ کے مشورے کیے کوئی مسلمان نہ ان میں شریک تھا، اور نہ کسی طرح ہو سکتا تھا مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر چیز کی خبر اللہ نے دیدی، دن، تاریخ، وقت، سب سے آگاہی ہو گئی، اور پھر یہ کہ جس شب کو آپ نے ہجرت کی سب کو معلوم ہے کہ اس رات کو آپ کے گھر کے چاروں طرف دشمنوں کا پہرہ تھا تاہم آپ ان کی آنکھوں میں خاک جھونک کر ان ہی کے درمیان سے گذر کر حضرت صدیقؓ کے ساتھ شہر سے نکل گئے۔ آپ مکہ کے قریب ہی غار ثور میں جا کر چھپے عرب آثار قدم سے اشخاص کے مقام و گذرگاہ کا پتہ لگانے میں نہایت مشاق تھے، صبح کو وہ آپ کا پتہ لگاتے ہوئے غار مذکور کے دہانہ تک پہنچ گئے، یہانتک کہ اگر وہ ذرا جھک کر دیکھتے تو آپ ان کے سامنے تھے، حضرت ابوبکرؓ اقتضائے بشری سے گھبرا اٹھے، مگر آپ نے تسلی دی کہ خدا ہمارے ساتھ ہے، چنانچہ ساتھ والے خدا نے یہ تدبیر کی کہ کافروں سے ان کی یہ سوجھ چھین لی کہ وہ جھک کر دیکھیں، اور ان کے دل میں ایسی بات ڈال دی کہ وہ بے دیکھے واپس چلے گئے سیر کی اکثر ضعیف روایتوں میں اور مسند ابن حنبل کی ایک روایت میں جو زیادہ کمزور نہیں ہے مذکور ہے کہ مکڑی نے غار کے منہ پر جالے تن دیے تھے، کفار نے کہا اگر کوئی اس غار میں جا کر چھپتا تو ظاہر ہے کہ یہ جالے ٹوٹ جاتے اور یہ کہکر وہ واپس چلے گئے۔ اس غار سے نکل کر جب آپ مدینہ کی راہ چلے تو قریش کے سوار آپ کے تعاقب میں نظر آئے۔ چنانچہ سراقہ اپنا گھوڑا دوڑاتا

آپ کے قریب پہنچ گیا، دفعۃً گھوڑے کے پاؤں زمین میں دھنس گئے، تین دفعہ یہی واقعہ پیش آیا، سراقہ اس اعجاز کو دیکھکر مرعوب ہوگیا، اور خط امان لیکر واپس چلا گیا۔

واقعۂ ہجرت کے ان معجزانہ واقعات کا تفصیلی بیان احادیث میں ہے، مگر قرآن مجید کا یہ اجمالی اعتراف ان کی تائید ہی شہادت ہے،

وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ (انفال ۴)

اور یاد کرو (اے پیغمبر) جب کفار تمہارے ساتھ داؤ کر رہے تھے، تاکہ تم کو قید کریں یا قتل کریں یا گھر سے نکال دیں، وہ بھی داؤ کر رہے تھے اور خدا بھی داؤ کر رہا تھا، اور خدا سب داؤ کرنے والوں میں سے بہتر داؤ کرنے والا ہے۔

اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى ؕ وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا وَاللّٰهُ

اے لڑائی سے پیچھے رہنے والے لوگو! اگر تم اس پیغمبر کی مدد نہ کرو تو وہ تمہاری مدد سے بے نیاز ہے کہ خدا نے اس وقت اسکی مدد کی جب اس کو کافروں نے مکہ سے نکال دیا تھا۔ دو رفیقوں میں سے ایک نے جب وہ دونوں غار میں تھے، اپنے ساتھی سے کہا تھا کہ گھبراؤ نہیں خدا ہمارے ساتھ ہے۔ پھر خدا نے اس پر اپنی تسکین نازل کی اور ان فوجوں سے اسکی مدد کی جن کو تم نے

عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ ۝ (توبہ - ۶)

نہیں دیکھا اور کافروں کی بات کو نیچا کیا، اور خدا ہی کی بات اونچی رہتی ہے اور خدا غالب اور تدبیر والا ہے،

خواب میں کفار کا کم دکھنا

ہجرت کے بعد سب سے بڑا معرکہ غزوۂ بدر کا پیش آیا جس میں ایک طرف تین سو تیرہ مسلمان تھے، جو ہتھیاروں سے بھی پورے آراستہ نہ تھے، دوسری طرف ایک ہزار قریش کی لوہے میں غرق فوج تھی، دنیا قیاس کر سکتی ہے کہ اس جنگ کا خاتمہ کس کے حق میں ہوتا لیکن چونکہ یہ اسلام کی ہمیشہ کے لیے موت و حیات کی ساعت تھی، اسلیے کارساز قدرت نے اپنی عجیب غریب نشانیوں سے حق کو فتح اور باطل کو شکست دی، چنانچہ معلوم ہوتا ہے کہ غزوۂ بدر سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس معرکہ کا نقشہ عالم رویا میں دکھایا گیا تھا اور اس میں کفار کی تعداد بہت کم دکھائی گئی تھی، جو ان کی ذلت اور شکست کی طرف اشارہ تھا، مسلمانوں نے جب یہ خواب سنا تو انکی ہمت ہوئی، اگر عالم رویا میں کفار کی کثرت دکھائی جاتی، تو مسلمانوں کے حوصلے پہلے ہی سے پست ہو جاتے، چنانچہ خود قرآن نے اسکی تصریح کر دی،

اِذْ یُرِیْکَهُمُ اللّٰهُ فِیْ مَنَامِكَ	خدا کے احسان کو یاد کرو جب وہ تجھکو تیرے
قَلِیْلًا وَلَوْ اَرٰىكَهُمْ كَثِیْرًا	خواب میں ان کافروں کو تھوڑا دکھا رہا تھا
لَفَشِلْتُمْ وَلَتَنَازَعْتُمْ فِی الْاَمْرِ	اگر تم کو زیادہ کر کے دکھاتا تو تم ہمت ہار دیتے
وَلٰكِنَّ اللّٰهَ سَلَّمَ اِنَّهٗ عَلِیْمٌ	اور لڑائی کے بارہ میں آپس میں اختلاف کرتے
بِذَاتِ الصُّدُوْرِ	لیکن خدا نے بچا لیا، بیشک خدا سینوں
(انفال - ۵)	کے راز کو جانتا ہے۔

مسلمانوں کا کافروں کی نظر میں اور کافروں کا مسلمانوں کی نظر میں کم کرکے دکھانا

اس معرکہ میں سن چکے کہ کافروں کی تعداد مسلمانوں سے دگنی تھی، ایسی حالت میں مسلمانوں کا بددل ہونا لازمی تھا، خدا نے اپنی قدرتِ کاملہ کا یہ تماشہ دکھایا کہ مسلمانوں کی نگاہوں میں کچھ ایسا تغیر کردیا کہ وہ مسلمانوں کو بہت تھوڑے معلوم ہونے لگے، اُدھر کفار کو مسلمان تھوڑے نظر آتے تھے، مقصود یہ تھا کہ رؤسائے کفار میدان سے بھاگ کر جانیں بچا کر نہ جانے پائیں، اس کی یہ تدبیر کی کہ مسلمان اپنی اصلی تعداد سے بھی ان کو کم نظر آنے لگے، اس کا اثر یہ ہوا کہ انھوں نے اپنی فتح کو یقینی سمجھ کر حصول نتیجہ کے لیے نہ تو سر فروشانہ کوشش کی، اور نہ بھاگنے کی کوئی ضرورت سمجھی، اور یہی بات مسلمانوں کے حق میں مفید ہوگئی،

وَاِذْ يُرِيكَمُوهُمْ اِذِ الْتَقَيْتُمْ فِيْٓ اَعْيُنِكُمْ قَلِيْلًا وَّيُقَلِّلُكُمْ فِيْٓ اَعْيُنِهِمْ لِيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا (انفال۔ ۵)	خدا کے اس احسان کو یاد کرو کہ جب تم دشمنوں سے صف آرا ہوئے، تو وہ تمھاری نگاہوں میں ان کو تھوڑا کرکے دکھاتا تھا، اور تم کو ان کی آنکھوں میں کم کرکے دکھا رہا تھا تاکہ اس کام کو جس کا ہونا مقرر ہے، طے کردے،

پھر کافروں کی آنکھوں میں مسلمانوں کا دونا نظر آنا

پہلے تو خدا نے کافروں کی نگاہ میں مسلمانوں کو کم کرکے دکھایا تاکہ کفار بے پروا ہوکر لڑ پڑیں، پھر جب دونوں صفیں گتھ گئیں تو خدا کے حکم سے مسلمانوں کی تعداد دشمنوں کی آنکھوں میں ان کی اپنی تعداد سے بھی دونی نظر آنے لگی، اس کا اثر یہ ہوا کہ قریش نے ڈر کر ہمت ہار دی۔

قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ فِيْ فِئَتَيْنِ ۖ الْتَقَتَا ۖ فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاُخْرٰى كَافِرَةٌ يَّرَوْنَهُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَاْيَ الْعَيْنِ ۚ وَاللّٰهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۚ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ (آل عمران ۲)

اے یہودیو! تمہارے لیے ان دونوں فوجوں میں جو صف آرا ہوئیں، جن میں ایک خدا کی راہ میں لڑ رہی تھی اور دوسری خدا کی منکر تھی، یقینا ایک نشانی تھی، کافروں کا لشکر آنکھوں دیکھتے اپنی مقابل فوج کو اپنے سے دونا دیکھ رہا تھا اور اللہ جس کی چاہتا ہے اپنی مدد سے تائید کرتا ہے، اس واقعہ میں ان لوگوں کے لیے جو چشم بینا رکھتے ہیں، بڑی عبرت ہے،

فرشتوں کی آمد یہ مسلمانوں کی تعداد بڑھ کیونکر گئی؟ کیا آسمان سے فرشتے اتر آئے؟ خدا فرماتا ہے

اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّيْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى وَلِتَطْمَئِنَّ بِهٖ قُلُوْبُكُمْ ۚ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۗ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ (انفال - ۱)

یاد کرو جب تم اپنے پروردگار سے فریاد کر رہے تھے تو اس نے تمہاری سن لی کہ میں لگاتار ہزاروں فرشتوں سے تمہاری مدد کروں گا، اور خدا نے یہ نہیں کیا، لیکن خوش کرنے کے لیے اور تاکہ تمہارے دل مطمئن ہوں، ورنہ فتح تو اللہ ہی کی طرف سے ہے، اللہ غالب حکمت والا ہے،

اِذْ يُوْحِيْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ

یاد کرو جب تیرا پروردگار فرشتوں کو وحی

اَنِّیْ مَعَکُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سَاُلْقِیْ فِیْ قُلُوْبِ الَّذِیْنَ کَفَرُوا الرُّعْبَ (انفال - ۲)

کر رہا تھا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں تو تم مسلمانوں کے دل مضبوط کیے رہو، کافروں کے دلوں میں میں عنقریب رعب ڈال دوں گا۔

میدان جنگ میں پانی برسانا

بدر کے میدان میں جہاں مسلمانوں نے اپنی صفیں قائم کی تھیں، وہ جگہ بلند تھی، اور جہاں سے قریش کی فوج کر رہی تھی۔ وہ جگہ نشیب تھی، اللہ تعالیٰ نے کفار کی شکست کا ایک ظاہری سامان یہ پیدا کر دیا کہ عین اُس وقت میدان جنگ میں موسلا دھار پانی برسایا، جس نے اُدھر تو مسلمانوں کی طرف گرد و غبار بٹھا کر ان کے پاؤں جما دیے، اور ادھر کافروں کی طرف پانی کا ریلا ہوا کہ ان کو زمین پر قدم رکھنا مشکل ہو گیا، خدا خود فرماتا ہے۔

وَیُنَزِّلُ عَلَیْکُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّیُطَهِّرَکُمْ بِهٖ وَیُذْهِبَ عَنْکُمْ رِجْزَ الشَّیْطٰنِ وَلِیَرْبِطَ عَلٰی قُلُوْبِکُمْ وَیُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَ (انفال - ۲)

اور خدا کے اس احسان کو یاد کرو کہ جب وہ آسمان سے پانی برسا رہا تھا، تاکہ تم کو اس پانی سے پاک کرے، اور ناپاکی تم سے دور کرے، اور تمہارے دلوں کو مضبوط کرے اور اس سے قدموں کو جما دے،

لڑائیوں میں نیند کا طاری ہونا

معرکۂ جنگ وہ مقام ہے، جہاں بڑے بڑے بہادروں کی آنکھ سے نیند اڑ جاتی ہے، مگر مایۂ تسکینِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا اعجاز یہ تھا کہ بدر و احد کے کارزار میں مسلمان سپاہیوں کی بے خطری اور بے خوفی کے لیے انکی آنکھوں پر نیند کا غلبہ کر دیا گیا،

تاکہ کسی خوف وخطر کا خیال کیے بغیر وہ اپنے فرض کو انجام دیں، چنانچہ خدا احسان جتاتا ہے،

وَاِذْ يُغَشِّيكُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً	یاد کرو جب خدا اپنی طرف سے تمھاری تسکین
مِّنْهُ (انفال - ۲)	کے لیے تم پر اونگھ طاری کر رہا تھا،
ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ بَعْدِ	پھر خدا نے غم کے بعد بے خوفی کے لیے تم پر
الْغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا يَّغْشٰى طَآئِفَةً	نیند اتاری، جو ایک گروہ پر چھا رہی تھی۔
مِّنْكُمْ وَطَآئِفَةٌ قَدْ اَهَمَّتْهُمْ	اور دوسرا گروہ تھا، جس کو اپنی جان کی
اَنْفُسُهُمْ (آل عمران - ۱۶)	فکر غم میں ڈالے تھی۔

آپ کا کنکری پھینکنا یہ سب کچھ تھا، لیکن میں اس دار وگیر کے معرکہ میں، ایک مقدس وجود پرسکونِ دل اور سربسجود پیشانی کے ساتھ ظاہری ہتھیاروں سے منزہ ہو کر دعاؤں میں مصروف تھا، اس نے سر اٹھایا، اس حیرتناک منظر پر نگاہ ڈالی، اور زمین سے ایک مٹھی کنکری اور خاک اٹھا کر دشمن کی طرف پھینکی، دفعۃً باطل کا طلسم چور چور تھا، قرآن گواہی دیتا ہے،

فَلَمْ تَقْتُلُوهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ	تو تم نے (مسلمانو) ان کو قتل نہیں کیا، بلکہ
قَتَلَهُمْ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ	خود خدا نے ان کو قتل کیا، اور اے پیغمبر! تو نے
وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِيْنَ	نہیں پھینکا جب تو نے پھینکا، بلکہ خدا نے
مِنْهُ بَلَآءً حَسَنًا اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ	پھینکا تاکہ مسلمانوں کو اس سے (فتح کی) اچھی
عَلِيْمٌ	نعمت عطا کرے۔ خدا دعاؤں کا سننے والا
(انفال - ۲)	اور بھیدوں کا جاننے والا ہے۔

کوئی رمی کے معنی تیر پھینکنے کے نہ لے کر آپ نے اس موقع پر کیا تمام عمر میں سخت سے سخت خطرہ میں بھی کبھی تیغ و تبر اور تیر و خنجر سے دستِ مبارک کو آلودہ نہیں کیا،

غزوۂ بدر میں دو میں سے ایک کا وعدہ

غزوۂ بدر میں دو میں سے | پڑھ چکے ہیں کہ بدر کے معرکہ سے پہلے قریش کا ایک تجارتی قافلہ مال و اسباب سے لدا ہوا، شام سے مکہ جا رہا تھا، اور ادھر سے قریش کی فوج بڑے سر و سامان کے ساتھ مسلمانوں سے لڑنے کو نکلی تھی، مدینہ سے نکلنے سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ نے اس صورت واقعہ سے مسلمانوں کو آگاہ کر دیا تھا، اور کہدیا تھا کہ ان دونوں میں سے ایک چیز تم کو ملے گی، یا تو یہ قافلہ، اور یا یہ قریش کی فوج شکست کھا کر تم کو غنیمت کا مال ملے گا، چنانچہ یہ صورتِ واقعہ بھی درست نکلی اور وعدہ بھی پورا ہوا،

وَاِذْ یَعِدُکُمُ اللّٰہُ اِحْدَی الطَّآئِفَتَیْنِ اَنَّہَا لَکُمْ (انفال) اور یاد کرو جب تم سے اللہ وعدہ کر رہا تھا کہ ان دو گروہوں میں ایک تمہارا ہے،

غزوۂ احزاب کی خبر

غزوۂ احزاب جس میں دفعۃً متحدہ عرب قبائل کا سیلاب مدینہ کے چاروں طرف امنڈ آیا تھا، واقعہ سے بہت پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم رویا میں اس کی اطلاع دیجا چکی تھی، اور آپ نے تمام مسلمانوں کو اس مصیبت کے آنے سے پیشتر باخبر کر دیا تھا، چنانچہ جب یہ صورتِ حال نظروں کے سامنے آگئی تو اس نشان کے ظاہر ہونے سے مسلمانوں کے ایمان میں اور زیادہ پختگی آگئی، اور ان کے دلوں میں آپ کی صداقت کا مزید یقین پیدا ہو گیا،

وَلَمَّا رَاَ الْمُؤْمِنُوْنَ الْاَحْزَابَ اور جب مسلمانوں نے ان متحدہ حملہ آور قبائل

قَالُوْا هٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰهُ وَ — کو دیکھا تو کہا یہی وہ ہے جس کا وعدہ ہم سے
رَسُوْلُهٗ وَصَدَقَ اللّٰهُ وَ — خدا اور اس کے رسول نے کیا تھا، اور خدا
رَسُوْلُهٗ وَمَا زَادَهُمْ اِلَّآ — اور اسکے رسول نے سچ کہا تھا، اور اس واقعہ
اِيْمَانًا وَّتَسْلِيْمًا (احزاب ۳) — نے ان کو ایمان اور اقرار میں اور زیادہ پختہ کر دیا،

غزوۂ احزاب میں آندھی

اس غزوہ میں عرب کے مختلف قبائل نے ملکر مسلمانوں پر متحدہ حملہ کیا تھا، اور چاروں طرف سے مدینہ کا محاصرہ کر لیا تھا، اور دس دس خیمے ڈالکر اس بات پر جم گئے تھے کہ ہم اسی محاصرہ کی حالت میں مسلمانوں کو مدینہ میں گھیر کر ان کا خاتمہ کر دینگے. چنانچہ ۲۰ دن تک وہ محاصرہ کیے پڑے رہے، آس پاس کے یہودی جو پہلے مسلمانوں سے عہد کر چکے تھے دشمنوں سے جا کر مل گئے، اور اس قدر زور کا حملہ کیا کہ مسلمان فریضۂ نماز بھی وقت پر ادا نہیں کر سکتے تھے، مدینہ میں فاقہ ہونے لگا، منافقین اور کچے دل کے لوگ گھبرا کر ساتھ چھوڑنے لگے کہ عین وقت پر اللہ تعالیٰ نے مدینہ کے باہر اس زور کی آندھی چلائی کہ دشمنوں کے خیمے اکھڑ گئے طنابیں ٹوٹ گئیں، ہانڈیاں الٹ گئیں، اور ایسی سخت سردی پڑی کہ دشمن ٹھٹھر رہ گئے، اور ہمت ہار کر خود محاصرہ چھوڑ کر چلے گئے، خدا نے مسلمانوں کو اپنا یہ احسان جتایا،

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَةَ — مسلمانو! اپنے اوپر خدا کی اس نعمت کو یاد کرو کہ جب
اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا — فوجوں نے تم پر حملہ کیا تو ہم نے ان پر ہوا اور ایسی
عَلَيْهِمْ رِيْحًا وَّجُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَكَانَ — فوجیں بھیجیں جن کو تم نے نہیں دیکھا اور جو تم
اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرًا (احزاب ۲) — کر رہے تھے. خدا اس کو دیکھ رہا تھا،

غزوۂ حنین میں نصرت

فتح مکہ کے بعد غزوۂ حنین پیش آیا۔ گو اس میں مسلمانوں کے ساتھ بڑی بھیڑ شامل تھی، لیکن اس میں کچھ نوجوان تھے، جو لڑائی کا تجربہ نہیں رکھتے تھے۔ کچھ مکہ کے نومسلم تھے جو ابھی صبر و ضبط کے خوگر نہیں ہوئے تھے۔ فوج میں زرہ پوش بھی کم تھے۔ اور مقابلہ قبیلۂ ہوازن سے پڑا جو قدر اندازی میں کمال رکھتے تھے۔ مسلمان جونہی آگے بڑھے، حریف نے ان کو تیروں پر رکھ لیا۔ پہلے ہی حملہ میں مسلمانوں کے قدم اکھڑ گئے لیکن مرکز نبوت اپنی جگہ پر تھا۔ آپ نے حضرت عباسؓ کو حکم دیا، انھوں نے مہاجرین و انصار کو آوازیں دیں، وہ پلٹے تو آپ سواری سے نیچے اترے، اور زمین سے ایک مشت خاک اٹھا کر دشمنوں کی طرف پھینکی، دفعۃً جنگ کا نقشہ بدل گیا، ہوازن شکست کھا کر بھاگ نکلے۔ یہ واقعہ صحیح مسلم اور دیگر معتبر روایتوں میں مذکور ہے، اور قرآن کی اس صداقت کی گواہی دیتا ہے،

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِي مَوَاطِنَ كَثِيرَةٍ	خدا نے تمھاری نصرت بہت سے مقامات میں کی اور
وَيَوْمَ حُنَيْنٍ إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ	نیز حنین کے دن جب تمھاری کثرت تعداد نے
فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا وَضَاقَتْ	تم کو مغرور بنا دیا تھا تو یہ کثرت تمھارے کچھ کام
عَلَيْكُمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ	نہ آئی۔ اور تم پر زمین اپنی وسعت کے باوجود تنگ ہو گئی
وَلَّيْتُمْ مُدْبِرِينَ ثُمَّ أَنْزَلَ اللّٰهُ	پھر پیٹھ پھیر کر بھاگے۔ پھر اللہ نے اپنی تسکین
سَكِينَتَهُ عَلَىٰ رَسُولِهِ وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ	رسول پر اور مومنوں پر نازل کی، اور وہ لشکر
وَأَنْزَلَ جُنُودًا لَّمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ	اتارے جن کو تم نے نہیں دیکھا، اور کفر کرنے
الَّذِينَ كَفَرُوا (توبہ ۲۵)	والوں کو پوری سزا دی۔

نظر نہ آنے والی فوجوں" کے الفاظ سے قرآن مجید نے ہمیشہ فوق الفہم اور غیر مادی ذرائع و وسائل کی تعبیر کی ہے۔

غیب پر اطلاع

غیب پر ذاتی علم تو خدا کے سوا کسی اور کو نہیں، مگر وہ جس کو چاہے اپنی اس بخشش سے سرفراز بھی کر سکتا ہے، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہوں کے سامنے کبھی دور دراز مقامات کی خبریں، کبھی لوگوں کے دلوں کے حالات، کبھی مخفی واقعات آئینہ کر دیے جاتے تھے، مسلمان تو مسلمان، وہ بھی جو سچے دل سے آپ کی صداقت کے قائل نہ تھے، اس سے ڈرتے تھے کہ وحی الٰہی جس کے متعلق انھیں تجربہ ہو چکا تھا کہ وہ واقعات غیبی کے پردہ سے کہیں ان کے مخفی جرائم اور دل کے کھوٹوں کو بر ملا ظاہر نہ کر دے۔

يَحْذَرُ الْمُنَافِقُونَ اَنْ تُنَزَّلَ	منافقین اس سے ڈرتے ہیں کہ مسلمانوں پر
عَلَيْهِمْ سُوْرَةٌ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِيْ	کوئی ایسی سورہ اترے جو ان کو ان باتوں سے
قُلُوْبِهِمْ (توبہ ۸)	آگاہ کر دے جو منافقوں کے دلوں میں ہیں

بنو نضیر کی سازش کی اطلاع

ایک دفعہ ایک ضروری کام کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چند رفقائے خاص کیساتھ بنو نضیر کے قلعہ میں تشریف لے گئے۔ یہود بنی نضیر نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر اکابر اسلام کے خفیہ قتل کا اس کو بہترین موقع سمجھا، چنانچہ جس دیوار کے نیچے آپ کھڑے تھے۔ اس کی چھت پر ایک شخص چڑھ گیا کہ اوپر سے ایک بھاری پتھر آپ پر گرا دے کر دب کر مر جائیں، اللہ تعالیٰ جو اپنے پیغمبر کی حفاظت کا کفیل تھا۔ اس نے بروقت اطلاع دی، اور آپ فوراً ان کے دام سے باہر نکل آئے۔ اور ان کو ان کے اس ارادہ فاسد کی اطلاع بھیجدی

اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی،

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا نِعْمَتَ	اے مسلمانو! خدا کے اس احسان کو جو اس نے
اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ هَمَّ قَوْمٌ أَنْ	تم پر کیا یاد کرو کہ جب ایک گروہ نے تم پر دست
يَبْسُطُوا إِلَيْكُمْ أَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ	درازی کا قصد کیا تو خدا نے تم سے انکے ہاتھوں
أَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۖ وَعَلَى	کو روک دیا، اور اللہ سے ڈرتے رہو، اور مسلمانوں
اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ (مائدہ ۲)	کو چاہیے کہ اللہ ہی پر بھروسہ رکھیں،

مہاجرین حبش کو بشارت قریش کے گوناگوں مظالم سے تنگ آکر مسلمانوں کی ایک کثیر تعداد اپنے ملک وطن کو خیرباد کہکر حبش چلی گئی، اول تو غیر ملک اور بدیس میں ان مسلمانوں کا جانا ہی فکر و تردد کا باعث تھا، اور معلوم نہ تھا کہ حبش کے عیسائی بادشاہ اور امراء نئے مذہب کے ان پیروؤں کے ساتھ کیونکر پیش آئیں گے، اس سے زیادہ فکر کی چیز یہ تھی کہ رؤسائے قریش کے تجارتی تعلقات کے باعث حبش کے امراء ان سے شناسا تھے، اور باہم ان کے درمیان دیرینہ روابط تھے، اس کے بعد اس سے بھی زیادہ تردد انگیز یہ واقعہ ہوا کہ رؤسائے قریش نے اپنے گذشتہ تعلقات کی بنا پر نجاشی کے دربار میں تحفہ تحائف دیکر اپنے سفراء اس غرض سے بھیجے تاکہ ان بے وطن مسلمانوں کو اپنے ملک میں رہنے کی اجازت نہ دے، یہ تمام اسباب ایسے تھے جن کی بنا پر مسلمانوں کو عموماً اور مہاجرین کو خصوصاً اپنے مستقبل کی نسبت سخت تشویش کا پیدا ہونا ضرور تھا، اس بنا پر سکینۃ الٰہی نے ان کو امن و امان کا پیام سنانا ضروری سمجھا، چنانچہ اسی تشویشناک اور تردد انگیز عہد میں یہ آیت نازل ہوئی،

وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِي اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ (نحل - ۶)

اور جن لوگوں نے اللہ کی خاطر مظلومی کی حالت میں ہجرت کی، ہم ان کو بالیقین دنیا میں اچھا ٹھکانا دیں گے، اور آخرت کا ثواب سب سے بڑا ہے،

اگرچہ ہجرت کا لفظ عام ہے، مگر اس دلیل سے کہ یہ سورہ قیام مکہ کے زمانہ کی ہے، اور جن لوگوں نے اس عہد میں ہجرت کی تھی، ان کا ذکر ہے، صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ خاص مہاجرین حبش کے لیے بشارت ہے، سب کو معلوم ہے کہ خدا کا یہ وعدہ کتنا سچا ہوا، نجاشی نے نہ صرف یہ کہ قریش کے سفراء کو خلافِ توقع ناکام واپس کر دیا، بلکہ مسلمانوں کو اس نے بڑی عزت سے جگہ دی، اور خود اسلام کی طرف میلان ظاہر کیا، بعض مسلمان چودہ چودہ برس وہاں رہے، اور اس اثنا میں کئی نجاشی سریر آرا ہوئے، مگر کسی نے ان سے تعرض نہیں کیا،

ہجرت کے بعد قریش کو مہلت نہ ملے گی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جس بے سروسامانی کیساتھ ہجرت فرمائی تھی، اس کی تفصیل اوپر گذر چکی ہے، اس حالت کو دیکھکر کسی شخص کے دل میں یہ خیال بھی پیدا ہو سکتا تھا کہ یہ بے خانماں قافلہ ایک دن مدینہ سے اسقدر طاقتور ہو کر نکلے گا کہ جن لوگوں نے ابتدائے نبوت سے آغاز ہجرت تک اسکی جان لینے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی، وہ اس کے ہاتھوں خود ہلاک و برباد ہو جائینگے، لیکن قرآن مجید دوسری پیشینگوئی کر رہا تھا چنانچہ ہجرت سے ایک سال پہلے مکہ معظمہ میں یہ آیت اتری،

وَاِنْ كَادُوْا لَيَسْتَفِزُّوْنَكَ مِنَ الْاَرْضِ لِيُخْرِجُوْكَ مِنْهَا وَاِذًا لَّا يَلْبَثُوْنَ خِلَافَكَ اِلَّا قَلِيْلًا (بنی اسرائیل - ۸)

اگر وہ تم کو سرزمین مکہ سے گھبرا کے تاکہ تم کو

اَلْاَرْضِ لِيُخْرِجُوْكَ مِنْهَا وَاِذًا لَّا اس سے نکال دیں تو وہ تمہارے بعد بہت کم مدت
يَلْبَثُوْنَ خِلٰفَكَ اِلَّا قَلِيْلًا (بنی اسرائیل) باقی رہیں گے۔

چنانچہ یہ پیشین گوئی حرف بحرف پوری ہوئی، اور ایک ہی سال کے بعد غزوۂ بدر نے صنادید قریش کا خاتمہ کر دیا، اور اہل عرب کی مخالفت کی جڑ کٹ گئی

مدینہ میں بڑے بڑے مصائب کا سامنا ہوگا

عجب نہیں کہ مدینہ آکر مسلمانوں کو یہ اطمینان ہو گیا ہو کہ ان کی تمام تکلیفوں کا خاتمہ ہو گیا، اور اس وقت کوئی ایسا قرینہ بھی نہ تھا جس سے یہ معلوم ہوتا کہ قریش انتقام کے جوش میں نیام سے تلواریں کھینچ لیں گے، اور تمام عرب اس مہم میں ان کا ہم آہنگ ہو جائیگا، اور متصل آٹھ برس تک لڑائیوں کا سلسلہ قائم رہیگا جس میں مسلمانوں کو تنگدستی، فاقہ، قتل و خونریزی ہر نوع کی مصیبتوں سے دوچار ہونا پڑے گا، مگر عالم غیب کا پیغام محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے ہی پہنچ چکا تھا۔

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ اور ہم یقیناً تم کو کسی قدر خوف، فاقہ، اور جانوں
وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَ کی اور مال اور پھلوں کی کمی کی مصیبتوں
الْاَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ (بقرہ ۱۹-۱۵) سے آزمائیں گے۔

دینی اور دنیاوی شہنشاہی کا وعدہ

لیکن اس بے سروسامانی کے عالم میں اس بے خانماں گروہ کیساتھ خداوند تعالیٰ نے ایک وعدہ اور بھی کیا، اور ان کو خلافتِ ارض یعنی دینی و دنیاوی شہنشاہی کی بشارت دی، یہ بشارت واقعاتِ موجودہ کے کسقدر خلاف تھی مگر چند ہی سال میں محال نے وقوع کی صورت اختیار کر لی۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ — تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور عمل صالح
وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ — کیا خدا نے اُن سے وعدہ کیا ہے کہ اُن کو ضرور
فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ — کا خلیفہ بنائے گا جیسا کہ اُس نے تم سے پہلے
مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ — کے لوگوں کو خلیفہ بنایا، اور جو دین اُن کیلئے
الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ — پسند کیا ہے، اُس کو مستحکم کر دیگا، اور اُنکے
بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا، (سورۂ نور)[1] — خوف کو امن سے بدل دے گا،

مسلمانوں کی حالت کے لحاظ سے یہ بشارت کس قدر عجیب غریب تھی، مسلمانوں کا گروہ ایک مظلوم بیکس اور ضعیف گروہ تھا جس کو کفار نے طرح طرح کی اذیتیں دیکر خانماں برباد کر دیا تھا، اور اس نے مدینہ میں آکر خدا کے چند نیک بندوں کے سایے میں پناہ لی تھی، یہاں آکر بھی اُس کو اطمینان و راحت کی نیند نصیب نہ ہوئی: کفار مکہ پہلے ہی سے جان کے دشمن تھے، یہاں آکر دشمنوں کی تعداد میں منافقین اور یہود کا اور بھی اضافہ ہو گیا، اس کا نتیجہ یہ تھا کہ صحابہؓ کو ہمیشہ کفار کے حملہ کا خوف لگا رہتا تھا، اور ذرا سے شور و غل پر مدینہ میں ہر جگہ سنسنی پھیل جاتی تھی، یہاں تک کہ صحابہ ہمیشہ سوتے جاگتے، مسلح رہتے تھے، چنانچہ اس مظلوم گروہ نے اسی حالت سے تنگ آکر ایک دن کہا کہ کیا کبھی وہ دن بھی آئے گا جب ہم کو اطمینان حاصل ہوگا اور خدا کے سوا کسی اور کا ڈر نہ ہوگا، اس پر اُن کو قرآن مجید نے خلافت ارض کی بشارت دی اور وہ پوری ہوئی، اور اس گروہ نے دنیا پر اس طرح کامیاب حکومت کی کہ اُس کے سامنے

[1] مستدرک جلد ۲ صفحہ ۴۱۰۔

تمام متمدن حکومتوں کا شیرازہ بکھر گیا، اس بڑھکر اس پیشینگوئی کی صداقت کیا ہو سکتی ہے،

قبائل عرب کی شکست ہوگی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جو غزوات پیش آئے۔ اسلام کو جو غلبہ حاصل ہوا، کفار کو جو شکستیں ہوئیں، قرآن مجید نے ان کے متعلق پیشین گوئیاں کیں اور اس حالت میں کیں، جب ظاہری اسباب کے لحاظ سے کسی کو اس کا وہم و گمان بھی نہیں ہو سکتا تھا، چنانچہ جب ہر طرف سے کفار کا ہجوم تھا، اور اس ہجوم کو دیکھکر ان کو یقین تھا کہ تمام عرب مل کر مسلمانوں کا خاتمہ کر دے گا، خدا نے یہ اعلانِ عام دیا کہ عنقریب خود مسلمان تمام عرب قبائل کی مخالفانہ قوتوں کا خاتمہ کر دیں گے۔

اَمْ یَقُوْلُوْنَ نَحْنُ جَمِیْعٌ مُّنْتَصِرٌ	کیا وہ کفار کہتے ہیں کہ ہم سب ایک اور ایک
سَیُهْزَمُ الْجَمْعُ وَیُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ	دوسرے کے مددگار ہیں، یہ جتھا عنقریب توڑ
(قمر - ۳)	دیا جائیگا، اور وہ پشت پھیر دیں گے،
وَلَوْ قَاتَلَكُمُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَوَلَّوُا	اور اگر کفار تم سے لڑیں گے تو ان کو
الْاَدْبَارَ ثُمَّ لَا یَجِدُوْنَ وَلِیًّا	بھاگنا پڑے گا، پھر وہ کوئی حامی اور
وَّلَا نَصِیْرًا (فتح - ۳)	مددگار نہ پائیں گے،
قَاتِلُوْهُمْ یُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَیْدِیْكُمْ	تم ان سے لڑو، خدا ان کو تمہارے ہاتھ
وَیُخْزِهِمْ وَیَنْصُرْكُمْ عَلَیْهِمْ وَ	سے عذاب دیگا اور انکو رسوا کریگا اور تمکو
یَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِیْنَ	ان پر فتح دیگا اور مسلمانوں کے دل ٹھنڈے
وَیُذْهِبْ غَیْظَ قُلُوْبِهِمْ (توبہ)	کریگا اور انکے دلوں کا غصہ دور کریگا،

اور یہ تمام پیشگوئیاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے زمانہ میں پوری ہوئیں، اسلام نے عرب کے تمام قبائل کی مخالفانہ قوتوں کا خاتمہ کر دیا اور انھوں نے ہر موقع پر شکستیں کھائیں،

قریش کی شکست اور بربادی کے وعدے

مصیبت زدہ اور بے سروسامان مسلمانوں کی تسکین کی خاطر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے قریش کی تباہی و بربادی اور مسلمانوں کی فتح کامیابی کے متعدد وعدے کیے گئے تھے جن میں سے بعض آپ کی زندگی میں اور بعض آپ کی وفات کے بعد پورے ہونے والے تھے،

فَاِمَّا نَذْهَبَنَّ بِكَ فَاِنَّا مِنْهُمْ	پس اگر ہم تجھ کو اٹھا لیں تو بھی ان کافروں سے
مُنْتَقِمُوْنَ اَوْ نُرِيَنَّكَ الَّذِيْ	انتقام لیں گے اور اگر ہم تیری زندگی میں
وَعَدْنَاهُمْ فَاِنَّا عَلَيْهِمْ	تجھکو وہ دکھا دیں جس کی دھمکی ان کافروں کو
مُّقْتَدِرُوْنَ (زخرف - ۴)	ہم نے دی ہے تو ہم ان پر یہ قدرت رکھتے ہیں،
فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَاِمَّا	تو صبر کر خدا کا وعدہ یقیناً سچا ہے تو جس بات
نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ	کی دھمکی ہم ان کافروں کو دیتے ہیں اس کو
اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِلَيْنَا يُرْجَعُوْنَ	یا تیری زندگی میں دکھا دینگے یا تجھکو موت دیں گے
(مومن - ۸)	تو وہ ہمارے پاس ہی لوٹائے جائیں گے،
وَاِنْ مَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ	اور اگر تیری ہی زندگی میں بعض وہ وعدے
نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِنَّمَا	جو ہم نے ان سے کیے ہیں دکھا دیں یا تجھکو موت
عَلَيْنَا الْبَلٰغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ	دیدیں تو تیرا فرض صرف پیام پہنچا دینا ہے اور

أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا نَأْتِي الْأَرْضَ نَنقُصُهَا مِنْ أَطْرَافِهَا وَاللَّهُ يَحْكُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهِ (رعد - ۶)

ہمارا کام حساب لینا ہو کیا یہ کافر نہیں دیکھتے کہ (ہم اسلامی فتوحات کے ذریعہ سے) سرزمین (عرب) کے حدود میں (کافروں کے قبضہ کو) کم کرتے جاتے ہیں خدا ہی اپنا حکم چلاتا ہو کوئی اس کے حکم کو

فتح کی پیشینگوئیاں جو چیز مسلمانوں کے دل سے لگی ہوئی تھی، وہ فتح مکہ تھی یعنی اس شہر پر قبضہ، جہاں سے وہ نہایت بے بسی اور بے کسی کے عالم میں نکلے تھے، اور جس کے حدود میں اُن کو قدم رکھنے کی اجازت نہ تھی، وہ گو اب مدینہ کے دارالسلطنت میں تھے تاہم وطن کی یاد دل سے کم نہیں ہوتی تھی، اُن کو فتح پر فتح ہوتی جاتی تھی لیکن اُن کے دل کی کلی اپنی شگفتگی کے لئے جس موسمِ بہار کا انتظار کر رہی تھی، وہ ہنوز نگاہوں سے دور تھا، مگر بشارتِ الٰہی ہر قدم پر اُن کے دلِ حزیں کا نیا پیام لا رہی تھی، اور مژدۂ فتح سے اُن کو دل شاد کرتی جاتی تھی، سورۂ قصص میں یہ آیت اُتری،

إِنَّ الَّذِي فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لَرَادُّكَ إِلَىٰ مَعَادٍ، (قصص - ۹)

جس نے تجھ پر قرآن فرض کیا ہو تجھ کو ٹھکانے کی طرف پھر لوٹا کر لیجانے والا ہے)

یعنی مکہ[1] پھر سورۂ صف میں خدا نے مسلمانوں کو آخرت میں جنت کی بشارت دینے کے ساتھ اس دنیا میں بھی ایک بشارت دی،

وَأُخْرَىٰ تُحِبُّونَهَا نَصْرٌ مِّنَ اللَّهِ

اور دوسری نعمت جس کو تم دل سے چاہتے ہو خدا

---

[1] صحیح بخاری تفسیر آیۂ مذکور،

وَفَتْحٌ قَرِيبٌ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ۔ (صف-۲) — خدا کی طرف سے نصرت اور عنقریب فتح ہے، اور مسلمانوں کو بشارت سنا دے،

صلح حدیبیہ سے پہلے خواب میں آپ کو خانۂ کعبہ کا داخلہ دکھایا گیا،

لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا — خدا نے اپنے رسول کے خواب کو سچ کر دیا،
بِالْحَقِّ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ — تم لوگ یقیناً مسجدِ حرام میں اگر خدا نے چاہا،
اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ — تو بے خوف و خطر داخل ہوگے، بال منڈا کر،
وَمُقَصِّرِيْنَ لَا تَخَافُوْنَ، (فتح-۴) — یا ترشوا کر کسی سے نہ ڈروگے،

حدیبیہ سے آپ واپس آرہے تھے کہ سورۂ فتح نازل ہوئی،

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا (فتح-۱) — ہم نے کھلی فتح تم کو دی،

آپ نے اُسی وقت حضرت عمرؓ کو بلوا کر یہ خوشخبری سنائی، اُس کے دو برس کے بعد کہ کی دولت مسلمانوں کو مل گئی،

خیبر اور حنین کی فتح کی پیشینگوئی سنہ ۶ ہجری کی صلح حدیبیہ میں فتحِ مکہ کی پیشینگوئی کی جا چکی تھی جو سنہ ۸ میں پوری ہوئی لیکن حدیبیہ کی صلح میں مسلمانوں نے رسولؐ کی اطاعت و متابعت کا جو بہترین نمونہ پیش کیا تھا، اور جس صبر اور تحمل سے صلحِ حدیبیہ کے شرائط کو مسلمانوں نے تسلیم کیا تھا۔ اس کے معاوضہ میں اللہ تعالیٰ نے دوسری فتوحاتِ عظیمہ کا وعدہ مسلمانوں سے کیا جن میں بے شمار مالِ غنیمت اُن کو ہاتھ آنے والا تھا،

فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا فَجَعَلَ مِنْ — تو خدا نے وہ جانا جو تم نے نہیں جانا، اس

دُوْنَ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِيْبًا هُوَ الَّذِيْٓ	(فتح مکہ) سے پہلے ایک عنقریب فتح تمھارے
اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ	لیے بنائی، اور اسی نے اپنے پیغمبر کو ہدایت
الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ	اور دین حق دیکر بھیجا، تاکہ اس کو تمام دینوں
وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا (فتح-۴)	پر غالب کرے۔ اور خدا گواہ کافی ہے

یہ خیبر کی فتح تھی، جو صلح حدیبیہ کے ایک سال کے بعد، اور فتح مکہ سے ایک سال پہلے حاصل ہوئی، اور جس پر عرب میں یہودیوں کی قوت کا خاتمہ ہوگیا، اور اسلام کو عرب کے تمام مذاہب پر غلبہ حاصل ہوگیا۔

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ	خدا مسلمانوں سے خوش ہوگیا، جب وہ
اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ	درخت کے نیچے تجھ سے بیعت کر رہے تھے تو ان کے
فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ	دلوں میں جو تھا (یعنی فتح کے لیے بیچینی)
السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ	اسکو جان لیا، تو اس نے ان پر تسکین نازل
فَتْحًا قَرِيْبًا وَمَغَانِمَ كَثِيْرَةً	کی، اور مکہ کے بدلہ میں سردست ایک فتح
يَاْخُذُوْنَهَا (فتح-۳)	ان کو دی اور بہت سا مال غنیمت جس پر
وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً	خدا نے تم سے بہت سی غنیمتوں کا وعدہ کیا ہے
تَاْخُذُوْنَهَا فَجَعَلَ لَكُمْ هٰذِهٖ	جس کو تم لوگے، تو یہ ایک غنیمت تم کو جلد عطا
وَكَيْفَ اَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ	کردی اور لوگوں کی دست درازی کو تم سے
وَلِتَكُوْنَ اٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ (فتح-۳)	روک دیا اور تاکہ مسلمانوں کے لیے ایک نشانی ہو،

وہ قبضہ کریں گے

چنانچہ خیبر کی فتح میں مسلمانوں کو خیبر کی تمام سرسبز و شاداب زمینیں اور ہرے بھرے نخلستان مل گئے، اور اس کے ایک سال بعد حنین کی فتح میں مالِ غنیمت کا بیشمار ذخیرہ (چھ ہزار اسیرانِ جنگ، چوبیس ہزار اونٹ، چالیس ہزار بکریاں اور چار اوقیہ چاندی) مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔

یہود کو اعلان عرب کے یہود اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت میں جان و مال سے دریغ نہیں کرتے تھے، تاہم یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے بڑا معجزہ ہے کہ قرآن مجید نے یہودیوں کے متعلق بعض پیشینگوئیاں ایسی کیں کہ اگر وہ ہمت سے کام لیتے تو اس کا ابطال خود ان کے امکان میں تھا، مثلاً یہودیوں کا دعویٰ تھا کہ "وہ خدا کے چہیتے ہیں، اور جنت ان کے لیے مخصوص ہے"، لیکن چونکہ جنت صرف مرنے کے بعد نصیب ہو سکتی ہے، اور جن لوگوں کو اس کے ملنے کا یقین کامل ہو، وہ اس کے لیے جان دینے سے دریغ نہیں کر سکتے، اس لیے قرآن مجید نے یہودیوں کے متعلق کہا۔

قُلْ اِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ	کہہ اگر آخرت کا گھر صرف تمہارے لیے
عِنْدَ اللّٰهِ خَالِصَةً مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ	مخصوص ہے تو اگر تم سچے ہو تو موت کی
فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ	آرزو کرو لیکن وہ لوگ اپنے گناہوں کی
وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًا بِمَا قَدَّمَتْ	وجہ سے ہرگز یہ آرزو نہ کریں گے، خدا
اَيْدِيْهِمْ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِالظّٰلِمِيْنَ	ظالموں کو خوب جانتا ہے،
قُلْ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ هَادُوْٓا اِنْ	کہہ اے یہود اگر تمہارا یہ خیال ہے کہ
زَعَمْتُمْ اَنَّكُمْ اَوْلِيَآءُ لِلّٰهِ مِنْ دُوْنِ	صرف تمہیں خدا کے دوست ہو تو اگر تم

النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ	اس میں سچے ہو، تو موت کی آرزو کرو، ۵
صٰدِقِيْنَ ۝ وَلَا يَتَمَنَّوْنَهٗٓ اَبَدًۢا بِمَا	لوگ اپنے گناہوں کی وجہ سے ہرگز اس
قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ	کی آرزو نہ کریں گے، خدا ظالموں کو خوب
بِالظّٰلِمِيْنَ ۝ (جمعہ-۱)	جانتا ہے،

لیکن باوجود اس کے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کے لئے ہر ممکن کوشش کرتے تھے اور آرزوئے موت اُن کے لئے ممکن تھی، تاہم قرآن مجید کی پیشینگوئی پوری ہوئی اور آج تک کسی یہودی نے لقائے الٰہی کی آرزو میں جان نہیں دی،

یہود کی دائمی ناکامی،

یہود سے دمبدم مقابلہ درپیش تھا، اور پورے سات برس تک یہ مقابلہ درپیش رہا، یہود عرب میں بڑی طاقت رکھتے تھے، تمام مالی کاروبار اُن کے قبضہ میں تھا، اُن کے پاس بکثرت دولت تھی، عربوں سے تہذیب و تمدن اور علوم و فنون میں علانیہ فائق تھے، ہر طرح کے سامانِ جنگ رکھتے تھے، اور فنِ جنگ سے بھی کماحقہ واقف تھے، مدینہ سے لیکر حدودِ شام تک اُن کے تجارتی قلعوں کی مسلسل قطاریں تھیں، اور ادھر مسلمانوں کے پاس ان میں سے کوئی چیز نہ تھی، بایں ہمہ قرآن مجید نے اپنے پیغمبر کی زبانی یہ اعلان عام کر دیا،

وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ	اگر اہلِ کتاب ایمان لے آتے تو ان کیلئے
خَيْرًا لَّهُمْ ۭ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَ	بہتر ہوتا، ان میں بعض ایماندار ہیں اور اکثر
اَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝ لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ	فاسق ہیں، وہ تم کو سوا تھوڑی تکلیف دینے کے
اِلَّآ اَذًى ۭ وَاِنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ يُوَلُّوْكُمُ	کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے، اور اگر وہ

لَا يُنْصَرُوْنَ ۝ ضُرِبَتْ	تم سے لڑیں تو پشت پھیر دیں، پھر اُن کی
عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَ مَا ثُقِفُوْٓا	مدد نہ کی جائے گی۔ اُن پر ذلت جہاں کہیں
بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ	وہ پائے گئے شکست کھائی گئی ہو لیکن خدا کے کسی
وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَضُرِبَتْ	وسیلہ سے یا لوگوں کی سفارش سے کبھی اس ذلت
عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ (آل عمران-۱۲)	سے بچ جائیں، خدا کا غضب لے کر لوٹیں گے

اس وقت سے آج تک اُن کی ایشیا، افریقہ، اور یورپ ہر جگہ کی تاریخ اس صداقت سے معمور پیشینگوئی کی صرف ظرفِ تصدیق ہے۔

روم کی قوت ٹوٹ جائیگی

۶۲۲ء کے بعد مسلمانوں کا مقابلہ عرب کے مشرکین اور یہود سے رہا، سخت اور طاقت ور دشمن رومی عیسائیوں سے آپڑا، رومن امپائر کی وسعت، قوت، سامان، نظام، فوج، خزانہ کو پیشِ نظر رکھ کر مسلمانوں کی حالت پر غور کرو۔ تو معلوم ہوگا کہ ایک سپرکاہ کا کوہ سے مقابلہ ہے تاہم اسلام کے پیغمبر کی زبان سے اُسی وقت یقین و تسلی کے کلمات دنیا نے سُن لئے،

هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ	وہی خدا ہے جس نے اپنے پیغمبر کو ہدایت
بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ	اور سچا دین دیکر بھیجا ہے تاکہ اس دین کو
عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ، (صف ۱)	تمام دینوں پر غلبہ عطا کرے،

دنیا کو اس پیشینگوئی کی تصدیق کے لئے صرف چند سال کا انتظار کرنا پڑا،

خلفاء راشدین کے زمانہ کی لڑائیاں

لیکن قرآن مجید کی پیشینگوئی بیان صرف انہی غزوات کے

ساتھ مخصوص نہ تھیں جو عہد نبوت میں پیش آئے، بلکہ اس کے بعد بھی خلفاء کے زمانہ میں جو عظیم الشان لڑائیاں واقع ہوئیں، ان کے متعلق قرآن مجید نے پہلے سے پیشینگوئی کر دی تھی، اور وہ آئندہ زمانہ میں پوری ہوئیں، مسلمانوں کو ایرانیوں اور رومیوں سے جو جنگ کرنا پڑی، وہ تاریخ اسلام کا ایک نمایاں واقعہ ہے لیکن قرآن مجید نے اس کے نتائج کا پہلے ہی سے اعلان کر دیا تھا،

قُلْ لِّلْمُخَلَّفِيْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ	جنا دیں جان چرانے والے بدوؤں سے
سَتُدْعَوْنَ اِلٰى قَوْمٍ اُولِيْ بَاْسٍ	کہدو کہ تم کو ایک سخت طاقتور قوم سے
شَدِيْدٍ تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ	جنگ کرنے کے لیے بلایا جائیگا، تم لوگ
(فتح - ۲)	ان سے لڑوگے، یا وہ مسلمان ہوں گے،

چنانچہ یہ جنگ ہوئی، اور وہی نتیجہ ہوا، جس کو قرآن مجید نے دو صورتوں یعنی قتل اور اسلام میں محدود کر دیا تھا،

وفاتِ نبوی کی پیشینگوئی مکہ کی فتح کے بعد آپ کی زندگی کا مقصد پورا ہوگیا، اور اس عام اصول کی بنا پر کہ انبیاء اپنی زندگی کا مقصد پورا کرنے کے بعد نہیں رہتے، وہ وقت آیا کہ آپ اپنے اصلی مرکز یعنی ملاء اعلیٰ سے جا ملیں، اس لیے خداوند تعالیٰ نے اس راز کو ایک مستقل پیشینگوئی کی صورت میں ظاہر کر دیا

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ وَ	جب خدا کی مدد اور فتح آگئی اور تم نے دیکھ
رَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ	لیا کہ لوگ خدا کے دین میں جھنڈ کے جھنڈ
دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا فَسَبِّحْ بِحَمْدِ	داخل ہو رہے ہیں، تو خدا کی تسبیح اور استغفار کرو

رَبَّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا (النصر) وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا ہے۔

اس سورہ میں آپ کے وصال کی پیشین گوئی اگرچہ نہایت مبہم الفاظ میں کی گئی ہے، لیکن اشارات سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ مژدۂ فتح نہیں، بلکہ مژدۂ وصال ہے، کیونکہ مژدۂ فتح کے ساتھ تسبیح و استغفار کو کوئی مناسبت نہیں، بلکہ اس کے لیے شکر موزوں ہے، تسبیح و استغفار کا اصلی وقت وہ ہے جب انسان دنیا سے رخصت ہوتا ہے، چنانچہ صحابہ میں جو لوگ نکتہ داں شریعت تھے، وہ اس راز کو سمجھ گئے تھے۔[1]

---

[1] صحیح بخاری تفسیر سورۂ مذکور۔

آیات و دلائلِ نبویہ

بر روایاتِ صحیحہ

گذشتہ صفحات میں صرف وہی آیات و دلائل بیان کئے گئے ہیں، جو صراحۃً قرآن مجید میں مذکور ہیں یا کم از کم اُن کے اشارات قرآن مجید میں پائے جاتے ہیں لیکن ذیل میں ان آیات و دلائل کا استقصاء مقصود ہے، جو صحیح اور مستند روایتوں سے حدیث کی کتابوں میں مذکور ہیں، اس قسم کے آیات و دلائل کا بڑا حصہ گو فرداً فرداً خبر احاد سے ثابت ہے، مگر مجموعی حیثیت سے اُن کا درجہ خبر مشہور تک پہنچ جاتا ہے، مثلاً تھوڑی سی مقدار کا بڑھ کر زیادہ ہو جانا، ہاتھ سے پانی کے چشمہ کا اُبل پڑنا، امراض سے غیر معمولی طور پر شفا یابی حاصل کرنا، دعاؤں کا غیر معمولی طریق سے قبول ہو جانا، ان میں سے ہر قسم کے معجزات کے جزئی جزئی واقعے گو صرف ایک ایک دو دو راویوں کی زبانی بیان ہوئے ہیں، مگر ان میں سے ہر قسم کے معجزہ کے متعلق تو بہرحال شہادتیں موجود ہیں، جن کی بنا پر اُن میں سے ہر قسم کے معجزات خبرِ متواتر نہیں، تو خبرِ مشہور تک ضرور پہنچ جاتے ہیں۔

البتہ بعثت سے پہلے جو عجائبات آپ سے صادر ہوئے یا جو غیر معمولی سوانح آپ کو پیش آئے، اُن کی صحت محدثانہ اصول سے بہت کم ثابت ہے، لیکن اس کی وجہ اس عہد میں اس قسم کے واقعات کا کم ہونا یا غلط ہونا نہیں ہے، بلکہ اس عہد کے واقعات کے راوی چونکہ عموماً

مان باپ اور خاندان کے بڑے بزرگ ہوا کرتے ہین اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد بعثت کے بعد بلکہ مدینہ کی پُرامن زندگی شروع ہونے کے بعد جب اسلام کے سلسلۂ روایات کا صحیح طریقہ سے آغاز ہوا، تو آپ کے خاندان کے بزرگون میں سے جنھون نے آپ کے بچپن اور نوجوانی کا عہد دیکھا تھا، کوئی موجود نہ تھا، والدین پہلے ہی وفات پا چکے تھے، دادا کا بھی انتقال ہو چکا تھا، چچا ون مین ابولہب آپ کا دشمن ہی تھا، ابوطالب آغاز اسلام ہی مین مر چکے تھے، حضرت حمزہؓ جو تھے اور سنہ ۸ھ ہی مین شہادت پا چکے تھے، حضرت عباسؓ صرف برس دو برس بڑے تھے اس بنا پر محدثانہ اصولِ تنقید کے معیار پر اس زمانہ کے واقعات کا سلسلۂ روایت بہت کم صحیح اترتا ہے، اور اس لئے وہ غیر مستند ٹھہرتے ہین،

بہرحال تمام صحیح معجزات کے استقصاء سے کچھ واقعات بعثت سے پہلے کے معلوم ہوتے ہین، کچھ مکہ کی زندگی کے اور زیادہ تر مدینہ کے عہد کے، جب اسلامی روایتون کا سلسلہ وار ویون کی کثرت کے باعث مستحکم ہو چکا تھا، ملتے ہیں، بعثت کے بعد جو معجزات ظاہر ہوئے ہین وہ نوعیت کے لحاظ سے مختلف ہیں، مثلاً بعض واقعات اجسام کائنات مین تصرف اور تاثیر کے ہین بعض مکثیر اشیاء کے ہین بعض استجابتِ دعا اور شفاے امراض وغیرہ کے ہین، اس لئے ذیل میں ہر نوع کے معجزات کو ہم علیحدہ علیحدہ لکھتے ہین،

علاماتِ نبوت
قبل بعثت

ہر شخص اس کو تسلیم کرے گا کہ ممتاز افراد کے سوانح زندگی میں شروع ہی سے ایسے آثار پائے جاتے ہیں جو اُن کے روشن مستقبل کی پیشینگوئی کرتے ہیں، جب یہ ان عام ممتاز افراد انسانی کا یہ حال ہے، جو خاندانوں، قوموں اور ملکوں کے صرف ظاہری رہنما اور رہبر ہوتے ہیں، تو اس حیثیت سے اُن برتر ہستیوں کی نسبت کیا شبہہ ہو سکتا ہے جو قوموں کے روحانی پیشوا اور انسانیت کے حقیقی رہبر اور رہنما ہوتے ہیں، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ابتدائی سوانح زندگی میں اس قسم کے واقعات بکثرت ملتے ہیں، کتب سیر و دلائل کے مصنفین نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے لیکر بعثت تک کے ان تمام واقعات کو بڑی شرح و بسط سے بیان کیا ہے، مگر جیسا کہ پہلے گذر چکا، محدثانہ اصول کی سخت گیری نے ہمارے لیے ان کا دائرہ بہت تنگ کر دیا ہے، صحیح روایتوں سے اس عہد کے جو واقعات علاماتِ نبوت کے تحت میں آسکتے ہیں، وہ حسب ذیل ہیں۔

حضرت آمنہ کا خواب متعدد صحابیوں سے روایت ہے کہ صحابہ نے ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ! اپنا حال بیان فرمائیے، فرمایا، میں اپنے باپ ابراہیم

کی دعا، اور عیسیٰ کی بشارت، اور اپنی ماں کا خواب ہوں میری ماں نے جب میں پیٹ میں تھا، خواب دیکھا کہ ان کے بدن سے ایک نور نکلا ہے جس سے شام کے محل روشن ہو گئے۔ یہ خالد ابن معدان تابعی کی روایت ہے[1]۔ جو گو ابن سعد میں مرسل ہے۔ مگر مستدرک میں ہے کہ انھوں نے اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، حضرت عرباض بن ساریہ صحابی کی روایت میں کچھ الفاظ زیادہ ہیں، انھوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتے سنا کہ میں خدا کا بندہ اور خاتم انبیاء اس وقت سے ہوں کہ میرا باپ (آدم) آب و گل میں تھا۔ میں اس کی تفصیل بتاتا ہوں۔ میں اپنے باپ ابراہیم کی دعا، عیسیٰ کی بشارت اور اپنی ماں آمنہ کا خواب ہوں۔ اور اسی طرح پیغمبروں کی مائیں خواب دیکھا کرتی ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ نے آپ کی ولادت کے وقت خواب دیکھا کہ ایک نور ہے جس سے شام کے محل روشن ہو گئے[2]۔ پھر یہ آیت پڑھی[3]

یَا اَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّا اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا	اے پیغمبر! میں نے تجھ کو گواہ اور خوشخبری
وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِیْرًا وَّدَاعِیًا اِلَی	سنانے والا، اور ڈرانے والا، اور خدا کے
اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِیْرًا	حکم سے خدا کی طرف پکارنے والا اور
(احزاب - ۶)	روشن چراغ بنا کر بھیجا۔

ولادت نبوی کی پیشینگوئیاں یہود و نصاریٰ میں | احادیث، سیر اور دلائل کی کتابوں میں تو برقوایسی

[1] ابن سعد جلد اول ص ۹۶ مستدرک حاکم جلد ۲ ص ۶۰۰ [2] مسند ابن حنبل جلد ۴ ص ۱۲۷، بیہقی، مستدرک (علی شرط الصحیح) جلد ۲ ص ۶۰۰، ابن سعد جلد ۱ ص ۹۶ [3] مستدرک حاکم (صحیح) جلد ۲ صفحہ ۴۱۸

روایتیں ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ ظہور نبوی کے عہد میں یہود و نصاریٰ خاص طور سے آنے والے پیغمبر کے منتظر تھے۔ اور اس کے جلد ظہور اور بعثت کی مختلف پیشینگوئیان کر رہے تھے، ان روایتوں مین سے گو ہر روایت بجائے خود ضعیف ہے، مگر ان کی مجموعی حیثیت سے یہ قدر مشترک ضرور نکلتا ہے کہ یہ عہد ان لوگون کے نزدیک آنے والے پیغمبر کے خاص انتظار کا تھا اور مدینہ کے لوگون مین اور مکہ کے جویان حق اشخاص مین اس پیغمبر کے ظہور کا خاص ذکر اور چرچا تھا،

بتخانون سے غیبی آوازین اسی طرح ان کتابون میں بکثرت روایتیں ایسی ہیں جن مین بیان ہے کہ آپ کی پیدایش کے بعد لوگون نے بتخانون کے اندر غیبی آوازین سنیں، کہ "اب صنم خانون کی بربادی کا زمانہ آگیا پیغمبر صادق کی ولادت ظہور مین آچکی ہے"، ان روایتون کا اکثر حصہ سخت کمزور اور ناقابل اعتبار ہے، تاہم مجموعی شہادت سے اس قدر اخذ کیا جا سکتا ہے کہ اس عہد میں اس قسم کا کوئی واقعہ ضرور ہوا تھا، چنانچہ صحیح بخاری کے حوالہ سے اس قسم کی ایک روایت آگے آتی ہے،

شق صدر تمام ارباب سیر اور بعض محدثین کی روایت کی بنا پر بچپن کے زمانہ مین جب آپ حضرت حلیمہؓ کے ہان پرورش پا رہے تھے شق صدر کا واقعہ پیش آیا، ایک روایت مین ہے، کہ بعض صحابہ نے آپ سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ! آپ کو سب سے پہلا غیبی واقعہ کیا پیش آیا؟ اس کے جواب میں آپ نے دو فرشتون کی آمد اور شق صدر کا واقعہ بیان کیا[1]

[1] مستدرک حاکم جلد ۲ باب معجزات ابن سعد جلد ۱ ص ۹۶ مسند دارمی باب کیف کان اول شان النبی صلی اللہ علیہ وسلم

اس واقعہ کی سب سے مستند روایت وہ ہے جو حماد بن سلمۃ اور ثابت البنانی کے واسطہ سے صحیح مسلم[1] مسند احمد اور ابن سعد وغیرہ میں ہے کہ آپ ایک روز بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے کہ ایک آنے والا آیا اور اس نے آپ کو پکڑ کر سینۂ مبارک کو چاک کیا، اور قلب اقدس سے خون کا ایک لوتھڑا نکال کر پھینک دیا، اور کہا کہ یہی حصہ تجھ میں شیطان کا تھا، پھر سونے کے طشت میں زمزم کے پانی سے دھو کر برابر کر دیا، لڑکے بھاگے ہوئے حلیمہ کے پاس آئے کہ محمدؐ کو کسی نے مار ڈالا۔ حلیمہ آئیں تو دیکھا کہ آپ کے چہرہ کا رنگ متغیر ہے، حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ آپ کے سینہ میں اس زخم کے ٹانکے کے نشان ہم کو نظر آتے تھے، مستدرک میں بھی اسی قسم کی ایک اور روایت خالد بن معدان سے عتبہ بن عبد السلمی کے واسطہ سے مذکور ہے۔

(جلد ۲ ص ۶۰۰ باب دلائل النبوۃ)

ارباب سیر اور بعض محدثین کی روایت کے مطابق میں نے اس واقعہ کو یہاں لکھ دیا ہے مگر اس باب میں میری جو ذاتی تحقیق ہے، وہ اس سے پہلے (شرح صدر) حوالۂ قلم کر چکا ہوں۔

مبارک قدم ہونا

روایتوں میں آپ کے مبارک قدم ہونے کے بہت سے واقعات مذکور ہیں مگر ان میں سے کوئی بطریق صحیح مروی نہیں صرف ایک روایت صحیح طریقہ سے مذکور ہے، وہ یہ ہے کہ ایک صحابی اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ اسلام سے پہلے جاہلیت میں حج کرنے گئے تھے، تو انھوں نے دیکھا کہ ایک شخص طواف میں مصروف ہے اور اس کی زبان پر شعر میں یہ دعا ہے۔

---

[1] صحیح مسلم باب الاسراء ابن سعد جلد اول ص ۷۰ و مسند ابن حنبل روایات حضرت انسؓ جلد ۳ ص

رُدّ الی راکبی محمداً یارب رُدّ واصطنع عندی یدا

اے میرے پروردگار! میرے سوار محمد کو واپس بھیج، اور مجھ پر ایک احسان کر

وہ کہتے ہیں کہ میں نے دریافت کیا کہ یہ کون ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ یہ عبدالمطلب ہیں ان کا ایک اونٹ گم ہو گیا تھا انھوں نے اپنے پوتے کو اس کے ڈھونڈنے کے لئے بھیجا ہے، اور وہ اب تک لوٹ کر نہیں آیا ہے، اُن کا یہ پوتا ایسا ہے کہ انھوں نے جب کسی کام کے لئے اس کو بھیجا اُن کو کامیابی ہی ہوئی ہے، کچھ دیر کے بعد آپ اونٹ لے کر واپس آتے نظر آئے، عبدالمطلب نے سینہ سے لگا لیا۔[1]

بے خبری میں آپ کا غش کھا کر گرنا

آپ بچے تھے کہ خانہ کعبہ کی تعمیر دوبارہ ہوئی، تمام شرفائے مکہ اس مقدس گھر کے معمار اور مزدور بنے، بچے اینٹیں اٹھا اٹھا کر لا رہے تھے، ننھے بچوں کی صف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے چچا حضرت عباسؓ بھی تھے، حضرت عباسؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ تہبند کھول کر گردن پر رکھ لو کہ پتھر کی رگڑ سے گردن پر خراش نہ آئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چچا کے حکم کی تعمیل کی، دفعۃً آپ غش کھا کر گر پڑے، اور آنکھیں پھٹ کر آسمان سے لگ گئیں، جب ہوش آیا تو آپ کی زبان پر یہ لفظ تھے، میرا تہبند، میرا تہبند، لوگوں نے تہبند کر کے باندھ دیا، صحیحین کی روایت ہے، حاکم اور ابونعیم میں ہے کہ ابوطالب نے اپنے

[1] مستدرک حاکم جلد ۲ ص ۶۰۲، ذہبی نے حاکم کی اس روایت کو علی شرط مسلم تسلیم کیا ہے علاوہ ازیں تاریخ بخاری، ابن سعد، ابویعلی، بیہقی، ابونعیم اور بیہقی نے یہ واقعہ مذکور ہے [2] مجمع بخاری جلد اول کتاب المناقب باب بنیان الکعبہ صحیح مسلم۔

بعد واقعہ دریافت کیا تو فرمایا کہ مجھے ایک سپید پوش مرد نظر آیا جس نے کہا کہ ستر پوشی کر۔ بیہقی و ابن سعد میں اور حاکم کی دوسری روایت میں ہے کہ ندا آئی کہ محمد اپنے ستر کو چھپا۔ ان روایتوں میں ہے کہ غیب کی یہ پہلی آواز تھی جو آپ کو سنائی دی۔

نیند طاری ہونا

حضرت علیؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ بعثت سے پہلے صرف دو دفعہ میرے دل میں برا خیال آیا، اور دونوں دفعہ خدا نے مجھے بچا لیا۔ ایک دفعہ رات کو میں نوجوان چرواہوں کے ساتھ مکہ کے باہر تھا، میرے دل میں آیا کہ شہر کے اندر جا کر لطف احباب اٹھاؤں چلا تو سر راہ شادی کا ایک جلسہ نظر آیا، میں دیکھنے کھڑا ہو گیا تو خدا نے مجھ پر نیند طاری کر دی تو اس وقت تک میں نہ جاگا، جب تک سورج کی کرنوں نے آکر میرے شانے نہ ہلائے۔ دوسری دفعہ جب خیال آیا تو پھر یہی واقعہ گذرا۔ اس کے بعد میں نے جاہلیت کا کوئی ارادہ نہ کیا یہاں تک کہ خدا نے مجھ کو نبوت سے مشرف کیا۔[1]

صدائے غیب

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد کا واقعہ ہے کہ حضرت عمرؓ ایک دفعہ بیٹھے تھے، سامنے سے ایک خوبصورت سا آدمی گذرا حضرت عمرؓ نے بلوا کر حال پوچھا اس نے کہا میں جاہلیت میں کاہن تھا، دریافت کیا کہ اس زمانہ میں عجیب ترین واقعہ تم نے کیا دیکھا اس نے کہا میں بازار میں تھا کہ میرا موکل جن میرے پاس گھبرایا ہوا آیا اور یہ شعر پڑھا،

---

[1] مسند ابن راہویہ، ابن اسحاق، بزاز، بیہقی، ابو نعیم، ابن عساکر قال ابن حجر اسنادہ حسن متصل و رجالہ ثقاۃ (خصائص کبری سیوطی جلد اول ص۸۸، حیدرآباد، مستدرک حاکم جلد ۳ ص۲۴۵، علی شرط مسلم)

الم تر الجن وابلاسها وَيَاسِهَا من بعد انكاسها

ولحوقها بالقلاص واحلابها

حضرت عمرؓ نے فرمایا اُس نے سچ کہا خود مجھ پر اسی قسم کا ایک واقعہ گذرا، ایک دفعہ میں جاہلیت کے بتوں کے پاس سویا تھا کہ ایک آدمی بچھڑا لے کر آیا، اور اُس کی قربانی کی ناگاہ اس کے اندر سے بڑے زور سے چیخنے والے کی آواز آئی جس سے زیادہ چیخ کی آواز میں نے کبھی نہیں سُنی۔ آواز یہ تھی۔

یا جلیح، امر نجیح رجل فصیح	اے جلیح! کامیاب بات ایک فصیح
یقول لا الہ الا اللہ	آدمی کہتا ہے کہ خدا کے سوا کوئی خدا نہیں

حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ یہ آواز سُن کر سب لوگ کود کود بھاگ نکلے لیکن میں اپنی جگہ سے نہ ٹلا اور دل میں کہا کہ اصل حقیقت دریافت کر کے ٹلوں گا ناگاہ دوسری دفعہ اور پھر تیسری دفعہ وہی آواز آئی، اس واقعہ کو کچھ ہی دن گذرے تھے کہ مکہ میں یہ شہرہ ہوا کہ آپ نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔[1]

پتھروں سے سلام کی آواز

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نبوت کے بعد فرمایا کرتے تھے کہ میں مکہ کے اس پتھر کو پہچانتا ہوں جو مجھ کو نبوت سے پہلے سلام کیا کرتا تھا، میں اب بھی اُس کو پہچانتا ہوں یہ صحیح مسلم، مسند احمد، اور مسند دارمی کی روایت ہے[2] دوسری روایتوں میں ہے کہ میں مکہ کے اس

---

[1] صحیح بخاری، باب اسلام عمر [2] صحیح مسلم کتاب فضائل مسند احمد جلد ۵ ص ۹۰ و مسند دارمی مغجر باب ما اکرم اللہ بہ نبیہ من ایمان الشجر بروایت جابر بن سمرہ [3] جامع ترمذی ذکر معجزات، ابو نعیم ص ۱۴۱

پتھر کو پہچانتا ہوں جو میری بعثت کے زمانہ میں مجھ کو سلام کیا کرتا تھا

خواب میں فرشتوں کی آمد

نبوت سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حالتِ خواب میں فرشتے نظر آیا کرتے تھے، صحیح بخاری میں ہے کہ آغازِ وحی سے پہلے رویا میں تین فرشتے آپ کے پاس آئے آپ دوسرے لوگوں کے ساتھ کعبہ کے احاطہ میں آرام فرما رہے تھے ایک فرشتے نے پوچھا ان میں کون ہے بیچ والے نے جواب دیا ان میں جو سب سے بہتر ہے، پہلے نے کہا تو ان میں سے بہتر کو لے اس کے بعد وہ لوگ چلے گئے۔[1]

---

[1] صحیح بخاری کتاب التوحید باب صفۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کتاب الانبیاء۔

اشیا میں اثر

اشیا میں اثر سے مقصود یہ ہے کہ بحکم الٰہی کبھی کبھی آپ کے فیض و برکت کی قوت اثر سے جمادات نباتات حیوانات اور انسانوں میں ایک ایسا انقلاب پیدا ہو گیا جس کی بنا پر اشیا سے اُن کی فطرت کے مافوق یا اُن کے معمول کے برخلاف افعال، حرکات اور اثرات رونما ہوئے، اس قسم کے معجزات حضرت موسیٰؑ کی سیرت میں زیادہ نمایاں ہیں مثلاً پانی کا خون ہو جانا، عصا کا سانپ بن جانا، ہتھیلی کا چمکنے لگنا، عصا کی ضرب سے دریا کا خشک ہو جانا، چٹان سے پانی بہنے لگنا، رس کے اٹھانے سے دشمن کا شکست کھانا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی یہ نشانیاں ملی تھیں جن میں سب سے مستند معجزہ شق القمر ہے جس کی تفصیل دلائل قرآنی کے ضمن میں پہلے گذر چکی، اسکے بعد ستون حنانہ یعنی مسجد نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ستون خرما سے گریہ و بکا کی آواز پیدا ہونے کا واقعہ ہے۔

ستون کا رونا

مسجد نبوی میں پہلے منبر نہ تھا مسجد میں خرمے کے تنہ کا ایک ستون تھا، آپ اس سے ٹیک لگا کر خطبہ دیا کرتے تھے منبر تیار ہوا تو آپؐ نے اس پر کھڑے ہو کر جمعہ کا خطبہ دینا شروع کیا تو دفعۃً اُس ستون سے بچوں کی طرح رونے کی آواز آنے لگی بعض روایتوں میں ہے کہ اونٹنیوں کی طرح بلبلانے کی آواز آئی، یہ حاضرین کے اختلاف مذاق کی بنا پر رونے

کی مختلف تشبیہیں ہیں، راویوں کا مشترک مقصود یہ ہے کہ درد و فراق سے اس سے جزع و فزع کی آواز سنائی دینے لگی۔ یہ دیکھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم منبر سے اُتر کر آئے اور ستون پر تسکین کے لئے ہاتھ رکھا، اور اس کو سینہ سے لگایا تو آواز بند ہو گئی۔ آپ نے فرمایا کہ اس کا یہ رونا اس بنا پر تھا کہ یہ پہلے خدا کا ذکر سنا کرتا تھا[1] یہ واقعہ حدیث و سیر کی کتابوں میں گیارہ مختلف صحابیوں سے منقول ہے

منبر کا بلنے لگنا ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر خطبہ دے رہے تھے جلال و کبریائی کا بیان تھا، آپ خود بہت متاثر تھے، حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ میں نے دیکھا تو آپ داہنے بائیں ہل رہے تھے، اور نیچے سے منبر اس زور سے ہل رہا کہ مجھے ڈر ہوا کہ آپ کو لیکر گر نہ پڑے[2]

چٹان کا پارہ پارہ ہو جانا غزوۂ خندق میں تمام صحابہ مل کر مدینہ کے چاروں طرف دشمنوں سے بچنے کے لئے خندق کھود رہے تھے، اتفاق سے ایک جگہ ایک بہت سخت چٹان نکل آئی، لوگوں نے ہر چند اس کو توڑنا چاہا، مگر وہ نہ ٹوٹی، کدالیاں اس پر پڑ کر اچٹ جاتی تھیں، آخر لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر صورت حال عرض کی، آپ اٹھ کر خود تشریف لائے، اور

---

[1] صحیح بخاری باب علامات النبوۃ و مسند احمد و ترمذی و ابو یعلی و ابن ماجہ و دارمی (مقدمات) و نسائی (باب خطبۃ الجمعۃ)

[2] (۱) جابر بن عبداللہؓ (بخاری نسائی و امام احمد) (۲) انس بن مالکؓ (ترمذی و امام احمد) (۳) سہل بن سعدؓ (ابن ابی شیبہ) ..... ابن سعدؓ شرح صحیحین

[3] عبداللہ بن عمرؓ (بخاری) امام احمد ترمذی (۴) انس بن مالکؓ (ترمذی و امام احمد) ابو یعلی، ابن ماجہ، بزار، ابو نعیم (۵) ابی بن کعبؓ (امام احمد و امام شافعی، ابن ماجہ، دارمی) ابو یعلی (۶) ابن عباسؓ (امام احمد ابن ماجہ علی شرط مسلم) ابن سعد بیہقی، ابو یعلی (۷) ابو سعید خدریؓ (ابن ابی شیبہ، ابو یعلی، دارمی عبد بن حمید، ابو نعیم علی شرط مسلم (۸) بریدہؓ (دارقطنی) (۹) مطلب بن وداعہ (زہیر بن بکار فی اخبار المدینہ (۱۰) ام سلمہؓ (طبرانی بیہقی) (۱۱) عائشہؓ (بیہقی و ابو نعیم) (۱۲) صحیح مسلم باب ابتداء الخلق، ابن ماجہ ذکر المبعث، مسند احمد عن ابن عمرو غیرہ

کدالی ہاتھ میں لے کر ایک ضرب لگائی تو وہ چٹان ریگ ہو کر چور چور ہو گئی۔[1]

درختوں اور پہاڑوں سے سلام کی آواز

حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ میں ایک طرف کو نکلا، تو میں نے دیکھا کہ جو پہاڑ اور درخت بھی سامنے آتا ہے، اُس سے السلام یا رسول اللہ کی آواز آتی ہے، اور میں اُس کو سُن رہا تھا۔[2]

پہاڑ کا ہلنا

صحیح بخاری میں ہے ایک دن آپ اور آپ کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ[3] اور صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت علیؓ اور حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ[4] بھی تھے، ایک پہاڑ پر چڑھے، پہاڑ جنبش کرنے لگا، آپ نے پہاڑ کو پائے مبارک سے ٹھوکر مار کر فرمایا:- "ٹھہر جا! کہ تیری پشت پر اس وقت پیغمبر ہے یا صدیق ہے یا شہید ہے۔"[5]

صحیح بخاری میں راوی کو شک ہے، یہ پہاڑ کوہِ احد تھا یا کوہِ حرا، مگر صحیح مسلم اور مسند احمد میں صرف کوہ حرا کا اور مسند ابو یعلیٰ اور بیہقی میں صرف کوہِ احد کا نام ہے، بہرحال اگر یہ کوہِ احد تھا، تو مدینہ کا یہ واقعہ ہے، اور اگر کوہِ حرا تھا تو مکہ کا ہے،

آپ کے اشارہ سے بتوں کا گر جانا

فتح سے پہلے خانہ کعبہ تین سو ساٹھ بتوں کا معبد تھا، جب مکہ فتح ہوا تو آپ کعبہ میں تشریف لے گئے، دستِ مبارک میں ایک چھڑی تھی اور زبانِ اقدس پر یہ آیتِ کریمہ جاری تھی،

---

[1] صحیح بخاری (غزوۂ خندق) و نسائی (کتاب الجہاد) و بیہقی و ابو نعیم و ابن سعد و ابن اسحاق و ابن جریر [2] جامع ترمذی ذکر معجزات بروایت حسن [3] صحیح بخاری مناقب ابی بکرؓ [4] صحیح مسلم فضائل حضرت طلحہؓ و زبیرؓ [5] صحیحین کے علاوہ یہ واقعہ مسند ابن حنبل بروایت بریدہ اور ترمذی نسائی اور دارقطنی بروایت حضرت عثمانؓ اور ابو یعلیٰ اور بیہقی میں بروایت سہل بن سعد مذکور ہے

جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ	حق آیا اور باطل مٹ گیا باطل مٹنے
الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا (بنی اسرائیل)	ہی کے لیے آیا تھا

آپ چھڑی سے جس بت کی طرف اشارہ کرتے تھے: وہ بے چھوئے دھم سے گر پڑتا تھا (فاکہی بتصحیح ابن حبان و بیہقی و طبرانی و ابونعیم)

یہ واقعہ کہ کعبہ کے چاروں طرف تین سو ساٹھ بت تھے اور آپ دستِ مبارک میں چھڑی لے کر اُن بتوں کی طرف اشارہ کرتے جاتے، اور آیتِ مذکور تلاوت کرتے جاتے تھے صحیح بخاری و مسلم باب فتح مکہ میں موجود ہے، مگر اس اشارہ سے بے چھوئے بتوں کا خود بخود گرتے جانا صحیحین میں مذکور نہیں، البتہ فاکہی میں بروایت عمر اور طبرانی، ابن اسحاق اور ابونعیم میں بروایت ابن عباسؓ موجود ہے۔ فاکہی کی روایت کو ابن حبان نے صحیح کہا ہے۔ صحیح بخاری کتاب المغازی باب غزوۃ الفتح میں جو روایت ہے اُس سے ضمناً اس کے خلاف یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ آپ نے اُن لوگوں سے اکھڑوا کر پھنکوا دیا، اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

عن ابن عباس لما قدم	ابن عباسؓ سے روایت ہو کہ جب آپ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابی	مکہ آئے تو اس حالت میں کہ خانہ کعبہ کے اندر
ان یدخل البیت وفیہ الالھۃ	بت تھے آپ نے اس کے اندر جانے سے انکار کیا تو
فامر بھا فاخرجت،	آپ نے ان کے باہر نکال دینے کا حکم دیا تو وہ باہر

اگر فاکہی، طبرانی، ابن اسحاق اور ابونعیم کی روایت بالا صحیح ہو تو اس میں اور بخاری کی اس روایت میں یہ تطبیق ممکن ہے کہ پہلے جن بتوں کا ذکر ہے وہ حول البیت یعنی خانہ کعبہ کے باہر چاروں

طرف تھے آپ اُن کی طرف اشارہ کرکے آیتِ مذکور کو پڑھتے تھے، اور وہ گر جاتے تھے، اور خانہ کعبہ کے اندر بت تھے اپنے اندر جانے سے پہلے آپ نے اُن کو نکلوا کر پھکوا دینے کا حکم دیا تھا اسی طرح بخاری و مسلم کی فتح مکہ والی روایت میں جن بتوں کو چھڑی سے کوچنے دینے کا ذکر ہے وہ وہ بت ہیں، جو باہر تھے، یعنی حول بیت اور جن کے نکلوانے کا ذکر بخاری کی دوسری روایت میں ہے وہ خانہ کعبہ کے اندر تھے،

کھانوں سے تسبیح کی آواز حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ تم لوگ معجزوں کو خوف کی چیز سمجھتے ہو، اور ہم لوگ اُن کو برکت سمجھتے تھے، ہم کھانوں سے جب وہ کھائے جاتے تھے تسبیح کی آواز سنا کرتے تھے،

زمین کا ایک مرتد کو قبول نہ کرنا ایک عیسائی نے اسلام قبول کیا، اور سورۂ بقرہ و آلِ عمران پڑھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے متعلق کتابت وحی کی خدمت کی، چند دنوں کے بعد وہ پھر مرتد ہو کر بھاگ گیا، اور عیسائی ہو گیا، اور مشہور کیا کہ میں نے جو کچھ لکھا ہے محمد اُس کے سوا کچھ نہیں جانتے اللہ تعالیٰ نے اپنی نشانی دکھائی یعنی اس کو موت دیدی، اس کے دوستوں نے اس کو دفن کیا، تو صبح کے وقت لاش قبر کے باہر تھی، اُس کے دوستوں کو معلوم ہوا تو کہنے لگے کہ یہ محمد اور اصحاب محمد کا کام ہے، چونکہ وہ اُن سے علیحدہ ہو گیا، اس لئے قبر کھود کر اس کو باہر پھینک دیا اسی خیال سے اُن لوگوں نے اب کی خوب گہری قبر کھود کر اس میں اُس کو دفن کیا، صبح کے وقت پھر مردہ قبر سے باہر تھا، اب اُن کا یہ خیال پختہ ہو گیا، اور کہنے لگے کہ یہ سب انہی کی حرکت ہے پھر جس قدر وہ گہری قبر کھود سکتے تھے، کھود کر اس میں اس کو دفن کیا صبح کو دیکھا تو پھر وہی منظر سامنے تھا، اب اُن کو یقین ہو گیا کہ یہ آدمی کا کام نہیں، چنانچہ اس کو اسی طرح

زمین پر چھوڑ دیا،[1]

درختوں کا چلنا

ایک بار آپ سفر میں قضائے حاجت کے لئے نکلے، حضرت جابرؓ پانی لئے ہوئے ساتھ تھے، آپ نے میدان میں ادھر ادھر دیکھا تو کوئی چیز آڑ کرنے کے لئے نہ ملی، میدان کے کنارے صرف دو درخت تھے، آپ ایک درخت کے پاس گئے، اور اُس کی ایک ڈالی کو پکڑ کر کہا کہ خدا کے حکم سے میری اطاعت کر، وہ فرمانبردار اونٹ کی طرح آپ کے ساتھ ہولیا، پھر دوسرے درخت کے نزدیک تشریف لے گئے، اور وہ بھی اسی طرح آپ کے ساتھ چل پڑا، پھر آپ نے دونوں کو ایک جگہ جمع کیا، اور فرمایا کہ خدا کے حکم سے باہم جڑ جاؤ، دونوں باہم مل گئی جب اُن کے آڑ میں فراغت کر چکے تو پھر دونوں درخت الگ الگ اپنی اپنی جگہ پر آگئے،[2]

اسی قسم کا واقعہ دوسرے سفروں میں بھی پیش آیا ہے، چنانچہ صحابہؓ نے اپنی عینی شہادت کی بنا پر اس کو بیان کیا ہے، حضرت اُسامہ بن زیدؓ حجۃ الوداع میں[3] اور حضرت علی بن مرہؓ نے کسی سفر میں[4] اپنا مشاہدہ بیان کیا ہے،

ایک اور واقعہ ہے کہ آپ ایک روز اہلِ مکہ کی ایذا رسانی سے نہایت غمگین بیٹھے ہوئے تھے اسی حالت میں حضرت جبرئیلؑ آئے، اور انھوں نے دریافت کیا تو حضرت جبرئیلؑ نے کہا یا خود آپ نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی (روایتیں مختلف ہیں) کہ مجھے ایک ایسی نشانی دکھا

---

[1] بخاری باب علامات النبوت فی الاسلام [2] مسلم حدیث جابرؓ الطویل و احمد و دارمی و بیہقی باختلاف یسیر [3] بندار ابو یعلی و بیہقی و ابو نعیم احافظ ابن حجر نے مطالب عالیہ میں اس روایت کی تحسین کی ہے [4] امام احمد بروایت علی بن مرہ رجالہ ثقات و حاکم بروایت صحیح،

جو اس غم کو مجھ سے دور کر دے، حکم ہوا کہ میدان کے کنارے جو ایک درخت ہے آپ اس کو بلائیے۔ آپ نے بلایا، تو وہ سامنے آکر کھڑا ہو گیا: پھر اُس سے واپس جانے کو کہا تو وہ اپنی جگہ پر واپس چلا گیا۔ آپ نے فرمایا۔ اب مجھے کوئی غم نہیں[1]

خوشہ خرما کا چلنا

آپ کی خدمت میں ایک بدو آیا۔ اور کہا کہ مجھے یہ کیونکر یقین ہو کہ آپ پیغمبر ہیں: آپ نے فرمایا اگر میں اس خوشہ خرما کو بلا لوں تو تم میری نبوت کی شہادت دو گے؟ اس نے کہا ہاں آپ نے خوشہ خرما کو بلایا، اور وہ درخت سے اُتر کر آپ کے پاس آیا، اور پھر آپ کے حکم سے واپس گیا۔ بدو فوراً اس معجزہ کو دیکھ کر ایمان لایا[2]

درخت کا چلنا اور اس کا واپس جانا

آپ ایک سفر میں تھے کہ ایک بدو آتا ہوا نظر آیا جب وہ آپ کے قریب آگیا تو آپ نے پوچھا کہاں جاتے ہو؟ اُس نے جواب دیا، مکان کا ارادہ ہے۔ پھر آپ نے فرمایا "تمہیں نیکی کی حاجت ہے"؟ اُس نے کہا وہ نیکی کیا ہے؟ آپ نے کلمہ توحید کی تلقین کی اُس نے کہا اس کی شہادت کون دیتا ہے؟ آپ نے فرمایا "سامنے کا یہ درخت" چنانچہ یہ کہکر آپ نے وادی کے کنارے سے اُس درخت کو بلایا، وہ دوڑتا ہوا آیا، اور آپ کے سامنے کھڑا ہو گیا، آپ نے تین بار اُس سے کلمہ توحید پڑھایا، اور اُس نے پڑھا پھر وہ اپنی جگہ پر واپس چلا گیا، اور بدو یہ کہہ کر اپنے مکان کو روانہ ہوا کہ اگر میرے اہل و عیال نے بھی اسلام

---

[1] سنن ابن ماجہ باب الصبر علی البلاء و مسند احمد عن انس بن مالک و ابن سعد و بخاری و بیہقی عن عمر رضی اللہ عنہ

[2] ترمذی (معجزات نبوی) نے اس کو صحیح کہا ہے امام بخاری نے تاریخ میں اس واقعہ کو نقل کیا ہے۔ اور ابو یعلی نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے اس کی روایت کی ہے

قبول کرلیا تو اُن سب کو لے کر آؤں گا ورنہ تنہا آپ کے ساتھ قیام کروں گا۔"

بے دودھ کی بکری نے دودھ دیا

عبداللہ ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ میں نوخیز چھوکرا تھا عقبہ بن معیط ایک قریشی کا فرعیس کی بکریاں مکہ میں چرایا کرتا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ کا ادھر سے گذر ہوا۔ آپ نے مجھ سے کہا لڑکے! تمہارے پاس دودھ ہے؟ ہم کو پلاؤ گے؟ میں نے کہا میں امین ہوں تم کو نہیں پلا سکتا۔ آپ نے پوچھا اچھا کوئی بکری کا

لہ مسند دارمی ص، بسند صحیح و بزار و ابونعیم باختلاف یسیر، و ابن سعد جلد اول ص ۱۲۱، ۵۲ یہ روایت مسند ابوداؤد طیالسی، مسند ابن حنبل، ابن سعد، اور دلائل ابی نعیم میں ہے۔ طیالسی اور ابونعیم کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ جب مشرکین سے بھاگے تھے، تب یہ واقعہ پیش آیا، یعنی ہجرت کے ایام میں طیالسی کی اس روایت کا سلسلہ سند صرطرح سے محفوظ ہے، ابوداؤد، حماد بن سلمہ سے اور وہ عاصم ابن بہدلہ سے اور عاصم زر بن حبیش سے اور وہ خود عبداللہ بن مسعودؓ سے، اس کی روایت کرتے ہیں، یہ تمام راوی ثقہ اور معتبر ہیں، ابن ہمام اس واقعہ کو زمانہ ہجرت میں قرار دینے سے متعدد خرابیاں نظر آتی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اس روایت میں کسی صاحب سے بھول ہوئی ہے اس روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ہجرت کے وقت نوخیز لڑکے تھے، اور ابھی تک قرآن مجید سے ناواقف تھے بلکہ مسلمان بھی نہ تھے: حالانکہ وہ ہجرت سے بہت پہلے اسلام لاچکے تھے وہ چھٹے مسلمان تھے، اور ہجرت کے وقت وہ حبش میں تھے اور وہاں سے اس وقت لوٹے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ جاچکے تھے۔ جیسا کہ نماز میں سلام کرنے والی روایت سے جو حدیث کی تمام کتابوں میں ہے ثابت ہوتا ہے۔ اس لئے وہ اس وقت مکہ میں سرے سے موجود ہی نہ تھے، اس روایت کے ان الفاظ کے متعلق میں، جن پر یہ شکوک لکھ چکا تھا کہ رجال اور سیر کی مختلف کتابوں میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا حال الٹ پلٹ کر پڑھا، سب نے اُن کے حال میں اس روایت کو نقل کیا ہے مگر ان شبہات پر کسی کی نظر نہیں پڑی اسی اثنا میں فتح الباری جلد ہجرت اٹھا کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ بعینہٖ یہی اعتراضات حافظ ابن حجر کے ذہن

بچہ ہے"؟ میں نے کہا "ہاں" فرمایا "لے آؤ" میں لے آیا، حضرت ابوبکرؓ نے بچہ پکڑا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تھن میں ہاتھ لگایا اور دعا کی، ابوبکر ایک گہرا پتھر لے آئے اس میں دودھ دوہا گیا، پہلے آپ نے خود پیا، پھر حضرت ابوبکرؓ نے پیا، اس کے بعد حضرت ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ پھر مجھے پلایا، دودھ پی کر آپ نے فرمایا، اے تھن! سمٹ جا، وہ سمٹ کر خشک ہو گیا، اس کے

(بقیہ حاشیہ ص ۶۲۱) میں بھی گذرے ہیں، لیکن انھوں نے حسب دستور مختلف روایات کی تطبیق کے متعلق جو ان کا عام اصول ہے، اس سے کام لے کر آگے بڑھ گئے ہیں، یعنی یہ کہدیا ہے کہ ممکن ہے کہ یہ ہجرت کے، علاوہ کسی اور زمانہ کا واقعہ ہو، مگر مشکل یہ ہے کہ ہجرت کے علاوہ کوئی اور زمانہ ایسا نہیں جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ مشرکین سے بھاگے ہوں لیکن الحمد للہ کہ اثنائے تحقیق میں مجھے مسند احمد بن حنبل (جلد ۱ ص ۳۷۹) میں یہی روایت اسی قسم کی سند سے مل گئی ہے جس میں ان قابل اعتراض الفاظ کے بجائے مطلق یہ الفاظ ہیں کہ میں بکریاں چرا رہا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ کا گذر ہوا" اس میں فرار اور ہجرت کا مطلق ذکر نہیں ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ ہجرت سے بہت پہلے کا کوئی واقعہ ہے، پہلے الفاظ کے راوی عاصم سے ان کے شاگرد حماد بن سلمہ ہیں، اور دوسرے الفاظ کے راوی ان ہی کے شاگرد ابوبکر عیاش ہیں، گو حافظ کی خرابی اور اغلاط کی کثرت میں یہ دونوں برابر ہیں تاہم ناقدانہ وجوہ ابوبکر بن عیاش کی تائید میں ہیں، پہلی روایت میں فرّ (بھاگے) کا لفظ ہے اور دوسری میں "مرّ" یعنی گذرے کا لفظ ہے، معلوم ہوتا ہے کہ راویوں میں فرّ اور مرّ کے الفاظ میں باہم تشابہ ہو گیا ہے، اور بعد کو پھر فرّ کی مناسبت سے عن المشرکین بڑھ گیا ہے، ابن سعد نے بسند حسن (جلد اول ص ۱۲۲) اس واقعہ کو ان الفاظ میں روایت کیا ہے جس سے تمام مسئلہ صاف ہو جاتا ہے، حضرت ابن مسعودؓ کہتے ہیں، میں اپنے پہلے کسی کا مسلمان ہونا نہیں جانتا، میں گھر کی بکریاں چرا رہا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس آئے اور دریافت فرمایا کہ تمھارا ہی کسی بکری میں دودھ ہے، میں نے عرض کیا نہیں آپ نے ایک بکری کے تھن میں ہاتھ لگایا فوراً دودھ اتر آیا تو میں اپنے سے پہلے کسی کا مسلمان ہونا نہیں مانتا،

بعد میں آپ کے پاس حاضر ہوا، اور عرض کی کہ اس عمدہ کلام یعنی قرآن مجید میں سے مجھ کچھ سکھائیے، فرمایا تم سیکھنے والے لڑکے ہو تو میں نے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ سے ستر سورتیں سیکھیں جن میں کوئی دوسرا میرا مقابلہ نہیں کر سکتا"۔ ابن سعد میں ہے کہ حضرت عبداللہؓ بن مسعود کہا کرتے تھے کہ میرے اسلام لانے میں اسی معجزہ کو دخل ہے[1]۔

سست گھوڑے کا تیز رفتار ہو جانا

ابوطلحہ صحابیؓ کا گھوڑا نہایت سست رفتار اور مٹھا تھا، ایک دفعہ مدینہ میں شور و غل ہوا، آپ نے اسی گھوڑے پر سوار ہو کر مدینہ کا چکر لگایا، وہ آپ کی سواری کی برکت سے اس قدر تیز رو ہو گیا کہ جب آپ واپس تشریف لائے تو فرمایا کہ "یہ تو دریا ہے، اس کے بعد کوئی گھوڑا اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا"[2]۔

اندھیرے میں روشنی ہونا

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ دو صحابی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رات کو دیر تک حاضر رہے، جب واپس آ رہے تھے، تو رات بہت اندھیری تھی، مگر خدا کی قدرت کہ ان کے سامنے دو چراغوں کی طرح آگے آگے کوئی چیز روشن ہو گئی، جب دونوں الگ ہو کر اپنے گھر چلے تو ایک چراغ ایک کے ساتھ اور دوسرا دوسرے کے ساتھ ہو گیا یہاں تک کہ دونوں گھر چلے گئے، یہ صحیح بخاری کی روایت ہے[3]، اس میں ان دونوں صحابیوں کے ناموں کی تصریح نہیں لیکن حاکم ابن سعد بیہقی، اور ابونعیم میں حضرت انسؓ نے ان کے نام عباد بن بشرؓ اور اسید بن حضیرؓ بتائے ہیں، اور ان میں یہ اضافہ ہے کہ یہ روشنی ان کی لکڑیوں کے سروں میں پیدا ہو گئی تھی، ابونعیم کی ایک دوسری روایت میں جو حضرت انسؓ ہی سے مروی ہے، عباد

---

[1] ابن سعد جلد اول صـ ۱۳۳ [2] صحیح بخاری کتاب بدء الخلق باب ارکب علی الدابۃ الصعبۃ جلد اول صـ ۵۲۰ [3] صحیح بخاری باب علامات النبوۃ

بن بشرؓ اور اسید بن حضیرؓ کے بجائے حضرت ابوبکرؓ اور عمرؓ کے نام ہیں۔ روایت کی صحت کی صورت میں ممکن ہے کہ یہ دوسرا واقعہ ہو۔ نیز حاکم، بیہقی، اور ابونعیم میں اسی قسم کا واقعہ ابوعبس ابن جبر صحابیؓ جو ہمیشہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عشاء کی نماز پڑھا کرتے تھے۔ اُن کو بھی ایک دفعہ پیش آنا بیان کیا گیا ہے۔ تاریخ بخاری اور بیہقی میں ایک سفر میں اندھیری رات حمزۃ الاسلمیؓ کی انگلیوں کا روشن ہو جانا بھی مذکور ہے

جانور کا سجدہ کرنا حدیث کی اکثر کتابوں میں چند الفاظ کے تغیر کے ساتھ یہ روایت مذکور ہے کہ ایک دفعہ ایک انصاری کا اونٹ باؤلا ہو گیا تھا، یا بگڑ گیا تھا، لوگوں نے جا کر آپ کو خبر کی آپ نے اس کے پاس جانا چاہا تو سب نے روکا کہ یا رسول اللہ! یہ آدمی کو کتے کی طرح کاٹ کھاتا ہے آپ نے فرمایا کہ مجھے اس کا خوف نہیں یہ کہکر آپ آگے بڑھے تو اونٹ نے آپ کے سامنے آکر اپنی گردن ڈال دی، آپ نے اس پر ہاتھ پھیرا اور اس کو پکڑ کر اس کے مالک کے حوالہ کر دیا، پھر فرمایا ہر مخلوق جانتی ہے کہ میں خدا کا رسول ہوں لیکن گنہگار انسان اور نافرمان جن[1] صحابہ نے یہ منظر دیکھ کر کہا یا رسول اللہ! جب جانور آپ کو سجدہ کرتے ہیں تو انسان کو سب سے پہلے کرنا چاہئے آپ نے فرمایا اگر کسی انسان کا دوسرے انسان کو سجدہ کرنا جائز ہوتا تو میں عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے[2]

جانور کا آپ کے مرتبہ کو پہچاننا ایک دفعہ آپ ایک انصاری کے باغ میں گئے، ایک اونٹ گھرا

---

[1] دارقطنی [2] امام احمد بن حنبل نے مسند میں متعدد صحابیوں کی سند سے یہ واقعہ نقل کیا ہے چنانچہ کتاب مذکور میں حضرت جابرؓ حضرت ابن عباسؓ حضرت انسؓ اور حضرت عائشہؓ کی سند دیکھو بر سلسلہ نسائی و ابن ابی شیبہ طبرانی و بیہقی اہل دلائل نے اس ایک واقعہ کو ذرا سے لفظی اختلاف کے باعث متعدد واقعات بنا دیا ہے۔ البدایۃ والنہایۃ جلد ۶ ص ۱۳۹

چلا رہا تھا، آپ کو دیکھ کر وہ بلبلانے لگا، اور اس کی دونون آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے، آپ نے قریب جا کر اوس کے سر اور کنپٹی پر ہاتھ پھیرا تو وہ چپ ہو گیا، آپ نے دریافت فرمایا کہ یہ کس کا اونٹ ہے؟ لوگون نے ایک انصاری کا نام بتایا، وہ بلوائے گئے تو آپ نے فرمایا "تم ان جانورون پر جن کو خدا نے تمھارا محکوم بنایا ہے، رحم کیا کرو، اس اونٹ نے مجھ سے شکایت کی ہے، کہ تم اس کو بھوکا رکھتے ہو، اور اُس کو تکلیف دیتے ہو"[1]

حافظہ بڑھ جانا تمام صحابہ میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایتیں سب سے زیادہ ہیں۔ حالانکہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مین صرف تین چار برس رہے تھے، لوگون کو آج بھی اس پر تعجب ہے، خود اُن کے زمانہ میں بھی تھا، لیکن حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ ہمارے مہاجر بھائی تو بیوپار میں لگے رہتے تھے، اور انصاری بھائی اپنے کھیتوں مین اور میرا آپ کی خدمت میں حاضری کے سوا اور کوئی کام نہ تھا، ایک دن خدمت میں حاضر تھا کہ زبانِ مبارک سے نکلا کہ جو دامن پھیلا کر اس وقت میری باتیں سینہ مین سمیٹ لیگا وہ پھر کبھی نہ بھولے گا، میں نے دامن پھیلایا، جب کلامِ مبارک ختم ہوا، سینہ مین سمیٹ لیا، اس وقت سے کوئی بات نہ بھولا[2]

صحیح بخاری میں یہی واقعہ ایک اور طرح سے بھی مذکور ہے، چنانچہ وہ آگے آئے گا،

---

[1] ابوداؤد، کتاب الجہاد باب الشفقۃ علی البہائم ص ۳۵۴ و مسند احمد بسند عبداللہ بن جعفر و مسلم بسند مہدی بن میمون الہدایہ ص ۳۵ ابونعیم وغیرہ میں یہ واقعہ ہے اور بہت سی نامستند باتین شامل ہیں، [2] صحیح بخاری و صحیح مسلم مناقب ابوہریرہؓ

شفاے امراض

وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ ؕ

پیغمبر دنیا مین درحقیقت بیمار دلون کے روحانی طبیب بن کر آتے ہیں مگر کبھی کبھی ارواح وقلوب کے معالجہ میں اُن کو جسمانی امراض وعوارض کا علاج بھی کرنا پڑتا ہے، تمام انبیاء میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی اس وصف میں سب سے ممتاز ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اس قسم کے معجزات کا وافر حصہ ملا تھا۔

حضرت علیؓ کی آنکھوں کا اچھا ہو جانا

حضرت سعد بن ابی وقاص حضرت سلمہ بن اکوع اور حضرت سہیل بن سعد تین چشم دید گواہوں سے روایت ہے کہ غزوۂ خیبر مین جب آپ نے علم عطا فرمانے کے لئے حضرت علی بن ابی طالب کو طلب فرمایا تو معلوم ہوا کہ اُن کی آنکھون مین آشوب چشم ہے، اور یہ آشوب جیسا کہ مسند ابن حنبل میں ہے، ایسا سخت تھا کہ ایک صاحب سلمہ بن اکوع اُن کا ہاتھ پکڑ کر لائے تھے، آپ نے اُن کی آنکھوں میں اپنا لعاب دہن مل دیا اور دم کر دیا، وہ اُسی وقت اچھی ہو گئیں ایسا معلوم ہوتا تھا کہ انکی آنکھون مین کبھی درد تھا ہی نہین[1]

ٹوٹی ہوئی ٹانگ کا درست ہو جانا

حضرت عبد اللہ بن عتیک قلعہ میں داخل ہو کر جب ابو رافع یہودی کو

---

[1] صحیح بخاری باب غزوۂ خیبر ومناقب علی کتاب الجہاد وصحیح مسلم باب فضائل علی ومسند ابن حنبل جلد ۲ صفحہ ۵۲ سہیل بن سعد اور سلمہ بن اکوع کی روایت بخاری ومسلم دونون میں ہے اور حضرت سعدؓ کی روایت صرف مسلم میں ہی

قتل کرکے واپس آنے لگے تو کوٹھے کے زینہ سے گر پڑے جس سے اُن کی ایک ٹانگ میں سخت چوٹ آئی پہلے چل تو یہ چوٹ معلوم نہیں ہوئی لیکن بعد کو یہ حالت ہوئی جیسا کہ ابنِ اسحاق ہے کہ اُن کے ہمراہی اُٹھا کر اُن کو لائے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر واقعہ بیان کیا آپ نے اس ٹانگ پر دستِ مبارک سے مسح کر دیا، اور وہ فوراً بالکل اچھی ہو گئی، اور یہ معلوم ہونے لگا کہ کبھی چوٹ لگی ہی نہ تھی[1]

تلوار کے زخم کا اچھا ہونا غزوہ خیبر میں حضرت سلمہ بن اکوع کی ٹانگ میں تلوار کا زخم لگ گیا وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، آپ نے اس پر تین مرتبہ دم کر دیا، پھر انھیں کوئی شکایت محسوس نہیں ہوئی صرف نشان رہ گیا تھا[2]

غزوہ حنین میں حضرت خالد بن ولید کے پاؤں میں زخم لگا جب لڑائی ختم ہو چکی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا آپ حضرت خالدؓ کی فرودگاہ پوچھتے ہوئے اُن کے پاس آئے، دیکھا کہ کجاوہ سے ٹیک لگائے ہوئے بیٹھے ہیں، آپ نے اُن کے زخم پر ایک نگاہ ڈالی اور اس پر لعاب دہن ڈال دیا زخم اچھا ہو گیا[3]

اندھے کا اچھا ہونا آپ کی خدمت میں ایک اندھا حاضر ہوا اور اپنی تکلیف بیان کیں آپ نے فرمایا اگر چاہو تو دعا کر دوں، اور اگر چاہو تو صبر کرو، اور یہ تمہارے لئے اچھا ہے "عرض کی دعا کیجئے"

---

[1] بخاری باب قتل ابی رافع میں یہ واقعہ دو طرح بیان ہوا ہے یہاں ان دونوں میں تطبیق کر دی گئی ہے منہ

[2] صحیح بخاری باب غزوۂ خیبر و مسند ابن حنبل جلد ۴ حدیث سلمہ بن اکوع ۵۳ مسند ابن حنبل جلد ۴ ص ۸۸ و عبدالرزاق و عبد بن حمید و ابن عساکر

فرمایا اچھی طرح وضو کرکے یہ دعا مانگو کہ خداوندا! اپنی رحمت والے پیغمبر کے وسیلہ سے میری حاجت پوری کردے، ترمذی[1] اور حاکم کی ایک روایت[2] میں اسی قدر ہے، مگر ابن حنبل[3] اور حاکم کی دوسری[4] روایت میں اس کے بعد ہے کہ اس نے ایسا کیا تو فوراً اچھا ہوگیا حاکم کی ایک اور روایت[5] میں جو علی شرط البخاری ہے، یہ واقعہ ان الفاظ میں منقول ہے، حضرت عثمان رضؓ بن حنیف صحابی کہتے ہیں کہ ایک نابینا صحابی آپ کے پاس حاضر ہوئے، اور درخواست کی کہ یارسول اللہ میری خدمت کے لئے کوئی آدمی نہیں، مجھے سخت تکلیف ہے، فرمایا: وضو خانہ میں جاکر وضو کرو پھر دو رکعت نماز پڑھو، اس کے بعد یہ دعا مانگو، عثمان بن حنیف کہتے ہیں کہ ابھی ہم مجلس سے الگ بھی نہیں ہوئے تھے اور کچھ زیادہ بات کرنے پائے تھے کہ وہ نابینا واپس آیا تو ایسا معلوم ہوا کہ اس کو نابینائی کی بیماری کبھی تھی ہی نہیں،

حبیب بن مذیک ایک اور نابینا صحابی کے اچھے ہونے کا واقعہ ابن ابی شیبہ طبرانی بیہقی، اور ابو نعیم میں مذکور ہے[6] مگر چونکہ اس کے سلسلہ سند میں مجہول الاسم اشخاص ہیں اس لئے اس کو قلم انداز کر دیا ہے،

بلا دور ہونا آپ ایک سفر میں جارہے تھے، راستہ میں ایک عورت بچہ کو لئے ہوئے سامنے آئی، اور کہا کہ یارسول اللہ! اس کو دن میں کئی دفعہ کسی بلا کا دورہ ہوتا ہے، آپ نے بچہ کو اٹھا کر کجاوہ کے سامنے رکھا، اور تین بار کہا "اے خدا کے دشمن نکل جا میں خدا کا رسول ہوں"

---

[1] ترمذی کتاب الدعوات [2] مستدرک جلد ۱ صفحہ ۵۱۹ [3] مسند جلد ۴ صفحہ ۱۳۸ [4] مستدرک جلد ۱ صفحہ ۵۲۶
[5] مستدرک جلد ۱ صفحہ ۵۰۱ [6] دلائل ابی نعیم صفحہ ۱۲۰ و اصابہ ترجمہ حبیب بن مذیک۔

پھر لڑکے کو اُس عورت کے حوالے کر دیا، سفر سے پلٹے تو وہ عورت دو دُنبے لے کر حاضر ہوئی، اور عرض کی یا رسول اللہ! میرا ہدیہ قبول فرمائیے، خدا کی قسم پھر بچے کے پاس وہ بلا نہ آئی، آپ نے ایک دُنبہ قبول فرما لیا، اور دوسرے کو واپس کر دیا،

گونگے کا بولنا حجۃ الوداع میں آپؐ کی خدمت میں ایک عورت اپنے بچہ کو لے کر حاضر ہوئی اور عرض کی کہ یہ بولتا نہیں، آپ نے پانی منگایا، ہاتھ دھویا، اور کلی کی، اور فرمایا کہ یہ پانی اُس کو پلا دو، اور کچھ اُس کے اوپر چھڑک دو، دوسرے سال وہ عورت آئی تو بیان کیا کہ لڑکا بالکل اچھا ہو گیا[1] اور بولنے لگا،

مرض نسیان کا دور ہونا ایک دفعہ حضرت علیؓ نے آکر شکایت کی کہ یا رسول اللہ! قرآن یاد کرتا ہوں تو بھول جاتا ہوں، آپؐ نے فرمایا اس طرح نماز پڑھ کر یہ دعا مانگو حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ میں نے اسی طرح کیا، اور فائدہ ہوا، اور جا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ پہلے چار چار آیتیں یاد کرتا تھا، اور اب چالیس چالیس آیتیں یاد کر لیتا ہوں، پہلے بات بھول جاتا تھا، اور اب حرف حرف یاد رہتا ہے[2]

---

[1] مسند ابن حنبل جلد ۴ صفحہ ۱۷۰، ۱۷۱ میں دو حسن روایتوں سے حضرت یعلیٰؓ بن مرہ سے یہ واقعہ مذکور ہے علاوہ ازیں ابن ابی شیبہ اور حاکم میں بھی یہ منقول ہے دارمی صفحہ ۱۰ میں یہ واقعہ حضرت جابرؓ سے جس سلسلۂ سند سے مذکور ہے وہ مستند نہیں، نیز دارمی اور ابو نعیم میں اسی قسم کا ایک اور واقعہ (یعنی ایک جن کا ایک بچہ پر مسلط ہونا اور آپ کے اثر سے ایک کتے کا پلہ کی شکل میں نکل کر بھاگنا) حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے وہ بھی صحیح نہیں،

[2] سنن ابن ماجہ باب النشرہ و ابو نعیم صفحہ ۱۶۷، ابن ابی شیبہ [3] جامع ترمذی ابواب الدعوات و مستدرک حاکم جلد اول صفحہ ۱۳۱، ذہبی نے جودت سند کے باوجود اس روایت میں کلام کیا ہے،

حضرت عثمان بن ابی العاص کو آپ نے طائف کا عامل مقرر فرمایا، انھون نے وہان سے آکر بیان کیا کہ یا رسول اللہ! مجھے یہ مرض پیدا ہو گیا ہے کہ نماز میں یہنیں معلوم ہوتا کہ کیا پڑھتا ہون، آپ نے پاس بلا کر اُن کے سینہ پر ہاتھ مارا، اور منھ میں دم کیا، پھر یہ حالت بالکل زائل ہو گئی[1]

اسی طرح حضرت ابو ہریرہؓ نے بھی ایک دفعہ حافظہ کی شکایت کی، تو آپ نے اُن سے فرمایا کہ دامن پھیلاؤ، انھون نے پھیلایا، آپ نے اس مین ہاتھ ڈالا، پھر فرمایا کہ اب اس کو سمیٹ لو: حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ میں نے ایسا ہی کیا، تب سے پھر میں کوئی بات نہ بھولا[2]،

بیمار کا تندرست ہونا حضرت عثمان بن ابی العاص کا واقعہ ہے کہ وہ ایک دفعہ سخت بیمار ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُن کی عیادت کو تشریف لے گئے، تو فرمایا کہ "یہ دعا سات دفعہ پڑھو اور ہاتھ بدن پر پھیرو" حضرت عثمانؓ کہتے ہیں کہ میں نے ایسا کیا تو خدا نے میری بیماری دور کر دی اور اب میں اپنے عزیزون اور دوستون کو بھی یہ دعا بتایا کرتا ہوں[3]،

ایک بار حضرت علیؓ اس قدر بیمار ہوئے کہ موت کی دعا کرنے لگے، آپ کا گذر ہوا تو انھو نے اس پر تنبیہ کی، اور دعا فرمائی، پھر اُن کو اس مرض کی تکلیف محسوس نہ ہوئی[4]،

ایک جلے ہوئے بچے کا اچھا ہونا محمد بن حاطبؓ ایک صحابی ہین وہ جب بچہ تھے تو اپنی ماں کی گود سے گر کر آگ میں گر پڑے، اور کچھ جل گئے، اُن کی ماں اُن کو لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] سنن ابن ماجہ باب الفزع والارق [2] صحیح بخاری باب علامات النبوۃ [3] جامع ترمذی کتاب الطب،
[4] جامع ترمذی ابواب الدعوات، بروایت حسن وصحیح حاکم فی المستدرک،

کی خدمت میں آئیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا لعابِ دہن اُن پر ملا، اور دعا پڑھ کر دو کیا، طیالسی اور ابنِ حنبل میں اسی قدر ہے، مگر امام بخاری نے تاریخ میں بہ سند بیان کیا ہے کہ محمد بن حاطب کی ماں کہتی تھیں کہ بچہ کو لے کر میں وہاں سے اٹھنے بھی نہیں پائی تھی کہ بچہ کا زخم چنگا ہو گیا،[1]

جنون دور ہونا ایک شخص نے آکر درخواست کی کہ یا رسول اللہ! میرا بھائی بیمار ہے، دعا کیجئے پوچھا کیا بیمار ہے؟ عرض کی اس پر جنون کا اثر ہے، فرمایا اس کو لے آؤ، وہ آیا تو آپ نے قرآن مجید کی متعدد سورتیں پڑھ کر جھاڑ دیا، وہ کھڑا ہوا تو اس پر جنون کا کوئی اثر نہ تھا،[2]

---

[1] مسند ابو داؤد طیالسی صفحہ ۱۶۵، مسند ابنِ حنبل جلد ۴ ص ۲۵۹، تاریخ بخاری کی روایت ابن عبد البر نے بہ سند استیعاب (ترجمۂ محمد بن حاطب میں) اور سیوطی نے خصائص کبری جلد ۲ صفحہ ۶۹ میں نقل کی ہے [2] سنن ابن ماجہ باب الفزع والارق، اس روایت کے سلسلۂ سند میں ابو خباب ایک راوی ہیں جن پر تدلیس کا الزام ہے، مگر اس روایت میں تو تدلیس کا کوئی اثر نہیں معلوم ہوتا، واللہ اعلم،

استجابتِ دعا

منجملہ دیگر علامتوں کے اللہ کی بارگاہ میں دعاؤن کا قبول ہونا بھی ایک بڑی علامت ہے جس سے نیک اور مقبول بندون کی پہچان اور شناخت ہوتی ہے، انبیائے الٰہی سے بڑھکر خدا کے نیک اور مقبول بندے اور کون ہوسکتے ہین، اسی لئے اللہ تعالیٰ اُن کی دعاؤن کو شرفِ اجابت بخشتا ہے اور اُن کی نداؤن کو جو دل کے اندر سے نکلتی ہیں اسمعِ قبول سے سنتا ہے، حضرت آدمؑ نے ندامت کے ساتھ خدا کو پکارا تو اُس نے اُن کو معاف کردیا، حضرت نوحؑ نے طوفانی عذاب کی درخواست کی تو پوری ہوئی، حضرت ابراہیمؑ نے اپنی اولاد کے لئے نبوت اور برکت کی دعا کی تو قبول ہوئی، حضرت یونسؑ نے سمندر کی تہ میں سے خدا کو پکارا تو اُس نے سُنا، حضرت زکریاؑ نے خانوادۂ نبوت کے لئے ایک وارث مانگا تو دیا گیا،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بارگاہِ الٰہی مین دعائین مانگیں، حاجت مندیون میں اس کے آگے ہاتھ پھیلائے، تنہائیون میں اس کی رفاقت چاہی، بیکسیون میں اس کی نصرت مانگی، فقر و فاقہ مین اُس کے خزانۂ غیب سے مدد طلب کی، حق کی اشاعت میں اس کی اعانت کی درخواست کی، نیک بندوں کے حق میں اپنے آپ کو اس کے سامنے شفیع بنایا، شریرون کے دفعِ شر کیلئے اس کی غیبی امداد کا سہارا ڈھونڈھا، اور اُن میں سے ہر موقع پر آپ کے لئے قبول و اجابت کا دروازہ کھولا گیا،

مسند احمد میں حضرت حذیفہؓ سے مروی ہے کہ آپ جب کبھی کسی کے حق میں دعا فرماتے تھے، تو وہ نہ صرف اُسی کے بلکہ اُس کی اولاد در اولاد کے حق میں مستجاب ہوتی تھی[1] صحیح مسلم میں ہے کہ جب کسی کے متعلق آپ رحمہ اللہ یعنی خدا اس پر رحمت کرے، فرماتے تھے، تو صحابہؓ سمجھ جاتے تھے کہ اس کو شہادت نصیب ہوگی[2] چنانچہ ایسا ہی ہوتا تھا، یہاں تک کہ وہ بھی جو آپ کی دعوتِ حق کے سخت منکر تھے، اس امر کا دل سے یقین رکھتے تھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا دن میں حیرتناک تاثیر ہے، مکہ میں جب قحط پڑا تو ابوسفیان نے بھی بحالتِ کفر اسی آستانہ پر حاضر ہو کر دعائے رحمت کی درخواست کی[3] ابوجہل وغیرہ رؤسائے قریش کے حق میں جو آپ کی نماز میں خلل انداز ہوئے تھے، جب آپ نے بددعا کی تو وہ خوف سے کانپ اُٹھے[4] یہ واقعات بتفصیل پہلے گذر چکے ہیں، اس لئے یہاں موضوعِ سخن کی تقریب سے اختصار پر اکتفا کی جاتی ہے۔

قریش پر عذاب آنا اور اس کا دور ہونا

قریش نے جب اسلام کی سخت مخالفت کی، تو خدا نے اُن پر قحط کا عذاب بھیجا، اہل مکہ سخت مصیبت میں مبتلا ہوئے، بالآخر سوا اس کے کوئی چارہ نظر نہ آیا کہ اسی رحمتِ عالم کی بارگاہ کی طرف رجوع کریں، قریش کے بعض رئیسوں نے خدمتِ نبوی میں جاکر عرض کی کہ اے محمدؐ! تمہاری قوم برباد ہوگئی، خدا سے دعا کرو کہ وہ اس مصیبت سے اس کو نجات دے، رحمتِ عالم نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے، دعا قبول ہوئی خوب پانی برسا اور اہل مکہ کو قحط کے عذاب سے نجات ملی[5]

---

[1] مسند احمد بروایت حضرت حذیفہؓ [2] صحیح مسلم باب غزوۂ خیبر [3] صحیح بخاری و صحیح مسلم تفسیر سورۂ دخان وغیرہ [4] صحیح بخاری آخر کتاب الوضوء و صحیح مسلم باب ما لقی النبی صلی اللہ علیہ وسلم من اذی المشرکین [5] صحیح بخاری تفسیر

رؤسائے قریش کے حق میں بددعا

آپ ایک دفعہ صحن حرم میں نماز پڑھ رہے تھے کہ بعض رؤسائے قریش نے عین حالتِ نماز میں آپ کی گردنِ مبارک پر نجاست ڈال دی، حضرت فاطمہؓ نے آکر جب یہ نجاست ہٹائی، اور آپؐ نے سجدہ سے سر اٹھایا تو نام بہ نام دعا مانگی کہ "خداوندا! اُن کو تو پکڑ" چنانچہ سب کے سب بدر کی لڑائی میں مارے گئے[1]

حضرت عمرؓ کا اسلام

ایک طرف قریش کے سربرآوردہ اصحاب اسلام اور داعی اسلامؐ کی عداوت اور دشمنی کی کوششوں میں مصروف تھے، اور دوسری طرف داعیِ اسلامؐ اُن کی ہدایت و رہنمائی کے پُرمحبت ولولوں سے معمور تھا، ابوجہل و عمر کہ دونوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دشمنی میں سب سے زیادہ سخت اور مستقل تھے، اُن ہی کی ہدایت کا پُرشوق ارمان آپ کے قلبِ مبارک میں سب سے زیادہ تھا، جب تبلیغ و دعوت کے دوسرے حربے اُن پر کامیاب نہ ہوئے، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سب سے کارگر حربہ کو اُن کے مقابلہ میں استعمال کیا، جس کے وار کی کوئی روک نہیں ہو سکتی تھی، آپ نے دعا فرمائی کہ "خداوندا! ابوجہل و عمر بن خطاب میں سے جو تیرے نزدیک زیادہ محبوب ہو، اُس سے اسلام کو معزز کر" ابنِ ماجہ اور حاکم میں حضرت عائشہؓ سے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۳۳) سندرہ و خانا و صلوٰۃ انا استغفار لہ صحیح بخاری غزوۂ بدر میں جامع ترمذی مناقب عمر میں روایت ابن عمر حدیث حسن غریب ترمذی کے اسی باب میں اسی مضمون کی ایک اور روایت حضرت ابن عباسؓ سے بھی مروی ہے جو اس میں اسقدر اضافہ ہے کہ اس دعا کے دوسرے ہی دن حضرت عمر مسلمان ہو گئے مگر اس روایت میں ایک راوی قابلِ اعتراض ہے، ترمذی کے علاوہ یہ روایت ابن سعد میں تین مختلف سلسلوں سے مسند حسن مذکور ہے (جلد ۳ حصہ اول ص ۱۹۰) حافظ ابن حجر نے اصابہ (ترجمہ عمر) میں لکھا ہے کہ یہ روایت مسند ابو یعلی اور عبد بن حمید وغیرہ میں بھی ہے، خصائص سیوطی میں ہے کہ یہ روایت حاکم، طبرانی، ابن ماجہ اور صحیح ابنِ حبان میں بھی ہے۔

روایت ہے کہ آپ نے حضرت عمرؓ کا نام لیا تھا، اس دعا کو ابھی چند روز بھی نہین گذرے تھے کہ حضرت عمرؓ اسلام کے حلقہ بگوش ہوگئے، کارسازِ قدرت نے اس دعا کے قبول و تاثیر کا سامان کیونکر پیدا کیا؟ روایتوں میں اس کی تفصیل میں کچھ اختلاف ہے، استاذ مرحوم نے سیرت کی پہلی جلد میں حضرت عمرؓ کے اسلام کا واقعہ جس طرح لکھا ہے، وہ حرف حرف الفاروق کی نقل ہے، اس مین مذکور ہے کہ حضرت عمرؓ نے اپنی بہن سے لے کر جو سورہ پڑھی، اور جس سے متاثر ہوکر وہ مسلمان ہوئے، وہ "سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ" یعنی سورۂ حدید تھی، اس میں شک نہیں کہ بزار، طبرانی، بیہقی، اور ابونعیم میں یہ روایت بھی ہے، لیکن صدرجہ کمزور ہے، علاوہ ازین حضرت عمرؓ کا اسلام مکہ کا واقعہ ہے، اور سورۂ حدید مدنی ہے، اس کو حضرت عمرؓ اُس وقت کیونکر پڑھ سکتے تھے، استاذ مرحوم نے الفاروق مین یہ واقعہ کتب رجال و تاریخ کے حوالہ سے نقل کیا ہے، لیکن حدیث و سیر کی صحیح روایتوں میں یہ واقعہ دو صورتون سے مذکور ہوا ہے، ایک تو وہی مشہور صورت ہے، کہ حضرت عمرؓ تلوار کمر سے لگاکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کے ارادہ سے نکلے تھے کہ راہ مین ایک مسلمان سے ملاقات ہوگئی، اس نے حضرت عمرؓ کے ارادہ کا حال سُن کر کہا کہ پہلے اپنے گھر کی تو خبر لو، تمہاری بہن اور بہنوئی اس نئے دین مین داخل ہوچکے ہین، حضرت عمرؓ غصہ مین اپنی بہن کے گھر گئے، اور مار پیٹ کی، بالآخر انھون نے قرآن کی ایک سورہ بہن سے لے کر پڑھی، اور وہ سورۂ طٰہٰ تھی، اور جب اس آیت پر پہونچے،

اِنَّنِيْ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِيْ — میں ہون خدا کوئی خدا نہین لیکن میں تو مجھ کو

وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکْرِیْ، (طٰہٰ) پوجو، اور میری یاد کے لئے نماز کھڑی کرو،

تو یہ اثر ہوا کہ دل سے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ پکار اٹھے اور درِ اقدس پر حاضری کی درخواست کی، یہ روایت بسند ابن سعد، ابو یعلی، دارقطنی، حاکم اور بیہقی میں حضرت انس بن مالکؓ سے مروی ہے، لیکن یہ سند درجہ کمزور ہے، یہ دو طریقوں سے مروی ہے، اور اُن دونوں میں ایسے رواۃ ہیں جو قبول کے لائق نہیں، اور محدثین نے اس کی تصریح کی ہے،

دوسری روایت مسند ابن حنبل میں[۲] خود حضرت عمرؓ سے ہے، وہ کہتے ہیں کہ ایک شب میں

---

[۱] طبع اوّل میں ہم نے اس واقعہ کو لکھا تھا کہ وہ "بسند صحیح" مذکور ہے مگر تحقیق سے یہ واقعہ اس رتبہ صحیح کا نہیں ثابت ہوا"
دارقطنی نے اس روایت کو مختصراً لکھ کر کہا ہے کہ اس کا ایک راوی قاسم بن عثمان بصری قوی نہیں،
(باب طہارۃ للقرآن) ذہبی نے مستدرک حاکم (جلد ۴ صفحہ ۵۹) کے استدراک میں لکھا ہے کہ یہ روایت واہی اور منقطع ہے، اور میزان الاعتدال میں قاسم بن عثمان بصری کے حال میں جو اس روایت کا ایک راوی ہے لکھا ہے اس نے حضرت عمرؓ کے اسلام کا پورا قصہ بیان کیا ہے وہی منکر بتہ جداً اور وہ نہایت ہی منکر ہے، کنز العمال (فضائل عمر بن الخطاب) میں بھی اس روایت کی کمزوری ظاہر کی گئی ہے، ان روایتوں کے مشترک راوی اسحاق بن یوسف، قاسم بن عثمان اور اسحاق بن ابراہیم الحسینی اور اسامہ بن زید بن اسلم ہیں، اور یہ سب پایہ اعتبار سے ساقط ہیں لیکن باایں ہمہ کہ یہ روایت اپنی سند کے لحاظ سے نہایت کمزور ہے، تاہم اس میں جو واقعات بیان ہوئے ہیں، اُن میں سے متعدد ٹکڑوں کی صحیح روایتوں سے تائید ملتی ہے، مثلاً حضرت عمرؓ کا اپنی بہن اور بہنوئی کو اُن کے مسلمان ہو جانے پر آزار دینا۔ (بخاری: اسلام سعیدؓ بن زید) اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت عمرؓ کے اسلام کے لئے دعائے خیر کرنا (ترمذی و حاکم) اور متعدد طریقوں سے ایک واقعہ کا ذکر ہونا گو وہ سب ضعیف ہی کیوں نہ ہوں کچھ نہ کچھ اصلیت کا پتہ دیتا ہے، اس لئے ہم نے اس واقعہ کو تسلیم کیا ہے،

[۲] جلد اوّل ص ۱۱، اس روایت کے تمام راوی ثقہ ہیں لیکن ابتدائی راوی کی ملاقات حضرت عمرؓ سے ثابت نہیں اس لئے اس میں انقطاع ہے لیکن حضرت عمرؓ کے اسلام کے بارہ میں سب سے محفوظ روایت یہی ہے،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پھیرنے کو نکلا آپ بڑھ کر مسجد حرام میں داخل ہو گئے اور نماز شروع کر دی، اس وقت آپ نے سورۂ الحاقہ قرأت فرمائی، میں کھڑا سنتا رہا۔ اور قرآن کے نظم اور اسلوب سے حیرت میں تھا، دل میں کہا۔ خدا کی قسم یہ شاعر ہے، جیسا قریش کہا کرتے ہیں، ابھی یہ خیال تھا ہی کہ آپ نے یہ آیت پڑھی،

اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ۙ وَّمَا	یہ ایک بزرگ قاصد کا کلام ہے، اور یہ
هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ ۭ قَلِيْلًا مَّا	کسی شاعر کا کلام نہیں، تم بہت کم ایمان
تُؤْمِنُوْنَ ۙ (الحاقہ-۲)	رکھتے ہو،

میں نے کہا یہ تو کاہن ہی میرے دل کی بات جان گیا کہ اس کے بعد ہی یہ آیت پڑھی۔

وَلَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ ۭ قَلِيْلًا	یہ کاہن کا کلام بھی نہیں، تم بہت کم
مَّا تَذَكَّرُوْنَ ۝ تَنْزِيْلٌ مِّنْ	نصیحت پکڑتے ہو، یہ تو جہانوں کے
رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ، (الحاقہ-۲)	پروردگار کی طرف سے اترا ہے،

آپ نے یہ سورہ آخر تک پڑھی۔ اور اس کو سن کر اسلام میرے دل میں پوری طرح گھر کر گیا۔

ابن اسحاق نے ان دونوں روایتوں کو بہت کچھ گھٹا بڑھا کر بغیر کسی سند کے اپنی سیرت میں لکھا ہے، اس لئے وہ اس باب میں سند کے قابل نہیں، حافظ ابن حجر نے اصابہ میں یہ دونوں روایتیں لکھ کر چھوڑ دی ہیں، اور یہ فیصلہ نہیں کیا ہے کہ ان دونوں واقعوں میں سے مرجح کون ہے؟ اور اگر دونوں قابل قبول ہیں، تو اُن کی ترتیب کیا ہے؟ میرا خیال

یہ ہے کہ اگر یہ دونوں واقعے صحیح ہیں، تو اُن کی ترتیب یہ ہے کہ پہلے حضرت عمرؓ نے آپ کو نمازمیں سورۂ الحاقہ پڑھتے سُنا، اور اس سے اُن کو اسلام کی طرف میلان ہوا، جیسا کہ اُن کے اُس فقرہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ فوقع الاسلام فی قلبی کل موقع یعنی اسلام میرے دل میں پوری طرح بیٹھ گیا، تاہم چونکہ وہ طبعاً مستقل اور پختہ کار تھے، اس لئے اپنے اسلام کا انھوں نے اعلان نہیں کیا بلکہ اس اثر کو وہ شاید روکتے رہے۔ لیکن اس کے بعد جب اُن کی بہن کا واقعہ پیش آیا اور سورۂ طٰہٰ پر نظر پڑی تو پھر دل پر قابو نہ رہا، اور جوشِ حق کا چشمہ اُن کی زبان و دل سے بے اختیار اُبل پڑا، اور فوراً دارِ ارقم میں پہنچ کر حاضری کی درخواست پیش کی۔ حضرت انسؓ کی اس روایت میں ہے کہ جب حضرت عمرؓ نے اپنا یہ شوق ظاہر کیا، حضرت خبابؓ جو حضرت عمرؓ کی بہن اور بہنوئی کو سورۂ مذکور کی تعلیم دے رہے تھے، اور حضرت عمرؓ کی آواز سُن کر گھر میں چھپ گئے تھے، بے تامل نکل کر سامنے آگئے، اور بشارت دی کہ اے عمرؓ! تو مبارک ہو! کہ جمعرات کی رات کو تمہارے حق میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو دعا کی تھی، شاید اُس کے پورے ہونے کا دن آگیا، حضورؐ نے دعا فرمائی تھی کہ خداوندا! عمر بن خطاب یا عمر بن ہشام (ابوجہل) سے اسلام کو عزت دے۔

غور کرو کہ یہ دعائے نبویؐ کس طرح حرف بہ حرف پوری ہوئی، نہ صرف یہ کہ حضرت عمرؓ نے اسلام قبول کیا، بلکہ اُن کی ذات سے اسلام کو وہ عزت نصیب ہوئی جس کا ساڑھے تیرہ سو برس کے بعد بھی دنیا کو اعتراف ہے، عبداللہ بن مسعودؓ گواہی دیتے ہیں کہ ما زلنا اعزۃ منذ اسلم عمرؓ، حضرت عمرؓ جب اسلام لائے، ہم مسلمانوں کو عزت اور قوت حاصل ہو گئی۔ اسلام

کی اس عزت کو اگر سوائح فاروقی کے کارنامون میں تلاش کرو، تو دعاے نبوی کے قبول و اجابت کا پُر حیرت سمان نگاہوں کے سامنے گذر جائے گا۔

سراقہ کے گھوڑے کے پاؤن کا دھنس جانا

جب آپ ہجرت کی غرض سے مدینہ کو روانہ ہوئے تو کفار کے جاسوسوں[1] میں سراقہ نے آپ کا پیچھا کیا، اور آپ سے اس قدر قریب آگیا کہ حضرت ابوبکرؓ گھبرا کے بول اٹھے کہ "ہم آئے گئے" آپ نے اُن کی دل دہی کی، اور دعا فرمائی جس کے اثر سے اُس کے گھوڑے کے پانون زمین میں دھنس گئے، سراقہ نے یہ حالت دیکھ کر کہا کہ تم دونون نے مجھ بددعا دی، اب دعا کرو تو مین تمام لوگون کو تمھارے تعاقب سے واپس لیجاؤن آپنے اُس کے لئے دعا فرمائی، اور اُس نے اس مصیبت سے نجات پائی، وہان سے واپس آیا تو تمام تعاقب کرنے والون کو واپس لے گیا[2]"

مدینہ کی آب و ہوا کے لیے دعا

مدینہ کی آب و ہوا اچھی نہ تھی، وبا کا بھی اثر تھا، اکثر مہاجرین یہاں آکر بیمار پڑ گئے، اس حالت میں لوگون کو بار بار اپنا وطن مکہ یاد آنے لگا[3]، یہ دیکھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی کہ "الٰہی! مدینہ کو بھی ہمارے لئے ویسا ہی محبوب کردے، جیسا کہ ہم کو مکہ محبوب ہی، بلکہ اس سے بھی زیادہ محبوب بنادے، الٰہی! ہمارے صاع اور مد میں برکت دے، اور اس کو ہمارے لئے صحت بخش بنادے، اور یہاں کا بخار جحفہ میں منتقل کردے[4]" یہ دعا حرف بہ حرف قبول ہوئی، مہاجرین کو اس شہر سے جو محبت ہوگئی

---

[1] بخاری باب علامات النبوۃ [2] صحیح بخاری باب الہجرۃ و صحیح مسلم باب الترغیب فی سکنی المدینۃ و باب صیانۃ المدینہ، [3] صحیح بخاری باب السحر و صحیح مسلم باب الترغیب فی سکنی المدینۃ:

وہ اُن کی زندگی کے واقعات سے ظاہر ہے، وہی ابوبکرؓ و بلالؓ جو چند روز میں یہاں سے گھبرا اُٹھے تھے، اُس کے ایسے والہ و شیدا ہوئے کہ پھر مکہ کا نام بھی نہیں لیا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہاں سے وبا کا دور ہونا خواب میں دکھایا گیا[1]،

قحط کا دور ہونا اور پانی کا برسنا

ہجرت سے پہلے کہ مین جب قحط پڑا تھا تو مسلمانوں نے نہین، کافرون نے جاکر آپؐ سے درخواست کی کہ دعا کیجئے آپنے نے دعا فرمائی تو پانی برسا[2]، حضرت ابوطالب عمِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شاید اسی منظر کو دیکھ کر آپ کی مدح میں یہ شعر کہا تھا،

وَاَبْیَضُ یُسْتَسْقَی الْغَمَامُ بِوَجْهِهٖ ثِمَالُ الْیَتَامٰی عِصْمَةٌ لِّلْاَرَامِلِ

محمدؐ گورے رنگ والا ہے اُس کے چہرہ کے وسیلہ سے ابر باران کی سیرابی مانگی جاتی ہی یتیموں کی جا پناہ اور بیواؤں کا بچاؤ ہی

حضرت ابن عمرؓ کہتے ہین کہ آپ جب پانی برسنے کی دعا مانگتے، تو میں آپکے چہرۂ مبارک کو تکتا رہتا، وہ ابوطالب کا یہ شعر یاد آتا، آپ دعا مانگ کر منبر سے اُترنے بھی نہیں پاتے تھے کہ مدینہ کا ہر پرنالہ زور شور سے بہنے لگتا[3]، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کے متعدد واقعے حضرت ابن عمرؓ کے سامنے گذرے تھے، حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت مین جب قحط پڑا تو حضرت عمرؓ نے دعا مانگی، کہ خداوندا! ہم اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی مین اس کو وسیلہ بنا کر تیرے سامنے پیش کرتے تھے، تو تو ہم کو سیراب کرتا تھا[4]،

---

[1] صحیح بخاری کتاب التعبیر [2] صحیح بخاری ابواب الاستسقاء [3] صحیح بخاری و ابن ماجہ ابواب الاستسقاء

[4] صحیح بخاری ابواب الاستسقاء

ایک دفعہ مدینہ میں خشک سالی ہوئی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کو لیکر نکلے اور کھڑے ہوکر بارگاہِ الٰہی میں دونوں ہاتھوں کو پھیلاکر دعا مانگی، پھر قبلہ رخ ہوکر چادر الٹی، اور دو رکعت نماز پڑھی، ابر آیا، پانی برسا اور لوگ سیراب ہوئے[1]۔

دعاے نبویؐ سے پانی برسنے کا سب سے حیرت انگیز لیکن مستند تر واقعہ حسبِ ذیل ہے، جو متعدد طریقوں اور سلسلوں سے احادیث میں مذکور ہے، واقعہ یہ ہے کہ ایک بار مدینہ اور اطرافِ مدینہ میں قحط پڑا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے کہ اسی حالت میں ایک شخص نے کہا "یا رسول اللہ مویشی ہلاک ہوگئے، لوگ بھوکوں مرگئے، خدا سے دعا فرمایئے کہ ہم کو سیراب کرے"۔ آپ نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے، یہ اثر ہوا کہ پہلے تو آسمان آئینہ کی طرح صاف تھا، اور اب ایک آندھی چلی، بادل امنڈ آئے، اور آسمان کا دہانہ کھل گیا، لوگ مسجد سے نکلے تو پانی میں بھیگتے ہوئے مکان تک پہنچے، ایک ہفتہ متصل پانی برستا رہا، یہانتک کہ لوگ گھبرا اٹھے اور دوسرے جمعہ کو اسی آدمی نے یا کسی اور نے کہا "یا رسول اللہ مکانات گر گئے، دعا کیجئے کہ خدا پانی کو روک لے"۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے اور دعا فرمائی، بادل پھٹ گئے، اور مدینہ تاج کی طرح چمک اٹھا[2]۔

ابن ماجہ باب الاستسقاء میں اس قسم کے دو واقعے اور لکھے ہیں، اگر وہ اس واقعہ سے الگ ہیں تو اس قسم کے دو واقعوں کا اور اضافہ ہوجاتا ہے۔

---

[1] بخاری، مسلم، ترمذی وغیرہ ابواب الاستسقاء [2] صحیح بخاری باب علامات النبوۃ وابواب الاستسقاء وصحیح مسلم باب صلوٰۃ الاستسقاء بطرق متعددۃ۔

حضرت انسؓ کے حق میں دعاے برکت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف لائے تو حضرت انسؓ کی والدہ ان کو چادر میں لپیٹ کر لائیں اور آپؐ کی خدمت میں بطور خادم کے پیش کیا، اور ان کے لیے دعا، کی درخواست کی، آپؐ نے ترقی مال و اولاد کی دعا دی، حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ "آج اس دعا کی برکت سے میرے پاس بکثرت دولت ہے، اور میرے لڑکوں اور پوتوں کی تعداد سو کے قریب پہنچ گئی ہے"[1]۔ اس دعا کا یہ اثر تھا کہ حضرت انسؓ ابن مالک کا ایک باغ تھا جو سال میں دو بار پھل لاتا تھا، اور اس میں ایک پھول کا درخت تھا جس سے مشک کی بو آتی تھی[2]،

حضرت ابن عباسؓ کے حق میں دعائے علم

ایک بار آپ قضاے حاجت کے لیے گئے، حضرت عبداللہؓ ابن عباسؓ نے پہلے ہی سے وضو کا پانی بھر کے رکھ دیا، آپؐ نے ان کو تفقہ فی الدین کی دعا دی[3]، چنانچہ ان کو یہ درجہ حاصل ہوا کہ انھوں نے حبر الامۃ کا خطاب پایا،

حضرت ام حرامؓ کے حق میں دعائے شہادت

ایک روز آپ ام حرامؓ کے مکان پر تشریف لے گئے، انھوں نے آپ کو کھانا کھلایا، اور سر سے جوئیں نکالنے لگیں، اسی حالت میں آپ کو نیند آگئی، پھر ہنستے ہوئے بیدار ہوئے، تو ام حرامؓ نے ہنسی کی وجہ پوچھی، آپؐ نے فرمایا میری امت میں سے مجاہدین کا ایک گروہ میرے سامنے پیش کیا گیا، جو بغرض جہاد دریا میں اس طرح سوار ہو کر چلے گا جس طرح تخت پر بادشاہ"۔ ام حرامؓ نے درخواست کی کہ خدا سے دعا فرمائیے کہ میں بھی انھی میں سے ہوں چنانچہ آپؐ نے دعا فرمائی اور امیر معاویہؓ کے زمانہ میں ان کو بحری جنگ کا شرف حاصل ہوا

---

[1] مسلم فضائل انس بن مالک [2] ترمذی مناقب انس [3] مسلم فضائل عبداللہ بن عباسؓ۔

اور دریا سے نکل کر خشکی میں آئیں تو سواری سے گر کر درجۂ شہادت حاصل کیا۔[1]

ایک نوجوان کی ہدایت کے لیے دعاء

حضرت ابو امامہ باہلیؓ صحابی بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن اصحاب کے حلقہ میں تشریف فرما تھے، ایک نوجوان نے آکر کہا کہ یا رسول اللہ مجھے زنا کی اجازت دیجئے، یہ سن کر چاروں طرف سے اس پر لوگوں نے ملامت شروع کی، آپ نے روکا، پھر اس نوجوان کو اپنے پاس بلا کر بٹھایا اور دلدہی سے پوچھا کہ "تم اس فعل کو اپنی ماں کے لیے پسند کروگے؟" عرض کی "آپ پر قربان، نہیں یا رسول اللہ! فرمایا "تو اور لوگ بھی اپنی ماؤں کے لیے نہیں پسند کریں گے"۔ "تو کیا تم اپنی بیٹی کے لیے یہ پسند کروگے؟" عرض کی نہیں یا رسول اللہ! فرمایا" تو اور لوگ بھی اپنی بیٹیوں کے لیے اسکو پسند نہ کریں گے"۔ "تو کیا اپنی بہن کے لیے یہ پسند کروگے"۔ گذارش کی "نہیں یا رسول اللہ! فرمایا" تو اور لوگ بھی اپنی بہنوں کے لیے یہ پسند نہ کریں گے"۔ پھر اسی طرح خالہ اور پھوپھی کے متعلق آپ نے پوچھا، اس نے وہی جواب دیا۔ اور آپ بھی اسی طرح فرماتے گئے۔ اس کے بعد اس پر ہاتھ رکھکر دعا کی کہ "خداوندا اس کے گناہوں کو بخش، اور اس کے دل کو پاک اور اس کو عصمت عطا کر"۔ ابو امامہؓ کہتے ہیں کہ اس کے بعد اس نوجوان کا یہ حال تھا کہ وہ کسی کی طرف مڑکر بھی نہیں دیکھتا تھا۔[2]

حضرت سعد بن وقاص کی شفایابی کے لیے دعا

حضرت سعد بن وقاصؓ کہتے ہیں کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمرکابی میں مکہ گیا۔ اور وہاں جاکر ایسا سخت بیمار ہوا کہ مرنے کے

[1] بخاری کتاب الجہاد [2] مسند احمد جلد ۵ ص ۲۵۶ و شعب الایمان بیہقی

قریب ہو گیا، یہاں تک کہ وصیت کی تیاری کی، آپ عیادت کو تشریف لائے تو عرض کی یا رسول اللہ! میں اس سرزمین میں مرتا ہوں جس سے ہجرت کی تھی، آپ نے فرمایا "نہیں انشاء اللہ"[1] پھر تین دفعہ دعا کی کہ "الٰہی سعد کو شفا دے، سعد کو شفا دے، سعد کو شفا دے"[2] چنانچہ ان کو شفا ہوئی، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد چودہ پندرہ برس تک زندہ رہے، اور لشکر عراق کے امیر مقرر ہوئے،

حضرت سعد بن ابی وقاص کے مستجاب الدعوات ہونے کی دعا

ان ہی حضرت سعد بن وقاص کے حق میں آپ نے دعا فرمائی تھی کہ "خداوندا! ان کو مستجاب الدعوات بنا"[3] چنانچہ اس کا یہ اثر تھا کہ وہ جس کو دعا دیتے تھے وہ یقیناً قبول ہو جاتی تھی، کوفہ کی امارت کے زمانہ میں بعض شریروں نے بارگاہ فاروقی میں ان کی غلط شکایت کی، حضرت عمرؓ نے تحقیق حال کے لیے آدمی بھیجا، وہ ایک ایک مسجد میں جا کر لوگوں سے حضرت سعدؓ کے متعلق حالات دریافت کرتا پھرتا تھا، ایک محلہ کی مسجد میں ایک شخص نے جھوٹی گواہی دی کہ وہ نماز بھی ٹھیک نہیں پڑھاتے، یہ سن کر حضرت سعدؓ بے اختیار ہو گئے، فرمایا "خداوندا! اگر یہ جھوٹا ہو تو اسکو آزمایش میں ڈال"۔ اس شخص کا یہ حال ہو گیا تھا کہ بوڑھے ہو کر اس کی پلکیں لٹک آئی تھیں، تاہم بازاروں میں چھوکریوں کو چھیڑتا پھرتا تھا، اور کہتا تھا کہ سعدؓ کی بد دعا مجھے لگ گئی ہے[4] احادیث و سیر میں ان کی قبولیت دعا کے اور بھی واقعات مذکور ہیں۔

حضرت عروہؓ کے حق میں دعائے برکت

ایک بار آپ نے حضرت عروہؓ کو ایک دینار دیا کہ

---

[1] نسائی کتاب الوصیۃ [2] صحیح مسلم کتاب الوصیۃ [3] ترمذی مناقب سعد بن ابی وقاص [4] صحیح بخاری کتاب الصلوٰۃ

اس کی ایک بکری خرید لائیں، انھوں نے اس سے دو بکریاں خریدکیں، ایک کو ایک دینار پر فروخت کر ڈالا، اور آپؐ کی خدمت میں دوسری بکری اور دینار کو پیش کیا، آپ نے ان کو خرید و فروخت کے معاملات میں برکت کی دعا کی، اور اس کا یہ اثر ہوا کہ اگر وہ مٹی بھی خریدتے تھے تو اس میں نفع ہوتا تھا[1]،

ابو امامہ باہلیؓ کے حق میں دعاے سلامتی

حضرت ابو امامہؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کہیں فوج بھیج رہے تھے، میں نے حاضر ہو کر عرض کی کہ "یا رسول اللہ! میرے لیے دعا کیجئے کہ شہادت نصیب ہو"۔ فرمایا "خداوندا! ان کو سالم و غانم واپس لا"، چنانچہ ہم صحیح و سلامت مالِ غنیمت لیکر واپس آئے، پھر کہیں فوج جانے لگی، میں نے پھر وہی درخواست کی، آپ نے پھر وہی دعا دی اور پھر وہی ہوا، تیسری مرتبہ پھر یہی موقع پیش آیا، میں نے عرض کی یا رسول اللہ! میں نے دو دفعہ دعاے شہادت کی درخواست پیش کی قبول نہ ہوئی اب یہ تیسرا موقع ہے"۔ آپ نے پھر وہی دعا دی اور وہی نتیجہ تھا[2]،

حضرت ابو طلحہؓ کے حق میں برکت اولاد کی دعا

حضرت ابو طلحہؓ کی بیوی نہایت ہوشمند اور اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم پر دل سے فدا تھیں، ایک دفعہ ان کا بچہ بیمار ہوا، حضرت ابو طلحہؓ گھر سے باہر سیر کو گئے تھے کہ بچہ نے دم توڑ دیا، بیوی نے بچہ کو ایک گوشہ میں لٹا دیا، ابو طلحہؓ جب گھر واپس آئے تو بیوی سے دریافت کیا کہ بچہ کیا ہے؟ نیک بخت نے جواب دیا کہ "وہ آرام پا گیا" ابو طلحہؓ سمجھے کہ وہ اچھا ہے، دونوں میاں بیوی ایک ہی بستر پر سوئے، ابو طلحہؓ صبح کو اٹھے

---

[1] بخاری باب علامات النبوۃ [2] مسند احمد جلد ۵ ص ۲۴۸ و ابو یعلیٰ و بیہقی،

غسل کرکے مسجد نبویؐ میں نماز پڑھنے کو جانے لگے، تو بیوی نے اصل حقیقت ظاہر کی، ابوطلحہؓ نے آکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو شب کا ماجرا سنایا تو فرمایا شاید کہ خدا نے آج شب کو برکت عطا کی ہو، چنانچہ اس شب کی برکت مقررہ مہینوں کے بعد پوری ہوئی[1]، ایک انصاریؓ کہتے ہیں کہ برکت کا یہ اثر ہوا کہ میں نے ابوطلحہؓ کی نو اولادیں دیکھیں اور سب کی سب قرآن خواں تھیں[2]۔

حضرت ابوہریرہؓ کی والدہ کے حق میں دعائے ہدایت

حضرت ابوہریرہؓ کی والدہ کافرہ تھیں، ابوہریرہؓ ان کو دعوتِ اسلام دیتے تھے، لیکن وہ نہیں مانتی تھیں، ایک دن انھوں نے حسب دستور دعوتِ اسلام دی، تو انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو برا بھلا کہا، حضرت ابوہریرہؓ کو سخت تکلیف ہوئی، وہ روتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس ناگوار واقعہ کا ذکر کیا اور درخواست کی کہ میری والدہ کے لیے ہدایت کی دعا فرمائیے، آپ نے دعا کی کہ "خداوندا! ابوہریرہ کی ماں کو ہدایت نصیب کر"۔ حضرت ابوہریرہؓ کو اس دعا کے قبول ہونے کا اس درجہ یقین تھا کہ وہ خوش خوش گھر واپس آئے دیکھا کہ دروازہ بند ہے، ماں نے پانوں کی آہٹ سنی تو کہا کہ دروازے پر ٹھہرے رہو حضرت ابوہریرہؓ کو پانی گرنے کی آواز بھی محسوس ہوئی، جب وہ غسل کرکے کپڑے بدل چکیں تو دروازہ کھولا اور کلمہ شہادت پڑھا، حضرت ابوہریرہؓ خوشی کے مارے الٹے پانوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں واپس آئے اور آپ کو مژدہ سنایا، آپ نے خدا کا

---

[1] صحیح مسلم فضائل ابی طلحہؓ [2] صحیح بخاری کتاب الجنائز باب من یظهر الحزن عند المصیبة

شکر کیا اور دونوں کو دعا دی[1]،

اونٹ کا تیز ہو جانا ایک غزوہ میں حضرت جابرؓ کی سواری کا اونٹ اس قدر تھک گیا، یا بیمار ہو گیا تھا کہ تقریباً چل نہیں سکتا تھا، آپ نے دیکھا تو دعا دی، اور اب وہ اس قدر تیز ہو گیا کہ تمام اونٹوں کے آگے آگے رہتا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آگے بڑھ کر دریافت کیا کہ "اے جابر! اب کیا حال ہے" عرض کی، آپ کی دعا کی برکت قبول ہوئی[2]،

بیمار کا اچھا ہونا آپ ایک صحابی کی عیادت کو تشریف لے گئے، جو ضعف سے چور ہو گئے تھے، آپ نے فرمایا کیا تم صحت کی حالت میں خدا سے کوئی دعا کرتے تھے، انھوں نے کہا "ہاں میں خدا سے دعا کرتا تھا کہ مجھے آخرت میں جو عذاب دینا ہے وہ دنیا ہی میں دیدے" آپ نے فرمایا "سبحان اللہ! تم دنیا کے عذاب کے متحمل نہیں ہو سکتے تو تم نے یہ دعا کیوں نہیں کی،

رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً	خداوندا ہم کو دنیا و آخرت دونوں
وَّفِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا	میں بھلائی دے، اور دوزخ کے عذاب
عَذَابَ النَّارِ (بقرہ-۲۵)	سے محفوظ رکھ

اس کے بعد آپ نے درگاہ خداوندی میں دعا کی اور خدا نے ان کو شفا عطا فرمائی[3]،

سواری کی قوت آجانا حضرت جریرؓ ایک صحابی تھے، جو گھوڑے کی پیٹھ پر خم کر نہیں بیٹھ سکتے تھے

---

[1] صحیح مسلم فضائل ابی ہریرہؓ [2] بخاری کتاب الجہاد [3] صحیح مسلم کتاب الدعوات باب کراہۃ الدعاء بتعجیل العقوبۃ فی الدنیا،

ایک بار آپ نے ان کو ذی الخلیفہ کے بتخانے کے ڈھانے کے لیے بھیجنا چاہا، انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے گھوڑے پر جم کر نہ بیٹھنے کی شکایت کی، آپ نے ان کے سینہ پر ہاتھ مارا، اور دعا دی کہ "خداوندا! اس کو گھوڑے پر بیٹھنے کی قوت دے اور اس کو ہادی و مہدی بنا۔" چنانچہ وہ گئے اور اس میں آگ لگا کر آئے۔[1]

ایک معذور کا ہاتھ شل ہو جانا آپ کے سامنے ایک شخص نے بائیں ہاتھ سے کھانا شروع کیا، آپ نے فرمایا "دائیں ہاتھ سے کھاؤ، اس نے عذر سے کہا "میں اس سے کھا نہیں سکتا"، چونکہ اس نے عذر سے ایسا کہا تھا، آپ نے فرمایا "خدا کرے ایسا ہی ہو" چنانچہ اسکے بعد ایسا ہوا کہ وہ دائیں ہاتھ کو اٹھا کر واقعی اپنے منہ تک نہیں لے جا سکتا تھا۔[2]

قبیلۂ دوس کا مسلمان ہونا ایک بار حضرت طفیل دوسیؓ اپنے رفقاء کے ساتھ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور کہا "یا رسول اللہ دوس کے قبیلہ نے دعوتِ اسلام کے قبول کرنے سے انکار کیا، آپ اُن پر بد دعا فرمائیے لیکن رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا فرمائی،

اللھم اھد دوسا وات بھم[3] خداوندا دوس کو ہدایت دے اور ان کو لا،

بالآخر یہ دعا قبول ہوئی اور پورا قبیلہ مسلمان ہو کر حاضرِ خدمت ہوا،

رفع بے پردگی کے لیے دعا ایک حبشیہ عورت نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ "مجھے صرع کا دورہ ہوتا ہے جس سے میں بے پردہ ہو جاتی ہوں، میرے لیے دعا فرمائیے" ارشاد ہوا "اگر صبر کرنا چاہو تو تمھیں جنت نصیب ہوگی اور اگر کہو تو میں دعا کروں کہ

---

[1] صحیح مسلم فضائل جریر بن عبداللہ بجلی [2] صحیح مسلم باب آداب الطعام والشراب واحکامہا [3] صحیح بخاری قصۂ دوس (کتاب الجہاد) و مسلم فضائل غفار و اسلم وہ دس دیگر۔

خدا تم کو صحت دے اس نے کہا "میں صبر کرتی ہوں لیکن سرِ عورت کے لیے دعا فرمائیے"۔ چنانچہ آپؐ نے اس کے لیے دعا کی[1]۔

سلطنت کسریٰ کی تباہی پڑھ چکے ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوتِ اسلام کے لیے جب کسریٰ کے پاس خط بھیجا تو اس نے خط کو چاک کر کے پھینک دیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا تو آپ نے اس کو بد دعا دی کہ اس کے بھی پرزے پرزے اڑ جائیں[2]، چنانچہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں اس کی سلطنت کے پرخچے اڑ گئے۔

دعاے برکت کا اثر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ فوج کو صبح تڑکے روانہ فرماتے تھے اور تمام امت کے لیے دعا کی تھی کہ "خداوندا! میری امت کو صبح کے سویرے میں برکت دے"۔ ایک تجارت پیشہ صحابیؓ نے اس پر عمل کیا اور اپنا سامان تجارت عموماً صبح سویرے روانہ کرنا شروع کیا، چنانچہ اس دعا کی برکت ظاہر ہوئی اور وہ اتنے دولتمند ہو گئے کہ ان کو اپنی دولت کے رکھنے کو جگہ نہیں ملتی تھی[3]۔

طول عمر کی دعا ام قیسؓ ایک صحابیہ تھیں، ان کا لڑکا مر گیا، تو وہ اس قدر بدحواس ہو گئیں کہ غسل جنازہ دینے والے سے کہا کہ میرے بچے کو ٹھنڈے پانی سے غسل نہ دو ورنہ مر جائیگا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر ہوئی تو مسکرائے اور ان کو طولِ عمر کی دعا دی، چنانچہ انھوں نے تمام عورتوں سے زیادہ عمر پائی[4]۔

---

[1] صحیح مسلم باب ثواب المومن فیما یصیبہ من المرض (کتاب البر والصلۃ) [2] صحیح بخاری کتاب الجہاد [3] ابو داؤد، ترمذی، ابن ماجہ ص ۱۶۳ باب ما یرجی من البرکۃ فی السحور و مسند احمد جلد ۳ ص ۴۳۱ عن صخر الغامدی [4] نسائی کتاب الجنائز ص ۳۰۶ و ادب المفرد و امام بخاری

ایک بچہ کی ہدایت کے لیے دعاء

رافع بن سنان نے اسلام قبول کرلیا۔ لیکن بی بی نے جس کی گود میں ایک لڑکی تھی، اس سعادتِ ابدی سے انکار کیا۔ اب اختلاف مذہب کی بنا لڑکی کے بارے میں نزاع پیدا ہوئی، بارگاہ نبوت میں مقدمہ پیش ہوا، آپ نے دونوں کو الگ الگ بٹھایا۔ اور کہا کہ لڑکی کو بلاتے جاؤ۔ دونوں نے بلایا تو لڑکی ماں کی طرف بڑھی آپ نے اس حالت کو دیکھ کر دعا فرمائی کہ "خداوندا! اس کو ہدایت دے" اس کا یہ اثر ہوا کہ لڑکی کا رخ فوراً باپ کی طرف پھر گیا، یہ ابوداؤد کی روایت ہے،[1]

ابن سعد نے اسی قسم کا ایک اور واقعہ ابوسلمہ صحابیؓ کی نسبت لکھا ہے کہ وہ بچہ تھے ان کے دادا اور نانا میں سے ایک کافر اور ایک مسلمان تھا، دونوں نے بچہ کی تولیت کا دعویٰ کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا فیصلہ خود بچہ کے اختیار پر رکھ دیا، پہلے تو بچہ اپنے کافر رشتہ دار کی طرف چلا، آپ نے فرمایا "خدایا اس کو ہدایت دے" فوراً بچہ مسلمان کی طرف چلا گیا، اور فیصلہ اسی کے حق میں رہا،[2]

---

[1] ابوداؤد ص ۲۷۲ کتاب الطلاق باب اذا اسلم الابوان مع من یکون الولد [2] ابن ماجہ باب تخییر الصبی بین ابویہ میں بھی یہ روایت ہے۔

اشیاء میں اضافہ

مسلمانوں کی ابتدائی زندگی جس فقر و فاقہ میں گذری تھی، اس کا حال کتاب کے مختلف حصوں میں پڑھ چکے ہو۔ کئی کئی دن گذر جاتے تھے کہ ان کو کھانے کی کوئی چیز نہیں ملتی تھی، ایسی حالت میں اگر برکتِ الٰہی ان کو اپنا خاص مہمان نہ بنا لیتی تو ان کا کیا حشر ہوتا؟ انجیل میں ہے کہ حضرت عیسیٰؑ نے تھوڑی سی روٹی اور مچھلی سے کئی سو آدمیوں کو شکم سیر کر دیا، اور یہ ان کا بڑا معجزہ سمجھا جاتا ہے، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک اور فیضِ روحانی سے ایک دفعہ نہیں متعدد دفعہ اس قسم کے برکات ظاہر ہوئے۔

تھوڑے سے کھانے میں ستر اسی آدمیوں کا سیر ہونا

ایک دن حضرت ابو طلحہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سے محسوس کیا کہ آپ بھوک کی شدت سے ضعیف ہو رہے ہیں، گھر میں آئے۔ اور بی بی ام سلیم سے کہا کہ مجھکو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ضعیف آواز سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ بھوکے ہیں۔ تمہارے پاس کچھ کھانے کو ہے؟ انھوں نے جو کی چند روٹیاں دوپٹے میں لپیٹ کر حضرت انسؓ کے ہاتھ آپ کی خدمت میں بھیجیں۔ وہ روٹیاں لے کر آئے تو آپ صحابہؓ کے ساتھ مسجد میں تشریف فرما تھے، حضرت انس سامنے کھڑے ہوئے تو آپ نے پوچھا "کیا ابو طلحہؓ نے تمہارے ہاتھ کھانا بھیجا ہے؟" انھوں نے کہا ہاں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمام صحابہؓ کے ساتھ اٹھے۔ اور حضرت ابو طلحہ کے مکان پر تشریف لائے

حضرت انسؓ نے ان کو خبر کی تو انھوں نے بی بی سے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک جماعت کے ساتھ تشریف لائے ہیں، اور ہمارے پاس کھلانے کا کوئی سامان نہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ابو طلحہؓ کے ساتھ آئے اور ام سلمہؓ سے کہا کہ جو کچھ تمھارے پاس ہو لاؤ، انھوں نے وہی روٹیاں پیش کیں جو حضرت انسؓ کے ہاتھ بھیجی تھیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے انکو چورا کیا گیا، اور ام سلمہؓ نے گھی کا برتن اونڈیل دیا جس نے سالن کا کام دیا، لیکن ان ہی روٹیوں میں برکت ہوئی کہ آپؐ دس دس آدمیوں کو بلا بلا کے کھلاتے تھے اور وہ شکم سیر ہو ہو کے جاتے تھے، یہانتک کہ ستر اسی آدمی آسودہ ہو گئے۔[1]

چھوہارے کے ڈھیر کا بڑھ جانا حضرت جابرؓ کے والد نے اپنے اوپر یہودیوں کا قرض چھوڑ کر وفات کی، قرضداروں نے تقاضا کیا تو حضرت جابرؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ والد نے اپنے اوپر قرض چھوڑ کر انتقال کیا ہے، اور بجز کھجوروں کے میرے پاس ادا کرنے کا کوئی سامان نہیں، صرف کھجوروں کی پیداوار سے کئی برس تک یہ قرض ادا نہیں ہو سکتا، آپؐ میرے ساتھ نخلستان میں تشریف لے چلیے، تاکہ آپ کے ادب سے قرضدار مجھ پر سختی نہ کریں، آپ ان کے ساتھ تشریف لائے اور کھجوروں کا جو ڈھیر لگا ہوا تھا، اس کے گرد چکر لگا کر دعا کی، اور اسی پر بیٹھ گئے، اور فرمایا کہ اپنے اپنے قرض میں لیتے جاؤ، آپؐ کی دعا کی تاثیر سے ان ہی کھجوروں میں یہ برکت ہوئی کہ تمام قرض ادا ہو گیا، اور جس قدر کھجوریں قرضداروں کو دی گئی تھیں اتنی ہی بچ رہیں۔[2]

---

[1] صحیح بخاری باب علامات النبوۃ [2] ایضاً

کھانے میں حیرت انگیز برکت

چونکہ اصحاب صفہ بالکل محتاج تھے اور ان کی معاش کا کوئی سامان نہ تھا: اس لیے آپ نے ایک بار حکم دیا کہ جس کے پاس دو آدمیوں کے کھانے کا سامان ہو وہ اصحابِ صفہ میں سے ایک کو، اور جن کے پاس چار آدمیوں کی غذا ہو وہ دو کو اپنے ساتھ لیجائے اور کھانا کھلائے، چنانچہ اس اصول کے موافق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حصہ میں دس اور حضرت ابوبکرؓ کے حصے میں تین آدمی آئے، یہ لوگ حضرت ابوبکرؓ کے گھر میں آئے، لیکن حضرت ابوبکرؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے یہاں کھانا کھایا، اور آپ کے ساتھ عشا کی نماز پڑھی، اس لیے کسی قدر رات گذر گئی، وہ گھر میں دیر کر کے آئے تو ان کی بیوی ام رومان نے کہا کہ مہمانوں کو چھوڑ کر کہاں رہ گئے؟ انھوں نے کہا کیا تم نے ان کو کھانا نہیں کھلایا؟ وہ بولیں بغیر تمہارے ان لوگوں نے کھانے سے انکار کیا، حضرت ابوبکرؓ نہایت برہم ہوئے اور ان لوگوں کو کھلانا شروع کیا، وہ لوگ جو لقمہ اٹھاتے تھے اس میں پہلے سے بھی زیادہ اضافہ ہوتا جاتا تھا، یہاں تک کہ جب وہ لوگ شکم سیر ہو کر کھا چکے تو بچا ہوا کھانا پہلے سے بھی زیادہ نکلا، حضرت ابوبکرؓ نے اس برکت کو دیکھ کر ام رومان کی طرف مسرت سے دیکھا، اور غصہ میں اگرچہ کھانے کی قسم کھا چکے تھے لیکن قسم توڑنے کے لیے ایک لقمہ اس میں سے کھایا اور تمام کھانا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر بھیجدیا، وہ کھانا آپؐ کے گھر میں صبح تک رہا، دوسرے روز آپؐ کی خدمت میں ۱۲ آدمی آئے، جن میں سے ہر ایک کے ساتھ کئی کئی آدمی خدا جانے کتنے تھے، آپ نے وہ کھانا ان کے پاس بھیجدیا اور وہ لوگ بھی سیر ہو گئے۔[1]

[1] بخاری باب علامات النبوۃ

گھی کی مقدار میں برکت

ام مالکؓ کا دستور تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہمیشہ ایک برتن میں گھی ہدیۃً بھیجا کرتی تھیں۔ جب ان کے بچے سالن مانگتے اور گھر میں نہ ہوتا تو وہ اس برتن کو جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گھی بھیجتی تھیں، اٹھا لاتیں اور اس میں سے بقدر ضرورت گھی نکل آتا۔ ایک دن انھوں نے اس برتن کو نچوڑ لیا۔ پھر آپؐ کی خدمت میں آئیں تو آپ نے فرمایا "اگر تم نے اس کو نچوڑ نہ لیا ہوتا تو ہمیشہ اس میں سے گھی نکلا کرتا"۔[1]

جو کی مقدار میں برکت

ایک بار ایک شخص نے آپ سے غلہ مانگا۔ آپ نے تھوڑے سے جو دیدیے اس میں اس قدر برکت ہوئی کہ وہ روز اپنے لیے۔ اپنی بی بی کے لیے، اپنے مہمان کے لیے اس میں سے صرف کرتا تھا۔ اور اس میں کمی نہ ہوتی تھی۔ ایک دن اس نے اس کو تولا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپؐ نے فرمایا، اگر تم اس کو نہ تولتے تو ہمیشہ ایک حالت پر قائم رہتا۔[2]

کھانے میں حیرت انگیز اضافہ

غزوۂ احزاب میں تمام مہاجرین اور انصار خندق کھود رہے تھے حضرت جابرؓ نے دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سخت بھوکے ہیں۔ وہ اپنی بیوی کے پاس آئے اور پوچھا کہ تمہارے پاس کچھ کھانے کو ہے؟ انھوں نے ایک صاع جو نکالا، اور گھر میں ایک بکری تھی۔ حضرت جابرؓ نے اس کو ذبح کیا، اور بی بی نے آٹا گوندھا، گوشت دیگچی میں چڑھایا گیا تو حضرت جابرؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لینے کے لیے چلے، بی بی نے کہا کہ دیکھو آپ کے ساتھ لوگوں کو لا کر مجھے رسوا نہ کرنا۔ حضرت جابرؓ آئے اور چپکے سے آپ کے کان میں

---

[1] صحیح مسلم باب معجزات النبیؐ و مسند احمد عن جابرؓ [2] ایضاً

کہا کہ ہم نے کھانے کا انتظام کیا ہے۔ آپ چند اصحاب کے ساتھ تشریف لے چلئے، لیکن آپ نے تمام اہل خندق کو پکارا کہ آؤ جابر نے دعوتِ عام کی ہے۔" اور حضرت جابرؓ سے کہا کہ جب تک میں نہ آؤں چولھے سے دیگچی نہ اتاری جائے، اور روٹی نہ پکے۔" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمام لوگوں کو لیکر روانہ ہوئے، حضرت جابرؓ گھر میں آئے تو بی بی نے برا بھلا کہنا شروع کیا، انھوں نے کہا میں کیا کروں، تم نے جو کہا تھا میں نے اس کی تعمیل کر دی، آپؐ آئے، تو بی بی نے آپ کے سامنے آٹا پیش کیا۔ آپ نے اس میں اپنا لعاب دہن ملا دیا، اور برکت کی دعا دی، پھر اسی طرح دیگچی میں بھی لعاب دہن ڈالا اور دعائے برکت کی، اس کے بعد آپ نے روٹی پکانے اور سالن نکالنے کا حکم دیا، کم و بیش ایک ہزار آدمی تھے، سب کھا کر واپس گئے، لیکن گوشت اور آٹے میں کوئی کمی نہیں ہوئی۔[1]

تھوڑی سی زاد راہ میں غیر معمولی برکت

غزوۂ تبوک میں صحابہؓ کو بھوک کی اتنی تکلیف ہوئی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سواریوں تک کے ذبح کرنے کی اجازت دیدی، حضرت عمرؓ کو معلوم ہوا تو آپ کے پاس آئے اور کہا کہ اگر ایسا کیا گیا تو سواریاں کم ہو جائیں گی، آپ بچا ہوا زاد راہ سب سے طلب فرمائیں اور اس پر دعائے برکت کریں، ممکن ہے کہ خدا اس میں ان کا بھلا کر دے، آپ نے ایک چادر بچھوائی اور تمام فوج کا زاد راہ جمع کرا دیا، اور اس پر برکت کی دعا کی، پھر تمام لوگوں سے فرمایا کہ اپنے اپنے برتن بھر لیں۔ لوگوں نے تمام برتن بھر لیے اور خوب سیر ہو کر کھایا، یہانتک کہ کھانے سے بچ گیا۔[2]

---

[1] بخاری جلد ۲ ص ۵۸۹ ذکر غزوۂ خندق [2] صحیح مسلم جلد اول ص ۳۲ مصر، کتاب الایمان

تھوڑی سی زاد راہ میں عظیم برکت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک سفر میں تھے، صحابہ بھوک سے اسقدر بیتاب ہوئے کہ اونٹنیاں ذبح کرنا چاہیں، لیکن آپ نے تمام لوگوں کے زاد راہ کے جمع کرنے کا حکم دیا، ایک چادر بچھائی گئی، اور اس پر تمام زاد راہ ڈھیر کیا گیا، اس تمام سامان کی مجموعی مقدار نے صرف اسقدر زمین کا احاطہ کیا جس پر ایک بکری بیٹھ سکتی تھی اور اشخاص کی تعداد ۱۴ سو تھی، لیکن تمام لوگوں نے سیر ہو کر کھا لیا، اور اپنے اپنے توشہ دان بھر لیے، کھانے کے بعد آپ نے پانی طلب فرمایا، ایک صاحب ایک برتن میں تھوڑا سا پانی لائے، آپ نے اسکو پیالہ میں انڈیل دیا، اور ۱۴ سو آدمیوں نے اس سے وضو کیا[1]

آدھ سیر آٹے اور ایک بکری میں برکت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک سفر میں تھے، ۱۳۰ آدمیوں کی جماعت ساتھ تھی، آپ نے لوگوں سے پوچھا کہ تمہارے ساتھ کچھ کھانے کا سامان ہے؟ ایک شخص ایک صاع آٹا لایا، اور وہ گوندھا گیا، پھر ایک کافر بکریاں چراتا ہوا آیا، آپ نے اس سے ایک بکری خرید فرمائی، اور ذبح کرنے کے بعد کلیجی کے بھوننے کا حکم دیا، اور ہر شخص کو تقسیم کی، گوشت تیار ہوا تو دو پیالوں میں بھرا گیا، اور سب کے سب کھا کر آسودہ ہو گئے، اور بچ بھی گیا[2]

تھوڑے سے کھانے میں غیر معمولی برکت

حضرت انسؓ کی والدہ ام سلیمؓ نے ایک بار ایک قسم کا کھانا تیار کیا اور حضرت انسؓ کو بھیجا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بلا لائیں، وہ گئے تو آپ نے پوچھا کہ کیا میرے ساتھیوں کو بھی بلایا ہے، حضرت انسؓ نے گھر میں آکر پوچھا

---

[1] مسلم جلد ۲ ص ۱۶۱ مصر باب خلط الازواد اذا قلت [2] بخاری جلد ۲ ص ۸۱۱ کتاب الاطعمہ

تو حضرت ابو طلحہؓ نے آپ سے آکر کہا کہ وہ تو ذرا سی چیز ہے جس کو ام سلیمؓ نے تیار کیا ہے آپ تشریف لائے اور وہ کھانا سامنے رکھا گیا تو فرمایا کہ دس دس آدمیوں کو لاؤ۔ اس طرح جالیس آدمی دس دس کرکے آئے اور شکم سیر ہو کر کھایا لیکن کھانے میں کسی قسم کی کمی نہیں ہوئی۔[1]

قلیل تعداد میں کثیر برکت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت زینبؓ کے ساتھ نکاح کیا تو حضرت انسؓ کی والدہ ام سلیمؓ نے تھوڑا سا حیس (ایک قسم کا کھانا ہوتا ہے) تیار کیا اور ایک طشت میں کرکے حضرت انسؓ کے ہاتھ آپ کی خدمت میں بھیجا۔ حضرت انسؓ کھانا لے کر آئے۔ تو آپ نے بہت سے اصحاب کو مدعو کیا، تقریباً تین سو آدمی جمع ہو گئے۔ آپ نے حکم دیا کہ دس دس آدمی حلقہ باندھ کے بیٹھ جائیں، اور اپنے سامنے سے کھانا شروع کریں، تمام لوگ کھا کر آسودہ ہو گئے، لیکن اس میں اسقدر برکت ہوئی کہ حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ مجھے یہ نہ معلوم ہو سکا کہ جس وقت میں نے طشت کو اٹھایا کھانا اس وقت کھانا زیادہ تھا یا جب لوگوں کے سامنے رکھا گیا تھا۔[2]

ایک پیالہ میں حیرت انگیز برکت سمرہ بن جندبؓ کا بیان ہے کہ ہم لوگ دس دس آدمی صبح سے شام تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک پیالہ سے متصل کھاتے رہے تھے، لوگوں نے پوچھا کہ اس میں اس قدر برکت کیونکر ہوتی جاتی تھی۔ انھوں نے آسمان کی طرف اشارہ کرکے بتایا کہ "وہاں سے"[3]

---

[1] بخاری جلد ۲ صفحہ ۸۱۹ کتاب الاطعمہ [2] صحیح مسلم جلد ۱ ص ۴۵۰ مصر کتاب النکاح [3] ترمذی ۲۰۲ باب ماجاء فی آیات نبوۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم

دودھ کے پیالہ میں برکت

ایک دن حضرت ابوہریرہؓ بھوک کی شدت سے بیتاب ہو کر راستہ میں بیٹھ گئے، حضرت ابوبکرؓ کا گذر ہوا. تو ان سے قرآن مجید کی ایک آیت پوچھی، لیکن اس کا مقصد اپنی حالتِ زار کی طرف توجہ دلانا تھا. وہ گذر گئے، اور کچھ توجہ نہ کی، پھر حضرت عمرؓ گذرے، انھوں نے اسی غرض سے ان سے بھی ایک آیت پوچھی، لیکن انھوں نے بھی بے التفاتی کی، اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا گذر ہوا، اور آپ نے ان کے چہرے کو دیکھ کر اصل حقیقت معلوم کر لی، اور ان کو پکارا، حضرت ابوہریرہؓ نے لبیک کہا. اور ساتھ ہو لیے، آپ گھر میں داخل ہوئے تو دودھ کا پیالہ بھرا ہوا نظر آیا، پوچھنے سے معلوم ہوا کہ ہدیۃً آیا ہے، آپ نے حضرت ابوہریرہؓ کو حکم دیا کہ اصحاب صفہ کو بلا لائیں. حضرت ابوہریرہؓ کو یہ ناگوار گذرا کہ اس دودھ کا سب سے زیادہ مستحق تو میں تھا لیکن آپ کی تعمیلِ ارشاد سے چارہ نہ تھا. مجبوراً اصحاب صفہ کو بلالے گئے، اور سب کے سب اپنی اپنی جگہ پر بیٹھ گئے. آپ کے حکم سے حضرت ابوہریرہؓ نے سب کو پلانا شروع کیا. جب سب کے سب سیراب ہو گئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پیالہ کو ہاتھ پر رکھا اور ابوہریرہؓ کی طرف دیکھ کر مسکرائے اور کہا کہ اب صرف ہم اور تم باقی ہیں. آؤ بیٹھو اور پینا شروع کرو، آپ ان کو متصل پلاتے رہے. یہاں تک کہ وہ خود بول اٹھے کہ اب گنجائش نہیں. اس کے بعد آپ نے خود پیالہ لیا. اور جو کچھ بچ گیا تھا. بسم اللہ کہکر پی گئے.[1]

بکری کے دست میں برکت

ایک صحابی نے آپ کے لیے گوشت پکایا. چونکہ آپ کو بکری کا

[1] بخاری، جلد ۲ ص ۹۵۶ کتاب الرقاق

دست نہایت مرغوب تھا، اُنھوں نے آپؐ کو دونوں دست دیئے، جب آپ ان کو تناول فرما چکے تو پھر دست مانگا، انھوں نے کہا یا رسول اللہ! بکری کے کتنے دست ہوتے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا خدا کی قسم اگر تم خاموش رہتے تو میں جس قدر دست مانگتا تم مجھے دیتے رہتے[1]

بکری کے تھنوں میں برکت حضرت مقدادؓ سے روایت ہے کہ میں اپنے دو رفیقوں کے ساتھ سخت عسرت اور فاقہ زدگی کی حالت میں آیا، اور تمام صحابہؓ کی خدمت میں اپنے آپ کو پیش کیا لیکن کسی نے ہماری کفالت منظور نہیں کی، بالآخر ہم سب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ ہم کو گھر لے گئے، وہاں تین بکریاں بندھی ہوئی تھیں، آپ نے فرمایا کہ ان کا دودھ دوہ کر پیا کرو، چنانچہ ہم سب دودھ دوہ کے اپنا حصہ پی لیتے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حصہ رکھ دیتے تھے، آپ رات کو آتے تو پہلے ذرا آواز میں سلام کرتے، پھر مسجد میں آکر نماز پڑھتے، اس کے بعد اپنا حصہ دودھ پیتے، ایک دن جبکہ میں اپنے حصہ کا دودھ پی چکا تھا، شیطان نے مجھ کو دھوکا دیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انصار کے یہاں سے آتے ہیں، وہ آپ کی خدمت میں تحائف پیش کرتے ہیں اور آپ اُن کو تناول فرماتے ہیں، آپ کو اس دودھ کی ضرورت نہیں ہے اس کے دھوکے میں آگیا، اور تمام دودھ اٹھا کر پی گیا، جب میرے پیٹ میں گنجائش نہ رہی تو شیطان یہ کہکر چلتا ہوا کہ کمبخت تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حصہ بھی پی گیا، جب آپ

[1] شمائل ترمذی باب صفۃ ادام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

تشریف لائیں گے اور اپنے حصہ کو نہ پائیں گے تو تجھ کو بد دعا دیں گے، اور تیرا دین و دنیا سب برباد ہو جائے گا۔" چنانچہ اس ڈر سے میری آنکھوں کی نیند اڑ گئی، آپ تشریف لائے، حسب معمول سلام کیا، اور نماز پڑھی، اس کے بعد دودھ کو کھولا، تو آپ کا حصہ غائب تھا۔ آپ نے آسمان کی طرف سر اٹھایا، اور میں سمجھا کہ آپ اب مجھ پر بد دعا فرمائیں گے اور میں ہلاک ہو جاؤں گا لیکن آپ نے یہ دعا فرمائی "خداوندا! جس شخص نے مجھ کو کھلایا، اس کو کھلا، اور جس نے مجھے پلایا، اسے پلا"۔ اب میں چادر لپیٹ کے اٹھا، ہاتھ میں چھری لی کہ ان بکریوں میں جو سب سے زیادہ فربہ ہو اس کو ذبح کروں لیکن مجھے معلوم ہوا کہ ان سب کے تھنوں میں دودھ بھرا ہوا ہے اب میں نے ایک برتن کی طرف ہاتھ بڑھایا جس کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل و عیال کو یہ خیال بھی نہ آیا تھا کہ کبھی اس میں دودھ ہوگا کہ اس میں دوہا جائے گا۔ لیکن میں نے اس میں دودھ دوہا تو وہ بھر گیا، اور اوپر پھین نظر آنے لگا، میں نے دودھ کو آپ کی خدمت میں پیش کیا تو آپ نے فرمایا کیا تم اپنا حصہ پی چکے، میں نے کہا آپ پی لیجئے۔ آپ نے پی کر مجھے دودھ عنایت فرمایا، میں نے عرض کی کہ آپ نوش جان فرمائیے، آپ نے پی لیا، اور مجھے عنایت فرمایا، چنانچہ جب مجھے معلوم ہوا کہ آپ سیر ہو گئے اور آپ کی دعا کی برکت میں میں شامل ہو گیا، تو میں ہنستے ہنستے زمین پر گر پڑا اور آپ کی خدمت میں اول سے آخر تک تمام واقعہ بیان کیا، آپ نے فرمایا،

[1] صحیح مسلم جلد ۲ ص ۱۹۰، مصر باب اکرام الضیف۔

"یہ خداوند تعالیٰ کی رحمت ہے، تم نے اپنے دونوں ساتھیوں کو کیوں نہیں جگایا کہ وہ بھی پیئے، میں نے کہا کہ جب میں نے آپ کے ساتھ پی لیا تو مجھے اس کی پروا نہیں کہ کسی اور نے پیا یا نہیں،

ایک وسق جو کی برکت حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی تو کچھ وسق (ایک پیمانہ) جو کے سوا کچھ گھر میں نہ تھا، تو میں نے اسی کو کھانا شروع کیا، تو وہ ختم ہی ہونے پر نہیں آتا تھا، تو ہم نے اس کو تولا تو پھر وہ ختم ہو گیا یعنی اسکی وہ برکت جاتی رہی[1]،

توشہ دان ہمیشہ بھرا رہتا حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ مجھ پر اسلام میں تین مصیبتیں سب سے سخت پڑیں، پہلی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات، دوسری حضرت عثمانؓ کی شہادت، تیسری میرے توشہ دان کا جاتے رہنا، لوگوں نے پوچھا کیا توشہ دان؟ انھوں نے کہا آپ ایک غزوہ میں تھے، رسد ختم ہو گئی تھی، آپ نے مجھ سے دریافت فرمایا کہ ابوہریرہ کچھ تمھارے پاس ہے؟ میں نے عرض کی کہ کچھ کھجوریں ہیں، ارشاد ہوا، وہ لے آؤ، میں لایا تو آپ نے ان کو دسترخوان پر پھیلا دیا، کیس کھجوریں تھیں، آپ ایک ایک کھجور لے کر اور اس پر خدا کا نام پڑھ کر رکھتے جاتے تھے، پھر آپ نے سب کو ملا دیا، اور حکم دیا کہ دس دس آدمی آکر شریک ہوں، چنانچہ اس طرح لوگ آتے گئے اور پوری فوج سیر ہو گئی اور کچھ کھجوریں بچ گئیں، میں نے عرض کی، یا رسول اللہ! ان پر میرے لیے برکت کی دعا فرمایئے، آپ نے دعا کی، میں نے ان کو اپنے توشہ دان میں ڈال لیا، انکی برکت

[1] صحیح بخاری و مسلم

یہ تھی کہ جب میں ہاتھ ڈالتا تھا، اس میں سے کھجوریں نکل آتی تھیں، اور ۵۰ وسق تو میں نے اس میں سے راہ خدا میں خیرات کی، حضرت ابوبکرؓ اور عمرؓ کے زمانہ تک میں اس میں سے کھاتا رہا، حضرت عثمانؓ کی شہادت کے ہنگامہ میں جہاں اور چیزیں گئیں تو شہ[1] دان بھی جاتا رہا،

تھوڑی کھجوروں میں برکت

حضرت دکینؓ اور نعمان بن مقرن صحابیؓ کہتے ہیں کہ ہم لوگ چار سو چودہ آدمی خدمت نبویؐ میں ایک ساتھ حاضر ہوئے اور ہم سب نے کھانے کی درخواست کی، حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کو حکم دیا کہ ان کو کھانا کھلاؤ، انھوں نے عرض کی یا رسول اللہ میرے پاس تو اسی قدر ہے جو بال بچوں کو کافی ہو، ارشاد ہوا "جاؤ ان کو کھلا دو" عرض کی جیسا حکم ہو تعمیل میں عذر نہیں، یہ کہہ کر حضرت عمرؓ ہم کو لے کر چلے، اور ایک جگہ لاکر بٹھایا، اور جو کچھ کھجوریں تھیں، وہ سامنے لاکر رکھدیں، اور ان میں یہ برکت نظر آئی کہ ہم سب سیر ہو گئے، لیکن کھجوروں میں کمی نہیں آئی۔[2]

---

[1] مسند احمد، جامع ترمذی، ابن سعد، ابن حبان، بیہقی [2] مسند احمد عن دکین وابو داؤد وابن حبان و ابن سعد عن نعمان بن مقرن

پانی جاری ہونا

عرب کے خشک و ریگستانی ملک میں سب سے کمیاب جنس پانی کا ایک چشمہ ہی دنیا کے فاتحوں اور کشور کشاؤں کے حملوں سے یہ ملک جن اسباب کی بنا پر ہمیشہ محفوظ رہا ہے اُن میں سے ایک قوی سبب اس میں پانی کے وجود کی کمیابی بھی ہے، چنانچہ یونانیوں، رومیوں اور ایرانیوں کی ہمتیں اسی لیے اس صحرائے لق و دق میں آباد قبائل کے فتح سے قاصر رہیں غور کرو کہ اسلام کا فاتحانہ لشکر بھی اگر نبوت کے برکاتِ الٰہی کے یہ چشمے اس کے ساتھ نہ ہوتے تو اس مشکل کو وہ کبھی حل کر سکتا تھا؟

انبیائے عالم میں صرف ایک حضرت موسیٰؑ کی ذات ہے جن کے لیے ایک دفعہ چٹان کی رگیں پانی کی سوتیں بنیں، لیکن رسول عرب کے لیے مشکیزہ کا چمڑا، گوشت و پوست کی انگلیاں، خشک چشموں کے دہانے، سوکھے ہوئے کنوؤں کی سوتیں، دہانِ مبارک کی کٹیاں متعدد دفعہ پانی کا خزانہ ثابت ہوئیں،

مشکیزہ سے پانی ابلنا ایک دفعہ آپ سفر میں تھے، صبح کو آنکھ کھلی، اور آپ نے نماز پڑھانی شروع کی تو ایک صحابی جماعت سے الگ ہو گئے، آپ نے شریک جماعت نہ ہونے کی وجہ پوچھی تو انھوں نے جنابت کا عذر کیا، چونکہ پانی نہ تھا، اس لیے ان کو آپ نے تیمم کا حکم دیا، اسکے بعد آپ نے چند صحابہ کو پانی کی جستجو میں روانہ فرمایا، وہ لوگ چلے تو ایک عورت ملی جو اونٹ پر دو

مشکیزوں میں پانی لاد کر لیے جا رہی تھی، ان لوگوں نے اس چشمہ کا پتہ پوچھا تو اس نے کہا، اس جگہ پانی نہیں ہے، پھر ان لوگوں نے دریافت کیا کہ تمہارے قبیلہ اور چشمہ کے درمیان کس قدر فاصلہ ہے؟ اس نے ایک دن اور ایک رات کی مسافت بتائی، وہ لوگ اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ سے مشکیزوں کو چھو دیا، آپ کے دست مبارک کی برکت سے اس پانی کی مقدار میں اسقدر اضافہ ہو گیا کہ چالیس آدمیوں نے اس سے خوب سیراب ہو کر پانی پیا اور اپنے اپنے تمام مشکیزے اور برتن بھر لیے، اسکے بعد آپ نے کھجور اور روٹی کے ٹکڑے جمع کرا کے اس عورت کو دیے، وہ اپنے گھر آئی تو حیرت و استعجاب سے لبریز تھی، اس نے اپنے قبیلہ کے لوگوں سے کہا کہ میں نے سب سے بڑے ساحر کو یا اس کے معتقدین کے خیال میں ایک پیغمبر کو دیکھا، آخر اسی خاتون کے اثر سے یہ پورا قبیلہ مع اس عورت کے مسلمان ہو گیا۔[1]

انگلیوں سے پانی جاری ہونا ایک دن آپ مقام زوراء میں تھے، عصر کا وقت آگیا، تو صحابہ نے پانی کی جستجو شروع کی لیکن صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے پانی ملا، جب آپ کی خدمت میں پانی کا برتن پیش کیا گیا تو آپ نے اس پر اپنا ہاتھ ڈال دیا اور انگلیوں سے پانی کا فوارہ چھوٹنے لگا، یہانتک کہ تقریباً تین سو آدمیوں نے اس سے وضو کیا۔[2]

پانی کا بڑھ جانا آپ صحابہ کے ساتھ کسی سفر میں تھے، نماز کا وقت آیا تو صحابہ نے پانی تلاش کیا لیکن کہیں نہ ملا، ایک صحابی پیالہ میں تھوڑا سا پانی لائے، پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے وضو کیا، پھر پیالے پر آپ نے انگلیاں پھیلا دیں، پانی کی مقدار میں اسقدر برکت ہوئی کہ

---

[1] صحیح بخاری باب علامات النبوت [2] صحیح بخاری صحیح مسلم، جامع ترمذی، باب معجزات۔

تقریباً ستر آدمیوں کے وضو کے لیے کافی ہوا۔[1]

انگلیوں کی برکت ایک بار نماز کا وقت آیا۔ تو جن لوگوں کا گھر مسجد کے قریب تھا۔ وہ گھر کے اندر وضو کرنے کے لیے چلے گئے۔ لیکن بقیہ لوگ بے وضو رہ گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک برتن میں وضو کا پانی پیش کیا گیا۔ آپ نے اس کے اندر ہاتھ ڈالنا چاہا۔ تو اس کا دہانہ اس قدر تنگ نکلا کہ آپ کی ہتھیلیاں اس کے اندر نہ پھیل سکیں۔ اسلیے آپ نے اپنی انگلیاں اس کے اندر ڈالیں اور وہ پانی تقریباً ۸۰ آدمیوں کے وضو کے لیے کافی ہوا۔[2]

انگلیوں سے پانی کا چشمہ بہنا صلح حدیبیہ کے دن صحابہ پیاس سے بیتاب ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے صرف چمڑے کے ایک برتن میں پانی تھا۔ آپ نے اس سے وضو کرنا شروع کیا۔ تو تمام صحابہ آپ کی طرف تیزی کے ساتھ بڑھے۔ آپ نے اس بیتابی کی وجہ پوچھی۔ تو لوگوں نے کہا کہ ہماری ضروریات کے لیے صرف یہی پانی تھا۔ آپ نے اس کے اندر ہاتھ ڈال دیا۔ اور آپ کی انگلیوں کے درمیان سے چشمہ کی طرح پانی جاری ہوا۔ چودہ پندرہ سو آدمی ساتھ تھے سب نے اس سے وضو کیا اور سیراب ہو کر پانی پیا۔[3]

کلی سے پانی بڑھ جانا دوسری روایت ہے کہ صحابہ اس دن اس کنوئیں پر ٹھہرے جس کا نام حدیبیہ تھا۔ اور اس کا تمام پانی اوپچ لیا۔ یہانتک کہ کنوئیں کے اندر ایک قطرہ پانی نہ رہا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا تو کنوئیں کے کنارے بیٹھ گئے۔ اور تھوڑا سا پانی منہ میں لیکر اس میں کلی کر دی۔ تھوڑی دیر میں اسقدر ابلا کہ تمام صحابہ اور صحابہ کے تمام اونٹ سیراب ہو گئے۔[4]

---

[1] صحیح بخاری و مسلم باب معجزات و مسند احمد عن انس بخاری [2] صحیح بخاری باب معجزات [3] ایضاً [4] ایضاً

ہاتھ منہ دھونے کی برکت

غزوۂ تبوک کے سفر میں دو دو وقت کی نمازیں ایک ساتھ پڑھتے جا رہے تھے۔ ایک دن عشا اور مغرب کی نماز ایک ساتھ ادا کی۔ پھر فرمایا کل تم لوگ دوپہر کے وقت تبوک کے پاس پہنچو گے۔ لیکن جب تک میں نہ آؤں کوئی شخص اس کے پانی میں ہاتھ نہ لگائے۔ لوگ پہنچے تو نہر تسمہ کی طرح تنگ اور باریک نظر آئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے لوگوں نے پانی کو اوليچنا شروع کیا۔ پانی ایک گڈھے میں جمع ہو گیا۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں منہ ہاتھ دھوئے۔ پھر وہ پانی نہر میں ڈال دیا گیا تو وہ پانی سے ابل گئی۔[1]

انگلیوں کی برکت

آپ نے ایک سفر میں حضرت جابرؓ سے وضو کا پانی طلب فرمایا۔ انھوں نے قافلہ میں بہت ڈھونڈھا پانی نہیں ملا۔ انصار میں ایک شخص تھے جو خاص طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے پانی ٹھنڈا کر کے رکھتے تھے۔ حضرت جابرؓ نے آپ کی خدمت میں پانی نہ ملنے کی اطلاع کی۔ تو آپ نے اُن کو ان انصاری کے پاس بھیجا۔ لیکن ان کے پاس بھی اس قدر کم پانی ملا کہ اگر انڈیلا جاتا تو برتن کے خشک حصہ میں جذب ہو کر رہ جاتا۔ حضرت جابرؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر دی۔ تو آپ نے اس برتن کو منگا بھیجا۔ اور ہاتھ میں لیکر کچھ پڑھا۔ اور اس کو طشت کے اندر رکھ کے حضرت جابرؓ کو حکم دیا کہ بسم اللہ کر کے ہاتھ پر پانی گرائیں۔ حضرت جابرؓ کا بیان ہے کہ میں نے پانی ڈالنا شروع کیا تو پہلے آپ کی انگلیوں کے درمیان سے پانی ابلنا شروع ہوا۔ پھر طشت بھر گیا یہانتک کہ سب لوگ پانی پی کر سیراب ہو گئے۔ اس کے بعد آپ نے اس کے اندر سے ہاتھ نکال لیا تو طشت بھرا کا بھرا رہ گیا۔[2]

---

[1] مسلم باب معجزات النبی صلی اللہ علیہ وسلم [2] مسلم باب حدیث جابر الطویل

انگلیوں سے پانی کا جوش مارنا

حضرت جابرؓ بن عبداللہ سے روایت ہے کہ ایک بار عصر کا وقت آگیا۔ صرف تھوڑا سا بچا ہوا پانی رہ گیا تھا، آپ نے اپنی انگلیاں اس میں ڈال دیں اور ان کے اندر سے پانی جوش مارنے لگا، یہاں تک کہ ہم اسی آدمیوں نے اس سے وضو کیا اور سیراب ہوئے۔[1]

تھوڑے پانی میں کثیر برکت

ایک بار آپؐ سفر میں تھے، صبح کے وقت قافلہ سے الگ ہو کر سو گئے اور چند اشخاص سے جو ساتھ تھے کہدیا کہ نماز کا خیال رکھنا، لیکن سب کے سب سو گئے، اور سب سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہوئے، تو دن نکل چکا تھا، اب سب کے سب گھبرا کے اٹھے تو آپ نے کوچ کرنے کا حکم دیا، دن چڑھا تو آپ نے سواری سے اتر کر وضو کیا، تھوڑا سا پانی جو بچ رہا تھا، اس کی نسبت ابو قتادہؓ سے فرمایا کہ اس کو محفوظ رکھنا، اس سے ایک عظیم الشان نشان ظاہر ہوگا، جب آفتاب خوب بلند ہو چکا تو آپؐ قافلہ سے جا ملے، لوگوں نے کہا کہ یا رسول اللہ! الیاس نے ہم کو مار ڈالا، آپ نے فرمایا تم لوگ تباہ نہیں ہو سکتے، یہ کہکر اپنے وضو کا بچا ہوا پانی ابو قتادہؓ سے طلب کر کے لوگوں کو پلانا شروع کیا اور تمام لوگ سیراب ہو گئے۔

انگلیوں سے پانی اچھلنا

حبان بن یحیٰی الصدائی کا بیان ہے کہ میری قوم حالتِ کفر میں تھی مجھے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے لیے فوجی تیاریاں فرما رہے ہیں، آیا اور آپ کو اطلاع دی کہ میری قوم مسلمان ہے، پھر میں نے رات بھر آپ کے ساتھ سفر کیا، جب صبح ہوئی تو میں نے اذان دی، آپ نے پانی کا برتن مجھے عطا فرمایا، میں نے اس سے وضو کیا، پھر آپ نے اپنی انگلیاں اس میں ڈال دیں، اور ان کے درمیان سے چشمہ کی طرح پانی ابلنے لگا، آپ نے

---

[1] بخاری جلد ۲ ص ۲۴۸ کتاب الاشربہ [2] مسلم کتاب الصلوٰۃ باب قضاء الصلوٰۃ الفائتہ

حکم دیا کہ جو شخص چاہے اُس سے وضو کرے[1]۔

ایک اور واقعہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ ہم لوگ معجزات کو برکت سمجھا کرتے تھے، چنانچہ ایک بار ہم لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں تھے، پانی کی کمی کی شکایت ہوئی، تو آپ نے بچے ہوئے پانی کو طلب فرمایا، وہ ایک برتن میں آپ کے سامنے پیش کیا گیا اور آپ نے اس میں ہاتھ ڈال کر فرمایا کہ "وضو کے مبارک پانی کی طرف دوڑو، خدا کی طرف سے برکت ہوگی"۔ میں نے دیکھا تو آپ کی انگلیوں کے درمیان پانی ابل رہا تھا[2]۔

یہ واقعات جو مختلف عنوانوں میں بیان کیے گئے ہیں، ممکن ہے کہ ان میں سے بعض ایک ہی واقعہ کی متعدد حکایتیں ہوں لیکن چونکہ ہر ایک کے ساتھ خصوصیات میں کچھ فرق و امتیاز محسوس ہوا، اس لیے ان کو مستقل واقعات کی صورت دیدی گئی ہے،

---

[1] مسند احمد بن حنبل جلد ۴ ص ۱۹۹ [2] صحیح بخاری باب علامات النبوۃ فی الاسلام

اطلاعِ غیب

فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖۤ اَحَدًا ۙ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ (جن)

قرآن مجید نے اس حقیقت کو بار بار بے نقاب کیا ہے کہ "غیب کا علم خدا کے سوا کسی اور کو نہیں"۔ چنانچہ قرآن مجید میں اس معنی کی بکثرت آیتیں ہیں۔ اور ان کا منشا یہ معلوم ہوتا ہے کہ علم غیب کی صفت خدا کے سوا کسی اور کو متصف نہیں کیا جا سکتا۔

فَقُلْ اِنَّمَا الْغَیْبُ لِلّٰهِ (یونس) — کہدے (اے پیغمبر) کہ غیب تو خدا ہی کیلیے ہے،

قُلْ لَّا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ — کہدے (اے پیغمبر) کہ خدا کے سوا آسمان و زمین

وَالْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰهُ (نمل) — میں کوئی غیب نہیں جانتا۔

یعنی خدا کے سوا کسی مخلوق کو غیب کا ذاتی علم نہیں۔ اور نہ غیب کی باتیں خدا نے آسمان و زمین میں کسی مخلوق کو بتائی ہیں، چنانچہ قیامت کے دن تمام انبیاءؑ کو یہ اقرار کرنا پڑے گا،

یَوْمَ یَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَیَقُوْلُ — جس دن خدا تمام پیغمبروں کو جمع کریگا اور کہے گا

مَاذَاۤ اُجِبْتُمْ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا — کہ تم کو کیا جواب دیا گیا وہ کہیں گے کہ ہم کو کچھ علم نہیں

اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ (مائدہ) — غیب کی باتوں کا پورا جاننے والا تو ہی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو اعلم الانبیاء تھے۔ ان کو یہ اقرار کرنے کا حکم ہوتا ہے،

قُلْ لَّاۤ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ — کہدے (اے پیغمبر) کہ میں نہیں کہتا کہ خدا کے تمام

وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ ۝ (انعام ۵)

خزانے میرے قبضہ میں ہیں، اور یہ بھی کہدیتا ہوں کہ میں غیب کی باتیں نہیں جانتا،

قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْٓءُ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ (اعراف ۲۳)

کہدے اے پیغمبر! کہ میں اپنے آپ کے لیے کسی نفع یا ضرر پر قادر نہیں ہوں لیکن یہ کہ خدا جو چاہے، اگر مجھے غیب کا علم ہوتا تو بہت سے فائدے اٹھالیتا اور مجھکو کبھی مصیبت نہ پیش آتی لیکن میں تو ایماندار قوم کو ڈرانے والا اور خوشخبری سنانے والا ہوں

ان آیتوں نے صاف کھول دیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ غیب کا ذاتی علم تھا اور نہ تمام غیب کی باتیں آپ کو بتائی گئی تھیں، البتہ خدائے تعالیٰ نے اپنے علم میں سے جو کچھ چاہا اور پسند کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وقتاً فوقتاً اس سے مطلع فرماتا رہا، چنانچہ صاف ارشاد ہوا

وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ (بقرہ ۳۴)

وہ (یعنی مخلوقاتِ الٰہی) خدا کے علم میں سے کسی چیز کا احاطہ نہیں کرسکتے لیکن اتنے کا جتنے کا خدا چاہے۔

سورۂ جن میں فرمایا

فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا ۝ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ (جن ۲)

اللہ تعالیٰ اپنے غیب کی بات کسی پر ظاہر نہیں کرتا لیکن اس پیغمبر پر جس کو پسند کرے۔

دوسری جگہ سورۂ آل عمران میں فرمایا،

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ (۱۸)

اور خدا غیب کی باتیں تم کو نہیں بتا سکتا، لیکن وہ اپنے پیغمبروں میں سے جس کو چاہتا ہے (اس کے لیے) چن لیتا ہے،

امورِ غیب میں سے قیامت کے متعلق تصریح کر دی گئی ہے کہ اس کا علم کسی کو عطا نہیں ہوا ہے،

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰهَا ط قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ ج لَا يُجَلِّيْهَا لِوَقْتِهَآ اِلَّا هُوَ ج ثَقُلَتْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط لَا تَاْتِيْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً ط يَسْـَٔلُوْنَكَ كَاَنَّكَ حَفِيٌّ عَنْهَا ط قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ (اعراف)

اے پیغمبر، لوگ تجھ سے قیامت کی نسبت پوچھتے ہیں کہ وہ کب لنگر انداز ہوگی، کہدو کہ اسکا علم تو صرف میرے پروردگار ہی کو ہے، وہی اپنے وقت پر اس کو ظاہر کریگا، وہ وقت آسمان و زمین میں بڑا بھاری ہوگا۔ وہ دفعۃً آجائیگا، تجھ سے وہ قیامت کا حال ایسے پوچھتے ہیں کہ گویا تجھے معلوم ہے اور تو چھپا رہے ہے، کہدو کہ اس کا علم خدا ہی کے پاس ہے لیکن اکثر

صحاح میں حضرت جبرئیلؑ کے ایک مسافر کی صورت میں آنے کی جو روایت ہے اور جس میں انھوں نے ایمان، اسلام اور احسان کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوالات پوچھے ہیں۔ اور آپ نے اُن کے جوابات دیے ہیں۔ اسکے آخر میں وہ پوچھتے ہیں کہ قیامت کب ہوگی۔ اس کے جواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

ما المسئول عنها باعلم من السائل

جس سے پوچھتے ہو وہ پوچھنے والے کو اس باب میں زیادہ

وصاحدثہ عن احد فلا (کتاب الایمان والنذور بخاری) علم نہیں رکھتا۔ ہاں میں اسکی علامتیں بتا دوں گا۔

صحیح بخاری میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ وہ کہا کرتی تھیں کہ جو تم سے یہ کہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غیب کی باتیں جانتے تھے۔ وہ جھوٹا ہے۔ قرآن نے صاف کہدیا ہے۔

وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ مَّاذَا تَکْسِبُ غَدًا (لقمان ۴) کسی نفس کو یہ علم نہیں کہ کل وہ کیا کرے گا۔

ایک دفعہ چند لڑکیاں آپ کے سامنے بیٹھی کچھ گا رہی تھیں۔ گاتے گاتے ایک نے ان میں سے کہا

وَفِیْنَا نَبِیٌّ یَعْلَمُ مَا فِیْ غَدٍ ہم میں ایک نبی ہے جو کل کی ہونے والی بات جانتا ہے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ غیب کی کنجی پانچ باتیں ہیں۔ اس کے بعد آپ نے یہ آیت پڑھی۔

اِنَّ اللّٰہَ عِنْدَہٗ عِلْمُ السَّاعَۃِ وَیُنَزِّلُ الْغَیْثَ وَیَعْلَمُ مَا فِی الْاَرْحَامِ وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ مَّاذَا تَکْسِبُ غَدًا وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ بِاَیِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ (لقمان ۴) خدا ہی کے پاس اس آنے والی گھڑی کا علم ہے وہی پانی برساتا ہے۔ وہی جانتا ہے کہ ماؤں کے پیٹ میں کیا ہے۔ کوئی نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کریگا اور نہ کوئی جانتا ہے کہ کس سرزمین میں وہ مرے گا۔

یہی روایت بخاری کے دوسرے باب میں اس طرح سے ہے کہ غیب کی کنجیاں پانچ ہیں جنکو خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا بجز خدا کے کوئی نہیں جانتا کہ حاملہ عورت کے رحم میں لڑکا ہے یا لڑکی اور نہ خدا کے سوا کوئی یہ جانتا ہے کہ کل کیا ہوگا۔ اور نہ خدا کے علاوہ کسی کو اس کا علم ہے کہ پانی کب برسے گا اور نہ بجز خدا کے کسی کو اس کی خبر ہے کہ وہ کہاں مرے گا۔

---

۱ صحیح بخاری تفسیر لقمان ۲ صحیح بخاری کتاب النکاح ۳ صحیح بخاری تفسیر لقمان ۴ صحیح بخاری کتاب الزکوٰۃ علی اقارب باب لم یغب

بہرحال ان مخصوص باتوں کے علاوہ جن کا علم صرف عالم الغیب کو ہے، اپنے غیب کی باتوں میں جن باتوں کو وہ مناسب سمجھتا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وقتاً فوقتاً انکی اطلاع دیتا تھا، سورۂ ہود میں بعض انبیاء علیہم السلام کے تذکرہ کے بعد خدا فرماتا ہے:

تِلْكَ مِنْ اَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَا	یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم تیری طرف
اِلَيْكَ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَا اَنْتَ وَلَا	وحی کر رہے ہیں، نہ تو ان کو جانتا تھا
قَوْمُكَ (ھود - ۴)	اور نہ تیری قوم جانتی تھی،

خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ارشاد ہوا:

وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ	یعنی آپ کو امور غیب میں سے جسکی تعلیم دیجاتی
(تکویر - ۱)	ہے آپ اپنی امت کو اس کے بتانے میں بخل نہیں فرماتے۔

ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں سورج کو گرہن لگا تھا، آپ نے صحابہ کیساتھ نماز کسوف ادا فرمائی تھی، اور نماز کے بعد ایک نہایت بلیغ و موثر خطبہ ارشاد فرمایا تھا، اس میں ایک فقرہ یہ بھی تھا،

يا امة محمد واللہ لو تعلمون ما اعلمت	اے گروہ محمد! خدا کی قسم اگر تم وہ جانتے
لضحكتم قليلا ولبكيتم كثيرا	جو میں جانتا ہوں تو تم ہنستے کم اور
(صحیح بخاری باب الصدقۃ فی الکسوف و تفسیر سورۂ ھائد)	رونے زیادہ،

ایک دفعہ نماز کے بعد آپ نے منبر پر کھڑے ہو کر فرمایا:

هل ترون قبلتي ههنا فواللہ ما يخفى	تم دیکھتے ہو کہ میرا رخ ادھر ہے لیکن خدا کی

عَلیَّ خشوعکم ولا رکوعکم اذا انی لاراکم من وراء ظھری (بخاری)

قسم مجھ کو (نماز میں) تمہارا خشوع اور نہ تمہارا رکوع پوشیدہ رہتا ہے میں تمکو اپنی پیٹھ کے پیچھے سے

دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا،

انی لاراکم من وراءی کما اراکم

میں جس طرح تم کو دیکھ رہا ہوں اسی طرح میں

(بخاری باب عظۃ امام الناس)

تم کو پیچھے سے بھی دیکھتا ہوں۔

احادیث میں متعدد صحابہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ آپ خطبہ دے رہے تھے بعض صاحبوں نے کچھ سوالات کیے، جن کو آپنے پسند نہیں کیا، آپ کو جوش آگیا، آپ نے فرمایا، سلونی عما شئتم (جو چاہو مجھ سے دریافت کرو) ایک شخص نے اٹھ کر کہا، یا رسول اللہ! میرا باپ کون ہے؟ فرمایا "حذافہ"۔ دوسرے نے اٹھ کر کہا اور میرے باپ کا نام کیا ہے؟ فرمایا سالم غلام شیبہ"۔ اور بار بار آپ فرماتے جاتے تھے، "پوچھو مجھ سے، پوچھو مجھ سے"، یہ دیکھکر حضرت عمرؓ آگے بڑھے اور عرض کی، یا رسول اللہ! ہم کو اللہ اپنا پروردگار، محمد اپنا رسول اور اسلام اپنا دین پسند ہے،[1]

صحابہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن آپنے صبح کی نماز پڑھکر تقریر شروع کی، یہانتک کہ ظہر کا وقت آگیا، ظہر کی نماز سے فارغ ہوکر عصر تک پھر تقریر کی، اس کے بعد عصر کی نماز پڑھی، اس سے فارغ ہوکر غروب آفتاب تک پھر تقریر کا سلسلہ جاری رہا، اس طویل خطبہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو جو کچھ ہو چکا اور جو کچھ ہوگا، یعنی آغاز آفرینش سے لیکر قیامت تک کے واقعات پیدائش عالم، علاماتِ قیامت، فتن، حشر و نشر سب کچھ سمجھایا، صحابہ کہا کرتے تھے کہ ہم میں سے

[1] صحیح بخاری کتاب العلم باب الغضب فی الموعظۃ والتعلیم

بہت سے لوگ بہت کچھ بھول گئے بعضوں کو بہت کچھ یاد ہے ان واقعات میں سے کوئی واقعہ پیش آجاتا ہے تو ہم کو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے کسی شخص کی صورت ذہن سے اتر جاتی ہے۔ پھر اس کو دیکھ کر یاد آجاتی ہے[1]۔

نجاشی شاہ حبش جس کے سایۂ حکومت میں جاکر مسلمانوں نے پناہ لی تھی، اور جس نے اسلام کی صداقت کا اعتراف کیا تھا جس دن اس نے حبش میں وفات پائی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو اس سانحہ کی اطلاع دی، آپ نے فرمایا کہ آج تمہارے بھائی نجاشی نے وفات پائی، اور اس کے بعد اس کے جنازہ کی نماز غائبانہ ادا فرمائی[2]،

شام میں جب غزوۂ موتہ پیش آیا ہے۔ تو آپ نے فوج کا علم زید بن حارثہ کو عنایت کیا، اور فرمایا کہ جب زید شہید ہوں تو یہ امانت جعفرؓ کے سپرد کی جائے، جب وہ بھی جاں بحق ہوں تو عبداللہ بن رواحہ اس خدمت کو انجام دیں، اور جب وہ بھی کام آجائیں تو مسلمان اپنے مشورہ سے جس کو چاہیں اپنا سردار بنائیں، یہ افسری اور سرداری کے متعلق ترتیبی بیان درحقیقت واقعہ کا اظہار تھا۔ میدان جنگ میں پہلے زیدؓ نے شہادت پائی۔ انکی جانشینی جعفرؓ نے کی۔ وہ بھی جب علم نبوت پر قربان ہوچکے۔ تو عبداللہ بن رواحہؓ نے پیشقدمی کی، جب وہ بھی نثار ہوگئے۔ تو مسلمانوں نے خالد بن ولیدؓ کو اپنا افسر بنایا۔ چونکہ اس جنگ میں رومیوں کی عظیم الشان سلطنت کا مقابلہ تھا۔ اس لیے مسلمانوں کو بڑا اضطراب تھا۔ عین اس وقت جب مدینہ سے کوسوں دور شام کی سرحد پر یہ خونی مناظر پیش تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

[1] صحیح مسلم باب اخبار النبی صلی اللہ علیہ وسلم فیما یکون الی قیام الساعۃ [2] صحیح بخاری کتاب الجنائز و صحیح مسلم

مسجد نبویؐ میں منبر پر تشریف فرما تھے۔ دونوں آنکھوں سے آنسو جاری تھے، اور فرما رہے تھے۔ علم کو زیدؓ نے لیا، وہ شہید ہوئے، پھر جعفرؓ نے لیا۔ وہ بھی جاں بحق ہوئے تو عبداللہ بنؓ رواحہ نے لیا۔ انھوں نے بھی شہادت پائی، تو خالد بنؓ ولید نے لیا، اور ان کو فتح دی گئی۔"[1]

ایک غزوہ میں ایک شخص نہایت جانبازانہ حملے کر رہا تھا۔ صحابہ نے دیکھا تو اسکی بڑی تعریف کی لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو دیکھکر فرمایا کہ "یہ جہنمی ہے"۔ صحابہ کو اس پر تعجب ہوا اور ایک صحابی اس کے پیچھے ہولیے، ایک موقع پر اس کو سخت زخم لگا، اور اس نے بے صبری کی حالت میں خودکشی کرلی۔ وہ صحابی خدمت مبارک میں دوڑے ہوئے آئے اور کہا "میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ خدا کے رسول ہیں"۔ آپ نے فرمایا کہ "کیا واقعہ ہے"۔ انھوں نے عرض کیا کہ "ابھی حضور نے ایک شخص کے متعلق فرمایا تھا کہ وہ جہنمی ہے، لوگوں کو اس پر تعجب ہوا تھا، میں اس کے پیچھے ہولیا، میں نے دیکھا کہ ایک زخم کے صدمہ سے اس نے خودکشی کرلی۔"[2]

ایک غزوہ میں ایک شخص شریک تھا، وہ قتل ہوا، کسی نے آکر خبر دی کہ یا رسول اللہ! فلاں شخص شہید ہوگیا۔ فرمایا کہ "یہ ناممکن ہے۔ شہادت اس کے لیے کہاں، میں نے اس کو دوزخ میں دیکھا ہے، کیونکہ مالِ غنیمت میں سے اس نے ایک عبا چورائی تھی۔"[3]

مسلمانوں نے ۸ھ میں طائف کا محاصرہ کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوچکا تھا، کہ طائف کی فتح اس محاصرہ سے مقدر نہیں۔ اس لیے ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

---

[1] صحیح بخاری کتاب الجنائز و باب علامات النبوۃ فی الاسلام و غزوۂ موتہ [2] صحیح بخاری کتاب الجہاد صفحہ ۴۰۶ و باب العمل بالخواتیم ۹۷۷ [3] جامع ترمذی باب ما جاء فی الغلول۔

کل انشاء اللہ ہم محاصرہ چھوڑ کر کوچ کریں گے، لوگوں کو اتنی محنت و زحمت کے بعد حصول فتح کے بغیر واپسی شاق ہوئی، اور انھوں نے کہا ہم فتح حاصل کیے بغیر چلے جائیں، آپ نے فرمایا اچھا کل پھر قسمت آزمائی کر لو" چنانچہ دوسرے دن مسلمان لڑے تو ان کو زیادہ نقصانات پہنچے، شام ہوئی تو آپ نے فرمایا کل انشاء اللہ ہم محاصرہ چھوڑ کر چلے جائینگے، مسلمانوں کو اس سے تعجب ہوا، اور آپ مسکرا دیئے[1]، یہ گویا اس بات کا اظہار تھا کہ تمھیں میری طرح حقیقتِ حال کا علم نہ تھا،

عمیر بن وہب اسلام کا سخت دشمن تھا، وہ اور صفوان بن امیہ دونوں خانۂ کعبہ میں بیٹھ کر بدر کے مقتولین پر ماتم کر رہے تھے، اور بالآخر ان دونوں میں پوشیدہ طور سے یہ سازش قرار پائی کہ عمیر مدینہ جا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دھوکے سے قتل کر آئے، اور اگر وہ مارا گیا تو صفوان اس کے تمام قرض اور گھر کے مصارف اور اولاد کی پرورش کی ذمہ داری اپنے سر لے گا، عمیر یہاں سے اٹھکر گھر آیا اور تلوار کو زہر میں بجھا کر مدینہ کو چل کھڑا ہوا، مدینہ پہنچا تو حضرت عمرؓ نے اس کو دیکھ لیا، وہ اس کو پکڑ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے، آپ نے پوچھا کہ عمیر! یہاں کس ارادہ سے آئے ہو؟ اس نے کہا اپنے بیٹے کو چھڑانے آیا ہوں، فرمایا، کیوں نہیں؟ کیا تم نے اور صفوان نے خانۂ کعبہ میں بیٹھکر میرے قتل کی سازش نہیں کی ہے؟ عمیر یہ راز کی بات سنکر سناٹے میں آگیا، اور اس کو سخت تعجب ہوا، اور بے اختیار بول اٹھا کہ محمد بیشک تم خدا کے پیغمبر ہو، خدا کی قسم میرے اور صفوان کے سوا کسی تیسرے کو اس معاملہ کی خبر نہ تھی[2]،

---

[1] صحیح بخاری و مسلم غزوۂ طائف [2] تاریخ طبری بروایت عروہ بن زبیر ص ۳۵۴ طبع یورپ،

حضرت وابصہ اسدیؓ صحابی کہتے ہیں کہ میں ایک دفعہ اس غرض سے حاضر خدمت ہوا کہ نیکی اور گناہ کی حقیقت دریافت کروں لیکن اس سے پہلے کہ میں کچھ کہوں، آپ نے فرمایا وابصہ! میں تمہیں بتاؤں کہ تم کیا پوچھنے آئے ہو؟ عرض کی ارشاد ہو فرمایا تم نیکی اور گناہ کی حقیقت پوچھنے آئے ہو۔ عرض کی، قسم اُس ذات کی جس نے آپ کو بھیجا، آپ نے سچ فرمایا ارشاد ہوا نیکی وہ ہے جس کے کرنے کے خیال سے تمہارے دل میں انشراح اور خوشی پیدا ہو، اور گناہ وہ ہے، جو تمہارے دل میں کھٹک پیدا کرے، اگرچہ لوگوں نے اس کے کرنے کا فتویٰ ہی کیوں نہ دے دیا ہو[1]،

ایک دفعہ ایک صحابیہ نے آپ کی دعوت کی، بکری ذبح کی، اور آپ کو اور دیگر رفقاء کو کھانا کھانے کے لیے بلایا، آپ تشریف لے گئے، اور گوشت کا ایک لقمہ اٹھا کر ابھی چکھا ہی تھا کہ فرمایا یہ بکری اپنے مالک کی اجازت کے بغیر ذبح کی گئی ہے؟ داعیہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! آل معاذ اور ہمارے خاندان میں پوچھنے گچھنے کی ضرورت نہیں ہوتی، وہ ہماری چیز بے تکلف لیتے ہیں اور ہم انکی چیز[2]، دوسری روایت میں ہے کہ اس نے جواب دیا کہ ہاں یا رسول اللہ! میں نے اپنی پڑوسن سے یہ بکری مانگی، اس نے اپنے شوہر سے پوچھے بغیر دیدی،

غزوۂ خیبر میں ایک یہودیہ نے آپ کی دعوت کی، کھانے میں بکری کا گوشت تھا، آپ نے چند رفقاء کے ساتھ اس کو کھانا چاہا، ابھی پہلا ہی لقمہ اٹھایا تھا کہ آپ نے صحابہ سے فرمایا کہ ہاتھ

---

[1] مسند ابن حنبل حدیث وابصۃ الاسدی وابو یعلی وبیہقی وابو نعیم فی حلیۃ الاولیاء، ذکر وابصہ بن معبد الجہنی وبزار [2] سنن نسائی وحاکم فی المستدرک عن جابر،

روک لو، اس گوشت میں زہر ملایا گیا ہے"۔ اس کے بعد آپ نے حکم دیا کہ خیبر کے تمام یہود کو جمع کیا جائے۔ جب وہ جمع ہو چکے تو آپ نے دریافت کیا کہ جو کچھ میں پوچھوں گا، سچ سچ بتاؤ گے، انھوں نے ہاں کہا۔ آپ نے فرمایا تمھارے باپ کا کیا نام ہے؟ انھوں نے کچھ بتایا، آپ نے فرمایا تم جھوٹے ہو، تمھارے باپ کا یہ نام ہے۔ اس امتحان کے بعد آپ نے دریافت فرمایا۔ کیا تم نے بکری کے گوشت میں زہر ملایا تھا۔ انھوں نے کہا ہاں، آپ کو کیونکر معلوم ہوا؟ فرمایا کہ بکری کے اس دست نے مجھ سے کہا۔[1]

حضرت صہیبؓ بن سنان جو صہیب رومی کر کے مشہور ہیں جس شب کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت فرمائی، انھوں نے بھی ہجرت کرنی چاہی۔ لیکن کفار نے ان کو روک دیا، وہ رات بھر کھڑے رہے۔ اور بیٹھنے کا نام بھی نہیں لیا۔ کفار نے ان کی اس حالت کو دیکھکر کہا کہ چلو اس کو تو پیٹ کے عارضہ نے خود ہی مجبور کر دیا ہے، یہ کہکر وہ چلے گئے۔ انھوں نے نگہبانوں سے اپنے کو آزاد پاکر مدینہ کا راستہ لیا۔ کافروں نے ان کو پکڑ لیا۔ آخر کچھ زر و نقد دیکر ان سے رہائی حاصل کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دیکھنے کے ساتھ فرمایا۔ اے ابو یحییٰ! تمھاری خرید و فروخت بڑے نفع کی رہی۔ حضرت صہیبؓ نے عرض کی۔ یا رسول اللہ مجھ سے پہلے کوئی یہاں آیا نہیں جو اس راز کی آپ کو خبر کرتا، یہ یقیناً آپ کو بذریعۂ وحی معلوم ہوا۔[2]

حضرت حذیفہؓ کی والدہ مکرمہ نے ایک دن اپنے بیٹے پر عتاب کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] سنن ابی داؤد و کتاب الطہارت و دارمی باب کلام المولی و بیہقی [2] مستدرک حاکم جلد ثالث ص ۴۰۰ بروایت صحیحہ ذہبی نے بھی اس کی تصریح کی ہے ذکر حجرۃ صہیبؓ

کی خدمت میں اتنے دن ہوگئے کیوں نہ گئے، انھوں نے معذرت کی، اور کہا کہ آج جاکر اپنی اور آپ کی مغفرت کی دعا کراؤں گا، چنانچہ وہ مغرب کی نماز میں جاکر حاضر ہوئے، عشا کی نماز تک بعد جب آپ واپس ہوئے تو یہ بھی پیچھے چلے، آپ نے آواز پہچان کر فرمایا "کون! حذیفہ!! خدا تمھاری اور تمھاری ماں کی مغفرت کرے[1]" گویا سوال سے پہلے ہی حذیفہ کی درخواست سمع اقدس تک پہنچ چکی تھی،

صحابہؓ کو آپ کی اس قوت اطلاع کا اس قدر یقین تھا کہ جب تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زندہ رہے صحابہؓ کو اپنے ایک ایک عمل کا خوف لگا رہتا تھا، کہ ایسا نہ ہو کہ خدا آپ کو اس سے باخبر کردے، یہانتک کہ حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہم لوگ اپنی بیویوں سے بھی کھل ملتے ہوئے ڈرتے تھے، کہ ایسا نہ ہو کہ ہماری نسبت قرآن میں کچھ نازل[2] ہوجائے، تو رسوائی ہو، علاوہ ازیں منافقین کے تمام اندرونی حالات اور ناموں سے بھی آپ کو ایک ایک کرکے واقفیت تھی[3]،

---

[1] جامع ترمذی مناقب حذیفہؓ [2] صحیح بخاری، مسند احمد ج ۲ ص ۶۲ [3] صحیح بخاری

اہل کتاب کے سوالات کا جواب دینا

یہ دوست دشمن اور موافق و مخالف سب کو معلوم ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لکھے پڑھے نہ تھے، یہود و نصاریٰ کی مذہبی کتابوں سے آپ کو تعلیمی واقفیت نہ تھی توراۃ و انجیل اور علماے یہود و نصاریٰ نے انکی شرحوں میں یا اپنی دوسری مذہبی تصنیفات میں جو کچھ لکھا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا ایک صفحہ بھی ملاحظہ نہیں فرمایا تھا، اور یہی آخری چیز تھی اسوقت یہود و نصاریٰ کے ایمان و عقائد کا جزو ہو گئی تھیں، اور عوام میں ان ہی کتابوں کو مقبولیت حاصل تھی، بایں ہمہ آپ کا ان کے سوالات کا صحیح جواب دینا، آپ کی ربانی تعلیم کی کھلی شہادت ہے،

مکہ میں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نبوت کا اعلان کیا تو کفار عرب کو عموماً آپ کے اس دعوی پر یقین نہیں آیا، اس لیے انھوں نے معجزات طلب کیے، اور جب وہ دکھائے گئے تو کہنے سحر اور جادو کہنے لگے، پھر ان کو خیال آیا کہ یثرب، خیبر اور شام میں جا کر یہودیوں سے ملیں اور ان سے پوچھ کر چند ایسے سوالات دریافت کریں جن کے جوابات محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے مانگے جائیں، اور چونکہ وہ لکھے پڑھے نہیں ہیں، اور مکہ میں بھی کوئی ایسا نہیں ہے جو ان کو ان کے جوابات بتا سکے گا، اس لیے وہ ان کے جوابات نہ دے سکیں گے، اور اس طرح اس مدعی نبوت کی قلعی کھل جائے گی، اور اس کا کذب سب پر واضح ہو جائے گا، اس خیال کی بنا پر وہ

یہودیوں سے جاکر ملے، اُن سے آپکے حالات بیان کیے، اور آپ سے پوچھنے کے لیے ان سے چند سوالات مانگے، چنانچہ انھوں نے چند سوالات دیے کہ یہ جاکر اس سے پوچھو، اگر وہ پیغمبر نہ ہوگا تو ہرگز اُن کا جواب نہ دے سکے گا،

یہ تین تاریخی سوالات تھے، اصحاب کہف کا حال، حضرت موسیٰؑ اور خضر کی ملاقات کا واقعہ، اور ذوالقرنین کا قصہ، اللہ تعالیٰ نے یہ تینوں قصے وحی کے ذریعہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بتا دیے، اور آپنے ان کو پڑھکر کفار کو سنایا، چنانچہ سورۂ کہف میں یہ تینوں قصے مذکور ہیں، اور آخری قصہ میں یہ بھی مذکور ہے کہ یہ کفار کے سوال کے جواب میں ہے،

وَيَسْئَلُونَكَ عَنْ ذِي الْقَرْنَيْنِ	اور کفار تجھ سے (اے پیغمبر) ذوالقرنین کا
قُلْ سَاَتْلُوْا عَلَيْكُمْ مِنْهُ ذِكْرًا	حال دریافت کرتے ہیں، کہدے کہ میں اسکا
(کہف (۱۱)	تھوڑا ذکر تم کو سناتا ہوں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت کرکے مدینہ منورہ آئے، جو گویا یہودیوں ہی کا شہر تھا تو انھوں نے بھی مناسب سمجھا کہ اس مدعی نبوتؐ کے دعوائے نبوت کا امتحان ان ہی کتابی سوالات سے لیا جائے کیونکہ انھیں یقین تھا کہ وہ ہماری کتابوں سے واقف نہیں، اسلیئے وہ ان کے صحیح جوابات نہ دے سکے اور اگر اس نے یہ کہدیا کہ یہ سوالات یا جن کتابوں میں وہ سوالات مذکور ہیں، وہ غیر معتبر ہیں، تو ان سوالوں اور کتابوں کا اثر یہود میں اسقدر ہے کہ انکی تکذیب سے خود محمد کی جہالت اور کذب و دعوی (نعوذ باللہ) کا پردہ فاش ہو جائے گا لیکن اتنے بڑے مجمع میں سب لوگ بدنیت ہی نہ تھے بلکہ ان میں بعض لوگ نیک نیت بھی تھے اور وہ نیک نیتی سے

یہ سمجھتے تھے کہ ہماری کتابوں میں جو مخفی اسرار لکھے ہوئے ہیں، ان کو پیغمبر کے سوا کوئی اور نہیں بتا سکتا۔

صحیح بخاری میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ آئے، تو عبداللہ بن سلام مدینہ کے ایک مشہور یہودی عالم آپ سے ملنے آئے۔ اور کہا کہ میں آپ سے تین سوال کرونگا، جن کا جواب پیغمبر کے سوا اور کوئی نہیں دے سکتا۔ یہ بتائیے کہ قیامت کی پہلی علامت کیا ہے؟ اور اہل جنت کی پہلی غذا کیا ہوگی؟ اور بچہ کبھی ماں سے اور کبھی باپ سے مشابہ کیوں ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا، قیامت کی پہلی نشانی ایک آگ ہے، جو لوگوں کو مشرق سے ہنکا کر مغرب کی طرف لیجائیگی، اور اہل جنت کی پہلی غذا مچھلی کا جگر ہے، اور ماں یا باپ سے بچہ کی مشابہت کا سبب یہ ہوتا ہے کہ جب باپ کا نطفہ سبقت کرتا ہے تو بچہ باپ سے مشابہ ہوتا ہے اور جب ماں کا نطفہ سبقت کرتا ہے تو ماں سے مشابہ ہوتا ہے۔ عبداللہ بن سلام نے یہ جواب سن کر کہا کہ میں آپ کی رسالت کی گواہی دیتا ہوں۔

صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت ثوبانؓ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ ایک یہودی عالم خدمت والا میں حاضر ہوا۔ اور کہا کہ "اے محمدؐ میں تم سے چند سوالات کرونگا تم جواب دو" آپ نے فرمایا کہ "میرے جواب سے تم کو فائدہ ہوگا"۔ اس نے کہا، سنو! یہ بتاؤ کہ قیامت کے دن جس وقت آسمان اور زمین بدلے جائیں گے، لوگ کہاں ہوں گے، فرمایا پل کے پیچھے تاریکی میں"۔ دوسرا سوال اس نے کیا کہ سب سے پہلے جنت میں جانے کی کس کو اجازت ملے گی؟ جواب دیا، ان غریبوں کو جو راہ حق میں گھر سے بے گھر ہوئے ہیں"۔ اس نے کہا اب میں تم سے وہ بات پوچھتا ہوں جس کا جواب روئے زمین پر صرف پیغمبر یا پیغمبر کے علاوہ ایک ہی دو آدمی دے سکتے ہیں، بتاؤ کہ بچہ کبھی لڑکی

اور کبھی لڑکا کیوں ہوتا ہے؟ آپ نے فرمایا "مرد کا نطفہ سپید اور عورت کا زرد ہوتا ہے، جب دونوں ملتے ہیں تو اگر مرد کا نطفہ غالب ہوتا ہے تو وہ خدا کے حکم سے لڑکا ہوتا ہے، اور جب عورت کا نطفہ غالب ہوتا ہے تو وہ لڑکی ہوتی ہے"۔ یہودی نے یہ جواب سن کر کہا کہ بیشک تم نبی ہو اور یہ کہکر چلا گیا۔ آپ نے فرمایا یہ جوابات مجھ کو خدا نے القا کیے مجھے پہلے سے معلوم نہ تھے"۔

مسند ابو داؤد طیالسی میں ہے کہ ایک دفعہ چند یہودی خدمتِ اقدس میں آئے، اور کہا کہ "ہم آپ سے چند باتیں دریافت کرنا چاہتے ہیں جن کا جواب پیغمبر کے سوا کوئی اور نہیں دے سکتا"۔ آپ نے فرمایا "جو تم چاہو پوچھ سکتے ہو لیکن وعدہ کرو کہ اگر میں نے ایسے جواب دیے جن کو تم نے صحیح سمجھا تو کیا اسلام قبول کرو گے"، انھوں نے کہا ہاں ہم کو یہ شرط منظور ہے" آپ نے فرمایا "اچھا پوچھو کیا پوچھتے ہو"۔ انھوں نے کہا کہ چار سوالوں کے جواب دیجئے، پہلا یہ کہ حضرت یعقوبؑ نے تورات کے اترنے سے پہلے جو کھانا اپنے اوپر حرام کر لیا تھا، اس کا کیا واقعہ ہے؟ دوسرا یہ کہ نر کا نطفہ کبھی نر اور کبھی مادہ کیوں کر ہو جاتا ہے۔ تیسرا یہ کہ تورات میں نبی امی کی کیا پہچان بتائی گئی ہے اور چوتھا یہ کہ فرشتوں میں سے تمھارا دوست یا نگہبان کون ہے؟ آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا۔ تم کو اس خدا کی قسم جس نے موسیٰؑ پر تورات نازل کی، تم یہ جانتے ہو کہ ایک دفعہ یعقوبؑ سخت بیمار پڑے۔ تو انھوں نے نذر مانی کہ اگر میں اچھا ہو گیا تو کھانے اور پینے کی جو چیز مجھ کو سب سے زیادہ محبوب ہے وہ چھوڑ دوں گا۔ ان کو کھانے میں سب سے زیادہ اونٹ کا گوشت اور پینے میں اونٹ کا دودھ پسند تھا۔ چنانچہ صحت کے بعد انھوں نے اونٹ کا گوشت اور دودھ چھوڑ دیا۔ یہودیوں نے کہا خدایا سچ ہے" آپ نے فرمایا۔ خدایا گواہ رہ" پھر فرمایا میں تم اس خدا کی قسم دیتا ہوں جس نے

موسیٰؑ پر توراۃ نازل کی، تم کو یہ معلوم ہے کہ مرد کا نطفہ گاڑھا اور سپید ہوتا ہے اور عورت کا پتلا اور زرد، ان میں جو جنس غالب ہوتی ہے وہ نطفہ بھی خدا کے حکم سے وہی ہو جاتا ہے اور اسی کے مشابہ ہو جاتا ہے۔ انھوں نے کہا "خدایا درست ہے" آپ نے فرمایا خدایا گواہ رہ، پھر فرمایا "میں تم کو اس خدا کی قسم دیتا ہوں جس نے موسیٰ پر توراۃ نازل کی تم کو یہ معلوم ہے کہ اس نبی کی آنکھیں سوئیں گی اور دل نہیں سوئے گا۔" انھوں نے کہا خدایا ہاں، آپ نے فرمایا "خدایا گواہ رہ"، یہودیوں نے کہا اچھا یہ بتایئے کہ فرشتوں میں آپ کا رفیق کون ہے، اسی جواب کے معلوم کرنے کے بعد ہم آپ کے ساتھ ہو جائیں گے، یا آپ سے الگ ہو جائیں گے۔ آپ نے فرمایا میرا رفیق جبرئیلؑ ہے، اور دنیا میں کوئی پیغمبر ایسا نہیں ہوا جس کا وہ رفیق نہ ہو" یہودیوں نے کہا تو ہم پھر آپ کے ساتھ نہیں ہو سکتے، کیونکہ وہ ہمارا دشمن ہے۔"

صحیح بخاری باب التفسیر (بنی اسرائیل) میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ میں ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک کھیت میں جا رہا تھا کہ راہ میں چند یہودی ملے، انھوں نے ایک دوسرے سے کہا کہ محمد سے کچھ پوچھنا چاہیے، بعضوں نے کہا اسکی ضرورت نہیں، شاید وہ کوئی ایسا جواب دیں جو تم کو ناگوار ہو۔ بالآخر انھوں نے طے کیا کہ بہرحال کچھ پوچھنا چاہیے، انھوں نے دریافت کیا کہ "محمدؐ! بتاؤ روح کیا چیز ہے؟" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو گئے، حضرت ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ میں سمجھ گیا کہ آپ پر وحی نازل ہو رہی ہے، جب وحی نازل ہو چکی، تو آپ نے یہ آیت پڑھ کر سنائی،

وَيَسْئَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ قُلِ الرُّوحُ — وہ پوچھتے ہیں کہ روح کیا ہے، اے پیغمبر

مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ وَمَآ اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ — کہدے کہ روح میرے پروردگار کی ایک بات
اِلَّا قَلِیْلًا (بنی اسرائیل) — ہے، اور تم کو علم کا بہت کم حصہ دیا گیا ہے'

جامع ترمذی (تفسیر بنی اسرائیل) مستدرک حاکم (جلد ۱ ص ۹) اور مسند احمد میں ہے کہ
حضرت صفوان بن عسّال مرادی روایت کرتے ہیں کہ دو یہودی راستہ میں جا رہے تھے، ایک
نے دوسرے سے کہا کہ چلو اس پیغمبر سے کچھ پوچھیں، دوسرے نے کہا کہ اس کو پیغمبر نہ کہو تم کو
وہ اپنی نسبت پیغمبر کہتے سنے گا تو اس کے چار آنکھیں ہو جائیں گی، اس کے بعد وہ دونوں
آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت میں آئے، اور آکر پوچھا کہ موسیٰؑ کو جو نو احکام ملے تھے، وہ کیا تھے
آپ نے فرمایا وہ یہ تھے کہ شرک نہ کرو، زنا نہ کرو، ناحق قتل نہ کرو، چوری نہ کرو، جادو نہ کرو، بیگناہ
کی چغلی نہ کھاؤ، سود نہ کھاؤ، پاک دامن عورت پر بہتان نہ باندھو، اور میدان جنگ سے فرار
نہ کرو، (راوی کو اس نویں حکم میں شک ہے) پھر فرمایا اور تمھارے لیے اے یہود خاص حکم
یہ ہے کہ سبت نہ مناؤ، ان دونوں نے یہ جواب سن کر آپ کے دست و پائے مبارک کے بوسے
دیے اور کہا کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ بیشک آپ پیغمبر ہیں۔ آپ نے فرمایا تو پھر تم مسلمان کیوں
نہیں ہو جاتے۔ انھوں نے کہا کہ داؤدؑ نے دعا کی تھی، کہ اس کی نسل میں ہمیشہ پیغمبر ہوا کریں گے
اور اگر ہم مسلمان ہو جائیں تو ہم ڈرتے ہیں کہ یہود ہم کو مار ڈالیں

اخبارِ غیب

یا

پیشین گوئی

فطرتِ بشری کے عجز اور بیچارگی کا سب سے بڑا دردناک نظارہ مستقبل سے ناواقفیت اور جہالت ہے۔ انسان کی مضطرب اور بے چین فطرت مستقبل کے بحرِ ظلمات میں ہاتھ پاؤں مارتی ہے، اور تھک کر اپنی نادانی اور جہالت کا اعتراف کر لیتی ہے، اور اسی لیے وہ اس بات پر مجبور ہے کہ جو انسانیت سے ماورا کسی دعویٰ کا مدعی ہو، اسکی آزمایش اور امتحان کے لیے اسی بحرِ بیکراں کی شناوری کو معیار اور سند قرار دیدے، چنانچہ یہی اخبارِ غیب اور پیشین گوئی کی قدرت نبوت اور رسالت بلکہ عام بزرگی اور ولایت کے ثبوت پر نوعِ انسانی کے عام افراد کے نزدیک ایک دلیل ہیں، اور حجتِ قائمہ ہے، بنی اسرائیل کے نزدیک یہ وصف نبوت کا اس درجہ لازمہ تھا کہ انکی زبان میں پیغمبر کا نام ہی "پیشین گو" ہے، عربی، عبرانی، اور دوسری سامی زبانوں میں "نبی" یا "نابی" جو پیغمبر کے معنی میں مستعمل ہے۔ اس کے لغوی معنی مخبر اور پیشین گو کے ہیں اور نبوت کے معنی مخبری اور پیشینگوئی کے ہیں۔ اسی لیے بنی اسرائیل کے نزدیک نبی اور پیغمبر کی صرف اسیقدر

حقیقت ہے کہ وہ غیب کا قاصد اور جہانِ نادیدہ کا مخبر ہے،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے عرب کی یہ کیفیت تھی کہ تمام عرب کاہنوں کے جال میں گرفتار تھا. عرب کے تمام مشرکانہ معابد کاہنوں کے دارالسلطنت تھے، جن میں بیٹھکر وہ عرب کے دل و دماغ پر حکومت کر رہے تھے مشہور کاہنوں کے پاس لوگ دور دور سے سفر کرکے آتے تھے. اور ان سے مستقبل اور غیب کی باتیں دریافت کرتے تھے، وہ ایک خاص قسم کی مقفیٰ اور مسجع عبارتوں میں ان کو غیب کی اور مستقبل کی باتیں بتاتے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب پیغمبر بناکر عربوں کے درمیان بھیجے گئے تو اُن کے لیے ثبوت نبوت کی سب سے بڑی دلیل یہی اخبار غیب اور پیشینگوئی ہو سکتی تھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیسیوں پیشینگوئیاں کیں، اور مستقبل کے واقعات باتوں کو رائی العین کی طرح پیش فرمایا اور وہ سب کے سب بے کم و کاست پوری اتریں،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ان پیشینگوئیوں کا صدور مختلف حالتوں میں ہوا، اور آپ کو انکی اطلاع مختلف صورتوں میں دی گئی، مثلاً کبھی قرآن مجید کی وحی کی صورت میں، کبھی عالمِ خواب میں اور کبھی زبانِ صداقت نشان کے عام الفاظ میں جس میں طریقۂ اطلاع کا اظہار نہیں ہے، قرآن مجید کی پیشینگوئیوں کی تفصیل اس سے پہلے گذر چکی ہے، خواب کی پیشینگوئیوں کا تذکرہ کچھ عالمِ رویا کے بیان میں آچکا ہے، باقی پیشین گوئیاں سطور ذیل میں تحریر ہیں،

فتوحات عظیمہ کی اطلاع اسلام کا آغاز جس بے اطمینانی اور بے سروسامانی کے ساتھ ہوا اس سے کس کو اس وقت خیال ہو سکتا تھا کہ چند سنتے. فاقہ کش، غریب الدیار مسلمانوں کے بازوؤں میں یہ قوت پیدا ہو جائیگی کہ وہ قیصر و کسریٰ کے تخت کو الٹ دیں گے. لیکن پیغمبر صادق

نے اُسی وقت بشارت سنائی کہ "مسلمانو! تم عنقریب قسطنطنیہ فتح کروگے، مدائن تمہاری ہاتھوں میں آئے گا، قیصر وکسریٰ کے خزانے تمہارے دستِ تصرف میں ہوں گے، مصر تمہاری حکومت میں داخل ہوگا، تم سے اور ترکوں سے جن کی چھوٹی آنکھیں اور چوڑے چہرے ہوں گے (ترکستانی ومغولی ترک) جنگ ہوگی۔" دنیا ان میں سے کس واقعہ کی تردید کرسکتی ہے؟

یہ پیشینگوئیاں الگ الگ بھی کی گئی ہیں، مگر مجموعی حیثیت سے اس وقت کی گئیں جب مسلمان مدینہ میں محصور ہو رہے تھے، اور تمام عرب مدینہ کو گھیرنے کے لیے امنڈا چلا آرہا تھا، اور مسلمان ہر آن اپنی موت کا نقشہ اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھ رہے تھے، غزوۂ خندق کے موقع پر جب خندق کھودتے ہوئے ایک سخت پتھر حائل ہوگیا تھا، اور صحابہ اس کے توڑنے سے عاجز ہوچکے تھے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معجزنما ضرب لگائی تھی تو پتھر کے ٹکڑے کردیے تھے، تو آپ نے تین ضربیں ماری تھیں، اور ہر ضرب کے بعد ایک چنگاری سی اڑتی تھی، اور آپ ہر بار نعرہ لگاتے تھے،

وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ (انعام-۱۴)

اور تیرے پروردگار کی باتیں سچائی اور انصاف سے پوری ہوئیں، اسکی باتوں کو کوئی بدل نہیں سکتا، اور وہی سننے والا اور جاننے والا ہے،

بعض صحابہؓ نے حقیقت دریافت کی، فرمایا "جب میں نے پہلی ضرب ماری تو کسریٰ کے شہر اور ان کے اردگرد میرے سامنے کردیے گئے، یہانتک کہ میں نے اپنی دونوں آنکھوں سے ان کو

لہ صحیح بخاری باب علامات النبوۃ فی الاسلام میں یہ حدیثیں ہیں،

دیکھا۔" حاضرین نے عرض کی، یارسول اللہ دعا کیجئے کہ وہ فتح ہوں، آپ نے دعا فرمائی، پھر فرمایا، دوسری ضرب میں قیصر کے شہر اور اس کے آس پاس کے مقامات دیکھے، حاضرین نے پھر عرض کی یارسول اللہ انکی فتح کی بھی دعا فرمایئے۔ آپ نے دعا کی، پھر ارشاد ہوا کہ تیسری ضرب میں جلشہ کے شہر اور گاؤں نگاہوں کے سامنے آئے"۔ پھر فرمایا "حبشہ والے جب تک تم سے تعرض نہ کریں تم بھی تعرض نہ کرو، اور ترکوں کو اُس وقت تک چھوڑ دو جب تک وہ تمھیں چھوڑیں۔"[1]

پیشینگوئی تو تمثیلی شکل میں تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کھلے اور صریح الفاظ میں بھی بشارت سنادی تھی، فرمایا تم لوگ جزیرۂ عرب میں لڑوگے اور خدا فتح دے گا، پھر فارس سے لڑوگے اور فتح ہوگی، پھر روم سے لڑوگے اور فتح ہوگی۔[2]

قیصر و کسریٰ کی بربادی کی خبر عین اُس وقت جب کسریٰ اور قیصر کی حکومتیں پورے جاہ وجلال سے دنیا پر حکمراں تھیں اور بظاہر ان کی بربادی کا کوئی سامان نہ تھا کہ مکہ کے منادی حق نے یہ پیشین گوئی کی، اذا ھلک کسریٰ فلا کسریٰ بعدہ واذا ھلک قیصر فلا قیصر بعدہ "جب کسریٰ ہلاک ہوگا تو اُس کے بعد کوئی کسریٰ نہ ہوگا اور جب قیصر ہلاک ہوگا تو پھر دوسرا قیصر نہ ہوگا"۔[3] نہ صرف تاریخ بلکہ آج بھی دنیا کا مشاہدہ اس آواز کی صداقت سے معمور ہے۔ ایرانی مجوسیوں کی شہنشاہی کی شکست کے بعد کیا پھر کسی ایرانی مجوسی شہنشاہ کا تاج خسروی کسی نے دیکھا۔ اور رومی شہنشاہی کی بربادی کے بعد رومی قوم کا وجود بھی اس سطح زمین پر کہیں نظر آیا؟

---

[1] سنن نسائی کتاب الجہاد [2] صحیح مسلم کتاب الفتن [3] صحیح بخاری باب علامات النبوۃ و صحیح مسلم وغیرہ

سازوسامان کی بشارت حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ آپ میرے گھر تشریف لائے اور دریافت کیا کہ کیا قالین ہے؟ عرض کی ہمارے پاس قالین کہاں؟ ارشاد فرمایا کہ "ہاں عنقریب تم قالینوں اور عمدہ فرشوں پر بیٹھو گے" حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ وہ دن آیا جب ہم قالینوں پر بیٹھے، اب میں اپنی بیوی سے کہتا ہوں کہ قالین ہٹا لیجاؤ تو وہ کہتی ہے کہ یہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی ہے۔[1]

امن وامان کی بشارت عدیؓ بن حاتم کا بیان ہے کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا کہ دو شخص آئے، ایک نے بھوک کی، اور دوسرے نے رہزنی کی شکایت کی، آپ نے عدیؓ کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا "کیوں عدی! تم نے حیرہ کو دیکھا ہے؟" انھوں نے کہا، دیکھا تو نہیں ہے، لیکن اس کو جانتا ہوں"۔ آپ نے فرمایا، اگر تم زندہ رہے تو دیکھو گے کہ حیرہ سے ایک ہودج نشین عورت چل کر خانۂ کعبہ کا طواف کرے گی اور اس کو خدا کے سوا کسی کا خوف نہ ہوگا، اگر تم زندہ رہے تو دیکھو گے کہ کسریٰ کا خزانہ فتح کر لیا گیا؛ اگر تم زندہ رہے تو دیکھو گے کہ ایک شخص مٹھی بھر سونا چاندی لیکر نکلے گا کہ کسی کو خیرات دے، لیکن دولت کی کثرت کا یہ عالم ہوگا کہ کوئی قبول کرنے والا نہ ملے گا، عدیؓ کے دل میں یہ بات کھٹکتی تھی کہ آخر قبیلۂ طے کے وہ ڈاکو کیا ہو جائیں گے، جنھوں نے تمام ملک میں آگ لگا رکھی ہے، لیکن خود عدی کا بیان ہے کہ میں نے دیکھ لیا کہ حیرہ سے ایک پردہ نشین عورت تنہا چل کر آتی ہے اور خانۂ کعبہ کا طواف کر کے واپس جاتی ہے، اور اس کو خدا کے سوا کسی کا ڈر نہیں ہوتا، ان کا بیان ہے کہ جن

[1] صحیح بخاری باب علامات النبوۃ

لوگوں نے کسریٰ کا خزانہ فتح کیا، ان میں یہ بھی تھا۔ صرف تیسری پیشینگوئی میرے سامنے پوری ہونے سے رہ گئی ہے، جو لوگ زندہ رہیں گے وہ اس کو بھی پورا ہوتے ہوئے دیکھ لیں گے[1]، چنانچہ احادیث کا بیان ہے کہ بنی اُمیہ کی سلطنت کے زمانہ میں یہ واقعہ بھی بعینہٖ گذرا۔

ابوصفوان کے قتل کی خبر ہجرت کے بعد جب مسلمانوں کو مدینہ منورہ کا دارالامان مل گیا، اور اسلام روز بروز ترقی کرنے لگا تو یہ دیکھکر قریش کے سردار مدینہ پر حملہ کی تدبیریں سوچنے لگے، اسی اثنا میں انصار کے ایک رئیس سعدؓ عمرہ ادا کرنے کے لیے مکہ معظمہ گئے، اور ابوصفوان (امیہ) کے گھر جاکر مہمان ہوئے۔ ابوصفوان ایک دفعہ موقع پاکر ان کو طواف کرانے لایا۔ وہ کعبہ کا طواف کر رہے تھے کہ ابوجہل نکل آیا۔ اس نے کہا "تم مکہ آکر بے خوف وخطر کعبہ کا طواف کرتے ہو، حالانکہ تم نے بے دینوں (مسلمانوں) کو اپنے ہاں پناہ دے رکھی ہے، اور سمجھتے ہو کہ خدا اور رسول کی تم نصرت کر رہے ہو۔ خدا کی قسم اگر ابوصفوان کے ساتھ تم نہ ہوتے تو یہاں سے سلامت گھر نہ جاسکتے"۔ حضرت سعدؓ نے ڈانٹ کر جواب دیا کہ "اگر تم ہم کو طواف نہ کرنے دوگے تو ہم تمہارا قافلۂ تجارت مدینہ کے راستہ سے گذرنے نہ دیں گے"۔ صفوان نے کہا کہ "اے سعد ان سے سخت لہجہ میں گفتگو نہ کرو، یہ اس وادی کے سردار ہیں"۔

حضرت سعدؓ نے کہا اے صفوان اپنی طرفداری رہنے دو، میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ تم عنقریب مسلمانوں کے ہاتھ سے مارے جاؤگے"۔ ابوصفوان نے کہا کیا وہ یہاں آکر مجھے ماریں گے"۔ انھوں نے جواب دیا، یہ مجھے نہیں معلوم، یہ سن کر ابوصفوان کے بدن پر

[1] صحیح بخاری باب علامات النبوۃ۔

رعشہ پڑگیا، وہ گو کافر تھا لیکن اس کو معلوم تھا کہ دہنِ رسالتؐ سے آجتک کوئی غلط بات نہیں نکلی، چنانچہ اس کے بعد بدر کی لڑائی کا موقع پیش آیا، تو اس کی بیوی نے جانے سے روکا، اور سعدؓ کی پیشینگوئی یاد دلائی، ابوصفوان نے بھی ڈر کر اس فوج میں شرکت سے انکار کر دیا، لیکن ابوجہل اس کو سمجھا بجھا کر لے گیا، بالآخر اسی کارزار میں یہ پیشین گوئی پوری ہوئی،[1]

نام بنام مقتولین بدر کی خبر بدر کا معرکہ جب پیش آنے والا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کو لیکر میدان میں گئے، اور بتایا کہ یہ فلاں کافر کی قتل گاہ ہے، یہ ابوجہل کا مقتل ہے، یہاں قریش کا وہ بڑا سردار مارا جائے گا، یہ عجیب غریب پیشینگوئی تھی، تین سو ساڑھے تین سو نیم مسلح بے سر سامان سپاہیوں کا افسر، ایک ہزار سے زیادہ سپاہیوں کی عرق آہن، باساز و سامان فوج کی شکست اور افسروں کے قتل و موت کا اعلان کر رہا تھا، صحابہؓ کہتے ہیں کہ ہر سردار قریش کے لیے آپ نے جو جگہ مقرر فرمادی تھی، وہیں اس کی لاش خاک و خون میں لتھڑی پائی گئی،[2]

فاتح خیبر کی تعیین خیبر میں یہودیوں کے متعدد مستحکم اور مضبوط قلعے تھے، ہر روز مسلمان افسر علم دے کر جاتے تھے، اور زور آزمائی کرتے تھے، اور شام کو ناکام واپس آتے تھے، ایک دن آپ نے فرمایا کہ کل علم میں اس کے ہاتھوں میں دونگا، جس کو خدا اور اس کا رسول پیار کرتا ہے، اور اسی کے ہاتھ پر کل فتح ہوگی، اسلام کی صف میں ہر حوصلہ مند شمشیر زن نے کل کی توقع پر بیقراری میں رات بسر کی، کوکبۂ صبح جب طلوع ہوا تو حضرت علیؓ پردۂ غبار سے نمودار ہوئے، حضرت معدوح کو آشوب چشم تھا، اس لیے وہ ساتھ نہ آسکے تھے، آپ نے حضرت علیؓ کے ہاتھ میں علم دیا اور خیبر کا

[1] صحیح بخاری، آغاز کتاب المغازی [2] صحیح مسلم غزوۂ بدر،

میدان اُسی دن ان کے ہاتھوں سے سر ہوا۔[1]

حضرت فاطمہ زہراؓ کی وفات کی اطلاع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مرض الموت میں ایک دفعہ حضرت فاطمہ زہراؓ کو اپنے پاس بلایا۔ اور اُن کے کان میں کوئی بات کہی کہ وہ رونے لگیں، تھوڑی دیر کے بعد اُن سے ایک اور بات کہی تو وہ ہنسنے لگیں، حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ مجھ کو یہ دیکھکر تعجب ہوا، اور اُن سے اس کا سبب دریافت کیا۔ انھوں نے کہا کہ میں رسول اللہ کا راز ظاہر نہیں کر سکتی، جب آپ کی وفات ہو گئی تو حضرت عائشہؓ نے دوبارہ ان سے دریافت کیا، حضرت فاطمہؓ نے کہا ہاں اب میں بتا سکتی ہوں، حضورؐ نے پہلے مجھ سے یہ فرمایا کہ میں اسی بیماری میں انتقال کروں گا۔ اور پھر فرمایا اے فاطمہ میرے اہل بیت میں سب سے پہلے تم آکر مجھ سے ملو گی،[2] یہ دونوں باتیں صحیح ہوئیں: آپ نے اسی مرض میں وفات پائی، اور آپ کی وفات کے تقریباً چھ ہی مہینوں کے بعد حضرت فاطمہ زہراؓ بھی اس دنیا سے چل بسیں

خود اپنی وفات کی اطلاع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جس سال وفات پائی ہے آپ نے اسی سال اس دنیا سے اپنی تشریف بری کا عام اعلان کر دیا تھا۔ حجۃ الوداع سے پہلے معاذؓ کو داعی اسلام بنا کر یمن بھیجا تھا۔ ان کو رخصت کرتے ہوئے آپ نے فرمایا۔ معاذ اب اس کے بعد تم مجھ سے نہ مل سکو گے، واپس آؤ گے تو میری مسجد اور میری قبر کے پاس سے گذرو گے۔ یہ سن کر وہ رونے لگے،[3] حجۃ الوداع کے خطبہ میں ہزاروں مسلمانوں کے روبرو آپ نے فرمایا "شاید کہ آئندہ سال تم مجھے نہ پا سکو گے"۔ مرض الموت سے کچھ دن پیشتر فرمایا کہ خدا نے اپنے بندہ کو دنیا اور

[1] صحیح بخاری فتح خیبر [2] صحیح مسلم باب الفضائل و صحیح بخاری باب علامات النبوۃ فی الاسلام [3] مسند احمد حنبل جلد ۵ ص ۲۳۵

آخرت کی زندگی کا اختیار دیا تو اس نے آخرت کی زندگی پسند کی"[1]

فتح یمن کی خبر یمن ۷ھ میں فتح ہوا، مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی فتح اور وہاں کے مسلمانوں کی دور دراز ملکوں میں ہجرت کی خبر پہلے ہی دیدی تھی۔ آپ نے فرمایا تھا "یمن فتح کیا جائے گا تو لوگ اپنی سواریوں کو ہنکاتے ہوئے اور اہل و عیال اور جو ان کا کہا مانیں گے انکو لے کر آئیں گے، حالانکہ مدینہ ہی کا قیام ان کے لیے بہتر ہوتا، اگر وہ جانتے[2]۔" آخر یمن خود آپ کی زندگی ہی میں فتح ہوا، اور آپ کے بعد جب وہاں بغاوت ہوئی، تو عہد صدیقی میں دوبارہ فتح ہوا، اور وہاں سے لوگ نکل نکل کر ایک طرف مشرق میں خراسان اور ترکستان تک اور دوسری طرف مغرب میں افریقہ اور اسپین تک پھیل گئے، اور چھان تمام ملکوں میں یمنی اور حجازی قبائل کی باہمی خانہ جنگی کے باعث تباہی، تاریخ کے مشہور و معروف واقعات ہیں،

فتح شام کی خبر پھر فرمایا اور شام مفتوح ہوگا، تو لوگ اپنی سواریاں کو ہنکاتے ہوئے، اور اپنے اہل و عیال اور ہمراہیوں کو لے کر آئیں گے، اور مدینہ ان کے لیے بہتر ہوتا، اگر وہ جانتے[3]۔" امام احمد نے سند میں روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا "عنقریب تم لوگ شام کی طرف ہجرت کروگے تو وہ تمہارے لیے فتح کر دیا جائے گا[4]، معلوم ہے کہ شام فتح ہونے کے ساتھ وہ عربوں کا مسکن بن گیا، اور آج بھی ان کی آبادی وہاں سب سے زیادہ ہے۔

فتح عراق کی خبر پھر ارشاد ہوا کہ عراق مفتوح ہوگا، اور لوگ وہاں بھی اپنی سواریوں کو

---

[1] صحیحین مناقب ابی بکرؓ [2] صحیح مسلم کتاب الحج و موطا مالک و عبدالرزاق و ابن خزیمہ و ابن حبان،
[3] بحوالہ سابق [4] مسند ابن حنبل روایت معاذؓ

ہنکاتے ہوئے اہل وعیال کو لے کر آئیں گے، حالانکہ مدینہ ان کے لیے بہتر تھا اگر وہ سمجھتے"۔
فتحِ عراق کی بشارت کی بعض اور روایتیں بھی ہیں۔

خوزستان اجدکران کی فتوحات اور ترکوں سے جنگ

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ "قیامت سے پہلے تم لوگ ایسے لوگوں سے لڑو گے جن کے جوتے بال کے ہوں گے"۔ دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا: "اس وقت تک قیامت نہیں آئیگی جب تک تم خوزو کرمان کے عجمیوں سے نہ لڑو گے جن کے چہرے سرخ، ناکیں چپٹی، آنکھیں چھوٹی ہوں گی، ان کے چہرے ہتوڑوں سے پیٹی ہوئی ڈھالوں کے مانند ہوں گے (یعنی چوڑے چپٹے) اور ان کے جوتے بال کے ہوں گے"۔ اور روایتوں میں یہ الفاظ ہیں، "اس وقت تک قیامت نہ آئے گی جبتک مسلمان ترکوں سے نہ لڑلیں، جن کے چہرے چپٹے ہوں گے، جن کے لباس بال کے ہوں گے اور بال ہی کے (موزے یا جوتے) پہن کر وہ چلتے ہوں گے"۔ یہ تمام پیشین گوئیاں پہلی ہی صدی کے آخر تک پوری ہو گئیں،

فتح مصر کی بشارت اور ایک واقعہ کا حوالہ

حضرت ابوذرؓ کہتے ہیں کہ آپ نے فرمایا "تم عنقریب مصر فتح کرو گے جہاں کا قیراط مشہور ہے، جب اس کو فتح کرو تو وہاں کے باشندوں کے ساتھ نیکی سے پیش آنا، کیونکہ تمہارے ان کے درمیان تعلق اور رشتہ ہے، (حضرت ابراہیمؑ کی بیوی اور حضرت اسمٰعیلؑ کی ماں ہاجرہ مصر کی تھیں) اور جب تم دیکھنا کہ وہاں ایک اینٹ بھر جگہ کے لیے دو آدمی لڑتے ہوں تو وہاں سے نکل جانا، خود حضرت ابوذرؓ نے بعینہٖ ایسا ہی دیکھا

---

[1] صحیح مسلم کتاب الحج و موطا امام مالک [2] صحیح بخاری باب علامات النبوۃ فی الاسلام [3] ایضاً [4] ایضاً

اور وہ وہاں سے واپس چلے آئے۔[1]

غزوۂ ہند کی خبر ہندوستان کے سات کروڑ مسلمان یہ سن کر خوش ہوں گے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان قدسی بیان سے ہندوستان میں اسلام کے داخل اور غالب ہونے کی خوشخبری سنائی تھی۔ آپ نے فرمایا "میری امت کے دو گروہ ہیں، جن کو اللہ تعالیٰ آتش دوزخ سے بچائے گا، ایک وہ جو ہندوستان کے غزوہ میں شریک ہوگا۔" دوسری روایت میں حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ وہ کہتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے (مسلمانوں سے) ہندوستان کے غزوہ کا وعدہ فرمایا تھا، تو اگر میں نے وہ زمانہ پایا تو اس کی راہ میں اپنی جان و مال قربان کر دوں گا، تو اگر میں اس میں شہید ہوا تو بہترین شہید ٹھہروں گا اور اگر زندہ لوٹا تو میں آتشِ دوزخ سے آزاد ابوہریرہ ہوں گا۔"[2] یہ پیشینگوئیاں امام نسائی المتوفی ۳۰۳ھ کی سنن میں ہیں جو سلطان محمود کے حملۂ ہندوستان (۳۹۲ھ) سے تقریباً سو برس پہلے لکھی گئی ہے۔

بحرِ روم کی لڑائیاں بحرِ روم جس کو بحرِ اخضر اور بحرِ متوسط (میڈیٹرینین سی) بھی کہتے ہیں یورپ اور ایشیا کی، اور اب گویا اسلام اور عیسائیت کی حد فاصل ہے۔ اور اس زمانہ میں یہ رومیوں کی بحری قوت کا جولانگاہ تھا، ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خوابِ راحت سے مسکراتے ہوئے بیدار ہوئے۔ اور فرمایا اس وقت خواب میں میری امت کے کچھ لوگ تختِ شاہی پر بادشاہوں کی طرح بیٹھے ہوئے دکھائے گئے۔ یہ بحرِ اخضر میں (جہاد کے لئے) اپنے جہاز ڈالیں گے۔[3] یہ بشارت سب کے

---

[1] صحیح مسلم باب الوصیۃ بالہل مصر کتاب فضائل الصحابہ مسند احمد جلد ۵ ص ۴۳۴ عن ابی ذر و مسند ابی عوانہ و ابن حبان [2] یہ دونوں روایتیں سنن نسائی کتاب الجہاد میں ہیں [3] صحیح بخاری باب الرویا فی المنام و صحیح مسلم باب غزوۃ البحر کتاب الامارۃ و ابوداؤد کتاب الجہاد

پہلے امیر معاویہؓ کے عہد میں پوری ہوئی، اور دیکھا گیا کہ دمشق کی سرزمین پر اسلام میں سب سے پہلے تخت شاہی بچھایا جاتا ہے۔ اور دمشق کا شہزادہ یزید اپنی سپہ سالاری میں مسلمانوں کا پہلا لشکر لے کر بحر اخضر میں جہازوں کے بیڑے ڈالتا ہے۔ اور دریا کو عبور کر کے قسطنطنیہ کی چہار دیواری پر تلوار مارتا ہے۔

بیت المقدس کی فتح بیت المقدس اسلام کا دوسرا قبلہ ہے، اور اس کی تولیت امت محمدؐ کا حق تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو اس تولیت کی بشارت دیدی تھی، اور فرمادیا تھا کہ میری موت کے بعد یہ واقعہ پیش آئے گا۔ عوف بن مالک اشجعی سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ قیامت سے پہلے چند واقعے گن رکھو (اول) میری موت۔ پھر بیت المقدس کی فتح[1]" اس کے بعد آپ نے چار اور باتیں بیان فرمائیں۔ یہ بشارت حضرت عمرؓ کے عہد میں ۱۵ھ میں پوری ہوئی

فتح قسطنطنیہ کی بشارت فتح قسطنطنیہ کی متعدد بشارتیں ہیں، ایک نے فرمایا کہ تم لوگ یقیناً آئندہ قیصر کے خزانوں پر متصرف ہوگے[2]" اور فرمایا "میری امت کی ایک جماعت بحر اخضر (بحر روم جس کے ساحل پر قسطنطنیہ ہے) میں سوار ہوگی[3]۔ مسلمانوں کی پہلی جماعت اسی قسطنطنیہ کی فتح کے لیے اس دریا میں سوار ہوئی، آثار قیامت کے سلسلہ میں فرمایا "یہ ہوگا۔ یہ ہوگا۔ پھر تم قسطنطنیہ فتح کروگے[4]۔" ایک اور روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا "تم لوگ بے شبہ قسطنطنیہ فتح کروگے تو اس کا حاکم (مسلمان) کتنا اچھا حاکم ہوگا، اور وہ (فتح کرنے والی) فوج کیسی اچھی فوج

---

[1] صحیح بخاری باب الجزیہ [2] صحیح بخاری و صحیح مسلم [3] صحیح بخاری، رکوب البحر وعلامات النبوۃ وباب الرویا فی النہار [4] صحیح مسلم و ترمذی کتاب الفتن،

ہو گی۔[1] مسلمان خلفاء اور سلاطین میں سے ہر باہمت نے اس کو پورا کرنے کیلیے قسمت آزمائی کی، مگر ازل سے یہ سعادت سلطان محمد فاتح کی قسمت میں آچکی تھی۔

فتح روم کا اشارہ جس طرح قسطنطنیہ مشرقی رومی سلطنت کا پایۂ تخت تھا۔ رومیہ (روم) مغربی رومی سلطنت کا دارالحکومت تھا، اور جو اب اٹلی کا پایۂ تخت ہے، یہ مغربی عیسائیوں کا مقدس شہر ہے، گو صاف اور صریح الفاظ میں نہیں لیکن اشارہ پایا جاتا ہو کہ آپ نے مسلمانوں کو اس کی فتح کی بشارت دی تھی، چنانچہ تاریخوں سے ثابت ہو کہ اسپین اور مغرب کے مسلمانوں نے اس کے مناروں کے اوپر بھی اسلام کا علم ایک دفعہ بلند کر دیا تھا۔ حضرت عبداللہ بن عمروؓ بن العاصؓ سے کسی نے پوچھا کہ پہلے قسطنطنیہ فتح ہوگا، یا رومیہ، انھوں نے اپنی یادداشت کے کاغذوں کو دیکھ کر جواب دیا کہ ہم لوگ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارد گرد حاضر تھی کہ کسی نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ پہلے قسطنطنیہ فتح ہوگا یا رومیہ، فرمایا "نہیں پہلے ہرقل کا شہر فتح ہوگا۔"[2] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رومیہ کے متعلق جو زیادہ وضاحت نہیں فرمائی اسکی وجہ غالباً یہ ہو کہ مسلمانوں کی حکومت کا وہاں فتح کے بعد قسمتِ الٰہی میں باقی رہنا منظور نہ تھا،

فاتح عجم کا اشارہ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص حجۃ الوداع میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمرکابی میں مکہ معظمہ گئے تھے، وہاں جا کر وہ اس قدر سخت بیمار پڑے کہ اُن کو اپنی زندگی کی اُمید نہ رہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کی عیادت کو تشریف لے گئے تو ان کا اضطراب دیکھ کر ان کو تسلی دی، اور ان کے حق میں دعا کی اور فرمایا کہ "تم اگر خدا نے چاہا تو ابھی نہیں مرو گے، تم کو اگر

---

[1] مسند احمد عن ابی عبداللہ بن ابی یسر الجہنی وحاکم وابن ابی شیبہ [2] ایضاً عن ابی قبیل التابعی عن عبداللہ بن عمرو بن العاص جلد ۴ ابن ابی شیبہ"

خلوص سے کام کروگے تو درجہ عظیم ملے گا تیرے لوگوں کو تم سے فائدہ اور بہتوں کو تم سے نقصان پہنچے گا یہ حضرت سعدؓ کے عجمی فتوحات کی بشارت تھی کہ حضرت سعدؓ نے سپہ سالار اسلام بن کر بڑا درجہ پایا اور چند سال میں کسریٰ کا تاج و تخت چھین لیا اور اس طرح مسلمانوں کو ان کی ذات سے فائدہ عظیم اور مجوسیوں کو نقصان عظیم پہنچا۔

مرتدین کی اطلاع حضرت ابوبکرؓ کی خلافت میں عرب کے متعدد اطراف میں دعویداران کاذب پیدا ہو گئے، اور بہت سے لوگ جو اسلام کا کلمہ پڑھ چکے تھے، ان کے ساتھ ہو گئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس واقعہ کی پہلے ہی اطلاع دیدی تھی، فرمایا کہ "حوض کوثر پر بہت سے لوگ آئیں گے، میں کہوں گا کہ یہ میرے ساتھی ہیں، لیکن فرشتے ان کو دھکے دیکے نکال دیں گے اور کہیں گے کہ یا رسول اللہ آپ کو معلوم نہیں کہ یہ آپ کے بعد بدل گئے تھے۔"[1]

حضرت زینبؓ کی وفات کی اطلاع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج مطہراتؓ کو اطلاع دی تھی کہ تم میں سب سے پہلے مجھ سے آکر وہ ملے گی جس کا ہاتھ سب سے لمبا ہوگا، ازواجِ مطہراتؓ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک سے جو محبت تھی، اس کا ایک نتیجہ یہ تھا کہ اس پیشین گوئی کے مطابق وہ اپنے اپنے ہاتھ ناپا کرتی تھیں، حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ ہم میں سے جب سب سے پہلے حضرت زینبؓ نے وفات پائی تو ہم سمجھے کہ ہاتھ کی لمبائی سے حضور کا کیا مقصد تھا (ہاتھ کا لمبا ہونا عربی میں کشادہ دستی اور فیاضی سے کنایہ ہے) زینبؓ سب میں سب سے زیادہ کشادہ دست تھیں۔"[2]

---

[1] صحیح بخاری باب الجنۃ وصحیح بخاری و مسلم و ابوداؤد و نسائی باب وصایا [2] صحیحین حدیث کوثر [3] صحیح مسلم فضائل حضرت زینبؓ۔

اُمِّ ورقہ کو شہادت کی خوشخبری اُمِّ ورقہؓ ایک صحابیہ تھیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب بدر کا ارادہ کیا تو انھوں نے درخواست کی کہ "یا رسول اللہ مجھ کو بھی اس میں شرکت کی اجازت دیجئے، شاید کہ خدا مجھے شہادت نصیب کرے"۔ فرمایا "تم اپنے گھر ہی میں رہو، تمھیں شہادت نصیب ہوگی، چنانچہ وہ زندگی ہی میں اس پیشینگوئی کے مطابق شہیدہ کہلاتی تھیں، ان کے پاس ایک غلام اور ایک لونڈی تھی، حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ان دونوں نے مل کر ایک رات ان کا گلا گھونٹ کر مار ڈالا، اور اس طرح اطلاع نبوی کے مطابق انھوں نے گھر بیٹھے یہ دولت پائی۔[1]

خلفاء کی بشارت حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ آپ نے فرمایا "بنی اسرائیل کی سرداری اور نگہبانی انبیاء کرتے تھے، جب کوئی نبی مرتا تھا تو دوسرا نبی اس کا قائم مقام ہوتا تھا، اور اس میں کوئی شک نہیں کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں، البتہ خلفاء ہوں گے اور بہت ہونگے"۔[2]

بارہ خلفاء آپ کے بعد بارہ خلفاء کے ہونے کی بشارتیں حدیث کی مختلف کتابوں میں مختلف الفاظ میں آئی ہیں، صحیح مسلم[3] میں یہ الفاظ ہیں "اُس وقت تک یہ اسلامی حکومت اچھی رہیگی، جب تک اس پر بارہ آدمی حکومت کریں گے"۔ یہ حکومت اُس وقت تک ختم نہ ہوگی، جب تک اس پر بارہ خلیفہ حکمراں نہ ہولیں"۔ بارہ خلیفوں تک اسلام معزز اور محفوظ رہے گا"۔ میرے بعد قریش میں سے بارہ خلیفہ ہوں گے، پھر چھوٹے لوگ ہوں گے"۔ ابوداؤد (کتاب المہدی) میں یہ الفاظ ہیں، یہ دین ہمیشہ قائم رہے گا، یہانتک کہ اس میں بارہ

---

[1] سنن ابی داؤد باب الامامۃ وابن راہویہ [2] صحیح مسلم کتاب الامارۃ [3] ایضاً

خلیفہ گذر جائیں، ان سب پر تمام امت مجتمع ہوگی"۔ علمائے اہل سنت میں سے قاضی عیاضؒ اس حدیث کا یہ مطلب بتاتے ہیں کہ تمام خلفاء میں سے بارہ وہ شخص مراد ہیں جن سے اسلام کی خدمت بن آئی۔ اور وہ متقی تھے، حافظ ابن حجرؒ ابوداؤد کے الفاظ کی بنا پر خلفاء راشدین اور بنی امیہ میں سے ان بارہ خلفاء کو گنواتے ہیں، جن کی خلافت پر تمام امت کا اجتماع رہا۔ یعنی حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ۔ امیر معاویہؓ، یزید، عبدالملک، ولید، سلیمان، عمر بن عبدالعزیزؒ، یزید ثانی، ہشام، شیعہ فرقہ تو اس حدیث کی تشریح میں اپنے بارہ اماموں کو پیش کر دے گا۔

خلافت راشدہ کی مدت فرمایا "خلافت (یعنی خلافت راشدہ) میرے بعد تیس برس ہوگی، پھر بادشاہی ہو جائے گی"۔ یہ تیس سال کی مدت حضرت علیؓ کی خلافت پر تمام ہوتی ہے۔

خلیفہ کا نام	خلافت کی مدت	خلیفہ کا نام	خلافت کی مدت
حضرت ابوبکرؓ	۱۱ھ - ۱۳ھ	حضرت عثمانؓ	۲۳ھ - ۳۵ھ
حضرت عمرؓ	۱۳ھ - ۲۳ھ	حضرت علیؓ	۳۵ھ - ۴۰ھ

شیخین کی خلافت کی پیشگوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے گو صریح اور صاف الفاظ میں اپنے جانشینوں کی تعیین نہیں فرما دی تھی، مگر آپ کو یہ علم بخشا جا چکا تھا کہ حالات اس طرح رونما ہوں گے ایک دفعہ آپ نے بیان فرمایا کہ "میں سویا تھا کہ میں نے اپنے آپ کو ایک کنوئیں کی جگت پر دیکھا جس پر ڈول پڑا ہوا تھا، میں نے اس میں سے اتنے ڈول پانی نکالے جتنے خدا نے چاہے

---

۱ مقدمہ تاریخ الخلفاء سیوطی ۲ جامع ترمذی کتاب الفتن سنن ابی داؤد، حاکم، نسائی، بیہقی،

پھر اس ڈول کو ابو قحافہ کے بیٹے ابو بکرؓ نے لیا۔ انھوں نے بھی اس سے ایک ڈول پانی کھینچا، مگر ان کے کھینچنے میں کسی قدر ضعف تھا، خدا ان کو معاف کرے، پھر وہ ڈول ایک بڑا بڑا سا ڈول بن گیا، تو خطاب کے بیٹے (عمرؓ) نے اس کو اپنے ہاتھ میں لے لیا، اور اس طرح کھینچا کہ کسی طاقتور آدمی کو میں نے ان کے برابر کھینچتے نہیں دیکھا، یہاں تک کہ حوض لبالب بھر گیا، اور پینے والوں کا چاروں طرف سے ہجوم ہو گیا۔[1]

یہ خلافت صدیقی و فاروقی کی تمثیلی پیشینگوئی ہے جس کی آئندہ واقعات نے حرف حرف تصدیق کی

مسلمانوں کو دولت کی کثرت اور فتنوں کے ظہور سے آگاہ کرنا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جن فتنوں کا آغاز ہوا اور مسلمانوں میں جو خانہ جنگیاں پیش آئیں ان کا پورا پورا علم آپ کو عطا ہوا تھا، اور اسی لیے آپ نے بار بار مسلمانوں کو اس سے متنبہ کر دیا تھا، ایک دفعہ آپ صحابہ کے ساتھ شہر کے باہر تھے، آپ نے ہمراہیوں سے پوچھا "مجھکو جو نظر آ رہا ہے وہ تم دیکھ رہے ہو؟ سب نے عرض کی "نہیں یا رسول اللہ" آپ نے فرمایا "میں دیکھ رہا ہوں کہ تمھارے گھروں پر بارش کی طرح فتنے برس رہے ہیں۔[2]" دوسری دفعہ فرمایا "خدا کی قسم مجھ کو تم پر فقر و فاقہ کا خوف نہیں، بلکہ دولت کا خوف ہے کہ جس طرح تم سے پہلوں پر دنیا پھیلا دی گئی تھی، تم پر بھی نہ پھیلا دی جائے، تو تم اس میں آپس میں رشک و حسد کرنے لگو، اور جس طرح اس نے تم سے پہلوں کو غافل کر دیا، تم کو بھی غافل کر دے۔[3]" ایک اور موقع پر ارشاد ہوا "دیکھو میرے بعد

---

[1] صحیح بخاری کتاب المناقب کتب الرویا۔ صحیح مسلم مناقب آخری فقرے حتی ضرب الناس بعطن کا مراوی ترجمہ ہے لفظی نہیں (دیکھو فتح الباری جلد ۷ ص ۴۶) [2] صحیح بخاری کتاب الفتن و حجۃ الوداع [3] صحیح بخاری و مسلم، کتاب الفتن

ایک دوسرے کی گردن نہ مارنے لگنا"۔ ایک دفعہ ارشاد ہوا "ایک زمانہ آئیگا کہ تمھارے سامنے دن کو ایک کھانے کا پیالہ اور رات کو دوسرے کھانے کا پیالہ آئیگا، اور کعبہ کے پردوں کی طرح (بیش قیمت اور عمدہ) تمھارے لباس ہوں گے"، حاضرین نے عرض کی یا رسول اللہ! ہم اس حالت میں اچھے ہیں یا اُس حالت میں اچھے رہیں گے، فرمایا "نہیں تم اس حالت میں اچھے ہو کہ تم سب باہم ایک دوسرے سے محبت اور پیار کرتے ہو، اور اُس وقت تم ایک دوسرے کے دشمن ہوگے اور ایک دوسرے کا گلا کاٹو گے"[1] حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ آپ مجلس میں رونق افروز تھے، فرمایا کہ میرے بعد اختلاف اور فتنہ ہوگا"، لوگوں نے عرض کی کہ "یا رسول اللہ! تو اس وقت ہم کو کیا حکم ہے"؟ فرمایا کہ امیر اور اسکے رفقاء کا ساتھ دینا"۔ ایک موقع پر آپ نے فرمایا "عنقریب میرے بعد کچھ فتنے پیدا ہوں گے، جن میں بیٹھنے والا کھڑے ہونے والے سے، اور کھڑا ہونے والا چلنے والے سے، اور چلنے والا دوڑنے والے سے بہتر ہوگا"۔

حضرت عمرؓ کی وفات کے بعد فتنوں کا ظہور ہوگا

خلافت راشدہ کے عہد میں جو فتنے برپا ہوئے، اللہ تعالیٰ نے انکی اطلاع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے ہی دیدی تھی، اور آپ نے ان کو بعض صحابہؓ کو بتا دیا تھا، ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے صحابہ سے پوچھا کہ حضورؐ نے فتنہ کی نسبت جو فرمایا تھا وہ کس کو زیادہ یاد ہے، حضرت حذیفہؓ نے کہا مجھے یاد ہے، انسان کو اہل و عیال اور مال و

[1] مسند احمد حدیث طلق (النصری) و مستدرک حاکم [2] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۹۹ ذہبی نے اس کو صحیح کہا ہے [3] صحیح بخاری کتاب الفتن،

میں جو فتنہ پیش آتا ہے وہ نماز، صدقہ اچھی باتوں کے کہنے اور بری باتوں سے روکنے سی دور ہو جاتا ہے، حضرت عمرؓ نے کہا میں اس کی نسبت نہیں پوچھتا میں اس فتنہ کو پوچھتا ہوں جو سمندر کی موجوں کی طرح لہریں لے گا۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا "اے امیر المومنین! اس فتنہ سے آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا کہ اسکے اور آپ کے درمیان ایک بند دروازہ ہی" دریافت فرمایا کہ کیا یہ دروازہ کھول دیا جائیگا، یا توڑ دیا جائیگا، حضرت حذیفہؓ نے جواب دیا، توڑ دیا جائیگا، حضرت عمرؓ نے کہا تو یہ دروازہ کبھی بند نہ ہو سکے گا، حضرت حذیفہؓ نے کہا ہاں ایسا ہی ہی۔ راوی کہتا ہے کہ میں نے حضرت حذیفہؓ سے پوچھا کہ کیا حضرت عمرؓ کو معلوم تھا کہ وہ دروازہ کون تھا؟ انھوں نے جواب دیا، ہاں بیشک اُن کو اس کا اسی طرح علم تھا جس طرح اس بات کا علم ہی کہ آج کے بعد کل آئیگا۔ راوی کہتا ہی "میں لحاظ سی نہ پوچھ سکا کہ وہ دروازہ کون تھا" اسلیے مسروق (تابعی) سے کہا کہ وہ حضرت حذیفہؓ سے اس کو دریافت کریں، مسروق نے دریافت کیا تو انھوں نے بتایا کہ "وہ دروازہ خود حضرت عمرؓ کا وجود تھا[1]۔ یہ دروازہ جب سے ٹوٹا، کس کو معلوم نہیں کہ اسلام پر فتنوں کا سیلاب امنڈ آیا

فتنے مشرق کی جانب سے اٹھیں گے

مستند اور معتبر حدیثوں میں پوری تصریح کیساتھ بروایات کثیرہ مذکور ہی[2] کہ اسلام میں فتنوں کا آغاز مشرق کیطرف سے ہوگا۔ آپ نے انگلی سے اشارہ کرکے بار بار فرمایا کہ ادھر سے جدھر شیطان کی سینگیں یعنی سورج کی کرنیں نکلتی ہیں، یہ اشارہ عرب سے مشرق کیجانب تھا، یعنی عراق کی طرف، دیکھو حضرت عمرؓ کا قاتل عجمی تھا، حضرت عثمانؓ کے عہد کا فتنہ

---

[1] صحیح بخاری کتاب الفتن [2] صحیح بخاری و مسلم کتاب الفتن وغیرہ۔

عراق ہی سے اٹھکر مصر تک پھیلا، جنگ جمل اسی سرزمین پر ہوئی، حضرت علیؓ یہیں شہید ہوئے، امیر معاویہؓ اور حضرت علیؓ کی جنگ صفین یہیں پیش آئی، خوارجِ اسلام کا پہلا گمراہ کن فرقہ یہیں سے نکلا، جبریہ اور قدریہ وغیرہ اسلام کے دیگر فرقوں کی یہ بدعتیں جنھوں نے اسلامی عقائد کی ساد گی کو پارہ پارہ کر دیا یہیں پیدا ہوئے، جگر گوشۂ رسول اور خانوادۂ نبوت کا قافلہ یہیں فرات کے کنارہ تنہا، مختار نے ادعائے کاذب کا فتنہ یہیں پیدا کیا، شیعیت جس نے اسلام کو دو حصوں میں منقسم کیا، یہیں کی پیداوار ہی، حجاج کی سفاکیاں اسی سرزمین پر ہوئیں، ترک و تاتار کی غارتگریوں کے نتائج جنھوں نے اسلام کی رہی سہی طاقت، اور عرب خلافت عربی کا تار تار الگ کر دیا، یہیں رونما ہوئے، حتی کہ اس جنگ عظیم میں بھی واحد اسلامی طاقت کے ساتھ غداری کے نتائج بھی اولاً یہیں ظاہر ہوئے اور اس کے اثرات بعد کو اور اطراف میں بھی رونما ہوئے۔

حضرت عثمانؓ کو فتنہ کی اطلاع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کے ایک باغ میں ٹیک لگائے بیٹھے تھے، حضرت ابوبکرؓ دروازہ کھلوا کر آئے تو آپ نے ان کو جنت کی بشارت دی، اسی طرح حضرت عمرؓ آئے، اور آپ نے ان کو جنت کا مژدہ سنایا، اس کے بعد حضرت عثمانؓ آئے، تو آپ نے ان کو جنت کی بشارت کے ساتھ فتنہ و امتحان سے دوچار ہونے کی بھی اطلاع دی، چنانچہ ان کو اپنے زمانۂ خلافت میں یہ فتنہ و امتحان پیش آیا اور شہادت نصیب ہوئی،[1] حدیث کی کتابوں میں اس قسم کی اور بھی روایتیں ہیں،

حضرت عمرؓ اور عثمانؓ شہید ہوں گے ایک دفعہ مکہ معظمہ میں کوہ ثبیر یا کوہ احد پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

[1] صحیح مسلم فضائل عثمانؓ

تشریف فرما تھے، آپؐ کی رفاقت میں حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ بھی تھے کہ دفعۃً پہاڑ کو جنبش ہوئی، آپؐ نے فرمایا۔ "اے ثبیر! ٹھہر جا کہ تیری پشت پر ایک پیغمبر، ایک صدیق اور دو شہید ہیں"، پیغمبر اور صدیق کو تو سب جانتے تھے، لیکن حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد یہ بھی معلوم ہو گیا کہ وہ دو شہید کون تھے[1]،

حضرت علی مرتضیٰؓ کی مشکلات اور شہادت

حضرت علیؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ "تم سے امت میری بعد بیوفائی کرے گی"۔ حضرت ابن عباسؓ کی روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ "اے علی خبردار! کہ تم کو میرے بعد مصیبت پیش آئیگی"۔ حضرت علیؓ نے استفسار کیا "کیا یہ مصیبت میری سلامتی دین کے ساتھ پیش آئے گی؟" فرمایا "ہاں تمہاری سلامتی دین کے ساتھ"۔ حضرت علیؓ اور بعض صحابہؓ ایک سفر میں ایک موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے، آپؐ نے فرمایا "میں بتاؤں کہ دو سب سے بدبخت انسان کون ہیں"؟ لوگوں نے عرض کی "ہاں یا رسول اللہ! بتلایئے"۔ "ایک ثمود کا سرخ رنگ بدبخت جس نے کو قتل کیا، دوسرا وہ جو اے علی! تمہارے یہاں پر (گردن کی طرف اشارہ کیا) تلوار مارے گا"[2]،

جنگ جمل کی خبر

حضرت علیؓ اور حضرت عائشہؓ وغیرہ کے درمیان جو اتفاقی لڑائی بصرہ میں پیش آگئی تھی، اس کو جنگ جمل کہتے ہیں، ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ازواج مطہرات کے درمیان

---

[1] صحیح بخاری مناقب ابی بکرؓ و صحیح ترمذی مناقب عثمانؓ بروایت حسن و سنن نسائی و دار قطنی،

[2] یہ تینوں روایتیں مستدرک حاکم میں ہیں، امام ذہبی نے پہلی روایت کو مطلق صحیح، دوسری کو بشرط بخاری و مسلم صحیح" اور تیسری کو بشرط مسلم صحیح کہا ہے، جلد ۳ ص ۱۴۰، ۱۴۱، حیدرآباد،

تشریف فرما تھے کہ آپ نے فرمایا "تم میں سے کسی پر حواب کے کتے بھونکیں گے"۔ (حواب عراق میں ایک تالاب کا نام ہے) حضرت عائشہؓ جب اصحاب جمل کیساتھ روانہ ہوئیں اور حواب کے تالاب پر پہنچیں اور کتوں نے بھونکنا شروع کیا تو ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشینگوئی یاد آئی[1]

حضرت علیؓ اور معاویہؓ کی جنگ ایک بار آپ نے فرمایا کہ اس وقت تک قیامت نہ آئیگی، جب تک دو ایسے گروہ باہم جنگ آزما نہ ہوں گے جن میں سے ہر ایک کا دعویٰ ایک ہی ہوگا[2] علماء کا بیان ہے کہ یہ پیشینگوئی حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ کی لڑائیوں پر صادق آتی ہے[3]

حضرت عمارؓ شہید ہوں گے آپ نے غزوۂ خندق میں حضرت عمارؓ کے سر پر دست شفقت پھیر کر فرمایا "افسوس تجھ کو ایک باغی گروہ قتل کریگا"[4] یہ پیشینگوئی متعدد صحابہ سے منقول ہے حضرت عمارؓ، حضرت علیؓ کی معیت میں امیر معاویہؓ کے ساتھیوں کے ہاتھ سے جنگ صفین میں شہید ہوئے،

امام حسنؓ کی مصالحت ایک دفعہ آپ حضرت امام حسنؓ کو لیکر گھر سے باہر نکلے، اور ان کو گود میں لے کر منبر پر چڑھے۔ پھر فرمایا کہ "میرے اس فرزند کے ذریعہ سے خدا مسلمانوں کے دو گروہوں کے درمیان مصالحت کرا دیگا"[5] چنانچہ یہ پیشینگوئی حضرت علیؓ کی شہادت کے چھ مہینے بعد پوری ہوئی اور طرفداران علیؓ اور طرفداران معاویہؓ میں بعض شرائط پر صلح ہو گئی۔

آخر حکومت قریش کے ہاتھوں اسلام کی تباہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جن مخصوص اصحاب کو اسلام

---

[1] مسند ابن حنبل جلد ۶ ص ۵۲، ۹۷ [2] صحیح مسلم فتن [3] دیکھو شرح مسلم [4] صحیح مسلم کتاب الفتن [5] صحیح بخاری باب علامات النبوۃ فی الاسلام و صحیح مسلم و ترمذی باب مناقب و حاکم ترجمۂ امام حسنؓ جلد ۳

کے مستقبل سے باخبر کر دیا تھا، ان میں ایک حضرت ابوہریرہؓ بھی تھے، وہ کہتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "میری امت کی بربادی قریش کے چند نوخیزوں کے ہاتھ سے ہوگی" حضرت ابوہریرہؓ کہا کرتے تھے کہ "اگر میں چاہوں تو سب کو نام بنام گنا دوں"[1] یہ پیشگوئی حرف بحرف صحیح نکلی، حضرت عثمانؓ کے عہد کا سیاسی طوفان، ان کی شہادت پر، پھر جمل کی لڑائی یہ سب چند نوخیز قریشی رئیس زادوں کی بیجا امنگوں کے نتائج تھے، جیسا کہ عام تاریخوں میں مسطور ہے، اور صحیح بخاری میں ہے کہ راوی کہتا ہے کہ ہم نے شام جا کر بنی مروان کو دیکھا تو اُن کو اسی طرح نوخیز نوجوان پایا۔[2]

یزید کی تخت نشینی کی بلا اسلام پر

امیر معاویہؓ نے ۶۰ھ میں وفات پائی اور انکے بجائے یزید تخت نشین ہوا، اور یہی اسلام کے سیاسی، مذہبی، اخلاقی اور روحانی ادبار و نکبت کی اولین شب ہے، حضرت ابوہریرہؓ سے متعدد روایتیں ہیں، مسند احمد میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں سے فرمایا کہ "۶۰ھ کے شروع ہونے سے اور لڑکوں کی حکومت سے پناہ مانگا کرو"[3] اور دنیا ختم نہ ہوگی، یہانتک کہ اس پر ایسے ایسے لوگ حکمراں نہ ہو لیں[4]، حاکم میں ہے کہ آپ نے فرمایا عربوں پر افسوس اس مصیبت سے جو ۶۰ھ کے آغاز پر قریب آئیگی، امانت، لوٹ کا مال اور صدقہ خیرات، جرمانہ اور تاوان سمجھا جائیگا، اور گواہی پہچان سے دی جائیگی، اور فیصلے ہوا و ہوس سے ہوا کرینگے بیہقی میں ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ مدینہ کے بازار میں یہ کہتے جاتے تھے کہ "خدایا میں ۶۰ھ اور لڑکوں کی حکومت کا زمانہ نہ پاؤں"۔ خدا نے ان کی یہ دعا قبول کی، اور ۵۹ھ

---

[1] صحیح بخاری کتاب الفتن [2] اوائل کتاب الفتن [3] مسند احمد احادیث ابی ہریرہؓ

میں انھوں نے وفات پائی۔[1]

امام حسینؓ کی شہادت حضرت امام حسینؓ کی شہادت کی متعدد پیشینگوئیاں حاکم بیہقی، ابن ماجہ، احمد ابونعیم وغیرہم نے کی ہیں، اگرچہ اصولاً ان روایات کا درجہ بلند نہیں، تاہم اتنی بات مجملاً ثابت ہوتی ہے کہ آپؐ کو اس واقعہ کا علم ضرور عطا کیا گیا تھا، اور آپؐ نے اہل بیت کو اسکے متعلق کوئی خاص اطلاع دی تھی، اس باب میں بہترین حدیث حاکم کی یہ روایت ہے جس کو اس نے متعدد طریقوں سے نقل کیا ہے، کہ ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ "اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی تھی کہ میں نے یحییٰ (پیغمبر) کا بدلہ ستر ہزار سے لیا تھا، اور میں تیرے نواسے کا بدلہ ستر اور ستر ہزار سے لوں گا"۔ حافظ ذہبی نے اس روایت کو علی شرط مسلم تسلیم کیا ہے[2] لیکن روایت خود اس کا اشارہ کرتی ہے کہ اس سے پہلے حضرت حسینؓ کی شہادت کی اطلاع دیجا چکی تھی، یہ اطلاع پہلی حرف بحرف صحیح ہوئی، امام موصوف کی شہادت کے بعد مختار کے ہاتھوں قاتلین حسینؓ سے اسی قدر انتقام لیا گیا،

خوارج کی اطلاع حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مال غنیمت تقسیم فرما رہے تھے، قبیلۂ بنو تمیم کا ایک آدمی آیا اور کہا کہ "یا رسول اللہ! انصاف سے مال تقسیم فرمایئے"۔ آپؐ نے فرمایا "میں نہ انصاف کروں گا تو کون کرے گا"۔ اس کی گستاخی پر حضرت عمرؓ سخت برہم ہوئے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ اجازت دیجئے تو اسکی گردن اڑا دوں، آپؐ نے فرمایا "جانے دو اس کے ایسے رفقاء ہونگے جنکے نماز روزے کے مقابل تم کو اپنے

[1] یہ روایتیں خصائص کبریٰ سیوطی جلد ۲ ص ۱۲۹ کے حوالہ سے نقل کیگئی ہیں [2] مستدرک جلد ۳ ص ۱۷۶

نماز روزے حقیر معلوم ہوں گے، وہ لوگ قرآن کی تلاوت کریں گے لیکن گلے کے نیچے نہ اترے
مذہب کے دائرہ سے اس طرح نکل جائیں گے، جس طرح تیر نشانہ کے پار نکل جاتا ہے، اس گروہ
کی علامت یہ ہے کہ ان میں ایک سیاہ فام شخص پیدا ہوگا جس کے دونوں بازوؤں میں عورت
کے سینہ کی طرح گوشت لٹکتا ہوگا، حضرت ابوسعید خدریؓ کا بیان ہے کہ حضرت علی بن ابی
طالبؓ نے اس گروہ سے جنگ کی اور میں ان کے ساتھ موجود تھا، اس سیاہ فام کی تلاش
کی گئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو علامات بتائی تھیں، وہ اُن کے ساتھ متصف نکلے[1]

مختار اور حجاج کی اطلاع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ قبیلۂ ثقیف میں دو شخص پیدا ہوں گے،
جن میں ایک کذاب دوسرا مبیر یعنی ہلاک کرنے والا ہوگا، چنانچہ جب حجاج ثقفی نے حضرت
عبداللہ بن زبیرؓ کو پھانسی دی، اور ان کی والدہ حضرت اسماءؓ کو بلایا، تو انھوں نے جانے سے
انکار کیا، بار بار کے انکار کے بعد حجاج خود ان کے پاس آیا، بہت سے سوال و جواب کے بعد انھوں
نے کہا کہ قبیلۂ ثقیف کے دو شخصوں کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو پیشگوئی فرمائی تھی،
ان میں کذاب (مختار ثقفی) کو تو ہم نے دیکھ لیا، اور مبیر کے متعلق میرا خیال ہے کہ وہ تم ہی ہو[2]
یہ سن کر حجاج چپ چاپ الٹے پاؤں واپس گیا،

حجازمیں ایک آگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ "قیامت اس وقت تک نہیں آئے گی
جب تک حجاز میں ایک ایسی آگ نہ نکلے جس کی روشنی بصریٰ کے اونٹوں کی گردنوں کو
روشن نہ کر دے"[3] یہ روایت صحیح مسلم اور حاکم میں ہے، امام نووی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ

---

[1] بخاری ج ۱ ص ۵۰۱ باب علامات النبوۃ فی الاسلام [2] مسلم کتاب الفضائل باب ذکر کذاب ثقیف و مبیرھا
[3] کتاب الفتن

یہ آگ ہمارے زمانہ میں ۶۵۴ھ میں مدینہ میں ظاہر ہوئی اور آگ اسقدر بڑی تھی کہ مدینہ کے مشرقی پہلو سے لیکر پہاڑی تک پھیلی تھی، اس کا حال شام اور تمام شہروں میں بتواتر معلوم ہوا، اور ہم سے اُس شخص نے بیان کیا جو اس وقت مدینہ میں موجود تھا، ابو شامہ ایک اور معاصر مصنف کا بیان ہے کہ "ہمارے پاس مدینہ سے خطوط آئے جن میں لکھا تھا کہ چہارشنبہ کی رات کو جمادی الثانیہ کی تیسری تاریخ کو مدینہ میں ایک سخت دھماکا ہوا، پھر بڑا زلزلہ آیا جو ساعت بساعت بڑھتا رہا، یہانتک کہ پانچویں کو بہت بڑی آگ بہاڑی میں قریظہ کے محلہ کے قریب نمودار ہوئی، جس کو ہم مدینہ کے اندر اپنے گھروں سے اس طرح دیکھتے تھے کہ گویا وہ ہمارے قریب ہی ہے، اور ترائیاں بہ نکلیں اور ہم اس کو دیکھنے کو چڑھے تو دیکھا کہ پہاڑ آگ بن کر بہ رہے ہیں، اور ادھر ادھر شعلہ بن کر جا رہے ہیں، آگ کے شعلے پہاڑ معلوم ہوتے تھے، تلوں کے برابر چنگاریاں اڑ رہی ہیں، یہانتک کہ یہ آگ مکہ اور صحرا سے بھی نظر آتی تھی، لوگ گھبرا کر روضۂ نبوی میں دعا و استغفار کے لیے جمع ہو گئے تھے، یہ حالت ایک مہینہ سے زیادہ رہی، علامہ ذہبی اس واقعہ کے متعلق لکھتے ہیں کہ "اسی سال (۶۵۴ھ) میں مدینہ میں آگ نکلی، جو ان بڑی نشانیوں میں سے تھی، جن کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی تھی، اس آگ میں اس شدت اور روشنی کے باوجود گرمی نہ تھی، اور چند روز رہی، اہل مدینہ کا خیال تھا کہ قیامت آگئی، تو انھوں نے خدا کی بارگاہ میں توبہ و استغفار کیا، اس آگ کا حال متواتر معلوم ہے، حافظ سیوطی لکھتے ہیں کہ متعدد لوگوں سے

---

[1] شرح مسلم نووی جلد ۲ ص ۳۹۳ نولکشور [2] تاریخ الخلفاء بحوالہ ابو شامہ واقعات ۶۵۴ھ

[3] مختصر تاریخ الاسلام ذہبی جلد ۲ ص ۱۲۱ حیدرآباد۔

جو بصریٰ میں اس وقت موجود تھے، یہ شہادت منقول ہے کہ انھوں نے رات کو اس کی روشنی میں بصریٰ کے اونٹوں کی گردنیں دیکھیں[1]،

ایک صدی یا ایک دور کے بعد انقلاب

حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ اخیر زندگی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز عشا کے بعد حاضرین کو مخاطب کرکے فرمایا "آج اس شب میں تم کو بتاؤں کہ اس سے سو برس بعد آج کے لوگوں میں سے کوئی بھی روے زمین پر باقی نہ رہے گا"۔ راوی کہتا ہے کہ اس سے آپ کا مقصود ایک دور (قرن) کا ختم ہو جانا تھا۔ حضرت جابرؓ اسی واقعہ کو ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں کہ اپنی وفات سے ایک مہینہ پہلے آپ نے فرمایا کہ تم قیامت کی نسبت دریافت کرتے ہو اس کا علم تو خدا کو ہے، میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں[2] آج روئے زمین پر کوئی سانس لینے والی جان نہیں جو سو برس بعد زندہ رہے گی"۔ اس سے مقصود صحابہؓ کے خیر و برکت کے دور کا اختتام تھا۔ ابو الطفیل صحابیؓ سب سے اخیر میں مرے ہیں، ان کا بیان تھا کہ اب میرے سوا کوئی باقی نہیں جس نے جمالِ محمدی سے آنکھیں روشن کیں، یہ ابو الطفیلؓ پوری صدی کے اختتام پر رحلت گزیں ہوئے،

چار دوروں کے بعد پورا انقلاب

متعدد راویوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ آپ نے علی الاعلان فرمایا کہ "بہترین دور (قرن) وہ ہے جس میں میں ہوں[3]، پھر اس دور کے لوگ جو میرے بعد ہیں، پھر اس دور کے لوگ جو ان کے بعد ہیں، پھر اس دور کے لوگ جو ان کے بعد ہیں

---

[1] تاریخ الخلفا، واقعات ۱۰۰ھ [2] یہ تمام حدیثیں صحیح مسلم باب فضل صحابہ میں ہیں، اور پہلی روایت ابو داؤد کتاب الملاحم میں بھی مذکور ہے [3] صحیح مسلم فضل صحابہ و مسند احمد حدیث برید۔

پھر ایسے لوگ ہوں گے جو گواہی کے لیے بلائے نہیں جائیں گے، خود جاکر گواہی دیں گے، خیانت کار ہونگے، امین نہ ہوں گے، نذر مانیں گے لیکن ایفا نہ کریں گے، پہلا دور عہد نبویؐ ہے، دوسرا دور صحابہؓ کا ہے، تیسرا تابعینؒ کا، چوتھا تبع تابعینؒ کا، یہ چار عہد اسلام کے روحانی، دینی، اخلاقی مناقب و مکارم کا، اور صلحائے امت، ائمۂ دین اور علمائے خیر کے پسندیدہ ظہور و وجود کا اور خالص مذہبی علوم کی نشو و نما، ترتیب و تدوین اور نشر و اشاعت کا ہے، اس کے بعد ہی بدعات کا سیلاب امنڈتا ہے، علمائے سو اور امرائے جور بیدار ہوتے ہیں، فرق باطلہ کا ظہور ہوتا ہے، فقہا میں تعصب آتا ہے، علما میں ہوا و ہوس راہ پاتی ہے، ہند، فارس اور یونان کے فلسفیانہ خیالات مسلمانوں میں رائج ہوتے ہیں، اسلام کے اعتقادی و عملی قویٰ سست ہو جاتے ہیں، اور تمام نظام ابتر ہو جاتا ہے،

مدعیان کاذب صحیح مسلم وغیرہ میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ قیامت سے پہلے تیس کاذب دجال پیدا ہوں گے، جن میں سے ہر ایک دعویٰ کرے گا کہ وہ نبی ہے[1]، ایسے مدعیانِ کاذب کی تعداد اگر مسیلمہ کے وقت سے لیکر آج تک کی تاریخوں سے چن کر الگ کیجائے تو قریب قریب تیس کے پہنچ جائے گی، جن میں سے دو جو ہندوستان اور ایران میں ابھی ابھی گذرے ہیں، وہ تمھاری نگاہوں کے سامنے ہیں۔

منکرین حدیث ابوداؤد میں ہے کہ آپ نے فرمایا "میں تم میں سے کسی کو نہ پاؤں کہ وہ اپنی مسند پر

[1] صحیح مسلم باب (فتن) و ابوداؤد (ملاحم) کے علاوہ مسند احمد میں حضرت حذیفہؓ اور ابو یعلیٰ بزار اور طبرانی میں حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ سے اسی قسم کی روایت ہے،

تکیہ لگائے (غرور کی شان سے) بیٹھا ہو، اور اس کے پاس میرے کاموں میں سے کوئی کام ہیں کے کرنے کا میں نے حکم دیا، یا جس سے میں نے منع کیا، وہ اس سے بیان کیا جائے تو کہے کہ ہم نہیں جانتے جو ہم نے قرآن میں پایا اسی کو مانتے ہیں"۔ بیہقی میں اس سے زیادہ صاف الفاظ ہیں، دورِ اول میں اگر یہ پیشینگوئی معتزلہ پر صادق آسکتی تھی تو اب آجکل مصر و ہند کے اُن اشخاص پر پوری طرح صادق آتی ہے جو خود کو اہل القرآن کے نام سے موسوم کر رہے ہیں،

تجارت کی کثرت اور اس میں عورتوں کی شرکت

قیامت کے آثار اور نشانیوں میں سے ایک واقعہ بھی ہے، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "قیامت سے پہلے خصوصیت کا سلام ہوگا اور تجارت کی کثرت ہوگی، یہانتک کہ عورت بھی اپنے مرد کا ہاتھ اس میں بٹایا کرے گی"۔ کیا اس موجودہ دورِ تمدن سے بڑھ کر اس پیشگوئی کی صداقت کا کوئی اور زمانہ ہوگا؟ آج سے زیادہ کبھی تجارت کی گرم بازاری تھی، اور عورتیں کبھی اس سے پہلے اس بیباکی سے مردوں کے دوش بدوش ہو کر اس پیشہ میں در آئی تھیں؟

اہل یورپ کی کثرت

آپ نے صحابہؓ کے سامنے یہ پیشین گوئی کی تھی کہ قیامت جب آئے گی تو روم سب سے زیادہ ہوں گے، عربوں کے محاورہ میں روم سے مقصود اہل فرنگ یعنی اہل یورپ ہیں آج اہل یورپ کی یہ کثرت ہے کہ اس وقت ان کے وجود سے دنیا کا کوئی گوشہ خالی نہیں اور انکی قوت و طاقت کا دنیا کی کوئی قوم مقابلہ نہیں کر سکتی، پیشینگوئی آج سے ساڑھے تیرہ سو برس

---

[1] سنن ابی داؤد باب لزوم السنۃ [2] مسند احمد جلد اول ص ۴۱۹ مصر و ادب المفرد امام بخاری باب تعلیم الخاصہ و مستدرک حاکم و بزار و طبرانی [3] صحیح مسلم کتاب الفتن۔

پہلے کی گئی تھی۔ اور آج اس کی صداقت آفتاب کی طرح روشن ہے۔

سود کی کثرت پہلے وہی لوگ سود کھاتے تھے، اور کھا سکتے تھے جو براہ راست اس کا کاروبار کرتے تھے لیکن آپ نے پیشگوئی کی تھی کہ ایک زمانہ ایسا آنے والا ہے جس میں کوئی ایسا نہ ہوگا۔ جو سود نہ کھائے گا۔ اگر وہ براہ راست نہیں کھائے گا تو اس کا غبار یا دھواں بھی اڑ کر اس تک ضرور پہنچے گا[1]۔ کیا آج وہی زمانہ عینہ نہیں ہے۔ آج کی تجارت اور سوداگری تمامتر سود پر مبنی ہے، یہانتک کہ ہمارے ملک کی ہر چیز جو بازار سے خریدی جاتی ہے وہ بیسیوں سودی معاملوں سے گذر کر ہم تک پہنچتی ہے۔ تمام وہ لوگ جن کی معیشت سرکاری نوکری ہے۔ اور اکثر غیر سرکاری نوکر بھی بینک کے جمع شدہ روپیوں سے معاوضہ حاصل کرتے ہیں۔ اور امراء اور اہل دولت بھی اپنا سرمایہ اماتی منافع سے وصول کرتے ہیں۔ غرض آج دنیا میں کوئی چیز ایسی نہیں کہی جا سکتی ہے جو تمامتر سود سے پاک اور مبرا ہو، اور یہ یورپ کے تمدن کا سب سے بڑا اور سب سے زیادہ عالمگیر اثر ہے۔ یہ عظیم الشان پیشگوئی کتنی بڑی صداقت پر مبنی ہے۔ اور جس کو کبھی کوئی انسان صرف قیاس سے اس بلند آہنگی کے ساتھ دنیا کو نہیں سنا سکتا تھا۔

یہودیوں سے جنگ صحیح مسلم میں ایک حدیث ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی تھی کہ مسلمانوں اور یہودیوں میں ایک عظیم الشان جنگ ہوگی۔ یہودی شکست کھا کر چٹانوں اور درختوں کے پیچھے چھپیں گے تو وہاں بھی ان کو پناہ نہ ملے گی، اور آن میں سے آواز آئے گی کہ اے مسلمان دیکھو! یہ یہودی چھپا ہے[2]۔ اس حدیث کو پڑھتے ہوئے پہلے دل میں خطرہ گذرتا تھا

---

[1] ابوداؤد و نسائی و ابن ماجہ باب الربوا، مسند احمد عن ابی ہریرۃ [2] صحیح مسلم باب الفتن

کرالٹی! یہودیوں میں نہ تو قوت ہے نہ کوئی اُن کی سلطنت ہے، نہ مسلمانوں کے درمیان کہیں انکی بڑی آبادی ہے، یہ لڑائی کیونکر پیش آئے گی، مگر پچھلی جنگ نے اپنے نتیجہ کے طور پر فلسطین میں جو صورت یک حال نمایاں کر دی ہے اور عہد نامۂ بالفور نے فلسطین کو یہودیوں کا قومی وطن بنانے اور صیہونی تحر نے فلسطین کو خالص یہودی ملک بنانے اور بالآخر وہاں یہودی سلطنت قائم کرنے کا جو تہیہ کیا ہے، اس نے مخبر صادق علیہ السلام کی پیشینگوئی کی صداقت کے منظر کو آنکھوں کے سامنے کر دیا ہے۔

حجاز کا انقطاع مصر شام اور عراق سے

صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ نے بیان کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "عراق نے اپنا نقرئی سکہ (درہم) اور غلہ کا پیمانہ (قفیز) روک دیا شام نے اپنے غلہ کا پیمانہ (مد) اور اپنا طلائی سکہ (دینار) روک دیا۔ اور مصر نے اپنے غلہ کا پیمانہ (اردب) اور اپنی اشرفی روک دی، اور تم وہیں لوٹ گئے جہاں سے چلے تھے۔ وہیں لوٹ گئے جہاں سے چلے تھے، وہیں لوٹ گئے جہاں سے چلے تھے، حضرت ابوہریرہؓ نے کہا کہ اس حدیث کے ارشاد نبویؐ ہونے پر ابوہریرہ کا گوشت اور خون گواہی دیتا ہے"۔

اس حدیث میں دو حقیقت دو پیشینگوئیاں ہیں، ایک یہ کہ مسلمان ان ممالک کو فتح کریں گے، اور حجاز کے تعلقات وہاں سے قائم ہوں گے، اور اس خشک اور بنجر خطہ کی پرورش ان ہی ہمسایہ علاقوں سے ہوگی۔ اور پھر وہ زمانہ آئے گا، جب یہ علاقے الگ ہو جائیں گے اور حجاز پھر ویسا ہی ہو جائے گا، جیسا اسلام سے پہلے یا اسلام کے آغاز میں تھا پہلی پیشینگوئی تو حضرت عمر فاروقؓ کے عہد میں پوری ہوئی، اور اس وقت سے لیکر تیرہ سو برس تک برابر یہ حالت

---

[1] صحیح مسلم کتاب الفتن،

قائم رہی. حجاز کے لیے ہر قسم کا سامان ان ہی ممالک کی پیداوار سے آتا تھا، مصر و شام سے برابر غلہ قافلوں میں بھیجا جاتا تھا، سالانہ نذرانے تقسیم ہوتے تھے، بڑی بڑی جائدادیں وقف تھیں، لیکن ہمارے خیال میں اس دوسری پیشینگوئی کا محل اس زمانہ سے بہتر نہیں ہو سکتا، تیرہ سو برس کے اندر کبھی ایسا زمانہ پیش نہیں آیا، جب حجاز، عراق و شام اور مصر سے دفعۃً منقطع ہو گیا ہو، آج حجاز کی وہی حالت نہیں جو اسلام سے پہلے یا آغازِ اسلام میں تھی؟ جب عراق پر ایرانی اور شام و مصر پر رومی حکمراں تھے، اور خود عرب کے صوبے پراگندہ اور بے نظام تھے، اور ہر قطعہ پر ایک حاکم فرمانروا تھا، آج عراق و مصر و فلسطین و بحرین وغیرہ پر انگریز اور شام پر فرانسیسی حکمراں ہیں، عرب کے تمام صوبے پراگندہ اور بے نظام ہیں، اور ہر خطہ پر ایک مستقل فرمانروا ہے، اور باہمی آتش جنگ و جدل برپا ہے، ایک کو دوسرے کی ماتحتی سے عار ہے، عراق کا قافلہ اور نذرانہ بند ہے، شام کی موقوف جائدادیں فرانسیسیوں نے ضبط کر لیں، اور آپ نے گذشتہ سال من لبا کر مصر نے حجاز کے خلافا اشرفیوں کا وہ نذرانہ بند کر دیا جو عہد فاروقیؓ سے ابتک کبھی بند نہیں ہوا تھا،

اہل یورپ سے شام میں جنگ صحیح مسلم وغیرہ میں فتن اور آثار قیامت کے سلسلہ میں متعدد حدیثیں ایسی ہیں، جن سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آپ نے صاف و صریح الفاظ میں اپنی امت کو یہ اطلاع دی ہے کہ آخر زمانہ میں دجال کے ظہور اور نزول مسیحؑ سے پہلے ملک شام میں مسلمانوں اور رومیوں کے درمیان عظیم الشان خونی معرکے پیش آئیں گے، گو اس ملک میں ان دونوں کے درمیان صلیبی جنگوں نے اس قسم کے سیکڑوں خونی معرکے پیش کئے ہیں، مگر جنگ عظیم نے شام کی جو صورت حال پیدا کر دی ہے اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ یہ تمام واقعات

آنے والے خونی معرکوں کی تقریب تمہید ہیں،

مسلمانوں کے خلاف تمام دنیا کی قومیں اٹھ کھڑی ہوں گی

ابوداؤد[1] اور بیہقی میں ہے کہ آپنے فرمایا "قریب ہے کہ قومیں تم پر حملہ کرنے کے لیے ایک دوسرے کو اس طرح پکاریں گی (یعنی تم پر متحدہ حملہ کریں گی) جس طرح کھانے والے کھانے کے پیالہ پر گرتے ہیں"۔ حاضرین میں سے ایک نے پوچھا کہ یا رسول اللہ! کیا یہ اس لیے کہ اس زمانہ میں ہم مسلمانوں کی تعداد کم ہو جائے گی"۔ فرمایا نہیں، تمہاری تعداد ان دنوں بہت بڑی ہوگی لیکن تم ایسے ہو جاؤ گے، جیسے سیلاب کی سطح پر کف اور خس و خاشاک ہوتا ہے (کہ سیلاب ان کو بہائے لیے جاتا ہے) اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں کے دلوں سے تمہارا رعب دور کر دیگا، اور تمہارے دلوں میں کمزوری ڈال دے گا کسی نے پوچھا کہ یا رسول اللہ وہ کمزوری کیا ہوگی؟ فرمایا "دنیا (خواہش دنیا) کی محبت اور موت سے کراہت موجودہ دنیائے اسلام کی پیش نظر تاریخ میں کیا حرف حرف اس کی تصدیق نہیں،

---

[1] کتاب الملاحم

معجزاتِ نبویؐ

کے متعلق

غیر مستند روایات

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کے متعلق جو جھوٹی اور بے سروپا روایتیں مسلمانوں میں مشہور ہوگئی ہیں، ضرورت نہ تھی کہ اس کتاب میں ان کو کسی حیثیت سے جگہ دیجائے، مگر چونکہ عام ناظرین کے دلوں میں اُن کو اس کتاب میں نہ پاکر مختلف قسم کے شبہے پیدا ہوں گے، اس لئے صرف اُن کی تسکین اور کشفِ حقیقت کی خاطر ان روایتوں سے بھی اس کتاب میں تعرض کرنا ضروری پڑا۔ یہ روایتیں زیادہ تر کتبِ اوائل میں ہیں یعنی ان کتابوں میں ہیں جن کو لوگوں نے عام حدیث کی کتابوں سے الگ کرکے صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کے ذکر و تفصیل میں لکھا ہے۔

یہی کتابیں ہیں جنھوں نے معجزات کی جھوٹی اور غیر مستند روایتوں کا ایک انبار لگا دیا ہے اور ان ہی سے میلاد و فضائل کی تمام کتابوں کا سرمایہ مہیا کیا گیا ہے۔ خوش اعتقادی اور عجائب پرستی نے ان غلط معجزات کو اس قدر شرفِ قبول بخشا کہ ان کے پردہ میں آپ کے تمام صحیح معجزات چھپ کر رہ گئے، اور حق اور باطل کی تمیز مشکل ہوگئی۔ حالانکہ اس تمام ذخیرہ سے کتب صحاح اور خصوصاً بخاری و مسلم یکسر خالی ہیں لیکن تیسری اور چوتھی صدی میں اس موضوع پر جو کتابیں لکھی گئیں۔ وہ اس عیب

بے احتیاطی کے ساتھ لکھی گئیں کہ محدثین ثقات نے اُن کو بیشتر ناقابلِ اعتبار قرار دیا، کتب دلائل کے ان مصنفین کا مقصد معجزات کی صحیح روایات کو یکجا کرنا نہیں، بلکہ کثرت سے عجیب و حیرت انگیز واقعات کا مواد فراہم کرنا تھا، تاکہ خاتم المرسلینؐ کے فضائل و مناقب کے ابواب میں معتد بہ اضافہ ہو سکے، بعد کو جو احتیاط پسند محدثین آئے، مثلاً زرقانی وغیرہ، وہ ان روایات کے نقل کرنے کے ساتھ ساتھ اُن کی تردید اور تضعیف بھی کرتے گئے، لیکن جو چیز اس وسعت کے ساتھ پھیل گئی ہو، جو اسلامی لٹریچر کا ایک جز بن گئی ہو، جو اس کی رگ و پے میں سرایت کر گئی ہو اس کے لیے صرف اس قدر کافی نہیں، بلکہ وہ مزید تنقید کی محتاج ہے خصوصاً اس لیے کہ ہمارے ملک میں میلاد کی مجلسوں میں جو بیانات پڑھے جاتے ہیں، وہ تمام تر ان ہی بے بنیاد روایتوں سے بھرے ہوتے ہیں،

اس تنقیح کے تین حصے ہو سکتے ہیں، اصولِ روایت کی بنا پر ان کتابوں کا اور محدثین میں اُن کے مصنفوں کا درجہ کیا ہے؟ ان کتابوں میں جو غلط، موضوع اور ضعیف معجزات مذکور ہیں، ان کے پیدا ہونے کے اسباب کیا ہیں، ان کتابوں کے خاص خاص مشہور اور زبان زد معجزات کی روایتی حیثیت کیا ہے۔

کتب دلائل اور ان کے مصنفین کا درجہ

علمائے اسلام نے روایات کی تنقید اور اُن کے اصول کے منضبط کرنے میں جو کوشش کی ہیں اور جو خدمات انجام دی ہیں، ان کی پوری تفصیل کتاب کے مقدمہ میں گذر چکی ہے، اسی سلسلہ میں یہ بات بھی ضمناً آگئی ہے کہ ان روایات کی جانچ اور تنقید میں جن کا تعلق احکام فقہی سے ہے محدثین جو سختی اور شدت اختیار کی ہے

وہ مناقب اور فضائل کے باب میں نہیں کی ہے، چنانچہ علم حدیث کے بڑے بڑے اماموں نے علانیہ اس کا اعتراف کیا ہے، یہی وجہ ہے کہ آیاتِ قرآنی کے الگ الگ فضائل، نام بنام تمام خلفاء کے مناقب، مقامات اور شہروں کے محامد اعمالِ انسانی کے مبالغہ آمیز ثواب و عقاب کے بیانات، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کاہنینِ عرب کی پیشینگوئیاں اور اشعار اور عجیب غریب غیر صحیح فضائل، معجزات اور برکات وغیرہ کا یہ بے پایاں دفتر روایات میں موجود اور کتابوں میں مدون ہے یہ روایات زیادہ تر تیسرے اور چوتھے درجہ کی کتبِ حدیث میں پائی جاتی ہیں، تیسرے درجہ میں بقول شاہ ولی اللہ صاحب یہ کتابیں ہیں[1]

مسند ابو یعلی، مصنف عبد الرزاق، مصنف ابی بکر بن ابی شیبہ، مسند عبد بن حمید، مسند طیالسی، بیہقی، طحاوی اور طبرانی کی تصنیفات، ان میں سچی، جھوٹی، اچھی بری، قوی، ضعیف ہر قسم کی حدیثیں پہلو بہ پہلو درج ہیں، اور چوتھے درجہ میں وہ کتابیں ہیں جن کے مصنفین صدیوں کے بعد پیدا ہوئے، انھوں نے چاہا کہ اول اور دوم درجوں میں جو روایتیں داخل نہیں کی گئی تھیں ان کو ایک جگہ جمع کر دیں، یہ روایتیں ان لوگوں کی زبانوں پر تھیں جن کی روایتوں کو حدیث کے اماموں نے قلمبند کرنا پسند نہیں کیا تھا اور قصہ گو واعظین محض اُن سے رونقِ محفل کا کام لیتے تھے، اسرائیلیات، اقوال حکما، اشاراتِ حدیث، قصص و حکایات اور روایاتِ نامعتبر کو انھوں نے حدیث کا درجہ دیکر کتابوں کے اوراق میں مدون کر دیا، کتاب الضعفاء لابن حبان کامل لابن عدی، اور خطیب، ابو نعیم، جوزقانی، ابن عساکر، ابن نجار اور دیلمی کی تصنیفات کا اسی طبقہ میں شمار

[1] حجۃ اللہ البالغہ باب طبقات کتب الحدیث۔

اس تفصیل کے بعد شاہ صاحب فرماتے ہیں "صرف اول اور دوم درجہ کی کتابوں پر یعنی صحاح ستہ پر محدثین کا اعتماد ہے اور ان ہی پر ان کا مدار ہے، تیسرے طبقہ کی کتابوں سے وہی لوگ فائدہ اٹھا سکتے ہیں، جو فن کے ناقد اور جوہری ہیں، اور جن کو اسماء الرجال پر عبور اور علل حدیث سے واقفیت ہے، غرض جو صحیح اور غلط اور خطا و صواب میں امتیاز کامل رکھتے ہیں، چوتھے طبقہ کی کتابوں کو جمع اور تدوین کرنا اور ان کو کام میں لانا متاخرین کی ایک قسم کی بیفائدہ کی کاوش فکر ہے،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آیات و معجزات پر جو مستقل کتابیں لکھی گئی ہیں، ان میں سے کچھ تیسرے طبقہ میں اور بقیہ تمام تر چوتھے طبقہ کی کتابوں میں داخل ہیں، متاخرین نے عام طور سے یہ سرمایہ جن کتابوں سے حاصل کیا ہے وہ طبری، طبرانی، بیہقی، دیلمی، بزار اور ابو نعیم اصفہانی کی تصنیفات ہیں، حافظ قسطلانی نے ان ہی روایات کو تمیز اور نقد کے بغیر مواہب لدنیہ میں داخل کیا، اور عین فراہی نے ان کو معارج النبوۃ میں فارسی زبان میں اس آب و رنگ سے بیان کیا کہ یہ روایتیں گھر گھر پھیل گئیں، اور عوام نے اس شیفتگی اور وارفتگی کے ساتھ ان کو قبول کیا کہ اصلی اور صحیح معجزات اور آیات بھی اس پردہ میں چھپ کر رہ گئے

مواہب لدنیہ اور معارج النبوۃ وغیرہ کا سرمایہ جن کتابوں سے ماخوذ ہے وہ حسب ذیل ہیں، کتاب الطبقات لابن سعد، سیرۃ ابن اسحاق، دلائل النبوۃ ابن قتیبہ المتوفی ۲۷۶ھ دلائل النبوۃ ابو اسحٰق حربی، المتوفی ۲۸۵ھ شرف المصطفٰی ابو سعید عبد الرحمن بن حسن اصفہانی، المتوفی ۳۰۶ھ، تاریخ و تفسیر ابو جعفر بن جریر طبری المتوفی ۳۱۰ھ، مولد یحیی بن عمار، دلائل النبوۃ

ابن محمد مستغفری المتوفی ۴۳۲ھ، دلائل النبوۃ ابوالقاسم اسمٰعیل اصفہانی المتوفی ۵۳۵ھ تاریخ دمشق ابن عساکر المتوفی ۵۷۱ھ لیکن متاخرین میں ان روایات کا سب سے بڑا خزانہ یہ دو کتابیں ہیں، کتاب الدلائل ابونعیم اصفہانی المتوفی ۴۳۰ھ اور کتاب الدلائل امام بیہقی المتوفی ۴۳۰ھ

ان بزرگوں کے بذاتِ خود معتبر اور مستند ہونے میں کسی کو کلام ہے، جو کچھ کلام ہے وہ اس میں ہے کہ انھوں نے ہر قسم کے راویوں سے ہر قسم کی روایتیں نقد اور تمیز کے بغیر اخذ کیں، اور ان کو کتابوں کے اوراق میں مدون کر دیا، اور عام لوگوں نے ان مصنفین کی عظمت اور جلالت کو دیکھ کر ان روایتوں کو قبول کر لیا، حالانکہ ان میں نہ صرف ضعیف اور کمزور، بلکہ موضوع حدیثیں تک موجود ہیں، اور ان کے سلسلۂ روایت میں ایسے راوی آتے ہیں، جن کو محدثین کے معیار میں صفِ نعال میں بھی جگہ نہیں مل سکتی، ان مصنفین نے یہ سمجھ کر کہ چونکہ ہر قسم کا سلسلۂ روایت لکھ دیا گیا ہے، اور لوگ اس سلسلۂ روایت کو دیکھ کر صحیح اور غلط، سچی اور جھوٹی روایت کا خود فیصلہ کر لیں گے، ان روایتوں کی تدوین میں ضروری احتیاطیں مدنظر رکھیں، یا یوں کہو کہ عشقِ نبوی نے فضائل و مناقب کی کثرت کے شوق میں ہر قسم کی روایتوں کے قبول کرنے پر ان کو آمادہ کر دیا، حالانکہ خود اسی جذبۂ عشق اور اسی ولولۂ شوق نے ثقاتِ محدثین اور علم حدیث کے اکابر کو روایتوں اور راویوں کے نقد اور بحث میں اس قدر سخت گیر بنا دیا تھا کہ وہ ایک لفظ بھی تحقیق اور کاوش کے بغیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرنا گناہ عظیم سمجھتے تھے، اور من کذب علیّ متعمداً کی وعید سے ہمیشہ ڈرتے اور کانپتے رہتے تھے، محدث ابن مندہ نے کتاب الدلائل کے مصنف حافظ ابونعیم اصفہانی کی نسبت نہایت سخت الفاظ استعمال کیے ہیں

علامہ ذہبی میزان الاعتدال میں ان دونوں معاصرین کے درمیان محاکمہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں،

لا اعلم بهما ذنباً اكثر من — مجھے ان دونوں کا اس سے زیادہ کوئی

روايتهما الموضوعات ساكتين — گناہ معلوم نہیں کہ وہ موضوع روایتوں

عنها، (ترجمہ ابونعیم) — کو خاموشی کے ساتھ روایت کر جاتے ہیں۔

لیکن ثقاتِ محدثین کی بارگاہ میں یہ کوئی معمولی گناہ ہے؟ یہی اُن کی خاموشی خدا نہیں معاف کرے، آج ہزاروں لاکھوں مسلمانوں کی گمراہی کی بنیاد بن گئی ہے،

اس سے زیادہ مصیبت یہ ہے کہ ہمارے علماے رجال نے زیادہ تر ان راویوں کی بحث و تدقیق کی ہے، جو پہلی تین صدیوں میں تھے، اس لیے چوتھی اور پانچویں صدی کے رواۃ اور رجال کے نام و نشان ہماری موجودہ اسماء الرجال کی کتابوں میں بہت کم ملتے ہیں، اگر تراجم و انساب میں اُن کے کچھ حالات مل جاتے ہیں تو محدثانہ حیثیت سے اُن پر نقد و تبصرہ نہیں ملتا، اس لیے ان بزرگوں کے شیوخ اور راویوں میں مجہول الحال اشخاص کی بھی کمی نہیں، اس بنا پر ان کتابوں کی روایتوں کی تنقید کرنا نہایت مشکل ہے،

اسلام میں میلاد کی مجلسوں کا رواج غالباً چھٹی صدی سے ہوا ہے[1]، تتبع سے یہ ثابت ہوا کہ ان روایتوں کا بڑا حصہ ان ہی کتابوں کے ذریعہ سے پھیلا ہے، جو ان مجالس کی غرض سے

[1] الملک المظفر شاہ اربل مولود ۵۴۹ھ متوفی ۶۳۰ھ نے جیسا کہ ابن خلکان نے اس کے حال میں لکھا ہے، مولد شریف بڑی دھوم دھام اور تزک و احتشام سے منایا کرتا تھا، یہ جنگ صلیبی کا زمانہ تھا، اس کے لیے ابن دحیہ الموفی ۶۳۳ھ نے ۶۰۴ھ میں کتاب التنویر فی مولد السراج المنیر تصنیف کی،

وقتاً فوقتاً لکھی گئیں، اور جن کے بکثرت حوالے مواہب لدنیہ میں جابجا آتے ہیں،
علامہ سیوطی کی خصائص کبریٰ جو حیدرآباد میں چھپ گئی ہے، معجزات کے موضوع پر سب سے زیادہ مبسوط ہے اور جامع تالیف ہے، علامہ محدث نے صحاح ستہ کے علاوہ احمد بن منصور، طیالسی، ابن ابی شیبہ، حاکم، ابو یعلی، بلکہ ان سے بھی فروتر بیہقی، ابو نعیم، بزار، ابن طبرانی، دارمی، بلکہ غیر محتاط مصنفوں مثلاً ابن ابی الدنیا، ابن شاہین، ابن ابی الحجاج، ابن مندہ ابن مردویہ، ابن عساکر، دیلمی، حزائطی، خطیب وغیرہ کی کتابوں کو اپنا ماخذ بنایا. قوی اور ضعیف صحیح وغلط ہر قسم کے واقعات کا انبار لگا دیا، اور مختلف دفتروں میں جو کچھ پھیلا تھا، ان کو خصائص کی دو جلدوں میں یکجا کر دیا، تاہم مصنف کو یہ فخر ہے، جیسا کہ دیباچہ میں تصریح کی ہے کہ "اس تالیف میں موضوع اور بے سند روایتوں سے اگرچہ احتراز کیا گیا ہے، لیکن ضعیف روایتیں جن کی سندیں ہیں وہ داخل کر لی گئی ہیں"۔

غور کے قابل امر یہ ہے کہ بلا امتیاز بھلی بری کسی سند کا موجود ہونا، روایت کی معتبری کی محبت کیونکر ہو سکتی ہے؟ اس سے زیادہ یہ ہے کہ کتاب میں صحیح وغلط، قوی اور ضعیف مشہور ومنکر ہر قسم کی روایتوں کو ان کے درجہ اور مرتبہ کے ذکر کے بغیر پہلو بہ پہلو وہ لکھتے چلے گئے ہیں، اس لیے عام ناظرین کو یہ پتہ نہیں لگتا کہ اس انبار خانہ میں جہاں جواہرات کا خزانہ بھرا ہوا ہے خزف ریزوں کا بھی ڈھیر لگا ہے، پوری کتاب میں شاید دس بیس مقام سے زیادہ نہیں جہاں مصنف نے اپنی روایتوں کے درجۂ استناد کا پتہ دیا ہے، اس سے زیادہ یہ کہ بعض واقعات کے متعلق باوجود ان کی شدید روایت پرستی کے، ان کو بتحقیق معلوم تھا کہ صحیح نہیں

تاہم چونکہ وہ پہلی کتابوں میں مندرج تھے، ان کی نقل سے احتراز نہیں کیا، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے موقع پر عام کتبِ سیلاد میں جو عجیب غریب اتفاقات مذکور ہیں، ان کو بیہقی دلائل ابونعیم سے نقل کرکے آخر میں لکھتے ہیں،

هذا الاثر والاثران قبله فيهما	اس روایت اور اس سے پہلے دو روایتوں
نكارة شديدة ولما ورد في	میں سخت ناقابلِ (منکر) باتیں ہیں اور میں نے
كتابي هذا اشد نكارة منها	اپنی کتاب میں اس سے زیادہ ناقابلِ اعتبار
ولم يكن نفسي تطيب ما يرادها	روایتیں نہیں لکھیں میرا دل ان کے
لكن تبعت الحافظ ابا نعيم	لکھنے کو نہیں چاہتا تھا لیکن حافظ ابو
في ذالك (خصائص جلد اول ص۴۹)	نعیم کی پیروی کرکے لکھدیں،

ایک اور جگہ خطیب کی ایک کتاب سے وفد نجران کے متعلق ایک واقعہ نقل کرتے ہیں، حالانکہ وہ خود اس روایت کو بے اعتبار سمجھتے ہیں، چنانچہ لکھتے ہیں:

واخرج الخطيب في المتفق والمفترق	خطیب نے المتفق والمفترق میں ایسی سند سے
بسند فيه مجاهيل (جلد ۲ ص ۲۵)	جس میں مجہول الحال راوی ہیں بیان کیا ہے،

ایک اور مقام پر ایک گدھے کا واقعہ نقل کرتے ہیں، جو گدھے کی صورت میں ایک جن تھا اور آپ کی سواری میں آنے کا مشتاق تھا، یہ لوگوں کے گھروں میں جاکر اشارہ سے ان کو بلاتا تھا، یہ عجیب جانور آپ کو خیبر میں ملا تھا، اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہودیوں کے مظالم کی داستان سنائی، اور جب آپ کے وفات پائی تو فرطِ غم سے اپنے کو کنوئیں میں گرا کر جان دیدی

حافظ سیوطی نے ابن عساکر سے یہ واقعہ خصائص میں نقل کیا ہے، اور اس پر بے تعرض کیے گذر گئے ہیں، حالانکہ بعینہٖ اسی واقعہ کے متعلق ابن حبان کے حوالہ سے اپنی دوسری تصنیف اللآلی المصنوعۃ فی الاحادیث الموضوعۃ میں لکھتے ہیں کہ "یہ سرتاپا موضوع ہے"۔

محدث صابونی نے معجزہ کی ایک روایت لکھ کر پھر خود ہی اس پر جرح کی ہے کہ اسکی سند اور متن دونوں غریب ہیں، باایں ہمہ وہ اس کے متعلق آخری رائے یہ ظاہر کرتے ہیں کہ

ھُوَ فی المعجزات حسن	معجزات میں وہ حسن (اچھی) ہے،

(زرقانی جلد ۴ ص ۲۰۱، خصائص سیوطی جلد ۱)

اس پر علامہ زرقانی، شرح مواہب میں لکھتے ہیں،

لان عادۃ المحدثین التساھل	یہ اس لیے کہ محدثین کی عادت ہے کہ عقائد
فی غیر الاحکام والعقائد	اور احکام کے علاوہ دیگر روایتوں میں
(جلد ۱ ص ۱۷۲)	وہ نرمی برتتے ہیں،

لیکن کیا یہ اصول صحیح ہے؟ اور من کذب علی متعمداً کی تہدید سے خالی ہے؟ معجزات ہوں یا فضائل، ضرور ہے کہ آپ کی طرف جس چیز کی نسبت بھی کیجائے، وہ شک و شبہ سے پاک ہو، جیسا کہ امام نووی، حافظ عسقلانی، ابن جماعۃ، طیبی، بلقینی اور علامہ عراقی نے اپنی اپنی تصنیفات میں اس کی تصریح کی ہے[1]،

معجزات کے متعلق غلط اور موضوع روایتوں کے پیدا ہونے کے اسباب	۱۔ ان روایتوں کے پیدا ہونے کا بڑا سبب یہ ہے کہ مقبولیت عام کی بنا پر یہ کام واعظوں اور میلاد خانوں کے حصہ میں آیا، چونکہ

[1] دیکھو موضوعات ملا علی قاری ص ۹ مطبوعہ مجتبائی دہلی،

یہ فرقہ علم سے عموماً محروم ہوتا ہے اور صحیح روایات تک اس کی دسترس نہیں ہوتی، اور ادھر گرمیِ محفل اور شورِ احسنت کے لیے اس کو دلچسپ اور عوام فریب باتوں کے بیان کرنے کی ضرورت پیش آئی، اس لیے لامحالہ اُن کو اپنی قوتِ اختراع پر زور دینا پڑا، ان میں جو کسی قدر محتاط تھے، انھوں نے اُن کو لطائفِ صوفیانہ اور مضامینِ شاعرانہ میں ادا کیا، سننے والوں نے ان کو روایت کی حیثیت دیدی، یا بعد کو ان ہی بیانات نے روایت کی حیثیت اختیار کرلی، اور جو نڈر اور بے احتیاط تھے، انھوں نے یہ پردہ بھی نہیں رکھا۔ بلکہ ایک سند جوڑ کر انھوں نے براہ راست اس کو حدیث و خبر کا مرتبہ دیدیا، حافظ سیوطی، علامہ ابن جوزی کی کتاب الموضوعات کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

احدهما القصاص ومعظم	جھوٹی حدیثیں سنانے والوں میں ایک واعظوں کا
البلاء منهم يجري لانهم	گروہ ہے اور سب سے بڑی مصیبت ان ہی سے پیش آتی
يريدون احاديث تتفق وترتق	ہے، کیونکہ وہ ایسی حدیثیں چاہتے ہیں جو مقبول عام
والصحاح يقل فيه هذا، ثم ان	اور موثر ہوسکیں اور صحیح حدیثوں میں یہ بات نہیں
الحفظ يشق عليهم ويتفق عدم	اسکے علاوہ صحیح حدیثوں کا یاد رکھنا ان کو مشکل ہے،
الدين وهم بحضرهم جهال	اسکے ساتھ ان میں دینداری نہیں ہوئی، اور انکی
(آخر کتاب الدلائل المصنوعہ ص ۲۴۹)	محفلوں میں جاہلوں ہی کا مجمع ہوتا ہے،

چنانچہ فضائل و مناقب، عذاب و ثواب، بہشت و دوزخ، وقائعِ میلاد اور معجزات و دلائل کا جو جعلی دفتر پیدا ہوگیا ہے، وہ زیادہ تر ان ہی جاہلوں کا ترتیب دیا ہوا ہے،

علامہ ابن قتیبہ المتوفی ۲۷۶ھ تاویل مختلف الحدیث میں جو ابھی مصر میں چھپ گئی ہے
کہتے ہیں کہ احادیث و روایات میں فساد تین راستوں سے آیا، منجملہ ان کے ایک راستہ واعظین ہیں،

والقصاص فانهم يميلون وجوه	اور واعظین کیونکہ وہ عوام کا رخ اپنی
العوام اليهم ويستدرّون ما	طرف پھیرنا چاہتے ہیں اور جو کچھ ان کے پاس
عندهم بالمناكير والمغاريب	ہے اس کو لغو منکر اور عجیب غریب باتیں
واكاذيب من الاحاديث	بیان کرکے وہ وصول کرتے ہیں اور عوام
ومن شان العوام القعود عند	کی حالت یہ ہے کہ وہ اسی وقت تک ان
القصاص ما كان حديثه	واعظین کے پاس بیٹھتے ہیں جب تک وہ
عجيبا خارجا عن نطق العقول	خارج از عقل باتیں یا ایسی مؤثر باتیں
او كان رقيقا يحزن القلوب	بیان کیا کرتے ہیں جو ان کے دلوں میں
ويستفزّ العيون (ص ۳۵۶)	اثر پیدا کریں اور ان کو رلائیں

آپ کی برتری اور جامعیت کا تخیل

۲- ان روایات کے پیدا ہونے کا دوسرا سبب یہ ہوا کہ مسلمانوں کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم افضل الانبیاء ہیں، آپ کامل ترین شریعت لے کر مبعوث ہوئے ہیں، آپ تمام محاسن کے جامع ہیں، یہ اعتقاد بالکل صحیح ہے، لیکن اس کو لوگوں نے غلط طور پر وسعت دی اور انبیاء سابقین کے تمام معجزات کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں جمع کر دیا، اور اس اعتقاد کی بدولت تمام مسلمانوں میں پھیل گئے، بیہقی اور ابو نعیم نے دلائل میں اور سیوطی نے خصائص میں علاوہ دوسرے انبیاء کے معجزات کے مقابل میں اُن ہی کے مثل آپ کے معجزات

بھی ڈھونڈ ڈھونڈ کر نکالے ہیں، اور ثابت کرنا چاہا ہے کہ جس طرح آپؐ کی تعلیم تمام انبیاء کی تعلیمات کا عطر خلاصہ اور مجموعہ ہے، اسی طرح آپؐ کے معجزات بھی تمام دیگر انبیاءؑ کے معجزات کا مجموعہ ہے، اور جو کچھ عام انبیاءؑ سے متفرق طور پر صادر ہوا، وہ تمام کا تمام مجموعاً آپؐ سے صادر ہوا، ظاہر ہے کہ اس مماثلت اور مقابلہ کے لیے تمام تر صحیح روایتیں دستیاب نہیں ہو سکتیں، اس لیے لوگوں نے ان ہی ضعیف اور موضوع روایتوں کے دامن میں پناہ لی، کہیں شاعرانہ تخیل کی بلند پروازی اور نکتہ آفرینی سے کام لیا، مثلاً حضرت آدمؑ کو اللہ تعالیٰ نے تمام اسماء کی تعلیم کی، دیلمی نے مسند الفردوس میں روایت کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بھی تمام اسماء کی تعلیم دی، حضرت ادریسؑ کے متعلق قرآن میں ہے کہ خدا نے ان کو بلند جگہ میں اٹھایا، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بلندی اس سے بھی آگے قاب قوسین تک ہوئی، حضرت نوحؑ کی طوفان کی دعا، اگر قبول ہوئی تو آپؐ کی قحط کی دعا قبول ہوئی، حضرت صالحؑ کے لیے اونٹنی معجزہ تھی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اونٹ نے باتیں کیں، حضرت ابراہیمؑ آگ میں نہ جلے، آپ سے بھی آتشیں معجزے صادر ہوئے، حضرت اسمٰعیلؑ کے گلے پر اگر چھری رکھی گئی، تو آپ کا بھی سینہ چاک کیا گیا، حضرت یعقوبؑ سے بھیڑیے نے گفتگو کی، روایت کی گئی ہے کہ آپ سے بھی بھیڑیا ہمکلام ہوا، ابو نعیم میں حکایت ہے کہ حضرت یوسفؑ کو حسن کا آدھا حصہ عطا ہوا، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پورا حصہ دیا گیا، حضرت موسیٰؑ کے لیے پتھر سے نہریں جاری ہوئیں، تو آپ کی انگلیوں سے پانی بہا، حضرت موسیٰؑ کی لکڑی معجزہ دکھاتی تھی، تو آپ کے عزاق میں چھوہارے کا درخت بھی زبان اور چھوہارے کی خشک ٹہنی تلوار بن گئی، حضرت موسیٰؑ کے لیے بحر احمر شق ہوا تو آپ کے لیے

معراج میں آسمان و زمین کے درمیان کا دریائے فضا بیچ سے پھٹ گیا، یوشعؑ کے لیے آفتاب ٹھہر گیا، تو آپؐ کے اشارے سے آفتاب ڈوب کر نکلا،

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے گہوارہ میں کلام کیا تھا، یہ روایت وضع کی گئی کہ آپؐ نے بھی گہوارے میں کلام کیا، اور آپ کی زبان سے پہلے تکبیر و تسبیح کی صدا بلند ہوئی،

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا سب سے بڑا معجزہ مردوں کو زندہ کرنا ہے، اور صرف ان ہی کے ساتھ مخصوص ہے، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بھی یہ معجزہ منسوب کیا گیا، ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو اسلام کی دعوت دی، اس نے کہا "جب تک آپ میری لڑکی کو زندہ نہ کر دیں گے میں ایمان نہ لاؤں گا"، چنانچہ آپؐ نے اس کی قبر پر جا کر آواز دی، اور وہ زندہ نکل کر باہر آئی، اور پھر چلی گئی، اسی طرح یہ روایت بھی گھڑی گئی ہے کہ آپ کی والدہ بھی آپ کی دعا سے زندہ ہوئیں، اور آپ پر ایمان لائیں،

۳۔ قرآن مجید اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ انبیاءؑ کے گذشتہ صحیفوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کی پیشگوئیاں ہیں، اور اُن کے مطابق یہود و نصاریٰ کو ایک آنے والے پیغمبر کا انتظار تھا، اس واقعہ کو روغگو راویوں نے یہاں تک وسعت دی کہ یہودیوں کو نہ تاریخ، سال، وقت اور مقام سب کچھ معلوم تھا، چنانچہ ولادتِ نبویؐ سے قبل علمائے یہود ان سب کا پتہ بتایا کرتے تھے، اور عیسائی راہبوں کو تو ایک ایک خط و خال معلوم تھا، بلکہ پرانے گھرانوں اور دیروں اور کنیسوں میں ایسی مخفی کتابیں موجود تھیں جن میں آپؐ کا تمام حلیہ لکھا تھا، اور اگلے لوگ ان کو بہت چھپا چھپا کر رکھتے تھے، بلکہ بعض دیروں میں

تو آپ کی تصویر تک موجود تھی. توراۃ وانجیل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بعض پیشینگوئیاں حقیقت میں موجود تھیں، اور وہ آج بھی ہیں لیکن وہ استعارات وکنایات اور مجمل عبارتوں میں ہیں اُن کو ضعیف وموضوع روایتوں میں صاف صاف آپ کے نام ومقام کی تخصیص وتعیین کے ساتھ پھیلایا گیا،

عرب میں بتخانوں کے مجاور اور کاہن تھے جو فال کھولتے تھے اور پیشین گوئیاں کرتے تھے ان کا ذریعۂ علم جنات اور شیاطین تھے. چنانچہ جب آپ کے قرب ولادت کا زمانہ آیا تو عموماً بتخانوں سے اور بتوں کے پیٹ سے آوازیں سنائی دیتی تھیں، کاہن مقفی اور مسجع فقروں میں، اور جنات شعروں میں یہ خبر سنایا کرتے تھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کا زمانہ قریب آگیا. یمن کے ایک بادشاہ کی طرف آپ کی منقبت میں پورا ایک قصیدہ منسوب کیا گیا، ملوک یمن، شاہان فارس اور قریش کے اکابر نے آپ کو خواب میں دیکھا، پتھروں پر اسم مبارک لوگوں کو منقوش نظر آتا تھا، قریش کا مورث اعلیٰ کعب بن لوئی، ہر جمعہ کو اپنے قبیلہ کے لوگوں کو یکجا کرکے اُن کے سامنے خطبہ دیتا تھا جس میں مسجع فقروں اور شعروں میں آپ کے ظہور کی خوشخبری ہوتی تھی، مکہ کے لوگ احبار اور رہبوں کی زبان سے محمد آپ کا نام سن کر اپنے بچوں کا یہی نام رکھتے تھے کہ شاید یہی پیغمبر ہوجائے. مدینہ کے لوگوں کو ان ہی یہودیوں کی زبانی یہ معلوم ہوچکا تھا کہ شہر یثرب آپ کا دارالہجرۃ ہوگا. اس لیے وہ آپ کے ورود کے منتظر تھے. سطیح کاہن کا آپ کی پیشینگوئی میں ایک طویل افسانہ ہے. لیکن اس دفتر کا بڑا حصہ موضوع اور جعلی ہے، اور باقی نہایت ضعیف اور کمزور اور ان میں جو ایک آدھ صحیح ہے، وہ پہلے گذر چکا ہے.

شاعرانہ تخیل کو واقعہ سمجھ لینا

۴۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش، عالم کی رحمت کا باعث تھی، اس لیے کائنات کا فخر و ناز اس پر بجا ہو سکتا ہے، اگلے واعظوں اور میلاد خوانوں نے اس واقعہ کو شاعرانہ انداز میں اس طرح ادا کیا کہ آمنہ کا کاشانہ نور سے معمور ہو گیا، جانور خوشی سے بولنے لگے۔ پرندے تہنیت کے گیت گانے لگے، مغرب کے جرندوں اور پرندوں نے مشرق کے جرندوں اور پرندوں کو مبارکباد دی، مکہ کے سوکھے درختوں میں بہار آ گئی، ستارے زمین پر جھک گئے، آسمانوں کے دروازے کھل گئے، فرشتوں نے ترانۂ مسرت بلند کیا، انبیاءؑ نے روئے روشن کی زیارت کی۔ فرشتوں نے بچہ کو آسمان و زمین کی سیر کرائی، شیطانوں کی فوج پابہ زنجیر کی گئی، پہاڑ غرور سے اونچے ہو گئے، دریا کی موجیں خوشی سے اچھلنے لگیں، درختوں نے سبزی کے نئے جوڑے پہنے، بہشت و جنت کے ایوان نئے سروسامان سے سجائے گئے، وغیرہ۔ بعد کے واعظوں اور میلاد خوانوں نے اس شاعرانہ انداز بیان کو واقعہ سمجھ لیا، اور روایت تیار ہو گئی۔

آئندہ واقعات کو اشارات میں دلائل کے موقع پر بیان کرنا

۵۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد رسالت میں یا بعد کو جو واقعات ظہور پذیر ہوئے اُن کا وقوع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے زمانہ میں تسلیم کر لیا گیا ہے اور ان کو بحیثیت معجزہ کے آئندہ واقعات کا پیش خیمہ بنا لیا گیا ہے، مثلاً آپ کے زمانہ میں بت پرستی کا استیصال ہو گیا، کسریٰ و قیصر کی سلطنتیں فنا ہو گئیں، ایران کی آتش پرستی کا خاتمہ ہو گیا، شام کا ملک فتح ہوا، ان واقعات کو معجزہ اس طرح بنایا گیا کہ جب آپ کی ولادت ہوئی تو کعبہ کے تمام بت سرنگوں ہو گئے، قصر کسریٰ کے کنگرے ہل گئے، آتشکدۂ فارس بجھ کر رہ گیا، نہر ساوہ خشک ہو گئی، ایک نور چمکا جس سے شام کے محل نظر آنے لگے

معجزات کی تعداد بڑھانے کا شوق

۶۔ بعض واقعات ایسے ہیں جن کو کسی حیثیت سے معجزہ نہیں کہا جا سکتا لیکن تکثیر معجزات کے شوق میں ذرا سا بھی کسی بات میں اعجوبہ پن اُن کو نظر آیا، تو اس کو مستقل معجزہ بنا لیا، مثلاً حضرت عائشہ سے ایک روایت ہے، اور وہ مسند امام احمد بن حنبل میں بھی مذکور ہے کہ آپ کے گھر میں کوئی پالو جانور تھا، جب آپ اندر تشریف لاتے تو وہ نہایت سکون و اطمینان کیساتھ ایک جگہ بیٹھا رہتا تھا، جب آپ باہر چلے جاتے تو وہ ادھر ادھر دوڑنے لگتا تھا، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حیوانات کو بھی آپ کی جلالت قدر اور حفظ مراتب کا پاس تھا، اور آپ کی عظمت و شان سے واقف تھے، لیکن درحقیقت یہ کوئی معجزہ نہیں، بلکہ عام لوگوں سے بھی بعض جانور اسی طرح ہل مل جاتے ہیں،

صحیح بخاری و مسلم میں ہے کہ حضرت جابرؓ سخت بیمار تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انکی عیادت کو گئے تو وہ بیہوش تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کر کے انکے منہ پر پانی چھڑکا تو انکو ہوش آگیا، یہ ایک معمولی واقعہ ہے مگر کتب دلائل کے مصنفین نے اس کو بھی معجزہ قرار دیدیا ہے[1]،

اسی طرح یہ روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مختون پیدا ہوئے تھے، یہ روایت متعدد طریقوں سے مروی ہے، مگر ان میں سے کوئی طریقہ بھی ضعف سے خالی نہیں ہے، حاکم نے مستدرک میں لکھا ہے کہ آپ کا مختون پیدا ہونا متواتر روایتوں سے ثابت ہے، اس پر علامہ ذہبی نے تنقید کی ہے کہ تواتر تو کجا، صحیح طریقہ سے ثابت بھی نہیں (مستدرک مع تلخیص باب اخبار النبیؐ)، اور بقول علامہ ابن قیم (زاد المعاد) اگر یہ ثابت بھی ہو تو یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی فضیلت نہیں ہے کیونکہ

[1] خصائص کبریٰ سیوطی جلد دوم ص ۷ حیدر آباد دکن۔

ایسے بچے اکثر پیدا ہوئے ہیں۔

روایاتِ صحیحہ میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب دعا کے لیے ہاتھ اٹھاتے تھے یا سجدہ میں جاتے تھے تو آپ کی بغل کی سپیدی نظر آتی تھی، یہ ایک معمولی بات ہے مگر محب طبری قرطبی اور سیوطی وغیرہ نے اس کو بھی معجزہ اور آپ کا خاصہ قرار دیدیا ہے۔

معجزات کی تعداد بڑھانے کے شوق میں کتب دلائل کے مصنفین نے یہ بھی کیا ہے کہ ایک ہی واقعہ کی روایت میں اگر مختلف سلسلہ اسند کے راویوں میں باہم موقع، مقام یا کسی اور بات میں ذرا سا بھی اختلاف نظر آیا تو اس کو چند واقعہ قرار دیدیا، مثلاً ایک واقعہ یہ ہے کہ ایک اونٹ جو دیوانہ ہو گیا تھا، یا بگڑ گیا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب اسکے پاس گئے تو اس نے مطیعانہ سر ڈال دیا، صحابہؓ نے کہا یا رسول اللہ! جب جانور آپ کے سامنے سر جھکاتے ہیں تو ہم کو انسان ہو کر تو ضرور آپ کے سامنے سر بسجود ہونا چاہیے، آپ نے فرمایا اگر میں کسی انسان کو سجدہ کرنا روا رکھتا تو بیوی کو کہتا کہ وہ شوہر کو سجدہ کرے"، یہ ایک ہی واقعہ ہے، جو فرق راوی سے اختلافِ بیان کی بنا پر چودہ پندرہ واقعہ بن گیا ہے۔

الفاظ کی نقل میں بے احتیاطی

۷۔ ان کتابوں میں بعض معجزات ایسے مذکور ہیں جن کی اصل صحاح میں مذکور ہے اور اس طرح مذکور ہے کہ وہ کوئی معجزہ نہیں، بلکہ معمولی واقعہ ہے، لیکن نیچے درجہ کی روایتوں میں بے احتیاط راویوں نے الفاظ کے ذرا الٹ پھیر سے اس کو معجزہ قرار دیدیا، صحاح کی متعدد روایتوں میں ہے کہ شانۂ مبارک پر ابھرا ہوا گوشت تھا جس کو "خاتم نبوت" کہتے تھے، اور آپ کی انگشتِ مبارک میں جو نقرئی خاتم (چاندی کی انگوٹھی) تھی، اس پر محمد رسول اللہ منقوش تھا

بے احتیاط راویوں نے ان دونوں واقعوں کو ملا دیا، اور اس طرح واقعہ کی صورت حاکم کی تاریخ نیشاپور، ابن عساکر کی تاریخِ دمشق اور ابو نعیم کی دلائل میں جا کر یوں ہو جاتی ہے کہ پشتِ مبارک کے گوشت کی خاتم نبوت پر کلمہ وغیرہ کی عبارتیں لکھی تھیں،

مشہور عام دلائل و معجزات کی روایتی حیثیت

دلائل و معجزات کے باب میں موضوع، منکر، ضعیف، غرض ہر قسم کی قابل اعتراض روایات کا اتنا بڑا انبار ہے کہ اگر ایک ایک کر کے اس کی جانچ پڑتال کیجائے تو ایک مستقل ضخیم جلد تیار ہو جائے، لیکن یہاں اس کا موقع نہیں، اس لیے ہم صرف ان روایتوں کی تنقید پر قناعت کرتے ہیں، جو عام طور سے ہمارے ملک میں مشہور ہیں، اور میلاد کی محفلوں میں ان کو بصد شوق و ذوق پڑھا اور سنا جاتا ہے۔

۱۔ اس سلسلہ میں سب سے پہلے یہ روایت آتی ہے کہ "اللہ تعالیٰ نے لوح و قلم، عرش و کرسی، جن و انس غرض سب سے پہلے نورِ محمدیؐ کو پیدا کیا، اور پھر لوح و قلم، عرش و کرسی، آسمان و زمین، ارواح و ملائکہ، سب چیزیں اسی نور سے پیدا ہوئیں"۔ اس کے متعلق اَوَّلَ مَا خَلَقَ اللّٰہُ نُوْرِیْ "یعنی سب سے پہلے خدا نے میرا نور پیدا کیا" کی روایت عام طور سے زبانوں پر جاری ہے، مگر اس روایت کا پتہ احادیث کے دفتر میں مجھے نہیں ملا، البتہ ایک روایت مصنف عبد الرزاق میں ہے

لہ بعض ارباب سیر نے اس بنا پر کہ فضائل میں ہر قسم کی روایات قبول کر لی جاتی ہیں، اور خصوصاً وہ جن کی تائید ان کے خیال میں دوسرے طریقوں سے ہوتی ہے، اس روایت کو اپنی کتابوں میں ذکر کیا ہے، زرقانی علی المواہب ج ۱ ص ۴۳، مگر جو علماء ہر قسم کی روایت میں صحت کے پہلو کا خیال ضروری سمجھتے ہیں، اُن کو اس میں کلام ہے البتہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا تمام انبیاء میں اول مخلوق ہونا ثابت ہے۔

یاجابر اول ماخلق اللہ نور نبیک من نورہ، اے جابر سب سے پہلے خدا نے تیرے پیغمبر کا نور اپنے نور سے پیدا کیا۔ اس کے بعد ذکر ہے کہ اس نور کے چار حصے ہوئے، اور ان ہی سے لوح و قلم، عرش و کرسی، آسمان و زمین اور جن و انس کی پیدائش ہوئی

زرقانی وغیرہ نے اس روایت کو نقل کیا ہے، مگر افسوس ہے کہ اس کی سند نہیں ملتی۔ ہندوستان میں مصنف عبدالرزاق کی گو دوسری جلد ملتی ہے، مگر پہلی نہیں ملتی، دوسری جلد دیکھ لی گئی، اس میں یہ حدیث مذکور نہیں، اس لیے اس روایت کی تنقید نہ ہو سکی اور چونکہ کتاب مذکور میں صحیح حدیثوں کے ساتھ ساتھ موضوع حدیثیں تک موجود ہیں، اور فضائل و مناقب میں اس کی روایتوں کا اعتبار کم کیا جاتا ہے، اس لیے اصولی حیثیت سے اس روایت کے تسلیم کرنے میں مجھے پس و پیش ہے، اس تردد کو قوت اس سے اور بھی زیادہ ہوتی ہے کہ صحیح احادیث میں مخلوقات الٰہی میں سب سے پہلے "قلم تقدیر" کی پیدائش کا تصریحی بیان ہے کہ اول ماخلق اللہ القلم۔[1]

۲۔ روایتوں میں ہے کہ یہ نور پہلے ہزاروں برس سجدہ میں پڑا رہا، پھر حضرت آدمؑ کے تیرہ تار جسم کا چراغ بنا، پھر آدمؑ نے مرتے وقت شیثؑ کو اپنا وصی بنا کر یہ نور ان کے سپرد کیا اسی طرح یہ درجہ بدرجہ ایک سے دوسرے پیغمبر کو سپرد ہوتا ہوا حضرت عبداللہؑ کو سپرد ہوا، اور حضرت عبداللہؑ سے حضرت آمنہؓ کو منتقل ہوا، نور کا سجدہ میں پڑا رہنا اور اس کا موجود ہونا بالکل

[1] جامع ترمذی کتاب القدر، ان علما نے جنھوں نے اول ماخلق اللہ نوری کو قبول کر لیا ہے نور محمدیؐ اور قلم کی اولیت پیدائش میں تطبیق کی کوشش کی ہے۔

موضوع ہے اور نور کا ایک دوسرے وصی کو درجہ بدرجہ منتقل ہوتا رہنا بے سروپا ہے، طبقات ابن سعد اور طبرانی، ابونعیم اور بزار میں اس آیت پاک

الَّذِیْ یَرَاکَ حِیْنَ تَقُوْمُ وَ	وہ خدا جو تجھکو دیکھتا ہے جب تو (تہجد کی
نَقْلِبُکَ فِی السّٰجِدِیْنَ	نماز میں) کھڑا ہوتا ہے، اور سجدہ کرنیوالوں
(شعراء)	میں تیرے الٹ پھیر کو بھی دیکھتا ہے

کی تفسیر میں حضرت ابن عباسؓ سے ایک روایت نقل کی گئی ہے کہ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغمبروں کی پشت بہ پشت منتقل ہونا خدا دیکھ رہا تھا، لیکن اول تو پوری آیت کے الفاظ اور سیاق و سباق اس مطلب کا ساتھ نہیں دیتے اور دوسرے یہ روایت اعتبار کے قابل نہیں۔

۳۔ روایت ہے کہ یہ نور جب (بلوغ کے وقت) عبدالمطلب کو سپرد ہوا تو وہ ایک دن خانۂ کعبہ میں سوئے ہوئے تھے، سو کر اٹھے تو دیکھا کہ اُن کی آنکھوں میں سرمہ اور بالوں میں تیل لگا ہے، اور بدن پر جمال و رونق کا خلعت ہے، یہ دیکھ کر وہ ششدر رہ گئے آخر کار ان کے باپ ان کو قریش کے ایک کاہن کے پاس لے گئے، اوس نے کہا کہ آسمانوں کے خدا نے اجازت دی ہے کہ اس لڑکے کا نکاح کر دیا جائے، اس نور کے اثر سے عبدالمطلب کے بدن سے مشک کی خوشبو آتی تھی، اور وہ نور ان کی پیشانی میں چمکتا تھا، قریش پر قحط وغیرہ کی جب کوئی مصیبت آتی تھی، تو اس نور کے وسیلہ سے وہ دعا مانگتے تھے، تو قبول ہوتی تھی۔"

یہ روایت ابو سعد نیشاپوری المتوفی ۴۰۷ھ نے اپنی کتاب شرف المصطفٰے میں ابوبکر ابن ابی مریم کے واسطے سے کعب احبار (نو مسلم یہودی) تابعی سے نقل کی ہے۔ اول تو یہ سلسلہ ایک تابعی تک موقوف ہے، آگے کی سند نہیں، علاوہ ازیں کعب احبار گو نو مسلم اسرائیلیوں میں سب سے بہتر سمجھے جاتے ہیں، تاہم امام بخاری ان کے کذب کا تجربہ بیان کرتے ہیں، اسلام میں اسرائیلیات اور عجیب و غریب حوادث کی روایات کے سرچشمہ یہی ہیں۔ بیچ کا راوی ابوبکر ابن ابی مریم باتفاق محدثین ضعیف ہے، ان کا دماغ ایک حادثہ کے باعث ٹھیک نہیں رہا تھا

۴۔ ابونعیم، حاکم، بیہقی اور طبرانی میں ایک روایت ہے کہ "عبدالمطلب یمن گئے تھے، وہاں ایک کاہن اُن کے پاس آیا، اور ان کی اجازت سے ان کے دونوں ہاتھوں کو دیکھکر بتایا کہ ایک ہاتھ میں نبوت اور دوسرے میں بادشاہی کی علامت ہے، تم بنو زہرہ کی کسی لڑکی سے جاکر شادی کرو۔ ان مصنفوں کا مشترک راوی عبدالعزیز بن عمران الزہری ہے۔ اس کی نسبت میزان میں ہے کہ امام بخاری نے کہا "اس کی حدیث نہ لکھی جائے"، نسائی نے کہا "متروک ہے"، یحییٰ نے کہا "یہ شعر و شاعری کا آدمی ہے، ثقہ نہ تھا" عبدالعزیز کے بعد کا راوی اس میں یعقوب بن زہری ہے، جس کی نسبت ابن معین کہتے ہیں کہ "اگر ثقات سے روایت کرے تو خیر لکھو"۔ ابوزرعہ نے کہا "وہ کچھ نہیں، وہ واقدی کے قریب ہے"۔ امام احمد نے کہا "وہ کچھ نہیں، اس کی حدیث لاشے کے برابر ہے"۔ ساجی نے کہا "وہ منکر الحدیث ہے"۔ علاوہ ازیں اس روایت میں بعض اور مجہول بھی ہیں، حاکم نے مستدرک میں اس کو روایت کیا ہے، لیکن امام ذہبی نے نقد مستدرک میں یعقوب اور عبدالعزیز دونوں کو ضعیف کہا ہے،

۵۔ روایت ہے کہ حضرت عبداللہؓ کی پیشانی میں جب یہ نور چمکا تو ایک عورت جو کاہنہ تھی اس نے نور کو پہچانا اور چاہا کہ وہ خود عبداللہ سے ہمبستر ہو کر اس نور کی امین بن جائے، مگر یہ سعادت اُس کی قسمت میں نہ تھی، اس وقت عبداللہ نے عذر کیا، اور گھر چلے گئے، وہاں یہ دولت آمنہ کو نصیب ہوئی، عبداللہ نے واپس آکر اس کاہنہ سے اب خود درخواست کی تو اس نے رد کر دی کہ "اب وہ نور تمھاری پیشانی سے منتقل ہو چکا"۔

یہ روایت الفاظ اور جزئیات کے اختلاف کے ساتھ ابن سعد، خرائطی، ابن عساکر بیہقی اور ابو نعیم میں مذکور ہے، ابن سعد نے تین طریقوں سے اس کی روایت ہے، ایک طریقہ میں پہلا راوی واقدی ہے، دوسرے میں کلبی ہے، یہ دونوں مشہور دروغگو ہیں، تیسرا طریقہ ابو بکر مدنی تابعی پر جا کر ختم ہو جاتا ہے، ابو یزید مدنی کی اگرچہ بعض ائمہ نے توثیق کی ہے، مگر مدینہ کے شیخ اکمل امام مالک فرماتے ہیں کہ میں اس کو نہیں جانتا۔ ابو زرعہ نے کہا: "مجھے نہیں معلوم"، ابو نعیم نے چار طریقوں سے اس کی روایت کی ہے، لیکن کوئی ان میں قابل وثوق نہیں، ایک طریقہ میں نضر بن سلمہ اور احمد بن محمد بن عبدالعزیز بن عمرو الزہری، اور یہ تینوں نامعتبر ہیں، تیسرے سلسلہ میں مسلم بن خالد الزنجی ہیں، جو ضعیف سمجھے جاتے ہیں، اور متہم و مجاہیل ہیں، چوتھا طریقہ یزید بن شہاب الزہری پر ختم ہے، اور وہ اپنے آگے کا سلسلہ نہیں بتاتے، اور ان کا حال بھی نہیں معلوم، بیہقی کا سلسلہ وہی تیسرا ہے، خرائطی اور ابن عساکر کا یوں بھی اعتبار نہیں،

۶۔ حضرت عباسؓ سے روایت کی گئی ہے کہ عبد مناف اور قبیلۂ مخزوم کی دو سو

عورتیں گنی گئیں جنھوں نے اس غم میں کہ عبداللہ سے ان کو یہ دولت حاصل نہ ہوئی وہ مر گئیں لیکن انھوں نے شادی نہ کی (یعنی عمر بھر کنواری رہیں) اور قریش کی کوئی عورت نہ بچی جو اس غم میں بیمار پڑ گئی ہو" یہی حکایت ہے جس کا غلط ترجمہ اردو مولفین میلاد نے یہ کیا ہے کہ "اس رات دو سو عورتیں رشک حسد سے مر گئیں یہ روایت سند کے بغیر زرقانی شرح مواہب لدنیہ میں بصیغہ رُوی یعنی بیان کیا گیا ہے" مذکور ہے، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ خود مصنف کو بھی اس کی صحت میں کلام ہے، یہ درحقیقت بالکل بے سند اور بے اصل روایت ہے، اور کسی معتبر کتاب میں اس کا پتہ نہیں

۷۔ روایت ہے کہ اس رات کو کسریٰ کے محل میں زلزلہ پڑ گیا، اور اس کے چودہ کنگرے گر پڑے، اور ساوہ کی نہر (واقع فارس) اور بعض روایتوں میں طبریہ کی نہر (واقع شام) خشک ہو گئی، اور فارس کا آتشکدہ جو ہزاروں برس سے روشن تھا بجھ گیا، اور کسریٰ نے ایک ہولناک خواب دیکھا جس کی تعبیر یمن کے ایک کاہن سطیح سے دریافت کی گئی" یہ قصہ بیہقی، خرائطی، ابن عساکر اور ابونعیم میں سند اور سلسلۂ روایت کے ساتھ مذکور ہے، ان سب کا مدار کسریٰ کے راوی مخزوم ابن ہانی ہے، جو اپنے باپ ہانی مخزومی (قریشی) سے جس کی ڈیڑھ سو برس کی عمر تھی، بیان کرتا ہے، ہانی کے نام کا کوئی صحابی جو مخزومی قریشی ہو، اور جو ڈیڑھ سو برس کی عمر رکھتا ہو معلوم نہیں، اصابہ وغیرہ میں اسی روایت کے سلسلہ میں ان کا نام مشکوک طریقہ سے آیا ہے، ان کے صاحبزادہ مخزوم بن ہانی سے محدثین میں بھی کوئی شناسا نہیں، نیچے کے راویوں کا بھی یہی حال ہے، یہاں تک کہ ابن عساکر جیسے ضعیف روایتوں کے سرپرست بھی اس روایت

کو غریب کہنے کی جرأت کرتے ہیں، اور ابن حجر جیسے کمزور روایتوں کے سہارا اور پشت پناہ بھی اس کو مرسل ماننے کو تیار ہیں، ابونعیم کی روایت میں محمد بن جعفر بن امین مشہور وضاع ہے،

۸- روایت ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے تو حضرت عبد الرحمن بن عوفؓ کی ماں شفاء بنت اوس ولادت کے وقت زچہ خانہ میں موجود تھیں، وہ کہتی ہیں کہ جب آپؐ پیدا ہوئے تو پہلے غیب سے ایک آواز آئی، پھر مشرق و مغرب کی ساری زمین میرے سامنے روشن ہوگئی، یہانتک کہ شام کے محل مجھ کو نظر آنے لگے، میں نے آپ کو کپڑا پہنا کر لٹایا ہی تھا کہ اندھیرا چھا گیا، اور میں ڈر کر کانپنے لگی، پھر داہنی طرف سے کچھ روشنی نکلی، تو آواز سنی کہ "کہاں لے گئے تھے"۔ جواب ملا کہ "مغرب کی سمت"۔ ابھی کچھ ہی دیر ہوئی تھی کہ پھر وہی کیفیت پیدا ہوئی، میں ڈر کر کانپی اور آواز آئی کہ کہاں لے گئے تھے، جواب ملا کہ "مشرق کی سمت"۔ یہ حکایت ابونعیم میں ہے، اس کے سلسلہ کا راوی احمد بن محمد بن عبد العزیز زہری نامعتبر ہے، اور اس کے دوسرے رواۃ مجہول الحال ہیں،

۹- روایت ہے کہ حضرت آمنہ نے خواب میں دیکھا کہ کوئی ان سے کہہ رہا ہے "اے آمنہ تیرا بچہ تمام جہان کا سردار ہوگا، جب پیدا ہو تو اس کا نام احمد اور محمد رکھنا، اور یہ تعویذ اس کے گلے میں ڈالنا"، جب وہ بیدار ہوئیں تو سونے کے پتر پر یہ اشعار لکھے ملے (اس کے بعد اشعار ہیں)

یہ قصہ ابونعیم میں ہے جس کا راوی ابوغزیہ محمد بن موسیٰ انصاری ہے جس کی روایتوں کو امام بخاری منکر کہتے ہیں، ابن حبان کا بیان ہے کہ دوسروں کی حدیثیں چرایا کرتا تھا، اور ثقات سے موضوع روایتیں بنا کر بیان کیا کرتا تھا، مغازی میں حافظ عراقی نے اس روایت کو بے اصل اور شامی نے بہت ہی ضعیف کہا ہے، ابن اسحاق نے بھی اس کو بے سند روایت کیا ہے، ابن سعد

میں یہ روایت واقدی کے حوالہ سے ہے جس کی وضع گوئی محتاج بیان نہیں۔

۱۰۔ **روایت**:۔ عثمان بن ابی العاصؓ صحابی کی ماں ولادت کے وقت موجود تھیں، وہ کہتی ہیں کہ جب آمنہ کو دردِ زہ ہوا تو یہ معلوم ہوتا تھا کہ تمام ستارے زمین پر جھکے آتے ہیں، یہانتک کہ میں ڈری کہ کہیں زمین پر نہ گر پڑیں اور جب پیدا ہوئے، تو جدھر نظر جاتی تھی تمام گھر روشنی سے معمور تھا۔ یہ قصہ ابونعیم، طبرانی اور بیہقی میں مذکور ہے، اس کے رواۃ میں یعقوب بن محمد زہری پایۂ اعتبار سے ساقط ہے اور عبدالعزیز بن عمر بن عبدالرحمٰن بن عوف ایک محض داستان گو اور جھوٹا تھا۔

۱۱۔ **روایت**: حضرت آمنہؓ کہتی ہیں کہ مجھے ایام حمل میں حمل کی کوئی علامت معلوم نہ ہوئی اور عورتوں کو ان ایام میں جو گرانی اور تکلیف محسوس ہوتی ہے۔ وہ بھی نہ ہوئی بجز اس کے کہ معمول میں فرق آگیا تھا۔ قسطلانی نے مواہب لدنیہ میں اس قصہ کو ابن اسحٰق اور ابونعیم کے حوالے سے بیان کیا ہے۔ لیکن ابن اسحٰق کا جو نسخہ ابن ہشام کے نام سے مشہور اور چھپا ہوا ہے۔ اور نیز دلائل ابونعیم کے مطبوعہ نسخہ میں تو اس قسم کا کوئی واقعہ مذکور نہیں۔ قسطلانی کی پیروی میں دوسرے بے احتیاط متاخرین مثلاً صاحب سیرۃ حلبیہ اور مصنف خمیس نے بھی ابن اسحاق اور ابونعیم ہی کی طرف اس روایت کی نسبت کی ہے لیکن ابن سید الناس نے عیون الاثر میں بجا طور سے اس روایت کے لیے واقدی کا حوالہ دیا ہے۔ دراصل یہ قصہ ابن سعد نے نقل کیا ہے۔ اور اس کی روایت کے دو سلسلے لکھے ہیں گمان میں سے ہر ایک کا سر سلسلہ **واقدی** ہے۔ اور اس کی نسبت محدثین کی رائے پوشیدہ نہیں علاوہ ازیں ان میں سے کوئی سلسلہ بھی مرفوع نہیں، پہلا سلسلہ عبداللہ بن وہب پر ختم ہوتا ہے جو اپنی پھوپھی سے روایت کرتے ہیں کہ وہ کہتی ہیں کہ ہم یہ سنا کرتے تھے۔۔۔۔۔۔

دوسرے سلسلہ کو واقدی زہری پر جاکر ختم کر دیتا ہے۔

۱۲- ایک روایت اس کے بالکل برخلاف ابن سعد میں یہ ہے کہ "غالباً" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جلالت وعظمت کے باعث، حضرت آمنہ کو سخت گرانی اور بار محسوس ہوتا تھا، وہ کہا کرتی تھیں کہ "میرے پیٹ میں کئی بچے رہے، مگر اس بچہ سے زیادہ بھاری اور گراں مجھے کوئی نہیں معلوم ہوا، اول تو یہ روایت معروف اور مسلم واقعہ کے خلاف ہے، حضرت آمنہ کے ایک کے سوا نہ کوئی اور بچہ ہوا، اور نہ حمل رہا، دوسرے یہ کہ اس روایت کا سلسلہ ناتمام ہے، اسی معنی کی ایک اور روایت شداد بن اوس صحابیؓ کی زبانی منقول ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میں اپنے والدین کا پہلوٹا ہوں، جب میں شکم میں تھا تو میری ماں عام عورتوں سے بہت زیادہ گرانی محسوس کرتی تھی، (کنز العمال کتاب الفضائل) معافی بن زکریا القاضی نے اس روایت پر اتنی ہی جرح کی ہے کہ یہ منقطع ہے، یعنی شداد بن اوس اور ان کے بعد کے راوی کھول میں ملاقات نہیں، اس لیے بیچ میں ایک راوی کم ہے، حالانکہ اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ اس کا پہلا راوی عمر بن صبیح، کذاب، وضاع اور متروک تھا۔

۱۳- روایت: جب ولادت کا وقت آیا، خدا نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آسمانوں اور بہشتوں کے دروازے کھول دو، فرشتے باہم بشارت دیتے پھرتے تھے، سورج نے نور کا نیا جوڑا پہنا، اس سال دنیا کی تمام عورتوں کو یہ رعایت ملی کہ سب فرزند زینہ جنیں، درختوں میں پھل لگ گئے، آسمان میں زبرجد یاقوت کے ستون کھڑے کیے گئے، شہر کوثر کے کنارے مشک خالص کے درخت اگائے گئے، مکہ کے بت اوندھے ہو گئے، وغیرہ وغیرہ،

یہ حکایت مواہب لدنیہ اور خصائص کبریٰ میں ابونعیم کے حوالے سے نقل کی گئی ہے لیکن ابونعیم کی دلائل النبوۃ کے مطبوعہ نسخہ میں جہاں اس کا موقع ہو سکتا تھا، وہاں یہ روایت مجھ کو نہیں ملی، ممکن ہے کہ ابونعیم نے اپنی کسی اور کتاب میں یہ روایت لکھی ہو یا یہ مطبوعہ نسخہ نامکمل ہو، بہرحال اس روایت کی بنا صرف اس قدر ہے کہ ابونعیم چوتھی صدی کے ایک راوی عمرو بن قتیبہ راوی سے نقل کرتے ہیں کہ ان کے والد قتیبہ جو بڑے فاضل تھے، یہ بیان کرتے تھے قسطلانی نے مواہب میں اس روایت کو نقل کر کے لکھا ہے، کہ وہ "مطعون ہے" حافظ سیوطی نے خصائص میں اس کو منکر کہا ہے، اور واقعہ یہ ہے کہ یہ تمام تر بے سند اور موضوع ہے،

۱۴- روایت: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حمل میں ہونے کی جو نشانیاں تھیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ اس رات کو قریش کے سب جانور بولنے لگے، اور کہنے لگے کہ کعبہ کے خدا کی قسم! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شکم مادر میں آ گئے، وہ دنیا جہان کی امان، اور اہل دنیا کے چراغ ہیں، قریش اور دیگر قبائل کی کاہنہ عورتوں میں کوئی عورت ایسی نہ تھی کہ اس کا جن اس کی آنکھوں سے اوجھل نہ ہو گیا ہو، اور ان سے کہانت کا علم چھین لیا گیا، اور دنیا کے تمام بادشاہوں کے تخت اوندھے ہو گئے، اور سلاطین اس دن گونگے ہو گئے، مشرق کے وحشی جانوروں نے مغرب کے وحشی جانوروں کو جا کر بشارت دی، اسی طرح ایک دریا نے دوسرے دریا کو خوشخبری سنائی اور پورے ایام حمل میں ہر ماہ آسمان و زمین سے یہ ندا سنی جانے لگی کہ بشارت ہو کہ حضرت ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمین پر ظاہر ہونے کا زمانہ قریب آیا، حضرت کی والدہ فرماتی تھیں کہ جب میرے حمل کے چھ مہینے گذرے تو خواب میں کسی نے مجھ کو پاؤں سے ٹھوکر دے کر کہا کہ

آے آمنہ! تمام جہان کا سردار تیرے پیٹ میں ہی جب وہ پیدا ہو تو اس کا نام محمدؐ رکھنا اور اپنی حالت کو چھپائے رکھنا۔" کہتی ہیں کہ جب ولادت کا زمانہ آیا، تو عورتوں کو جو پیش آتا ہے وہ مجھکو بھی پیش آیا، اور کسی کو میری اس حالت کی خبر نہ تھی، میں گھر میں تنہا تھی، عبدالمطلب خانہ کعبہ کے طواف کو گئے تھے، تو میں نے ایک زور کی آواز سنی جس سے میں ڈر گئی، میں نے دیکھا کہ ایک سپید مرغ ہے، جو اپنے بازو کو میرے دل پر مل رہا ہے، اُس سے میری تمام دہشت دور ہو گئی اور درد کی تکلیف بھی جاتی رہی، پھر ایک طرف دیکھا کہ سپید شربت ہے، پیاسی تھی، دودھ سمجھ کر اس کو پی گئی، اس کے پینے سے ایک نور مجھ سے نکل کر بلند ہوا، پھر میں نے دیکھا کہ چند عورتیں جن کے قد لمبے لمبے ہیں، گویا عبدالمطلب کی بیٹیاں ہیں، وہ مجھے غور سے دیکھ رہی ہیں، میں تعجب کر رہی ہوں کہ ان کو کیسے میرا حال معلوم ہوا، (ایک اور روایت میں ہے کہ ان عورتوں نے کہا کہ ہم فرعون کی بیوی آسیہ اور عمران کی بیٹی مریم اور یہ حوریں ہیں) میرا درد بڑھ گیا، اور ہر گھڑی آواز اور زیادہ بلند تھی، اور خوفناک ہوتی جاتی تھی، اتنے میں ایک سپید دیبا کی چادر آسمان و زمین کے درمیان پھیلی نظر آئی، اور آواز آئی کہ "اس کو لوگوں کی نگاہوں سے چھپا لو۔" میں نے دیکھا کہ چند مرد ہوا میں معلق ہیں، ان کے ہاتھوں میں چاندی کے آفتابے ہیں، اور میرے بدن سے موتی کی طرح پسینہ کے قطرے ٹپک رہے تھے جس میں مشکِ خالص سے بہتر خوشبو تھی، اور میں دل میں کہہ رہی تھی کہ کاش عبدالمطلب اس وقت پاس ہوتے پھر میں نے پرندوں کا ایک غول دیکھا جو نہیں معلوم کدھر سے آئے، وہ میرے کمرے میں گھس آئے، ان کی منقاریں زمرد کی اور بازو یاقوت کے تھے، میری آنکھوں سے اس وقت پردے

اٹھا دیے گئے تو اُس وقت مشرق و مغرب سب میری نگاہوں کے سامنے تھے۔ تین جھنڈے نظر آئے۔ ایک مشرق میں، ایک مغرب میں اور ایک خانۂ کعبہ کی چھت پر، اب درد زیادہ بڑھ گیا، تو مجھے ایسا معلوم ہوا کہ مجھے کچھ عورتیں ٹیک لگائے بیٹھی ہیں، اور اتنی عورتیں بھر گئیں کہ مجھے گھر کی کوئی چیز نظر نہ آتی تھی۔ اسی اثنا میں بچہ پیدا ہوا، میں نے پھر کر دیکھا تو وہ سجدہ میں پڑا تھا، اور دو انگلیوں کو آسمان کی طرف دعا کی طرح اٹھائے تھا۔ پھر ایک سیاہ بادل نظر آیا جو آسمان سے اتر کر نیچے آیا، اور بچہ پر چھا گیا۔ اور بچہ میری نگاہ سے چھپ گیا۔ اتنے میں ایک منادی سنی کہ "محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو زمین کے پورب اور پچھم گھما دو اور سمندروں کے اندر لیجاؤ کہ سب ان کے نام نامی اور شکل و صورت کو پہچان لیں۔ اور جان لیں کہ یہ مٹانے والے ہیں، یہ اپنے زمانہ میں شرک کا نام و نشان مٹا دیں گے"۔ پھر تھوڑی ہی دیر میں بادل ہٹ گیا اور آپ دودھ سے زیادہ سفید کپڑے میں لپٹے نظر آئے جس کے نیچے سبز ریشم تھا۔ ہاتھوں میں سفید موتیوں کی تین کنجیاں تھیں اور ایک آواز آئی کہ محمدؐ کو فتح و نصرت اور نبوت کی کنجیاں دی گئی ہیں،

میں نے دل پر جبر کر کے یہ پوری حکایت نقل کی ہے۔ یہ اس لیے کہ میلاد کے عام جلسوں کی رونق ان ہی روایتوں سے ہے۔ یہ روایت ابو نعیم میں حضرت ابن عباسؓ سے نقل کی ہے اور سند کا سلسلہ بھی ہر طرح درست ہے۔ مگر اگر کسی کو اسماء الرجال سے آگاہی نہ بھی ہو اور وہ صرف ادب عربی کا صحیح ذوق رکھتا ہو تو وہ فقط روایت کے الفاظ اور عبارت کو دیکھ کر یہ فیصلہ کر دے گا کہ یہ تیسری چوتھی صدی کی بنائی ہوئی ہے۔ اس روایت میں یحییٰ بن عبد اللہ البابلتی اور ابوبکر بن ابی مریم ہیں۔ پہلا شخص بالکل ضعیف ہے اور دوسرا ناقابلِ حجت ہے انکے آگے کے

راوی سعید بن عمرو الانصاری اور ان کے باپ عمرو الانصاری کا کوئی پتہ نہیں۔

۱۵۔ اسی قسم کی ایک اور روایت حضرت عباسؓ سے نقل کیجاتی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میرے چھوٹے بھائی عبداللہ جب پیدا ہوئے تو ان کے چہرے پر سورج کی سی روشنی تھی۔ اور والد نے ایک دفعہ خواب دیکھا۔ بنو مخزوم کی ایک کاہنہ نے یہ خواب سُنکر پیشینگوئی کی کہ "اس لڑکے کی پشت سے ایک ایسا بچہ پیدا ہوگا جو تمام دنیا پر حکومت کریگا۔ جب آمنہ کے شکم سے بچہ پیدا ہوا تو میں نے ان سے پوچھا کہ ولادت کے اثنا میں تم کو کیا کیا نظر آیا۔ انھوں نے کہا کہ جب مجھے درد ہونے لگا تو میں نے بڑے زور کی آواز سنی، جو انسانوں کی آواز کی طرح نہ تھی۔ اور سبز ریشم کا پھریرا یاقوت کے جھنڈے میں لگا ہوا آسمان و زمین کے بیچ میں گڑا نظر آیا۔ اور میں نے دیکھا کہ بچے کے سر سے روشنی کی کرنیں نکل نکل کر آسمان تک جاتی ہیں، شام کے تمام محل آگ کا شعلہ معلوم ہوتے تھے۔ اور اپنے پاس مرغابیوں کا ایک جھنڈ دکھائی دیا جس نے بچہ کو سجدہ کیا، پھر اپنے پروں کو کھول دیا۔ اور سعیرہ اسدیہ کو دیکھا کہ وہ کہتی ہوئی گذری کہ تیرے اس بچہ نے بتوں اور کاہنوں کو بڑا صدمہ پہنچایا۔ ہائے سعیرہ ہلاک ہوگئی۔ پھر ایک بلند بالا، سپید رنگ جوان نظر آیا جس نے بچہ کو میرے ہاتھ سے لے لیا۔ اور اُس کے منہ میں اپنا لعاب دہن لگایا۔ اس کے ہاتھ میں سونے کا طشت تھا بچہ کے پیٹ کو پھاڑا، پھر اس کے دل کو نکالا، اس میں سے ایک سیاہ داغ نکال کر پھینک دیا۔ پھر سبز حریر کی ایک تھیلی کھولی جس میں سپید کی طرح کوئی چیز تھی۔ اس کو سینہ میں بھرا پھر سپید حریر کی ایک تھیلی کھولی۔ اس میں سے ایک انگوٹھی نکال کر مونڈے کے برابر مہر کی اور اس کو ایک کرتہ پہنا دیا، اے عباس یہ میں نے دیکھا۔

اس روایت کے متعلق ہمیں کچھ زیادہ کہنا نہیں ہے کہ ناقلین نے اس کے ضعف کو خود تسلیم کیا ہے۔ اور حافظ سیوطی نے لکھا ہے کہ "اس روایت اور اس سے پہلے کی دو روایتوں (۱۳۰۱۴) میں سخت نکارت ہے، اور میں نے اپنی اس کتاب (خصائص) میں ان تینوں سے زیادہ منکر کوئی روایت نقل نہیں کی، اور میرا دل ان کے لکھنے کو نہیں چاہتا تھا، لیکن میں نے محض ابو نعیم کی تقلید میں لکھ دیا ہے"۔ جن روایتوں کو حافظ سیوطی لکھنے کے قابل نہ سمجھیں آپ اُن کے ضعف کے درجہ کو سمجھ سکتے ہیں، سیوطی اس روایت کا ماخذ ابو نعیم کو بتلاتے ہیں مگر یہ روایت دلائل ابی نعیم کے مطبوعہ نسخہ میں نہیں ملی، یہ بھی یاد رہے کہ حضرت عباسؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک ہی دو سال بڑے تھے۔ جب آمنہ نے وفات پائی تو وہ سات آٹھ برس کے بچہ ہوں گے

۱۶۔ حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ آمنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کا قصہ بیان کر رہی تھیں کہ "میں حیرت میں تھی کہ تین آدمی دکھائی دیے جن کے چہرے سورج کی طرح چمک رہے تھے۔ ایک کے ہاتھ میں چاندی کا آفتابہ تھا جس سے مشک کی سی خوشبو آرہی تھی، دوسرے کے ہاتھ میں سبز زمرد کا طشت تھا جس کے چار گوشے تھے۔ اور ہر گوشہ میں سپید موتی رکھا تھا۔ اور ایک آواز آئی "اے حبیب اللہ! یہ پوری دنیا، پورب، پچھم، خشکی و تری سب مجتمع ہو کر آئی ہے۔ اس کے جس گوشہ کو چاہیے مٹھی میں لے لیجیے"۔ آمنہ کہتی ہیں کہ میں نے گھوم کر دیکھا کہ بچہ کہاں ہاتھ رکھتا ہے۔ میں نے دیکھا کہ اس نے بیچ میں ہاتھ رکھا تو کہنے والے کی آواز سنی کہ "محمدؐ نے کعبہ کے خدا کی قسم کعبہ پر قبضہ کر لیا، ہاں یہ کعبہ اس کا قبلہ اور اس کا مسکن بنے گا

تیسرے کے ہاتھ میں سپید حریر لپٹا تھا۔ اس نے اُس کو کھولا۔ تو اس میں ایک انگوٹھی نکلی جس کو دیکھکر دیکھنے والوں کی آنکھیں حیرت کرتی تھیں، پھر وہ میرے پاس آیا۔ تو طشت والے نے اس انگوٹھی کو لے کر اُس آفتابہ سے سات بار اس کو دھویا، اور بچہ کے مونڈھے پر مہر کر دی، اور حریر میں اس کو لپیٹ کر مشک خالص کے تاگے سے اس کو باندھ دیا۔ اور تھوڑی دیر تک اپنے بازوؤں میں لپٹائے رکھا۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ یہ رضوان جنت تھا، پھر بچہ کے کان میں کچھ کہا جس کو آمنہ کہتی ہیں کہ میں سمجھ نہ سکی، اور پھر اس نے کہا "اے محمدؐ بشارت ہو کہ کسی نبی کو کوئی ایسا علم عطا نہیں کیا گیا، جو تم کو نہیں بتا دیا گیا۔ تم سب پیغمبروں سے زیادہ شجاع بنائے گئے۔ تم کو فتح و نصرت کی کنجی دی گئی اور رعب و داب بخشا گیا جو تمھارا نام سنے گا، اس نے تم کو کبھی دیکھا بھی نہ ہو تو وہ کانپ جائے گا۔ اے خدا کے خلیفہ!

اس روایت کا ماخذ یہ ہے کہ یحییٰ بن عاذ المتوفی ۳۷۸ھ نے اپنی کتاب میلاد میں اسکا ذکر کیا ہے۔ ابن دحیہ محدث نے بڑی جرأت کر کے اس خبر کو "غریب" کہا ہے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس کو غریب کہنا بھی اس کی توثیق ہے۔ یہ تمام تر بے اصل اور بے بنیاد ہے

۱۷۔ روایت: آمنہ کہتی ہیں کہ جب ولادت ہوئی تو ایک بہت بڑا ابر کا ٹکڑا نظر آیا جس میں سے گھوڑے کے ہنہنانے اور پروں کے پھڑپھڑانے اور لوگوں کے بولنے کی آوازیں آرہی تھیں، وہ ابر کا ٹکڑا بچہ کے اوپر آکر چھا گیا، اور بچہ میری نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔ البتہ منادی کی آواز سنائی دی، کہ محمد کو ملکوں ملکوں پھراؤ اور سمندروں کی تہوں میں لے جاؤ، کہ تمام دنیا ان کے نام و نشان کو پہچان لے، اور جن و انس، چرند و پرند، ملائکہ بلکہ ہر ذی روح

کے سامنے ان کو لے جاؤ، ان کو آدمؑ کا خلق، شیثؑ کی معرفت، نوحؑ کی شجاعت، ابراہیمؑ کی دوستی، اسمٰعیلؑ کی زبان، اسحاقؑ کی رضا، صالحؑ کی فصاحت، لوطؑ کی حکمت، موسیٰؑ کی سختی، ایوبؑ کا صبر، یونسؑ کی طاعت، یوشعؑ کا جہاد، داؤدؑ کی آواز، دانیالؑ کی محبت، الیاسؑ کا وقار، یحییٰؑ کی پاکدامنی، اور عیسیٰؑ کا زہد عطا کرو، اور تمام پیغمبروں کے اخلاق میں ان کو غوطہ دو۔ آمنہ کہتی ہیں، پھر یہ منظر ہٹ گیا، تو میں نے دیکھا کہ آپ سبز حریر میں لپٹے ہیں، اور اس کے اندر سے پانی ٹپک رہا ہے، آواز آئی "ہاں محمدؐ نے تمام دنیا پر قبضہ کر لیا۔ اور کوئی مخلوق ایسی نہ رہی جو ان کے حلقۂ اطاعت میں نہ آگئی ہو۔" کہتی ہیں کہ پھر میں نے دیکھا تو نظر آیا کہ آپ کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح ہے۔ اور مشکِ خالص کی سی خوشبو آپ سے نکل رہی ہے، دفعۃً تین آدمی نظر آئے۔ ایک کے ہاتھ میں چاندی کا آفتابہ ہے، دوسرے کے ہاتھ میں سبز زمرد کا طشت ہے، اور تیسرے کے ہاتھ میں سپید ریشم ہے۔ اس نے سپید ریشم کو کھول کر اس میں سے انگوٹھی جس کو دیکھ کر آنکھیں خیرہ ہوتی تھیں، نکالی، پہلے اس نے انگوٹھی کو سات دفعہ اس آفتابہ کے پانی سے دھویا، پھر نومولود کے بچہ کو تھوڑی دیر کے لیے اپنے بازوؤں میں لپیٹ لیا، اور پھر مجھے واپس کر دیا،

اس حکایت کی بنیاد یہ ہے کہ قسطلانی نے مواہب لدنیہ میں السعادۃ والبشریٰ نامی ایک میلاد کی کتاب سے اس کو نقل کیا ہے۔ اور السعادۃ والبشریٰ کا مصنف کہتا ہے کہ اس نے خطیب سے اس کو لیا ہے۔ روایات کے لحاظ سے خطیب کی تاریخ کا جو درجہ ہے، وہ کس کو معلوم نہیں۔ قسطلانی نے اس روایت کو ابونعیم کی طرف بھی منسوب کیا ہے، مگر دلائل ابونعیم کے مطبوعہ نسخہ میں تو اس کا پتہ نہیں غنیمت ہے کہ حافظ قسطلانی نے خود تصریح کر دی ہے کہ اس میں سخت نکارت ہے۔

۱۸- روایت: آمنہ کہتی ہیں کہ "جب آپ پیدا ہوئے تو ایک روشنی چمکی جس سے تمام مشرق و مغرب روشن ہو گیا، اور آپ دونوں ہاتھ ٹیک کر زمین پر گر پڑے (شاید مقصود یہ کہنا ہے کہ آپ سجدہ میں گئے) پھر مٹھی سے مٹی اٹھائی (اہل میلاد اس سے یہ مطلب لیتے ہیں کہ اپنے روئے زمین پر قبضہ کر لیا) اور آسمان کی طرف سر اٹھایا۔"

یہ حکایت ابن سعد میں متعدد طریقوں سے مذکور ہے، مگر ان میں سے کوئی قوی نہیں اسی کے قریب قریب ابونعیم اور طبرانی میں روایتیں ہیں، اُن کا بھی یہی حال ہے،

۱۹- روایت: جس شب کو آپ بیدار ہوئے قریش کے بڑے بڑے سردار جلسہ جمائے بیٹھے تھے، ایک یہودی نے جو مکہ میں سوداگری کرتا تھا، ان سے آکر دریافت کیا کہ آج تمہارے یہاں کسی کے گھر بچہ پیدا ہوا ہے؟" سب نے اپنی لاعلمی ظاہر کی، اُس نے کہا "اللہ اکبر! تم کو نہیں معلوم تو خیر، میں جو کہتا ہوں اس کو سن رکھو، آج شب کو اس پچھلی امت کا نبی پیدا ہو گیا، اس کے دونوں مونڈھوں کے بیچ میں ایک نشانی ہے، اس میں گھوڑے کی ایال کی طرح کچھ اوپر تلے بال ہیں، وہ دو دن تک دودھ نہ پیئے گا، کیونکہ ایک جن نے اس کے منہ میں انگلی ڈال دی ہے جس سے وہ دودھ نہیں پی سکتا۔" جب جلسہ چھٹ گیا، اور لوگ گھروں کو ٹولے تو معلوم ہوا کہ عبداللہ بن مطلب کے گھر لڑکا پیدا ہوا ہے، لوگ اس یہودی کو آمنہ کے گھر لائے، اس نے بچہ کی پیٹھ پر تل دیکھا تو غش کھا کر گر پڑا، جب ہوش آیا، لوگوں نے سبب پوچھا، اس نے کہا "خدا کی قسم اسرائیل کے گھرانے سے نبوت رخصت ہو گئی، اے قریش! تم اس کی پیدائش سے خوش ہو، ہشیار! خدا کی قسم ایک دن یہ تم پر ایسا حملہ کریگا جس کی خبر چار دانگ عالم میں پھیلے گی۔"

یہ روایت مستدرک حاکم میں ہے، اور حاکم نے اس کو صحیح کہا ہے، مگر اہل علم جانتے ہیں کہ حاکم کا کسی روایت کو صحیح کہنا ہمیشہ تنقید کا محتاج رہتا ہے۔ چنانچہ حافظ ذہبی نے تلخیص مستدرک (جلد ۲ ص ۶۰۲) میں حاکم کی تردید کی ہے۔ اس کا سلسلۂ روایت یہ ہے کہ یعقوب ابن سفیان فسوی ابو عثمان محمد یحییٰ کنانی سے اور یہ اپنے باپ (یحییٰ بن علی کنانی) سے، اور وہ محمد بن اسحاق (مصنف سیرت) سے روایت کرتے ہیں۔ سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ ابن اسحاق نے خود اپنی سیرت میں یہ روایت نہیں لی ہے، ابو عثمان محمد بن یحییٰ کو گو بعض محدثین نے اچھا کہا ہے، مگر محدث سلیمانی نے ان کو منکر الحدیث (ایسی باتیں بیان کرنے والا جن کی تصدیق دیگر معتبر بیانات سے نہیں ہوتی) کہا ہے، ابن حزم نے ان کو مجہول کہا ہے، بہر حال اُن تک غنیمت ہے، مگر ان کے باپ یحییٰ بن علی کا کہیں کوئی ذکر نہیں کہ یہ کون تھے؟ اور کیسے تھے؟ اسی قسم کی ایک اور روایت عیص راہب کے متعلق ابو جعفر بن ابی شیبہ سے ہے، اور ابو نعیم نے دلائل میں اور ابن عساکر نے تاریخ میں اس کو ذکر کیا ہے، لیکن درقانی نے لکھا ہے کہ ابو جعفر بن ابی شیبہ نامعتبر ہے۔

۲۰۔ روایت: حضرت عباسؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کرتے ہیں کہ "یا رسول اللہ! مجھ کو جس نشانی نے آپ کے مذہب میں داخل ہونے کا خیال دلایا۔ وہ یہ ہے کہ جب آپ گہوارہ میں تھے تو میں نے دیکھا کہ آپ چاند سے اور چاند آپ سے باتیں کرتا تھا، اور انگلی سے آپ اس کو جدھر اشارہ کرتے تھے، ادھر جھک جاتا تھا، فرمایا، ہاں میں اس سے اور وہ مجھ سے باتیں کرتا تھا اور رونے سے بہلاتا تھا، اور عرش کے نیچے جا کر جب وہ تسبیح کرتا تھا، تو میں اس کی آواز سنتا تھا"

یہ حکایت دلائل بیہقی، کتاب الصحابہ صابونی، تاریخ خطیب اور تاریخ ابن عساکر میں ہے مگر خود بیہقی نے تصریح کر دی ہے کہ یہ صرف احمد بن ابراہیم عبلی کی روایت ہے اور وہ مجہول ہے، صابونی نے روایت لکھکر کہا ہے کہ "یہ سند اور متن دونوں لحاظ سے غریب ہے"۔ علاوہ اس حضرت عباسؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے شاید ایک ہی دو سال بڑے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شیر خوارگی کے عالم میں وہ خود شیر خوار ہوں گے۔

۲۱۔ حافظ ابن حجر نے فتح الباری (جلد ۶ ص ۳۴۴) میں واقدی کی سیر کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ آپ نے گہوارہ میں کلام کیا، ابن سبع المتوفی ۶۲۷ھ کی خصائص میں ہے کہ فرشتے آپ کا گہوارہ ہلاتے تھے، اور (پیدائش کے بعد) سب سے پہلا فقرہ زبان مبارک سے یہ نکلا اللہ اکبر کبیراً والحمد للہ کثیراً، ابن عائذ وغیرہ میلاد کی بعض اور کتابوں میں اور فقرے بھی منسوب ہیں، مثلاً کہ آپ نے لا الہ الا اللہ یا جلال رب الرفیع پڑھا۔

واقدی کی سیر سے مراد اگر واقدی کی مغازی ہے تو اس کا مطبوعہ کلکتہ نسخہ جو میرے پیش نظر ہے، اس میں یہ واقعہ مذکور نہیں، اور اگر ہوتا بھی تو واقدی کا اعتبار کیا ہے؟ ابن سبع اور ابن عائذ وغیرہ زمانۂ متاخر کے لوگ ہیں، اور قدماء سے روایات کی نقل میں بے احتیاط ہیں کسی قدیم ماخذ سے اسکی تصدیق نہیں ہوتی معلوم نہیں یہ روایتیں انھوں نے کہاں سے لیں،

۲۲۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعت اور شیر خوارگی کے زمانہ کے فضائل اور معجزات جب آپ کو حلیمہ سعدیہ اپنے گھر لیجاتی ہیں۔ ابن اسحٰق، ابن راہویہ، ابو یعلی، طبرانی، بیہقی، ابو نعیم، ابن عساکر اور ابن سعد میں بہ تفصیل مذکور ہیں، حلیمہ سعدیہ کا آنا اور آپ کا ان کو دیکھکر مسکرانا، حلیمہ کے

خشک سینوں میں دودھ بھر آنا، آپ کا صرف ایک طرف کے سینہ سے سیر ہو جانا اور دوسری طرف کا اپنے رضاعی بھائی کے لیے بنظر انصاف چھوڑ دینا، آپ کے سوار ہوتے ہی حلیمہؓ کی کمزور اور دبلی پتلی گدھی کا تیز رو، طاقتور اور فربہ ہو جانا، اور حلیمہؓ کے قبیلہ کی قحط زدہ زمین کا سرسبز شاداب اور ہرا بھرا ہو جانا، حلیمہؓ کی بکریوں کا موٹا ہونا اور سب سے زیادہ دودھ دینا، آپ کا غیر معمولی نشو ونما پانا، دو برس کے سن میں آپ کے سینہ کا چاک ہونا، حلیمہؓ کا اس واقعہ سے ڈر کر آپ کو آمنہ کے پاس واپس لانا، آمنہ کا حلیمہؓ کو تسلی دینا، یہ تمام واقعات ان کتابوں میں بہ تفصیل مذکور ہیں،

یہ واقعات دو طریقوں سے مروی ہیں، ایک طریقہ کا مشترک راوی مہجم بن ابی مہجم ایک مجہول شخص ہے، اور دوسرے کا مشترک راوی واقدی ہے، جس کا کوئی اعتبار نہیں،

پہلے طریقہ سے اس کو ابن اسحٰق، ابن راہویہ، ابو یعلی، طبرانی، اور ابو نعیم نے روایت کیا ہے، اس کا سلسلہ یہ ہے کہ ابن اسحاق نے کہا کہ مجھ سے مہجم بن ابی مہجم مولیٰ حارث بن طالب حجی نے کہا، اور وہ کہتا ہے کہ مجھ سے عبداللہؓ بن جعفر بن ابی طالب نے خود بیان کیا، یا کسی ایسے شخص نے بیان کیا جس نے عبداللہؓ بن جعفر سے سنا، اور عبداللہ بن جعفر نے حلیمہ سعدیہ سے سنا،

اس روایت میں سب سے پہلی بات یہ ہے کہ مہجم اس روایت کا خود عبداللہؓ بن جعفر سے سننا یقینی نہیں بتاتا، بلکہ وہ کہتا ہے کہ "عبداللہؓ بن جعفر یا کسی نے ان سے سن کر مجھ سے کہا"، معلوم نہیں وہ کون تھا؟ اور کیسا تھا؟ ابو نعیم وغیرہ متاخرین نے اس روایت کو اس طرح بیان کیا ہے کہ یہ شک سرے سے نظر انداز ہو گیا ہے، اگر بالفرض مہجم نے عبداللہ بن جعفر سے سنا تو

عبداللہ بن جعفر کا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں آٹھ نو برس کے تھے، اور شہ کے بعد حبش کے ملک سے مدینہ آئے تھے، حلیمہؓ سے ملنا اور ان سے نقل روایت کرنا محتاج ثبوت ہی بلکہ علماے سیر و رجال میں خود حلیمہؓ کے اسلام یا نبوت کے بعد آپ سے ملاقات میں اختلاف ہے صرف ایک قصہ غزوۂ ہوازن کے موقع پر ان کا آنا کسی کسی نے بیان کیا ہی مگر اس موقع پر عبداللہ بن جعفر کا جو کمسن تھے، موجود ہونا اور ان سے ملنا مطلق ثابت نہیں، جہم بن ابی جہم جو اس روایت کا سرچشمہ ہے، ذہبی نے میزان الاعتدال میں اسی روایت کی تقریب سے اسکا نام لکھ کر لکھا ہے لا یعرف یعنی معلوم نہیں یہ کون تھا"

دوسرا طریقہ وہ ہے جس کا مرکزی راوی واقدی ہے، اس سلسلہ سے ابن سعد، ابونعیم اور ابن عساکر نے اس واقعہ کو لکھا ہے، یہ سلسلہ علاوہ ازیں کہ واقدی کے واسطہ سے ہی موقوف بھی ہے یعنی کسی صحابی تک وہ نہیں پہنچتا، اس کو واقدی زکریا بن یحییٰ بن یزید سعدی سے، اور وہ اپنے باپ یحییٰ بن زید سعدی سے نقل کرتا ہے، ابن سعد نے دوسری جگہ (جلد اول ص۹۰) ایک اور سلسلہ سے اس کو واقدی سے روایت کیا ہی، اور واقدی عبداللہ بن زید بن اسلم سے اور عبداللہ اپنے باپ زید بن اسلم تابعی سے نقل کرتے ہیں، یہ سلسلہ بھی علاوہ ازیں کہ اسکا پہلا راوی واقدی ہے، اور روایت بھی موقوف ہی، زید مذکور کی نسبت اہل مدینہ کلام کرتے تھے، اور ان کے بیٹے عبداللہ کو اکثر محدثین نے ضعیف کہا ہے، اس لیے یہ سلسلہ بھی استناد کے قابل نہیں ہے، ابونعیم نے تیسری روایت میں واقدی کے واسطہ سے ان واقعات کو بے سند لکھا ہے،

۴۳۔ شق صدر یعنی سینۂ مبارک کے چاک ہونے کا واقعہ معراج میں پیش آنا مسلم ہے،

مگر بعض لوگوں نے بچپن کے زمانہ میں بھی اس واقعہ کا پیش آنا بیان کیا ہے۔ بچپن کے وقت کی تعیین میں ان روایتوں میں اختلاف ہے، اکثر روایتوں میں یہ ہے کہ حضرت حلیمہؓ کے پاس قیام کے زمانہ میں یہ پیش آیا جب عمر شریف غالباً صرف چار برس کی تھی، ایک دو روایتوں میں ہے کہ اس وقت آپؐ دس برس کے تھے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ عہد طفولیت میں شق صدر کی جس قدر روایتیں ہیں، صحیح مسلم کی روایت کے علاوہ، وہ تمام تر ضعیف ہیں، صحیح مسلم کی روایت میں حماد بن سلمہ کی غلطی سے معراج کا واقعہ عہد طفولیت میں بیان ہوگیا ہے، اس بارہ میں میں نے اپنی تحقیق شرح صدر کی بحث میں مفصل بیان کی ہے۔

۲۴۔ حضرت حلیمہؓ کے پاس قیام کے زمانہ میں ایک اور واقعہ بھی راویوں نے بیان کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر بعض یہودیوں نے یا عرب قیافہ شناسوں نے (روایت میں اختلاف ہے) یہ معلوم کر لیا کہ نبی آخر الزماں ہیں، اور یہی ہمارے آبائی کیش اور مذہب کو دنیا سے مٹائیں گے، یہ سمجھ کر انھوں نے آپ کو خود قتل کرنا چاہا، یا دوسروں کو آپ کے قتل پر آمادہ کرنا چاہا، (روایت میں اختلاف ہے) ایک روایت میں ہے کہ یہ واقعہ اس وقت پیش آیا، جب حلیمہؓ آپ کو پہلے پہل مکہ معظمہ سے لیکر عکاظ کے میلہ میں آئیں، وہاں قبیلۂ ہذیل کا ایک قیافہ شناس بڈھا تھا، عورتیں اپنے اپنے بچوں کو لیکر اس کے پاس آتی تھیں اور فال نکلواتی تھیں، اس کی نظر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر پڑی تو وہ چلا اٹھا کہ اس کو قتل کر ڈالو، مگر آپ لوگوں کی نظر سے غائب ہو چکے تھے، حلیمہؓ آپ کو لیکر چل دی تھیں، لوگوں نے بڈھے سے واقعہ پوچھا، تو اس نے کہا کہ میں نے ابھی وہ بچہ دیکھا جو تمہارے اہل مذہب کو قتل کریگا

اور تمھارے بتوں کو توڑے گا، اور وہ کامیاب ہوگا۔" اس کے بعد لوگوں نے آپ کو بہت ڈھونڈھا مگر آپ نہ ملے، حضرت حلیمہؓ نے اس کے بعد آپ کو پھر کسی قیافہ شناس اور فال دیکھنے والے کے سامنے پیش نہ کیا، ایک اور روایت میں ہے کہ اس کے بعد اس بڈھے کی عقل جاتی رہی اور وہ کفر ہی کی حالت میں مرگیا، دوسری روایت میں یہ واقعہ اس طرح ہے کہ حضرت آمنہ نے حلیمہ کو کہدیا تھا کہ میرے بچہ کو یہودیوں سے بچائے رکھنا۔ اتفاق سے جب وہ آپ کو لیکر چلیں تو کچھ یہودی راستہ میں مل گئے، انھوں نے آپ کا حال سن کر ایک دوسرے سے کہا کہ "اس کو مار ڈالو"، پھر انھوں نے دریافت کیا کہ کیا یہ بچہ یتیم ہے؟ حلیمہ نے کہا "نہیں، میں اس کی ماں ہوں اور اپنے شوہر کو بتایا کہ وہ اس کا باپ ہے"، انھوں نے کہا کہ "اگر یہ یتیم ہوتا تو ہم اس کو قتل کر ڈالتے" (یعنی آخری پیغمبر کی ایک علامت یتیمی بھی تھی، اور چونکہ ان کو معلوم ہوا کہ یہ علامت بچہ میں پائی نہیں جاتی، اس سے ان کا یقین جاتا رہا۔)

یہ روایتیں ابن سعد جلد اول ص ۷۱ و ۹۸ میں ہیں، مگر حالت یہ ہے کہ پہلی روایتوں کا ماخذ واقدی کی داستانیں ہیں، اور اس پر بھی ان کے سلسلے ناتمام ہیں، آخری روایت کا سلسلہ یہ ہے: عمرو بن عاصم کلابی، ہمام بن یحییٰ، اسحاق بن عبداللہ، گو یہ تینوں عموماً ثقہ اصحاب ہیں، مگر انکی یہ روایت موقوف ہے، یعنی آخری راوی اسحاق بن عبداللہ گو تابعی ہیں، مگر وہ کسی صحابی سے اس کا سفنا ظاہر نہیں کرتے، معلوم نہیں یہ روایت ان کو کہاں سے پہنچی؟

تقریباً اسی واقعہ کو ابو نعیم نے دلائل میں اس طرح بیان کیا ہے کہ "حلیمہ جب آپ کو مکہ سے لیکر روانہ ہوئیں، تو ایک وادی میں پہنچکر ان کو حبش کے کچھ لوگ ملے (جو غالباً عیسائی ہوں گے) حلیمہ ان کے ساتھ ہوگئیں، انھوں نے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو آپ کی نسبت کچھ دریافت کیا

اس کے بعد بہت غور سے انھوں نے آپ کو دیکھنا شروع کیا، دونوں مونڈھوں کے بیچ میں جو مہر نبوت تھی، وہ دیکھی، آپ کی آنکھوں میں تھوڑی سرخی تھی، اس کو دیکھتے رہے، پھر پوچھا کہ "کیا بچہ کی آنکھوں میں یہ سرخی کسی بیماری سے ہے"؟ حلیمہؓ نے کہا نہیں، یہ ہمیشہ سے اسی طرح ہے، انھوں نے کہا "خدا کی قسم یہ پیغمبر ہے"۔ یہ کہکر انھوں نے چاہا کہ بچہ کو حضرت حلیمہؓ سے چھین لیں لیکن خدا نے آپ کی حفاظت کی"۔ ابو نعیم کی اس روایت کا سلسلہ نہایت ضعیف اور کمزور ہے، اور اس کے رواۃ مجہول الحال لوگ ہیں،

۲۵۔ کہتے ہیں کہ پیار اور محبت سے حضرت حلیمہؓ آپ کو دھوپ میں نکلنے نہیں دیتی تھیں، ایک دن آپ اپنی رضاعی بہن کے ساتھ دھوپ میں نکل پڑے، حلیمہؓ نے دیکھا تو لڑکی پر خفا ہوئیں، کہ تم دھوپ میں کیوں لے گئیں، لڑکی نے کہا اماں جان میرے بھائی کو دھوپ نہیں لگتی ہیں نے دیکھا کہ اس پر بادل سایہ کیے تھے، جدھر وہ جاتا تھا، وہ بھی چلتے تھے، اور جہاں وہ رک جاتا تھا، وہ بھی رک جاتے تھے، اس کیفیت سے وہ یہانتک پہنچا ہے۔ ابن سعد نے دو طریقوں سے اس واقعہ کو نقل کیا ہے، ایک میں تو صرف واقدی کا حوالہ ہے اور اسکے آگے کوئی نام نہیں دیا ہے (ص، جلد اول) اور دوسرے میں ہے کہ واقدی نے معاذ بن محمد سے اور اس نے عطاء سے، اور عطا نے حضرت ابن عباسؓ سے سنا، ابن سعد کے علاوہ ابو نعیم، ابن عساکر اور ابن طرماح نے بھی اسی سلسلہ سے اس واقعہ کو نقل کیا ہے، مگر اس سلسلہ میں واقدی کے علاوہ معاذ بن محمد مجہول اور نامعتبر ہے،

یہانتک تو ہم نے فضائل و معجزات کی غلط اور ضعیف روایتوں کی مسلسل تنقید کی ہے،

اگر اسی طرح ہم آخر تک نبھانا چاہیں تو یہ دفتر ان اوراق میں نہیں سما سکتا، اس لیے ہم صرف مشہور ترین روایتوں کی تنقید پر قناعت کرتے ہیں،

۲۶۔ سب سے مشہور بحیرا راہب کا قصہ ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ "جب آپ دس بارہ برس کے تھے، تو اپنے چچا ابو طالب کے ساتھ شام کا سفر کیا، راہ میں ایک عیسائی خانقاہ ملی، جس میں بحیرا نام ایک راہب رہا کرتا تھا، اس نے آپ کو دیکھکر اور علامتوں سے پہچان کر یہ جان لیا کہ پیغمبر آخر الزماں اور سردار عالم یہی ہیں، اس نے دیکھا کہ ابر آپ سایہ افگن ہے، جس درخت کے نیچے آپ بیٹھے ہیں، اس کی شاخیں آپ پر جھکی آتی ہیں، اس نے آپ کی خاطر قافلہ کی دعوت کی، اور ابو طالب سے باصرار کہا کہ اس بچہ کو مکہ واپس لیجاؤ، ورنہ رومی اگر اس کو پہچان گئے تو اس کو قتل کر ڈالیں گے، (شاید اس لیے کہ آپ کے ہاتھوں ان کی سلطنت کا خاتمہ ہوگا) ابھی یہ گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ رومیوں کا ایک گروہ پہنچ گیا، دریافت سے ظاہر ہوا کہ رومیوں کو یہ معلوم ہو گیا ہے کہ پیغمبر آخر الزماں کے ظہور کا وقت آگیا ہے، اسلیے رومیوں نے تحقیقِ حال کے لیے ہر طرف اپنے دستے روانہ کیے ہیں، بحیرا نے ان سے کہا، کہ "خدا کی تقدیر ٹل نہیں سکتی، اس لیے بہتر ہے کہ تم واپس جاؤ"۔ وہ رک گئے، اور ادھر ابو طالب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ واپس بھیج دیا، اور حضرت ابو بکرؓ نے حضرت بلالؓ کو آپ کے ساتھ کر دیا، اور بحیرا نے کیک اور ناشتہ آپ کے ساتھ کیا"

یہ روایت اختصار اور تفصیل کے ساتھ سیرت کی اکثر کتابوں میں اور بعض حدیثوں میں بھی مذکور ہے، مگر ابن اسحاق اور ابن سعد وغیرہ کتبِ سیر میں اس کے متعلق جس قدر روایتیں ہیں،

ان سب کے سلسلے کمزور اور ٹوٹے ہوئے ہیں، اس قصہ کا سب سے محفوظ طریقہ سند وہ ہے جس میں عبدالرحمان بن غزوان جو ابو نوح قراد کے نام سے مشہور ہے، یونس بن اسحاق سے، اور وہ ابوبکر بن ابی موسیٰ سے اور وہ اپنے باپ ابو موسیٰ اشعریؓ سے اس کی روایت کرتے ہیں۔

یہ قصہ اس سلسلۂ سند کے ساتھ جامع ترمذی، مستدرک حاکم، مصنف ابن ابی شیبہ، دلائل بیہقی اور دلائل ابی نعیم میں مذکور ہے، ترمذی نے اس کو حسن غریب" اور حاکم نے صحیح کہا ہے، استاذ مرحوم نے سیرت کی پہلی جلد (طبع اول ص ۱۳۰) وطبع دوم ص ۱۶۸) میں اس روایت پر پوری تنقید کی ہے، اور عبدالرحمان بن غزوان کو اس سلسلہ میں مجروح قرار دیا ہے، اور حافظ ذہبی کا قول نقل کیا ہے کہ وہ اس روایت کو موضوع سمجھتے ہیں،

واقعہ یہ ہے کہ اس سلسلۂ سند میں نہ صرف عبدالرحمٰن بن غزوان بلکہ دوسرے رواۃ بھی جرح کے قابل ہیں،

(۱) سب سے اول یہ کہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ مسلمان ہو کر ۷ھ ہجری میں یمن سے مدینہ آئے تھے، اور یہ واقعہ اس سے ۵۰ برس پہلے کا ہے، حضرت ابو موسیٰؓ نہ تو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے اور نہ کسی اور شریک واقعہ کی زبان سے اپنا سننا بیان کرتے ہیں، اس لیے یہ روایت مرسل ہے،

(۲) اس واقعہ کو حضرت ابو موسیٰؓ سے ان کے صاحبزادے ابوبکر روایت کرتے ہیں، مگر ان کی نسبت کلام ہے کہ انھوں نے اپنے باپ سے کوئی روایت سنی بھی ہے یا نہیں، چنانچہ ناقدین فن کو اس باب میں بہت کچھ شک ہے، امام ابن حنبلؒ نے تو اس سے قطعی انکار

کیا ہے، بنا بریں یہ روایت منقطع ہے۔ اس کے سوا ابن سعد نے لکھا ہے کہ "وہ ضعیف سمجھے جاتے ہیں"۔

(۳) ابوبکر سے یونس بن اسحاق اس واقعہ کو نقل کرتے ہیں، گو متعدد محدثین نے ان کی توثیق کی ہے، تاہم عام فیصلہ یہ ہے کہ وہ ضعیف ہیں۔ یحییٰ کہتے ہیں کہ "ان میں سخت بے پروائی تھی"۔ شعبہ نے ان پر تدلیس کا الزام قائم کیا ہے۔ امام احمد ان کی اپنے باپ سے روایت کو ضعیف اور ان کی عام روایتوں کو مضطرب اور "ایسی ویسی" کہتے ہیں۔ ابوحاتم کی رائے ہے کہ وہ راست گو ہیں لیکن ان کی اپنے باپ سے حدیث حجت نہیں۔ ساجی کا قول ہے کہ وہ سچے ہیں۔ اور بعض محدثین نے ان کو ضعیف کہا ہے"۔ ابوحاکم کا بیان ہے کہ "اکثر ان کو اپنی روایتوں میں وہم ہو جاتا تھا۔

(۴) چوتھا راوی عبدالرحمٰن بن غزوان ہے جس کا نام مستدرک حاکم اور ابونعیم میں ابونوح قراد ہے، اس کو اگرچہ بہت سے لوگوں نے ثقہ کہا ہے، تاہم وہ متعدد منکر روایتوں کا راوی ہے، مالیک والی جھوٹی حدیث اسی نے روایت کی ہے۔ ابواحمد حاکم کا بیان ہے کہ اس نے امام لیث سے ایک منکر روایت نقل کی ہے"۔ ابن حبان نے لکھا ہے کہ "وہ غلطیاں کرتا تھا، اور امام لیث اور مالک سے مالیک والی حدیث نقل کرنے کی وجہ سے اس کی طرف سے دل میں خلجان ہے۔

(۵) حافظ ذہبی میزان میں لکھتے ہیں کہ "عبدالرحمٰن بن غزوان کی منکر روایتوں میں سب سے زیادہ منکر یہ اراہیب کا قصہ ہے، اس قصے کے غلط ہونے کی ایک دلیل یہ ہے کہ اس میں

یہ ہے کہ ابو بکرؓ نے بلالؓ کو آپؐ کے ساتھ کر دیا، حالانکہ حضرت ابو بکرؓ اس وقت بچہ تھے، اور حضرت بلالؓ پیدا بھی نہیں ہوئے تھے۔

(۶) حاکم نے مستدرک میں اس واقعہ کو نقل کر کے لکھا ہے کہ یہ بخاری و مسلم کے شرط کے مطابق ہے، حافظ ذہبی مستدرک کی تلخیص میں اس کے متعلق لکھتے ہیں کہ "میں اس روایت کو بناوٹی خیال کرتا ہوں، کیونکہ اس میں بعض واقعات غلط ہیں"۔ (مستدرک جلد دوم ص ۶۱۵)

(۷) امام بیہقی اس کی صحت کو صرف اس قدر تسلیم کرتے ہیں کہ "یہ قصہ اہل سیر میں مشہور ہے"۔ حافظ سیوطی نے خصائص میں امام موصوف کے اس فقرہ سے یہ سمجھا ہے کہ وہ بھی اس کے ضعف کے قائل ہیں، اس لیے اصل روایت میں ابن سعد وغیرہ سے چند اور سلسلے نقل کیے ہیں، مگر ان میں سے کوئی بھی محفوظ نہیں ہے۔

۲۷۔ اسی قسم کا ایک اور واقعہ دوسری دفعہ کے سفر شام میں جب آپ حضرت خدیجہؓ کا مال تجارت لے کر بصریٰ تک تشریف لے گئے ہیں، بیان کیا جاتا ہے، آپ کے ساتھ اس سفر میں حضرت خدیجہؓ کا غلام میسرہ بھی تھا، اس کی زبانی روایت ہے کہ ہر جگہ ابر آپ پر سایہ افگن رہتا، کبھی فرشتے اپنے پروں کا سایہ کرتے تھے، ایک عیسائی خانقاہ کے قریب جہاں نسطورا راہب رہتا تھا، آپ نے ایک درخت کے نیچے آرام کیا، راہب نے یہ دیکھا تو میسرہ سے پوچھا کہ یہ کون شخص ہے، اس نے نام و نشان بتایا، راہب نے کہا کہ "اس درخت کے نیچے پیغمبر کے سوا اور کوئی نہیں ٹھہرا ہے"، پھر دریافت کیا کہ ان کی آنکھوں میں ہمیشہ یہ سرخی رہتی ہے، غلام نے اثبات میں جواب دیا، راہب نے کہا "تو یہ یقیناً آخر زمانہ کا پیغمبر ہے، تم کبھی اس کی رفاقت نہ چھوڑنا"۔

اسی درمیان میں ایک شخص سے خرید و فروخت میں کوئی جھگڑا پیش آیا، خریدار نے آپ سے کہا کہ تم لات و عزیٰ کی قسم کھاؤ۔" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں ان کی قسم نہیں کھاتا، راہب نے میسرہ سے کہا خدا کی قسم یہ پیغمبر ہے، اس کی صفتیں ہماری کتابوں میں لکھی ہیں۔" میسرہ کا بیان ہے کہ جب دوپہر کی سخت دھوپ پڑتی تو دو فرشتے آپ پر سایہ کر لیتے، جب آپ تجارت سے فارغ ہو کر مکہ آرہے تھے، اتفاق سے اس وقت حضرت خدیجہؓ چند سہیلیوں کے ساتھ کوٹھے پر تھیں، حضرت خدیجہؓ کی نظر آپ پر پڑی کہ آپ اونٹ پر سوار ہیں اور دو فرشتے آپ پر سایہ افگن ہیں، انھوں نے یہ منظر اپنی سہیلیوں کو دکھایا، اور میسرہ سے اس کا تذکرہ کیا، میسرہ نے کہا میرے سفر میں یہی تماشا دیکھتا آیا ہوں: اور اس کے بعد اس نے نسطورا راہب کی گفتگو بھی ان سے دہرائی،

یہ واقعہ ابن اسحاق، ابن سعد، ابو نعیم اور ابن عساکر میں ہے، ابن اسحاق میں اس روایت کی کوئی سند نہیں ہے، بقیہ کتابوں میں اس کی سند یہ ہے کہ ان کتابوں کے مصنفین واقدی سے، اور واقدی موسیٰ بن شیبہ سے، اور وہ عمیرہ بنت عبداللہ بن کعب سے اور عمیرہ ام سعد بنت کعب سے، اور وہ یعلی بن منیہؓ صحابی کی بہن نفیسہ بنت منیہؓ سے جو صحابیہ تھیں، روایت کرتے ہیں، واقدی کی بے اعتباری تو محتاج بیان نہیں، اس کے علاوہ موسیٰ بن شیبہ کی نسبت امام ابن حنبل کہتے ہیں "احادیثہ مناکیر" اس کی حدیثیں منکر ہیں، عمیرہ بنت ابن کعب اور ام سعد کا حال نہیں معلوم"

ابن اسحاق، ابن سعد، بیہقی اور ابو نعیم میں ہے کہ قریش نے جب بنو ہاشم کا مقاطعہ

کر کے شعب ابی طالب میں محصور کیا، اور باہم ایک معاہدہ مرتب کر کے خانہ کعبہ میں رکھ دیا، تو چند سال کے بعد اللہ تعالیٰ نے دیمک کو بھیجا، جس نے کاغذ کو کھا لیا، ایک روایت میں ہے کہ خدا کا نام چھوڑ کر باقی عبارت کو جس میں بنو ہاشم کے مقاطعہ کا عہد تھا، اس نے کھا لیا تھا، اور دوسری روایت میں ہے کہ خدا کا نام کھا لیا تھا، اور بقیہ عبارت چھوڑ دی تھی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعہ سے مطلع فرمایا: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو طالب سے اس کا ذکر کیا، ابو طالب نے قریش کو اس کی خبر کی، اور بالآخر اس واقعہ کی جھوٹ اور سچ ہونے پر معاہدہ باقی رہنے یا ٹوٹ جانے کا فیصلہ قرار پایا، کفار نے جب کاغذ کو اتار کر دیکھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کی تصدیق ہو گئی،

ابن اسحاق کی روایت بے سند ہے، بقیہ تمام روایتیں یا واقدی اور ابن لہیعہ سے ہیں جن کا اعتبار نہیں، اور یا ثقات سے ہیں، تو وہ تمام تر مرسل ہیں، ان مرسل روایتوں میں اگر کوئی بہتر روایت ہے تو وہ بیہقی میں موسیٰ بن عقبہ کی ہے، جو امام زہری سے اس کو روایت کرتے ہیں، لیکن وہ زہری تک پہنچ کر رہ جاتی ہے کسی صحابی تک نہیں پہنچتی،

۲۹۔ مشہور ہے کہ ہجرت میں جب آپ نے غار ثور میں پناہ لی تو خدا کے حکم سے فوراً غار کے منہ پر ببول یا ببول کا درخت اُگ آیا، جس کی ڈالیاں پھیل کر چھا گئیں، کبوتر کے ایک جوڑے نے آکر وہاں انڈے دیدیے، اور مکڑی نے جالے تن دیے، تاکہ مشرکین کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس کے اندر ہونے کا گمان نہ ہو، درخت کے اگنے، کبوتر کے انڈے دینے، مکڑی کے جالا تننے، ان تینوں کا ذکر صرف ابو مصعب کی روایت میں ہے، بقیہ روایتوں میں

صرف کبوتروں کے انڈے دینے اور مکڑی کے جالا تننے کا بیان ہے، بہرحال یہ واقعہ کتب سیر میں ابن اسحاق، ابن سعد، دلائل بیہقی اور ابونعیم میں، اور کتب حدیث میں سے ابن مردویہ اور بزار میں ہے، ابن مردویہ، بزار اور بیہقی میں جو روایت ہے. نیز ابن سعد اور ابونعیم کی ایک ایک روایت ابومصعب مکی سے ہے، جو متعدد صحابہ سے اس واقعہ کا سننا ظاہر کرتا ہے، ابومصعب سے عون بن عمرو القیسی اس کی روایت کرتا ہے، لیکن یہ دونوں صاحب پایہ اعتبار سے گرے ہوئے ہیں، ابومصعب مکی مجہول ہے، اور عون بن عمرو کی نسبت ابن معین کہتے ہیں کہ وہ کچھ نہیں، امام بخاری فرماتے ہیں کہ وہ "منکر الحدیث اور مجہول ہے"، ابونعیم میں عون بن عمرو کے بجائے عوین بن عمرو القیسی لکھا ہے، یہ عوین بن عمرو بھی بے اعتبار ہے، عقیلی نے اس کا ضعفاء میں شمار کیا ہے اور لکھا ہے کہ "اس کی روایتوں کی تصدیق نہیں ہوتی"، اور اس روایت کو نقل کرکے لکھا ہے کہ "ابومصعب مجہول ہے"[1]

استاذ مرحوم نے سیرت جلد اول واقعۂ ہجرت میں صرف ابومصعب کی روایت پر تنقید کی ہے، مگر واقعہ یہ ہے کہ ابومصعب کے علاوہ اور دوسرے سلسلوں سے بھی یہ مروی ہے، چنانچہ ابن سعد نے ایک اور طریقہ سے اس واقعہ کی روایت کی ہے، مگر اس روایت کا سرسلسلہ واقدی ہے، جس نے متعدد روایتوں کو یکجا کرکے ان کی ایک مشترک روایت ہجرت تیار کی ہے، اس واقعہ کی بہترین روایت وہ ہے جو مسند ابن حنبل میں حضرت ابن عباس سے مروی ہے. وہ فرماتے ہیں،

---

[1] دیکھو لسان میزان ترجمہ ابومصعب مکی و عون بن عمرو، اور میزان الاعتدال ترجمہ عون بن عمرو اور عوین بن عمرو۔

فمروا بالغار فرأوا علیٰ بابه
نسج العنکبوت فقالوا لو دخل
ههنا لم یکن نسج العنکبوت
علیٰ بابه (جلد اول ص ۳۴۸)

کفار آپ کی تلاش میں غار کے منہ تک
پہنچ گئے، دیکھا کہ منہ پر مکڑی کے جال ہیں،
تو انھوں نے کہا کہ اگر محمد اس کے
اندر جاتے تو یہ جال نہ ہوتے

لیکن ان الفاظ سے اس واقعہ کا غیر معمولی ہونا ظاہر نہیں ہوتا. البتہ اس روایت کی بنا پر اس کو تائیدات میں جگہ دیجا سکتی ہے، تاہم یہ روایت بھی قوی نہیں، اس کے راوی متعدد ہیں، جو اپنے کو مولی ابن عباسؓ کہتے ہیں، اور ان سے عثمان الجزری نام ایک شخص روایت کرتا ہے، مقسم کی اگرچہ متعدد محدثین نے توثیق کی ہے، اور امام بخاری نے صحیح میں ان سے حجامت کی روایت نقل کی ہے، مگر وہ خود کتاب الضعفاء میں ان کو ضعیف کہتے ہیں، ابن سعد نے بھی ان کو ضعیف کہا ہے، ساجی نے لکھا ہے کہ لوگوں نے ان کی روایت میں کلام کیا ہے"، ابن حزم نے لکھا ہے کہ "وہ قوی نہیں"۔ اور عثمان الجزری جو عثمان بن عمر بن ساج الجزری ہے، اور کہیں عثمان بن ساج کے نام سے مشہور ہے"، گو ابن حبان نے اپنے مشہور تساہل کی بنا پر اس کو ثقات میں داخل کیا ہے، مگر محدث ابو حاتم کہتے ہیں کہ "اسکی حدیث لکھی جائے، حجت میں پیش نہ کی جائے"، علامہ ذہبی میزان میں، اور حافظ ابن حجر نے لسان میں صرف ابو حاتم کا قول نقل کیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی نسبت محدثین کا آخری فیصلہ یہی ہے،

۳۰۔ روایتوں میں ہے کہ اسی سفر میں راہ میں ایک جگہ بکریوں کے ایک چرواہے سے

آپنے دودھ طلب کیا، اس نے معذرت کی کہ کوئی دودھ والی بکری نہیں لیکن آپنے اس کی اجازت سے ایک دودھ والی بکری کے تھن میں ہاتھ لگایا، فوراً دودھ نکل آیا، چنانچہ سب نے دودھ پیا، چرواہا یہ دیکھکر مسلمان ہوگیا.

ایک روایت میں ہے کہ یہ چرواہا حضرت عبداللہ بن مسعودؓ تھے، لیکن عام معجزات کے تحت میں ہم نے یہ ثابت کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا واقعہ زمانۂ ہجرت کا نہیں، بلکہ وہ کسی اور زمانہ کا ہے. عبداللہ بن مسعودؓ کا واقعہ مسند طیالسی اور مسند احمد میں خود حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی زبانی صحیح روایات کے ساتھ مذکور ہے، مسند ابو یعلی، مستدرک حاکم، اور طبرانی میں بجائے عبداللہ بن مسعودؓ کے صرف "عبد" یعنی ایک غلام کا ذکر ہے، جس کے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا. صحابہ میں سے اس کے راوی قیس بن نعمان سکونی ہیں، یہ صرف ایک دفعہ ایک وفد کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں، اور ان سے صرف یہی ایک روایت مروی ہے. بعضوں نے ان سے ایک اور روایت ہدیہ کی بھی نقل کی ہے، مگر ظاہر ہے کہ وہ شریک واقعہ نہ تھے. انھوں نے یہ واقعہ کس سے سنا؟ معلوم نہیں، اس لیے یہ روایت مرسل ہے، اس کے ایک راوی عبید اللہ ابن ایاد بن لقیط کی، گو اوروں نے توثیق کی ہے، مگر بزار نے لکھا ہے کہ وہ قوی نہیں. تاہم ذہبی نے تلخیص مستدرک (جلد ۳ ص ۹) میں اور حافظ ابن حجر نے اصابہ میں ترجمہ قیس بن نعمان سکونی میں اسکو صحیح کہا ہے. مگر یہ کس قدر تعجب کی بات ہے کہ خود حضرت ابوبکر صدیقؓ نے جو واقعہ ہجرت کی مفصل روایت صحیحین میں ہے. اس میں ایک غلام کے بکری کے دودھ پلانے کا واقعہ مذکور ہے

مگر اس معجزہ کا وہاں نام و نشان بھی نہیں ،

ہجرت کے موقع پر بے دودھ والی بکری کے تھنوں میں دودھ پیدا ہو جانے کا مشہور ترین معجزہ اُم معبد کے خیمہ کا ہے ، کہتے ہیں کہ مکہ اور مدینہ کی راہ میں قبیلہ خزاعہ کے ایک خاندان کا میدان میں خیمہ تھا ، ام معبد اور ابو معبد میاں بیوی اس خیمہ میں رہتے تھے ، اور مسافروں کو آرام پہنچایا کرتے تھے ، بکریوں کی پرورش پر ان کا گذارہ تھا ، صبح کو ابو معبد تمام اچھی اور دودھ والی بکریاں لے کر چراگاہ کو نکل گیا تھا ، صرف بے دودھ والی دبلی بکریاں خیمہ میں رہ گئی تھیں ، اتنے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکرؓ کا اُدھر سے گذر ہوا ، کھانے پینے کی کچھ چیزیں آپ نے بقیمت طلب کیں ، جو نہیں ملیں ، خیمہ کے ایک گوشہ میں ایک بکری نظر آئی ، آپ نے پوچھا کہ ام معبد یہ بکری کیسی ہے ؟ اس نے کہا یہ لاغری سے بکریوں کے ساتھ نہ جا سکی ، پھر فرمایا کہ اس کے کچھ دودھ ہے ؟ جواب دیا یہ دودھ سے معذور ہے ، راوی کا بیان ہے کہ امسال خشک سالی تھی ، اور لوگ قحط میں مبتلا تھے ، فرمایا کہ مجھے اس کے دوہنے کی اجازت ہے ؟ عرض کی میرے ماں باپ قربان اگر اسکے دودھ ہو تو دوہ لیجئے ، آپ نے دعا فرمائی اور پھر بسم اللہ کہکر تھن میں ہاتھ لگایا ، فوراً اس کے تھنوں میں دودھ اتر آیا ، دودھ سب نے پی لیا ، اور کچھ بچ گیا ، اور قافلۂ نبویؐ آگے روانہ ہوا کچھ دیر کے بعد ابو معبد آیا ، دیکھا کہ گھر میں دودھ رکھا ہے ، تعجب سے پوچھا ، یہ دودھ کہاں سے آیا بکریاں تو سب میرے ساتھ تھیں ، ام معبد نے سارا قصہ بیان کیا ، ابو معبد نے کہا ذرا اس شخص کی صورت و شکل بیان کرو ، ام معبد نے نہایت تفصیل سے آپ کے حسن و جمال اور شکل و شمائل کی تصویر کھینچی ، جس کو سن کر ابو معبد نے کہا یہ تو خدا کی قسم قریش والا آدمی معلوم ہوتا ہے جس کا کچھ حال

میں سن چکا ہوں میری آرزو ہے کہ مجھے اس کی صحبت میسر ہوتی ،اور جب انشاء اللہ موقع ملے گا میں یہ کروں گا ،اسی وقت مکہ میں کچھ اشعار غیب سے سنے گئے ،یہ اشعار بھی روایت میں ہیں ،ان اشعار میں ام معبد کے اسی واقعہ کا بیان ہے ،حضرت حسانؓ نے جب ہاتف کی یہ آواز سنی تو ان اشعار کے جواب میں یہ اشعار کہے (یہ جوابی اشعار بھی روایت میں مذکور ہیں)

یہ روایت بغوی ،ابن شاہین ،ابن سکن ،ابن مندہ ،طبرانی بیہقی ،ابونعیم اور حاکم میں ، ام معبد کے بھائی حبیش بن خالد کی زبانی مذکور ہے ،اور حاکم نے نہ صرف یہ کہ اس کو صحیح کہا ہے بلکہ اور دیگر طریقوں سے بھی اس کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے ،مگر معلوم ہے کہ حاکم کے صحیح کہنے کی علماء کی نگاہ میں کوئی قدر و قیمت نہیں ،چنانچہ حافظ ذہبی نے اس روایت پر تنقید کرتے ہوئے تصریح کر دی ہے کہ ان میں سے کوئی طریقہ سند صحیح کے شرائط کے مطابق نہیں حافظ ذہبی نے مجملاً اسی قدر لکھا ہے ،مگر واقعہ یہ ہے کہ یہ روایت حاکم کے علاوہ اور کتابوں میں بھی اس سلسلۂ سند سے مذکور ہے ،اور وہ یہ ہے کہ حزام اپنے باپ ہشام سے اور ہشام اپنے باپ حبیش بن خالد خزاعی سے ناقل ہیں ،حزام مجہول ہیں ،حبیش بن خالد سے صرف یہی ایک روایت تمام کتب حدیث میں مذکور ہے ،حبیش اصل واقعہ کے وقت موجود نہ تھے ،معلوم نہیں انھوں نے کس سے سنا ،اس لیے یہ روایت اگر ثابت بھی ہو تو مرسل ہے حاکم نے دو طریقوں سے اس واقعہ کو نقل کیا ہے ایک انہی حزام اور ہشام بن حبیش کے ذریعہ سے اور دوسرے حر بن صباح سے اور وہ ام معبد کے شوہر ابو معبد سے راوی ہیں ،پہلے طریقہ میں حاکم نے یہ کمال کیا ہے کہ حبیش کے بجائے خود ہشام ابن حبیش بن خویلد (بجائے خالد) کو اصل راوی اور صحابی قرار دیا ہے ،ظاہر ہے کہ اس طریق

سے روایت کا ارسال اور بڑھ گیا، ہشام کا صحابی ہونا بھی مشکوک ہے۔ دوسرے طریقہ میں حر بن صباح گو ثقہ ہیں، مگر ابو معبد سے ان کی سماعت ثابت نہیں، چنانچہ ابن حجر نے تہذیب میں لکھا ہے کہ حر ابو معبد سے مرسل روایتیں کرتے ہیں، یہ تو ان تمام روایتوں کے اوپر کے راویوں کا حال ہے۔ نیچے کے راویوں میں اکثر مجہول لوگ ہیں، حر والی روایت میں نیچے ایک شخص محمد بن بشر سکری ہے، جس کو ازدی نے منکر الحدیث اور ابن عدی نے واہی کہا ہے[1]۔ ابو نعیم نے دلائل میں ایک اور صحابی سلیط ابو سلیمان انصاری بدری سے اس کی روایت کی ہے، سلیط سے ان کے بیٹے سلیمان اور ان سے ان کے بیٹے محمد بن سلیمان بن سلیط انصاری روایت کرتے ہیں لیکن ان سلیط کا نام صرف اسی روایت کے راوی کی حیثیت سے بعض مؤلفین سیر صحابہ نے کیا ہے، ورنہ ان کا کوئی حال ہم کو معلوم نہیں، سلیط انصاری بدری جو مشہور ہیں، وہ سلیط بن قیس انصاری خزرجی بدری ہیں، ان کے بیٹے کا نام عبد اللہ تھا جن سے گو نسل چلی نہیں، لیکن ان سے روایت نسائی میں موجود ہے، مگر سلیط ابو سلیمان انصاری بدری سے کوئی روایت اس کے سوا موجود نہیں۔ اسی لیے اسماء و رجال صحابہ کے مؤلفین میں سے بعض نے ان کو اور سلیط بن قیس انصاری بدری کو ایک سمجھا ہے۔ اگر ایسا ہے تو سلیمان ان کے بیٹے اور محمد ان کے پوتے کا نام نہ تھا۔ اور اگر دو ہیں تو اصحاب بدر کے نام سب گنے ہوئے ہیں، ان میں سلیط بن قیس خزرجی کے سوا کوئی دوسرا سلیط نام نہیں، پھر یہ مدینہ کے باشندہ تھے۔ اور ام معبد قبیلہ خزاعہ کی تھی، جو مکہ اور مدینہ کے بیچ میں آباد تھا، معلوم نہیں کہ سلیط انصاری

[1] لسان المیزان ترجمہ محمد بن بشر بن ابان السکری

نے کس سے سنا؟ پھر اُن کے بیٹے سلیمان اور پوتے محمد سے ہم کو کوئی واقفیت نہیں،
حافظ ابن حجر لسان المیزان میں محمد بن سلیمان بن سلیط الانصاری کے تحت میں لکھتے ہیں:

قال العقیلی مجهول بالنقل رُوی عن ابیه عن جده فذکر قصّة
ام معبد .... وهو واهٍ وقال لیس هذا الطریق محفوظاً فی
حدیث اُمّ معبد ..... قال ابن منده مجهول"۔

علاوہ ازیں ان روایتوں کے الفاظ ام معبد اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے باہم طرز تخاطب اور اشعار کی زبان اور ابو معبد کی گفتگو میں ایک خاص غرابت ہے جس کو ناقدین حدیث اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں۔ یہ بھی عجیب بات ہے کہ ہاتف غیب نے تو اشعار مکہ میں کوگوں کو سنائے اور حسانؓ نے جو ابھی مسلمان بھی نہیں ہوئے تھے۔ مدینہ میں بیٹھے بیٹھے ان کا جواب کہا۔ ہجرت کے سال میں مکہ کے آس پاس قحط کا پڑنا اور خشک سالی ہونا بھی ثابت نہیں

مجھے ہجرت کے موقع پر ان دودھ والی روایتوں کے تسلیم کرنے میں اس لیے بھی پس و پیش ہے کہ ہجرت کے رفیقِ سفر حضرت ابوبکرؓ سے واقعاتِ ہجرت کی جو روایت صحیح بخاری میں مذکور ہے اس میں ایک جگہ ایک چرواہے سے دودھ مانگ کر پینے کا ذکر موجود ہے۔ مگر اس معجزہ کا مطلق ذکر نہیں ہے چنانچہ صحیح بخاری میں حضرت ابوبکرؓ کی زبانی یہ قصہ ان الفاظ میں مذکور ہے۔ "وہ ایک چرواہا نظر آیا۔ جو اپنی بکریوں کو ہانکے لیے جا رہا تھا میں نے اس سے پوچھا تم کس کے غلام ہو؟ اس نے قریش کے ایک آدمی کا نام لیا جس کو میں جانتا تھا۔ پھر میں نے کہا تمہاری بکریوں کے دودھ ہے؟ اس نے کہا ہاں۔ میں نے کہا۔ اپنے ہاتھ اور بکری کے تھن جھاڑ کر

پیالہ میں دودھ تو دودھ ہو، اس نے دوہا تو میں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایک برتن میں رکھکر اور تھوڑا پانی ملاکر کہ دودھ ٹھنڈا ہو جائے، آپ کے پاس لایا، آپ نے نوش فرمایا۔"[1]

مدینہ پہنچکر مسلمانوں کی ایک اجتماعی زندگی شروع ہوگئی تھی، اور خلوت وجلوت میں ہر موقع پر جانثاروں کا ہجوم رہتا تھا، اس لیے آپ کے واقعات وسوانح کا ایک ایک حصہ پہلے سے زیادہ روشن ہو جاتا ہے، اس بنا پر اس زمانہ کے دلائل ومعجزات زیادہ محفوظ طریقہ سے احادیث میں مذکور ہیں، اور اس عہد کے متعلق جو غلط اور مشتبہ روایات بعد کو پیدا ہوئی ہیں، محدثین نے موضوعات میں علانیہ ان کی پردہ دری کر دی ہے[2]، اس لیے فن موضوعات پر جو کتابیں لکھی گئی ہیں، ان میں ان کی تفصیل موجود ہے، مثلاً

۱- وہ تمام روایتیں جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزہ سے حضرت آمنہ یا کسی اور مردہ کے زندہ ہونے کا بیان ہے، وہ سب جھوٹی اور بنائی ہوئی ہیں،

۲- وہ معجزے جن میں گدھے، اونٹ، بکری، ہرن، گوہ، بھیڑیے شیر وغیرہ جانوروں کے انسانوں کی طرح بولنے یا کلمہ پڑھنے کا ذکر ہے، بروایت صحیحہ ثابت نہیں ہیں[3]،

---

[1] صحیح بخاری باب مناقب المہاجرین [2] علامہ زرقانی نے شرح مواہب لدنیہ کی پانچویں جلد میں ان روایتوں کو مع تنقید کے جمع کر دیا ہے [3] یعنی ضعیف روایتوں میں گو یہ آیا ہے لیکن ان کو صحیح کا درجہ حاصل نہیں، ان روایتوں میں سے ایک بھیڑیے کے بولنے کا قصہ زیادہ مشہور ہے، جو دلائل بیہقی، مسند احمد، حاکم اور ترمذی میں بطرق متعددہ مذکور ہے، جن میں سب سے قوی حضرت ابو سعید خدری کی روایت ہے، حاکم نے اس کو صحیح کہا ہے اور ذہبی نے بشرط مسلم کہا ہے (مستدرک ۴ ص ۴۶۷) لیکن امام بخاری نے کہا ہے کہ اسکی سند قوی نہیں (زرقانی علی المواہب ج ۵ ص ۱۹۳)

۳- ایسی روایتیں جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے آسمان سے خوانِ نعمت یا جنت سے میووں کے آنے کا ذکر ہے موضوع ہیں، یا ضعیف ہیں،[1]

۴- وہ روایتیں جن میں حضرت خضرؑ یا الیاسؑ سے ملنے یا اُن کے سلام و پیام بھیجنے کا بیان ہے صحت خالی ہیں،

۵- عوام میں مشہور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سایہ نہ تھا، لیکن یہ کسی روایت سے ثابت نہیں ہے.

۶- روایت ہے کہ آپ قضائے حاجت سے واپس آتے تھے تو وہاں کوئی نجاست باقی نہیں رہتی تھی. یہ سرتاپا موضوع ہے.

۷- واعظوں میں مشہور ہے کہ ابوجہل کی فرمایش سے اس کے ہاتھ کی کنکریاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزہ سے کلمہ پڑھنے لگیں لیکن یہ ثابت نہیں،

۸- وہ تمام حکایات جن سے ہماری زبان میں کتب وفات نامہ اور سرنی نامہ ترتیب پائی ہیں، تمام تر جھوٹی ہیں.

۹- ایک روایت ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ حضرت علیؓ کے زانو پر سر رکھکر آرام

---

[1] اس قسم کی ایک روایت احمد ج ۴ ص ۱۰۴، دارمی ص ۱۲، نسائی، حاکم، بزار، ابویعلی اور طبرانی میں سلمہ بن نفیل سکونی سے مروی ہے. حاکم نے اس کو صحیح کہا ہے، لیکن ذہبی نے اس کے استدراک میں اس کو سند صحیح کہا ہے، لیکن غرائب صحاح میں قرار دیا ہے (مستدرک حاکم ج ۴ ص ۴۴۷ و ۴۸۸ و خصائص کبریٰ سیوطی ج ۲ ص ۵۶ حیدرآباد)

فرما رہے تھے، آفتاب ڈوب رہا تھا، اور نمازِ عصر کا وقت ختم ہو رہا تھا، لیکن حضرت علیؓ نے دعا آپ کو جگانا مناسب نہ سمجھا، جب آفتاب ڈوب گیا تو دفعۃً آپ بیدار ہوئے اور دریافت فرمایا کہ تم نے نماز پڑھی، عرض کی نہیں، آپ نے دعا کی، فوراً آفتاب لوٹ کر نکل آیا

یہ روایت بھی صحیح طریقہ سے ثابت نہیں ہے[1]،

۱۰۔ ایک روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ مبارک اس قدر روشن تھا کہ اندھیرے میں آپؐ جاتے تھے تو اجالا ہو جاتا، چنانچہ ایک دفعہ رات کو حضرت عائشہؓ کے ہاتھ سے سوئی گر گئی، تلاش کی نہیں ملی، دفعۃً آپ تشریف لے آئے تو چہرۂ مبارک کی روشنی میں سوئی چمک اٹھی اور مل گئی۔ یہ بالکل جھوٹ ہے،

گو ان میں سے بعض روایتوں کو اہل سیر اور مصنفین نے فضائل نبوی میں اپنی کتابوں میں درج کیا ہے، مگر اس سے ان کی صحت ثابت نہیں ہوتی، اور اگر ان میں کوئی روایت سلسلۂ صحیح ثابت ہو جائے، تو اس خاکسار ہیچمدان کو اس کے قبول میں کوئی عذر نہیں، وفوق کل ذی علم علیم

---

[1] بعض علمائے اہل سنت مثلاً قاضی عیاض، ابو حفص طحاوی اور عام علمائے روافض نے اس روایت کے ضعف کو دور کرنے کی کوشش کی ہے، مگر عام ائمہ رجال کا رجحان اس روایت کے موضوع یا کم از کم ضعیف ہونے کی طرف ہے، ابن جوزی نے موضوعات میں شمار کیا ہے، حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ ہمارے استاذ حافظ فاسی اور امام ذہبی نے بھی اس کے موضوع ہونے کی تصریح کی ہے

(البدایۃ والنہایۃ ج ۶ ص ۲۸۴)

ان روایتوں کی تنقید سے غرض نعوذ باللہ فضائل نبوی میں کلام نہیں ہے بلکہ یہ اعتقاد ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک کی طرف جو بات منسوب کیجائے وہ ہر طرح صحیح ہو،[1]

[1] اس کتاب کی تصنیف کے برسوں بعد حافظ ابن کثیر کی کتاب البدایہ والنہایہ مصر سے چھپ کر آئی ہے جو سیرت پر بڑی مفصل کتاب ہے۔ اس کی چھٹی جلد میں حافظ موصوف نے معجزاتِ نبویہ کی ہر قسم کی روایتوں کو جمع کر دیا ہے۔ اور ان پر کلام بھی کیا ہے۔ اور اُن کے اسناد کی جرح و تعدیل بھی کی ہے۔ اہل تحقیق حضرات اس کی طرف توجہ فرمائیں۔

بشارات

يَجِدُونَهٗ مَكْتُوبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنْجِيلِ (اعراف)

جس پیغمبر کو وہ اپنے پاس توراۃ اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں،

یہود و نصاریٰ میں یہ خیال ہے کہ کسی پیغمبر کا دعوائے نبوت اس وقت تک مسلم نہیں جب تک یہ ثابت نہ ہو جائے کہ پہلے پیغمبروں نے اس کی آمد کی پیشگوئی کی ہے، اور جو اس کی نشانیاں بتائی ہیں، وہ مدعی نبوت میں پائی جاتی ہیں، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو بھی وہ اسی معیار پر پرکھتے تھے، اور بہت سے یہود و نصاریٰ جن کو اس معیار سے تشفی کی دولت حاصل ہوئی، وہ علی الاعلان ایمان لائے، اور جو اپنی کمزوری سے اپنے ایمان کا اعلان نہ کر سکے، انھوں نے اسلام کی صداقت کا اعتراف کیا، لیکن جن کے قلوب عناد و تعصب کے گرد و غبار سے تیرہ و تار تھے، وہ اس ظلمات سے باہر نہ آسکے، اور آب حیات کا سرچشمہ ان کے ہاتھ نہ آسکا،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کے جواب میں فرمایا ہے کہ میں اپنے باپ ابراہیمؑ کی دعا اور عیسیٰؑ کی بشارت ہوں[1]، اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ نے

[1] مستدرک حاکم ج ۲ فضائل نبویؐ ابن سعد جزء اول ۲ صفحات ذیل میں صرف ان ہی بشارات سے بحث ہے جن کے حوالے قرآن و حدیث میں مذکور ہیں،

جب کعبہ کی تعمیر سے فراغت پائی تو مقدس باپ بیٹوں نے مل کر دعا مانگی کہ ہماری اولاد میں ایک پیغمبر اس سرزمین میں مبعوث ہو،

وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ	اور یاد کرو جب ابراہیم کے پروردگار نے ابراہیم
فَاَتَمَّهُنَّ قَالَ اِنِّىْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ	کو چند باتوں میں امتحان لیا پس ابراہیم نے
اِمَامًا قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِىْ قَالَ يَنَالُ	ان کو پورا کیا۔ خدا نے کہا کہ اے ابراہیم میں تم کو
عَهْدِى الظّٰلِمِيْنَ ۝ وَاِذْ جَعَلْنَا	لوگوں کا پیشوا بناؤں گا، ابراہیم نے کہا اور
الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا وَ	میری اولاد میں سے، خدا نے کہا میرا وعدہ
اتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى	گنہگاروں نہ پائیں گے، اور یاد کرو جب ہم نے
وَعَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ	کعبہ کو لوگوں کا مرجع اور امن بنایا، اور
اَنْ طَهِّرَا بَيْتِىَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَ	حکم دیا کہ ابراہیم کے قیام گاہ کو نماز کی جگہ
الْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ۝ وَاِذْ	مقرر کرو اور ابراہیم اور اسمٰعیل کو فرمایا کہ میرے
قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا	گھر کو طواف کرنے والوں اور رکوع سجدہ
بَلَدًا اٰمِنًا وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ	کرنے والوں کے لیے پاک صاف کرو۔ اور یاد
الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ	کرو جب ابراہیم نے دعا کی کہ میرے پروردگار
وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ	اس (مکہ) کو امن کا شہر بنا، اور اس کے رہنے والوں
قَلِيْلًا ثُمَّ اَضْطَرُّهٗٓ اِلٰى عَذَابِ النَّارِ	میں سے جو خدا اور آخرت پر یقین رکھتے
وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝ وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ	ان کو پھل روزی دے۔ خدا نے کہا جو ان میں سے

الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَإِسْمٰعِيلُ رَبَّنَا
تَقَبَّلْ مِنَّا، إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ
رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَ
مِنْ ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُسْلِمَةً لَكَ
وَأَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا إِنَّكَ
أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ، رَبَّنَا
وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِنْهُمْ
يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ
الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ
إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ

(بقرہ کا - ۱۵)

خدا کا منکر ہوگا، اس کو بھی ہم دنیا کی چند روزہ
زندگی میں بہرہ مند کرینگے۔ پھر اسکو مجبور کرکے
عذاب دوزخ میں لیجائیں گے۔ اور بہت برا
ٹھکانا ہے۔ اور یاد کرو جب ابراہیم اور اسمٰعیل
خانہ کعبہ کی بنیاد رکھ رہے تھے تو انھوں نے دعا کی
خداوندا ہماری یہ خدمت قبول کر تو ہی دعا کا
سننے والا ہے نیتوں کا جاننے والا ہے خداوندا!
ہم کو اپنا فرماں بردار بنا، اور ہماری نسل
میں بھی ایک گروہ اپنے فرمانبرداروں کا
پیدا کر اور ہم کو ہماری عبادت کے طریقے سکھا ہم سے
درگذر کر۔ تو ہی بڑا درگذر کرنے والا اور مہربان
ہے۔ خداوندا! ان ہی میں سے ایک پیغمبر مبعوث کر
جو انکو تیری آیتیں پڑھکر سنائے اور کتاب اور حکمت
سکھائے اور انکا تزکیہ کرے۔ تو غالب اور حکمت والا ہے

ان آیات میں بتصریح یہ بتایا گیا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ نے مل کر خدا کے حضور میں دعا
کی کہ اس شہر میں ہماری نسل سے ایک پیغمبر مبعوث فرما۔ چونکہ مقام بعثت مکہ مقرر کیا گیا اور دعا
میں حضرت اسمٰعیلؑ کی بھی شرکت تھی، اس لیے اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس دعا کا مقصود

یہ تھا کہ یہ پیغمبر نسلِ اسمٰعیلؑ سے ہوگا، اور مکہ میں اس کی بعثت ہوگی،

موجودہ تورات کی کتاب پیدائش باب ۱۶ کے آخر اور باب ۱۷ کے اول میں بھی کچھ اس کے اشارات پائے جاتے ہیں،

اور ہاجرہ ابرام کے لیے بیٹا جنی۔ اور ابرام نے اپنے بیٹے کا نام جو ہاجرہ جنی اسمٰعیل (خدا نے دعا سنی) رکھا، (پیدائش ۱۶: ۱۵)

جب ابرام ننانوے برس کا ہوا، تب خداوند ابرام کو نظر آیا، اور اس نے کہا کہ میں خدائے قادر ہوں، تو میرے حضور میں چل اور کامل ہو، اور میں اپنے اور تیرے درمیان عہد کرتا ہوں کہ میں تجھے نہایت بڑھاؤں گا۔ تب ابرام منہ کے بل گرا، اور خدا اس سے ہمکلام ہو کر بولا کہ دیکھ میں جو ہوں ہوں، تیرا عہد ہے۔ میرے ساتھ ہے۔ اور تو بہت قوموں کا باپ ہوگا، اور تیرا نام پھر ابرام نہ کہلایا جائیگا۔ بلکہ تیرا نام ابرہام ہوگا۔ کیونکہ میں نے تجھے بہت قوموں کا باپ ٹھہرایا۔ اور میں تجھے بہت پھلواؤں گا اور قومیں تجھ سے پیدا ہوں گی۔ اور بادشاہ تجھ سے نکلیں گے۔ اور میں اپنے اور تیرے درمیان اور تیرے بعد تیری نسل کے درمیان، ان کے پشت در پشت کے لیے اپنا عہد جو ہمیشہ کا عہد ہو کرتا ہوں کہ میں تیرا اور تیرے بعد تیری نسل کا خدا ہوں گا۔ اور میں تجھ کو اور تیرے بعد تیری نسل کو کنعان کا تمام ملک جس میں تو پردیسی ہے، دیتا ہوں کہ ہمیشہ کے لیے ملک ہو، اور میں ان کا خدا ہوں گا۔" (پیدائش: ۱۷: ۱ تا ۸)

خدا کا حضرت ابراہیمؑ سے یہ عہد، حضرت اسمٰعیلؑ کی پیدائش کے بعد ہی اور حضرت اسحٰقؑ

کی ولادت سے پہلے ہوتا ہے جس سے یہ صاف ظاہر ہے کہ یہ بشارت اسمٰعیل کے لیے ہے، اسحٰقؑ کے لیے نہیں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت اسحٰقؑ کی بشارت دی۔ حضرت ابراہیمؑ کو وہم ہوا کہ اس نئی بشارت سے یہ مراد تو نہیں ہے کہ اسمٰعیل زندہ نہ رہیں گے اور وہ عہد اسحٰق کے ساتھ پورا ہوگا، فوراً بارگاہ الٰہی میں عرض کی

"کاش کہ اسمٰعیل تیرے حضور جیتا رہے"۔ (پیدائش ۱۷-۱۸)

خدا نے جواب دیا:۔

"اور اسمٰعیل کے حق میں میں نے تیری سنی، دیکھ میں اُسے برکت دوں گا اور اسے بارور کروں گا۔ اور اسے بہت بڑھاؤں گا۔ اور اس سے بارہ سردار پیدا ہوں گے اور میں اسے بڑی قوم بناؤں گا"۔ (پید ۱۷: ۲۰)

حضرت ہاجرہؑ جب حاملہ ہونے کے بعد حضرت سارہؑ سے خفا ہو کر بیر سبع چلی گئیں تو فرشتہ نے آواز دی "میں تیری اولاد کو بہت بڑھاؤں گا کہ وہ کثرت سے گنی نہ جائے گی اور خداوند کے فرشتہ نے اس سے کہا کہ تو بیٹا جنے گی۔ اس کا نام اسمٰعیل رکھنا کہ خدا نے تیرا دکھ سن لیا"۔ (پید ۱۶: ۱۰)

حضرت ابراہیمؑ نے جب حضرت ہاجرہؑ اور اسمٰعیلؑ کو فاران (مکہ) کے بیابان میں رخصت کیا اور مشکیزہ کا پانی چک گیا۔ اور حضرت ہاجرہؑ نے گریہ وزاری شروع کی۔

"تب خدا نے اس لڑکے (اسمٰعیل) کی آواز سنی اور خدا کے فرشتہ نے آسمان سے ہاجرہؑ کو پکارا۔ اور اس سے کہا کہ اے ہاجرہ تجھ کو کیا ہوا۔ مت ڈر کہ اس لڑکے کی آواز جہاں وہ پڑا ہے

خدا نے سنی، اُٹھ اور لڑکے کو اٹھا، اور اسے اپنے ہاتھ سے سنبھال کر میں اس کو ایک بڑی قوم بناؤں گا، پھر خدا نے اس کی آنکھیں کھولیں، اور اس نے پانی کا ایک کنواں (بیرزمزم) دیکھا..... خدا اس لڑکے کے ساتھ تھا، اور وہ بڑھا اور بیابان[1] میں رہا..... اور وہ فاران کے بیابان[2] میں رہا۔" (پید ۲۱، ۱۷ تا ۲۱)

موجودہ توراۃ میں حضرت اسمٰعیلؑ کی پیدائش اور ان کی نسل کی برومندی، کثرت اور برکت، اور ان کی نسل کے بارہ سرداروں کے پیدا ہونے کی بشارتیں مذکور ہیں، اور ان سے قرآن مجید کے بیان کردہ دعائے ابراہیمی اور عہد الٰہی کی تائید ہوتی ہے، الغرض اسی لیے روایات میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے فرمایا کہ "میں تمھیں بتاؤں کیا ہوں؟ "انا دعوۃ ابی ابراھیم[3]" میں اپنے باپ ابراہیمؑ کی دعا ہوں۔"

حضرت ابراہیمؑ نے اپنی نسل میں جس رسول کے پیدا ہونے کی دعا مانگی تھی، اس کے اوصاف یہ گنائے تھے،

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا	اے ہمارے خداوندا! ان میں (یعنی اسمٰعیل کی
مِنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ	اولاد میں) ایک پیغمبر کو مبعوث کرنا جو ان کو
وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ	تیرے احکام پڑھکر سنائے اور انکو کتاب حکمت
وَيُزَكِّيهِمْ (بقرہ ۱۵-۷)	کی تعلیم دے اور ان کو پاک و صاف کرے

[1] عرب کے لفظی معنی بیابان کے ہیں [2] قرآن مجید نے اس کو "وادٍ غیر ذی زرع" بن کھیتی کے میدان سے تعبیر کیا ہے [3] طبقات ابن سعد و مستدرک حاکم۔

قرآن مجید نے متعدد مقامات پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے یہی اوصاف ظاہر کیے ہیں

هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ	اُسی خدا نے ان پڑھوں میں ان ہی کی قوم
رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ	سے ایک پیغمبر مبعوث کیا جو ان کو خدا کے
اٰیٰتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ	احکام پڑھکر سناتا ہے۔ اور انکو پاک وصاف کرتا ہے
وَالْحِكْمَةَ (جمعہ)	اور انکو کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے،
لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ	خدا نے مومنوں پر یقیناً یہ احسان کیا کہ ان
اِذْ بَعَثَ فِیْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ	میں ایک پیغمبر خود ان ہی کی قوم سے مبعوث
اَنْفُسِهِمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ	کیا جو ان کو خدا کے احکام سناتا ہے
وَیُزَكِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ	اور ان کو پاک کرتا ہے۔ اور ان کو کتاب
وَالْحِكْمَةَ (آل عمران)	وحکمت کی تعلیم دیتا ہے

اس سے یہ اشارہ صاف واضح ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود مبارک دعائے ابراہیمی کی قبولیت کا مظہر ہے۔

حضرت عیسیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جو بشارت دی ہے وہ اس سے بھی زیادہ صاف ہے،

وَاِذْ قَالَ عِیْسَى ابْنُ مَرْیَمَ یٰبَنِیْۤ	اور جب عیسیٰ بن مریم نے کہا کہ اے بنی اسرائیل!
اِسْرَآءِیْلَ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ	میں تمہارے پاس خدا کا قاصد بن کر اور جو
مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ	تم سے پہلے توراۃ آئی ہے اس کی تصدیق

وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْ بَعْدِي اسْمُهٗ اَحْمَدُ (صف)

کرتا ہوا، اور اپنے بعد احمد نام ایک پیغمبر کی خوشخبری لے کر آیا ہوں،

انجیل یوحنا باب ۱۴ میں ایک آنے والے کی بشارت ان الفاظ میں ہے :-

"اور میں اپنے باپ سے درخواست کروں گا، اور وہ تمہیں دوسرا "فارقلیط" بخشے گا کہ ہمیشہ تمہارے ساتھ رہے۔" (۱۴-۱۶)

آگے بڑھ کر پھر ہے :-

"لیکن وہ "فارقلیط" جو روح القدس ہے، جسے پتا میرے نام سے بھیجے گا، وہی تمہیں سب چیزیں سکھائیگا، اور سب باتیں جو کچھ کہ میں نے کہی ہیں تمہیں یاد دلائیگا۔" (۱۴-۲۶)

اسی انجیل کے باب ۱۵-۲۶ میں ہے،

"پر جب وہ "فارقلیط" جسے میں تمہارے لیے باپ کی طرف سے بھیجوں گا یعنی سچائی کی روح جو باپ سے نکلتی ہے، تو وہ میرے لیے گواہی دے گا۔"

اسی انجیل کے باب ۱۶-۷ میں ہے :-

"لیکن میں تمہیں سچ کہتا ہوں کہ تمہارے لیے میرا جانا ہی فائدہ ہے کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو "فارقلیط" تمہارے پاس نہ آئے گا۔ پر اگر میں جاؤں تو میں اُسے تمہارے پاس بھیج دوں گا، اور وہ آن کر دنیا کو گناہ سے اور راستی سے اور عدالت سے قصوروار ٹھیرائے گا۔ گناہ سے اسلیے کہ اس جہان کے سردار پر حکم کیا گیا ہے کہ میری اور بہت سی باتیں ہیں کہ میں تمہیں کہوں، پر اب تم اُن کی برداشت نہیں کر سکتے لیکن

جب وہ سچائی کی روح آئے گی تو وہ تمھیں ساری سچائی کی بات بتائیگی، اسلیے
کہ وہ اپنی نہ کہے گی لیکن جو کچھ وہ سنیگی سو کہے گی، اور تمھیں آیندہ کی خبر دے گی۔ وہ
میری بزرگی کرے گی، اس لیے کہ وہ میری چیزوں سے پائیگی اور تمھیں دکھائے گی"۔

انجیل کی ان آیتوں میں حضرت عیسیٰؑ نے جس آنے والے پیغمبر کی بشارت بار بار دی ہے اس کو لفظ "فارقلیط" سے تعبیر کیا ہے، یہ لفظ عبرانی یا سریانی ہے جس کے لفظی معنی ٹھیک محمد اور احمد کے ہیں، یونانی کے قدیم تراجم میں اس کا ترجمہ "پیریکلیوطاس" کیا گیا تھا جو بعینہٖ فارقلیط اور احمد کا ہم معنی ہے، مگر یہ دیکھکر کہ اس سے اسلام کی تصدیق ہوتی ہے، ذرا سے تغیر سے "پیریکلیوطاس" کے بجائے "پیریکلیطاس" کر دیا گیا ہے جس کا ترجمہ اب عام طور سے "تسلی دہندہ" کیا جاتا ہے، عیسائی اور مسلمان علما کے درمیان اس لفظ کی تحقیق پر سینکڑوں برس سے مناظرہ قائم ہے، اور مسلمان علما نے خود قدیم عیسائی علما کی تحریروں سے ثابت کیا ہے کہ صحیح لفظ "پیریکلیوطاس" ہے، سب سے زیادہ سیدھی بات یہ ہے کہ یہ فقرے حضرت عیسیٰؑ کی زبان سے نکلے تھے، اُن کی زبان سریانی آمیز عبرانی تھی، یونانی نہ تھی، اس لیے جو لفظ انکی زبان سے نکلا ہوگا، وہ عبرانی یا سریانی ہوگا، اس لیے یہ بالکل صاف ہے کہ انھوں نے فارقلیط کا لفظ کہا ہوگا، جو احمد یا محمد کا مرادف ہے، جیسا کہ اوپر کی آیت میں قرآن کا دعویٰ ہے،[1]

گذشتہ صفحات میں یہ کہیں ثابت کیا جا چکا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم توراۃ و انجیل کی انسانی تعلیم سے قطعاً ناآشنا تھے، باایں ہمہ یہ دیکھکر تعجب ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ نے

[1] خطباتِ احمدیہ، خطبۂ بشارات محمدی، منقول از گاڈفرے ہیگنس صاحب،

اس آنے والے پیغمبر کی جو صفتیں گنائی ہیں۔ وہ حرف بحرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر صادق آتی ہیں

"لیکن وہ فارقلیط (احمد) جو روح القدس (پاکیزگی کی روح) ہے جسے باپ (خدا) میرے نام سے بھیجے گا۔ وہی تمھیں سب چیزیں سکھائے گا۔ اور سب باتیں جو میں نے تم سے کہی ہیں، تمھیں یاد دلائے گا۔" (یوحنا ۱۴-۲۶)

"وہ فارقلیط (احمد..... جو باپ (خدا) سے نکلتی ہے، آئے تو میرے لیے گواہی دے گا۔" (یوحنا ۱۵-۲۶)

"اور وہ (فارقلیط) آن کر دنیا کو گناہ سے، راستی اور عدالت سے قصوروار ٹھہرائیگا۔ گناہ سے اس لیے کہ وہ مجھ پر ایمان نہیں لائے..... میری اور بہت سی باتیں ہیں کہ میں تم سے کہوں پر اب تم ان کی برداشت نہیں کر سکتے۔ لیکن جب وہ یعنی سچائی کی روح جب آئے گی تو وہ تمھیں ساری سچائی کی راہ بتائے گی، اس لیے کہ وہ اپنی نہ کہے گی، لیکن جو کچھ سنے گی سو کہے گی، میری بزرگی کرے گی۔" (یوحنا ۱۶-۸)

انجیل کے ان فقروں میں آنے والے پیغمبر کی یہ صفات گنائی گئی ہیں:۔

۱۔ مسیح کی اصلی تعلیم لوگ بھول جائیں گے۔ اسلیے وہ پیغمبر آکر اس کو یاد دلائے گا،

۲۔ وہ مسیح کی ناتمام باتوں کی تکمیل کرے گا۔ اور وہ ساری سچائی کی باتیں بتائیگا اور سب باتوں کی خبر دے گا۔

۳۔ مسیح کی عظمت کو دنیا میں قائم کرے گا اور اُن کی گواہی دے گا۔ اور ان پر ایمان نہ لانے پر دنیا کو گنہگار ٹھہرائے گا۔"

۴- اس کی باتیں خود اس کی نہ ہوں گی، بلکہ جو کچھ خدا کی طرف سے اس کو سنایا جائے گا، وہی کہے گا۔"

اس صداقت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ مسیحؑ کی اصلی تعلیم عیسائی بھلا چکے تھے توحید کی جگہ تثلیث تھی، حضرت عیسیٰؑ کے تعلیماتِ صادقہ میں ابنیتِ، الوہیتِ مسیح، مجسمہ پرستی اور بیسیوں عقائد فاسدہ کا اضافہ کر دیا گیا تھا، وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی ذات مبارک ہے، جس نے حضرت عیسیٰؑ کی بھلائی باتوں کو پھر یاد دلایا، اور بتایا کہ اُن کی اصلی تعلیم کیا تھی؟ قرآن مجید نے پورے واشگاف طریق سے نصاریٰ کے عقائد فاسدہ اور غلط تعلیمات کی تشریح کی، اور دنیا میں تثلیث کے بجائے توحید کا علم نصب کیا، اور حضرت عیسیٰؑ اور حضرت مریمؑ کی الوہیت کی تردید کی، اور حضرت عیسیٰؑ کی انبیت اور انکی حیات و موت کے مسئلہ کو صاف کیا،

اس کے بعد حضرت مسیحؑ نے کہا کہ "وہ میری ناتمام باتوں کی تکمیل کرے گا، یہ خصوصیت بھی خاتم النبیینؐ کے سوا اور کسی پر صادق نہیں آسکتی۔ مسیح کے اس فقرہ سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں، ایک یہ کہ مسیحؑ تک دین الٰہی ناتمام ہے، اور دوسری یہ کہ آئندہ آنے والے پیغمبر کے ہاتھ سے اس کی تکمیل ہوگی، اور وہ سچائی کی تمام راہیں دکھائے گا، اور ساری باتوں کی خبر دے گا، یہ پیشینگوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے پوری ہوئی۔ آپ کی ذات سے دین الٰہی تکمیل کو پہنچا، اور آپ نے عقائد، عبادات، اخلاق، احکام، آثار قیامت، جنت، دوزخ، سزا، جزا وغیرہ تمام باتوں کو اس تفصیل، تشریح اور تکمیل کے ساتھ بتایا جس کی مثال دنیا کے کسی پیغمبر

کی تعلیم میں نہیں ملتی، اسی لیے آپ کو خاتم النبیینؐ کا لقب دیا گیا۔

حضرت عیسیٰؑ نے اس پیغمبر کی تیسری نشانی یہ بتائی کہ وہ دنیا میں میری عظمت کو قائم کرے گا۔ اور میرے لیے گواہی دے گا۔" یہ نشانی بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کے سوا کسی اور پر صادق نہیں ہو سکی۔ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں جنھوں نے آنحضرت عیسیٰؑ کی اصلی شخصیت اور عظمت کو دنیا میں آشکارا کیا، اور دوستوں اور دشمنوں کی طرف سے اُن پر جو غلط اتہامات قائم کیے گئے تھے، اُن کی پردہ دری کی، اور ان کی نبوت اور رسالت کی گواہی دی اور ان کی صداقت کو تسلیم کرنا اسلام کا ضروری رکن قرار دیا۔ ان کے حقیقی اوصاف و محامد کی تصویر کو جسے یہودی دشمنی سے اور نصاریٰ نے محبت سے دھندلی کر دیا تھا، اپنی روشنی سے اجاگر کر دیا۔ یہودیوں نے ان پر اور ان کی ماں حضرت مریمؑ پر جو بہتان باندھے تھے، ان کی ملی رُدس الاشہاد تردید کر دی، اور نصاریٰ نے اُن کی ولادت، وفات، نبیت، الوہیت اور تعلیمات پر رومی مشرکانہ اعمال و عقائد کا جو پردہ ڈال رکھا تھا اُس کو چاک کر دیا، اور قرآن کی بیسیوں آیتوں میں نہایت صفائی کے ساتھ اُن امور کی تشریح کی گئی، اور اب کروروں دلوں میں انکی اصلی عظمت اور حقیقی بزرگی کا نقش کندہ ہے۔

چوتھی نشانی حضرت مسیحؑ نے یہ بتائی کہ "وہ خود اپنی طرف سے نہیں کہے گا، بلکہ وہی کہے گا جو اس کو اوپر سنایا جائے گا" یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خاص وصف ہے، قرآن نے کہا۔

وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ — اور وہ خواہش نفس سے نہیں بولتا بلکہ

هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی — وہ جو کچھ بولتا ہے، وہی بولتا ہے جو
(نجم - ۱) — اس پر وحی کیجاتی ہے،

حضرت عبداللہ بن عمروؓ بن العاص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ ارشاد فرماتے تھے، اُس کو لکھ لیا کرتے تھے۔ لوگوں نے کہا آپ کبھی غصہ میں کچھ کہہ دیتے ہیں، ان کو نہ لکھا کرو۔ حضرت عبداللہ بن عمروؓ نے جاکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا، آپ نے اپنے دہن مبارک کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ اس سے رضامندی اور نارضامندی دونوں حالتوں میں حق اور سچائی کے سوا اور کچھ نہیں نکلتا قرآن مجید نے اپنی نسبت بارہا کہا کہ وہ سچائی کی روح ہے، وہ حق ہے، وہ تذکرہ ہے، وہ ہدایت ہے، اور اس کا پیغمبر چراغِ ہدایت ہے، رہنمائے عالم ہے، مذکر (یاد دلانے والا) ہے، اس تفصیل کے بعد کون اس سے انکار کرسکتا ہے کہ حضرت مسیحؑ کی پیشینگوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور سے حرف بحرف پوری نہیں ہوئی، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی اور ہستی نہیں جس پر یہ اوصاف صادق آسکیں۔ قرآن مجید میں ایک اور مقام پر بیان کیا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کی پیشینگوئی توراۃ اور انجیل دونوں میں مذکور ہے، اور یہود و نصاریٰ دونوں اس پیشینگوئی کو جانتے ہیں،

اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ — جو لوگ اُس ان پڑھ پیغام رساں قاصد
الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا (اعراف) — کی پیروی کرتے ہیں جس کو وہ اپنے پاس
عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِیْلِ، — توراۃ اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں،

انجیل میں گذشتہ بشارت فارقلیط کے علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دو اور بھی

پیشینگوئیاں مذکور ہیں۔ انجیلِ لوقا میں ہے، حضرت مسیحؑ نے آسمان پر چلے جانے سے تھوڑی دیر پہلے فرمایا:

"دیکھو میں اپنے باپ خدا کے اس موعود کو تم پر بھیجتا ہوں، لیکن جب تک عالمِ بالا سے تم کو قوت عطا نہ کی جائے، یروشلم میں ٹھہرو (لوقا ۴۲-۴۹)

اسکی چند سطروں کے بعد لوقا کی انجیل ختم ہوگئی ہے، اور اس موعود کے ظہور کا کوئی ذکر نہیں، وہ رسول موعود کون تھا۔ ظاہر ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی پیغمبر نہیں ہوا، انجیل کے اس فقرہ میں یہ الفاظ غور کے قابل ہیں کہ حضرت مسیحؑ کہتے ہیں کہ اس قوتِ آسمانی کے ظاہر ہونے کے وقت تک شہر یروشلم میں ٹھہرو، اس سے مقصود اس قوتِ آسمانی کے ظہور تک شہر یروشلم محض اقامت نہیں ہے، بلکہ یہ مقصود ہے کہ اس رسولِ موعود کے ظہور تک تمھارا کعبہ اور قبلہ بیت المقدس رہے گا لیکن جب وہ آئے گا تو رُخ شہر مکہ کی طرف بدل جائے گا۔ اسی لیے قرآن مجید نے تحویل قبلہ کے موقع پر یہ کہا ہے:۔

فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ	تو تو اپنا منہ مسجد حرام (کعبہ) کی طرف
الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا	پھیر، اور تم جہاں بھی ہو اسی کی طرف
وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ، وَإِنَّ	اپنے منہ پھیرو، اور جو اہل کتاب ہیں
الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ لَيَعْلَمُونَ	وہ جانتے ہیں کہ یہ حق ہے، انکے پروردگار
أَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّهِمْ (بقرہ ۱۵)	کی جانب سے ہے۔

اس تفصیل سے ظاہر ہوگا کہ حضرت عیسیٰؑ نے آپؐ کی آمد کی بشارت کس قدر کھلے لفظوں میں دی تھی، اسی لیے احادیث میں ہے کہ آپؐ نے صحابہؓ سے فرمایا کہ "میں اپنے بھائی عیسیٰ کی بشارت ہوں"۔ انجیل کی دوسری بشارت حضرت یحییٰؑ کے ظہور کے موقع پر مذکور ہے، حضرت یحییٰؑ جب ظاہر ہوتے ہیں، تو لوگ اُن سے پوچھتے ہیں کہ تین آنے والے پیغمبروں میں سے تم کون ہو،

"یہودیوں نے یروشلم سے کاہنوں اور لاویوں کو بھیجا کہ اُس سے پوچھیں کہ تو کون ہے؟ اور اُس نے اقرار کیا، اور انکار نہ کیا، بلکہ اقرار کیا کہ میں مسیح نہیں ہوں تب انھوں نے اُس سے پوچھا تو اور کون ہے؟ کیا تو الیاس ہے؟ اُس نے کہا میں نہیں ہوں، پس آیا تو "وہ نبی" ہے؟ اس نے جواب دیا نہیں ..... اور انھوں نے اس سے سوال کیا اور کہا کہ اگر تو نہ مسیح ہے نہ الیاس اور نہ "وہ نبی" تو کیوں بپتسمہ دیتا ہے" (یوحنا - ۱ - ۱۹)

اس فقرہ سے ثابت ہوتا ہے کہ توراۃ کی پیشینگوئی کے مطابق یہود کو تین پیغمبروں کا انتظار تھا جن میں سے دو کے نام الیاسؑ اور مسیحؑ تھے، لیکن تیسرے کا نام صرف "وہ نبی" لیا گیا ہے، یہ تیسرا نبی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کون ہے؟ کہ یہود و نصاریٰ دونوں یقین رکھتے ہیں کہ اب مسیحؑ کے سوا کوئی اور آنے والا نہیں۔ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی ذات ہے، جو نبی اور پیغمبر کے مطلق نام سے دنیا میں مشہور ہے مسلمان آپ کو "آنحضرت"۔ وہ حضرت یعنی پیغمبر کہتے ہیں۔ اور مسیحیوں میں آپ کا نام "دی پرافٹ"

وہ پیغمبر مشہور ہو گیا ہے۔

صحابۂ کرامؓ اور تابعین میں جن لوگوں کو توراۃ سے واقفیت تھی، یا علمائے یہود میں سے جو لوگ اسلام لائے تھے ان کو اچھی طرح معلوم تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت گذشتہ صحف انبیاءؑ میں مذکور ہے، حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ گو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کمسن تھے، مگر وہ مطالعۂ کتب کے شایق تھے، اور وہ توراۃ پڑھا کرتے تھے، سورۂ فتح میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں ہے:

اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا	ہم نے تجھکو گواہ، خوشخبری سنانے والا، اور
وَّنَذِيْرًا لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ	ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے تاکہ خدا اور اس کے
وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ وَتُسَبِّحُوْهُ	رسول پر ایمان لاؤ، اور اسکی مدد کرو، اور
بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا (فتح - ۱)	اسکی عظمت کرو، اور صبح و شام اسکی تسبیح کرو،

سورۂ احزاب میں کچھ اوصاف اور زیادہ مذکور ہیں،

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا	اے پیغمبر! ہم نے تجھکو گواہ، خوشخبری
وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا وَّدَاعِيًا	دینے والا، ڈرانے والا، اور اللہ کی طرف
اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا	اس کے حکم سے بلانے والا اور روشن
مُّنِيْرًا (احزاب ۶)	چراغ بنا کر بھیجا ہے،

حضرت عبداللہ بن عمروؓ نے فرمایا کہ اس آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جو اوصاف بیان کئے گئے ہیں وہ بعینہٖ توراۃ میں ہیں۔

عن عبد الله بن عمرؓ ان هذه
الآية التي في القرآن يا ايها النبي
انا ارسلناك شاهداً ومبشراً
ونذيراً في التوراة يا ايها
النبي انا ارسلناك شاهداً
ومبشراً وحرزاً للاميين انت
عبدي ورسولي سميتك المتو
كل
ليس بفظ ولا غليظ ولا سخاب
بالاسواق ولا يدافع السيئة
بالسيئة ولكن يعفو ويصفح
ولن يقبضه الله حتى يقيم
به الملة العوجاء بان يقولوا
لا اله الا الله فيفتح بها
اعينا عميا واذانا صما
وقلوبا غلفا

(بخاری تفسیر سورۃ فتح)

عبداللہ بن عمرؓ نے کہا کہ قرآن کی یہ آیت کہ اے پیغمبر
میں نے تجھ کو گواہ اور خوشخبری سنانے والا،
اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا، توراۃ میں یونہی ہے کہ
اے نبی! میں نے تجھ کو گواہ اور خوشخبری سنانے والا
اور امیوں کا مأوی و ملجا بنا کر بھیجا، تو میرا بندہ
ہے اور میرا رسول ہے اور میں نے تیرا نام خدا پر
بھروسہ رکھنے والا رکھا، وہ سخت اور سنگدل
نہ ہوگا، اور بازاروں میں وہ شور نہ کرے گا،
وہ برائی کا بدلہ برائی نہ کریگا، بلکہ عفو اور در
گذر کرے گا، اور اس وقت تک خدا
اس کی روح قبض نہ کرے گا جب تک
اس کے ذریعہ سے وہ کج دین کو سیدھا نہ کر لیگا،
کہ لوگ کہنے لگیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا
کوئی خدا نہیں، پس وہ اس دین سے
اندھی آنکھوں، بہرے کانوں اور نافہم
دلوں کو کھول دے گا۔

صحابہؓ کے زمانہ میں کعبؓ ایک مشہور یہودی عالم تھے، جو مسلمان ہو گئے تھے، تفسیر

طبری میں ہے کہ حضرت عطا تابعی نے ان سے پوچھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی بشارت توراۃ میں مذکور ہے، انھوں نے کہا ہاں ہے، اور اس کے بعد انھوں نے توراۃ کی اسی عبارت کا ترجمہ پڑھا، چنانچہ اس وقت توراۃ کے جو نسخے موجود ہیں۔ ان میں اشعیا نبی کی کتاب میں کسی قدر الفاظ کے تغیر کے ساتھ یہ پیشینگوئی اب تک موجود ہے، اور جس پر ایک نظر ڈالنے سے یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمروؓ اور حضرت کعبؓ نے اپنی پیشینگوئی کو اختصار اور اجمال کے ساتھ اپنے الفاظ میں ادا کیا ہے، اشعیا نبی کی پیشینگوئی یہ ہے:-

"دیکھو میرا بندہ جسے میں سنبھالتا، میرا برگزیدہ جس سے میرا جی راضی ہے میں نے اپنی روح اس پر رکھی، وہ قوموں کے درمیان عدالت جاری کرائے گا، وہ نہ چلائے گا اور اپنی صدا نہ بلند کرے گا، اور اپنی آواز بازاروں میں نہ سنائے گا، وہ مسلے ہوئے سینٹھے کو نہ توڑے گا، اور بجھتی ہوئی بتی کو نہ بجھائے گا، وہ عدالت کو جاری کرائے گا کہ دائم رہے، اس وقت تک اس کا زوال نہ ہوگا جب تک راستی کو زمین پر قائم نہ کرے اور بحری ممالک اسکی شریعت کی راہ تکیں، خداوند خدا جو آسمانوں کو خلق کرتا اور انھیں تانتا جو زمین کو اور انھیں جو اس سے نکلتے ہیں پھیلاتا، اور ان لوگوں کو جو اس پر ہیں سانس دیتا، اور ان کو جو اس پر چلتے ہیں روح بخشتا ہے، یوں فرماتا ہے، میں خداوند نے تجھے صداقت کے لیے بلایا، میں بھی تیرا ہاتھ پکڑوں گا، اور میں تجھکو لوگوں کے لیے عہد اور قوموں کے لیے نور بناؤں گا کہ تو اندھوں کی آنکھیں کھولے اور بندیوں[1]

[1] اس فقرہ کا اردو ترجمہ میرے پیش نظر اردو نسخہ میں صحیح نہ تھا، میں نے آکسفورڈ یونیورسٹی پریس کے عربی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۹۱ء سے درست کیا ہے۔

قید سے نکالے اور ان کو جو اندھیرے میں بیٹھے ہیں۔ قید خانہ سے چھڑائے، یہوواہ میں ہوں"
یہ میرا نام ہے، اور اپنی شوکت دوسرے کو نہ دوں گا، اور وہ ستایش جو میرے لیے ہونی
کھودی ہوئی مورتوں کے لیے ہوئے نہ دوں گا، دیکھو تو سابق پیشینگوئیاں برآئیں،
اور میں نئی باتیں بتاتا ہوں، اس سے پیشتر کہ واقع ہوں میں تم سے بیان کرتا ہوں،
خداوند کے لیے ایک نیا گیت گاؤ اے تم جو سمندر پر گذرتے ہو، اور تم جو اس میں سے ہو
اے بحری ممالک اور ان کے باشندو تم زمین پر سرتاسر اسی کی ستایش کرو، بیابان اور
اس کی بستیاں قیدار کے آباد دیہات اپنی آواز بلند کریں گے، سلع کے بسنے والے ایک
گیت گائیں گے، پہاڑوں کی چوٹیوں پر سے للکاریں گے۔ وہ خداوند کا جلال ظاہر
کریں گے، اور بحری ممالک میں اس کی ثنا خوانی کریں گے۔ خداوند ایک بہادر کے مانند
نکلے گا، وہ جنگی مرد کے مانند اپنی غیرت کو اسکائے گا، وہ للکارے گا، ہاں، وہ جنگ کے لیے
للکارے گا۔ وہ اپنے دشمنوں پر غالب ہوگا۔ میں بہت مدت سے چپ رہا، میں خاموش ہو رہا،
اور آپ کو روکتا گیا۔ پر اب میں اُس عورت کی طرح جسے دردِ زہ ہو، چلاؤں گا،
اور ہانپوں گا، اور زور سے ٹھنڈی سانس بھی لوں گا۔ میں پہاڑوں اور ٹیلوں کو
ویران کر ڈالوں گا، اور اُن کے سبزہ زاروں کو خشک کر دوں گا۔ اور ان کی ندیاں
بسنے کے لائق زمین نما ؤں گا، اور تالابوں کو سکھا دوں گا۔ اور اندھوں کو اس راہ سے
کہ جسے وہ نہیں جانتے لیجاؤں گا، میں انھیں ان رستوں پر جن سے وہ آگاہ نہیں لیچلونگا
میں ان کے آگے تاریکی کو روشنی اور اونچی نیچی جگہوں کو میدان کر دونگا۔ میں ان

یہ سلوک کروں گا، اور انھیں ترک نہ کروں گا۔ وہ پیچھے ہٹیں اور نہایت پشیماں ہوں
جو کھودی ہوئی مورتوں کا بھروسہ رکھتے ہیں۔ اور ڈھالے ہوئے بتوں کو کہتے ہیں کہ تم
ہمارے اِلٰہ ہو، سنو، اے بہرو! اور تاکو اے اندھو تاکہ تم دیکھو اندھا کون ہے، مگر میرا
بندہ؟ اور کون ایسا بہرہ ہے جیسا میرا رسول جسے میں بھیجوں گا۔ اندھا کون ہے،
جیسا کہ وہ جو کامل ہے، اور خداوند کے خادم کی مانند اندھا کون ہے؟ تو نے بہت
چیزیں دیکھی ہیں، پر اُن پر لحاظ نہیں رکھا۔ اور کان تو کھلے ہیں۔ پر کچھ نہیں سنتا،
خداوند اپنی صداقت کے سبب راضی ہوا۔ اور وہ شریعت کو بزرگی دیگا،
اور اُسے عزت بخشے گا۔" (باب ۴۲)

حضرت عبداللہ بن عمروؓ اور حضرت کعبؓ کی پیش کردہ بشارت میں جو الفاظ ہیں۔
وہ حرف حرف اس میں موجود ہیں، پہلا لفظ اس بشارت میں "شاھد" ہے یعنی خدا کی طرف
سے وہ قوموں کے درمیان گواہ اور شاہد ہوگا، اشعیاء میں ہے "وہ قوموں کے درمیان عدالت
جاری کرائے گا، اور اُس عدالت کا وہ گواہ ہوگا۔" اس کے بعد "مبشر" کی صفت ہے یعنی
وہ نیکوکاروں کو خدا کی بادشاہی کی خوشخبری سنائے گا، اشعیاء کے اس پورے باب میں اس
آنے والے پیغمبر کے یہی اوصاف بیان ہوئے ہیں، بعد ازیں "حرزا للامیین" امیوں کا ماوی
اور پناہ ہے"، امی وہ ہیں جن کو اب تک کوئی شریعت نہیں ملی تھی، چنانچہ اشعیاء میں ہے
کہ "اس رسول کے ذریعہ سے اندھوں کو اس راہ سے کہ جسے وہ نہیں جانتے لیجاؤں گا ہیں
ان ہی رستوں (شریعت) پر جن سے وہ آگاہ نہیں ہے چلوں گا۔" انت عبدی ورسولی

یعنی تو میرا بندہ اور میرا رسول ہے، اشعیا، کے شروع میں ہے "دیکھو میرا بندہ" اور آخر میں ہے "میرا بندہ میرا رسول جسے میں بھیجوں گا"۔ سمّیتک بالمتوکل میں نے تیرا نام خدا پر بھروسہ کرنیوالا رکھا۔ اشعیا میں ہے "میرا بندہ جس کو میں سنبھالتا ہوں ..... میں ہی تیرا ہاتھ پکڑوں گا، اور تیری حفاظت کروں گا"۔ لیس بفظٍ ولا غلیظٍ ولا یدفع السیئۃ بالسیئۃ ولکن یعفو ویصفح "وہ سنگدل اور سخت نہ ہوگا یعنی کمزوروں اور ضعیفوں کو نہ ستائے گا، اور برائی کا بدلہ برائی نہ دے گا بلکہ معاف کرے گا، اشعیا تمثیل و استعارہ میں کہتے ہیں "وہ مسلے ہوئے سینٹھے کو نہ توڑے گا، اور دھیمی بتی کو نہ بجھائے گا۔ وہ عدالت کو جاری کرائیگا"۔ ولا صخاب بالاسواق "وہ بازاروں میں نہ چلا جائے گا یعنی وہ متین اور سنجیدہ ہوگا۔ اشعیا نے کہا "وہ نہ چلائے گا، اپنی صدا نہ بلند کرے گا، اور اپنی آواز بازاروں میں نہ سنائے گا، ولن یقبضہ اللہ حتی یقیم بہ الملۃ العرجاء خدا اس وقت تک اس کی روح قبض نہ کرے گا جب تک اسکے ذریعہ سے وہ کج دین کو سیدھا نہ کرالے گا"۔ اشعیا میں ہے اس وقت تک اس کا زوال نہ ہوگا، اور نہ مسلا جائے گا جب تک راستی کو زمین پر قائم نہ کرے گا"۔ فیقولوا لا الہ الا اللہ تو لوگ کہیں کہ ایک خدا کے سوا کوئی خدا نہیں"۔ اشعیا کہتے ہیں "میں خدا (یہوا) اپنی شوکت دوسرے معبودان باطل کو نہ دوں گا، اور وہ ستایش جو میرے لیے ہوتی ہے، کھودی ہوئی مورتوں کے لیے ہونے نہ دوں گا، ..... وہ پیچھے ہٹیں اور نہایت پشیمان ہوں، جو کھودی ہوئی مورتوں کا بھروسہ رکھتے ہیں، اور ڈھالے ہوئے بتوں کو کہتے ہیں کہ تم ہمارے الٰہ ہو"۔ فیفتح بہ اعینا عمیا واٰذانا صمّا وقلوبا غلفا۔ "وہ اس کے ذریعہ سے اندھی آنکھوں، بہرے کانوں

اور میرے پردہ دلوں کو کھول دیگا۔" اشعیا کہتے ہیں "لوگوں کے عہد اور قوموں کی روشنی کے لیے تجھے دوں گا کہ تو اندھوں کی آنکھیں کھولے، جو بند ہیں، ان کو قید سے نکالے، اور ان کو جو اندھیرے میں ہیں، قید سے نکالے،..... سنو اے بہرو، تاکو اے اندھو۔"

حضرت اشعیاء کی یہ بشارت حرف بحرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر صادق آتی ہے حضرت اشعیاء نے ان فقروں میں جس نبی کی پیشینگوئی کی ہے، وہ یقیناً حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہیں ہیں، کہ نہ تو وہ عیسائیوں میں خدا کے "بندہ اور رسول" کی حیثیت سے تسلیم ہوتے ہیں، اور نہ وہ ایک جنگی مرد کی طرح دنیا میں آئے، نہ انھوں نے توحید کو دنیا میں قائم کیا اور نہ بت پرستی کا استیصال کیا، علاوہ ازیں اس پیشینگوئی میں اس کی طرف بھی خاص اشارہ ہے کہ وہ آنے والا نبی قیدار بن اسمٰعیل کی نسل سے اور قیدار کے دیہاتوں میں پیدا ہوگا، قیدار بن اسمٰعیل کا مشہور خاندان قریش تھا، اور قیدار کا دیہات مکہ معظمہ ہے، اس باب ۴۲ سے پہلے جس میں یہ بشارت ہے، باب ۴۱ میں بھی اس بشارت کا ایک حصہ مذکور ہے۔

"کس نے اس راست باز کو پورب کی طرف سے برپا کیا، اور اپنے پاؤں کے پاس بلایا اور امتوں کو اس کے آگے دھر دیا، اور اسے بادشاہوں پر مسلط کیا کس نے انہیں (کافروں) خاک کے مانند اس کی تلوار کے، اور اڑتی بھوسی کے مانند اس کی کمان کے حوالہ کیا۔"

اس رکوع میں یہ تصریح ہے کہ وہ راستباز "پورب کی طرف سے مبعوث ہوگا"۔ توراۃ کے محاورہ میں پورب کی سرزمین سے عموماً عرب مراد ہوتا ہے[1]، اس سے ثابت ہوا کہ وہ راستباز

[1] میں نے اپنی تصنیف ارض القرآن جلد اول میں جغرافیہ عرب میں توراۃ کے حوالوں سے اس کو تفصیل دکھایا ہے،

بندہ اور رسول ملکِ عرب میں مبعوث ہوگا

اس بشارت میں آنے والے پیغمبر کے سب سے پہلے وصف کا ترجمہ "برگزیدہ" کیا گیا ہے، جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لقب مصطفیٰ کا ترجمہ ہے۔ دوسرا وصف "رستباز" ہے۔ یہ امین کا وہ لقب ہے جو نبوت سے پہلے اہلِ مکہ کی زبان سے آپ کو ملا تھا۔

اب حضرت اشعیا کی بشارت کے ایک ایک لفظ پر غور کرو تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف و حالات سے اس کی عجیب مطابقت ہوتی ہے۔

سب سے پہلے یہ کہ اس پیغمبر کو بندہ اور رسول کے وصف سے یاد کیا ہے، یہ وہ وصف ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی کے ساتھ مخصوص ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی پیغمبر اس وصفِ خاص کے ساتھ شہرت نہیں رکھتا، یہ اسلام ہی کا پیغمبر ہے جس کا طغرائے فخر عرفِ عبدیت اور رسالت ہے، اُس نے دنیا میں اپنے نام کا اعلان ہی ان الفاظ کے ساتھ کیا کہ عبدہ ورسولہ، کسی مسلمان کی کوئی نماز اس وقت تک ختم نہیں ہوتی جب تک وہ اپنی زبان سے تشہد میں یہ نہیں ادا کر لیتا "واشہد ان محمداً عبدہ ورسولہ" میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد خدا کے بندہ اور اس کے رسول ہیں"۔ اس موقع پر ایک خاص نکتہ بیان کے لائق ہے کہ دیگر انبیاؑ جس طرح خلیل اللہ، کلیم اللہ، روح اللہ وغیرہ کے خطابات سے مشرف ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے بڑا خطاب "عبداللہ" خدا کا بندہ ہے۔ معراج میں جو تقربِ الٰہی کی آخری منزل اور انسانی رتبہ کی آخری شرف یابی تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسی لقبِ خاص سے پکارے گئے،

سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ	پاک ہے وہ خدا جو معراج میں اپنے
(بنی اسرائیل)	"بندہ" کو لے گیا۔

اس کے علاوہ اور متعدد آیتوں میں آپ کو اس خطاب سے تعبیر کیا گیا ہے۔

فَاِنْ کُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا	اگر تم کو اس میں شک ہو جو ہم نے
عَلٰی عَبْدِنَا (بقرہ)	اپنے "بندہ" پر اتارا
تَبٰرَکَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ	بابرکت ہے وہ خدا جس نے اپنے "بندہ"
عَلٰی عَبْدِہٖ (فرقان)	پر قرآن اتارا
وَاَنَّہٗ لَمَّا قَامَ عَبْدُ اللّٰہِ یَدْعُوْہُ	اور جب خدا کا "بندہ" اس کو پکارنے
(جن)	ہوئے کھڑا ہوا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دونوں زانوں کھڑے ہو کے کھانا تناول فرماتے تھے، اس کی وجہ یہ ارشاد فرمائی کہ میں خدا کا بندہ ہوں، اسی طرح کھاتا ہوں جس طرح غلام کھاتا ہے۔

دوسرا وصف رسول ہے۔ گو دنیا میں ستیمبر ہزاروں آئے۔ مگر لفظ رسول سے ان کے تمام کو شہرت نہیں۔ یہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا وصف ہے۔ جو تمام مسلمانوں کی زبانوں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے ملقب ہیں، یہانتک کہ عیسائیوں میں بھی "دی پرافٹ" یعنی پیغمبر مخصوص آپ کا نام ہے، قرآن نے بتصریح کہا:

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ (فتح)	محمد خدا کا رسول
یَسْتَغْفِرْ لَکُمْ رَسُوْلُ اللّٰہِ (منافقون)	خدا کا رسول تمہاری مغفرت چاہے۔

لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ (توبہ)	تمہارے پاس خود تمہاری قوم کا رسول آیا
اَنَّ فِيْكُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ (حجرات)	تم میں خدا کا رسول ہے۔
لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ	تمہارے لیے خدا کے رسول کے اندر اچھی
اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (احزاب)	پیروی ہے،
يَآاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ	اے رسول تجھ پر جو کچھ اتارا گیا ہے اس کو
اِلَيْكَ (مائدہ)	لوگوں تک پہنچا دے،

ان مقامات کے علاوہ اور بیسیوں جگہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے یہ لفظ استعمال ہوا ہے، یہاں تک کہ حضرت عیسیٰؑ نے جو بشارت دی ہے وہ بھی اسی رسول کے لفظ کے ساتھ دی ہے، مُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْ بَعْدِي اسْمُهٗ اَحْمَدُ "میرے بعد احمد نام ایک رسول آنے والا ہے"۔

حضرت اشعیاؑ نے آنے والے پیغمبر کا تیسرا وصف برگزیدہ بتایا ہے، کون نہیں جانتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مصطفیٰ (برگزیدہ) کے لقب سے عام طور پر مشہور ہیں، حدیث صحیح میں ہے،

اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى كِنَانَةَ مِنْ وَلَدِ	بیشک خدا نے اولاد اسمٰعیل میں سے کنانہ کو
اِسْمٰعِيْلَ وَاصْطَفٰى قُرَيْشًا مِنْ كِنَانَةَ	برگزیدہ کیا، اور کنانہ میں سے قریش کو برگزیدہ
وَاصْطَفٰى بَنِيْ هَاشِمٍ مِنْ قُرَيْشٍ	کیا، اور قریش میں سے بنی ہاشم کو برگزیدہ کیا
وَاصْطَفَانِيْ مِنْ بَنِيْ هَاشِمٍ[1]	اور بنی ہاشم میں سے مجھ کو برگزیدہ کیا،

[1] جامع ترمذی فضل النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

چوتھی صفت یہ بیان ہوئی ہے کہ "جس سے میرا جی راضی ہوا"، یہ صفت نہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بلکہ آپ کے وسیلہ سے تمام پیروانِ محمدی میں عام ہے،

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ	محمد خدا کا رسول اور جو اس کے ساتھ ہیں
مَعَهٗ..... يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ	..... وہ خدا کی مہربانی اور رضا
اللّٰهِ وَرِضْوَانًا (فتح)	کو ڈھونڈتے ہیں.
رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ	خدا ان سے راضی ہوا اور وہ خدا سے
(مائدہ، توبہ، مجادلہ، بینہ)	راضی ہوئے،
لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ (فتح)	بیشک خدا مومنوں سے راضی ہوا،

تمام انبیاءؑ کی امتوں سے یہ مخصوص وصف امتِ محمدی ہی کا ہے، اس کے پیرو رضی اللہ عنہ کی دعا سے ہمیشہ مخاطب ہوتے ہیں.

اس کے بعد اشعیا، اس پیغمبر کا وصف یہ بتاتے ہیں کہ خدا اُس سے کہتا ہے "میں نے اپنی روح اس پر رکھی" قرآن نے اس وصف سے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو متصف کیا ہے،

وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ رُوْحًا	ہم نے تیری طرف اپنی شان کی ایک روح
مِّنْ اَمْرِنَا (شوریٰ)	وحی کی
نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ (شعرا)	امانتدار روح اس کو لے کر اتری،
قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ (نحل)	کہدے کہ روح القدس نے اس کو اتارا ہے

پانچواں وصف یہ بتایا گیا کہ وہ نہ چلائے گا. اور نہ اپنی صدا بلند نہ کرے گا، اور اپنی

آواز بازاروں میں نہ سنائے گا. صحابہؓ نے آپ کی سیرت کے خط و خال کی بھی تصویر کھینچی ہے، متعدد صحابہؓ سے روایت ہے کہ آپ کبھی زور سے نہیں ہنستے تھے. بلکہ صرف مسکراتے تھے[1] شمائل ترمذی میں حضرت ہندؓ سے روایت ہے کہ "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اکثر چپ رہتے بے ضرورت کبھی گفتگو نہ فرماتے ایک ایک فقرہ الگ اور صاف اور واضح ہوتا، ہنستے بہت کم تھے ہنسی آتی تو مسکرا دیتے"[2] حضرت عائشہؓ سے ایک شخص نے آپ کے اخلاق پوچھے. انھوں نے جواب دیا کہ "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بدگو نہ تھے، اور نہ بازاروں میں شور کرتے تھے"، حضرت علیؓ سے حضرت حسینؓ نے دریافت کیا کہ آپ کے اوصاف کیا تھے؟ فرمایا "آپ شور و غل نہیں کرتے تھے"[3]

سفر اشعیا میں اس کے بعد ہے "وہ مسلے ہوئے سنٹھے کو نہ توڑے گا، اور دھکتی ہوئی بتی کو نہ بجھائے گا مسکینوں، غریبوں اور کمزوروں کو نہ ستائے گا. وہ نرم دل اور نیک خو ہوگا" قرآن مجید نے آپ کے اس وصف کو نمایاں طریق سے بتایا ہے.

وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ (ن)	اور بے شک تو بڑے خلق پر ہے
فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ	خدا کی رحمت کے سبب سے تو ان کے ساتھ نرم
وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ	ہے. اگر تو کڑا، اور دل کا سخت ہوتا تو
لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ (آل عمران ۱۹)	یہ تیرے ارد گرد سے ہٹ جاتے.
لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ	تمھاری قوم سے تمھارے پاس ایک پیغمبر آیا،

[1] جامع ترمذی باب ما جاء فی ضحک النبی صلی اللہ علیہ وسلم [2] یہ دونوں روایتیں شمائل ترمذی باب خلق النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں ہیں حضرت عائشہؓ والی روایت مسند ابو داؤد طیالسی ص ۲۱۴ اور مستدرک حاکم میں بھی ہے.

عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ	جس کو تمہاری تکلیف شاق ہوتی ہے
عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَحِيمٌ	تمہاری بہی خواہی کا حریص ہے اور مسلمانوں
(توبہ - ۱۶)	پر مہربان اور رحمت والا ہے۔

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ آپ نے کبھی کسی سے اپنا ذاتی انتقام نہیں لیا، آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) برائی کے بدلہ برائی نہیں کرتے تھے، بلکہ معاف کرتے تھے، اور درگذر فرماتے تھے، آپ نے کسی کو اپنے ہاتھ سے نہیں مارا، حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ "آپ خندہ جبیں، نرم خو، مہربان طبع تھے، سخت مزاج اور تنگ دل نہ تھے۔" ہند بن ابی ہالہؓ جو گویا آپ کے آغوش پروردہ تھے، بیان کرتے ہیں کہ "آپ نرم خو تھے، سخت مزاج نہ تھے، خود اپنے ذاتی معاملہ میں کبھی غصہ نہ فرماتے اور نہ کسی سے انتقام لیتے۔"[1]

حضرت انسؓ خادمِ خاص کہتے ہیں کہ "میں نے دس برس آپ کی خدمت کی، مگر آپ نے کبھی کسی معاملہ کی مجھ سے باز پرس نہ فرمائی۔"[2] مالک بن حویرثؓ جو ۲۰ دن تک آپ کی صحبت میں رہے تھے، کہتے ہیں کہ "آپ رحیم المزاج اور رقیق القلب تھے۔"[3]

حضرت اشعیاؑ اس کے بعد کہتے ہیں کہ "وہ عدالت کو قائم کرے گا کہ دائم رہے"۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نبیِ آخر الزماں ہیں، آپ کے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔ اور نہ آپ کی شریعت منسوخ ہوگی۔ آپ آخری دین لے کر آئے جو قیامت تک دائم رہیگا۔ پھر کہتے ہیں کہ اس وقت تک اس کا زوال نہ ہوگا اور نہ ملایا جائے گا جب تک راستی کو زمین پر قائم نہ کرے۔ یعنی جب تک

---

[1] یہ تمام روایات شمائل ترمذی میں مذکور ہیں [2] صحیح مسلم و ابوداؤد کتاب الادب [3] صحیح بخاری باب رحمۃ الناس۔

اس کی شریعت اور تعلیم قائم نہ ہو جائے گی، اس کو موت نہ آئے گی. ظاہر ہے کہ یہ وصف حضرت عیسیٰؑ پر صادق نہیں آتا کہ وہ اپنی تعلیم و شریعت کے استحکام سے پہلے اس دنیا سے اٹھ گئے، یہ مخصوص وصف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے، جو اس وقت تک اس دنیا میں تشریف فرما رہے جب تک آپؐ کی تعلیم و شریعت نے ظہور تام اور استحکامات کامل نہیں حاصل کر لیا، چنانچہ جب یہ بات حاصل ہو گئی تو آپ کو اس دنیائے فانی سے رخصت ہونے کی اجازت ملی، حضرت اشعیاؑ کی یہ پیشینگوئی قرآن مجید کے اس سورہ کے مطابق ہے،

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ وَ	جب خدا کی نصرت اور فتح آچکی اور تو نے لوگوں
رَاَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ	کو گروہ در گروہ دین الٰہی میں آتے دیکھ لیا
دِیْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا فَسَبِّحْ بِحَمْدِ	(تو تیرا فرض انجام پا چکا) اور اس دنیا سے تیری
رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا	رخصت کے دن قریب آگئے) اب خدا کے حمد و
(نصر - ۱)	استغفار میں مصروف ہو کہ وہ رحم کرنے والا ہے

جب یہ سورہ نازل ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام صحابہ کو جمع کر کے فرمایا کہ خدا کے ایک بندہ کو اختیار دیا گیا تھا کہ چاہے وہ اس دنیا کو قبول کرے یا دوسری دنیا کا سفر اختیار کرے، مگر اس بندہ نے آخرت کو پسند کیا" حضرت ابوبکرؓ یہ سن کر رو پڑے. وہ سمجھ گئے کہ یہ بندہ کون ہے"، حضرت عمرؓ نے ابن عباسؓ سے امتحاناً اس سورہ کا مطلب پوچھا، انھوں نے جواب دیا کہ اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا اشارہ ہے، حضرت عمرؓ نے بھی اس کی تصدیق کی[1]

[1] صحیح بخاری تفسیر سورۂ مذکور

اس کے بعد اشعیا کہتے ہیں کہ "تمام بحری ممالک اس کی شریعت کی راہ تکیں"۔ یہ اسلام ہی تھا جس کی شریعت نہر سیحون اور جیحون سے دجلہ و فرات ہو کر بحر روم تک اور بحر ہند سے بحر ظلمات تک پھیل گئی، اور بڑے بڑے جزیرے اس کے نور سے منور ہو گئے۔ بعد ازیں اشعیا خدا کا وعدہ سناتے ہیں کہ "میں ہی تیرا ہاتھ پکڑوں گا، اور تیری حفاظت کروں گا"۔ یہ وعدہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پورا ہوا، آپ نے یکہ و تنہا دعوتِ توحید کی اس وقت اشاعت کی جب ملک عرب کا ذرہ ذرہ آپ کے خون کا پیاسا تھا، اور خدا کے سوا کوئی آپ کا دوسرا دستگیر نہ تھا، اس نے دشمنوں کے نرغہ میں نازک سے نازک اور خطرناک سے خطرناک حملوں سے آپ کی ذاتِ گرامی کو محفوظ رکھا۔ اور سفر اشعیا کے وعدہ کو قرآن کے ذریعہ سے دوبارہ دہرایا اور مکہ میں ہمیں اس وقت جب دشمنوں کی عداوت کا آفتاب پوری تمازت پر تھا، یہ آیت اتری۔

وَاِذْ قُلْنَا لَكَ اِنَّ رَبَّكَ اَحَاطَ بِالنَّاسِ ۔ (۱۷ سورہ ۱۰)	اور یاد کرو اے محمدؐ! جب ہم نے تم سے فرمایا کہ تمہارے پروردگار نے لوگوں کو ہر طرف سے روک رکھا ہے کہ تم پر ہاتھ ڈالیں،
وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَاِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا (طور)	اپنے رب کے حکم کا صبر کے ساتھ انتظار کر کہ تو ہماری آنکھوں کے سامنے ہے۔

مدینہ میں آکر یہ وعدہ کرر دہرایا گیا،

وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ (مائدہ) اور خدا لوگوں سے تیری حفاظت کریگا

صحابہؓ اپنی جان نثاری سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خیمہ کے گرد پہرا دیا کرتے تھے،

جب یہ آیت اتری تو آپ نے خیمہ سے سر مبارک باہر نکال کر فرمایا "لوگو! واپس جاؤ کہ خدا نے میری حفاظت کا خود وعدہ کیا ہے"۔ اس وصف کے مستحق حضرت عیسیٰؑ نہیں ہو سکتے۔ جو عیسائیوں کے اقرار کے مطابق رومیوں کے ہاتھ گرفتار ہو کر سولی پر لٹکائے گئے،

بشارات انبیاء میں اس کے بھی ہے میں تجھکو لوگوں کے لیے عہد اور قوموں کے لیے نور بناؤں گا کہ تو اندھوں کی آنکھوں کو کھولے اور بندھے ہوؤں کو قید سے نکالے، اور ان کو جو اندھیرے میں بیٹھے ہیں، قید سے نکالے۔ تاریخ گواہ ہے کہ بشارت کا یہ حصہ بھی پیغمبر اسلام کے وجود سے کس خوبی سے پورا ہوا ہے۔ قرآن مجید نے بھی بشارت کے اس حصہ کو ان الفاظ میں مکمل کیا،

اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ	وہ لوگ جو اس ان پڑھ فرستادہ پیغمبر
الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا	کی پیروی کرتے ہیں جس کو وہ اپنے ہاں
عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِیْلِ	توراۃ و انجیل میں لکھا پاتے ہیں، وہ انکو
یَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْهٰىهُمْ	نیکی کا حکم کرتا ہے، اور برائی سے روکتا ہے،
عَنِ الْمُنْكَرِ وَیُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبٰتِ	اور اچھی چیزیں ان کے لیے حلال کرتا ہے
وَیُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَیَضَعُ	اور بری چیزیں ان پر حرام کرتا ہے اور ان سے
عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِیْ	بوجھ، کی ان بیڑیوں اور زنجیروں کو جو ان
كَانَتْ عَلَیْهِمْ فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا	پر تھیں ہلکا کرتا ہے۔ تو جن لوگوں نے اسکو
بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا	مانا اور اس کی مدد اور نصرت کی اور اس

النُّوْرَ الَّذِیْ اُنْزِلَ مَعَهٗ اُولٰٓئِكَ
هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ قُلْ یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ
اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعًا

(اعراف ۱۹)

یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا
وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِیْرًا وَّدَاعِیًا اِلَی
اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِیْرًا

(احزاب)

یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ
مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاَنْزَلْنَآ اِلَیْكُمْ
نُوْرًا مُّبِیْنًا (نساء)

وَالنُّوْرَ الَّذِیْٓ اَنْزَلْنَا (تغابن)

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً
لِّلْعٰلَمِیْنَ (انبیاء)

كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَیْكَ لِتُخْرِجَ
النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی
النُّوْرِ ۙ (ابراهیم)

روشنی کے پیچھے چلے جو اس کے ساتھ اتاری
گئی ہے اور یہی کامیاب ہوں گے، کہدے
(اے پیغمبر!) اے لوگو! میں تم سب کے
پاس خدا کا بھیجا ہوا ہوں،

اے پیغمبر! ہم نے تجھکو گواہ، خوشخبری دینے
ہشیار کرنے والا، اور خدا کی طرف اس
کے حکم سے بلانے والا اور روشن چراغ
بنا کر بھیجا،

اے لوگو! تمہارے پاس خدا کی طرف سے
دلیل آچکی، ہم نے تمہاری طرف وہ نور
اتارا جو ہر چیز کو روشن کرتا ہے،

اور اس نور پر ایمان لاؤ جو ہم نے اتارا،

اے محمد! ہم نے تجھ کو تمام دنیا کے لیے
رحمت ہی بنا کر بھیجا ہے

یہ کتاب ہے جس کو ہم نے تیری طرف اتارا
ہے، تاکہ تو لوگوں کو اندھیرے سے نکال کر
روشنی کی طرف لائے،

وَلٰكِن جَعَلْنَاهُ نُورًا نَّهْدِي بِهِ مَن	لیکن ہم نے اُس کو نور بنایا ہے تاکہ ہم اپنے
نَّشَاءُ مِنْ عِبَادِنَا وَإِنَّكَ لَتَهْدِي	بندوں میں سے جس کو چاہیں راہ دکھائیں،
إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ (شوریٰ)	اور تو سیدھے راستہ کی طرف ہدایت کرتا ہے۔

اس کے بعد اس بشارت میں ہے کہ آنے والا پیغمبر توحید کامل کا مبلغ، بت شکن اور باطل پرستی کا دشمن ہوگا، اور بت پرست کفار و مشرکین کو وہ شکستِ عظیم دے گا،

"یہوا (اللہ) میرا نام ہے، اور اپنی شوکت دوسرے (معبودانِ باطل) کو نہ دوں گا، اور وہ ستایش جو میرے لیے ہوتی ہے، کھودی ہوئی مورتوں کے لیے نہ دوں گا..... وہ پیچھے ہٹیں، اور نہایت پشیمان ہوں، جو کھودی ہوئی مورتوں کا بھروسہ رکھتے ہیں، اور ڈھالے ہوئے بتوں کو کہتے ہیں کہ تم ہمارے الٰہ ہو۔"

حضرت اشعیاؑ کے بعد دنیا میں وہ کون پیغمبر آیا جس نے توحیدِ کامل کی تعلیم پیغمبرِ اسلام سے واضح تر اور کامل تر دی ہو، جس نے بت پرستی کی بیخ کنی کی ہو، جس نے بتخانوں کو منہدم کیا ہو، جس نے مشرکین کی صفوں کو درہم برہم کیا ہو، اور باطل پرستی کے علم کو ہمیشہ کے لیے سرنگوں کر دیا ہو، قرآن اور آپؐ کی تعلیمات کا بڑا حصہ شرک و بت پرستی کے خلاف جہادِ عظیم ہے اور تمام دنیا کو اعتراف ہے کہ اس فرض کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس خوبی اور تکمیل کے ساتھ ادا کیا، وہ کسی اور سے نہ ہو سکا۔

بعد ازیں حضرت اشعیاؑ بتاتے ہیں کہ وہ آنے والا پیغمبر مجاہد اور تیغ زن ہوگا اور وہ باطل پرستیوں کے خلاف اپنی تلوار اٹھائے گا۔

"خداوند ایک بہادر کے مانند نکلے گا، وہ جنگی مرد کی طرح اپنی غیرت کو اکسائے گا
وہ چلائیگا، ہاں وہ جنگ کے لیے للکاریگا، وہ اپنے دشمنوں پر غالب ہوگا۔"

یہ حضرت عیسیٰؑ کی صفت نہیں ہوسکتی یہ صرف بدر و احد اور حنین و خندق کے سپہ سالار پیغمبرؐ کی شان ہے،

"بیابان (عرب) اور اس کی بستیاں قیدار کے اہل دیہات اپنی آواز بلند کریں گے۔"

اس فقرہ میں آنے والے پیغمبر کا وطن (بیابانِ عرب) اور خاندان (قیدار بن اسمٰعیل) بھی بتادیا گیا ہے، آخر میں ہے،

"اور اندھوں کو اس راہ سے جسے وہ نہیں جانتے لیجاؤں گا۔ میں انھیں ان رستوں پر جن سے وہ آگاہ نہیں لے چلوں گا۔"

اس فقرہ میں یہ ارشاد ہے کہ وہ امیوں کا پیغمبر اور اُس قوم کا داعی ہوگا جس کو کبھی راہ راست کی ہدایت نہیں ملی۔ یہ صفت اہل عرب کی ہے، جن کو آپ سے پہلے کوئی صاحبِ شریعت پیغمبر نہیں ملا۔ حضرت عیسیٰؑ بنی اسرائیل میں مبعوث ہوئے تھے جن کو شریعت مل چکی تھی، اس لیے یہ ان کی صفت نہیں ہوسکتی۔ بلکہ یہ صرف پیغمبر عرب کا وصف خاص ہے چنانچہ قرآن مجید نے صاف کہا:

لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَا اَتَاهُمْ مِنْ	تاکہ ان کو ہشیار کرے جن کے پاس تجھ سے
نَذِيْرٍ مِنْ قَبْلِكَ (قصص)	پہلے کوئی ہوشیار کرنیوالا نہیں آیا،
اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ عَلٰى	تو یقیناً پیغمبروں میں سے ہے اور سیدھی راہ

صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ تَنْزِيْلَ الْعَزِيْزِ
الرَّحِيْمِ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اُنْذِرَ
اٰبَآؤُهُمْ فَهُمْ غٰفِلُوْنَ (یٰسٓ)

پڑے، اور یہ غالب مہربان خدا کی طرف سے
اترا ہے تاکہ تو ان کو ہشیار کرے جن کے باپ
دادا ہشیار نہیں کیے گئے تو وہ غفلت میں ہیں،

هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا
مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ
وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ
كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ (جمعہ)

وہی خدا جس نے ان پڑھوں میں پیغمبر بنا کر
ان ہی میں سے کھڑا کیا، جو ان کو خدا کی
آیتیں پڑھ کر سناتا اور کتاب اور دانائی
سکھاتا ہے، اگرچہ وہ پہلے کھلی گمراہی میں تھے،

وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ
فَاتَّبِعُوْهُ وَاتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ
اَنْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اُنْزِلَ الْكِتٰبُ
عَلٰى طَآئِفَتَيْنِ مِنْ قَبْلِنَا وَاِنْ
كُنَّا عَنْ دِرَاسَتِهِمْ لَغٰفِلِيْنَ
اَوْ تَقُوْلُوْا لَوْ اَنَّآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا
الْكِتٰبُ لَكُنَّآ اَهْدٰى مِنْهُمْ فَقَدْ
جَآءَكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ
وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ ۚ

یہ کتاب ہے جس کو ہم نے اتارا ہے جو برکت والی
ہے تو اسکی پیروی کرو اور پرہیزگاری اختیار
کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے (یہ کتاب تم کو
اس لیے دی گئی) تاکہ یہ نہ کہو کہ کتاب تو
ہم سے پہلے یہود اور نصاریٰ دو گروہوں
کو عطا ہوئی اور ہم اس کے پڑھنے سے
غافل تھے، یہ کہو کہ اگر خاص ہم پر کوئی
کتاب اترتی تو ہم ان سے زیادہ راہ راست
پر ہوتے، تو لو تمہارے پاس خدا کی طرف سے
کھلی دلیل، ہدایت اور رحمت آچکی،

(انعام - ۲۰)

وَمَآ اٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ كُتُبٍ يَّدْرُسُوْنَهَا	اور ہم نے ان کو نہ تو کتابیں دیں جن کو وہ
وَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمْ قَبْلَكَ مِنْ نَّذِيْرٍ	پڑھیں اور نہ تجھ سے پہلے اُن کے پاس کوئی
(سبا)	ڈرانے والا بھیجا۔

اس بشارت کے تمام فقروں پر جو شخص اس تفصیل سے نظر ڈالے گا، اور اس کے ایک ایک فقرہ کی قرآن پاک، احادیث شریف اور سوانح نبویؐ کے ساتھ حرف بحرف تطبیق پر غور کرے گا، وہ اس یقین کے پیدا کرنے پر مجبور ہوگا کہ اس بشارت کا مصداق محمد بن عبداللہ کے سوا کوئی اور نہیں ہو سکتا۔

هُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ عَلٰى عَبْدِهٖٓ	وہی جو اپنے بندہ پر کھلی آیتیں اتارتا ہے
اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ	تاکہ وہ تم کو اندھیرے سے نکال کر روشنی
اِلَى النُّوْرِ (حدید ۱)	میں لے جائے۔

سورۂ فتح میں جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فتح مکہ کی بشارت دی گئی ہے، توراۃ اور انجیل کی ایک اور پیشینگوئی کا حوالہ دیا گیا ہے،

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ	محمد خدا کا بھیجا ہوا اور جو لوگ اس کے ساتھ
اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ	ہیں وہ کافروں پر بھاری، آپس میں
تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا	مہربان ہیں۔ دیکھتے ہو تم انکو کہ (خدا کے
مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا سِيْمَاهُمْ	سامنے) کوئی اور سجدہ میں گرے رہتے ہیں
فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ	اور خدا کی رحمت اور خوشنودی کے جویاں

ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَاةِ — رہتے ہیں ان کے چہروں میں سجدہ کے اثر سے

(فتح - ۱) — نور ہے، انکی حالت کا بیان توراۃ میں ہے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام کا یہ مجموعی وصف فتح مکہ کے موقع پر بیان کیا گیا ہے، جو اسلام کی دعوت کی تکمیل، توحید الٰہی کے انجام، خانۂ خلیل کی کامل آزادی اور معبودانِ باطل کی دائمی شکست کا دن ہے، اور اس کے بعد کوئی نیا پیغام سنانے والا دنیا میں آنے والا نہ تھا، چنانچہ حضرت موسیٰؑ نے اپنی زندگی کی آخری وصیت جس پر ان کی توراۃ اور ان کے صحیفۂ حیات دونوں کا خاتمہ ہو جاتا ہے، بنی اسرائیل کو یہ فرمائی :-

"یہ وہ برکت ہے جو موسیٰ مردِ خدا نے اپنے مرنے سے پہلے بنی اسرائیل کو بخشی اور اس نے کہا کہ خداوند سینا سے آیا، اور سعیر سے اُن پر طلوع ہوا، اور فاران کے پہاڑ سے وہ جلوہ گر ہوا، دس ہزار مقدسوں کے ساتھ آیا، اور اس کے داہنے ہاتھ میں ایک آتشیں شریعت ان کے لیے تھی، ہاں وہ اپنے لوگوں سے بڑی محبت رکھتا ہے، اس کے سارے مقدس (ہمراہی) تیرے ہاتھ میں ہیں، اور وہ تیرے قدموں کے پاس بیٹھے ہیں، اور تیری باتوں کو مانیں گے۔" (استثناء ۳۳ - ۱ و ۲ و ۳)

یہ حضرت موسیٰؑ کا آخری کلام ہے جس میں آخری پیغمبر کی بعثت کی خبر دی ہے، اس بشارت میں کوہ فاران سے نورِ الٰہی کے طلوع ہونے کی خوشخبری ہے، اس میں چار باتیں بیان کی گئی ہیں، جو قرآن مجید کے بیان کے عین مطابق ہیں،

(۱) وہ دس ہزار مقدسوں کے ساتھ آیا،

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ	محمد خدا کے فرستادہ اور جو لوگ
مَعَهٗٓ (فتح-۴)	ان کے ساتھ ہیں

(۲) اس کے ہاتھ میں ان کے لیے آتشیں شریعت ہوگی

اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ، (فتح-۴)	وہ خدا کے منکروں پر سخت ہوں گے

(۳) وہ اپنے لوگوں سے محبت کرے گا،

رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ (فتح-۴)	آپس میں ایک دوسرے پر مہربان ہوں گے،

(۴) (اے خدا) اس (آنے والے پیغمبر) کے سارے مقدس لوگ (یعنی صحابہؓ) تیرے ہاتھ میں ہیں، اور وہ تیرے قدموں کے پاس بیٹھے ہیں، اور تیری باتوں کو مانیں گے،

تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ	دیکھتے ہو تم ان کو خدا کے آگے رکوع اور
فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا	سجود میں جھکے ہوئے خدا کی مہربانی اور خوشنودی
سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ	کے طلبگار ہیں، اطاعت و عبادت کے
اَثَرِ السُّجُوْدِ (فتح-۴)	اثر سے ان کے چہروں میں نورانیت ہے،

ایک عجیب بات یہ ہے کہ حضرت موسیٰؑ اس آنے والے پیغمبر کے مقدس ساتھیوں کی تعداد دس ہزار فرماتے ہیں، فتح مکہ کے دن بعینہٖ یہی دس ہزار مقدسین تھے، جو اس فاران سے آنے والے نورانی پیکر کے ساتھ شہر خلیل (مکہ) کے دروازے میں داخل ہوئے، اور اس طرح حضرت موسیٰؑ نے جو کچھ کہا تھا وہ پورا ہوا۔

سورۂ فتح میں اس کے بعد ہے:۔

وَمَثَلُهُمْ فِي الْإِنْجِيلِ كَزَرْعٍ	اور انکی مثال انجیل میں اس کھیت کے ہے،
أَخْرَجَ شَطْأَهُ فَآزَرَهُ فَاسْتَغْلَظَ	جس نے ٹہنی نکالی، پھر اس کو مضبوط کیا،
فَاسْتَوَىٰ عَلَىٰ سُوقِهِ يُعْجِبُ	پھر موٹا ہوا پھر اپنی ٹہنیوں پر کھڑا ہوا،
الزُّرَّاعَ (فتح-۴)	کھیت والوں کو خوش اور مسرور کرتا ہے،

حضرت عیسیٰؑ نے یہ تمثیل آسمانی بادشاہی کی دی ہے، چنانچہ انجیل کے مختلف نسخوں میں یہ تمثیل ان مختلف الفاظ میں مذکور ہے،

"آسمان کی بادشاہت رائی کے دانہ کے مانند ہے، جسے ایک شخص نے لے کے اپنے کھیت میں بویا، وہ سب بیجوں میں چھوٹا ہے، پر جب اگتا ہے تو سب ترکاریوں سے بڑا ہوتا ہے اور ایسا پیڑ ہوتا ہے کہ ہوا کی چڑیاں آکے اس کی ڈالیوں میں بسیرا کریں" (متی ۱۳-۳۱، مرقس ۴-۳۰)

"خدا کی بادشاہت ایسی ہے جیسا ایک شخص زمین میں بیج بوئے اور رات دن وہ سوئے اٹھے، اور بیج اس طرح اُگے اور بڑھے کہ وہ نہ جانے، اس لیے کہ زمین آپ سے آپ پھل لاتی ہے پہلے سبزی، پھر بال، بعد اس کے بال میں تیار دانے، اور جب دانا پک چکا تو وہ فی الفور درانتی لگاتا ہے کیونکہ کاٹنے کا وقت آپہنچا ہے" (مرقس ۴، ۲۶)

حضرت عیسیٰؑ نے آسمانی بادشاہت کی جو تمثیل دی ہے، قرآن مجید نے اس کو سورۂ فتح میں دہرایا ہے کون نہیں جانتا کہ اسلام کی جسمانی اور روحانی، ظاہری و باطنی دونوں بادشاہیوں کے طلوع و عروج کا دن فتح مکہ کا دن ہے، اور آسمانی بادشاہی کی یہ تمثیل

پوری ہوئی کہ محمد نام ایک کاشتکار نے ایک بیج زمین میں ڈالا اور اُس سے سیکڑوں ہزاروں خوشے پیدا ہو گئے۔ اور اس نے آسمانی بادشاہی کی منادی کی۔

حضرت موسیٰ بنی اسرائیل کو نصیحت کرتے ہیں،

"خداوند تیرا خدا تیرے لیے تیرے درمیان سے تیرے ہی بھائیوں میں سے میرے مانند ایک نبی برپا کرے گا، تم اس کی طرف کان دھرو" (استثنا ۱۸: ۱۵)

"میں ان کے لیے ان کے بھائیوں میں سے تجھ سا ایک نبی برپا کروں گا، اور اپنا کلام اس کے منہ میں ڈالوں گا، اور جو کچھ میں اس سے کہوں گا، وہ سب اُن سے کہے گا اور ایسا ہوگا کہ جو کوئی میری باتوں کو جنھیں وہ میرا نام لے کے کہیگا، نہ سنے گا تو میں اس کا حساب اس سے لوں گا لیکن وہ نبی جو ایسی گستاخی کرے کہ کوئی بات میرے نام سے کہے جس کے کہنے کا میں نے اس کو حکم نہیں دیا، اور معبودوں کے نام سے کہے تو وہ نبی قتل کیا جائیگا، اور اگر تو اپنے دل میں کہے کہ میں کیونکر جانوں کہ یہ بات خداوند کی کہی ہوئی نہیں تو جان رکھ کہ جب نبی خداوند کے نام سے کچھ کہے اور جو اس نے کہا ہے واقع نہ ہو یا پورا نہ ہو تو وہ بات خداوند نے نہیں کہی بلکہ اس نبی نے گستاخی سے کہی ہے تو اس سے مت ڈرو" (استثنا ۱۸: ۱۵-۲۲)

عیسائیوں نے اس بشارت کو حضرت عیسیٰؑ کے حق میں ثابت کرنا چاہا ہے اگرچہ ظاہر ہے کہ اس کے مصداق حضرت عیسیٰؑ نہیں ہو سکتے، اس بشارت میں ہے کہ یہ نبی بنی اسرائیل کے بھائیوں میں سے مبعوث ہوگا بنی اسرائیل کے بھائی بنو اسمٰعیل تھے۔ اس سے یہ مفہوم

وہ پیغمبر نسلِ اسمٰعیلؑ سے ہوگا، حضرت عیسیٰؑ اسمٰعیلی نہ تھے، عیسائی حضرت عیسیٰؑ کو نبی نہیں مانتے، حضرت موسیٰؑ نے کہا کہ "وہ آیندہ نبی میرے مانند ہوگا" حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ میں کوئی وجہ مماثلت نہیں ہے، حضرت موسیٰؑ صاحب شریعت تھے، حضرت عیسیٰؑ نہ تھے، حضرت موسیٰؑ جنگجو اور مجاہد تھے، حضرت عیسیٰؑ نہ تھے، حضرت موسیٰؑ نے اپنی قوم کو غلامی سے نکال کر بادشاہی تک پہنچایا، حضرت عیسیٰؑ نے ایسا نہیں کیا، حضرت موسیٰؑ اپنی قوم کے ظاہری و معنوی دونوں معنوں میں بادشاہ تھے، حضرت عیسیٰؑ نہ تھے، حضرت موسیٰؑ صرف واعظ نہ تھے، عمل فرما اور کارپرداز بھی تھے، حضرت عیسیٰؑ صرف واعظ تھے، حضرت موسیٰؑ قوموں اور ملکوں کے فاتح تھے، اور حضرت عیسیٰؑ ایک چپہ زمین پر بھی قابض نہ تھے۔ برخلاف اس کے حضرت موسیٰؑ اور محمد رسول اللہ علیہما السلام میں یہ تمام اوصاف مشترک ہیں۔ اس لیے وہ موعود نبی جو حضرت موسیٰؑ کے مانند پیدا ہونے والا تھا، وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی تھے، چنانچہ حضرت موسیٰؑ نے اس بشارت میں جو کچھ فرمایا ہے، قرآن مجید نے اس کی حرف حرف تصدیق کی ہے، قرآن مجید کا بیان ہے کہ خدا نے روزِ الست تمام انبیاءؑ سے یہ عہد لیا تھا کہ ہر نبی دوسرے نبی کی تائید کرتا جائے اور اپنی امت کو یہ نصیحت کر جائے کہ جب کوئی پیغمبر ان کے پاس آئے تو وہ اس کی تصدیق کرے

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ	اور یاد کرو جب اللہ نے پیغمبروں سے
لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ	عہد لیا کہ ہم جو تم کو کتاب اور دانائی دیں
ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ	اور پھر کوئی پیغمبر تمہارے پاس آئے جو کتاب
لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ	اور شریعت تمہارے پاس ہے اس کی تصدیق

قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِىْ ؕ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ۝ (اٰل عمران ۹)

کرنا ہو تو ضرور اس کو ماننا اور اسکی مدد کرنا اور فرمایا کہ کیا تم نے اس کا اقرار کر لیا اور اس باتوں پر جو ہم نے تم سے عہد و پیمان لیا ہے اسکو تسلیم کیا؟ پیغمبروں نے عرض کیا کہ ہاں ہم اقرار کرتے ہیں۔ فرمایا تو تم گواہ رہو اور میں بھی ساتھ ہم بھی ایک گواہ ہیں

حضرت موسیٰؑ نے بنی اسرائیل کو آنے والے پیغمبر کی اطاعت کی جو نصیحت فرمائی وہ اُسی ازلی عہد و پیمان کا الیفا تھا۔

حضرت موسیٰؑ نے آنے والے پیغمبر کی نسبت ارشاد فرمایا کہ وہ میرے مانند ہوگا۔ قرآن مجید نے بھی اس کی تصدیق کی،

اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا (مزمل)

ہم نے تمھارے پاس ایک پیغمبر کو بھیجا ہے، جو تم پر گواہ ہے۔ جس طرح کہ ہم نے فرعون کے پاس ایک پیغمبر بھیجا تھا،

اس پیغمبر کا وصف یہ ہوگا کہ "خدا اپنا کلام اُس کے منہ میں ڈالے گا۔" قرآن مجید نے اپنے پیغمبر کی نسبت کہا،

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْىٌ يُّوْحٰى ۝ (نجم - ۱)

اور وہ اپنی خواہش نفسانی سے کلام نہیں کرتا بلکہ وہی کہتا ہے جو اس سے خدا کی طرف سے کہا جاتا ہے۔

توراۃ میں ہے:-

"اور ایسا ہوگا کہ جو کوئی میری باتوں کو جنھیں وہ میرا نام لے کے کہے گا، نہ سنے گا،
تو میں اس کا حساب لوں گا۔"

قرآن مجید نے بھی یہی اعلان کیا کہ جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی سے منکر ہوگا، اس کو اپنے حساب کے لیے تیار رہنا چاہیے،

وَاِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ	اور اے پیغمبر عذاب غیر کے جو وعدہ کفار
نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِنَّمَا	کفار سے) ہم کرتے ہیں، ان میں سے بعض تو تمھاری
عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ	زندگی ہی میں تم کو پورا کر کے دکھائیں گے، یا
(سورہ ۱۳-۴۰)	پورا ہونے سے پہلے تم کو دنیا سے اٹھا لیں گے،
	تمھارا کام ہمارے احکام کو ان تک پہنچا دینا
	تھا اور ان کا حساب لینا میرا کام ہے۔

توراۃ نے حضرت موسیٰؑ کی نیابت اس بشارت میں یہ کہا:

"لیکن وہ نبی جو ایسی گستاخی کرے کہ کوئی بات میرے نام سے کہے جسے کہنے کا میں نے
اس کو حکم نہیں دیا، اور معبودوں کے نام سے کہے تو وہ نبی قتل کیا جائے گا۔"

قرآن مجید نے بھی اس فرمان کی صداقت پر اپنی مہر ثبت کر دی:

وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ	اگر پیغمبر (محمد) کچھ جھوٹ اپنی طرف سے
لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ثُمَّ لَقَطَعْنَا	ملا کر کہتا تو ہم اس کا ہاتھ پکڑ لیتے اور

مِنْهُ الْوَتِيْنَ فَمَا مِنْكُمْ مِنْ	اس کی گردن کی شہ رگ کاٹ ڈالتے پھر
اَحَدٍ عَنْهُ حَاجِزِيْنَ (حاقہ ۲)	تم میں سے کوئی اس کو مجھ سے نہ بچا سکتا

توراۃ نے اُس آنے والے پیغمبر کی نشانی یہ بتائی کہ اس کی تمام پیشینگوئیاں سچی ہونگی، سیرۃ نبوی کے تمام ابواب تمہارے سامنے ہیں، دیکھو کہ اس نشانی کی صداقت میں ایک ذرہ بھی کبھی کمی ہوئی، حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ رویا میں جو کچھ آپ دیکھتے تھے وہ سپیدۂ صبح کی طرح ظاہر ہوتا تھا[1]، مسلمان، تو مسلمان خود کفار تک کو اس پر یقین تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی پیشینگوئی غلط نہیں ہوتی، یاد ہوگا کہ غزوۂ بدر سے پہلے ایک صحابی عمرہ ادا کرنے مکہ گئے تھے، انھوں نے قریش کے رئیس امیہ سے کہا کہ "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تو قتل ہوگا"۔ اس پیشینگوئی کا یہ اثر اُس پر ہوا کہ کانپ گیا، معرکۂ بدر میں وہ گھر سے نکلتے ہوئے ڈرتا تھا، جاتے ہوئے اس کی بیوی نے دامن پکڑ لیا کہ "کہاں جاتے ہو؟ تم کو اس مدینہ والے کی پیشینگوئی یاد نہیں"[2]۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سیکڑوں پیشینگوئیاں کیں اور ان میں سے ایک ایک سچائی کے معیار پر اتری۔

صحیح بخاری میں ہے کہ ابن ناطور جو قیصر روم کا محرم راز اور شام کا اسقف (بشپ) تھا، اس نے بیان کیا کہ ہرقل قیصر روم منجم تھا، ایک دن وہ دربار میں آیا تو چہرہ متغیر تھا، کسی درباری نے سبب دریافت کیا، تو اس نے کہا رات ستاروں کو دیکھ کر یہ نظر آیا کہ "ملک الختان" (ختنہ کا بادشاہ یا فرشتہ) ظاہر ہوگیا، تو تحقیق کرو کہ ختنہ کس قوم میں رائج ہے، درباریوں

[1] صحیح بخاری بدء الوحی [2] صحیح بخاری مغازی

نے کہا کہ ختنہ تو صرف یہود کرتے ہیں، اس لیے آپ مضطرب نہ ہوں، صوبوں میں حکم جاری کر دیجئے کہ امسال یہودیوں کے یہاں جس قدر بچے پیدا ہوں سب قتل کر دیے جائیں، اسی اثنا میں حدود شام کے عرب رئیس غسان نے یہ خبر پہنچائی کہ عرب میں ایک پیغمبر پیدا ہوا ہے، قیصر نے کہا دریافت کرو کہ کیا عرب ختنہ کرتے ہیں؟" اس کا جواب جب اس کو اثبات میں ملا تو اس نے کہا "ہاں یہ اس امت کا ملک (بادشاہ یا فرشتہ) ہے"۔ اور اس کے بعد اہل دربار سے مخاطب ہو کر کہا کہ "اگر تم کو اپنی سلطنت بچانی منظور ہے تو اس پر ایمان لاؤ"۔ درباریوں نے قیصر کی اس گفتگو کو سخت ناپسند کیا، مگر رومیہ میں قیصر کا ایک اور صاحب علم دوست تھا، قیصر نے اس کو لکھا تو اس نے بھی قیصر کی رائے کی تائید کی،

ہمارے محدثین اس خبر کی صحیح حقیقت نہیں سمجھ سکے ہیں، اور اسی لیے ملک الختان کا لفظ نہ ملک (بادشاہ) ہے اور نہ ملک (فرشتہ) ہے، بلکہ ملاک ہے جس کے معنی "فرستادہ اور پیغامبر" کے ہیں جس کی اصل عربی میں لوک بمعنی پیغام ہے، اگر یہ لفظ عربی تلفظ میں ملک پڑھا جائے تو لفظ اس موقع پر "فرشتہ" کے اصطلاحی معنی میں نہیں، بلکہ فرستادہ کے لغوی معنوں میں مستعمل ہوا ہے، قیصر کا یہ لفظ ملاک الختان (ختنہ کا پیغامبر) استعمال کرنا درحقیقت توراۃ کی ایک پیشینگوئی کی طرف اشارہ ہے، ملاخیا نبی کی کتاب میں یہ پیشینگوئی ان الفاظ میں مذکور ہے،

دیکھو میں اپنے رسول کو بھیجوں گا، اور وہ میرے آگے میری راہ کو درست کریگا، اور وہ خداوند جس کی تلاش میں تم ہو، ہاں "ختنہ کا رسول" جس سے تم خوش ہو وہ اپنی ہیکل میں ناگہان آئیگا، رب الافواج فرماتا ہے، "پر اس کے آنے کے دن کو کون ٹھہر سکے گا،

اور جب وہ ظاہر ہوگا، کون ہے جو کھڑا رہیگا، کیونکہ وہ سنار کی آگ اور دھوبی کے صابن کے مانند ہے۔ اور وہ روپیہ کا سیل کاٹتا ہوا اور اسے خالص کرتا ہوا بیٹھے گا۔" (باب ۳)

آج کل کے ترجموں میں "ختنہ کے رسول" کے بجائے "عہد کا رسول" لکھا ہے۔ یہ ترجمہ صحیح بھی ہو تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کی دعا کے جواب میں جس رسول کی بعثت کا وعدہ فرمایا تھا، اس کے متعلق یہ بشارت ہے۔ لیکن اصل یہ ہے کہ توراۃ کی زبان میں "ختنہ" نسلِ ابراہیمی کے جسم پر خدا اور ابراہیم کے باہمی "عہد و میثاق" کی مہر کا نام ہے۔ توراۃ میں جہاں ختنہ کا حکم ہے، مذکور ہے:-

"اور میرا عہد جو میرے اور تمہارے درمیان ہے، جسے تم یاد رکھو یہ ہے کہ تم میں ہر ایک فرزند نرینہ کا ختنہ کیا جائے، اور تم اپنے بدن کی کھلڑی کا ختنہ کرو، اور یہ اس عہد کا نشان ہے جو میرے اور تمہارے درمیان ہے۔" (پیدائش ۱۷-۱۰)

اس بنا پر "ختنہ" کے بجائے مترجمین نے "عہد" کا لفظ رکھ دیا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قربِ مولد کے زمانہ میں اس پیشگوئی کے مطابق اس "رسول الختان" کا یہود و نصاریٰ دونوں کو انتظار تھا، اور قیصر روم اسی پیشگوئی کے پورا ہونے کا منتظر تھا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ بشارت حضرت عیسیٰؑ کے حق میں نہ تھی، کیونکہ اگر ان کے حق میں ہوتی تو عیسائی قیصر اس کی آمد کا منتظر نہ ہوتا۔ "رسول الختان" کے لفظ سے اس بات کا اشارہ بھی سمجھا جاتا ہے کہ وہ مختون قوم میں ظاہر ہوگا اور عیسائی مذہب نے اس رسم کو باطل قرار دیا ہے۔ یہودیت کے بعد اسلام ہی ہے جس نے نسلِ ابراہیم کے اس عہد کو دنیا میں ہمیشہ برقرار رکھا ہے۔

توراۃ میں ایک اور بشارت ہے،

"خداوند سیناسے آیا، اور سعیر سے ان پر طلوع ہوا وہ فاران کے پہاڑ سے وہ جلوہ گر ہوا (استثنا، ۳۳-۲)

اس بشارت کا ایک ٹکڑا حضرت حبقوق نبی کے صحیفہ میں بھر دہرایا گیا ہے،

"خدا تیمان سے اور وہ جو قدوس ہے کوہ فاران سے آیا، اس کی شوکت سے آسمان چھپ گیا، اور اس کی حمد سے زمین معمور ہو گئی"۔ (۳-۳)

صحیفۂ استثنا کی بشارت میں خداوند کا مظہر تین پہاڑوں کو قرار دیا گیا ہے، کوہ سینا، کوہ سعیر اور کوہ فاران، یہ درحقیقت خورشیدِ نبوت کے تین مطلع ہیں، ان میں بہ ترتیب کوہ سینا سے حضرت موسیٰؑ، کوہ سعیر سے حضرت عیسیٰؑ اور کوہ فاران سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں کہ وہ مکہ کی پہاڑیوں کا نام ہے۔ حضرت حبقوقؑ اس بشارت میں کہتے ہیں کہ وہ تیمان سے آیا، تیمان کے لغوی معنی جنوب کے ہیں، اور استعمال میں ملک یمن کو کہتے ہیں اور یہاں یہ دونوں معنی ٹھیک ہیں، پھر کہتے ہیں "اس کی شوکت سے آسمان چھپ گیا"۔ یہ معراج آسمانی کی تشریح ہے، پھر کہتے ہیں "اس کی حمد سے زمین معمور ہو گئی"۔ زمین کا کون گوشہ ہے جو محمد کے حمد سے معمور نہیں، لفظ حمد، کہ محمد کا مادہ اور عبادتِ اسلامی کا آغاز (الحمد الخ) ہے، محمد رسول اللہ کی تسبیح سے لبریز ہے،

توراۃ کی اس بشارت کو قرآن مجید نے سورۂ والتین کے ان الفاظ میں ادا کیا،

وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ — قسم ہے انجیر اور زیتون کی، طور سینا کی

وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ (تین) اور اس امن والے شہر کی

سب کو معلوم ہے کہ انجیر اور زیتون والا ملک شام ہے جو حضرت عیسیٰ کا مولد اور کوہ سیر کا میدا رہے، طور سینا حضرت موسیٰ سے عبارت ہے اور بلد امین یعنی مکہ سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ ہے۔

علمائے اسلام نے توراۃ اور انجیل کی اور بھی بشارتوں کا تذکرہ کیا ہے لیکن ہم نے صرف ان ہی بشارتوں کا ذکر کیا ہے جن کی طرف قرآن مجید اور احادیث میں اشارے پائے جاتے ہیں، کتب سیر و دلائل میں بہت سی پیشگوئیاں عرب کے کاہنوں اور بتخانوں کے پجاریوں سے منقول ہیں لیکن چونکہ ان کا بڑا حصہ اصول روایت کے رو سے کمزور ہے، اس لیے ہم ان کی تفصیل غیر ضروری سمجھتے ہیں، تاہم ان روایات کا قدر مشترک اسقدر زور پکڑتا ہے کہ عرب میں ایک پیغمبر کے وجود کا تشنہ تھا، روم و فارس کی دو سالہ جنگ نے مشرق و مغرب کی سرزمین کو زلزلہ زار بنا دیا تھا، اور خیالات میں تلاش امن کی شورش برپا کر دی تھی، اور عرب میں اصحاب الفیل کا واقعہ دلوں میں لرزش پیدا کرنے کے لیے کافی تھا، اور عین یہی موسم دنیا میں روح اعظم کے ظہور کا ہوتا ہے، اس لیے مولد نبی کے قریب زمانہ میں عرب، روم اور یہود و نصاریٰ سب کو توراۃ اور انجیل کی بشارتوں کے مطابق ایک آنے والے کا انتظار تھا، صحیح بخاری میں حضرت ابوسفیانؓ کی زبانی مروی ہے کہ جب قاصد نبوی دعوت نامۂ اسلام لیکر قیصر کے دربار میں پہنچا ہے، اور قیصر نے ابوسفیان کو بلا کر جو اس وقت تک کافر تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق چند استفسارات کیے ہیں اور ابوسفیان نے ان کے جو جوابات دیے ہیں! ان کو سن کر

اُس نے بھرے دربار میں کہا تم نے جو کچھ بیان کیا اگر وہ سچ ہے تو ایک دن یہ میرے پاؤں کے نیچے کی مٹی اُس کے قبضہ میں ہوگی، مجھکو یہ ضرور خیال تھا کہ ایک پیغمبر آنے والا ہے، لیکن یہ خیال نہ تھا کہ وہ عرب میں پیدا ہوگا، اگر ممکن ہوتا میں خود جاکر اس کی زیارت کرتا اور اگر وہاں ہوتا تو خود اس کے پاؤں دھوتا[1]"

قیصر کے محرم راز، اور شام کے بشپ ابن ناطور کا بیان اوپر پڑھ چکے ہیں کہ قیصر کا خیال تھا کہ ختنہ والے رسول کی پیدائش کا زمانہ قریب ہے، اور رومیہ کے ایک مسیحی عارف نے بھی خط لکھ کر قیصر کے خیال کی تائید کی، مقوقس شاہ مصر کے دربار میں جو قاصد نبوی خط لیکر گیا تھا، وہ بھی یہ جواب لایا کہ ہاں ہم کو بھی یقین تھا کہ ایک پیغمبر آنے والا ہے لیکن خیال تھا کہ وہ شام میں پیدا ہوگا، حبش کے عیسائی بادشاہ نے لکھا کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ سچے پیغمبر ہیں[2]، یاد ہوگا کہ یمن کے شہر نجران سے عیسائیوں کا ایک وفد حاضر خدمت ہوا تھا، اور فیصلہ حق کے لئے یہ قرار پایا تھا کہ دونوں فریق مباہلہ کریں، لیکن وفد کے سمجھدار عیسائیوں نے وفد کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں مباہلہ سے منع کیا، اور کہا کہ خدا کی قسم اگر یہ سچے پیغمبر ہیں تو ہم ہمیشہ کے لیے تباہ ہو جائینگے[3]، اس سے معلوم ہوا کہ ان کو بھی پیغمبر کی آمد کا گمان تھا، اسلام سے پہلے زید ایک عرب موحد تلاش حق میں مدتوں سے سرگرداں رہے، وہ پہلے یثرب (مدینہ کا پہلا نام) گئے، دیکھا تو وہاں کے یہودی بھی توحید کامل پر قائم نہ تھے یہاں سے نکل کر خیبر کے یہودیوں کے پاس گئے، اور ان کا بھی یہی حال پایا، وہاں سے شام کے عیسائیوں

[1] صحیح بخاری کیف کان بدء الوحی [2] سیرۃ نبوی جلد اول [3] سیرۃ نبوی جلد دوم

میں گئے، دیکھا کہ وہ بھی مشرک ہیں۔ آخر شام کے ایک راہب نے کہا کہ اگر تمھیں دینِ حق کی تلاش ہے تو عراق جاؤ، وہاں ایک بزرگ ہیں، زید جب ان کے پاس پہنچے اور سوال وا کیا تو دریافت کیا کہ تم کہاں سے آتے ہو، زید نے کہا حرم مکہ سے، ان بزرگ نے کہا جاؤ تم اپنے وطن کو لوٹ جاؤ، دینِ حق کا وہیں ظہور ہونے والا ہے، وہ لوٹ کر مکہ آئے، لیکن اسلام سے پہلے ان کی وفات ہو گئی[1]، ورقہ بن نوفل کا واقعہ تم سیرۃ جلد اول میں پڑھ چکے ہو کہ وہ جاہلیت میں عیسائی ہو گئے تھے، بعثت کے پہلے ہی روز جب حضرت خدیجہؓ آپ کو لے کر ورقہ کے پاس گئی ہیں تو ورقہ نے آپ کی نبوت کی تصدیق کی اور آرزو ظاہر کی کہ کاش میں آپ کی ہجرت تک رہتا، تو آپ کی مدد کرتا، اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ عیسائیوں کو آنے والے پیغمبر کا اس وقت انتظار تھا،

ابن سعد، ابن اسحٰق، مسند احمد، تاریخ بخاری، مستدرک حاکم، دلائل بیہقی، معجم طبرانی، دلائل ابو نعیم وغیرہ میں متعدد روایتیں ایسی ہیں جن سے مجموعی طور سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور سے پہلے مدینہ کے یہودیوں میں بھی ایک آنے والے پیغمبر کے جلد ظاہر ہونے کے چرچے رہا کرتے تھے اور ان ہی سے سن سن کر اوس و خزرج کے کانوں میں پیغمبر کی بعثت کی خبر پڑی ہوئی تھی، اور اکثروں کے لیے یہ خبر ہدایت کا باعث بنی چنانچہ ابن سعد کے علاوہ دیگر کتب مذکورہ میں ایک نوجوان انصاری کا واقعہ بسند صحیح مذکور ہے، وہ کہتے ہیں کہ میں چھوٹا تھا، تو مدینہ میں ایک یہودی واعظ تھا اثنائے وعظ میں اس نے

[1] مسند البزار،

ایک پیغمبر کے ظہور کی بشارت دی، لوگوں نے پوچھا کہ وہ کب تک ظاہر ہوگا، اُس نے ان انصاری کی طرف جو اس مجمع میں سب سے چھوٹے تھے، اشارہ کرکے کہا کہ اگر یہ لڑکا جیتا رہا تو وہ اس کا زمانہ پائے گا"۔ انس بن مالک سے روایت ہے کہ ایک یہودی کا لڑکا آپ کی خدمت میں رہا کرتا تھا۔ اتفاق سے وہ بیمار پڑا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کی عیادت کو گئے اور اُس کے باپ سے پوچھا کہ کیا میرا ذکر تم توراۃ میں پاتے ہو؟ اُس نے کہا نہیں"، لڑکے نے فوراً جواب دیا، ہاں یارسول اللہ آپ کا ذکر ہم نے توراۃ میں پڑھا ہے"، اور یہ کہکر اُس نے کلمہ پڑھا اور مسلمان ہوگیا[1]۔ عربوں اور یہودیوں میں جب لڑائی ہوتی تو یہودی کہا کرتے تھے کہ ایک پیغمبر آنے والے ہیں، اُن کے عہد میں ہم کو کامل فتح ہوگی، قرآن مجید نے ان کے اسی عقیدہ کو دہراکر ان کے عدم اسلام پر ملامت کی ہے،

وَكَانُوا مِن قَبْلُ يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى	اس سے پہلے کافروں پر اسی آنے والے پیغمبر
الَّذِينَ كَفَرُوا فَلَمَّا جَاءَهُم	کا نام لے کر فتح چاہا کرتے تھے پس جب وہ
مَّا عَرَفُوا كَفَرُوا بِهِ فَلَعْنَةُ اللَّهِ	سامنے آگئی جس کو انھوں نے پہچان لیا تو
عَلَى الْكَافِرِينَ (بقر ع-۱۱)	انکار کر دیا، کافروں پر خدا کی لعنت ہو،

قرآن مجید نے اس کے علاوہ اور بھی متعدد مقامات پر یہودیوں کو اُن کے اس سابق یقین کے خلاف ان کے موجودہ اظہار کفر پر اُن کی سرزنش کی ہے،

---

[1] بیہقی باسناد صحیح مگر یہ روایت صحیح بخاری (کتاب الجنائز) سے کسی قدر مختلف ہے، صحیح بخاری میں ہے کہ وہ لڑکا اپنے باپ کے مشورہ سے مسلمان ہوگیا،

اِنَّ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ لَیَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ (بقرہ ۲)	جنکو کتاب پہلے دیجا چکی ہے وہ یقیناً (ان نشانیوں کی بنا پر جو اس کتاب میں مذکور ہیں) جانتے ہیں کہ یہ حق ہے ان کے پروردگار کی طرف سے نازل ہوا ہے۔
اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْکِتٰبَ یَعْرِفُوْنَهٗ کَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ وَاِنَّ فَرِیْقًا مِّنْهُمْ لَیَکْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَهُمْ یَعْلَمُوْنَ (بقرہ ۲ - ۱۷)	جنکو ہم پہلے کتاب دے چکے ہیں، اسلام کی صداقت کو اسی طرح جانتے ہیں جس طرح وہ اپنے بیٹوں کو جانتے ہیں لیکن ان میں سے ایک فریق جان کر حق کو چھپاتا ہے۔
اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْکِتٰبَ یَعْرِفُوْنَهٗ کَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ (انعام ۲)	جنکو ہم پہلے کتاب دے چکے ہیں وہ اسکو اسیطرح پہچانتے ہیں جس طرح وہ اپنے بیٹوں کو۔

یہ ان ہی بشارتوں اور پیشینگوئیوں کا اثر تھا کہ علماے یہود آنے والے نبی کے متعلق توراۃ کی بیان کردہ مختلف علامات اور نشانیوں کو اپنے ذہن میں رکھ کر حاضر خدمت ہوتے تھے، اور سوالات کرتے تھے، اور آپ کا امتحان لیتے تھے، اور جب ان کی تشفی ہو جاتی تھی تو وہ مسلمان ہو جاتے تھے۔

نجاشی کے دربار میں جب حضرت جعفر طیارؓ نے اسلام پر تقریر کی اور سورۂ مریم کی آیتیں پڑھکر سنائیں تو نجاشی پر رقت طاری ہو گئی، اور اس کی دونوں آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ اور کہا "خدا کی قسم یہ کلام اور انجیل دونوں ایک ہی چراغ کے پرتو ہیں"۔ اور

اس کے بعد حضرت عیسیٰؑ کی نسبت اسلام کا جو عقیدہ سنا تو نجاشی نے زمین سے ایک تنکا اٹھا کر کہا واللہ جو تم نے کہا عیسیٰؑ اس تنکے کے برابر بھی اس سے زیادہ نہیں۔"[1]

کفارِ عرب کو مخاطب کر کے قرآن مجید نے کہا کہ اس کی صداقت کی دلیل یہ ہے کہ علمائے بنی اسرائیل اس کی سچائی کی گواہی دیتے ہیں:

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كَانَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَكَفَرْتُمْ بِهٖ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى مِثْلِهٖ فَاٰمَنَ وَاسْتَكْبَرْتُمْ (احقاف - ۱)	اے پیغمبر! ان سے کہو کہ غور کرو، اگر یہ قرآن خدا کیطرف سے ہو اور تم اس سے منکر ہو اور بنی اسرائیل میں سے ایک گواہ نے اس طرح کی ایک کتاب پر اس کے ہونے کی گواہی بھی دی اور ایمان بھی لایا اور تم سرکش بنے رہو تو ایسی صورت میں تمہارا کیا انجام ہوگا،
اَوَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ اٰيَةً اَنْ يَّعْلَمَهٗ عُلَمٰٓؤُا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ (شعرا - ۱۱)	کیا ان کفار کو یہ نشانی کافی نہیں ہے کہ اس کو علمائے بنی اسرائیل جانتے ہیں،

[1] مسند ابن حنبل جلد ۱ ص ۲۰۲

خصائصِ محمدیؐ

خصائص وہ امور ہیں جو کسی کی ذات کے ساتھ خاص ہوں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت سی چیزیں ایسی دی گئی تھیں، جو اوروں کو نہیں ملی تھیں، یہ خصائصِ محمدی دو قسم کے ہیں، ایک وہ جو صرف آپؐ کے لیے تھے، اور آپؐ کی امت میں سے کسی اور کے لیے نہ تھے، دوسرے وہ جو صرف آپؐ کو عطا ہوئے اور دوسرے انبیاء علیہم السلام کو مرحمت نہیں ہوئے، غرض پہلی خصوصیتیں امت کے مقابلہ میں اور دوسری انبیاء علیہم السلام کے مقابلہ میں تھیں ہم نے پہلے کا نام "خصائصِ ذاتی" اور دوسرے کا "خصائصِ نبوی" رکھا ہے۔

ارباب سیر نے ان خصائص کی توسیع اور کثرت کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت کا بڑا معیار قرار دیا ہے، کہ اس سے بارگاہ الٰہی میں آپ کی خصوصیت ثابت ہوتی ہے، چنانچہ انھوں نے معمولی معمولی سی باتوں کو خصوصیات میں شمار کر کے خصائص نبوی کا ایک بڑا انبار لگا دیا ہے، مثلاً حافظ ابو سعید نیشاپوری نے شرف المصطفیٰ میں آپ کے خصائص کی تعداد ساٹھ لکھی ہے، حافظ سیوطی نے خصائص کبریٰ میں اس پر پیکڑوں کا

اور اضافہ کیا ہے حالانکہ ان میں اکثر کا ماخذ، تاویل، بعید، نکتہ آفرینی۔ اور ضعف روایتیں ہیں
بعض ایسی باتیں بھی خصائص میں شمار کر لی گئی ہیں، جو گو عام افرادِ امت کے لیے نہیں لیکن امراء
اور خلفائے اسلام کا اُن سے اتصاف یا تعلق جائز ہے،

محدثین نے خصائصِ ذاتی کو یہ وسعت دی ہے کہ انھوں نے یہ اصول بنا لیا ہے کہ
حدیث قولی اور عملی میں اگر تصادم ہو تو حدیثِ قولی کو حدیثِ عملی پر ترجیح ہوگی یعنی اگر ایک امر
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قول سے ثابت ہو اور اس کے مخالف دوسرا امر آپ کے عمل سے ظاہر
ہوتا ہے، تو عام امت کو آپ کے ذاتی عمل کی تقلید کے مقابلہ میں آپ کے قول کی تعمیل کرنی چاہیے
کیونکہ ممکن ہے کہ وہ عمل محض آپ کے لیے مخصوص، اور آپ کے خصائص ذاتی میں ہو لیکن
ظاہر ہے کہ انبیاء علیہم السلام دنیا میں اپنی امت کے لیے نمونہ اور عملی مثال ہی بن کر
آتے ہیں، خصوصاً حضرت مقتدائے اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے ان کے متعلق فرمانِ الٰہی
نے اعلان کر دیا ہے

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ — اور تمہارے لیے (اے مسلمانو!) رسول اللہ
اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (احزاب) — میں بہترین اقتدا ہے

تو جب آپ مقتدائے عالم اور امام اعظم بن کر آئے اور تمام لوگوں کو آپ کی تقلید اور
پیروی کا حکم دیا گیا تو ایسی حالت میں آپ کا ہر فعل ہمارے لیے قابلِ تقلید اور لائق پیروی ہے
بے شبہ بعض امور ایسے بھی ہو سکتے ہیں، جو بحیثیت پیغمبر آپ کی ذات کے ساتھ مخصوص ہوں
لیکن ضرورت ہے کہ دفعِ التباس اور رفعِ شک کے لیے ان تمام مخصوص امور

کے متعلق ساتھ ساتھ یہ اعلان عام بھی کر دیا جائے کہ یہ مخصوصاتِ نبوی ہیں، اور یہ عام امت کے لیے نہیں ہیں، اس بنا پر اس کے تسلیم کر لینے سے چارہ نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جس قدر خصائص ذاتی تھے، شریعت نے اُن کو بر ملا واضح کر دیا ہے، اور بتا دیا ہے کہ یہ صرف آپ کے ساتھ مخصوص ہیں، اس لیے جن امور کے متعلق یہ تصریح موجود نہیں کہ یہ مخصوصاتِ نبوی میں ہیں، اُن کو ہرگز خصائص کے باب میں جگہ نہیں دی جا سکتی، اور اس طرح یہ معلوم ہو گا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جو خصائص ذاتی ہیں، وہ چند محدود امور ہیں، اور کتاب و سنت نے ان کا مخصوص ہونا عالم آشکارا کر دیا ہے،

خصائصِ ذاتی

نبوت اور لوازمِ نبوت سب سے پہلی چیز جو آپ کی ذاتِ مبارک کے ساتھ مخصوص تھی، اور جس کا کوئی حصہ افرادِ امت کو نہیں ملا، وہ نبوت اور اُس کے لوازم وحی، تشریع، اخبارِ الٰہی، نزولِ جبرئیل، نسخِ احکام وغیرہ ہیں یعنی آپ کے سوا نہ تو کسی فردِ امت پر کوئی وحی آئی اور نہ آسکتی ہے، نہ کسی کو کوئی شریعت لانے اور نئے مذہبی قانون وضع کرنے کا اختیار ہے، نہ وہ بے گناہ اور معصوم ہے، نہ اللہ تعالیٰ سے سن کر وہ خبر دے سکتا ہے، نہ اُس کے پاس قاصدِ الٰہی آسکتا ہے، وہ نہ احکامِ شرعی کو منسوخ کر سکتا ہے وغیرہ، صرف دو چیزیں ایسی ہیں جو افرادِ امت کے لیے باقی ہیں، اور وہ رویائے صادقہ اور کشف والہام ہیں،

امور متعلقہ بہ نکاح امورِ نکاح میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے چند امور مخصوص کر دیے گئے ہیں، جن کی رخصت عام امت کے لیے نہیں،

۱۔ عام مسلمان بشرطِ عدل صرف چار بیویاں ایک وقت میں رکھ سکتے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چار سے زیادہ رکھ سکتے تھے،

۲۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اس کی رخصت تھی کہ اگر کوئی عورت اپنی خوشی سے بغیر کسی عوض کے آپ کی زوجیت میں آنا چاہتی اور آپ اُس کو قبول کرنا چاہتے تو کر سکتے تھے، گو

ایسا واقع نہیں ہوا، لیکن افرادِ امت کے لیے بغیر نکاح ممکن بھی نہیں،

یہ دو رخصتیں تھیں لیکن اُن کے مقابلہ میں اس باب میں آپ پر کچھ قیدیں بھی تھیں جو عام افرادِ امت پر نہیں،

۳۔ آپ پر وہی عورتیں حلال تھیں جن کو ادائے مہر یا سپردِ مہر کے آپ اپنی زوجیت میں اب تک لے چکے تھے، اور رشتہ کی بہنوں میں سے صرف وہی عورتیں آپ کی زوجیت میں رہ سکتی تھیں جنھوں نے آپ کے ساتھ ہجرت کی تھی، عام مسلمانوں پر قید نہ تھی،

۴۔ عام مسلمان اہل کتاب کی عورتوں سے جنھوں نے گو اسلام نہ قبول کیا ہو نکاح کر سکتے تھے اور کر سکتے ہیں، مگر آپ کو اس کی اجازت نہ تھی،

۵۔ جو بیویاں آپ کے پاس تھیں اُن میں سے اب کسی کو نہ آپ طلاق دے سکتے تھے اور نہ ان کے بعد آپ اور کسی سے اب نکاح کر سکتے تھے،

۶۔ آپ کو اختیار دے دیا گیا تھا کہ ان بیویوں سے چند کو اپنے قریب کر لیں اور باقی کو پیچھے کر دیں، چنانچہ آپ نے چار کو یعنی حضرت عائشہؓ، حفصہؓ، زینبؓ اور ام سلمہؓ کو پاس رکھ لیا تھا، اور بقیہ کو شرف زوجیت بخشنے کے ساتھ اپنے سے علیحدہ رکھا تھا۔ اور ان میں آپ ردوبدل بھی کر سکتے تھے،

۷۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں کو آپ کی وفات کے بعد کسی دوسرے کے نکاح میں جانے کی اجازت نہ تھی،

وَلَا أَنْ تَنْكِحُوا أَزْوَاجَهُ مِنْ بَعْدِهِ ۔ اور نہ یہ مناسب ہے کہ اپنے پیغمبر کی بیویوں سے

اَبَدًا (احزاب) اُن کے بعد کبھی نکاح کرو

یہ تمام احکام سورۂ احزاب میں بتصریح تمام مذکور ہیں، اور ان کے خاص وجوہ و مصالح ہیں، اصل یہ ہے کہ عرب میں نکاح کی تعداد متعین نہ تھی. بلکہ بنی اسرائیل میں بھی اس کی تحدید نہ تھی، تورات میں ایسے انبیاء اور بزرگوں کے نام بھی ہیں، جن کی متعدد بلکہ سیکڑوں بیویاں تھیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پورے عہد شباب میں یعنی ۲۵ سال سے ۵۰ برس کی عمر تک صرف ایک بی بی (حضرت خدیجہؓ) پر کفایت کی. حضرت خدیجہؓ کے بعد ایک ساتھ دو نکاح کیے. حضرت سودہؓ سے جو کبیر السن تھیں، اور حضرت عائشہؓ سے جو صرف ۶ برس کی تھیں، اتنی چھوٹی لڑکی سے نکاح ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ صرف دو خاندانوں میں محبت اور یکجہتی کی ترقی ہی کے لیے ہو سکتا تھا، مدینہ آکر آپ نے چند نکاح کیے، ان نکاحوں پر ایک عمیق نظر ڈالنے سے یہ خود بخود ظاہر ہو جاتا ہے کہ ان میں دو قسم کی عورتیں تھیں، ایک وہ جو رؤسائے قبائل کی لڑکیاں تھیں، اور جن سے نکاح کا مقصد اسلام کی بہتری کے لیے تعلقات کی توسیع اور اضافہ تھا حضرت عائشہؓ صدیق اکبرؓ کی اور حضرت حفصہؓ فاروق اعظمؓ کی صاحبزادی تھیں، حضرت ام حبیبہؓ ابوسفیان رئیس بنی امیہ کی بیٹی تھیں حضرت جویریہؓ قبیلہ بنی المصطلق کی رئیسہ تھیں، حضرت صفیہؓ رئیس خیبر کی دختر تھیں.

ازواجِ مطہرات میں دوسری وہ بیوہ عورتیں تھیں جن کا سن زیادہ تھا، اور گویا اس طرح اُن کی کفالت کا بار آپ نے اٹھایا تھا، چنانچہ حضرت سودہؓ، حضرت ام سلمہؓ، حضرت میمونہؓ حضرت زینبؓ ام المساکین، یہ سب بیوائیں تھیں، ایک اور بیوی حضرت زینب بنت جحش

تھیں، جو گو بیوہ نہ تھیں، لیکن مطلقہ تھیں۔ اُن کے شوہر نے ان کو طلاق دیدی تھی۔ اس تفصیل سے آپ کی کثرتِ ازواج کے اسباب منکشف ہوئے ہوں گے،

اس کی تصریح نہیں ملتی کہ سورۂ احزاب میں یہ مخصوص احکام کب نازل ہوئے۔ لیکن اس بنا پر کہ آپ نے آخری سے آخری نکاح حضرت میمونہؓ سے ۷ھ میں ادائے عمرہ کے زمانہ میں کیا ہے، اور اس کے بعد[1] آپ کا کوئی نکاح ثابت نہیں، اس لیے ان احکام کے نزول کی تاریخ اسی ۷ھ کو قرار دیا جا سکتا ہے کہ ۷ھ میں اسلام کی طاقت اپنے کمال کو پہنچ گئی تھی، اور خیبر، طائف اور مکہ معظمہ فتح ہو چکا تھا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان تعلقات کے ذریعہ سے کسی نئے قبیلہ کو مطیع کرنے کی ضرورت نہ تھی، اور غریب سن رسیدہ مسلمان بیواؤں کی کفالت کی حاجت تھی،

اس تمہید کے بعد یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ اسلام نے ازواج مطہراتؓ کو وقار نبوت کے برقرار رکھنے اور ان کو تمام تر احکام اسلامی کے نشر و اشاعت میں مصروف رہنے کا حکم دے کر ان کا آئندہ نکاح ناجائز قرار دیا، اور اُن کو تمام مسلمانوں کی ماؤں کا رتبہ دیا، وَاَزْوَاجُهٗٓ اُمَّهٰتُهُمْ (سورۂ احزاب) اب ایسی حالت میں چار سے زیادہ نکاح کرنے کی ممانعت کا حکم نازل ہوتا ہے، اب جناب رسالت مآبؐ کے لیے اس کے سوا چارہ کار کیا ہوتا کہ وہ اپنی موجودہ بیویوں پر محدود رہیں کہ اگر اُن میں سے کچھ کو طلاق دیدی جائے تو چونکہ وہ دوسرے مسلمانوں کے نکاح میں نہیں آ سکتیں، اس لیے یہ ان پر صریح ظلم ہوتا۔ بنا بریں

[1] طبقات ابن سعد، جزء ثمانی، ص ۹۴

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو موجودہ بیویوں کو آپ کی زوجیت میں رکھنے کی اجازت ہوتی ہے، اور طلاق کی رخصت آپ سے سلب کر لیجاتی ہے، اور اُن محدود ازواج میں سے بھی جنہ کو قریب رکھنے اور بقیہ کو شرفِ زوجیت کے ساتھ علیحدگی (ارجاء) کا حکم دیا جاتا ہے: اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چار کو یعنی حضرت عائشہؓ، حفصہؓ، ام سلمہؓ، زینبؓ کو اختیار کرتے ہیں۔ اور حضرت سودہؓ، حضرت جویریہؓ، حضرت میمونہؓ، اور حضرت ام حبیبہؓ سے ارجاء کرتے ہیں[1]،

کتابیہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس لیے نکاح کی اجازت نہیں دی گئی کہ نبوت محمدیؐ پر ایمان نہ ہونے کی وجہ سے امور دین میں اس پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا تھا، اور نہ اس کو محرم راز ہونے کا شرف بخشا جا سکتا تھا۔

نماز شبانہ شروع میں جب نماز پنجگانہ کے احکام نازل نہیں ہوئے تھے مسلمانوں پر رات کی نماز (تہجد) فرض تھی، اس کے بعد معراج میں جب پانچ وقت کی نماز فرض ہو گئی تو تہجد کی نماز عام امت پر فرض نہیں رہی، بلکہ صرف مستحب رہ گئی، لیکن خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے یہ نماز شبانہ فرض مؤکد کے طور پر باقی رہی، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پوری پابندی کیساتھ اس کو ادا کرتے تھے، یہی وہ نماز تھی جس میں دیر تک کھڑے رہنے سے پاؤں مبارک سوج جاتے تھے۔ سورۂ بنی اسرائیل جو معراج کی سورہ ہے، اس میں نماز پنجگانہ کے بعد ارشاد ہوتا ہے:

وَمِنَ اللَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً	اور رات کے کچھ حصہ میں بیدار ہو کر نماز پڑھ
لَّكَ عَسٰى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ	یہ تیرے لیے مزید ہے، قریب ہے کہ تیرا رب تجھ کو

[1] تفسیر ابن جریر طبری تفسیر سورۂ احزاب جلد ۲۲ ص ۱۶ مصر،

مَقَامًا مَّحْمُودًا (بنی اسرائیل ۸۰) تجھ کو مقام محمود (مرتبۂ شفاعت) میں اٹھائے،

نماز چاشت اور قربانی اسی طرح چاشت کے وقت کی نماز عام مسلمانوں کے لیے نفل ہے، مگر آنحضرت ﷺ میں یہ ہے کہ یہ نماز آپ پر بمنزلۂ فرض کے تھی، اور اسی کے ساتھ قربانی کا حکم بھی، غالباً یہ دونوں سورۂ کوثر کی تفسیر میں ہیں،

إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ، فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ (کوثر) (اے پیغمبر! ہم نے تجھ کو کوثر عطا کیا، تو (اسکے شکریہ میں) اپنے رب کی نماز (چاشت) پڑھ اور قربانی کر)

مگر یہ بطریق صحاح مذکور نہیں، اسی لیے ہمیں ان کو خصائص نبوی میں شمار کرنے میں اب بھی تامل ہے،

عصر کے بعد نماز دوگانہ عام امت کے لیے نماز عصر کے بعد سے غروب تک نماز پڑھنا ممنوع ہے، مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آخر میں بعض ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن نے عصر کے بعد نماز پڑھتے دیکھا، دریافت کیا تو فرمایا کہ ایک وفد کی ملاقات میں ظہر کے بعد کی دو رکعتیں مجھ سے رہ گئی تھیں، یہ میں اب قضا پڑھتا ہوں[1]، عام امت کے لیے تو اس کی قضا واجب بھی نہ تھی، اگر ہوتی بھی تو ایک دفعہ قضا پڑھ لینا کافی تھا، مگر آپ نے اپنے لیے ایک نماز سنت کے ترک عمد کی تلافی کی شاید آخر عمر تک کو مشق کرتے رہے،

صوم وصال یعنی کئی کئی دن کا متصل افطار کیے بغیر روزہ رکھنا عام امت کے لیے ممنوع ہے، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کئی کئی دن کا روزہ رکھتے تھے، اور بیچ میں افطار کے وقت کچھ

[1] مجمع الخصائص کبریٰ سیوطی جلد دوم طبع حیدرآباد [2] ابوداؤد ترمذی باب الصلوٰۃ بعد العصر

کھاتے پیتے نہ تھے بعض صحابہؓ نے آپ کی پیروی میں اس طرح کا روزہ رکھنا چاہا تو آپ نے روک دیا، اور فرمایا "تم میں کون میری طرح ہے، مجھ کو تو میرا پروردگار کھلاتا اور سیراب کرتا ہے"[1]

صدقہ وزکوٰۃ کھانے کی حرمت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل بیت پر کئی کئی دن کے فاقے گذر جاتے تھے، عام مسلمان غربت اور تنگدستی کی حالت میں اس سرمایہ سے فائدہ اٹھاتے تھے، مگر آپ نے اپنے اور اپنے خاندان کے لیے اس مد کی ہر شے حرام کر دی اور کبھی صدقہ کا مال ذاتی صرف میں لانا گوارا نہ فرمایا، یہاں تک کہ اگر حسنین علیہما السلام لڑکپن کے اقتضا سے صدقہ وزکوٰۃ کی کوئی کھجور بھی اپنے منہ میں ڈال لیتے تھے تو آپ اگلوا دیتے تھے[2] اور فرمایا کرتے تھے کہ یہ لوگوں کے مال وہ دولت کا میل ہے، اس کا لینا اہل بیت نبوت کو روا نہیں[3] چنانچہ سادات کے لیے قیامت تک اس قسم کے صدقات کا لینا جائز نہیں، آپ کے پاس جب کوئی ناواقف شخص کوئی چیز لے کر آتا تھا کہ اس کو آپ کی خدمت میں پیش کرے تو آپ دریافت فرما لیا کرتے تھے کہ یہ صدقہ ہے یا تحفہ؟ اگر تحفہ کہتا قبول فرماتے، اور اگر معلوم ہوتا کہ صدقہ ہے تو اجتناب فرماتے[4] اس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مخالفین کی اس بدگمانی کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ کر دیا کہ پیغمبر اسلام کی صدقہ وخیرات کی اس تاکید کا مقصد (نعوذ باللہ) اپنی اور اپنے خاندان کی دائمی پرورش کا سامان تھا

---

[1] صحیح بخاری کتاب الاعتصام [2] صحیح بخاری ومسلم کتاب الزکوٰۃ [3] صحیح مسلم کتاب الزکوٰۃ [4] صحیح مسلم کتاب الزکوٰۃ وصحیح بخاری کتاب الہدایا۔

خصائصِ نبوی

دیگر انبیاءؑ کے مقابلہ میں جس قدر خصائص آپؐ کو عطا ہوئے ہیں وہ متعدد معتبر حدیثوں میں مختلف تعداد وں میں نام بنام جو زبان اقدس سے ادا ہوئے ہیں صحیحین میں حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ آپؐ نے فرمایا مجھے پانچ چیزیں ایسی دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی پیغمبر کو نہیں دی گئیں مجھے رعب اور دہاک کے ذریعہ سے فتح و نصرت دی گئی، میرے لیے تمام روئے زمین مسجد بنائی گئی، غنیمت کا مال میرے لیے حلال کیا گیا، اور مجھ سے پہلے کسی پیغمبر کے لیے حلال نہ تھا۔ مجھے شفاعت کا مرتبہ عنایت ہوا۔ مجھ سے پہلے انبیاء خاص اپنی اپنی قوموں کی طرف مبعوث ہوتے تھے، اور میں تمام دنیا کے لیے مبعوث ہوا۔ صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی جو باتیں گنائی ہیں، مجھے جوامع الکلم عنایت ہوئے، رعب و داب سے نصرت دی گئی، مالِ غنیمت میرے لیے حلال کیا گیا، تمام روئے زمین میرے لیے مسجد بنی، میری بعثت تمام دنیا کی طرف ہوئی۔ انبیاءؑ کا سلسلہ میری ذات پر ختم ہوا۔

احادیث کی دیگر روایتوں میں بعض اور خصائص بھی زبان اقدس سے بیان ہوئے ہیں،

ے صحیح بخاری کتاب الصلوٰۃ باب جعلت لی الارض کلہا مسجداً و کتاب التیمم و صحیح مسلم باب المساجد و نسائی باب التیمم ۲ صحیح مسلم باب المساجد، ترمذی کتاب السیر و نسائی،

مثلاً یہ کہ میرا معجزۂ وحی قیامت تک کے لیے ہے، میرے پیرو تمام انبیاء سے زیادہ ہیں، میری نبوت عالمین ہے، مجھ کو فلاں فلاں سورتیں دی گئیں جو کسی اور کو نہیں ملیں۔ فلاں فلاں وقت کی نمازیں خاص میری امت کے لیے فرض ہوئیں، مگر حقیقت میں ان میں بعض جزئیات ایسی ہیں جو ان ہی چھ عنوانوں کے تحت میں کسی نہ کسی حیثیت سے مندرج ہیں، سورتوں کی خصوصیت جوامع الکلم میں داخل ہے، بعض نمازوں کے اوقات کا اضافہ ختم نبوت کے مدارج کے اندر ہے، قرآن مجید میں آپ کی دو خصوصیتیں مذکور ہوئی ہیں، وہ ان سب کو جامع ہیں یعنی تکمیلِ دین اور ختمِ نبوت، بہرحال اجمال کو چھوڑ کر ذیل میں ہم کو نمایاں خصوصیات پر قرآن پاک اور احادیث صحیحہ کی روشنی میں ایک تفصیلی نظر ڈالنا ہے۔

رعب و نصرت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جو انبیاء دنیا میں آئے وہ دو قسم کے تھے، یا وہ بظاہر کمزور اور بے یار و مددگار تھے، اور ان کو دنیاوی طاقت کا کوئی حصہ عطا نہیں ہوا تھا، پیغمبروں کی بڑی تعداد ایسی ہی تھی، دوسرے وہ انبیاء ہیں جن کو دنیا کی ظاہری طاقت بھی ملی تھی اور وہ صرف چند ہیں، حضرت موسیٰؑ، حضرت داؤدؑ اور حضرت سلیمانؑ۔ مگر ان میں سے کسی کو بھی نام نامی کے رعب اور ہیبت کا انعام عطا نہیں ہوا، اور تاریخ اس بیان پر شاہد ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا آغاز گو ایوبی بیچارگی، اور مسیحی غربت سے ہوا، مگر انجام موسوی طاقت، داؤدی سلطنت اور سلیمانی شان و شکوہ پر ہوا، اور ان سب سے بالاتر یہ تھا کہ آپ کی تمام قوت، طاقت، رعب و ہیبت سب خدا کی راہ میں صرف ہوئی، اس سے گم گشتوں نے راستہ پایا، بھولوں نے یاد کیا، سننے والوں نے آواز دی، اور یہ ثمر پیدا ہوا کہ آپ جس راستہ

سے نکل جاتے، گنہگار اور مجرم سر اطاعت خم کر دیتے اور اپنی سیہ کاریوں پر ندامت کا اظہار کرتے تھے

متعدد حدیثوں میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ "مجھے فتح و نصرت، رعب ہیبت کے ذریعہ بخشی گئی میرا تک کہ میری دھاک ایک مہینہ کی مسافت تک پر کام کرتی ہے"[1] علامہ ابن خلدون نے مقدمہ میں فنونِ جنگ پر بحث کرتے ہوئے نہایت خوبی سے بتایا ہے کہ لڑائیوں میں کسی ایک فریق کو جو فتح ہوتی ہے، وہ اکثر وقت ہوتی ہے جب دوسرے فریق پر پہلے کی خداداد مرعوبیت چھا جاتی ہے،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم گرامی کو یہ شرف اس لیے عطا ہوا تاکہ مزید خونریزی کے بغیر ملک میں امن و امان اور سکون و اطمینان پیدا ہو جائے اور صراطِ حق کے لیے راستہ صاف ہو قرآن مجید میں بھی اللہ تعالیٰ نے اس وصف کے عطا کرنے کا وعدہ فرمایا تھا۔

سَأُلْقِي فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا الرُّعْبَ (انفال)	عنقریب کافروں کے دلوں میں رعب ڈال دوں گا۔

چنانچہ یہ وعدہ پورا ہوا اور قرآن نے شہادت دی:

فَقَذَفَ فِي قُلُوبِهِمُ الرُّعْبَ (احزاب و حشر)	اور خدا نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا۔

چنانچہ بڑے بڑے دل گردہ کے بہادر زہر میں تلواریں بجھا بجھا کر لائے مگر جب روئے روشن پر نظر پڑی، کانپ کر رہ گئے، بڑے بڑے سرکش قبائل آپ کا نام سن کر دم بخود ہو جاتے تھے۔ مدینہ کے آس پاس کے یہود جو بڑے بڑے قلعوں میں بیٹھ کر فرمانروائی کرتے تھے اور جن کو

[1] صحیح بخاری و مسلم عن ابی ہریرہ و احمد و ابن ابی شیبہ و بیہقی و بزار عن علی

اپنی فوجی قوت اور جنگی سامانوں پر ناز تھا. جب انھوں نے سرتابی کی. بے لڑے بھڑے آپ کے سامنے اطاعت کی گردن ڈال دی. خیبر کے قلعہ نشین یہود جو سب سے زیادہ مضبوط تھے، جب ایک صبح کو ان کے قلعوں کے سامنے دفعتہً گوکبۂ اسلام طلوع ہوا تو اُن کے منہ سے چیخ نکل گئی کہ "محمد کا لشکر"!! ابوسفیان جو بارہا ایک فریق مقابل کی حیثیت سے میدان جنگ میں فوجوں کے پے لگاتا رہا، فتح مکہ کے دن جب حضرت عباسؓ اس کو لے کر اسلام کے موجزن دریاے الٰہی کا نظارہ دکھا رہے تھے. اور رنگ برنگ کے علم نگاہوں کے سامنے سے گذر رہے تھے، تو ہر نئے دستہ اور نئے علم کو دیکھ کر کانپ کانپ جاتا تھا.

باایں ہمہ اس مجسمہ ہیبت کا حال کیا تھا، ناآشنا ڈرتے تھے اور وہ ان کو تسکین دیتا تھا. بے خواص سے رعب کھاتے تھے، اور آگاہ پروانہ تھے کہ

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ — محمد رسول اللہ اور ان کے ساتھی کافروں

اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ — پر بھاری اور آپس میں رحم دل ہیں.

ایک بدوی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، جیسے ہی چہرۂ مبارک پر نظر پڑی، کانپ گیا، فرمایا ڈرو نہیں، میں بادشاہ نہیں ہوں تو ایک قریشی عورت کا بیٹا ہوں جو سوکھا گوشت پکا کر کھایا کرتی تھی[1] حضرت محرمہ صحابیؓ نے اپنے بیٹے مسور سے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زنانخانہ میں ہیں، آپ کو آواز دو. وہ ہچکچانے لگے، باپ نے کہا جان پدر! محمد صلی اللہ علیہ وسلم جبار نہیں[2]" یہ ہیبت، یہ وقار، یہ دبدبہ، یہ رعب، تیغ و سنان کی چمک، فوج و لشکر کے

[1] شمائل ترمذی [2] صحیح بخاری جلد دوم ص ۱۷۸.

تلاطم جلادوں کی صف بندی اور تیغ بکف سپاہیوں کی نمائش سے نہیں پیدا ہوا بلکہ

ہیبت حق است ایں از خلق نیست　　ہیبت ایں مرد صاحب دلق نیست (رومی)

کدہ گاہ عام | اسلام کے علاوہ جس قدر مذاہب ہیں، وہ اپنے مراسم عبادت کے ادا کرنے کے لیے چند گھری ہوئی چار دیواریوں کے محتاج ہیں، گویا ان کا خدا ان ہی کے اندر بستا ہے، یہود اپنے صومعوں اور قربان گاہوں سے باہر نہ خدا کو پکار سکتے ہیں اور نہ قربانی کے نذرانے پیش کر سکتے ہیں عیسائی اپنے کنیسوں کے بغیر خدا کے آگے نہیں جھک سکتے۔ یہاں تک کہ بت پرست ہندو بھی اپنے بتخانوں ہی کی چار دیواریوں کے اندر اپنے دیوتاؤں کو خوش کر سکتے ہیں لیکن اسلام کے عالمگیر مذہب کا خدا اس آب و گل اور سنگ و خشت کی چار دیواریوں میں محدود نہیں۔ وہ ہر جگہ ہے اور ہر جگہ سے پکارا جا سکتا ہے، کوہ و صحرا، خشکی و تری، مسجد و کنشت[1] ہر جگہ اس کے سامنے سجدہ کیا جا سکتا ہے، وہ جس طرح مسجدوں کے اندر ہے، مسجدوں کے باہر بھی ہے، اس کی قربانی مشرق و مغرب ہر جگہ گذرانی جا سکتی ہے،

اَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ　　جدھر منہ پھیرو، اُدھر ہی خدا کا منہ ہے۔ ع

ہر جا کنم سجدہ بآں آستاں رسد

آپ نے فرمایا کہ "میرے لیے تمام روئے زمین سجدہ گاہ بنائی گئی"۔ یہ مسئلہ ہر چند ایک معمولی بات معلوم ہوتی ہے، مگر اس کے اندر وہ صداقت پنہاں ہے جو اسلام کی عالمگیری اور

[1] صحیح بخاری کتاب الصلوٰۃ باب الصلوٰۃ فی البیعۃ ہے کہ حضرت ابن عباسؓ ان گرجاؤں میں جن میں تصویریں نہ ہوتیں نماز پڑھ لیتے [2] صحیح بخاری و مسلم و نسائی و ترمذی باب المساجد۔

اس کے آخری مذہب ہونے کا اعلان عام کرتا ہے۔

پیروؤں کی کثرت دنیا میں لاکھوں پیغمبر آئے، مگر آج دنیا میں ان کی تعلیم و ہدایت کی ایک یادگار باقی نہیں، یہاں تک کہ تاریخ کے اوراق میں بھی ان کا نام و نشان نہیں، وہ انبیاء جن کے صرف حالات معلوم ہیں، ان کی نسبت وہیں یہ بھی معلوم ہے کہ ان کی آواز پر لبیک کہنے والے چند سے آگے نہ بڑھ سکے، حضرت نوحؑ سے لیکر حضرت عیسیٰؑ تک ایک ایک پیغمبر کا کارنامہ دیکھ جاؤ، حضرت موسیٰؑ کے سوا ایک بھی ایسا نہ ملے گا جس کے ماننے والے سو بھی ہوں، حضرت موسیٰؑ کی کوششوں کے جو لانگاہ صرف بنی اسرائیل کے چند ہزار نفوس تھے، جو قدم قدم پر راہ حق سے ہٹ ہٹ جاتے ہیں، کہیں گوسالے کو پوجتے ہیں، کہیں خدا کو ان آنکھوں سے دیکھنے پر اصرار کرتے ہیں، کہیں سرفروشی اور جانبازی سے گھبرا کر میدان جنگ میں جانے سے انکار کر بیٹھتے ہیں، حضرت عیسیٰؑ کے معجزانہ کارنامے صرف اسی قدر اثر دکھلاتے ہیں کہ چند دانائی انسان ان کی شیریں گفتاری کا دم بھرتے ہیں، مگر اس سے پہلے کہ مرغ بانگ دے، ابن آدم کو دشمنوں کے پنجہ میں اسیر کراتے ہیں اور تین دفعہ اس کے پہچاننے سے منکر ہوتے ہیں، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حال ہے کہ مکہ کی گلیوں میں آپ نے تن تنہا بے یار و مددگار مٹھی بھر شیدائیان حق کو صدائے توحید دی، جواب میں ایک آواز بھی بلند نہ ہوئی، لیکن ۱۳ سال نہ گذرنے پائے تھے کہ ریگستان عرب کا ذرہ ذرہ کلمہ لا الٰہ الا اللہ سے پُر نور ہو گیا، اور جب آپ نے اسی مکہ کی سرزمین کے لیے حجۃ الوداع کا اعلان کیا تو کم و بیش ایک لاکھ جان نثار روحانی کارواں کے دائیں بائیں کھڑے تھے۔

صحیح مسلم میں ہے کہ آپ نے فرمایا "جس قدر میری نبوت کی سچائی کا اعتراف کیا گیا، کسی اور پیغمبر کی سچائی کا نہیں کیا گیا کہ بعض انبیاءؑ ایسے بھی ہیں جن کو سچا کہنے والا ان کی امت میں صرف ایک ہی نکلا"[1] صحیحین میں ہے کہ آپ نے فرمایا "ایک دفعہ مجھ پر (عالم مثال میں) قومیں پیش کی گئیں بعض پیغمبر ایسے تھے کہ ان کے پیچھے صرف ایک ہی دو آدمی تھے۔ بعض تنہا ہی تھے، اُن کے ساتھ کوئی بھی نہ تھا۔ اتنے میں ایک بڑی بھیڑ نظر آئی۔ خیال ہوا کہ یہ میری امت ہوگی۔ تو بتلایا گیا کہ یہ موسیٰؑ اور ان کی قوم ہے، پھر کہا گیا کہ دوسرے کنارہ کی طرف دیکھو! تو اتنا سوادِ عظیم نظر آیا کہ اس سے افق چھپ گیا، پھر کہا گیا، اسی طرح ادھر دیکھو، بڑی تعداد کثیر دکھائی دی، کہا گیا کہ یہ سب تیری امت ہے"[2]

دعوت عام محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیروؤں اور حلقہ بگوشوں کی کثرتِ تعداد کی ایک اور سبب یہ ہے کہ آپ سے پہلے جس قدر انبیاء آئے، وہ خاص خاص قوموں اور قبیلوں کی طرف بھیجے گئے۔ ان کی دعوت عام نہ تھی، یہاں تک کہ حضرت عیسیٰؑ نے بھی اپنے کو بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کی گلہ بانی تک محدود رکھا، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت روئے زمین کی ہر قوم اور ہر جنس کی طرف ہوئی۔ کالے، گورے، رومی، حبشی، عرب، عجم ترک، تاتار، چینی، ہندی، سب آپ میں برابر کے حقدار ہیں۔ قرآن نے کہا:

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ (سبا)	اے محمد! ہم نے تم کو تمام ہی انسانوں کے لیے بھیجا ہے۔

[1] صحیح مسلم کتاب الایمان [2] صحیح مسلم کتاب الایمان و بخاری کتاب الطب باب وفاۃ موسیٰ و کتاب الرقاق۔

تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی — بابرکت ہو وہ جس نے اپنے بندہ پر قرآن اتارا

عَبْدِهٖ لِیَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا (فرقان) — تاکہ وہ تمام دنیا کو ہشیار کرے۔

صحیحین میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ "مجھ سے پہلے نبی خاص اپنی قوم میں بھیجا جاتا تھا۔ اور میں تمام دنیا کے لیے بھیجا گیا ہوں"[1] اس معنی کی بکثرت روایتیں حدیث کی دوسری کتابوں میں بھی آئی ہیں۔ اس کی عملی دلیل یہ ہے کہ تمام پیغمبروں کے حالات پڑھ جاؤ، سب کے پیرو اں کو اس کی زندگی میں خود اسی کے قوم وملک کے اندر محدود پاؤ گے، لیکن آپ کے حلقہ بگوشوں میں خود آپ کی زندگی میں عرب کے علاوہ سلمان عجمیؓ، صہیب رومیؓ، بلال حبشیؓ سب کو پاؤ گے، سلاطینِ عالم کے نام آپ کا دعوت نامہ بھی اسی تعمیم دعوت کی مستحکم عملی دلیل ہے۔

جوامع الکلم | دنیا میں سبھی آسمانی صحیفے اب بھی کسی نہ کسی صورت میں موجود ہیں، مگر ان میں ایک کے سوا وصف جامعیت سے سب محروم ہیں۔ توراۃ اقوام کی تاریخ اور احکام وقوانین کا مجموعہ ہے، مختصرہ توحید ورسالت کے سوا تمام بیگیر ضروری عقائد سے اور رسم قربانی کے علاوہ تمام دیگر مسائل عبادات سے اور چند معمولی باتوں کو چھوڑ کر تمام دقائق اخلاق سے یکسر خالی ہے، زبور صرف دعاؤں اور مناجاتوں کا ذخیرہ ہے، سفر ایوبؑ میں صرف عقیدۂ تقدیر رضا کی تعلیم ہے، امثال سلیمان صرف مواعظ وحکم ہیں، دیگر اسفار بنی اسرائیل کے صحیفے صرف توبہ وندامت، پیشینگوئی اور ماتم ہیں، انجیل کا صحیفہ حضرت مسیحؑ کی سرگذشت اور تعلیمات اخلاقی کا مجموعہ ہے لیکن تنہا رسول اللہ کو جو صحیفہ عطا ہوا وہ جوامع الکلم ہے یعنی وہ تمام باتوں کی جامع ہے، وہ توراۃ بھی ہے

[1] بخاری، مسلم کتاب المساجد

زبور بھی اور انجیل بھی، اور کچھ ان سے زیادہ بھی۔ اس لیے آپ نے اپنے خصائص میں یہ ارشاد فرمایا ہے کہ مجھے جوامع الکلم عنایت ہوئے۔ بیہقی میں حضرت واثلہ بن اسقع سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا "مجھے توراۃ کی جگہ سبع طوال (سات بڑی سورتیں) اور زبور کی جگہ مئین (تقریباً سو آیتوں والی سورتیں) انجیل کے قائم مقام مثانی دی گئیں۔ اور مفصلات زیادہ ملیں" ابو نعیم میں یہی روایت ان الفاظ میں ہے کہ مجھے مثانی توراۃ کی جگہ، مئین انجیل کی جگہ، حوامیم زبور کی جگہ اور مفصلات علاوہ بریں ملیں"۔

اس لیے قرآن مجید۔ توراۃ، زبور اور انجیل کو جامع ہے: اور ان کے سوا کچھ اور بھی ہے، وہ تاریخ اقوام بھی ہے، اخلاق و مواعظ بھی ہے، دعا و مناجات بھی ہے۔ اس میں دین کامل کے تمام عقائد ہیں۔ تمام مراسم عبادات ہیں، تمام معاملات کے احکام و قوانین ہیں، اس میں ایک مسلمان کی زندگی کے ہر دور اور ہر شعبہ کے لیے کامل ہدایات اور صحیح تعلیمات

---

(۱) صحیح بخاری کتاب الاعتصام و باب تعبیر و مسلم کتاب المساجد (۲) بحوالہ خصائص کبریٰ جلد ۲ ص ۹۰ (۳) سبع طوال مئین اور مفصلات۔ قرآن مجید کی کئی سورتوں کے مختلف مجموعوں کے نام ہیں، (۴) ابو نعیم عن ابی عباس بحوالہ خصائص سیوطی جلد ۲ ص ۲۲۴، دوسری روایت کے الفاظ پہلے سے زیادہ قرین قیاس ہیں، کیونکہ مثانی اور سبع طوال بہاری تحقیق میں ایک ہی ہیں، اور پہلی روایت میں ان کو دو بتایا گیا ہے، حالانکہ خود قرآن نے سَبْعًا مِنَ الْمَثَانِی (مثانی کی سات سورتیں) کہا ہے، حوامیم دو سورتیں ہیں جن کے شروع میں حٰمٓ ہے، سبعاً من المثانی کی تفصیل میں روایات اور علماء کی تشریحات میں بہت اختلافات ہیں۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ سبعاً من المثانی سورہ فاتحہ کو کہا گیا ہے جس میں سات آیتیں ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

"عمر"

موجود ہیں۔ صرف توراۃ کے اسفارِ خمسہ یہود کی مذہبی زندگی کا کامل مجموعہ نہیں، صرف انجیل عیسائیوں کی مذہبی حیات کا مکمل سرمایہ نہیں۔ یہاں تک کہ اُن کے عقائد و عبادات بھی اُن کے صحیفوں کے رہینِ منت نہیں، اور وہ اُن کی صحیح تعلیم سے یکسر خاموش ہیں، لیکن اسلام قرآن سے باہر کچھ نہیں، باہر جو کچھ ہے (احادیث) اُس کی عملی توضیح و تفسیر ہے۔ وہی تنہا مسلمانوں کی ہر ضرورت کا کفیل، اور ہر سوال کا مجیب ہے اور اسی لیے اس کے پیرو کامل حَسْبُنَا کِتَابُ اللّٰہ[1] (ہم کو خدا کی کتاب کافی ہے) کا نعرہ فخر بلند کرتے ہیں۔

قرآن جوامع الکلم ہے کہ اس کی ایک ایک آیت کے اندر سیکڑوں لطائف ہیں۔ اس کے ایک ایک لفظ سے متکلمین اور فقہاء نے چند در چند مسائل نکالے ہیں، اور صوفیہ اور ارباب حال نے نکتے پیدا کیے ہیں، تاہم اس کی لطافتوں اور نزاکتوں کا خاتمہ نہیں ہوا، اور اس کی جوامع الکلمی کا حصر نہ ہو سکا۔

تکمیلِ دین اسلام کا صحیفہ جب ایسا جامع ہے تو یقیناً وہ دین بھی جس کو لے کر وہ آیا، کامل ہو گا، قرآن مجید نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے قریب عین مسلمانوں کے اجتماعِ عظیم کے دن (حجۃ الوداع) یہ اعلان عام کیا:

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ — آج کے دن میں نے تمہارے لیے تمہارا
وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ — دین کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت

[1] صحیح بخاری ذکر مرض و وفات صلی اللہ علیہ وسلم و کتاب الوصیۃ۔

لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا	پوری کردی اور اسلام کو دین کی حیثیت
(مائدہ)	سے میں نے تمہارے لیے پسند کیا۔

اسلام قرآن کے عقیدے کے مطابق اُس صحیح مذہب کا نام ہے جو اپنے اپنے وقت میں ہر پیغمبر کو عطا ہوا، اور وہ عہد بعہد دنیا کی عمر کے ساتھ مختلف پیغمبروں کے ہاتھوں سے تکمیل کو پہنچتا رہا، یہاں تک کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت و تبلیغ کی تکمیل پر وہ اپنے معراجِ کمال کو پہنچکر تمام ہوگیا، اور یہ منصب خاص صرف آپ کی ذاتِ پاک کے لیے روزِ ازل سے مقدر ہو چکا تھا، آپ نے فرمایا انا خاتم النبیین وآدم منجدل فی طینتہ[1] میں پیغمبر آخر تھا، اور آدم ابھی آب و گل میں پڑے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بلیغ تمثیل میں اسلام کی تکمیل دین کی تشریح فرمائی ہے، فرمایا "میری اور دوسرے انبیاء کی مثال یہ ہے کہ جیسے ایک شخص نے ایک عمارت بنائی، لوگ اس کے اندر جاتے ہیں، اور اس کو دیکھ کر حیران رہ جاتے ہیں، لیکن دیکھتے ہیں کہ اس میں ایک اینٹ کی جگہ خالی ہے تو میں وہ آخری اینٹ ہوں[2]" عمارت دین و نبوت ہے، اس کی ایک ایک اینٹ ایک ایک پیغمبر کا وجود اور اس کا دین و شریعت ہے، اور اس کی تکمیل کا آخری پتھر نبی امی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وجود اقدس ہے۔

دائمی معجزہ وہ دین جو مختلف انبیاء علیہم السلام کی وساطتوں سے دنیا میں آتا رہا، چونکہ وہ محدود زمانوں کے لیے آیا کیا اس لیے اُن کے معجزے بھی محدود الوقت تھے، یعنی ایک

---

[1] مستدرک حاکم تفسیر سورۂ احزاب [2] صحیح بخاری و مسلم و ترمذی باب خاتم النبیین

خاص وقت میں پیدا ہوئے، اور مٹ گئے۔ اب عصائے موسیٰؑ، لحن داؤدؑ، تعبیر یوسفؑ، ناقۂ ہودؑ، نفس عیسیٰؑ کا کہاں پتہ ہے۔ لیکن جو دین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ آیا کامل تھا، اور قیامت تک کے لیے آیا تھا۔ بنا بریں اس کے لیے ایک دائمی اور مستقل معجزہ کی ضرورت تھی، اور وہ خود صحیفۂ اسلام ہے۔ صحیحین میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "ہر نبی کو وہ معجزہ ملا جس پر اس کی امت ایمان لائی۔ لیکن جو مجھے ملا وہ وحی ہے۔ جو خدا نے بھیجی، تو مجھے امید ہے کہ میرے پیرو تمام انبیاء سے زیادہ ہوں گے۔"[1] یہ خیال مبارک اسی لیے تھا کہ آپ کا معجزۂ وحی قیامت کے لیے ہے، اس لیے اُس کو دیکھنے والے اور اس پر ایمان لانے والے سب سے زیادہ ہوں گے۔ دوسرے انبیاء علیہم السلام کے صحیفے بجائے خود معجزہ نہ تھے، اسی لیے وہ تحریف و تغیر سے پاک نہیں رہے۔ اور قرآن دین کا کامل صحیفہ خاتم الانبیاء کی وحی اور دائمی معجزہ بن کر آیا۔ اسی لیے وہ ہمیشہ کے لیے اپنی حفاظت کا سامان اپنے ساتھ لایا۔ وَاِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوْنَ (حجر) اور ہم ہیں اس کے محافظ۔"

ختم نبوت یہ رعب و نصرت، یہ پیروؤں کی کثرت، یہ سجدہ گاہی عام، یہ اعجاز دوام، یہ جوامع الکلمی، یہ دعوت عمومی، یہ تکمیل دین، یہ آیات مبین خود اس بات کے دلائل ہیں کہ آپ کے وجود اقدس پر تمام پیغمبرانہ نعمتوں کا خاتمہ ہو گیا، اور نبوت اور رسالت کا سلسلہ منتہی ہو گیا، اور اب دنیا کسی نئے آنے والے وجود سے مستغنی ہو گئی۔ اسی لیے قرآن پاک نے عہد نبوت کے سب سے بڑے مجمع میں یہ اعلان عام کیا کہ

---

[1] صحیح بخاری کتاب الاعتصام و صحیح مسلم کتاب الایمان۔

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ	آج میں نے تمہارا دین کامل کر دیا اور
اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ	اپنی نعمت تم پر تمام کر دی اور تمہارے لئے
لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا (مائدہ)	دین کی حیثیت سے اسلام کو پسند کیا۔

یہ آیت جو ۱۰ھ سنہ کو نازل ہوئی، اس بات کی بشارت تھی کہ نبوت جس کا مقصد دین کی عمارت میں کسی نہ کسی اینٹ کا اضافہ تھا، وہ آج تکمیل کو پہنچ گئی، لیکن اس سے پہلے سنہ میں بھی یہ بشارت ان الفاظ میں گوش گذار ہو چکی تھی،

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِّنْ	محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے
رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ	باپ نہیں، لیکن خدا کے پیغمبر اور
وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ (احزاب)	تمام نبیوں کے خاتم ہیں۔

ختم کے لغوی معنی کسی چیز کو اس طرح بند کرنے کے ہیں کہ نہ اس کے اندر کی چیز باہر نکل سکے اور نہ باہر کی چیز اس کے اندر جا سکے[1]۔ اسی سے اس کے دوسرے معنی کسی شے کو بند کر کے اس پر مہر کرنے کے ہیں"، جو اس بات کی علامت ہے کہ اس کے اندر سے نہ کوئی چیز باہر نکلی ہے اور نہ کوئی باہر کی چیز اس کے اندر گئی ہے۔ اور چونکہ یہ عمل مہر سب سے آخر میں کیا جاتا ہے، اس کے معنی انتہا اور ختم کرنے کے بھی آتے ہیں۔ قرآن مجید میں یہ معنی مستعمل ہوئے ہیں۔ مثلاً

اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰى	آج قیامت کے دن، ان کے منہ

[1] دیکھو لسان العرب و صحاح جوہری و اساس البلاغۃ زمخشری۔

اَفْوَاهِهِمْ (یٰسٓ) پر مہر لگا دینگے (یعنی بند کر دینگے کہ بول نہ سکیں)

یہاں ختم کے معنی "بند کر دینے" کے بالکل ظاہر ہیں،

خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ (بقرہ) خدا نے ان کافروں کے دلوں پر مہر لگا دی ہے (یعنی اُنکے دلوں کے دروازے بند کر دیے)

کہ باہر سے جو نصیحت اور ہدایت کی باتیں وہ سنتے ہیں، وہ اُن کے دلوں کے اندر نہیں گھستیں اور بے اثر رہتی ہیں۔

وَخَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ (جاثیہ) اور خدا نے اسکے کان پر اور دل پر مہر لگا دی ہے (یعنی اسکے کان اور دل بند کر دیے)

کہ اُس کے کان کے اندر دعوتِ رسول کی آواز، اور اس کے دل کے اندر اس آواز کا اثر نہیں جاتا،

فَيُسْقَوْنَ مِنْ رَّحِيْقٍ مَّخْتُوْمٍ (مطففین) اہلِ جنت پلائے جائیں گے وہ شراب جس پر مہر لگی ہوگی

وہ سربمہر یعنی بند ہوگی جو اس بات کا ثبوت ہوگا کہ یہ خالص شراب ہے، یہ کھانسی نہیں کہ اُس کے اندر کی خوشبو باہر نکل گئی ہو، اور نہ اس کے اندر باہر سے کوئی چیز کسی نے ملا دی ہے جس سے اس کی تیزی کم ہو گئی ہو، اسی کے بعد یہ آیت ہے:

خِتَامُهٗ مِسْكٌ (مطففین) اس کی مہر مشک ہوگی (یا) اس شراب کا آخر مشک ہوگا۔

یعنی اس کے ہر گھونٹ کے پینے کے بعد مشک کی بو اُس میں سے نکلے گی۔ یا یہ معنی کہ بوتل یا صراحی کا منہ نہایتِ صفائی اور نزاہت کی غرض سے دنیا کی طرح مٹی، لاکھ یا موم کے بجائے مشکِ خالص سے بند ہوگا۔

بہرحال ان تمام استعمالات سے یہ بالیقین معلوم ہوگا کہ اس لفظ کے عمومی اور مشترک معنی کسی چیز کے بند کرنے کے ہیں۔ لفظ خاتم کی دو قراتیں ہیں، مشہور قرأت تو خاتم (بکسر تا) کی ہے جس کے معنی ختم کرنے والے اور بند کرنے والے کے ہوئے۔ اور دوسری قرأت خاتم کی ہے جس کے معنی ہیں "وہ شے جس کے ذریعے کوئی شے بند کی جائے اور اس پر مہر لگائی جائے تاکہ وہ کھولی نہ جا سکے۔ اور نہ اس کے اندر کوئی چیز باہر سے جا سکے"[1] الغرض دونوں حالتوں میں آیت پاک کا حاصل معنی ایک ہی ہوگا کہ آپ کا وجود پیغمبروں کے سلسلہ کو بند کرنے والا اور اُن پر مہر لگا دینے والا ہے کہ پھر آئندہ کوئی نیا شخص اس جماعت میں داخل نہ ہو سکے۔

آیت پاک کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے وہ ظاہری باپ نہیں ہیں جس کے رشتہ کی بنا پر وراثت اور حرمتِ نکاح وغیرہ کے احکام جاری ہوتے ہیں، بلکہ وہ روحانی باپ (رسول اللہ) اور سب سے آخری روحانی باپ (خاتم النبیین) ہیں، اس لیے باپ ہونے کے ظاہری احکام کے بغیر آپ ہی پدرانہ عظمت رکھنی چاہیے، اور اسی طرح آپ کی پدرانہ اطاعت کرنی چاہیے۔

احادیث صحیحہ میں لفظ خاتم النبیین کی تشریح بالکل صاف اور واضح ہے۔ احمد

---

[1] تفسیر ابن جریر طبری و تفسیر ابن حیان اندلسی، تفسیر آیت مذکور۔

ہیں حضرت ثوبانؓ اور حضرت حذیفہؓ اور ترمذی میں صرف حضرت ثوبانؓ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میرے تیس کے قریب جھوٹے نبی پیدا ہوں گے،

وانی خاتم النبیین لا نبی بعدی	بتحقیق میں نبیوں کا خاتم ہوں میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا،

لا نبی بعدی خاتم النبیین کی تفسیر و تشریح ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ خاتم النبیین کے یہی معنی ہیں کہ آپ کے بعد پھر کوئی نبی نہ ہوگا۔ اس کے علاوہ آپ نے تکمیل دین اور ختم نبوت کی جو مشہور تمثیل بیان کی ہے اور جس کو ہم اس سے پہلے لکھ چکے ہیں، اس سے بھی لفظ خاتم النبیین کی پوری تفسیر ہوتی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ میری اور دیگر انبیاء کی مثال ایسی ہے جیسے کسی نے کوئی عمدہ محل بنوایا ہو، لوگ اس کو آ آ کر دیکھتے ہیں، اور اسکی عمدگی اور خوبصورتی پر عش عش کرتے ہیں لیکن اس کے ایک گوشہ میں ایک اینٹ کی جگہ خالی ہے، تو کہتے ہیں کہ اگر یہ اینٹ تمام رہ جاتا تو خوب ہوتا۔ اس کے بعد مختلف روایتوں میں حسب ذیل الفاظ ہیں،

فانا تلک اللبنۃ[1]	تو میں وہی آخری اینٹ ہوں،
فانا اللبنۃ وانا خاتم النبیین[2]	تو میں وہی آخری اینٹ ہوں اور سب پیغمبروں کا خاتم ہوں،
فانا موضع اللبنۃ جئت فختمت[3]	تو اسی آخری اینٹ کی جگہ ہوں، میں آیا اور
الانبیاء[4]	تو پیغمبروں کا سلسلہ ختم کر دیا۔

[1] جلد ۵ ص ۲۷۷ [2] جلد ۵ ص ۱۳۹۶ اس روایت میں ۲۷ تعداد لکھی ہے جن میں یہ عورتیں ہوں گی، [3] کتاب الفتن حدیث حسن صحیح [4] بخاری و مسلم باب خاتم النبیین [5] بخاری باب خاتم النبیین و صحیح مسلم عن ابی ہریرہ و عن ابی سعید خدریؓ باب خاتم النبیین [6] صحیح مسلم باب مذکور عن جابرؓ۔

وانا فی النبیین موضع ملک اللبنۃ[1]	میں پیغمبروں میں اسی آخری اینٹ کی جگہ ہوں،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیگر انبیاء کے مقابلہ میں اپنے جو مخصوص فضائل گنائے ہیں، اُن میں ایک ختمِ نبوت بھی ہے، چنانچہ صحیح مسلم (کتاب المساجد) ترمذی (کتاب السیر باب الغنیمہ) اور نسائی میں ہے کہ آپ نے فرمایا،

وَخُتِمَ بِیَ النَّبِیُّوْنَ	اور انبیاء مجھ سے ختم کیے گئے،

سنن دارمی میں حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا،

وَانا خاتم النبیین ولا فخر (باب ما اکرم اللہ نبیہ ص ۱۶)	اور پیغمبروں کا خاتم ہوں، اور اس پر فخر نہیں،

آپ کا خاتمِ نبوت ہونا کوئی اتفاقی واقعہ نہ تھا، بلکہ یہ آپ کی وہ خصوصیت تھی جو آپ کے لیے روزِ ازل سے مقرر ہو چکی تھی، آپ نے ارشاد فرمایا،[2]

انی عبد اللہ لخاتم النبیین و ان آدم لمنجدل فی طینتہ	میں خدا کا بندہ اور خاتم انبیاء تھا اور آدم ہنوز اپنے عنصر خاکی میں پڑے تھے،

---

[1] باب فضائل النبی صلی اللہ علیہ وسلم ترمذی عن ابی بن کعبؓ [2] یہ حدیث حسب ذیل کتابوں میں ہے مستدرک حاکم تفسیر سورۂ احزاب جلد ص ۴۱۸، حاکم اور ذہبی نے اس کی تصحیح کی ہے۔ و تاریخ امام بخاری (بحوالہ فتح الباری جلد ۶ ص ۴۰۷، و حلیۃ الاولیاء ابی نعیم و شعب الایمان بیہقی (بحوالہ کنز العمال جلد ۶ ص ۱۰۴ حیدرآباد) و مسند احمد ص ۱۴۷ و ۱۲۸

حضرت علیؓ کو جب آپ نے اہل بیت کی نگرانی کے لیے مدینہ چھوڑ کر تبوک جانا چاہا،
اور حضرت علیؓ نے ہمرکاب نہ ہونے پر ملال خاطر ظاہر کیا، تو آپ نے ان کو تسلی دی اور فرمایا،

الا ترضی ان تکون منی بمنزلۃ — کیا تم اس پر خوش نہیں کہ تم میں اور مجھ میں
ھارون من موسی الا انہٗ — وہ نسبت ہو جو ہارون اور موسیٰ میں تھی،
لیس نبی بعدی (صحیح بخاری غزوہ تبوک) — لیکن یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں،

صحیح مسلم (مناقب علی) میں یہ الفاظ ہیں،

غیر انہ لا نبی بعدی — لیکن یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں،
الا انہ لا نبوۃ بعدی — لیکن یہ کہ میرے بعد کوئی نبوت نہیں،

صحیح بخاری (کتاب الانبیاء) اور صحیح مسلم (کتاب الامارۃ) میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ بنو اسرائیل کی نگرانی اور سیاست انبیاء کرتے تھے، ایک نبی جب مرتا تھا تو دوسرا نبی پیدا ہوتا تھا۔

وانہ لا نبی بعدی — اور بے تحقیق میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا،

جامع ترمذی[1] اور مستدرک حاکم میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کی مدح میں فرمایا

لو کان نبی بعدی لکان عمر بن الخطاب — اگر میرے بعد کوئی نبی ہو سکتا تو خطاب کے بیٹے عمر ہوتے،

عربی زبان جاننے والے کو معلوم ہے کہ "لو" امر محال کے لیے آتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ آپ کے بعد کسی دوسرے نبی کا آنا محال ہے،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے پانچ نام ہیں، میں محمد ہوں میں احمد ہوں،

---

[1] مناقب عمر، حدیث غریب حسن [2] مناقب عمر جلد ۳ ص ۵۱۹ حیدر آباد حدیث صحیح، صحیح الذہبی۔

میں ماحی ہوں کہ خدا میرے ذریعہ سے کفر کو محو کریگا، میں حاشر ہوں کہ خدا میرے پیچھے سب کو جمع کرے گا، اور میں عاقب (آخری) ہوں، الذی لیس بعدہ نبی جس کے بعد کوئی نبی نہوگا[1]

جامع ترمذی اور بعض دوسری کتابوں میں آخری فقرہ ان الفاظ میں ہے: الذی لیس بعدی نبی یعنی[2] میں وہ عاقب ہوں کہ میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔"

صحیح بخاری میں آپ کا ارشاد ہے کہ "خوشخبریوں کے سوا نبوت کا کوئی حصہ باقی نہیں رہا"۔ صحابہ نے پوچھا کہ یا رسول اللہ! خوشخبریاں کیا ہیں؟ فرمایا "رویائے صالحہ[3] (یعنی سچے خواب) جو کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاءؑ کو اپنے امور غیب سے مطلع کرنے کے متعدد ذرائع میں سے ہیں، منجملہ اُن کے ایک رویائے صالحہ بھی ہے، اسی لیے احادیث میں آیا ہے کہ "نبوت کے چھیالیس اجزاء میں سے ایک جزء مومن کا رویائے صالحہ ہے"[4] ایک اور حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ تم سے پہلے قوموں میں محدثین (بات کیے گئے) ہوا کرتے تھے، اگر میری امت میں کوئی محدث ہوگا تو وہ عمرؓ ہیں[5]، ائمۂ حدیث نے محدث کے معنی مُلْہَمْ کے لکھے ہیں۔

غرض ختمِ نبوت کے بعد اب جو نعمت اہل ایمان کے لیے باقی رہ گئی ہے وہ صرف دو ہیں، رویائے صالحہ اور الہام۔ لیکن چونکہ نبی کے سوا کوئی انسان معصوم نہیں اور

---

[1] صحیح بخاری و صحیح مسلم باب اسماء النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ صحیح بخاری میں عاقب کی تفسیر مذکور نہیں مسند ابن حنبل جلد ۴ ص ۸۰ میں یہ حدیث اور عاقب کی یہ تفسیر امام زہری سے مذکور ہے۔

[2] فتح الباری شرح بخاری جلد ۶ ص ۴۰۶۔ [3] صحیح بخاری کتاب التعبیر [4] صحیح بخاری کتاب التعبیر و صحیح مسلم کتاب الرویا و مسند ابن حنبل جلد ۳ ص ۲۹۱ عن انس [5] بخاری و مسلم و ترمذی، مناقب عمرؓ۔

نہ اس کی سچائی کی کوئی قطعی شہادت موجود ہے، اس لیے کسی مومن کے رویائے صالحہ اور الہامات کسی دوسرے شخص پر بلکہ خود اُس پر بھی حجت نہیں، اور ان کے منجانب اللہ ہونے کا یقین کامل کرنا، اور ان کی اطاعت و پیروی کرنا اور ان کی طرف لوگوں کو دعوت دینا، اور ان کی صداقت پر تحدی کرنا ضلالت و گمراہی ہے۔ ان رویائے صالحہ اور الہامات کے ذریعہ سے جو چیز مومن کو دکھائی جاتی ہے، وہ احکام نہیں ہوتے، بلکہ صرف خوشخبریاں ہوتی ہیں، یعنی امر غیب اور مستقبل کے کچھ اطلاعات اور مناظر!

مسند ابن حنبل میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ آپ نے مرض الموت میں حجرۂ مبارک کا پردہ اٹھایا، حضرت ابوبکرؓ امام تھے، اور صحابۂ کرام صف بستہ پیچھے، اُس وقت یہ آخری اعلان فرمایا،

یاایھا الناس لم یبق من مبشرات النبوۃ الا الرویا الصالحۃ یراھا المسلم او تری لہ،	اے لوگو! نبوت کی خوشخبریوں میں سے اب کوئی چیز باقی نہیں رہی، علم و خبر میں سحاب کوئی چیز باقی نہیں رہی، لیکن ایک رویائے صالحہ جو مسلمان اپنے متعلق دیکھے، آپ دیکھے یا کوئی دوسرا اس کے متعلق دیکھے۔
(جلد ۱ ص ۲۱۹)	

اس سے صاف ہوگیا کہ رویائے صالحہ شخصی احوال و مناظر سے متعلق ہے، اسی کتاب میں حضرت انس بن مالکؓ کی روایت ہمارے مقصد کے اثبات کے لیے اس سے بھی زیادہ صاف اور واضح ہے، حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ ایک دن مجلس نبویؐ میں خدام حاضر تھے، آپ نے فرمایا

ان الرسالۃ والنبوۃ قد انقطعت — رسالت اور نبوت کا سلسلہ منقطع ہوگیا ہے

فلا رسول بعدی ولا نبی — میرے بعد نہ کوئی رسول ہوگا اور نہ کوئی نبی

صحابہ پر یہ بات سخت گذری تو آپ نے فرمایا ولکن المبشرات لیکن خوشخبریاں باقی ہیں، لوگوں نے عرض کی، یا رسول اللہ خوشخبریاں کیا ہیں؟ فرمایا مرد مومن کی رویائے صالحہ وہ نبوت کے اجزاء میں سے ایک جزء ہے[1]

یہ تمام حدیثیں حقیقت میں جیسا کہ ترمذی و حاکم میں ہے، اس آیت کی تفسیر ہیں،

اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَکَانُوْا یَتَّقُوْنَ لَھُمُ الْبُشْرٰی فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَۃِ	ہاں! اولیائے الٰہی کو کوئی خوف اور غم نہیں، جو ایمان لائے اور تقویٰ کرتے تھے، انکو دنیا اور آخرت میں بشارت ہے۔

صحابہ نے پوچھا کہ دنیا میں انکے لیے بشارت کیا ہے؟ فرمایا "رویائے صالحہ" اس آیت پاک سے دو باتیں معلوم ہوئیں، ایک یہ کہ ان بشرات کے حصول کا ذریعہ ایمان اور تقویٰ کی تکمیل ہے، اور دوسری یہ کہ ایسے لوگوں کا نام جن کو یہ مرتبہ حاصل ہوا، اولیاء اللہ ہے، اور اس لیے ان کے اس رتبہ کا نام ولایت ہوگا، اس کو جزئی نبوت، لغوی نبوت، مجازی نبوت، نبوتِ ناقصہ وغیرہ کے الفاظ سے ادا کرنا ایسی لفظی گمراہی ہے، جو معنوی گمراہی کی طرف مفضی ہے اور اس سے شرک فی النبوۃ کی اسی طرح برائیاں پیدا ہوں گی۔ بلکہ ہوئیں اور ہو رہی ہیں جس طرح حضرت عیسیٰؑ کو مجازی معنوں میں ابن اللہ کہکر حقیقی معنوں

[1] مسند ابن حنبل عن انس جلد ۳ و ترمذی کتاب الرویا ۲ تفسیر سورہ یونس و کتاب الرویا، و مستدرک حاکم تفسیر یونس

میں عیسائی شرک فی التوحید میں مبتلا ہو گئے، کیونکہ ہر قسم کی نبوتوں کا خاتمہ ہو چکا، دین کی تکمیل ہو چکی، دنیا میں خدا کا آخری پیغام دعوتِ محمدی کے ذریعہ سامعہ نواز ہو چکا، معمارِ قدرت اپنی عمارت میں اس آخری پتھر کو اپنی جگہ پر رکھکر اپنی تعمیر پوری کر چکا، درجہ بدرجہ ستاروں کے طلوع کے بعد وہ خورشید انور طالع ہوا جس کے لیے غروب نہیں، طرح طرح کی بہاروں کے آنے کے بعد باغِ کائنات میں وہ سدا بہار موسم آگیا جس کے بعد پھر خزاں نہیں۔

شفاعتِ اولین عرصۂ دارد گیر محشر میں جب جلالِ الٰہی کا آفتاب پوری تمانت پر ہوگا، اور گنہگار انسانوں کو امن کا کوئی سایہ نہیں ملے گا۔ اس وقت سب سے پہلے فخرِ موجودات، باعثِ خلق کائنات، سید اولاد آدمؑ، خاتم الانبیاء، رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہاتھوں میں لوائے حمد لے کر اور فرقِ مبارک پر تاجِ شفاعت رکھکر گنہگاروں کی دستگیری فرمائیں گے۔

لفظ "شفاعت" اصل لغت میں شفع سے نکلا ہے جس کے معنی جوڑا بننے، ایک کے ساتھ دوسرے کے ہونے کے ہیں، چونکہ شفاعت اصل میں یہی ہے کہ "کسی درخواست کنندہ اور عریضہ گذار کے ہم آہنگ ہو کر کسی بڑے کے سامنے اُس کی عرض و درخواست کو قبول کرلینے کی خواہش کا اظہار کرنا"۔ آپ کی شفاعت بھی یہی ہوگی کہ آپ گنہگاروں کی زبان بن کر ان کی طرف سے خداوند ذوالجلال کے اذن سے اُس کے سامنے ان کی بخشایش و مغفرت کی درخواست پیش کریں گے، سورۂ اسرا میں ہے:

عَسٰۤى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا — قریب ہے کہ خدا تجھے مقامِ محمود میں اٹھائے

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں تمام صحیح روایتوں میں متعدد صحابہ کبارؓ سے منقول ہے کہ

مقامِ محمود سے مراد رتبہ شفاعت ہے،[1] صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت انسؓ نے شفاعت کے تمام واقعات بیان کرکے یہ آیتِ بالا تلاوت کی، پھر حاضرین کو مخاطب کرکے فرمایا "یہی وہ مقام محمود ہے جس کا تمہارے پیغمبر سے وعدہ کیا گیا ہے"۔[2] صحیح مسلم میں ہے کہ بصرہ کے کچھ خوارج جو گناہ کبیرہ کے مرتکب کو دائمی جہنمی سمجھتے ہیں یعنی ان کے حق میں شفاعت کے اثر کے قائل نہیں، مدینہ منورہ آئے، یہاں مسجد نبوی میں حضرت جابر بن عبداللہؓ صحابی قیامت کے واقعات بیان کر رہے تھے، ان میں سے ایک صاحب نے بڑھ کر کہا "اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی! آپ یہ کیا فرما رہے ہیں! خدا تو قرآن میں یہ کہہ رہا ہے" یہ کہکر قرآن پاک کی ایک آیت پڑھی جس کا یہ مطلب ہے کہ دوزخی جب دوزخ سے نکلنا چاہیں گے تو پھر اسی میں ڈال دیے جائیں گے، کُلَّمَا اَرَادُوْٓا اَنْ یَّخْرُجُوْا مِنْهَآ اُعِیْدُوْا فِیْهَا۔ حضرت جابرؓ نے پوچھا تم نے قرآن پڑھا ہے؟ اس نے جواب دیا "ہاں" فرمایا تم نے اس مقام محمود کا بیان سنا ہے جس میں اللہ تعالیٰ تمہارے پیغمبر کو مبعوث کرے گا، اس نے کہا ہاں سنا ہے۔ فرمایا تو یہی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام محمود ہے جس کے ذریعہ سے خدا دوزخ سے جس کو نکالنا چاہے گا نکالے گا۔" یہ سن کر ایک کے سوا باقی سب اپنے اپنے عقیدۂ باطل سے تائب ہو گئے اور بولے کہ "کیا یہ بوڑھا صحابیؓ رسول پر جھوٹ بولے گا؟"

بخاری میں[3] حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ قیامت کے روز ہر امت اپنے اپنے پیغمبر

---

[1] صحیح بخاری و جامع ترمذی و مستدرک تفسیر آیت مذکورہ [2] صحیح مسلم کتاب الایمان باب الشفاعۃ [3] صحیح بخاری کتاب الرقاق علی الجہنیہ ص ۱۰۰۸ [4] صحیح مسلم کتاب الایمان باب الشفاعۃ [5] صحیح بخاری تفسیر آیت مذکور

کے پیچھے چلے گی، اور کہے گی کہ "اے وہ! خدا کی درگاہ میں ہماری شفاعت کیجئے"۔ یہاں تک کہ شفاعت کا معاملہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچے گا، یہی وہ دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ آپ کو مقام محمود میں اٹھائے گا، جابرؓ بن عبداللہ کہتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ "جو شخص اذان سن کر یہ دعا مانگے گا کہ اے خدا جو پوری دعا اور کھڑی ہونے والی نماز کا مالک ہے، محمدؐ کو وسیلہ اور فضیلت اور وہ مقام محمود عطا فرما جس کا تو نے وعدہ فرمایا تو قیامت کے دن اس کے لیے میری شفاعت اترے گی"۔ آپ نے فرمایا کہ "ہر نبی کو کوئی نہ کوئی مستجاب دعا دی گئی، میں نے اپنی اس دعا کو اپنی امت کے لیے چھپا رکھا ہے"۔ پھر فرمایا ہے کہ "مجھکو دیگر انبیاء پر چند فضیلتیں عطا ہوئیں۔ ان میں سے ایک یہ کہ مجھے شفاعت عطا کی گئی"، (یعنی شفاعت اولین) موطا امام مالک اور صحیحین میں حضرت ابوہریرہؓ سے متعدد تابعیوں نے یہ متفقہ روایت نقل کی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ "ہر نبی کو ایک مقبول دعا مانگنے کا موقع عطا کیا گیا تو انھوں نے وہ دعا مانگ لی اور وہ قبول کر لی گئی، لیکن میں نے اپنی دعا کا یہ موقع قیامت کے دن کے لیے چھپا رکھا ہے اور وہ اپنی امت کی شفاعت ہے"۔ فرمایا کہ "میں سب سے پہلا شفیع ہوں گا اور سب سے پہلا وہ شخص جس کی شفاعت قبول کیجائیگی"۔ اور فرمایا کہ "میں پہلا ہونگا جو جنت کی شفاعت کریگا"۔ اُس دن جب دنیا کی گنہگار عورتیں اپنی عریاں صورت میں نظر آئیں گی، اور آدم کی اولاد

لہ صحیح بخاری تفسیر آیت مذکورہ باب الدعاء عند النداء ۲ صحیح بخاری کتاب التوحید و کتاب الدعوات و صحیح مسلم باب الشفاعۃ ۳ صحیح بخاری و مسلم کتاب الصلوٰۃ ۴ صحیح بخاری کتاب التوحید و کتاب الدعوات و صحیح مسلم باب الشفاعۃ ۵ صحیح مسلم کتاب فضائل النبی صلی اللہ علیہ وسلم وغیرہ ۶ صحیح مسلم کتاب الایمان باب الشفاعۃ۔

ترساں ولرزاں کسی شفیع کی تلاش میں ہوگی کبھی آدم علیہ السلام کا سہارا ڈھونڈھے گی کبھی نوحؑ وابراہیمؑ کو یاد کرے گی کبھی موسیٰؑ وعیسیٰؑ کی طرف بیتاب لپکے گی، مگر ہر جگہ نفسی نفسی کی آواز بلند ہوگی بالآخر شفیع المذنبین سید الاولین والآخرینؐ آگے بڑھیں گے اور قسکین کا پیام سنائیں گے۔

حدیث کی اکثر کتابوں میں خصوصاً صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہؓ، حضرت انسؓ بن مالک، حضرت جابرؓ بن عبداللہ، حضرت حذیفہؓ سے متعدد طریقوں سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کی ایک مجلس میں بیان فرمایا کہ "قیامت کے ہولناک میدان میں لوگوں کو ایک شفیع کی تلاش ہوگی، لوگ پہلے حضرت آدم علیہ السلام کے پاس پہنچیں گے اور کہیں گے کہ "آپ ہمارے باپ ہیں، خدا نے آپ کو اپنے ہاتھوں سے پیدا کیا، اور آپ میں اپنی روح پھونکی، اور فرشتوں کو آپ کے سجدہ کا حکم دیا، آپ خدا کے حضور میں ہماری سفارش کیجئے"، وہ جواب دیں گے کہ میرا یہ رتبہ نہیں، میں نے خدا کی نافرمانی کی تھی، آج خدا کا وہ غضب جو کبھی نہ ہوا تھا اور نہ ہوگا نفسی نفسی! اے میری جان! اے میری جان!! لوگ حضرت نوحؑ کے پاس جائیں گے اور کہیں گے کہ آپ روئے زمین کے پہلے پیغمبر ہیں، خدا نے آپ کو شکر گذار بندہ کا خطاب دیا ہے، آج خدا کے حضور ہماری سفارش کیجئے، وہ کہیں گے کہ ہمارا یہ رتبہ نہیں، آج خدا کا وہ غضب جو کبھی نہ ہوا تھا اور نہ کبھی ہوگا، مجھ کو ایک مستجاب دعا کا موقع عنایت ہوا تھا، وہ اپنی قوم کی تباہی کے لیے بالکل چکا، نفسی نفسی!! تم ابراہیمؑ کے پاس جاؤ" مخلوق ان کے پاس جائیگی اور اپنی وہی درخواست پیش کرے گی کہ "آپ تمام انسانوں میں خدا کے دوست ہوئے، اپنے پروردگار سے شفاعت کیجئے"، وہ بھی کہیں گے "میرا یہ رتبہ

نہیں آج خدا کا وہ غضب ہے جو نہ کبھی ہوا اور نہ کبھی ہوگا۔ نفسی نفسی! تم موسیٰؑ کے پاس جاؤ، لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس جائیں گے، اور کہیں گے کہ اے موسیٰؑ آپ خدا کے پیغمبر ہیں، خدا نے اپنے پیغام و کلام سے آپ کو لوگوں پر برتری بخشی ہے، اپنے خدا سے ہمارے لیے سفارش کیجیے، کیا آپ ہماری مصیبتوں کو نہیں دیکھتے؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام ان سے کہیں گے کہ آج خدا کا وہ غضب ہے جو کبھی نہیں ہوا اور نہ ہوگا، میں نے ایک ایسے شخص کو قتل کیا جس کے قتل کا مجھے حکم نہیں دیا گیا تھا، نفسی نفسی! تم لوگ عیسیٰؑ کے پاس جاؤ، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جا کر لوگ کہیں گے کہ اے عیسیٰؑ! آپ خدا کے وہ رسول ہیں جس نے گہوارہ میں کلام کیا اور کلمۃ اللہ اور روح اللہ ہیں، اپنے پروردگار سے ہماری سفارش کیجیے، وہ بھی کہیں گے "یہ میرا رتبہ نہیں آج خدا کا وہ غضب ہے جو نہ کبھی ہوا اور نہ ہوگا، نفسی نفسی! تم محمدؐ کے پاس جاؤ" مخلوق آپؐ کے آئے گی اور کہے گی "اے محمدؐ! آپ خدا کے رسول اور خاتم الانبیاء ہیں، اور وہ ہیں جس کے اگلے اور پچھلے سب گناہ معاف ہیں، آپ اپنے پروردگار سے ہماری شفاعت کیجیے۔" آپؐ اٹھ کر عرش کے پاس آئیں گے اور اذن طلب کریں گے۔ اذن ہوگا تو سجدہ میں گر پڑیں گے آپؐ کے سامنے وہ کچھ کھول دیا جائے گا، جو کسی اور کے لیے نہیں کھولا گیا، اللہ تعالیٰ اپنے محامد اور تعریفوں کے وہ معنی اور وہ الفاظ آپؐ کے دل میں القا فرمائے گا جو اس سے پہلے کسی کو القا نہ ہوئے آپؐ دیر تک سر بسجود رہیں گے، پھر آواز آئے گی "اے محمدؐ! سر اٹھاؤ، کہو سنا جائیگا، مانگو دیا جائے گا، شفاعت کرو قبول کی جائے گی۔" عرض کریں گے الٰہی! امتی امتی! خداوندا میری امت، میری امت "حکم ہوگا" جاؤ جس کے دل میں جَو کے دانہ کے برابر بھی ایمان ہوگا

اُس کو نجات ہے"۔ آپ خوش خوش جائیں گے، اور اس کی تعمیل کر کے اور پھر حمد و ثنا کر کے عرض پرداز ہوں گے، اور سجدہ میں گر پڑیں گے، پھر صدائے غیب آئے گی کہ "اے محمد سر اٹھاؤ، کہو سنا جائے گا، مانگو دیا جائے گا، شفاعت کرو، قبول ہو گی"۔ عرض کریں گے الٰہی امتی امتی! حکم ہوگا جاؤ جس کے دل میں رائی کے برابر بھی ایمان ہو، وہ بخشا گیا، حضور جائیں گے اور پھر واپس آ کر عرض گذار ہوں گے: حمد و ثنا کریں گے اور سر بسجود ہوں گے، آواز آئے گی، جاؤ جس کے دل میں چھوٹی سی چھوٹی رائی کے برابر ایمان ہو، اس کو بھی دوزخ سے نکالو نگا"۔ آپ پھر جا کر واپس آئیں گے اور گذارش کریں گے، اور حمد و ثنا کر کے سجدہ میں گر پڑینگے پھر ندا آئے گی "اے محمد! سر اٹھاؤ، کہو سنا جائے گا، مانگو دیا جائے گا، شفاعت کرو قبول ہو گی"، عرض کریں گے جس نے بھی تیری یکتائی کی گواہی دی اس کی شفاعت کا اذن عطا ہو"۔ صدا آئے گی اس کا اختیار تم کو نہیں۔ لیکن مجھے اپنی عزت و کبریائی اور اپنی عظمت و جبروت کی قسم ہے، میں دوزخ سے ہر اُس شخص کو نکالوں گا جس نے مجھے ایک کہا اور اپنے لیئے دوسرا معبود نہیں بنایا۔ مَنْ قَالَ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ[1]

کمزور انسانوں کو تسکین کا یہ پیام محمد رسول اللہ کے سوا کس نے سنایا۔

خصائص آخروی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ وہ خصائص تھے، جو آپ کو پیغمبر مبلغ دین، مرجع مذہب اور پیشوائے امت ہونے کی حیثیت سے عطا ہوئے تھے، علاوہ بریں آپ کو آخرت کی دنیا میں

[1] یہ پوری حدیث صحیح بخاری باب تفسیر بنی اسرائیل کتاب الانبیاء ذکر نوح، صحیح مسلم باب الشفاعہ میں مختلف صحابیوں سے تھوڑے تھوڑے الفاظ کے تغیر سے مروی ہے، ہم نے سب کو جمع کرنے کی کوشش کی ہے۔

بھی مزید فضائل عنایت ہوئے ہیں، چنانچہ آپ نے فرمایا قیامت میں میں پیغمبروں کا نمائندہ اور امام اور ان کی شفاعت کا پیروکار ہوں گا اور اس پر فخر نہیں[1]، پھر فرمایا ہے میں قیامت کے دن تمام بنی آدم کا سردار ہوں اور اس پر فخر نہیں، اور میری ہی ہاتھ میں لواے حمد ہوگا اور اس پر فخر نہیں، اور قیامت کے دن آدمؑ وغیرہ تمام پیغمبر میرے علم کے نیچے ہوں گے، اور اس پر فخر نہیں، اور سب سے پہلے میں ہی قبر سے باہر آؤں گا۔ نیز ارشاد ہے "لوگ قبروں سے جب اٹھائے جائیں گے تو سب سے پہلا اٹھنے والا میں ہوں گا جب وہ خدا کے سامنے حاضر ہوں گے تو ان کی طرف سے بولنے والا میں ہوں گا، جب وہ ناامید ہوں گے تو ان کو خوشخبری سنانے والا میں ہوں گا، اس دن خدا کی حمد کا علم میرے ہاتھ میں ہوگا[2]"۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّسَلَّمَ

تمت الجزء الثالث من السيرة النبوية

عَلٰى صَاحِبِهَا الصَّلٰوةُ وَالتَّحِيَّةُ

سنہ ۱۳۴۲ھ
یکم جمادی الاولیٰ

سید سلیمان ندوی

اس کتاب کے جملہ حقوق نقل و ترجمہ دار المصنفین کے حق میں محفوظ ہیں، مہتمم صاحب کی اجازت کے بغیر کوئی اقدام نہ فرمایا جائے

[1] ترمذی مناقب نبوی، حدیث حسن، صحیح غریب [2] حوالہ مذکور حدیث حسن [3] حوالہ مذکور حدیث حسن غریب

دیگر مطبوعات دارالمصنفین

نمبر شمار	نام کتاب		مصنف	قیمت
۱	سیرت النبیؐ	جلد اول	شبلی نعمانی	۲۰ روپے
۲	〃	〃 دوم	〃 〃	〃
۳	〃	〃 سوم	سلیمان ندوی	〃
۴	〃	〃 چہارم	〃 〃	〃
۵	〃	〃 پنجم	〃 〃	〃
۶	〃	〃 ششم	〃 〃	〃
۷	تاریخ فقہ اسلامی		عبدالسلام ندوی	۲۸ روپے
۸	سیر الصحابیات		سید انصاری	۱۳ روپے
۹	اسوۂ صحابیات		عبدالسلام ندوی	۷ روپے
۱۰	تاریخ اسلام	جلد اول تا چہارم	شاہ معین الدین ندوی	زیر طبع
۱۱	تاریخ دولتِ عثمانیہ	دو جلد	ڈاکٹر محمد عظیم	〃
۱۲	تاریخ اندلس		سید ریاست علی ندوی	〃
۱۳	شعر العجم	پانچ جلد	شبلی نعمانی	〃
۱۴	اسہل کتاب صحابہ و تابعین		حفیظ مجیب اللہ ندوی	〃
۱۵	شعر الہند	اول و دوم	عبدالسلام ندوی	〃
۱۶	اسوۂ صحابہ	دو جلدیں	〃 〃	〃
۱۷	گلِ رعنا		عبدالحی	〃
۱۸	بزمِ صوفیہ		سید صباح الدین عبدالرحمان	〃
۱۹	بزمِ تیموریہ		〃 〃 〃	〃
۲۰	اقبالِ کامل		عبدالسلام ندوی	〃
۲۱	الفاروق		شبلی نعمانی	〃
۲۲	المامون		〃 〃	〃
۲۳	الغزالی		〃 〃	〃
۲۴	اسلام کا سیاسی نظام		اسحاق حسند ویلی	〃
۲۵	ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کے تمدنی جلوے		سید صباح الدین عبدالرحمان	〃
۲۶	ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کے تمدنی کارنامے		〃 〃	〃